

اضافہ شدہ جدید ایڈیشن

عَنَايَةُ الْبَارِي

لِطَلَبَةِ الْبُخَارَى

تأليف لطيف

حضرت مولانا قاری محمد ادریس ہوشیار پوری مدظلہ

ریس جامعہ دارالعلوم رحیمہ ملتان شہر (مترجم خطبات حکیم الاسلام جلد ۱۲)

بمنظر تحقیق و اعتماد

حضرت محترم شیخ الحدیث مولانا عبد الرحمن جامی زید مجدہم

طریق انتخاب

(۱)	مدار تحقیق		کشف الباری
(۲)	معیار تفقہ		انعام الباری
(۳)	طرز تدریس		الخیر الساری
(۴)	اعداد تسہیل		نصر الباری
(۵)	رابط بین الابواب		دلیل القاری

إِدَارَةُ تَأْلِيفَاتِ أَشْرَفِيَّةٍ

چوک قوارہ ملتان انارکلی

{0322-6180738, 061-4519240}

تقدیم

حامد اللہ العظیم و مصلیٰ علیٰ رسولہ الکریم
(اضافہ و نظر ثانی شدہ ایڈیشن)

وبعد

”عنايت الباری لطلبة البخاری“ کا پہلا ایڈیشن ہمارے محرم محترم قاری محمد اسحاق صاحب ملتانی کی اشاعت ہے حضرات طلبہ کرام تک پہنچا۔۔۔ اسی طرح بڑے حضرات مشائخ کی بارگاہ میں بھی رسائی ہوئی۔۔۔ تاہم مجھے اپنے طور پر تشکیکی کا حس تھا۔۔۔ اس لئے اپنی بساط و ہمت کے مطابق اس پر نظر ثانی کی اور مندرجہ ذیل کتب سے جو مزید نکات مل سکے اور سامان تشریح دستیاب ہوا اسے مسودہ میں شامل کر دیا گیا۔

۱۔۔۔ درس بخاری حضرت شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ

۲۔۔۔ فضل الباری حضرت العلام مولانا شبیر احمد عثمانی قدس سرہ

۳۔۔۔ امداد الباری حضرت مولانا عبد الجبار اعظمی رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ مجاز حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ جامعہ قاسمیہ شاہی مراد آباد

۴۔۔۔ تحفۃ القاری حضرت العلام مولانا سعید احمد پالن پوری مدظلہ حال شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند انڈیا

۵۔۔۔ درس بخاری حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزئی شہید رحمۃ اللہ علیہ

۶۔۔۔ انوار الباری

۷۔۔۔ ارشاد القاری حضرت العلام مفتی رشید احمد لدھیانوی نور اللہ مرقدہ

اس لئے اس کو اگر ملحوظ رکھ لیا جائے کہ [۱] دارالعلوم دیوبند (درس بخاری، فضل الباری اور تحفۃ القاری)

[۲] مظاہر العلوم سہارن پور (نصر الباری)

[۳] جامعہ قاسمیہ شاہی مراد آباد (امداد الباری)

[۴] جامعہ فاروقیہ کراچی (کشف الباری)

[۵] دارالعلوم کورنگی (انعام الباری)

[۶] جامعہ خیر المدارس ملتان (الخیر الساری)

[۷] جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی (درس بخاری شامزئی)

[۸] جامعہ اسلامیہ باب العلوم کھر وڑپکا (دلیل القاری)

[۹] دارالعلوم نعمانی ڈی آئی خان (الہام الباری)

ان بلند پایہ جامعات و مدارس اسلامیہ کے حضرات محدثین کرام نے اپنی تصنیفات میں جو کچھ تشریحات و تقریرات فرمائیں۔۔۔ ان کے نکات آسان پیرایہ میں جمع کرنے کی بھرپور سعی کی گئی ہے۔

اللہ کی ذات عالی سے امیدوار کرم ہوں کہ وہ محض اپنے فضل بے پایاں کے صدقے اور بتصدق جناب رسول اکرم خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اپنی بارگاہ عالی میں قبول فرمائے اور ذوق حدیث رکھنے والے ہر طالب کے لئے نافع بنائے۔ آمین

اس ناکارہ، میرے والدین ماجدین، حضرات اساتذہ و مشائخ کے لئے ذریعہ صلاح و فلاح اور نجات اخروی بنائے۔

آمین

اہل علم کو جہاں غلطی نظر پڑے مطلع فرما کر احسانِ عظیم فرمادیں۔ کرم بالائے کرم ہوگا۔

سپر دم بتو مایہ خویش را
تو دانی حساب کم پیش را

والسلام

محمد ادریس ہوشیار پوری غفرلہ

۶-۹-۱۴۳۸ھ

9-3-2017ء

الاهداء

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اس عظیم برگزیدہ شخصیت کی خدمت مبارکہ میں جس نے اپنی زندگی کے ہر لمحہ کو ضبط قرآن حکیم کے اعلیٰ و بے مثال معیار کے لئے وقف رکھا۔

اور

بعد از وصال آج بھی اپنے ہزاروں شاگردان کے خواب میں آکر معیار قائم رکھنے کی تلقین فرماتے ہیں۔

میری مراد مجدد القراءات شاطبی وقت حضرت اقدس شیخ القراء مقرئ اعظم رحیم بخش نور اللہ مرقده خلیفۃ مجاز حضرت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ ہے۔

والسلام

بندہ نابکار

محمد ادیس ہوشیار پوری غفرلہ

یوم الجمعہ ۱۷/۸/۱۴۳۶ھ

5 جولائی 2015ء

افتساب

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 اپنے والد کرامی قدر حضرت محترم مولانا مفتی محمد شفیع صاحب المرحوم
 نور اللہ مرقدہ (شاگرد رشید شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی) جنہوں نے
 مجھے بے حد محبت و توجہ سے کتب پڑھائیں اور ان کی خواہش تھی کہ یہ ناہکار شعبہ حفظ
 کے ساتھ کتب حدیث میں بھی سبق لے۔

اور

اپنے روحانی مربی حضرت اقدس امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت محدث جلیل
 حکیم العصر مولانا عبد المجید صاحب لدھیانوی نور اللہ مرقدہ جن سے مشکوٰۃ شریف
 پڑھ کر محبت حدیث دل میں جاگزیں ہوئی اور بندہ کے بخاری جلد ثانی پڑھانے پر
 ان کی طرف سے دستار بندی کے بعد جلد اول ان کے حسب ایما پڑھانی نصیب
 ہوئی۔

اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہ قدس سے ان نفوس قدسیہ کیلئے اس ذرہ بے مقدار کو
 صدقہ جاریہ بنائے۔ جو اس جملہ قرآنی کام صدق ہے۔

جنتنا بیضا عذرا جنة فاوف لنا الکبیل و تصدق علینا

والسلام
 از مؤلف غفرلہ

۱: آپ صدر وفاق حضرت محترم شیخ مولانا سلیم اللہ خان مدظلہ، حضرت محترم مفتی ولی حسن ٹونکی، حضرت العلام
 مولانا عبد الستار تونسوی کے رفقاء و درس حدیث شریف میں سے ہیں۔

ہرست مضامین

صفحہ	مضمون
۶	کلمات ناشر
۸	تقدیم
۸	تقدیم
۱۰	الاءاء
۱۱	انتساب
۳۵	پیش لفظ
۴۳	حرف پاسبان
	سلسلہ تقاریظ
۴۴	کلمات دعا حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب دامت برکاتہم
۴۵	تقریظ شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا منیر احمد صاحب منور دامت برکاتہم (علی باشین حضرت حکیم العصر لدھیانوی)
۴۶	تقریظ شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا عبد الرحمن جامی مدظلہ
۴۸	تقریظ شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا ارشاد احمد صاحب مدظلہ
۴۹	تقریظ شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا عبد القیوم حقانی صاحب مدظلہ
۵۱	تقریظ حضرت اقدس مولانا نور البشیر صاحب مدظلہ
۵۳	تقریظ حضرت اقدس مولانا محمد عابد مدنی صاحب مدظلہ
۵۵	تقریظ شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا زبیر احمد صدیقی صاحب مدظلہ
۵۶	تقریظ حضرت اقدس مولانا منظور احمد صاحب مدظلہ
۵۷	تقریظ حضرت اقدس مولانا محمد ناصر الدین خاکوانی صاحب مدظلہ
۵۸	تقریظ حضرت اقدس مولانا اللہ وسایا صاحب مدظلہ

۵۹	تقریظ حضرت اقدس قاری محمد عبداللہ صاحب مہاجر مدنی دامت برکاتہم العالیہ
۶۰	تقریظ حضرت اقدس مولانا محمد یحییٰ لدھیانوی صاحب مدظلہ
۶۲	مبادیات حدیث
۶۳	حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی طلبہ بخاری کیلئے چند پُر مغز نصائح
۶۴	علم حدیث کی تعریف
۶۵	تعریفات علم حدیث کا تجزیہ
۶۵	علم حدیث کی انواع
۶۶	حدیث، اثر اور خبر کا فرق
۶۶	الفرق بین الحدیث والخبر
۶۶	الفرق بین الحدیث والسنة
۶۷	سنت اور حدیث میں ”وجوہ فرق“
۷۶	موضوع علم حدیث
۶۸	غایت علم حدیث
۶۸	حدیث کی وجہ تسمیہ
۶۹	ضرورت علم حدیث
۷۰	باطنی ملکات اور ان میں نقطہ اعتدال
۷۱	فضیلت علم حدیث
۷۲	تجیہ حدیث
۷۳	شہدوں نبوت
۷۳	حضور ﷺ کے حقوق
۷۴	حفاظت حدیث
۷۶	حفاظت حدیث بصورت کتابت
۷۶	کتابت حدیث کے مختلف ادوار

۷۸	_____ ضبط کتابت بصورت کتب _____
۷۸	_____ دورِ اوّل _____
۷۸	”دورِ ثانی“
۷۹	”دورِ ثالث“ شیوخ کی طرف اسناد کا دور
۷۹	”دورِ رابع“ (صحاب کلاور)
۸۰	مرحلہ ارتدوین کی نوعیت
۸۰	حدیث و تاریخ میں اقتیاز
۸۱	منکرین حدیث کے شبہات اور ان کے جوابات
۸۶	منکرین حدیث کا حکم
//	جبر واحد کی حجیت
۸۸	آدابِ علم حدیث
۸۹	ترجمة المؤلف
۹۰	کتب حدیث کی اقسام
۹۱	مراتب صحاح ستہ
۹۲	مقاصد اصحاب صحاح ستہ
۹۲	اقسام محدثین کرام
۹۳	مذہب اصحاب صحاح ستہ
۹۳	حضرت امام بخاریؒ کا فقہی مسلک
۹۳	مراتب بخاری و مسلم
//	مسلم شریف کی فضیلت کے دلائل
//	بخاری شریف کی فضیلت کے دلائل
۹۵	فائدہ جلیلہ: اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہونے کا مفہوم
۹۶	وہم راوی کی مثال

۹۷	کیا بخاری شریف صرف حدیث کی کتاب ہے؟
//	ترجمة المؤلف
۹۸	ولادت و وفات
//	طلب علم
۹۹	تلامذہ بخاریؒ
//	تصانیف II
//	بخاری شریف کے محل تصنیف میں تعارض اور اس کی تطبیق
//	حضرت امام بخاریؒ پر دو براہیہ
۱۰۰	سائحہ ارحمال امام بخاریؒ
۱۰۱	امام بخاریؒ کی قوت حافظہ کا کمال
۱۰۲	وجہ تالیف
//	امام بخاری کا ذوق اسلوب
۱۰۳	عدد احادیث بخاری شریف
//	اثبات بخاری
۱۰۴	قال بعض الناس کاتعارف
//	سخ بخاری
۱۰۵	”شروح صحیح بخاری“
۱۰۸	حکم البخاری
۱۰۸	طریقہ تدریس حدیث
۱۰۹	ضرورت اجتہاد
//	تعریف اجتہاد
//	اجتہاد کا ثبوت
۱۱۰	اجتہاد کے بارے میں کچھ سطحی شبہات کا جائزہ

۱۱۲	اثبات تقلید
۱۱۳	وجہ ترجیح ”قلہ خفی“
۱۱۶	الامور المتعلقة بسند الحديث
۱۱۷	لفظ ابن کا قاعدہ
//	الفاظ سند کی تشریح
۱۱۸	سلسلہ سند
۱۱۹	آغاز کتاب (کتاب بدء الوحي)
//	بسم اللہ سے متعلق بحث
۱۲۰	تراکیب مجموعیہ
۱۲۱	الفرق بين الرحمن والرحيم
//	الاسم
//	لفظ اللہ
۱۲۲	۱۰: باب كيف كان بدء الوحي الى رسول الله ﷺ
//	تراجم ابواب کی بحث
۱۲۳	مقاصد تراجم
۱۲۵	شرح بخاری کا قرص
۱۲۶	لفظ باب کی تحقیق
۱۲۷	كيف کی بحث
//	كيف كان کی ترکیب
۱۳۰	وحي کا لغوی معنی
//	وحي کا اصطلاحی معنی اور اس کی اقسام
۱۳۲	ضرورة الوحي، الجمالی و تفصیلی دلائل
۱۳۳	الى رسول الله ﷺ

۱۳۵	”رسول“ کی تعریف
۱۳۶	حکم الصلوٰۃ علی النبی ﷺ
۱۳۷	وقول اللہ عزوجل
۱۳۸	کما ووحینا الی نوح والنبین من بعدہ
۱۳۹	تعارفِ دواۃ
۱۴۰	حضرت عمر بن خطابؓ
۱۴۱	انما الاعمال بالنیات
۱۴۲	انما لكل امری ما نوى
//	انما الاعمال بالنیات سے متعلق دواہم بحثیں
۱۴۵	وضو عبادت ہے یا نظافت
۱۴۷	مہاجر اقصیٰ نے بغرض نکاح ہجرت کی
۱۴۸	”قائدہ النوریہ“
۱۴۹	حضرت ام سلمہؓ کا حضرت ابو طلحہؓ سے مشروط بالاسلام نکاح
//	فمن كانت هجرته الى الله ورسوله
۱۵۰	حدیث مبارکہ کا شان وروود
۱۵۱	خرم فی الحدیث کا حکم
۱۵۳	حدیث الباب کا ترجمہ سے ربط
۱۵۳	حدیث الباب کی جامعیت
۱۵۴	لقد خشیت علی نفسی
//	حدیث ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا
//	تعارفِ دواۃ
۱۵۵	کیا ازواجِ مطہرات ام المؤمنات بھی ہیں؟
۱۵۶	ابو المؤمنین کا اطلاق آپ ﷺ پر؟

//	فضیلتِ خدیجہ و عائشہ رضی اللہ عنہما
//	حارث بن ہشامؓ
۱۵۷	مثل صلصلة الجرس
۱۵۸	وجوہ تشبیہ
۱۵۹	ہوا شدہ علی
۱۶۰	یعمثل لی الملک رجلا
۱۶۱	حکمتیاتیات بخاریؓ
//	ربط حدیث
//	وہوا شدہ علی
۱۶۲	رقم حدیث ۳: حدیثنا یحیی بن بکیر
۱۶۳	ترجمہ
۱۶۴	تعارف و اذاعہ
//	آغاز وحی سے قبل کی کیفیت
//	اول ما ہدی بہ رسول اللہ ﷺ من الوحی
//	رویاء صالحہ و صادقہ میں فرق
۱۶۵	انتخابِ حرا و عبادت
۱۶۶	عبادت کا طریق کیا تھا
//	آغاز وحی
۱۶۷	دشوار گزار مرحلہ ”نقطہ“
//	تقطیع اور اس کی حکمت
۱۶۸	اقسام نسبت
۱۷۰	آیات مذکورہ سے مستنبط فوائد و نکات
۱۷۱	اول وحی میں تطبیق

//	تزمیل و تدشیر
۱۷۲	سبب خشیت اور آثار خشیت
۱۷۳	مکارم نبوت
//	کسبِ محدوم کی چار صورتیں
۱۷۴	نواب الحق
//	ورقہ کی تصدیق
۱۷۵	الناموس
۱۷۶	حدیث الباب کا ترجمہ سے ربط
//	مسائل مستنبطہ
۱۷۷	اسلام ورقہ
//	حکمتِ فترۃ وحی
//	حدیث نمبر ۴
۱۷۸	تشریح حدیث ۴
۱۷۹	اقسامِ تحویل
//	متابعتہ اور اس کی اقسام
۱۸۱	حدیث نمبر ۵
۱۸۲	تعارف و اذاعہ
۱۸۳	تشریح حدیث
//	تحریکِ شفقتین یا تحریکِ لسان؟
۱۸۴	ربط آیات کے سلسلے میں اقوال
۱۸۵	مراد اتباع
۱۸۶	چار بڑے فرشتوں کے معانی اسماء گرامی
۱۸۷	حدیث، رقم ۶

//	تعارف و اذاعہ
۱۸۸	ترکیب کان اجود ما یكون فی رمضان
//	الفرق بین الجود والسخا
۱۸۹	حین یلقاه جبریل:
//	فیدار سدا القرآن:
۱۹۰	اجود بالخير من الريح المرسلة
//	حدیث کا ترجمہ الباب سے ربط
۱۹۱	معارف و فوائد
۱۹۲	حدیث ہر قل (حدیث نمبر ۷)
۱۹۳	ترجمہ
۱۹۶	فائدہ: دعویٰ خطوط
۱۹۷	تعارف و اذاعہ
۱۹۸	حالی تاریخی تجزیہ
۱۹۹	حدیث ہر قل کے واقعہ کی تہید
۲۰۰	فائدہ ۱: قیصر کی تعیین
۲۰۱	حضرت دحیہؓ کا والائامہ
//	تشریح حدیث
۲۰۴	قلت الحرب بیننا و بینہم سجال الخ:
۲۰۵	اقسام شرک اور تقلید
۲۰۶	شرک فی التشریع اور تقلید میں فرق
۲۰۷	ابوسفیان کے جوابات کے تناظر میں ہر قل کا تجزیہ
۲۰۹	حضرت دحیہؓ
//	عظیم بصری:

۲۱۰	والا نامہ کے پڑھے جانے کا منظر
//	ابتداء خط میں کس کا نام ہو؟
۲۱۱	کفار کو سلام کی نوعیت
۲۱۲	اریسین سے کیا مراد ہے؟
۲۱۳	تاریخی اشکال: یا اهل الكتاب تعالوا الى كلمة الحق کا نزول
//	نلمہ مبارک اور اصول دعوت
۲۱۴	ابن ابی کبشہ: بنی الاصفہ:
۲۱۵	وکان ابن الناطور
//	سقف
۲۱۶	ہرقل کا ہمدار کے لئے جھٹکا
۲۱۷	لیس یختتن الا الیہود:
۲۱۸	حقیقت کا روپ دھارتے ہوئے اندیشے
//	براعت اختتام:
//	براعت اختتام
۲۱۹	ورثہ انبیاء علیہم السلام کے نام ایک اہم پیغام (حدیث ہرقل کی روشنی میں)
۲۲۰	وجی اور سائنس
۲۲۳	کتاب الایمان
۲۲۵	الایمان _____ لغوی اور اصطلاحی معنی
۲۲۶	اقسام تواتر
۲۲۷	تصدیق اور اس کے درجات اور اس کی اقسام
۲۲۸	تحقیق اسلام، اسلام اور ایمان کے درمیان نسبت:
۲۲۹	ضد الایمان والاسلام:

//	کفر کی اصطلاحی تعریف
//	اقسام کفر
//	اصول تکفیر
۲۳۰	مرتکب کفر کو ”کافر“ کہنا
۲۳۱	حقیقتِ ایمان میں چھ مذاہب مشہور ہیں۔
۲۳۲	تعبیری اختلاف کی وجہ
۲۳۳	دلائل احناف
۲۳۴	جمہور محدثینؒ اور ائمہ ثلاثہؒ کے دلائل
//	دلائل معتزلہ و خارجیہ (خوارج)
//	دلائل کرامیہ و مرجیہ
۲۳۵	حضرات احناف و متکلمین کی طرف سے دیگر اہل مذاہب کو جواب
۲۳۶	اعمالِ ایمان کا جو ہیں یا نہیں؟
//	مسئلہ ثانیہ: ایمان میں کمی زیادتی ہو سکتی ہے یا نہیں؟
//	دلائل محدثین کرامؒ و مالکؒ
//	حضرات احناف کی طرف سے جوابات
۲۳۷	محلِ ایمان کیا ہے؟
۲۴۱	۱۰: باب قول النبی ﷺ بنی الاسلام علی خمس
۲۴۲	ترجمہ الباب کی غرض:
//	بنی الاسلام علی خمس:
۲۴۴	تشریحات ”هو قول و فعل“
//	مسئلات جمہور کا ذکر اور حضرات احناف کی طرف سے جوابات
۲۴۷	وقال ابراہیم لیطمن قلبی:

۲۴۹	دعاکم ایمانکم:
۲۵۰	حدیث نمبر 8
//	امام بخاریؒ کا طرز استدلال اور جوابات
۲۵۱	عند البخاریؒ ایمان اور اس کے مترادفات پر ایک نظر
۲۵۳	۲۰: باب امور الایمان
۲۵۴	تشریح
//	حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کا طرز استدلال:
۲۵۵	حدیث نمبر 9
۲۵۶	حدیثنا عبد اللہ بن محمد
//	سیدنا ابو ہریرہؓ: اجمالی تعارف
//	تشریح حدیث
۲۵۷	اشکالات و جوابات بسلسلہ الحیاء شعبۂ من الایمان
۲۵۸	۳۰: باب المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ
//	تشریح حدیث
۲۵۹	قال ابو عبد اللہ
۲۶۰	۴۰: باب ای الاسلام افضل
//	حضرت ابو موسیٰ
۲۶۱	تشریح حدیث
۲۶۲	۵۰: باب اطعام الطعام من الاسلام
۲۶۳	تقوی السلام:
//	۶۰: باب من الایمان ان یحب لاخیه ما یحب لنفسه
۲۶۶	۷۰: باب حب الرسول ﷺ من الایمان
//	اصح الاسانید

//	عن الاعرج
۲۶۷	تشریح حدیث
۲۶۹	تین حقوق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم
۲۷۰	۸۰: باب حلاوة الايمان
۲۷۱	حلاوة:
//	بئس الخطيب انت
۲۷۲	۹۰: باب علامة الايمان حب الانصار
۲۷۳	تشریح حدیث
۲۷۴	۱۰: باب __ حدثنا ابو اليمان الخ (بلا ترجمہ)
//	باب بلا ترجمہ کی وجوہات
۲۷۵	تعارف حضرت عبادہ بن صامتؓ اور حضرات نقباء
۲۷۶	مقصودی تشریح، اقسام بیعت
۲۷۷	تفسیر لا تاؤوا بيهتان فتفرونه بين ايديكم وارجلکم
//	ولا تعصوني في معروف
۲۷۸	حدود کفارات ٹیس یا محض زواج؟
۲۸۰	مشترکہ علامیہ
//	گناہ میں تین حق تلفیاں
۲۸۱	۱۱: باب من الدين الفرار من الفتن
۲۸۲	حدیث ہذا کی روشنی میں ”جلوت افضل ہے یا خلوت“
۲۸۳	۱۲: باب قول النبي ﷺ انا اعلمکم بالله الخ
۲۸۴	تشریح حدیث
۲۸۵	پس منظر حدیث

//	ما تقدم من ذنبك وما تأخر
۲۸۶	مسئلہ عصمت انبیاء
۲۸۷	دلائل عصمت انبیاء
//	خلاف عصمت روایات کی تاویلات
۲۸۸	۱۳: باب من کرہ ان یعود فی الکفر کما یکرہ ان یلقی فی النار من الایمان
۲۸۹	۱۴: باب تفاضل اهل الایمان فی الاعمال
۲۹۰	تشریح حدیث
//	قال وھیب
۲۹۱	وعلیہم قمص:
//	۱۵: باب الحیامن الایمان
۲۹۲	وھو یعطاخاھ:
//	۱۶: باب فان تابوا و اقاموا الصلوة و اتوا الزکوة فخلوا سبیلھم
//	ترجمہ الباب کی غرض کے بارے میں ۲ تقاریر
۲۹۳	تارک صلوٰۃ کا حکم
//	لطیفہ
۲۹۵	۱۷: باب من قال ان الایمان ھو العمل
//	جنت ارث کیسے بنی؟
۲۹۷	۱۸: باب اذا لم یکن الاسلام علی الحقیقۃ الخ
۲۹۸	حدیث کا پس منظر
//	حضرت سعد بن ابی وقاصؓ
//	غرض ترجمہ الباب
۲۹۹	وسعد جالس
//	علامہ عثمانی مدظلہ کی رائے

۳۰۰	روایت الباب سے انطباقی ترجمہ الباب
//	یہ شخص کون تھے
۳۰۱	۱۹: باب افشاء السلام من الاسلام الخ
۳۰۲	تفاسیر الانصاف من نفسک
۳۰۳	حضرت عمارؓ کے کلمات کی جامعیت:
۳۰۴	۲۰: باب کفران العشیرو کفر دون کفر
۳۰۵	کفر دون کفر کی تشریح
//	کفر دون کفر میں علامہ کشمیریؒ کی تحقیق
//	لفظ دون عند البخاری
۳۰۶	فاذا کثر اهلها النساء:
۳۰۷	۲۱: باب المعاصی من امر الجاهلیقولا یکفر صاحبها الخ
۳۰۸	پس منظر حدیث
۳۰۹	ترجمہ الباب پر احادیث کی ترتیب کے لحاظ سے اشکال
۳۱۰	وعلیه حلة:
۳۱۱	فلیطعمه مما یاکل ولیلبسه مما یلبسه
۳۱۲	مسئلہ سب و شتم صحابہؓ
//	حماد بن زید
//	لانصر هذا الرجل
۳۱۳	قاتل و مقتول جہنمی کیسے ہوئے؟
//	قصد کے پانچ مراتب
۳۱۴	مسئلہ مشاجرات صحابہؓ
۳۱۵	فتنہ میں طرز عمل کیا اختیار کیا جائے؟
۲۱۶	۲۲: باب ظلم دون ظلم

۲۱۷	ظلم دون ظلم
۳۱۹	۲۳: باب علامة المنافق
۳۲۰	اقسام نفاق اور ان کا حکم
۳۲۱	تشریح حدیث
//	خُلفِ وعد کی صورتیں
۳۲۲	حدیث الباب پر چند سوالات
۳۲۳	۲۴: باب قیام لیلۃ القدر من الایمان
۳۲۴	ایماناً و احتساباً
۳۲۵	لیلۃ القدر سے کیا مراد ہے؟
//	غفر لہ ما تقدم من ذنبہ
//	صغیر و کبیر کی تعریف
۳۲۶	۲۵: باب الجہاد من الایمان
۳۲۷	تشریح حدیث
۳۲۸	مجاہد کی اقسام
//	مشقت کا سبب
//	لو ددت ان اقتل فی سبیل اللہ ثم اُحی الخ
۳۳۰	۲۶: باب تطوع قیام رمضان من الایمان
۳۳۱	۲۷: باب صوم رمضان احتساباً من الایمان
۳۳۲	۲۸: باب الدین یسر
//	تعلیق
۳۳۳	تشریح حدیث
//	الدین یسر:
۳۳۴	غلو فی الدین کی مختلف صورتیں

۳۳۵	تحقیق کے متعلق اصول
۳۳۶	فسد دو اوقار بوا
//	واستعینوا بالغدوقوالروحوقشی عن الدلیجة
۳۳۷	شیء من الدلیجة
//	۲۹: باب الصلوة من الایمان وقول اللہ عزوجل الخ
۳۳۸	حضرت براءؓ
۳۳۹	سابقہ اعمال کے ثواب کے بارے میں بعد از نسخ قبولیت و عدم قبولیت کے سوال کا منشاء
//	اشکال
۳۴۰	بیت المقدس کو کتنے ماہ تک قبلہ بنایا گیا اور پھر تحویل کا حکم آیا
//	آپ ﷺ قبل از ہجرت قبلہ کونسا تھا؟
۳۴۱	دوسری تحقیق
//	نسخ مرتین کی وجہ ترجیح
۳۴۲	تحویل قبلہ کے بعد سب سے پہلی نماز کونسی ہے؟
//	نزل علی اجدادہ اوقال اخوالہ
۳۴۳	وما کان اللہ لیضیع ایمانکم
۳۴۴	وقتلوا:
//	۳۰: باب حسن اسلام المرء
۳۴۵	حالت کفر کی نیکیوں کا حکم
۳۴۶	حالت کفر کے گناہ محض اسلام لانے سے معاف ہو جائیں گے یا۔۔؟
//	دیگر ائمہ کو جمہور کی طرف سے جواب:
۳۴۷	۳۱: باب احب الدین الی اللہ ادومہ
۳۴۸	وعندھا امرأة:

۳۵۲	دوام عمل کی وجوہ اہمیت:
۳۵۳	۳۲: باب زیادة الايمان ونقصانه
۳۵۴	قوله من ايمان مكان خير
۳۵۵	لاخذنا ذلك اليوم عيداً
۲۵۶	۳۳: باب الزكوة من الاسلام
۳۵۷	حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ
//	جاء رجل
۳۵۸	نوافل بالشروع لازم ہوتے ہیں یا نہیں؟
۳۵۹	مسئلہ ثانیہ: وجوب وتر
۳۶۰	والله لا ازيد على هذا ولا انقص
۳۶۱	افلح ان صدق
۳۶۲	۳۴: باب اتباع الجنائز من الايمان
۳۶۳	مسئلہ اختلافیہ: جنازہ سے آگے چلنا چاہیے یا پیچھے؟
۳۶۴	۳۵: باب خوف المومن ان يحبط عمله وهو لا يشعر
۳۶۵	خوف کفر مسئلہ: بے شعوری میں کلمہ کفر کہنا
۳۶۶	خوف نفاق
۳۶۶	دعویٰ ایمان میں تشبیہ بالملائکہ اور حضرت امام اعظمؒ کا اظہار حقیقت
۳۶۷	حضرت امام اعظمؒ سے تین قسم کی روایات منقول ہیں:—
//	ایمان بالعلیق
۳۶۸	ضرورت توبہ
//	نسبت ارجاء
//	ابو اسل: شقیق بن سلمہ کو فی
۳۶۹	سبب المسلم فسوق وقتاله کفر—

۳۷۰	تعیین شب قدر اور اس کی تلاش
۳۷۱	فتحا جی رجلان
۳۷۲	۳۶: باب سوال جبریل النبی ﷺ
۳۷۳	غرض ترجمہ: اس کی دو تفسیریں
۳۷۴	سیدنا جبریلؑ کی طالب علمانہ حاضری اور معلم امت صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل
۳۷۵	حقیقت ایمانیہ کیلئے؟
۳۷۶	مسئلہ رویت باری تعالیٰ
۳۷۷	رویت باری تعالیٰ کی درخواست
۳۷۸	حقیقت اسلام
۳۷۹	حقیقت احسان اور اس کے حصول کا طریق
۲۸۰	درجات احسان
۳۸۱	مصدق ساعۃ
۳۸۳	علامات قیامت
۳۸۴	قلب موضوع
۳۸۵	ما المستول عنها با علم من السائل:
۳۸۶	انباء الغیب کی حقیقت
۳۸۷	فی خمس
۳۸۸	حضرت جبریل علیہ السلام کی تلاش
۳۸۸	روایت امام السنۃ
۳۸۹	۳۷: باب (بلا ترجمہ)
//	باب ”بلا ترجمہ“ کی وجوہ
۳۹۰	۳۸: باب فضل من استبرأ لدينه
۳۹۱	حضرت نعمان بن بشیر

//	وبینہما مشتبهات:
۳۹۲	تقویٰ عن الشبهات
۳۹۳	ذوق تہمید
//	مراد اشتباہ اور اس کا سبب
۳۹۴	تحت قلب پر ایمان کا بادشاہ
۳۹۵	۳۹: باب اداء الخمس من الايمان
۳۹۶	حضرت ابو حمزہؓ:
۳۹۷	جلوس علی السریر کی وجوہ
//	بارگاہ نبوت میں وفد عبد القیس کی حاضری
۳۹۹	تشریح حدیث
۴۰۰	فامرہم ہاربع
۴۰۱	فنهاہم عن اربع
//	تشریح الفاظ
۴۰۲	۴۰: باب ما جاء ان الاعمال بالنية والحسبة
۴۰۳	درجات ایمان
۴۰۴	نیت و حسبت میں فرق
//	لکن جہاد و نیت:
۴۰۵	۴۱: باب قول النبی ﷺ الدين النصيحة
۴۰۶	تشریح حدیث
۴۰۷	تعارف یوسفؑ لہ الامۃ
۴۰۸	حضرت مغیرہ بن شعبہؓ
۴۰۹	استغفرو ونزل

۴۰۹	فرق باطلہ کے رو میں حضرت امام بخاریؒ کا طرز عمل
۴۱۰	کتاب العلم
۴۱۱	کتاب الایمان سے ربط
//	تعریف علم
۴۱۳	اقسام علم
۴۱۴	علم دنیوی کی اقسام
۴۱۵	علم و فن میں فرق
//	ماہرین علوم دینیہ کی اقسام
//	علم دین کی تقسیم ثانی
۴۱۶	مقام نبوت افضل ہے یا مقام ولایت؟
//	مداخلافت کیا ہے؟
۴۱۷	۱۰: باب فضل العلم وقول الله عز وجل۔۔۔
//	حدیث الباب ذکر نہ کرنے کی چند توجیہات
۴۱۹	فرائض کے بعد بقیہ اوقات کس محل میں صرف کئے جائیں۔
۴۲۰	۲۰: باب من سئل علما و هو مشغول فی حدیثہ۔۔۔
۴۲۱	نداء بالرسول کی صورتیں
۴۲۲	اذا ضیعت الامانة
۴۲۳	۳۰: باب معنی رفع صوتہ بالعلم
//	غرض ترجمہ
۴۲۳	رفع صوت کی ناپسندیدگی کے دلائل
۴۲۴	یوسف بن ماہک
۴۲۵	۴۰: باب قول المحدث حدثنا و اخبرنا و انبانا۔۔۔
۴۲۶	غرض بخاریؒ

//	قال لنا الحمیدی
//	وحی جلی اور حدیث قدسی میں وجوہ فرق
۴۲۷	روایت الباب کا ترجمہ الباب سے انطباق
۴۲۸	انہما مثل المسلم
//	فاستحییت:
۴۲۹	۵: باب طرح الامام المسئلة علی اصحابہ۔۔۔
۴۳۰	قال فوقع فی نفسی:
//	۶: باب القراءة والعرض علی المحدث
۴۳۱	ترجمہ احادیث
۴۳۳	غرض و ربط
//	قراءة علی الشیخ
//	عرض علی المحدث
۴۳۴	عرض اور قرأت میں فرق ہے یا نہیں؟ [مختلف آراء]
//	ما کول اللحم کے بول و براؤں میں ہیں یا نہیں؟
۴۳۵	هذا الرجل الابيض المتكى
۴۳۶	بین ظہر انہم
۴۳۷	اللہم نعم
۴۳۸	انا ضمام بن ثعلبه
۴۳۹	۷: باب ما یدکر فی المناو لئو کتاب اهل العلم بالعلم الی البلدان
۴۴۰	اقسام مناو لہ
۴۴۱	مناو لہ کے جوار کی دلیل
۴۴۲	مکتوب نبوی ﷺ بنام کسری
۴۴۳	روایت سے مقصود

۴۴۴	وجاد کی تعریف و حکم
//	۸۰: باب من قعد حیث ینتہی بہ المجلس ---
۴۴۵	حلقہ درس میں آنے والے اصحاب ثلاثہ
۴۴۶	صنعت مشاکلہ
۴۴۷	۹۰: باب قول النبی ﷺ رب مبلغ اوعی من سامع
۴۴۸	تحقیق زب
//	امسک انسان
۴۴۹	۱۰: باب العلم قبل القول والعمل
۴۵۰	اقسام تقدم
۴۵۱	قول سے مراد تبلیغ اور عمل
۴۵۲	وان العلماء ورثة الانبياء
۴۵۳	قال ابو ذر رضی اللہ عنہ
۴۵۴	۱۱: باب ما كان النبی ﷺ يتخولهم بالموعظة ---
۴۵۵	وعظ و تعلیم میں فرق
//	یسروا ولا تنفروا:
۴۵۷	۱۲: باب من جعل لاهل العلم اياما معلوماً
۴۵۸	۱۳: باب من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين
۴۵۹	انما انا قاسم والله يعطي
۴۶۰	لن تزال هذه الامة
۴۶۰	۱۴: باب الفهم في العلم
۴۶۱	فہم و تفقہ میں فرق
۴۶۲	۱۵: باب اغتباط في العلم والحكمة
۴۶۳	تفقهوا قبل ان تسودوا

//	وبعدان تسودوا
۴۶۴	لا حسلا لا ہی اثنتین
۴۶۵	۱۶: باب ما ذکر فی ذهاب موسی فی البحر الی الخضر
۴۶۶	فی البحر الی الخضر
۴۶۷	حضرت خضرؑ کے بارے میں چاربحاث
//	حضرت خضرؑ حیات ہیں یا نہیں
۴۶۸	انه تماری هوو الحربن قیس
۴۶۹	۱۷: باب قول النبی ﷺ اللهم علمہ الكتاب
۴۷۰	غرض بخاریؒ
//	شان ورود
۴۷۱	اللهم علمہ الكتب:
//	۱۸: باب متى یصغ سماع الصغیر
۴۷۲	غرض بخاریؒ اور سماع صغیر کے بارے میں اقوال
//	علی حمار اتان
۴۷۳	الی غیر جدار
//	شان ورود
۴۷۴	۱۹: باب الخروج فی طلب العلم
۴۷۵	علم حدیث کی تحصیل کیلئے سفر
۴۷۶	۲۰: باب فضل من علم و علم
۴۷۷	حدیث الباب میں تقسیم ثنائی ہے یا ثلاثی؟
۴۷۸	قال اسحاق

//	۲۱: باب رفع العلم و ظهور الجهل
۲۷۹	تفسیر ان یضیع نفسه
۲۸۰	کیفیت رفع علم
۲۸۱	کثرة نساء
۲۸۲	۲۲: باب فضل العلم
//	دور ہا و علم میں مناسبت
۲۸۳	۲۳: باب الفتیاء و هو واقف علی ظہر الدابة۔۔
۲۸۴	غرض ترجمہ کے بارے میں مختلف تقاریر
//	مسئلہ: دس ذی الحجہ میں ترتیب دی، قربانی اور حلق؟
۲۸۵	۲۴: باب من اجاب الفتیاء باشارة الید او الراس
۲۸۷	غرض بخاریؒ، اس باب سے دو غرضیں مقصود ہیں۔
//	علانی الغشی
۲۸۹	فرقہ رضا خانیہ پر رد
//	ما علمک بهذا الرجل
۲۹۰	۲۵: باب تحریض النبی ﷺ
۲۹۲	وربما قال النقیور و ربما قال المقیر الخ
//	۲۶: باب الرحلة فی المسئلة النازلة
۲۹۳	فقہی مسئلہ
۲۹۴	الفرق بین الدیانة و القضاء
//	الفرق بین القضاء و الفتوی
۲۹۵	۲۷: باب التناؤب فی العلم

//	قد حدث امر عظیم
۲۹۷	۲۸: باب الغضب فی الموعظتو التعليم
۲۹۹	فلان کا مصداق کون ہے؟
۵۰۰	مسائل لقطہ
//	مسئلہ اجتماع
۵۰۱	فلما اکثر علیہ غضب
۵۰۲	مواقع اظہار غضب
//	۲۹: باب من ہرک علی رکبۃ عند الامام والمحدث
۵۰۳	فیہرک عمرؓ
۵۰۴	۳۰: باب من اعاد الحدیث ثلاثاً کیفہم
۵۰۵	فسلم علیہم سلم علیہم ثلاثاً
۵۰۶	۳۱: باب تعلیم الرجل امعواہلہ
//	غرض بخاریؒ
۵۰۷	رجل من اهل الكتاب (مصداق کون ہے؟)
۵۰۸	لہم اجران
۵۰۹	ثم قال عامر
//	۳۲: باب عظة الامام النساء وتعلیمہن
۵۱۰	او قال عطاء
۵۱۰	۳۳: باب الحرص علی الحدیث
۵۱۲	من اسعد الناس
۵۱۳	انواع شفاعت

۵۱۴	۳۴: باب کیف یقبض العلم
۵۱۶	قال الفربری
//	۳۵: باب هل یجعل للنساء یوم علی حدیث فی العلم
۵۱۹	۳۶: باب من سمع شیئا۔۔۔
۵۲۰	حدیث الباب ۷ مستطرد واصل
۵۲۱	۳۷: باب لیبلغ الشاهد الغائب۔۔۔
۵۲۳	قال لعمر بن سعید
۵۲۵	مسئلة قصاص فی الحرم
۵۲۷	۳۸: باب الم من کذب علی النبی ﷺ
۵۲۸	حكم کذب علی النبی ﷺ
۵۳۰	تسموا باسمی۔۔۔ شان ورود حدیث
۵۳۱	من رانی فی المنام: [چند احاث]
۵۳۳	۳۹: باب کتابۃ العلم
۵۳۵	هل عندکم کتاب
۵۳۷	لا یقتل مسلم بکافر: [مسئلة اختلافیہ]
۵۴۰	اما ان یعقل واما ان یقاد: [مسئلة اختلافیہ]
۵۴۲	اسباب کثرة روایات ابی ہریرہؓ
۵۴۳	حدیث قرطاس
۵۴۴	فخرج ابن عباسؓ یقول: ان الرزقة کل الرزقة
۵۴۵	قاسمہ ۲: کیا خلافت علیؓ کھوانا مقصود تھا؟
۵۴۶	۴۰: باب العلم والعظما للیل

۵۴۷	ماذا أنزل اللیلة
۵۴۸	رب کاسیة فی الدنیا عاریة فی الآخرة
۵۴۹	۴۱: باب السمر بالعلم
۵۵۰	شمر
۵۵۲	فان راس مائة سنة منها الخ
۵۵۳	۴۲: باب حفظ العلم
۵۵۵	ان الناس یقولون الخ
۵۵۶	قطع هذا البلعوم
۵۵۷	۴۳: باب الانصات للعلماء
۵۵۸	قال فی حجة الوداع
۵۵۹	۴۴: باب ما یستحب للعالم اذا سئل ای الناس اعلم
۵۶۲	محمد المستدی
//	نوف البکالی
۵۶۳	مجمع البحرين: اس سے کونسا مقام مراد ہے؟
۵۶۶	۴۵: باب من سأل وهو قائم عالماً جالساً
۵۶۷	۴۶: باب السؤال والفتیاء عند رمی الجمار
۵۶۸	۴۷: باب قول الله تعالی وما او تعدم من العلم الا قليلاً
۵۶۹	روح سے مراد
۵۷۱	قل الروح من امر ربی
۵۷۲	۴۸: باب من ترک بعض الاختیار مخافة ان یقصر۔۔۔
۵۷۳	لولا ان قومک

۵۷۴	قاسمہ اعظم کا عظیم باب
۵۷۶	۴۹: باب من خص بالعلم قوماً دون قوم
۵۷۹	۵۰: باب الحياء في العلم
۵۸۰	غرض بخاریؒ
۵۸۳	۵۱: باب من استحيى فامر غيره بالسؤال
//	غرض بخاریؒ
//	كنت رجلاً مذاءً
۵۸۴	۵۲: باب ذكر العلماء والفتيا في المسجد
۵۸۵	۵۳: باب من اجاب السائل اكثر مما ساله
//	غرض بخاریؒ
۵۸۷	قاسمہ: براعت و اختتام
۵۸۸	حقیقت ایمان سے متعلق مذاہب کی وجہ صر



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

پیش لفظ

حامد اومصلیٰ اومسلماً

پیش نظریہ چند اوراق الجامع الصحیح للبخاری سے متعلق ہیں۔ اس میں نہایت سادہ طریق سے اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے طلباء کرام کے طرز تکرار کو سامنے رکھ کر لکھا گیا ہے۔ فی نفسہ اکابر متقدمین کرام کی عربی شروح نیز آج کے حضرات محدثین کرام اور مشائخ عظام کی اردو شروح کے ہوتے ہوئے کسی امتیازی شرح کا قطعاً اضافہ نہیں ہے۔ اور نہ ہی بندہ نابکار یہ سوچ ہی سکتا ہے۔

اس لئے کہ راقم الحروف سلسلہ رحیمہ سے وابستہ ہے اور اپنے عہد شباب سے ہی تحفیز القرآن الکریم سے حمدہ تعالیٰ شب و روز ایک کر کے اپنے اکابر سے نسبت کی بقا کی کوشش میں لگا ہوا ہے۔ غالباً ۱۳۹۲ھ میں مسجد غفور یہ ملتان میں قاعدہ نورانی اور پارہ عم ۳۰ کا مدرس بنا تھا۔ اور یہ خواب و خیال میں نہ تھا کہ کبھی درجہ کتب میں بھی اسباق پڑھانے کی نوبت آسکتی ہے۔ کیونکہ یہاں کے ماحول میں حفظ قرآن کریم کے چہ جائیکہ گردان کرنے والے طلبہ کرام بھی آجائیں۔ دور دور تک اس کا نشان و گمان نہ تھا۔

حضرت والد گرامی مولانا مفتی محمد شفیع نور اللہ مرقدہ فاضل دارالعلوم دیوبند و شاگرد معتمد حضرت شیخ العرب والعجم حضرت مدنی مجھے باصرار ارشاد فرماتے درسی قرآن کریم دیا کرو۔ درسی حدیث دیا کرو۔ پڑھا ہوا علم بھول جائے گا۔ مگر بندہ اس کو اس وجہ سے اہمیت نہ دیتا، اب کہاں موقع آسکتا ہے کہ کتب کے طلبہ کو پڑھانے کی نوبت آئے گی۔ کسل و سستی مزید ہوتی۔ کچھ نسبت رحیمی کا اثر بھی تھا کہ ہر وقت توجہ قرآن کریم کی درس گاہ کی طرف رہتی۔

ماضی کی اس مختصر روئیداد کو ملحوظ رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے بفضل فرمایا، جامعہ دارالعلوم رحیمہ کا قیام عمل میں آیا۔ اور بفضلہ تعالیٰ والد گرامی مرحوم کا وہ خواب شرمندہ تعبیر ہوا جو اس وقت وہ بیداری میں دیکھا کرتے تھے کہ اتنی بڑی تعداد میں شعبہ حفظ کے طلباء کرام فارغ ہو کر ملک بھر کے مدارس و جامعات میں چلے جاتے ہیں اور ہمارے پاس ان کو علمی حوالہ سے مزید لیکر آگے چلنے کی صورت نہیں ہے۔

بہر حال ہمارے پاس ایک بڑی تعداد شعبہ کتب کے طلبہ کرام کی بھی ہونے لگی۔ سال بسال نئی جماعت آگے بڑھتی اور ابتدائی جماعت شعبہ حفظ سے فراغت و تکمیل کرنے والے طلبہ کرام کی شکل میں آجاتی۔

خیر و برکت سے اور اللہ تعالیٰ کی جناب رحمت سے فضل خاص ہوا کہ جامعہ میں حسب ارشاد و حکم حضرت حکیم العصر مولانا عبدالحجید لدھیانویؒ ہمارے ہاں دورہ حدیث شریف کا آغاز ہوا۔ جو حضرت موصوفؒ نے حکماً کرایا تھا اور بسم اللہ بھی خود ہی کرائی۔ بندہ اہتمام کی اضافی ذمہ داری کے ساتھ شعبہ تحفیظ میں ”استقامت“ کے ساتھ چل رہا تھا۔

حضرت حکیم العصرؒ نے فرمایا: آپ بھی شعبہ کتب میں سبق پڑھایا کرو۔ کم از کم ایک سبق ہونا ضروری ہے۔ بندہ کئی سال عذر کرتا رہا۔ پھر حضرت شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کے خلیفہ ارشد حضرت محترم مفتی سعید احمد جلالپوری شہیدؒ کے ہاں بندہ کراچی حاضر تھا۔ مدرسہ کے حال احوال کے سلسلہ میں گفتگو تھی۔ فرمانے لگے: آپ خود کونسا سبق پڑھاتے ہو؟ بندہ نے نفی میں جواب دیا۔ فرمانے لگے: اس وقت تک مہتمم کی انتظامی گرفت مضبوط نہیں ہوتی جب تک طلبہ کرام میں اس کا علمی وقار نہ ہو۔ بلکہ مہتمم کو چاہیے ادق اور مشکل ترین سبق کا اپنے لئے انتخاب کرے۔

بہر حال مذکورہ اکابر کے حسب ارشاد و حکم بندہ نے ابتدائی طور پر شامل ترمذی شریف پڑھائی۔ اس لئے زیادہ مشکل نہ آئی کہ طلبہ کرام میں ایک بڑی تعداد ایسی تھی جو شعبہ تحفیظ سے میرے پاس سے تکمیل گردان کر کے آئی تھی۔ الحمد للہ بفضلہ تعالیٰ کام چل گیا۔ ازاں بعد مشکوٰۃ شریف ج ۲ وہ حصہ جو احکام و مباحث سے متعلق نہ تھا وہ لیا۔

یہ حصہ چونکہ بطور خاص الحمد للہ حضرت حکیم العصرؒ کے پاس دارالعلوم گیر والا میں پڑھا تھا۔ ذہن میں کچھ بھولی بسری علمی یادیں تھیں اور آپ کے ساتھ مسلسل ربط کے باعث کام بن گیا۔ سالہا سال یہ معمول رہا۔

جامعہ میں ایک بہت بڑے استاذ محترم جناب مولانا حفیظ اللہ صاحب مدظلہ جو بخاری شریف جلد ثانی پڑھاتے تھے ان کے والد گرامی کا انتقال ہو گیا۔ وہ ایک مدرسہ چھوڑ گئے۔ جو انہوں نے اپنی اولاد کو دینے کی بجائے کسی اور معتمد کے حوالہ کر رکھا تھا۔ لیکن وہ اس کو صحیح معنی میں لیکر نہ چل سکے تو علاقہ کے اہل حل و عقد اور مدرسہ کے ذمہ دار حضرات نے ان کو مجبور کیا کہ آپ ملتان سے چھوڑ کر یہاں اپنے علاقہ کو رول لعل عیین واپس آئیں اور اپنے والد ماجد مرحوم کے ادارہ کو سنبھالیں۔ ہم کسی اور کو نہیں دیں گے۔ ان کے اس طرح خیر متوقع طور پر جانے کے باعث بخاری شریف جلد ثانی تمام حضرات مدرسین کرام کے اجماع سے میں نے لے لی۔ لیکن اس میں اپنے ساتھ حضرت محترم مولانا عبدالستار صاحب ناظم تعلیمات دارالعلوم رحیمہ کو معاون رکھا کیونکہ اہتمام کے لئے اسفار لازم ہیں۔ بہر حال خدائے پاک نے کرم فرمایا۔ اس بلند مقام مجموعہ حدیث کا حق تو کوئی بھی ادا نہیں کر سکتا۔ پرانے اساتذہ کرام اور جامعہ کی نسبت ایک نئے استاذ کے پڑھانے میں زمین آسمان کا فرق ہونا چاہئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ستاری فرمائی۔ جلد ثانی سے وفاق المدارس کے پرچہ امتحانات میں اس سال چار سوال آئے اور طلبہ کرام نے دیگر کتب کی نسبت دورہ حدیث شریف کی کتب میں بخاری شریف میں بہت اچھے نمبرات حاصل کئے۔ جامعہ میں اچھی فضا بن گئی۔ اور بندہ کو بھی حوصلہ ہو گیا۔

ایک دفعہ ہی بخاری شریف جلد ثانی کو پڑھایا تھا۔ ہمارے جامعہ کے شیخ الحدیث حضرت محترم مولانا عبدالرحمن جامی زید مجدہم ان کے والد گرامی حضرت محترم مفتی مولانا محمد صدیق مرحوم ایک حادثہ میں شہید ہو گئے۔ ان کے ادارہ میں بہت بڑا

خلا پیدا ہو گیا۔ ان کے جامعہ کو سنبھالنے کے لئے ان کے تمام برادران و اڈا محمود کوٹ کے تمام اہل علاقہ اور جامعہ کے ارباب حل و عقد نے ان کو اتنا مجبور کیا، انہیں بھی دارالعلوم رحیمہ ملتان چھوڑ کر اپنے والد گرامی کی قائم کردہ درسگاہ جامعہ امداد العلوم اڈا محمود کوٹ جانا پڑا۔ اس سلسلہ میں انہوں نے تفصیلی استغنیٰ میں لکھا جو میرے پاس محفوظ ہے۔ اس میں تحریر فرمایا:

۱۔ بحمدہ تعالیٰ جامعہ اس نج پر پہنچ چکا ہے کہ کسی استاذ کے آنے جانے سے اس پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ (بفضلہ تعالیٰ) مدرسہ کا اپنا ایک ذاتی شخص بن چکا ہے۔ ۲۔ آپ کے پاس اساتذہ کرام کی بہترین ٹیم موجود ہے۔ جن کے لئے تین (میرے والے) اسباق سنبھالنا مشکل نہیں ہے۔ میرا ذاتی مشورہ یہی ہے کہ بخاری شریف جلد اول آپ خود سنبھال لیں۔ آپ کی قابلیت، صلاحیت و استعداد مولانا زبیر احمد صدیقی، مولانا محمد نواز، مولانا محمد عابد صاحبان اور مجھ سے کم نہیں۔ (اگرچہ یہ ان کا حسن ظن ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسا کر دے۔ آمین) میں یقین دلاتا ہوں طلبہ میں اجتماعیت قائم رہے گی۔

ان تیرہ سالوں میں جامعہ کے ماحول میں بندہ کے ساتھ جس والہانہ شفقت و محبت کا معاملہ فرمایا گیا۔

بندہ اس کا شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہے۔ حق تعالیٰ شانہ اس کا بدلہ اپنی شایان شان عطا فرمائیں۔ آمین

اس کے ساتھ جامعہ کے تمام اساتذہ کرام کا متفقہ فیصلہ تھا کہ آپ جلد اول لیتے ہیں تو ہم سب مطمئن ہیں۔ ورنہ اس کے دعویدار کم از کم دو بھی ہو جائیں تو تمام اسباق کے رد و بدل سے کافی مسائل سامنے آسکتے ہیں۔ اس لئے لرزاں و ترساں فیصلہ کر لیا گیا۔ یہ جو کچھ تھا بلا طلب تھا۔ اس کے پس منظر میں الحمد للہ عجب و دعویٰ نہ تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی مدد کی توقع و امید بھی تھی۔ الحمد للہ حضرات اکابر نے تشریح و تسہیل کے لحاظ سے اتنا کچھ لکھ دیا ہے بقول شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ

آج... یہ علم ایک پکی پکائی روٹی کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے۔ کتاب عمدہ طباعت اعلیٰ جلد کے ساتھ چھپی ہوئی ہے اور اس کتاب کو حاصل کرنے کے لئے آپ کو کوئی محنت، کوئی پیسہ خرچ کرنا نہیں پڑتا۔ کتب خانہ سے کتاب مل گئی۔ پڑھانے کیلئے استاذ موجود۔ اور استاذ مباحث کا خلاصہ آپ کے سامنے بیان کرتا ہے تو ایک پکی پکائی روٹی کی صورت میں یہ علم آپ کے سامنے ہے۔ (العام الباری ص 41 ج 1)

پکی پکائی روٹی سے پہلے کے متعدد و مرہل گندم اگانے زمین بنانے سے لیکر لقمہ بننے تک۔ اس میں کھپنے کی ضرورت نہیں۔ بہر حال بندہ نے اس کی تدریس کیلئے نو کلا علی اللہ جس جہت کو اختیار کیا اس کی کچھ نوعیت اس طرح سے ہے:

۱۔ بندہ کو چونکہ فاضل خیر المدارس ہونے کی سعادت حاصل ہے اس لئے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد صدیقی صاحب دامت برکاتہم جو حضرت بانی جامعہ خیر المدارس کے اجلہ و ممتاز شاگردان میں سے ہیں۔ ان کی الخیر الساری کو طرز تدریس کے لحاظ سے سامنے رکھا اور اس سے بنیادی استفادہ کیا۔ اسی طرح برادر محترم مولانا قاری محمد امیر صاحب (جامعہ رحیمہ فتح العلوم ملتان) کی مرتب

کردہ اہلی از حضرت اقدس خیر العلماء بہی خیر المدارس مولانا خیر محمد نور اللہ مرقدہ سے متعدد مقالات پر پھر پورا اہمائی حاصل کی۔
 ۲۔۔ حضرت صدر وفاق المدارس محدث جلیل شاگرد خاص شیخ العرب والعم مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کی کشف الباری کو قول آخر کی سطح پر تحقیق و تخریج کے حوالہ سے پیش نظر رکھا۔۔۔ بالخصوص اسماء الرجال کے حوالہ سے جس قدر پر مغز مواد حضرت والا کی کتاب میں ہے دیگر کتب اردو میں اپنے محدود مطالعہ کے لحاظ سے نہ مل سکا۔
 مطالب حدیث کے مصداق کے لحاظ سے جو جامعیت حضرت والا کی کتاب میں دیکھنا نصیب ہوئی دیگر اردو شروح میں نظر نہ آئی۔ (اگرچہ وہ ایک فرد کی ہی نظر ہے۔) حقیقت یہ ہے اگر آدمی اس ایک ہی شرح کو دیکھ کر بڑھالے تو بہت کچھ ہے۔ تاہم بعض مقامات پر شرح اتنی طویل ہو جاتی ہے جو کسی ابتدائی استاذ کے لئے اس کا سنبھالنا مشکل ہو جاتا ہے۔
 ۳۔۔ العام الباری حضرت شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ اس میں راقم کو ان کی شان تفقہ سے حمد و تعالیٰ بہت فائدہ ہوا۔

اگرچہ آپ محدثانہ شان و بصیرت بھی بہت اونچے درجہ کی رکھتے ہیں۔۔۔ بندہ نے اپنے فائدہ کیلئے فقہانہ نکات کا مدار العام الباری کو بنایا۔۔۔ اور الحمد للہ اس سے پھر پورا فائدہ اٹھانے کی امکانی کوشش کی۔
 ۴۔۔ نصر الباری کو بھی مسلسل نظر میں رکھا۔ اسمیں طرز تسویل سے فائدہ اٹھایا۔
 ۵۔۔ ربط بین الابواب کے سلسلہ میں حضرت حکیم العصر محدث جلیل استاذنا المحترم مولانا عبد المجید لدھیانوی کی دلیل القاری کو سامنے رکھا۔ احادیث بخاری کا ترجمہ و اعراب بھی دلیل القاری سے لئے گئے۔
 مجھ ایسے طالب علم کو آپ کا یہ امتیاز نظر آیا کہ آپ نے ربط بین الابواب میں جس گہری نظر سے احادیث کو باہم مربوط کیا وہ آپ کی طبع خاص کا ذوق، اخذ نتائج اور طرز مصداق کا آئینہ دار ہے۔ اس ربط میں سابقہ حدیث کے متن کے الفاظ آنے والی حدیث کے متن کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر یاد کرنے کی سہولت بھی نظر آئی۔
 اختصار سے یادداشت کیلئے الحمد للہ یہ بھی خاص کی چیز ہے۔

شعبہ تحفیظ کی تدریس اور انتظامی ذمہ داریوں کے ساتھ اہم ترین سبق بخاری کو لیکر چلنا بہت ہی مشکل تھا تقریباً پینتالیس سال کے بعد دوبارہ بخاری شریف سامنے دکھی۔ اس لئے سبق کی تیاری کے سلسلہ میں صرف ذاتی مطالعہ پر اکتفا کرنے کی بجائے اس کی بنیاد پر ترکیب اور بعد از ترتیب میں میری معاونت میرے بہت ہی قابل احترام شاگرد رشید عزیز محترم حافظ ملوی مفتی محمد عنایت الکریم میرے شریک مطالعہ و شریک تفہیم رہے جس سے ماخذ و مصادر کی مراجعت کے لحاظ سے آسانی رہی۔ آپ شعبہ تحفیظ کے حوالہ سے ہمارے جامعہ میں زیر تعلیم رہے۔ اور الحمد للہ بعد کے پاس گردان اور ضبط اس درجہ کا حاصل کیا تھا کہ بشری نقل سے سنیاں، بھول چوک کی وجہ سے غلطی آجائے تو الگ بات ہے ورنہ پورے قرآن کریم میں ان کی غلطی نہیں آیا کرتی تھی۔ اس بعد بہت سی کتب دارالعلوم گبیر والا اور ٹھیکل جامعہ خیر المدارس سے کی۔ اپنے دورہ حدیث کے سالانہ امتحان میں خیر المدارس میں اول پوزیشن حاصل کی۔ پھر ان کا کورس جامعہ دارالعلوم جمیہ سے کیا اور اس کے سالانہ امتحان میں بھی اول پوزیشن حاصل کی اب ہمارے جامعہ

کے شعبہ کتب میں تدریسی خدمات سر انجام دے رہے ہیں۔

ان کی بھرپور معاونت حاصل رہی اور ہمہ وقت ان کو اپنے ساتھ میں جوڑے رکھتا تھا۔ اس لئے طلبہ کرام کے سامنے گفتگو کرنے کیلئے جو اعتماد مطلوب تھا تا کہ ان کے دل سے یہ بات نکل جائے کہ خدا خواستہ ہمیں سبق کچھ نہیں آتا یا مشکل مباحث قابو نہیں آتیں۔ مجھے یہ احساس بہت دامن گیر رہتا تھا۔ اس لئے شب و روز کا وافر وقت مجھے بخاری شریف کے سبق تیار کرنے پر لگ جاتا تھا۔ اس لئے ان کا تذکرہ نہ کرنا اعتراف حقیقت نہ کرنے کے مترادف ہے۔ بندہ شرح صدر کے ساتھ ان کے اس علمی احسان کے بدلہ کیلئے بارگاہِ خداوندی میں دست بدعا ہے اللہ تعالیٰ ان کو دارین میں اس کا بہترین بدلہ و جزائے خیر عطاء فرمائے۔ ان کے علم و عمل اور عمر میں بے انتہاء برکات عطا فرما کر ان سے خوب سے خوب دین کی خدمت لے۔ اور ہم سب کو اپنی رضا مبارک سے سرفراز فرمائے۔ آمین

صورتِ حال کچھ اس کی مظہر ہوگئی کہ ابتداءً وہ میرے شاگرد تھے۔۔۔ لیکن بعد میں وہ میرے علمی محسن ہو گئے۔

کان مملوکی فاضحی مالکی
ان هذا من اعاجیب الزمن
اسی لئے اس مجموعہ کا نام عنایۃ الہادی رکھا جس میں ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف انتساب کے ساتھ ظاہرِ حل کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے۔

راقم الحروف جب تک شامل و مشکوٰۃ شریف پڑھتا رہا شعبہ تحفیظ میں کافی وقت بیٹھا کرتا تھا۔ لیکن بخاری شریف جلد اول نے اس معمول میں کافی تغیر پیدا کیا۔ جس کی وجہ سے جو کچھ بھی جیسا بھی معیار ہمارے یہاں دارالعلوم میں تھا۔ اس میں فرق آیا۔ آنے والے طلبہ کرام نے اسے برداشت کر لیا اس لئے کہ اس وقت زیرِ تعلیم طلبہ کی اکثریت ایسی ہے جن کے والد یہاں پڑھتے رہے یا ان کے اساتذہ محترم جامعہ سے تکمیل کئے ہوئے ہیں اور اب تعلیمی طور پر زیرِ نگرانی تدریس کر رہے ہیں۔

میری شعبہ تحفیظ سے توجہ کی کمی کی وجہ سے بندہ کو ایک روز حضرت اقدس مقرئ اعظم قاری رحیم بخش صاحب نور اللہ مرقدہ کی خواب میں زیارت کا شرف حاصل ہوا۔

آپ ہمارے مدرسہ تحفیظ القرآن الکریم میں تشریف لائے۔ محراب کے قریب تشریف فرما ہیں۔ اور طلبہ کرام کی طرف رخ کیے ہوئے ہیں۔ میں نیازِ مندی کے ساتھ سامنے بیٹھا ہوا ہوں۔ ایک طالب علم جس کا نام محمد عبداللہ ہے۔ اس کے والد عزیزم حافظ محمد وریام صاحب بھی بندہ کے ہاں بہت اچھا قرآن کریم یاد کر گئے تھے۔ فرضوں میں ترتیب سے پڑھنے کی قدرت کے حامل تھے۔ حضرت ان کے بیٹے کا سن رہے ہیں۔ چہرے پر بشارت نہیں۔ کچھ ناگواری کے اثرات ضرور ہیں۔ لیکن زبان سے اس کا اظہار نہیں فرمایا۔ اس نے سنانے میں کوتاہی کی اور غلطیاں کیں۔ تو حضرت کے ہاتھ میں گز

(کپڑا ناپنے والا) ہے اور بہت صاف شفاف ہے وہ مجھ دیا۔ خواب ختم ہو گیا۔

بندہ صبح بیدار ہوا تو پریشان تھا اس کی تعبیر یہ سمجھی کہ حضرتؒ فرمانا یہ چاہتے ہیں معیار تعلیم و ضبط صحیح نہیں ہے۔ لہذا معیار پیدا کرو۔ صبح سے عصر تک مسلسل سوچنے کے نتیجے میں وہی تعبیر معلوم ہوتی رہی۔ لیکن عصر بعد یہ تعبیر ذہن میں آئی۔ اور اس لئے آئی کہ آپ کے بہت شاگردان جو درجہ کتب کے بہت اچھے استاذ اور محدث بھی بن سکتے تھے۔ اور شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہو سکتے تھے۔ مگر حضرتؒ کے ذوق اور تعلق کی وجہ سے شعبہ تحفیظ اور خدمت قرآن کریم سے منسلک ہوئے۔ اس لئے بول کر زبان سے آپ کسی کو بھی خدمت حدیث سے روکیں ایسا تو نہیں کر سکتے۔ لیکن ذوق خواہش یہ غالب ہے کہ میرا ہر عزیز مشب دروز قرآن کریم کی تعلیم و تعلم میں زندگی کھپا دے۔ مجھے جو گز (پیانا دیا) اس کا مطلب یہ ذہن میں آیا کہ حضرتؒ فرمانا یہ چاہتے ہیں ”آپ بخاری شریف کا سبق پڑھا رہے ہیں اس سے مقصود تو حصول ثواب ہے یہ گز لیکر پیاش کر لو قرآن کریم پڑھانے میں ثواب زیادہ ہے یا حدیث شریف کے پڑھانے میں“۔ اس کے بعد دل میں ایک ڈر ضرور بیٹھ گیا۔ لیکن الحمد للہ اب بھی شعبہ تحفیظ کی درس گاہ میں تین سے چار گھنٹہ بیٹھ لیتا ہوں اور طلبہ کرام اس سے مطمئن ہو جاتے ہیں۔ خدا کرے اس کے دربار میں حضرتؒ کی برکت سے کسی نہ کسی شمار میں آجائے۔

میرے والد ماجد حضرت اقدس مولانا محمد شفیع صاحب المرحوم فرمایا کرتے تھے:

آجکل عمومی طور پر تخلیقی مضامین کا دور کم ہے۔ عام طور پر جدید نکات، نیا اسلوب بیان، حسن تعبیر کے حوالہ سے قلم اٹھانے والے بہت کم لوگ ہیں۔ اکابر کے ارشادات میں سے ”جمع و تفریق“ کر کے مضمون یا کتاب تیار کر لی جاتی ہے۔ اس کا خارجی مصداق کہیں اور ہونے ہو بہر حال یہ ”عنایت الباری“ اس کی بہترین مثال ہے۔ اس لئے قارئین با تمکین سے درخواست ہے کہ یہ مجموعہ عنایت الباری لطلبة البخاری۔ اس کا انداز تکرار بالاختصار ہے۔ تاکہ مضامین کے ضبط میں آسانی ہو۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

ع

مندرجہ بالا وضاحت کے باوجود مجھے اپنی ترتیب پر اعتماد کلی نہ تھا اس لئے جامعہ دارالعلوم رحیمہ ملتان کے سابق استاذ بخاری شریف حضرت اقدس مجدد مہترم شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمن جامی دامت برکاتہم کی خدمت میں ان کے در دولت پر حاضری دیکر تمام مسودہ پیش کیا اور انہیں مجبور کیا کہ تکلف بلکہ تواضع برطرف ازراہ کرم اس مجموعہ پر ایک علمی تنقیدی گہری نظر ڈال کر مفید مشاورت اور اصلاحی ہدایات سے نوازیں۔ آپ چونکہ عالم اسلام کی عظیم درس گاہ جامعہ دارالعلوم عید گاہ گبیر والا میں ایک طویل عرصہ حدیث شریف پڑھا چکے، دارالعلوم رحیمہ میں بھی تقریباً تیرہ سال صحیح بخاری کا درس دیتے رہے۔ کتابی زندگی کے ساتھ آپ کو خصوصی شغف و اشتیاق حاصل ہے۔ نیز آپ کے طرز تدریس کو طلبہ درس نظامی میں مقبولیت حاصل ہے۔ آپ کی پارہ عم کی تفسیر عنبر الیم اور توضیح تلویح کی شرح مسک الملیح اور شرح جامی کی شرح ”تحفۃ جامی“ مدارس میں پندیرائی حاصل کر چکی

ہیں۔ اس لئے مدارس کے طلبہ کرام کی تعلیم کی سطح پر تسہیل مضمون اور علمی غلطی نہ رہ جائے۔ اسے منظرِ غائر دیکھ لیجئے۔

حضرت محترم جامی صاحب زید مجدہم نے اپنی تمام تر علمی و مطالعاتی مصروفیت چھوڑ کر اسے حرف بحرف سطر بسطر دیکھا اور حسب امید بہت کرم فرماتے ہوئے بعض مقامات پر تبدیلی اور تکرار کو حذف کرنے کا کہا اور کچھ مقامات پر الفاظ کی نشست و برخاست کھدلا گیا۔

بارگاہِ باری تعالیٰ میں رہن روں اور لمحہ شکر گزاری کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں رقت پیدا فرمائی، میری درخواست کو درخورِ اعتنا سمجھا من لم بشکو الناس لم بشکو اللہ کے مصداق دل و جان سے ان کی نظر تحقیق و اعتماد پر شکر گزار و ممنون احسان ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہر قاری عنایتِ الباری کی نظر سے گزرنے والے ہر لفظ لفظ کو ان کے لئے ثواب و قرب کا ذریعہ بنائے۔ آمین ان کے طرزِ تعلق نے مجھے یہ لکھنے پر مجبور کر دیا کہ مقدرات کے تحت انہوں نے دارالعلوم رحیمہ سے ترک تدریس تو کی۔ مگر ہمیں نہ چھوڑا اور الحمد للہ ہمارے قلوب کی بھی یہ کیفیت ہے کہ

ع رفتید۔ ولے نازل ما۔

حضرات اکابر کی تالیفات مبارکہ سے خوش چینی کر کے یہ مسودہ مرتب کیا گیا۔ دور دور تک یہ بات حاشیہ تخیال میں نہیں کہ یہ بخاری شریف کی شرح کو درج کی کوئی چیز ہے۔ اس لئے عنایتِ الباری کے بعد ”لطیفۃ البخاری“ اس کے نام کا حصہ ہے۔ یعنی یہ اپنی طلبہ برادری کیلئے تکرار و ضبط کے طریق کار کی تسہیل کی کوشش ہے کہ دورۂ حدیث شریف کے سال میں دورانیہ کے لحاظ سے اسباق کی ہمہ وقت مشغولیت کے ساتھ ان مندرجات عنایتِ الباری کو کم وقت میں دیکھ کر مطالعہ بھی آسان ہو سکتا ہے کہ دو صفحات کو پانچ منٹ میں بغور دیکھ لیا جائے تو سبق کے سمجھنے میں آسانی ہو جائے گی۔ اور دیگر کتب کے تکرار کے ساتھ متعلقہ مباحث بخاری بھی کم وقت میں اتنی یاد ہو جائیں کہ وفاق المدارس کے امتحانات میں ان مباحث کے حوالہ سے جیداً تک پہنچ سکے۔ امید ہے کہ طلبہ برادری اس ناکارہ مرتب کو اپنی برادری کا ایک فرد سمجھیں گے۔ جو ان کی طرف سے ”عنایتِ باری“ ہوگی۔

اس لئے شیوخ وقت اور اساتذہ حدیث کی کسی موقع پر نظر پڑ جائے اور یہ چند بے ترتیب نقوش ان کی نگاہِ شرف سے نوازے جائیں تو غلطی کی اصلاح و ستاری کی درخواست ہے یاد فرما کر سمجھا دیں گے تو

یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

کا مصداق سمجھوں گا۔ کیونکہ حدیث اور متعلقات حدیث کی اصلاح محمد ﷺ سے وفا ہے۔

دستورِ زمانہ ہے یوسف مصر کے خریدار تو ایک ہی بن سکے۔ لیکن خریدار بہت تھے۔ مگر ان میں ایک بڑھیا ایسی بھی خریدار تھی جسے اپنی متاع کائنات سے یہ یقین تھا کہ وہ ناکام ہی واپس جائے گی کہاں وہ ”متاع عزیز“ اور کہاں وہ میری ”بے مانگی“۔ لیکن اس کے حصول یوسف (علیہ السلام) کیلئے اپنے جذبہ ظہار کو لیکر بازارِ مصر میں آنے نے دنیا کے ”بے مایہ و بے سرمایہ“ افراد کیلئے راہِ کھول دی اور روایت قائم کر دی کہ تیرے خریداروں میں میرے نام کا لکھا جانا کیا یہ کم خوش نصیبی ہے۔

اس لئے آج تک خریدارانِ یوسف کا جہاں تذکرہ تاریخ کا حصہ ہے وہاں اس جذبہ صادقہ کو بھی تاریخ فراموش نہ کر سکی۔

لیجئے اب اس مجموعہ الفاظ کے مرتب نابکار کو کسی بڑے علمی درجہ پر فائز نہ سمجھتے ہوئے ایک طالب علم سمجھ لیجئے۔ اللہ تعالیٰ دعویٰ و عجب سے بچا کر اس کو بارگاہِ نبوت کے مہمانانِ مکرم کیلئے نافع بنادے۔ اور قبولیت تام عطا فرمادے۔

ع
ایں دعاء از من و از جملہ جہاں آمین باد

اس کتاب کی ترتیب کے متعدد و مراحل میں جن میں میرے عزیز محسنین کرام نے محنت و معاونت فرمائی ان کیلئے بارگاہِ خداوندی میں دست بدعا ہوں انہیں اللہ تعالیٰ دارین میں بہترین جزائے خیر کے ساتھ شغف بالحدیث کی نعمت عظمیٰ اور اجر حدیث سے مالا مال فرمائے۔ بالخصوص عزیز محترم جناب مفتی محمد عرفا روق صاحب، عزیز مفتی عزیز الرحمن سلمہ، مولانا محمد معاویہ عابد صاحب اور مولانا محمد طارق صاحب (مدرسین جامعہ) نے جنہوں نے رسم الخط اور کتاب میں جا بجا درستگی میں عرق ریزی سے کام لیا اور از سر نو کمپوزنگ سے کتاب کو حسن بخشا۔ نیز عزیز محترم مولانا قاری محمد احمد ادریس سلمہ جو بخاری شریف جلد ثانی کے استاذ حدیث بھی ہیں نیز عزیز محترم مولانا قاری مفتی اسعد ادریس مدنی سلمہ جو بخاری جلد اول میں میرے رفیق درس ہیں میری اہتمام کی ذمہ داریوں کے دوران وہ اسباق کی تکمیل کراتے ہیں۔ اس جلد اول کی ترتیب میں دل سوزی و جانفشانی اور عرق پاشی کرتے رہے۔

اللہ تعالیٰ انہیں بھی شغل بالحدیث کے ذریعہ صحبت نبوی ﷺ عظیم الشان نعمت سے سرفراز فرمائے۔ آمین

نیز میرے عزیز محترم مولانا عبدالستار صاحب ناظم تعلیمات جامعہ دارالعلوم رحیمیہ نے تفکیلی نظام تعلیم میں میری بہت معاونت کی جس سے مجھے اور میری اولاد مسلمہم کو یہ دن دیکھنا نصیب ہوئے کہ حدیث مبارک پڑھانے کی سعادت عظمیٰ حاصل ہو سکی۔

فجزاہم اللہ خیرا

(والد)

محمد ادریس ہوشیار پوری غفرلہ

۲۹ رمضان کریم ۱۴۳۶ھ

حرفِ سپاس

ان مقتدر علمی شخصیات اور مسندِ علم کی آبروئے عظمت کے حوالہ سے جنہوں نے عناية الباری لطلبة الخاری
 البخاری پر نگاہِ کرم فرمائی اور اپنے خزانہِ علم سے چند حروفِ گرامیہ تصدیق و توثیق اور تائید و تحسین کے
 پس منظر میں رقم فرمائے۔۔۔ جس نے اس بندۂ نابکار کو علمی دنیا میں آگے بڑھنے کا اعتماد و حوصلہ بخشا۔
 ۔۔۔ ان کا شکر گزار و ممنون احسان ہوں۔۔۔۔ اس اعترافِ حقیقت کے ساتھ کہ ان کے
 احسانِ عظیم کا بدلہ مادی دنیا کی کوئی چیز نہیں بن سکتی۔۔۔ اور روحانی درجہ کی کوئی ایسی چیز جو ان کے مراتبِ
 علیا میں نہ ہو، اس سے یہ عاجز تہی دامن ہے۔۔۔ اس لئے جس ذاتِ بابرکات جنابِ سرورِ کائنات
 ﷺ کے حوالہ سے یہ کرم فرمایا۔۔۔ انہی کی نسبت سے بندہ بھی ان کیلئے بارگاہِ باری تعالیٰ میں دست
 بدعا ہے۔

واجبہم علی اللہ

والسلام
 از مؤلف غفرلہ

سلسلہ تقریظات

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ 163

Jamia-Uloom-Islamiyyah

(University of Islamic Sciences)
Allama Muhammad Yousuf Banuri Town
Karachi - Pakistan.

جامعة العلوم الإسلامية

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن
کراچی ۷۴۸۰۰ - پاکستان

Ref. No. _____

Date. ۲۵/۷/۲۰۲۳
۲۵-۳-۲۰۲۳ء

کلماتِ دعا

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين وعلى آله وصحبه أجمعين.

اما بعد!

”عناية الباری لطلبة البخاری“ مولانا قاری محمد ادریس ہوشیار پوری حفظہ اللہ کی تالیف ہے، موصوف نے مختلف دروس بخاری اور امالی سے انتخاب و انتقا کرتے ہوئے یہ مجموعہ ترتیب دیا ہے، مبادیاتِ علم حدیث، کتاب الایمان اور کتاب العلم کے متعلق اکابر کے افادات کو اپنے انداز میں یکجا فرمایا ہے۔

میری دعا ہے کہ یہ تالیف بخاری شریف پڑھنے والے طلبہ کے لیے مفید ثابت ہو، دیگر اہل علم بھی مستفید ہوں اور یہ محنت مؤلف اور ان کے اساتذہ و مشائخ کے لیے صدقہ جاریہ اور ذخیرہ آخرت ثابت ہو، آمین!

وما تزلک علی اللہ بعزيز.

وصلی اللہ وسلم علی سیدنا و مولانا محمد و علی آله و صحبه اجمعین.

والسلام

عبدالباقی کنڈر

(مولانا ڈاکٹر) عبدالرزاق اسکندر (مدظلہ)

مہتمم جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی
وقائم مقام صدر و فائق المدارس العربیہ

وقیع رائے

از

جانشین حضرت حکیم العصر جناب محترم مولانا منیر احمد صاحب منور دامت برکاتہم

شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ باب العلوم کھر وڑپکا لودھراں

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم محمد و علی آلہ و اصحابہ اجمعین

اس وقت ہندوپاک میں صحیح بخاری کی اردو زبان میں بہت سی شروحات معرض وجود میں آچکی ہیں۔ بعض اتنی طویل اور حشو و زوائد کی اتنی بھرمار کہ ان سے استفادہ مشکل، جبکہ بعض اتنی مختصر کہ ان سے درسی ضرورت بھی پوری نہیں ہوتی اور بعض شروح معتدل ہیں۔ میں نے شیخ الحدیث مولانا قاری محمد ادریس ہوشیار پوری دامت برکاتہم کی شرح عناية الباری لطلبة البخاری کی مبادیات کا اور باب بدء الوحی سے باب من اعاد الحديث ثلاثاً (کتاب العلم) تک تفصیلی مطالعہ کیا ہے۔ الحمد للہ صحیح بخاری شریف کی یہ شرح:-

- (۱) حشو و زوائد سے مبرا اور تدریسی ضرورت کے ضروری مواد سے مزین ہے۔
 - (۲) بقدر ضرورت رواۃ حدیث کا تعارف اور متن حدیث کی عمدہ تشریح ہے۔
 - (۳) تشریح حدیث کے ضمن میں حدیث پر داور ہونے والے شبہات کا ازالہ کیا گیا ہے۔
 - (۴) لطف یہ کہ طویل عبارت کے بجائے مختصر اور سہل و جامع تعبیر کا انداز ہے۔
 - (۵) ربط ابواب اور احادیث باب کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت کو خوب بیان کیا گیا ہے۔
 - (۶) حسب موقع بقدر ضرورت عقائد اہلسنت والجماعت اور فقہی اختلافی مسائل کو بھی مدلل طور پر واضح کیا گیا ہے۔
- اتنی خوبیوں کی عمدہ شرح؛ یہ صلہ اور ثمرہ ہے حضرت قاری صاحب مدظلہ کے اخلاص و تقویٰ کا اور استاذ مکرم حکیم العصر حضرت مولانا عبدالحجید لدھیانوی کی دعاؤں اور قلبی توجہات کا۔ دعا ہے اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی عنایت خاص سے عنایۃ الباری شرح بخاری کو عند اللہ عند الناس شرف قبولیت کی نعمت سے نوازیں۔ آمین ثم آمین

منیر احمد غفرلہ

جامعہ اسلامیہ باب العلوم کھر وڑپکا

۲۱ رمضان کریم ۱۴۳۶ھ

(09-07-2015)

تقریظ

استاذ العلماء محبوب الطلبة حضرت اقدس مولانا عبد الرحمن جامی صاحب مدظلہ

سابق شیخ الحدیث جامعہ دارالعلوم رحیمیہ ملتان

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

”اصح الكتب بعد كتاب الله“ کا تمغہ حاصل کرنے والی الجامع الصحیح المسند المختصر من امور رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم للامام البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کو حق تعالیٰ شانہ نے جو قبولیت عامہ نصیب فرمائی ہے اہل علم و دانش پر مخفی نہیں ہے۔ دنیا کے ہر کتب خانہ کی زینت اور ہر مدرسہ میں بلا امتیاز مسلک پڑھائی جاتی ہے۔ سینکڑوں کی تعداد میں اس کی عربی، فارسی اور دیگر زبانوں میں شروح منظر عام پر آچکی ہیں اور ان شاء اللہ مستقبل میں بھی حسب تقاضا اور ضرورت ازمنہ لکھی جاتی رہیں گی۔

ان شروح میں تازہ ترین خوبصورت اضافہ استاذ القراء والعلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا قاری محمد اوریس ہوشیار پوری دامت برکاتہم العالیہ کی تصنیف کردہ شرح ہے جو عنایۃ الباری لطلبة البخاری کے نام سے موسوم ہے۔

بلا شک و شبہ حضرت قاری صاحب میدان تصنیف کے شہسوار ہیں۔ اس سے قبل خطبات حکیم الاسلام جو بارہ جلدوں پر مشتمل ہے، تحریر کر کے اہل علم و فکر سے داد تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب کو حق تعالیٰ شانہ نے بہت سی خوبیوں اور کمالات و محاسن سے مالا مال فرمایا ہے۔ آپ بیک وقت ”شعبہ تحفیظ کے باکمال معلم، بے مثال شیخ الحدیث، جید مدرس، ہوشیار و متیقظ، شہسوار قلم و تحریر ہیں۔ حق تعالیٰ شانہ نے اپنے فضل و کرم سے حضرت قاری صاحب زید مجدہم میں پنہاں اور مستودع صلاحیتوں کے اظہار کے مواقع بھی عنایت فرمائے۔ خدمت قرآن ہو یا خدمت حدیث، تصنیف و تالیف ہو یا اہتمام و انتظام ہر میدان میں اللہ تعالیٰ نے خوب کام لیا ہے۔

بندہ ناچیز بھی حضرت کے جامعہ دارالعلوم رحیمیہ ملتان میں حضرت کے زیر تربیت وزیر سایہ تقریباً ۱۳ سال درس

بخاری دیتا رہا، حضرت والد گرامی نور اللہ مرقدہ کی ناکہانی وفات کے بعد بادلِ خواست و ارالعلوم چھوڑ کر والد صاحبؒ کے ادارہ میں مشغول ہونا پڑا۔ میرے چلے آنے کے بعد حضرات اکابرین خصوصاً حکیم العصر استاذنا المعظم حضرت مولانا عبد الجبیل دھیانویؒ کے اصرار و حکم پر حضرت نے خود مستند حدیث کو سنبھالا اور شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے۔ اور ایسی مصروف ترین شخصیت کا صرف دو سال کے عرصہ میں بیسیوں عربی اردو شروح میں غوطہ زن ہو کر ان کا ”عرقِ گلاب“ و ”عصر شیریں“ نکال کر ان کو خوبصورت اردو شہ پاروں میں منتقل کر کے اہل علم کی خدمت میں پیش کرنا ”حدیث نبوی کا معجزہ“ اور حضرت قاری صاحب زید مجدہم کی کرامت اور قابلِ رشک کارنامہ ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مدظلہ علم و عمل، ذہانت و فطانت و عمر کے لحاظ سے بندہ عاجز سے بہر حال لائق وفاق ہیں۔ حضرت کی خصوصی شفقت و محبت اور اصغر نوازی ہے کہ مجھ جیسے علم سے تہی دامن شخص کو حکم فرمایا کہ عنایۃ الباری پر نظر کرو۔ حضرت کے حکم پر بندہ نے بالاستیعاب شرح کا مطالعہ کیا۔ الحمد للہ ہر لحاظ سے شرح کو کامل و مکمل پایا۔ تمام ضروری مباحث تحت الحدیث ذکر کر دی گئیں۔ لغوی تحقیقات، مشکل تراکیب کا حل، فنی مباحث، راویوں کے حالات بھی ذکر کر دیے گئے ہیں۔ شرح کی خاص بات یہ ہے کہ حضرت شیخ نے جامعہ دور حاضر کے جدید فتنوں اور باطل مذاہب کا خوب تعاقب فرمایا اور مدلل انداز میں ان کا رد فرمایا ہے۔

دعاء ہے حق تعالیٰ شاہِ حضرت شیخ الحدیث کا سایہ عطوفت تادیر صحت و عافیت کے ساتھ قائم و دائم رکھے اور شرح عنایۃ الباری (جو واقعہً باری تعالیٰ کی طرف سے طلبِ حدیث پر بہت بڑی عنایت و فضل ہے۔) کو قبولیت تامہ و عامہ نصیب فرمائے۔

(آمین بجاہ سید المرسلین علیہ افضل الصلوٰۃ و اکمل التسلیم و علیٰ آلہ و صحبہ اجمعین۔)

عبدالرحمن جامی

مدیر جامعہ امداد العلوم محمود کوٹ شہر و جامعہ حفصہ للبنات مظفر گڑھ

۱۴۳۶ھ / ۸ / ۱۸

تقریحات

حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا ارشاد احمد صاحب مدظلہ

اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسانیت کی رشد و ہدایت کے لئے سلسلہ نبوت کی ابتداء حضرت آدم علیہ السلام سے فرما کر نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ تکمیل فرمادی۔ لیکن ظاہر ہے محفوظ پیغام الہی آخری فرد بشر تک پہنچانا ضروری تھا، تاکہ تکمیل حجت ہو سکے تو اس کے لئے خالق کائنات نے قرآن و سنت جیسی عظیم الشان اور محفوظ چیزیں عطا فرما کر نبی ﷺ کی زبان مبارک سے نوکت فیکم امور میں الخ کھلوا کر خبردار کر دیا کہ یہ پیغام الہی امت کا اثاثہ ہیں۔

پھر ان کی حفاظت کی ذمہ داری لیکر ایسے بھائی کے لئے بھی ذرہ بھر شک کی گنجائش نہیں چھوڑی اور حدیث نبوی علی صاحبہا الف الف سلام کو بھی محدثین، محققین، حادین، منصف نقیث کاروں کے ذریعہ ایسے محفوظ ترین بنادیا کہ من گھڑت باتیں گلدستہ احادیث نبویہ سے نکل کر کچھ چوراہے میں طشت از باہم ہو گئیں۔ نہ صرف یہ کہ سلسلہ حدیث کو محفوظ ترین بنایا بلکہ اس کی ترویج و اشاعت کے لئے ایسے عظیم جال کا رتیار فرمائے کہ جن کی جہد مسلسل نے اس علم کو محدود ترین علم بنادیا۔

چنانچہ اسی محدود ترین علم کی اشاعت کی ایک کڑی الجامع الصحیح للبخاری بھی ہے جسے قرآن کریم کے بعد مستند اور صحیح ترین ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ امت نے بھی اس کے اصح الکتب کے اعزاز کا حق ادا کر دیا کہ ہزاروں سلاطین و جبال علم نے اس کتاب کے ایک ایک لفظ میں غوطہ زن ہو کر گویا بقول حضرت شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب ”ہی پکائی روٹی امت کے سامنے پیش کر دی۔“ کہ اب بس تناول فرمانے ہی کی دیر ہے۔ دیگر زبانوں کی طرح اردو زبان بھی اس خدمت سے تہی دامن نہ رہی اور سینکڑوں شروحات کے ذریعہ اس سعادت کو سمیٹ کر اپنا سینہ منور کیا۔

لیکن درس نظامی کا طالب علم جس کے ”الجامع الصحیح“ میں عرق ریزی کے لئے آٹھ نو ماہ کا مختصر وقت ہوتا ہے اس بات کا تحمل نہیں ہو سکتا کہ حرام عطریات کی خوشبو سے الگ الگ لطف اندوز ہو اس کے لئے مرکب کی ضرورت تھی جو مشہور عطور کا خلاصہ، حرام ذائقوں کو سموئے ہوئے، اور طالب علم اندوز ہن بھی جس کا تحمل، حل متن، میں معاون اور سادہ سہل انداز میں مرتب ہو۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائیں معذو منا المکرم حضرت مولانا قاری محمد اور بیس ہوشیار پوری دامت برکاتہم کو جنہوں نے دین متین کی اساس اول قرآن عظیم کی قریباً نصف صدی خدمت کرنے کے بعد اساس ثانی کی خدمت کی طرف توجہ فرمائی اور ”طلبہ کو عنایۃ الہاری“ کی صورت میں ایسا مجموعہ دیا جو مشہور و معروف محدثین، مدرستین، محققین کی شاہانہ روز کی محنتوں، عرق ریزیوں، شب بیداریوں سے مأخوذ ہونے کی وجہ سے مأخوذ عنہ کی مثل محقق، معتمد، مدلل، مسہل اور مربوط ہے۔“ بندہ نے فی الحال مختصر آچیدہ چیدہ مقامات سے ہی حضرت کی کاوش سے استفادہ کیا، مذکورہ بالا خصوصیات بدرجہ اتم موجود ہیں۔ ماشاء اللہ حضرت کی صلاحیتیں پہلے ہی آشکارا تھیں، اس کے بعد مزید یقین ہو گیا کہ دو تین سال کے مختصر عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے اتنی بڑی خدمت لے لی۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمت کو قبول و منظور فرمائیں۔ اساتذہ و طلبہ کے لئے نافع تر بنائیں۔ آمین

ارشاد احمد عفی
خادم جامعہ دارالعلوم عید گاہ گبیر والا
۶ رمضان المبارک ۱۴۳۶ھ

تقریظ

صاحب علم و قلم شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد القیوم حقانی صاحب مدظلہ

الحمد للحمزة الجلال والصلوة والسلام علی خاتم الرسالة

”الجامع الصحيح للبخاری“ کی عربی شروحات کی طرح اردو شروحات بھی کثیر تعداد میں چھپ کر منظر عام پر آگئی ہیں اور یہ سلسلہ قیامت تک چلتا رہے گا اور ایک سے ایک شرح بہتر برتر اور عمدہ تر آتی رہے گی ...

ع ہر گلے راز نگ و بونے دگر است

اور یہ حضرت خاتم النبیین ﷺ اعجاز ہے ”وللاخرة خمير لك من الاولى“ کے مظاہر علم حدیث کے حوالے سے بھی قیامت تک نمایاں ہوتے رہیں گے ان مظاہر میں دو جدید کے تقاضوں کے عین مطابق شیخ الحدیث مولانا قاری محمد ادریس ہوشیار پوری مدظلہم کی ”عناية الباری لطلبہ البخاری“ کی ترتیب و تالیف اور اپنے منہج کے حوالے سے منفرد خصوصیات کی حامل شرح کا منظر عام پر آتا ہے۔ مصنف و مرتب ایک بلند پایہ مدرس ایک مانے ہوئے محقق ایک منجھے ہوئے مرتب اور قابل رشک اتالیق ہیں ان کا سب سے پہلا بڑا شاہکار کارنامہ ”خطبات حکیم الاسلام“ کی ترتیب و تالیف اور اشاعت ہے بارگاہ رب میں مؤلف کی یہ اداسند آئی کہ انہیں تگوتی طور پر مرحلہ وار تصنیف و تالیف کی راہ پر بھی چلایا جاتا رہا، آج ”عناية الباری لطلبہ البخاری“ کی تالیف کی عظیم سعادت سے سرفراز رہے جارہے ہیں۔

اسلام کی صداقت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ ایک شخص میں متنوع قسم کی صلاحیتیں جمع کر دی جاتی ہیں ہمارے مخدوم و مکرم ایک کامیاب مدرس بھی ہیں کامیاب منتظم بھی، کامیاب مہتمم بھی اور کامیاب ترین مصنف بھی۔ صحیح بخاری کے درس کے دوران جب بھی موصوف نے مجھ سے رابطہ کیا تو میں نے انہیں علم تحقیق تدقیق علمی افادات اور درسی تفصیلات کے حوالے سے رطب اللسان پایا۔

ماہرچہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم الاحادیث یار کہ تکرارے کنیم

”عناية الباری کا انداز بڑا سلیس رواں دواں معلمانہ اور مدد رسانہ ہے بلکہ اپنے اہداف کے حوالے سے خالص طالب علمانہ ہے اصل متن اس کا ہدف ہے استاد نہ ہو یا طالب علم غیر حاضر ہو تو وہ خود بھی مطالعہ کر کے حدیث کی مراد تک پہنچ سکتا ہے“ میں سمجھتا ہوں دو ریاضہ کے استعداد و صلاحیتوں کو مد نظر رکھ کر شیخ الحدیث ہوشیار پوری سے تگوتی طور پر یہ کتاب لکھوائی جا رہی ہے۔

یہ قدم اٹھتے نہیں اٹھوائے جاتے ہیں

گزشتہ چار روز سے شرح کے بعض حصے میرے مطالعہ میں ہیں سفر و حضر میں استفادہ کر رہا ہوں شارح نے طالب علمانہ ہنر کے مطابق نزول فرما کر سہل ترین منہج میں گویا علوم و معارف گھول کر پلانے کی قسم اٹھا رکھی ہے۔ انداز بیان حد درجہ نرالہ دلچسپ اور مہمانانہ ہے، علمی طمطراق، فنی جاہ و جلال، تحقیقی اور تدریسی کمال کے باوصف مطالعاتی ذوق رکھنے والے دورہ

حدیث کے تمام طلباء اور علم حدیث سے شغل رکھنے والے ادنیٰ سے ادنیٰ سوچہ بوجھ والے قارئین بھی جب مطالعہ کریں گے وہ ادنیٰ تا مل سے حدیث کی مراد پالیں گے۔ طرز بیان اور شرح کے منہج سے معلوم ہوتا ہے کہ شارح کے دل میں محبت اور عشق رسول موجزن ہے جو قلم کے رائے شرح کے سطور میں چھلک پڑا ہے شرح کا ہر پیرا اگر ارف شارح کی والہانہ اور عاشقانہ ادائیں ہیں۔ جو بھی پڑھے گا عشق رسول ﷺ دولت سے مالا مال ہو جائے گا اس وقت میرے سامنے جلد اول کے مسودات ہیں جب آفا زکار کا یہ عالم ہے تو رفتار کار اور انجام کار تو اس سے بھی کروڑ چند بہتر ہو گا ان شاء اللہ۔

فاضل شارح چونکہ تصنیف و تالیف کے جدید تقاضوں سے بھی واقف ہیں اور ان کا ذوق مطالعہ قدیم موضوعات کے علاوہ عصری مسائل اور دور جدید کے حالات کا بھی احاطہ کینے ہوئے ہے اس لیے اپنی وقع شرح میں انہوں نے مناسب مواقع پر بیان مذاہب، آدله اور مذہب رائج کی حمایت میں کمال ادب و احترام اور اعتدال کی زبان استعمال کی ہے اور ایک کامیاب شارح کی طرح اپنے موضوع سے انصاف کر گزرے ہیں۔ فاضل شارح نے کمال خوبی سے فنی اصطلاحات اور نظری مباحث کے قدیم اور دقیق طرز میں الجھے بغیر انہیں دور جدید کے اسلوب جدید کے مطابق شگفتہ انداز میں پیش کر دیا ہے اس سے ایک طرف تو طالب علم کو کم وقت میں زیادہ سے زیادہ معلومات کی سہولت ہو گئی ہے اور دوسری طرف انداز بیان پیرایہ ادب اس قدر لطیف اور علمی چاشنی سے بھر پور ہے کہ پڑھنے والا کسی بھی قسم کی اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا۔

شارح اپنی ذات، مشن، کام اور دینی خدمات کے حوالے سے پورے ملک میں اور دنیا بھر کے علمی ادبی حلقوں میں متعارف ہیں وہ ایک صاحب قلم و علم و دردمند مسلمان اور بلند پایہ انسان ہیں ان سے ملاقات اور مشاعرۂ تعارف بعد میں ہو اگر ان کے قلم کی آواز ”خطبات حکیم الاسلام“ کی صورت میں بہت پہلے سے سن رکھی تھی خواہش تھی کہ صریحاً کے پیچھے کار فرماید بیضاء سے مصافحہ ہو دو سال قبل جب ان کے قائم فرمودہ جامعہ دارالعلوم رحمیہ ملتان میں ان سے ملاقات ہوئی تو دیکھا ایک نحیف و نازک جسم مگر ”بقامت کو ہر بہتر قیمت بہتر“ کا مصداق سامنے تھا جب ان کی خدمات، تواضع، فنائیت اور عہدیت دیکھی تو ایسے لگا گویا قدیم سے متعارف اپنے ایک مخلص ساتھی سے ملاقات ہو رہی ہے۔

جب ان کی گفتگو سنی تو اندازہ ہوا، کہ قلم کے ساتھ ساتھ زبان بھی جوش اظہار اور تعبیر جذبات پر یکساں قادر ہے۔ قلم و لسان کے دو آتشے کا نام ”شیخ الحدیث مولانا قاری محمد ادریس ہوشیار پوری“ ہے۔ جن کی تازہ ترین عالمانہ فاضلانہ محدثانہ اور محققانہ شرح صحیح بخاری ”عناية الباری لطلبة البخاری“ نذر قارئین ہے یقیناً آپ بھی پڑھ کر حیرت و افر حاصل کریں گے میری ذاتی تمنا بھی ہے اور مخلصانہ دلی دعا بھی کہ باری تعالیٰ حضرت شارح کو عافیت اور صحت کے ساتھ اس کی تکمیل کی توفیق عطا فرمادیں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و آلہ و صحبہ اجمعین۔

عبدالقیوم حقانی

صدر القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ، خالق آباد نوشہرہ

۱۷ شعبان ۱۴۳۶ھ، ۲۳ جون ۲۰۱۵ء

تقریظ

حضرت اقدس مولانا نورالبشر (۱) محمد نور الحق صاحب مدظلہ

سابق استاذ الحدیث وعلومہ جامعہ فاروقیہ کراچی

مدیر معجد عثمان بن عفانؓ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمین والصلاة والسلام علی سیدنا محمد النبی الامی الامین وعلی آلہ

وصحابہم واتباعہم ومن تبعہم باحسان الی یوم الدین۔ أما بعد:

زیر نظر کتاب ”عناية الباری“ ہمارے مخدوم وکرم، معظم و مقیم استاذ حضرت مولانا محمد شفیع صاحب قدس اللہ روحہ کے بڑے صاحبزادہ مخدوم وکرمی حضرت مولانا قاری محمد ادریس صاحب ہوشیار پوری دامت فیوضہم کی صحیح بخاری کی تدریس کے دوران ضبط کردہ کاوش ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت قاری صاحب کو موق من اللہ بنایا ہے۔ ایک طرف تو انہوں نے اپنے والد محترم کے حکم سے قرآن کریم کی براہ راست خدمت کو اپنی زندگی کا نصب العین اور اوڑھنا بچھونا بنایا، تو دوسری طرف اب درس نظامی کی کتابوں کی تدریس اور خاص طور پر اصح الکتاب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری کی تدریس کا حق ادا فر رہے ہیں، اکابر اہل علم سے استفادہ کر چکے ہیں، اکابر کی علمی و تحقیقی تحریرات اور کتب سے دلی تعلق رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے نہایت سادہ اور شکستہ قلم عطا فرمایا ہے کہ انہیں مافی الضمیر کو نہایت شستہ انداز میں کھمار کر رکھ دینے کا ملکہ حاصل ہے، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اکابر کی تحقیقات و تدقیقات

(۱) حضرت محترم جناب مولانا نورالبشر صاحب دامت برکاتہم

محتاج تعارف نہیں کہ ان کی متعدد علمی خدمات پر اس دور کے محقق علماء کرام کا بھرپور اعتماد ہے۔ آپ جامعہ دارالعلوم کورنگی میں تدریسی خدمات سر انجام دے چکے ہیں جامعہ فاروقیہ میں تدریس کے ساتھ کشف الباری کے مرتبین کرام میں آپ کا نام نامی بھی شامل ہے۔ ان کی بہترین تربیتی کاوش اہل علم سے خراج تحسین وصول کر چکی ہے۔

ہمارے والد ماجد رحمہ اللہ کے علمی جانشین ان کے خاندان میں نہ ہو سکے۔ لیکن الحمد للہ سرزمین برما سے آنے والے اس ”طالب علم“ نے اپنی دور طالب علمی کا بیشتر حصہ حضرت والد کرامی مرحوم سے استفادہ میں گزارا۔ اور ان کے ”علمی جائے نشین“ قرآن پڑھنے۔ فالحمد لله علی ذلک

سے سر موخرف کو قبول کرتے ہیں نہ برداشت کرتے ہیں۔
ان تمام خصوصیات کا نتیجہ آپ کے سامنے ”عناية الباری“ کی شکل میں نمودار ہوا۔

صحیح بخاری شریف پر عربی شروحات کے علاوہ اردو میں ہمارے اکابرین کی شروحات بھی کم نہیں، اور پھر ہر شرح اپنی جگہ دلچسپ، علمی معلومات اور تحقیقات سے بھرپور ہے، حضرت قاری صاحب مدظلہم العالی نے تدریس کے دوران اپنے انہی اکابر کی خوش چینی کرتے ہوئے صحیح بخاری کی شروح میں ایک اور خوش نما اور بیش بہا رنگ کا اضافہ فرمایا جس میں مربوط علمی تقریر بھی ہے، حل کتاب بھی، راویوں کا مختصر تعارف بھی ہے اور متن حدیث پر واضح کلام بھی، علمی نکات بھی ہیں، سوالات مقدرہ کے جوابات بھی، پھر تفنن کے لئے کبھی تسلسل کے ساتھ عبارت ہے تو کبھی سوال و جواب کے انداز میں طلبہ کی تشخیز دہنی ہے۔

”پھر حدیث کی تشریح میں نہ تو طول و میل سے کام لیا اور نہ اختصار محل سے، ماشاء اللہ نہایت اعتدال کے ساتھ کتاب کے مقصد کو حل کیا ہے اور علومِ نبوت کے شائقین کے لئے ایک نہایت میٹھا غسلِ مصفی کا منبع، یا سب خرامِ شفافِ نہرِ کمال کرپیش کر دی۔“
کتاب کے جستہ جستہ مطالعہ سے اندازہ ہوا کہ کس قدر محنت اور جدوجہد سے انہوں نے بخاری شریف پڑھائی اور پھر کس سلیقہ مندی سے ان موتیوں کو پرویلے ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ سب کچھ قاری صاحب کے دیگر اساتذہ کرام کی دعاؤں کے ساتھ ساتھ آپ کے بزرگ والدِ محترم کی جو خصوصی توجہات آپ کو حاصل رہیں، ان سب کا نتیجہ اور کرشمہ ہے کہ قاری صاحب کو اللہ تعالیٰ نے ہمہ جہتی خدمات کی توفیق عطا فرمائی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا اور درخواست ہے کہ وہ اس کتاب کو ان کی دیگر تصنیفات و مضامین کی طرح اپنی بارگاہ میں قبولیت کے ساتھ ساتھ، علومِ نبوت کے حاملین کے لئے اس کو بہترین سوغات بنائے اور قاری صاحب کے لئے، قاری صاحب کے اساتذہ کے لئے اور خاص طور پر حضرت استاذِ محترم مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لئے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین

کعبہ

نور البشر محمد نور الحق

احد تلامذۃ العلامة محمد شفیع رحمۃ اللہ تعالیٰ

ھ ۱۴۳۶/۹/۱۲

30/6/2015

نقراظ

جامع شریعت و طریقت استاذ العلماء حضرت اقدس مولانا محمد عابد مدنی صاحب مدظلہ

استاذ الحدیث و التفسیر جامعہ خیر المدارس ملتان

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

حضرت امام بخاری کی تالیف ”صحیح بخاری“ محدوم فن کی محدوم ترین کتاب ہے۔ صحیح بخاری کی جس قدر شروح و حواشی لکھے گئے ہیں اسلامی کتب خانہ اس کی نظیر لانے سے عاجز ہے۔ یوں یہ کتاب اصح الکتاب بعد کتاب اللہ کے ساتھ حجة اللہ علی الخلق بھی بن گئی۔ اصل وجہ تو مالک کی نگاہ کرم ہے جس کو چاہے قبول کر لے اور پھر جس درجہ کی قبولیت نصیب فرمادیں۔

مگر ظاہری طور پر اس میں حضرت امام بخاریؒ کا کمال اخلاص و تقویٰ اور بارگاہ نبویؐ کی قرب و اختصاص ہے اور اس کے ساتھ کتاب کی ترتیب میں اعتماد علی الوجی، اہمیت عقیدہ و ایمان اور عظمت علم دین کو بڑے جاندار اور شاندار تراجم ابواب کے ذیل میں بیان کیا۔ ان تراجم میں پنہاں اسرار و رموز سے اہل علم صدیوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔

کتاب العلم کے بعد حضرت امام بخاریؒ ابواب الوضوء سے ابواب قائم کر کے دین کے تمام شعبوں اور ہر شعبہ کے ہر گوشہ سے متعلق تعلیمات نبوت کو بڑے جامع، جاندار اور جاذب انداز میں مرتب فرمایا یوں امت کے ہاتھوں میں ایک دستاویز نبوی ﷺ ہادی۔

آخری باب ”ونضع الموازين القسط ليوم القيامة“ قائم کر کے اشارہ فرمایا کہ فکر آخرت کے بغیر دین پر عمل صحیح طور پر ممکن نہیں۔ یوں مسلمانوں کیلئے ایک جامع دستور حیات مرتب کر دیا۔ فجزاہ اللہ عن امة محمد صلی اللہ علیہ وسلم خیرآ۔

صحیح بخاری شریف کی اسی اہمیت کی وجہ سے پورے عالم اسلام میں اس کی درس و تدریس بڑی اہمیت کے ساتھ جاری ہے۔ مدرسین حضرات شارحین کرام کی علمی کاوشوں سے بہرہ ور ہو کر اپنے اپنے انداز و اسلوب سے طالبین و سامعین کو فیضیاب کرتے ہیں۔ صحیح بخاری کا درس دینے والا جب اس کی شروح کے مطالعہ میں مشغول ہوتا ہے تو ہل من مزید، ہل من مزید کا کیف ہوتا ہے مگر دوسرے لمحہ جب طالبین کیلئے ذہن میں مواد مرتب کرنے کا مرحلہ آتا ہے تو انتخاب مواد میں کچھ عجیب سے الجھن پیش آتی ہے۔

حبیب محترم حضرت مولانا قاری محمد ادریس صاحب ہوشیار پوری مدظلہ کو اللہ پاک نے توفیق عطا فرمائی ”بخاری شریف

پڑھنے والے طلبہ کیلئے دورِ حاضر کے ممتاز شیوخِ حدیث اور صفِ اول کے صاحبِ بصیرت محدثین کرام کی مساعی مشکورہ میں سے ہر ایک کی خصوصیت کو لے لیا اور یوں یہ عجیب گلدستہ علم و حکمت، ”العتور المجموعۃ“ بن گیا۔ ”فجزاه اللہ احسن الجزاء“ حضرت قاری صاحب مدظلہ نے جن حضرات اکابر کے فیض کو جمع کیا، پوری فراخ دلی کے ساتھ اس کا تذکرہ کر دیا۔

تقبل اللہ سعیدہ وجعلہ مشکوراً

احقر کیلئے تو یہ سعادت کی بات ہے کہ طالبِ علمی سے حضرت قاری صاحب مدظلہ کی رفاقت کا شرف حاصل رہا موصوف نے ایک تعلیمی ادارہ قائم کر کے اپنے محبوبِ استاذ حضرت قاری رحیم بخش صاحب کے نام نامی سے منسوب کرتے ہوئے اس کا نام ”دارالعلوم رحیمیہ“ رکھا۔ بہت تھوڑے عرصہ میں ماشاء اللہ اس ادارہ نے ترقی کی اور اس میں دورہ حدیث شریف کا اجراء ہو گیا۔ حضرت قاری صاحب مدظلہ نے خدمتِ قرآن کریم کے ساتھ خدمتِ حدیث شریف کا عزم بھی کیا۔

پہلے چند سال مشکوٰۃ المصابیح جلد ثانی پڑھاتے رہے۔ پھر بخاری شریف جلد ثانی پڑھائی اور آج سے تقریباً تین سال قبل کی بات ہے کہ ختم بخاری شریف کے موقع پر محدثِ حلیل حضرت الاستاذ مولانا عبد المجید لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اظہارِ اعتماد کے طور پر حضرت قاری صاحب مدظلہ کی دستار بندی بھی کرائی۔ چنانچہ اسی کی برکت سے اگلے سال بخاری شریف جلد اول کا درس دیا بلکہ اب موصوف کی یہ تحریری کاوش آپ کے سامنے ہے۔ اس موقع پر رب کریم کا شکر گزار ہوں کہ آج سے تقریباً پینتالیس سال قبل کے ہم رفقاء کو اللہ پاک نے محض اپنے کرم سے خدمتِ حدیث کی توفیق بخشی جن میں حضرت مولانا سید جاوید حسین شاہ صاحب مدظلہ، مولانا محمد یسین صابر صاحب مدظلہ، مولانا محمد نواز صاحب مدظلہ اور حضرت مولانا قاری محمد ادریس صاحب ہوشیار پوری مدظلہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ احقر کو بھی اللہ پاک نے اس شرف سے محروم نہیں فرمایا۔ فللہ الحمد علی ذلک۔

حضرت قاری صاحب مدظلہ کی علمی کاوش ”عناية الباری لطلبة البخاری“ آپ کے ہاتھوں میں ہے امید ہے کہ اس کا مطالعہ اولادِ حاضر کے اکابر اور ثانی پہلے حضرات گرامی کے علوم سے فیض یاب ہونے کا بہترین ذریعہ بنے گا۔

دعاء ہے کہ اللہ پاک اس کو قبول فرمائیں۔ آمین ثم آمین

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

محمد عابد عفی عنہ

گیے از خدام حضرت بھلوی نور اللہ مرقدہ

مدرس جامعہ خیر المدارس ملتان

بانی مدرسہ و خانقاہ اسلامیہ مدنیہ سید نو بہار ملتان

جمعہ ۲۴ شعبان المعظم ۱۴۳۶ھ

تقریظ

استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا زبیر احمد صدیقی صاحب مدظلہ

خلیفۃ مجاز حضرت مولانا عبد المجید لدھیانوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

امیر المؤمنین فی الحدیث امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ سے حق تعالیٰ کا لیا ہوا عظیم کام ”الجامع المسند الصحيح المختصر من امور رسول اللہ ﷺ و سننہ وایامہ“، المشہور صحیح بخاری کی تالیف و تدوین، انتخاب احادیث، تراجم ابواب اور تراجم میں ذکر کردہ آیات و احادیث و آثار کا انتخاب، حسن استدلال اس سب میں بہترین ترتیب و جودت وضع اور جامعیت بس انہیں کا خاصہ ہے۔ تقریباً بارہ سو سال قبل کے غیر متمدن دور میں تصنیف تالیف، انتخاب احادیث و آثار کی جملہ متمدن، عمومی، قشری صورتیں بھی امام بخاری کے کمال کے سامنے بے بس ہیں۔ بس رب نے ان سے کام لیا تھا انہیں اس عظیم خدمت کے علم، تقویٰ، ذہانت، مفاہمت، ثقافت، محنت اور مجاہدے جیسے جملہ اوصاف و دیعت فرمائے۔ یہی وجہ ہے کہ تب سے اب تک یہ کتاب ہر طبقہ علم میں مروج و متداول ہے۔ امت میں اسے تلقی بالقبول کا شرف حاصل ہے۔ امت کی اکثریت کو حضرت امام بخاری سے چند مندرجات پر علمی تحفظات کے باوجود کتاب کے اصح الکتب بعد کتاب اللہ اور فی حسن وجودت میں ذرا بھی تردد نہیں۔

اس کتاب کی عظمت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ (۱) یہ کتاب دینی نصاب کی سب سے آخر میں پڑھائی جانے والی کتاب ہے، اس کتاب کے ختم کو علوم دینیہ کے حصول کا ایک لحاظ سے اختتامی مرحلہ جانا جاتا ہے۔
(۲) کتاب کی تدریس کے لئے کہنہ مشق، جید عالم، متقی اور علم و عمل سب میں فائق شخص کا انتخاب کیا جاتا ہے۔
(۳) اس کتاب کے معلم و مدرس کو اصطلاح میں شیخ الحدیث کے لقب سے ملقب کیا جاتا ہے اور تعلیمی اور تدریسی ماحول میں ایسی شخصیت کی قدر کی جاتی ہے۔

(۴) اس کتاب کے ختم پر ادعیہ کی قبولیت اور دفع بلا و مصائب صدیوں سے ایک مجرب و آزمودہ عمل ہے اور خاصان خدا کا اس کتاب کی تلاوت کا عمل بھی رہا ہے۔

(۵) یہ کتاب اپنے قاری میں فکری، علمی اور عملی انقلاب بپا کر دیتی ہے۔

کتاب عظیم ہونے کے ساتھ نہایت دقیق و مشکل ہے۔ حق تعالیٰ نے اس کتاب میں وہ اسرار و رموز پنہاں کر دیے کہ اسے پڑھانے والے کو ہر بار نئی لذت و اسرار حاصل ہوتے ہیں۔ کتاب کی دقت کی وجہ سے اس کتاب کی ہر دور میں شروح و حواشی تحریر کئے گئے ان شروح و حواشی کی تعداد بیسیوں تک پہنچتی ہے۔ بقول محدثین امت پر صحیح بخاری کی شرح ایک قرض ہے جسے کسی حد تک امام حافظ ابن حجر عسقلانی نے چکانے کی کوشش بھی کی ہے۔ تاہم یہ قرض ابھی مکمل اتر نہیں۔

ہمارے مخدوم، استاذ العلماء شیخ القراء مولانا قاری محمد ادریس ہوشیار پوری زید مجدہم کو حق تعالیٰ نے تقریباً نصف صدی تک بے مثال خدمتِ قرآن کریم کی سعادت نصیب فرمائی۔ وہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کی قرآنی خدمات پر رشک کیا جاسکتا ہے اسی وجہ سے حق تعالیٰ نے ان سے ملتان میں ایک بہترین ادارہ کے قیام کا کام بھی لیا رفتہ رفتہ یہ ادارہ جامعہ بن گیا اور اس میں دورہ حدیث کی تدریس شروع ہوئی۔ یہ تدریس مختلف اساتذہ کرام و شیوخ حضرات فرماتے رہے۔ لیکن عرصہ تین سال سے خدمتِ قرآن کے ساتھ صحیح بخاری کی تدریس کا ہما بھی ان کے سر پر آ بیٹھا۔ یوں وہ شیخ التجوید والقرآت کے ساتھ شیخ الحدیث ٹھہرے۔ ”ان کے قلمی ذوق نے انہیں یہ حوصلہ بخشا کہ صحیح بخاری کے اسرار و رموز کے وہ بکھرے موتی جو مختلف شروح و حواشی میں پھیلے ہوئے ہیں۔ انہیں یکجا کر کے صحیح بخاری کی شرح ترتیب دیں۔“

حق تعالیٰ کی ان کے ساتھ اعانت ہوئی کہ باوجود شعبہ حفظ کی تدریس و دیگر مشاغل کے انہوں نے عناية الباری لطلبة البخاری تالیف فرمائی۔ احقر نے یہ کتاب متعدد مقامات سے پڑھی ہے۔ اگرچہ بالاستیعاب دیکھنے کا ہنوز شرف حاصل نہیں ہوا۔ تاہم یہ کتاب طلبہ حدیث کے لئے ایک بہترین دستاویز ہے۔ حق تعالیٰ اس کتاب کو نفعیت و قبولیت نصیب فرمائیں اور اس کے مؤلف، ناشر، قارئین اور مجھ جیسے محبین کے لئے شفاعتِ رسول ﷺ غفرت کا ذریعہ فرمائیں۔

والسلام

زبیر احمد صدیقی

خادم حدیث جامعہ فاروقیہ شجاع آباد

ناظم وفاق المدارس العربیہ جنوبی پنجاب

۲۵ شعبان المعظم ۱۴۳۶ھ

نقریظاً

حضرت اقدس مولانا منظور احمد صاحب مدظلہ

استاذ الحدیث جامعہ خیر المدارس ملتان

بندہ سابقہ حضرات کی تحریرات سے حرف بحرف متفق ہے۔ حق تعالیٰ مصنف اور مصنف کو شرف قبولیت سے نوازیں۔ آمین

والسلام

بندہ منظور احمد

خادم الحدیث جامعہ خیر المدارس ملتان

۲۹ شعبان المعظم ۱۴۳۶ھ

تقریظ

شیخ طریقت حضرت اقدس مولانا حافظ محمد ناصر الدین خاکوانی دامت برکاتہم العالیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم خاتم النبیین سیدنا محمد و آلہ واصحابہ اجمعین
 ”عناية الباری لطلبہ البخاری“ کا مسودہ لحضرت علامہ حضرت مولانا قاری محمد ادریس
 صاحب ہوشیار پوری دامت برکاتہم فقیر کے سامنے ہے۔ تقاریر مثلاً عظام اور علماء کرام بھی ساتھ ہیں۔ فقیر نے
 مسودہ کو ہاتھ میں لیکر ان اکابر کی تقاریر کو سرسری طور پر پڑھا۔ میں ان تمام تقریر کو صحیح سمجھتا ہوں کیونکہ قائل کے
 مقام سے قول کی عظمت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ فقیر کو مؤلف دامت برکاتہم کا حکم تھا کہ چند دعائیہ کلمات لکھ دوں۔ لہذا
 حکم کے امتثال کے لئے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس جانکاہ کاوش کو اپنے دربار عالیہ میں قبولیت سے نوازے، طلبہ
 ، جملہ معاونین اور خود مؤلف کے درجات میں بلندی کا سبب بنائے اور بروز قیامت میدان محشر میں زمرہ وار ثانیان علم
 نبوت اور خدام حدیث کی صف میں کھڑا کرے۔ رضائے حق تعالیٰ اور سید المرسلین علیہ السلام کی خوشنودی کا باعث
 بنائے۔ امین دعا ازمن واز جملہ جہاں آمین باد۔ (اللہ اس کو بھی اس کا فیض نصیب فرمائے جو آمین کہے۔) اور اس
 سیکار کو بھی محض ان چند سطور کو شامل شرح ہونے کی وجہ سے تبرکاً و تبرعاً خدام علم میں شامل فرما کر اپنی رحمت
 خاصہ کا مورد بنائے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

ع

شاہاں چہ عجب گربنوازندہ گدار۔

بجاء سید المرسلین و علی آلہ واصحابہ اجمعین۔

الراقم: العبد الجانی محمد ناصر الدین خاکوانی عفو لہ و لوالدیہ

نائب امیر عالی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان

۲۹ شعبان المعظم ۱۴۳۶ھ

نقريظ

شاہین ختم نبوت حضرت محترم مولانا اللہ وسایا صاحب مدظلہ
(مرکزی رہنما عالی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان)

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى اما بعد!

اللہ رب العزت نے ہر دور میں ایسے مخلص عالم ربانی پیدا کئے جو دین اسلام کی ترویج و اشاعت کے لئے ایسے طور پر سرگرم عمل رہے کہ آنے والی نسلوں کے لئے عمدہ نمونہ قرار پائے۔ انہی مقبولانِ بارگاہ الہی حضرات میں سے ہمارے ممدوح حضرت مولانا قاری محمد ادریس ہوشیار پوری ہیں۔ حق تعالیٰ شانہ نے آپ کو قرآن و حدیث کی نمایاں اور سنہری خدمات کے لئے شرف قبولیت سے نوازا ہے۔ آپ اس وقت اپنے معاصر رفقاء میں سے ایسے نمایاں اور ممتاز مقام پر سرفراز اور طلباء و اساتذہ میں برابر درجہ محبوبیت پر فائز ہیں۔ آپ کا وجود اس دھرتی پر انعام الہی کا درجہ رکھتا ہے۔

آپ قرآن مجید پڑھانے بیٹھے تو اپنے استاذ مجدد القراءات حضرت قاری رحیم بخش پانی پٹی کی یادوں کے گلستان کو صدا بہا رہنا دیا۔ آپ اپنے استاذ حضرت مولانا عبد المجید لدھیانویؒ کے حکم پر درجہ کتب پڑھانے کے لئے بڑھ تو بس بڑھتے ہی چلے گئے۔ درس نظامی کے آخری درجہ کی سب سے ممتاز کتاب بخاری شریف پڑھانی شروع کی تو آپ نے جہاں اپنے حدیث کے شیخ جامع المعقول والمعتول حضرت علامہ محمد شریف کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے اختصار و ایجاز کی یادوں کو تازہ کر دیا۔ وہاں آپ نے حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب ایسے محدث کی تعلیم، شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ کے فقہ فقہ، حضرت مولانا عبد المجید لدھیانویؒ کے انداز، نفس کتاب کے فہم کو گھول کر پلانا، ان تمام حضرات کی ان خصوصیات کو یکجا کر دیا۔

ہمارے حضرت مولانا قاری محمد ادریس ہوشیار پوری کے درس بخاری میں ان تمام حضرات کی تدریسی شان آپ کو خور و گلن نظر آئے گی۔ انہی خوبئیں کو کتابی شکل میں جمع کیا ”عناية الباری لطلبة البخاری“ کے نام سے گلہائے رنگارنگ کا حسین گلدستہ تیار ہو گیا۔ کوئی صاحب ذوق استاذ اور طالب علم اپنے یومیہ سبق کے حصہ کا اس کتاب سے مطالعہ کر لے تو سینکڑوں صفحات کے مطالعہ کا جوہر اسے مل جائے گا۔ اللہ رب العزت حضرت قاری صاحب دامت برکاتہم کی اس کاوش کو بھی شرف سے سرفراز فرمائیں۔

”دُرِیا کو کوزہ میں بند کرنا“ اگر محاورہ کی جیتی جاگتی حالیہ دور میں عملی تفسیر دیکھنی ہو تو وہ یہ کتاب ہے۔ حق تعالیٰ شانہ بیش از بیش خدمتِ حدیث کی توفیق سے ممنون فرمائیں۔ آمین بحرمہ مقالی النبی الکریم ﷺ و علی الہو صحبہ

محتاج دعا فقیر اللہ وسایا

مؤرخہ ۲۲ شعبان المعظم ۱۴۳۶ھ

تقریظ

حضرت اقدس ابو محمد عمار قاری محمد عبد اللہ عبد الرحمن صاحب مہاجر مدنی دامت برکاتہم العالیہ

المدرس بالمسجد النبوی الشریف ﷺ مدینہ منورہ

تمییز رشید شیخ القراء حضرت اقدس مولانا قاری رحیم بخش نور اللہ مرقده

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم و علی الموصحبہ

ولہذا برادر محترم جناب مولانا قاری محمد ادریس صاحب ہوشیار پوری زید مجدہم کے رمضان مبارک

۱۴۳۶ھ کی مدینہ طیبہ حاضری کے موقع پر بندہ نے ”عناية الباری لطلبة البخاری“ کا مسودہ اجمالی طور پر دیکھا۔ قلبی مسرت اور روحانی انبساط حاصل ہوا۔

ہمارے محمد بنی استاذ مقری اعظم قاری رحیم بخش نور اللہ مرقده کے تلامذہ کرام پر ذوق تشعبہ تحفیظ و قراآت کی

تدریس کا قلب ہے۔

لیکن میرے علم کے مطابق حضرت قاری صاحبؒ کے علمی جانشین حضرت محترم مولانا قاری محمد

طاہر رحیمی مہاجر مدنی تدریس قرآن کریم کے ساتھ حدیث مبارکہ کا بھی شوق رکھتے تھے الحمد للہ ایک کامیاب مدرس

حالی تھے۔ اب ہمارے بھائی محترم مولانا قاری محمد ادریس ہوشیار پوری صاحب زید مجدہم بخاری جلد اول

دو سال سے پڑھا رہے ہیں جبکہ تحفیظ میں بھی پڑھاتے ہیں۔

بندہ حرم نبوی ﷺ ان کیلئے دعا گو ہے اللہ تعالیٰ ان کے علم و فضل اور شغف بالقرآن

والحدیث کو اپنی بارگاہ عالی میں قبول فرمائے۔ اپنے اور اپنے محبوب ﷺ کی بارگاہ قدس میں نظر قرب

واختصاص سے نوازے۔ آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین علیہ افضل الصلوٰۃ و اکمل التسلیم و علی

الموصحبہ والسلام

تقریظ

حضرت اقدس مولانا محمد یحییٰ الدہلوی صاحب مدظلہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَكَفَى وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ وَعَلَىٰ آلِهِ وَصَحْبِهِ مَا بَعْدَ:

زیر نظر کتاب ”عناية الباری لطلبة البخاری“ الحمد للہ مطالعہ میں رہی، اگرچہ بالاستیعاب نہ دیکھ سکا، اور اس کی ضرورت اس لئے بھی نہ تھی کہ جن علماء کرام نے اس کی علمی حیثیت پر روشنی ڈالی ہے وہ سب مستند و معتمد حضرات محدثین کرام ہیں۔ اور طالبانِ حدیث رسول اللہ ﷺ ان کی طرف رجوع و اعتماد ہے۔

کتاب اپنی چند در چند خوبیوں کے ساتھ زیر مطالعہ تھی، بار بار وجدانی طور پر احساس ہوا جیسا میں اپنے والد ماجد شہید اسلام حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ کے حلقہ درس میں موجود ہوں، ان کی علمی درفشانیاں اور علوم و معارف کی سمٹھیاں آسان اور عام فہم انداز میں میرے قلب و دماغ کو مسحور کر رہی ہوں۔

میں نے اپنے محدود محترم صاحب کتاب سے پوچھا کیا آپ والد گرامی مرحوم کے شاگرد ہیں۔۔۔؟ ان کے بتلانے پر میرے وجدان کو باطنی آگاہی ملی کہ مدرسہ عربیہ احیاء العلوم ماموں کا نجن (فیصل آباد) میں سند تلمذ حاصل کئے ہوئے ہیں۔

حضرت والد گرامی چونکہ حضرت محترم شیخ الجامعہ خیر المدارس ملتان مولانا محمد صدیق صاحب مدظلہ کے رفیق درس ہیں، جنکی الخیر الساری کو عنایت الباری میں طرز تدریس کے لحاظ سے بنیادی و اساسی حیثیت میں پیش نظر رکھا گیا ہے، تو میرا یقین مشاہدہ کے طور پر سامنے آگیا:

یہ دراصل والد گرامی کے حضرت اقدس خیر العلماء مولانا خیر محمد صاحب نور اللہ مرقدہ سے اخذ کردہ طرز تعلیم کے دھانے سے مختلف سوتوں کے ذریعہ حاصل شدہ نظر و فکر اور عقیدت و محبت کا ثمرہ ہے۔ کیونکہ الحمد للہ صاحب کتاب کو دونوں حضرات سے فیضیاب ہونے کا موقع ملا ہے۔

یہ میری حیثیت نہ تھی کہ شرح بخاری کی اپنے مطالعہ کے لحاظ سے ایسی قطع و پر مغز کتاب پر کچھ حروفِ بے مایہ سپرد قلم

کروں۔ لیکن مرتب کتاب کی جب بھی کراچی آمد ہوتی ہے تو خانقاہ شہید اسلام کو ضرور رونق بخشتے ہیں، اپنے ادب و احترام اور حضرت والد گرامی کی نسبت سے اپنے طرز عمل سے حق محبت ادا کرتے رہنے میں مجھے ندامت کا احساس دامن گیر رہتا۔ لیکن بہر حال مجھے ان کے فرمان کو زیر عمل لانا ”زندگی بھر مقروض محبت“ رہنے سے بہتر معلوم ہوا۔ میرا لکھا ہوا علمی دنیا کی نظر میں تو کوئی قیمت نہیں رکھتا۔ لیکن میں اس مسلک کا اسیر ہوں:

ع اس کو چھٹی ندی جس نے سبق یاد کیا۔

صاحب کتاب کے حسن ظن اور ان کے خوش مقدر کے پیش نظر بارگاہِ خداوندی میں دست بدعاء ہوں اور رہوں گا کہ اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہِ عالی میں اس خدمت حدیث کو سعی مشکور میں تبدیل فرمائے اور مرحومہ جعفران کو حاصل ہو:

ان هذا كان لكم جزاء و كان سعيكم مشكورا۔

۔۔۔ نیز بارگاہِ نبوت علی صاحبہا الف الف تحیۃ و سلام میں ان کا نام نامی بھی خدام حدیث کی مبارک فہرست میں شامل ہوا اور ذریعہ نجات بنے۔

آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین علیہ افضل الصلاۃ والتسلیم و علی آلہ و صحبہ

والسلام
محمد یحییٰ لدھیانوی
خانقاہ شہید اسلام گلشن اقبال کراچی



مباديات

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی طلبہ بخاری کیلئے چند پُر مغز نصائح

حضرت امام بخاریؒ سے چند نصیحتیں منقول ہیں جو انہوں نے طلبہ کرام کو کامیاب طالب علم اور باعمل عالم بننے کے حوالے سے تلقین فرمائیں۔ ان نصیحتوں کا اسلوب بڑا دلچسپ اور متاثر کن ہے۔ یہ چار ضرب چار کی شکل میں ہیں۔ یعنی انہوں نے طالبان علم سے مخاطب ہو کر کہا ہے کہ تم کامیاب نہیں ہو سکتے جب تک چار کام، چار حالتوں میں، چار جگہوں میں، چار باتوں کو برداشت کرتے ہوئے، چار مقاصد کیلئے نہ کرو۔ ”چار ضرب چار“ کی یہ فہرست بڑی طویل اور دلچسپ ہے۔

یہاں نمونہ کے طور پر چند ایک باتیں ذکر کی گئی ہیں۔ اصل الفاظ آپ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

”قاضی ولید بن ابراہیم امام بخاریؒ کے تلامذہ میں سے ہیں۔ رے (شہر کا نام) کی قضا پر مامور تھے۔ کہتے ہیں جب عمر عزیز کا بہت سا حصہ گزر چکا تو مجھے علم حدیث کا شوق پیدا ہوا۔ اس وقت امام بخاریؒ کا غلطہ تھا۔ میری نگاہ بھی امام صاحب کی درس گاہ کی طرف اٹھی۔ میں نے حاضر ہو کر اپنے دلی مقصد کا اظہار کیا۔ امام صاحب نے میری درخواست سن کر فرمایا:

”کسی کام میں اس وقت تک ہاتھ نہ ڈالو جب تک اس کی حدود اور اس کی مقدار سے واقفیت نہ حاصل کر لو۔“ پھر کہا: ”بغیر

ان بارہ رباعیات کے انسان کامل نہیں بن سکتا۔ جس کو یہ بارہ رباعیات حاصل ہو جائیں اس کیلئے فلاح دارین ہے۔“

قاضی صاحب کہتے ہیں میں ان بارہ رباعیات کو سن کر گھبرا گیا، عرض کیا کہ آپ اس اجمال کی تفصیل فرمائیے۔“ امام

صاحب نے فرمایا: ”پہلی رباعی: یعنی چار چیزیں لکھیے: اول احادیث رسول ﷺ ثانی: حالات صحابہ کرامؓ اور ان کی

تعداد۔ ثالث: تابعینؒ اور ان کے حالات۔ رابع: بقیہ علمائے امت اور ان کی تواریخ۔ دوسری رباعی: ”چار کے ساتھ لکھیے:

اول، رجال حدیث کے نام۔ ثانی، ان کی کنیت۔ ثالث، ان کی جائے سکونت۔ رابع، ان کے سنوات ولادت و وفات۔ تیسری

رباعی: چار کی طرح لکھیے: جس طرح خطیب کے لئے حمد لازم ہے اور رسول اللہ ﷺ کے نام کے ساتھ درود لازم، سورتوں کے

لئے بسم اللہ اور نماز کے لئے تکبیرات۔ ایسے ہی رجال کے نام، ان کی کنیت، ان کی جائے سکونت اور ان کے سنوات ولادت

و وفات لکھنے کو لازم جائیے۔ چوتھی رباعی: چار کے مثل لکھیے: مسندات، مراسلات، موقوفات، مقطوعات، ہر قسم کی حدیث کا

استقصاء کرے۔ پانچویں رباعی: چار وقتوں میں لکھیے: کسی میں، جوانی میں، سن کہولت میں، بڑھاپے میں۔

چھٹی رباعی: چار حالتوں میں لکھیے: حدیم الفرقتی، فرصت، فراغ دقتی، تنگ دستی۔ ساتویں رباعی: چار میں لکھیے: پہاڑ،

سمندر، آبادی، جنگل۔ آٹھویں رباعی: چار چیزوں پر لکھیے: پتھر، چمڑے، ہڈی، سیپ۔ جب تک کاغذ میسر نہ ہو۔ نویں رباعی:

چار سے لکھیے: جو سن میں بڑے ہوں۔ جو سن میں کم ہوں۔ جو سن میں برابر ہوں۔ اپنے والد کے خط سے بشرطیکہ خط کا لکھیں ہو۔

دسویں رباعی: چار کاموں کے لئے لکھیے: اللہ کی رضا کیلئے۔ عمل کے لئے بشرطیکہ کتاب اللہ کے مخالف نہ ہو۔ طالبین حدیث میں

اشاعت کیلئے۔ تالیفات میں جمع کرنے کیلئے۔ دوسری دو رباعیاں: پہلی کسی ہے: فن کتابت، لغت، صرف و نحو میں ماہر ہونا۔

دوسری وہی اور اللہ کی عطاء، یعنی صحت، قدرت، شوق اور حافظہ۔“ (عرب مومن، یکم تا رجب الثانی ۱۴۳۶ھ)

صفت کا مصداق وہ حدیث ہے جس میں صحابی آپ ﷺ کے احوال و صفات کو بیان کرتے ہیں، خلْقاً یا اخْلَقاً۔

چنانچہ صفت کی دو اقسام ہیں، ۱: جسمانی، ۲: روحانی

جسمانی: آپ ﷺ کا حلیہ مبارک، جسم مبارک کی ساخت و پرداخت وغیرہ دوسری صفت نفسانی ہے جس کا تعلق نفس

کے ساتھ ہو، جیسے کان اجود الناس، کان اشجع الناس، کان احسن الناس، وغیرہ ذلک۔

یہ بھی ہمارے لئے حجت ہیں۔ کیونکہ حضرت انسؓ حتی الامکان آپ ﷺ کی مشابہت کی کوشش فرماتے تھے، اس

لئے آپ ﷺ کی صفات بھی مجھوت عنہا ہوئیں، لہذا وہ بھی حدیث میں داخل ہوئیں۔

سابقہ تعریفات علم حدیث کا تجزیہ

1 علامہ عینیؒ کی تعریف کی روشنی میں تین چیزیں متحقق ہوں گی:

ایک: عارف، دوسرے: شیء معروف (یعنی حدیث) تیسرے: وہ ذرائع اصول و ضوابط جن کے ذریعہ حالت قولی، حالت فعلی یا کوئی بھی حالت ہو اس کی نسبت کا ”ثبوت“ ذات نبوی ﷺ ہو جائے۔ ان ”اصول ثبوت نسبت“ کا نام علم حدیث ہے۔

(یعنی عارف کو معرفت قولی و فعلی اور حالی حاصل ہو جائے۔ ”احوال“ میں وہ تمام امور و اشیاء داخل ہیں جن کا تعلق حرکات، سکناات، یقظہ و منام کے کسی لمحہ کی حالت کے ساتھ ہو۔ لفظ ”احوال رسول اللہ ﷺ“ اسی کی طرف مشعر ہے۔)

2 علامہ سخاویؒ نے تعریف علم حدیث میں لفظ احوال لانے کی بجائے تمام احوال رسول اللہ ﷺ بالتصریح ذکر فرمادیا ہے جو حتی الحركات والسکنات سے واضح ہے۔

3 حضرات محققین کی تعریف کا مدار بھی ”حصول معرفت احوال“ کے ذرائع پر ہے۔ گویا حدیث اور چیز ہے معرفت حدیث کے ذرائع اور چیز ہیں۔ علامہ عینیؒ، علامہ سخاویؒ اور حضرات محققین کا اختلاف صرف الفاظ کی حد تک نظر آتا ہے کیونکہ اصل مدار حالت رسول اللہ ﷺ ہے۔ خواہ حالت قولی، حالت فعلی، حالت تقریری، حالت حرکات و سکناات، حالت یقظہ و منام ہو۔ چونکہ یہ تحت ”احوال رسول اللہ ﷺ“ ہے اس لئے تینوں میں ماہدا لا اشتراک حالت رسول اللہ ﷺ کے ثبوت کے ”اصول و ذرائع اور ضوابط کا نام“ گویا علم حدیث ہے۔

فائدہ:

ان ذرائع و ضوابط سے مراد راویان حدیث کے متعلق درایت کے میزان پر اطمینان ہے۔ تاکہ ”ثبوت حالت نبوی ﷺ“ میں استحکام آسکے۔ اسی کا نام ”علم حدیث“ ہے۔

علم حدیث کی انواع

علم حدیث بہت سی انواع و اقسام پر مشتمل ہے۔ حضرت حاکم ابو عبد اللہ نیشاپوری نے علم حدیث کی پچاس، علامہ نوویؒ اور ابن صلاحؒ نے ۶۵ اور علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے تدریب الراوی میں ۹۳ اقسام علوم بیان کی ہیں۔

ان میں سے مشہور (۲) دو علم ہیں، ۱: علم روایت الحدیث، ۲: علم درایت الحدیث۔

علامہ جزائریؒ نے ہر قسم کی الگ الگ تعریف کی ہے:

تعریف علم روایت حدیث: هو علم ينقل اقوال النبي ﷺ وفعاله بالسما ع المتصل وضبطها وتحريرها۔

تعریف علم درایت حدیث: هو علم يعرف منه انواع الرواية واحكامها وشروط الرواية واصناف المرويات

واستخراج معانيها۔ (مقدم فتح الملهم)

حدیث، اثر اور خبر کا فرق

بعض حضرات فرماتے ہیں حدیث اور اثر مترادف ہیں، چنانچہ انہوں نے علم حدیث کی تعریف اس طرح کی ہے:

هو علم يبحث فيه عن اقوال النبي ﷺ وفعاله وحوالوا قوال الصحابة والتابعين وفعاله هم وحوالهم۔

ان حضرات کا یہ ارشاد کہ حضرات صحابہ کرام کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مشابہت تامہ و مناسبت کاملہ حاصل ہوگئی ہے۔ لہذا

صحبت و معیت طویلہ کی وجہ سے حضرات صحابہ کرامؓ کو بھی ایک گونہ معصومیت حاصل ہے۔ لیکن جمہور محققینؒ کے نزدیک صحابیؓ

کے قول و فعل اور تقریر کو اثر کہتے ہیں، نہ کہ حدیث۔ اس لئے اثر و حدیث کے درمیان تباہین کی نسبت ہوگی۔

البتہ کبھی کبھی توسعاً آثار کا لفظ احادیث مرفوعہ پر بھی بول دیتے ہیں، جیسے امام طحاویؒ نے اپنی کتاب (جس میں احادیث

مرفوعہ بھی ہیں) کا نام معانی الآثار رکھا ہے۔

الفرق بين الحديث والخبر

(۱)۔ بعض حضرات نے مترادف قرار دیا ہے۔ تو نسبت تساوی کی ہوگی، (۲)۔ بعض نے خبر کی تعریف یوں کی ہے۔

ما يبحث فيه ما نسب الى النبي ﷺ وغيره، اس لئے اس صورت میں حدیث اور خبر کے درمیان عام خاص مطلق کی نسبت

ہوگی۔ خبر عام مطلق اور حدیث خاص مطلق ہے۔ یعنی حضور ﷺ کی خبر ہو یا عام بادشاہوں کی خبر ہو، خبر سب کو شامل ہے اور

حدیث خاص ہے آپ ﷺ کے ساتھ۔ (۳)۔ بعض حضرات نے خبر کی تعریف یہ کی ہے:

هو علم يبحث فيه ما نسب الى غير النبي ﷺ، اس صورت میں حدیث اور خبر میں تباہین کی نسبت ہوگی۔ متاخرین کا

مسئلہ بھی یہی ہے کہ متاخرین کا مشغل کھنڈلے کھامطہ پر مؤرخ کہتے ہیں اور حدیث میں مشغل ہونے والے کو محدث کہتے ہیں۔

الفرق بين الحديث والسنة

بعض حضرات نے مترادف قرار دیا ہے۔ بعض نے فرق کیا ہے سنت خاص ہے اور حدیث عام ہے۔ سنت آپ ﷺ

کے اقوال و افعال کے ساتھ خاص ہے، اور حدیث مفات کو بھی شامل ہے۔ اس سے معلوم ہوا اس میں فرق ہے۔ اس میں عام

خاص کی نسبت ہے، ہر سنت تو حدیث ہوگی مگر ہر حدیث کا سنت ہونا ضروری نہیں۔

سنت اور حدیث میں ”وجوہ فرق“

۱... حدیث مبارک کا مفہوم آپ ﷺ قول و فعل یا تقریر ہے۔

جبکہ سنت مبارک کی تعریف:

الطريقة المسلوكة في الدين من غير افتراض و وجوب۔ (کتاب التعريفات، ص ۸۸)

دین کا وہ مشروع راستہ جس پر درجہ فرض و وجوب سے کم حیثیت میں امت کو چلنا ہے۔ دونوں میں فرق ہو گیا۔

۲... سنت منسوخ نہیں ہو سکتی مگر حدیث منسوخ ہو سکتی ہے۔ مثلاً نماز میں باہمی گفتگو کی روایات بخاری و مسلم میں ہیں لیکن منسوخ ہونے کی وجہ سے ان پر عمل جائز نہیں۔

۳... بعض اوقات حدیث کسی حذر پر معمول ہوتی ہے۔ لیکن سنت بلا حذر دائمی عمل کو کہتے ہیں۔ جیسے آپ ﷺ قول

قائم بالحدوث ثابت ہے۔ یہ حدیث ہے مگر سنت نہیں ہے۔ (بخاری ص ۳۶۳۵)

۴... آپ ﷺ کی خصوصیت پر معمول احادیث جیسے بیک وقت نو عدد ازواج مطہرات کا نکاح میں ہونا۔ (بخاری 41/1)

امت کے لئے یہ حرام ہے۔ یہ حدیث ہے مگر سنت نہیں ہے۔

۵... حدیث خبر واحد و قواس کے دروازہ پر بحث ہو سکتی ہے۔ لیکن سنت چونکہ دائمی عمل ہوتا ہے وہاں روایت پر بحث نہیں ہوتی۔

۶... حدیث ضعیف بلکہ بسا اوقات موضوع بھی ہوتی ہے مگر سنت ضعیف یا موضوع نہیں ہو سکتی اس لئے ہم المسنت

کہلاتے ہیں۔ الحدیث نہیں کہلاتے۔ (از افادات حضرت محترم مولانا مفتی محمد انور اکاڑی زید مجدہم)

موضوع علم حدیث

حضرات محققین کرام کی آراء مختلف ہیں:

(۱) علامہ کرمائیؒ فرماتے ہیں علم حدیث کا موضوع: ذات الرسول ﷺ من حیث انہ رسول اللہ ﷺ

ہے۔ لیکن اس قول کی وجہ سے آپ ﷺ کے قبل از نبوت چالیس سال کے افعال و اقوال اور احوال ”علم حدیث“ کا موضوع بننے سے نکل گئے۔ حالانکہ وہ بھی علم حدیث کا موضوع ہیں۔

(۲) دوسرے قول: ذات النبی ﷺ من حیث اقوالہ و افعالہ و احوالہ و تقریراتہ و صفاتہ۔

علامہ سیوطیؒ کے استاذ مکرم علامہ محی الدین کافیؒ فرماتے ہیں مجھے تعجب ہے کہ ذات النبی ﷺ علم حدیث کا

موضوع قرار دیا گیا؟۔ کیونکہ ذات النبی بہر حال بدن انسانی ہے۔ جو طب کا موضوع تو ہو سکتا ہے مگر علم حدیث کا نہیں۔

لیکن سب حضرات محدثین کو ان کے تعجب پر تعجب ہے کیونکہ بدن انسانی کی دو حیثیتیں ہیں:

۱... من حیث صحت و مرض، جو طب کا موضوع ہے۔ ۲... اور من حیث انہ رسول۔ غرض علم حدیث کا موضوع

ذات النبی ﷺ مطلقاً نہیں بلکہ من حیث الرسول ہے۔

(۳) تیسرا قول بالفاظ الرسول ﷺ من حيث صحة صدورهما عند وضعهما الى غير ذلك (یعنی شذوذ یا علت خفیہ یا کسی راوی کی طرف سے اور ان وغیرہ)

(۴) چوتھا قول بالمرویات والروایات من حيث الاتصال والانقطاع۔

غایت علم حدیث

غایت کو بیان کرنے کے مختلف عنوانات ہیں:

- (۱) الفوز بسعادة الدارين، دار دنیا کی کامیابی تو فائق اعمال صالحہ ہیں، اور دار آخرت کی کامیابی یہ ہے کہ وہ اعمال مقبول ہو کر جنت کے مقام کریم تک پہنچنے کا ذریعہ بن جائیں۔
- (۲) حصول دماء النبی ﷺ اسلئے کہ آپ ﷺ ارشاد کرای ہے:
- نَصْرُ اللَّهِ أَمْرٌ (عبداً) سَمِعَ مَقَالَتِي فَحَفَظَهَا فَوَعَاهَا وَادَّاهَا۔ (یہ جملہ دعائیہ یا خبریہ ہے [کشف ص ۱۲])
- (۳) محبوب ﷺ کلام مالی سے حصول لذت۔
- (۴) معرفۃ العقائد والاخلاق والاحکام الفرعیہ برضاء اللہ تعالیٰ۔
- (۵) تکمیل انسانیت بذریعہ تکمیل علم و تکمیل عمل اور بذریعہ تکمیل اخلاق، یعنی جہاں سے آیا وہاں جانے کے دوبارہ قابل ہو جائے، اور جاتے ہوئے یہ خطاب نصیب ہو:
- ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ رَاضِيًا مُّغْنِيَةً، فَاَدْخِلْنِي فِي عِبَادِي وَادْخِلْنِي جَنَّتِي۔

فائدہ:

علم حدیث کی دو غرض و غایت ہیں: تاثری اور تشریحی۔ تاثری کا معنی ہے اسوہ بنانا، نمونہ عمل بنانا اور تشریح کا معنی ہے قانون سازی کرنا، دستور و آئین بنانا۔ احادیث شریفہ انہیں وجوہ سے پڑھنی چاہئیں۔ طلبہ کو چاہئے کہ حدیث پڑھتے ہوئے ان مقاصد کو بھی نگاہ سے اوجھل نہ ہونے دیں۔

حدیث کی وجہ تسمیہ

- (۱) علامہ ابن حجر مرام نے ہیں حدیث بمقابلہ قدیم ہے، اور قدیم کلام اللہ ہے، یہ اسی کے مقابل میں حادث اور جدید ہے، اس لئے اس کو حدیث قرار دیا گیا۔ (فتح الباری)
- (۲) بعض محدثین کرامؒ نے یہ وجہ بیان کی ہے کہ حدیث بات چیت کو کہتے ہیں، اس کا مصداق بھی آپ ﷺ گفتگو اور بات چیت ہے۔ اور اس پر اصطلاح قائم ہو چکی ہے کہ آپ ﷺ ”عظمت شان“ کی وجہ سے صرف آپ ﷺ کی

کلام کو حدیث کہا جائے گا اور وہ کلام کو حدیث نہیں کہا جائے گا۔

سوال: حدیث تو بات چیت کو کہتے ہیں جبکہ احادیث مبارکہ میں افعال و احوال وغیرہ کا بھی ذکر ہوتا ہے۔

جواب: حدیث میں زیادہ تر ذکر اقوال ہی کا ہوتا ہے فعل اور تقریر کو حدیث کہنا تغلیباً ہے۔

(۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی گفتگو کو خود ”حدیث“ سے تعبیر فرمایا:

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ انہ قال قال رسول اللہ من اسعد الناس بشفاعتک عنک یوم القیامۃ

قال رسول اللہ لقد ظننت یا ابا ہریرۃ ان لا یستل عن ہذا الحدیث احدا ول منک لمارأیت من حرصک

علی الحدیث الخ (باب الحرص علی الحدیث بخاری، ج ۱)

(۴) حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی نے مقدمہ فتح المسلمین میں ذکر کیا ہے کہ لفظ حدیث ”تحدیث نعمت“ سے لیا گیا ہے۔ اور

نعمت سے مراد ہدایت ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ سورۃ النبیؑ میں حق تعالیٰ شانہ نے آپ ﷺ کو تین حالتیں ذکر کی ہیں اور تینوں حالتوں کے مطابق تین علامات کا ذکر فرمایا۔ پھر ان کے مقابلہ میں تین احکام جاری فرمائے۔

پہلی حالت ”تم“ (یعنی یتیم ہونے کی) بیان کی ہے۔ الم یجدک یتیمًا فاوی۔ تو تم کے مقابلہ میں نعمت ایواء (ٹھکانہ دینا) کا ذکر کیا ہے، اور حکم فاما الیتیم فلا تقهر ارشاد فرمایا ہے۔

دوسری حالت ”عائل“ (محتاج ہونا) ذکر فرمائی، اس کے مطابق اغناء کی نعمت کا ذکر کیا ہے اور حکم واما السائل فلا تنهر

ارشاد فرمایا ہے۔

تیسری حالت ضال کا ذکر کیا اس کے مقابلہ میں انعام ہدایت ہے اور حکم واما بنعمۃ ربک فحدث ہے۔ جس سے بآسانی سمجھا جاسکتا ہے آپ ﷺ کو بھی بیان فرمائیں گے وہ ہدایت ہوگی۔ اس لئے آپ ﷺ کے ہر بیان کا نام حدیث رکھ دیا گیا ہے۔ جو اسی آیت میں ذکر کردہ ”تحدیث نعمت“ سے لیا گیا۔ کبھی کبھی ثلاثی مزید سے ثلاثی مجرولیا جاتا ہے، یہاں اگرچہ تحدیث کا لفظ ثلاثی مزید ہے تاہم ثلاثی مجرور حدیث مراد لیا گیا ہے۔

فائدہ: ”ضالاً“ کی دو تفسیریں کی گئی ہیں:

(۱) حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے اس کا ترجمہ فرمایا: براہ کا متلاشی یعنی ناواقف۔

(۲) جنگل میں بھری کا درخت جو اکیلا کھڑا ہوتا ہے اسے ضال کہتے ہیں۔ اس صورت میں یہ کلام تشبیہ پر معمول ہے۔

مراد ”تنہا“ ہونا ہے۔ یعنی آپ ﷺ تنہا پایا پھر راہنما بنا دیا۔

ضرورت علم حدیث

(۱) دلیل اول: اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو روح عقل کی نعمت سے نوازا، اس کو اشرف المخلوقات قرار دیا۔ کما قال تعالیٰ

ولقد کرمنا بنی آدم الخ، خلق لکم مافی الارض جمیعاً، مسخر لکم مافی السموات والارض، ہزار ہا دلائل

اشرفیت موجود ہیں، ان کا تقاضا یہ ہے کہ انسان ان کا شکریہ ادا کرے۔ اور شکر نعمت کے لئے ”سواۃ شکر“ کون ہے؟ یہ مسلم بات

ہے کہ آپ ﷺ کو شکور اور سید الشاکرین میں، اسی لئے کثرتِ عبادۃ سے آپ ﷺ کے اقدامِ عالیہ متورم ہو جاتے تھے، کما قال: افلا کون عبدًا شکورًا۔ گویا غایتِ عبادت تشکر ہے۔

لہذا اشکروا امتان کی تکمیل کے لئے آپ ﷺ کے اقوال و افعال کی اتباع ضروری ہے۔ اس کے لئے ہمیں حدیث کے دروازے پر دستک دینا ہوگی۔

قائدہ: ایک سطحی سا اشکال ہے کہ انسان اشرف المخلوق ہے جب کہ یہ ہمہ جہت احتیاجات میں گھرا ہوا ہے، بڑے سے بڑے کروں سے لے کر ادنیٰ اشیاء تک کا یہ محتاج ہے۔ یہ ہمہ گیر احتیاجِ شانِ اشریت کے خلاف ہے۔؟
جواب: عقل کے ذریعہ تفسیر کائنات کے بعد اس میں تعلیٰ و کبر اور رعزت کے پیدا ہونے کا اندیشہ تھا۔ اس لئے اس سے بچانے کیلئے اس کو حاجات کا پابند کر دیا تا کہ عہدیت کے مقام پر استقامت دکھا سکے۔ اور انسان سے یہی مقام عہدیت ہی مطلوبِ خداوندی ہے۔

(چاند و صبح و قمر انسان متاثر ہوتا ہے، اور اگر انسان نہ ہے تو ان اشیاء عالم کو کوئی فرق نہیں پڑتا اس لئے احتیاجِ یک طرفہ ہے) دلیل ثانی: تکمیلِ انسانیت، تکمیلِ اخلاق سے تعلق رکھتی ہے، اور تکمیلِ اخلاق، اسوۂ اخلاق کے سامنے ہونے بغیر ناممکن ہے۔ اس لئے حدیث کے بغیر چارہ کار نہیں۔ (کما قال ﷺ: اَمَّا لَکَ فِیْ اَسْوَةِ)

دلیل ثالث: حکمت کی دو قسمیں ہیں، ۱: حکمتِ علمیہ، ۲: حکمتِ عملیہ، تمام حکماء کا اتفاق ہے کہ حکمتِ عملیہ میں آپ ﷺ سے بڑھ کر کوئی دوسرا شرفاں نہیں، اس لئے حکمتِ عملیہ کی انسانی ضرورت کے لئے آپ ﷺ کے اقوال و افعال کا علم اور اتباع ضروری ہے۔
دلیل رابع: عقلی کلیہ ہے کہ عدل و اعتدال محمود ہے، اور ظلم و جور اور حدود سے تجاوز مذموم ہے، (گویا بیلنس ضروری اور ان بیلنس نہ ہونا چاہیے)۔

باطنی ملکات اور ان میں نقطۂ اعتدال

وجہ اس کی یہ ہے کہ انسان کے باطن میں تین قسم کے ملکات ہیں:

۱: علمیہ، ۲: شہویہ، ۳: غضبیہ، ان ملکات کو افراط و تفریط کی حدود سے بچا کر وسط و اعتدال میں رکھنا عدل کہلاتا ہے۔
چنانچہ قوتِ علمیہ کا اعتدال حکمت ہے۔ قوتِ شہویہ کا اعتدال عفت ہے، اور غضبیہ کا اعتدال شجاعت ہے۔ تو صفتِ محمود یعنی عدل اور اعتدال کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ ایسی ذاتِ بابرکات کی اقتداء کی جائے جو ان تینوں کے اعتدال کی حامل ہو۔ وہ صرف اور صرف آپ ﷺ ذاتِ بابرکات ہے۔ اعتدال و اتباع کے لئے احوال کا معلوم ہونا ضروری ہے، اور وہ بغیر علمِ حدیث کے معلوم نہیں ہو سکتے۔

(۱) علم میں افراط و تفریط ہے بعض اوقات عقل الکاغذات تک لیجاتی ہے، اور تفریط حماقت، اعتدال حکمت ہے۔ شہوت کا افراط فجور، اور تفریط غمود ہے، اس کا اعتدال عفت ہے، غضبیہ کا افراط تمہور اور بے باکی اور تفریط جبن و بزدلی ہے اور اس کا

اعتدال شجاعت و بہادری ہے۔

(اعتدال مظلوم ہے، کبھی افراط اور کبھی تقریب اس سے زیادتی کرتے ہیں۔ کما قال الشیخ محمد تقی عثمانی مدظلہ)
دلیل خامس: مسلمات عقلیہ میں سے ہے کلام الملوک، ملوک الکلام، ملوک کے کلام کو سمجھنے کے لئے مسقریان ملوک ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ قریب آپ ﷺ تو آپ ﷺ حدیث کلام خداوندی کی تفہیم و تعبیر کے لئے ضروری ہوئی۔

دلیل سادس: انسان جن عناصر اربعہ سے مرکب ہے ان میں سے آگ اور مٹی میں خشکی، پانی اور ہوا میں تری ہے، نیز پانی اور مٹی پستی کی طرف جاتے ہیں، آگ اور ہوا بلندی اور علوی کی طرف۔ تو انسان کے باطن میں تضادات ہیں ان اشیاء کے ہوتے ہوئے انسان اخلاقی تضادات کا بھی شکار ہو سکتا ہے ان میں توازن و اعتدال پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

مٹی سے بخل اور آگ سے کبر پیدا ہوتا ہے اور ہوا کا پھیلاؤ و شہرت کا متقاضی ہے اور پانی میں پھیلنے کی صفت موجود ہے جو حرص کا بھی آئینہ دار ہے۔ یہ چاروں اخلاق ذمیہ ہیں، ان کو اگر کسی دائرہ میں اور اعتدال و توازن کی راہ پر رکھا جائے تو یہی اخلاق ذمیہ حسن و خوبصورتی میں بدل جائیں گے۔ اسلئے آپ ﷺ ذات بابرکات اسوۃ کامل اور ”ورلڈ آئیڈل“ ہے۔

فضیلت علم حدیث

(۱) حصول دعاء نبوی ﷺ کما قال نصر اللہ امر أسمع مقالتي فوعاها فادها الخ، (مشکوٰۃ)

(۲) روایت حضرت ابن عباسؓ _____ اللهم ارحم خلفائي، قلنا: من خلفائك يا رسول الله!

قال: الذين ياتون من بعدي ويروون احاديثي ويعلمونها الناس (ارجز المسالك)

(۳) روایت حضرت ابن مسعودؓ:

ان اولی الناس بی یوم القیامۃ اکثرهم علی صلوٰۃ۔ (ترمذی)

قل بالروایت سے کثرت درود شریف کی دولت نصیب ہوگی جو کسی دوسرے علم کی تعلیم و تعلم میں نہیں۔

(۴) ضروریات انسانیہ دو قسم پر ہیں: دینی اور دنیوی۔ دینی ضرورت مقدم ہے۔ دینی ضرورت کے لحاظ سے عقائد حقہ،

اعمال صالحہ، اخلاقی فاضلہ اور معاملات عادلہ یہ مطلوب ہیں اور یہ بذریعہ حدیث ہی معلوم ہو سکتے ہیں۔

(۵) بحث کے ضمن میں ایک عقلی دلیل سے فضیلت حدیث:

وہ یہ کہ علم حدیث بالاجماع دیگر حرام علوم پر فائق و فاضل ہے۔ تاہم علم تفسیر کے حوالہ سے اس کی کیا نوعیت ہے؟

(۱) علماء جمہور کا مذہب یہ ہے علم حدیث، علم تفسیر سے بھی افضل ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ کسی بھی علم کا افضل و برتر ہونا

اس کے موضوع کے تناظر میں متعین کیا جاسکتا ہے۔ علم حدیث کا موضوع ذات النبی ﷺ من حیث النبی ﷺ

ہے۔ جبکہ علم تفسیر کا موضوع وہ الفاظ قرآن ہیں جو حادث ہیں اور مخلوق کے لکھنے پڑھنے میں آتے ہیں۔ اس لئے الفاظ قرآن

کریم مخلوق ہیں، اور مخلوقات میں سے سب سے برتر آپ ﷺ ذات بابرکات ہے۔ لہذا علم حدیث اشرف العلوم ہوا۔
 (۲) بعض حضرات نے علم تفسیر کو افضل قرار دیا ہے کیونکہ علم تفسیر کا موضوع کلام نفسی ہے حقدیم ہے۔ تاہم جمہور حضرات یہ فرماتے ہیں علم تفسیر میں بحث بہر حال کلام لفظی سے ہے، اگرچہ کلام نفسی پر دال ہے۔ مگر کلام نفسی کا معین نہیں ہے۔
 اس لئے کہ دال اور مدلول ایک نہیں ہوا کرتے، ورنہ پورا عالم اور اس کی اشیاء دال ہیں ذات خداوندی پر، اگر ایک قرار دیا جائے تو اشیاء عالم اور ذات خداوندی کو ایک قرار دینا لازم آئے گا جو کہ باطل ہے۔

فائدہ:

- (۱) علم حدیث اور علم تفسیر کا باہمی مقابلہ مذکورہ وہ ہے جو خالص علم تفسیر ہو۔ وہ علم تفسیر جس میں اسرائیلیات اور دلائل عقلیہ وغیرہ مخلوط ہوں وہ علم حدیث کے مقابل میں زیر بحث ہی نہیں لایا جاسکتا ہے۔
- (۲) علم حدیث سارے علوم دینیہ کی اصل ہے۔ قرآن کریم کی تفسیر فقہ کی اصل اور تصوف کا ماخذ بھی ہے۔

حجیت حدیث

خیر القرون میں انکار حدیث کے فتنہ کے کچھ خدا و خال ضرور ظہور پذیر ہوئے۔
 اور حضرات اہل حق نے اس کا حسب ضرورت دفاع بھی کیا، تاہم اس مبارک دور میں صلاح و فلاح کے غلبہ نے اس فتنہ کو پھنپنے اور امت میں جڑیں قائم کرنے کا موقع نہیں دیا۔
 حافظ ابن حزمؒ فرماتے ہیں اہل السنۃ، خوارج، شیعہ، قدریہ تمام فرقے احادیث کو برابر ”قابل حجت“ سمجھتے رہے۔ یہاں تک کہ پہلی صدی ہجری کے بعد متکلمین معتزلہ آئے انہوں نے اس اجماع کے خلاف کیا۔
 حافظ ابن حجرؒ نے ابویٰ جبائی معتزلی سے اہل فرمایا ہے کہ حدیث کی حجیت کیلئے عزیز ہونا شرط ہے۔ (اس لئے خبر واحد حجت نہ ہوگی۔) اس سے ان کا مقصود دین سے بسکدوشی تھا بلکہ ایک اصولی غلطی تھی جو ان کے دماغوں میں بیٹھ گئی تھی۔
 آج کل انکار حدیث کی بنیاد خواہشات کی تکمیل ہے۔ قرآن کریم کی من مانی تشریح و تفسیر میں حدیث رکاوٹ ہے اس لئے انکار حدیث کرتے ہیں۔ (نور الباری ج ۱ ص ۱۵)

آج سے نصف صدی قبل پہلے انکار حدیث کے فتنہ نے سر اٹھایا اور اس کی بھرپور سرکوبی کی ضرورت پیش آئی۔ طالب علمانہ انداز میں اس کی حجیت کی تعبیرات کچھ اس طرح سے ہیں۔

آپ یوں سمجھئے کہ شیون نبوت مختلف ہیں، جن کو حق تعالیٰ شانہ نے قرآن کریم میں جا بجا ارشاد فرمایا، ان میں سے ہر شان حالی کا تقاضا ہے کہ اس کی تعظیم اور اتباع کی جائے، اور آپ ﷺ کے ہر قول و فعل کو حجت تسلیم کیا جائے۔

شئون نبوت:

- (۱) شان اول: نبی و مرسل ہونے کی شان: انک لمن المرسلین۔
 - (۲) شان ثانی: مطاع ہونے کی شان: لیطاع باذن اللہ۔ قل اطیعوا اللہ والرسول۔ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔ و ما اتاکم الرسول فخذوه و ما نہ عنہ فانتہوا۔
 - (۳) شارح قرآن ہونے کی شان: وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس۔ ثم ان علینا بیانہ۔
 - (۴) شارح احکام ہونے کی شان: ویحل لہم الطیبات۔ ویحرم علیہم الخبائث۔ ما اتاکم الرسول فخذوه۔
 - (۵) حکم یعنی فیصل ہونے کی شان: حتی یحکموا ک فیما شجر بینہم الخ۔ لیحکم بین الناس۔ اذا قضی اللہ ورسولہ امر ان یکون لہم الخیرہ من امرہم۔
 - (۶) عظمت کی شان: لتؤمنوا باللہ ورسولہ و تعزروہ و توقروہ۔
 - (۷) شان محبت: النبی اولی بالمؤمنین من انفسہم وازواجہ امہاتہم۔
 - (۸) واسطہ محبت خداوندی ہونے کی شان: قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی الخ۔
 - (۹) شان عصمت: جماعت انبیاء کے بارے میں ارشاد ہے: وانہم عندنا لمن المصطفین الاخیار۔
 - (۱۰) موحی الیہ ہونے کی شان: یوحی الی۔ ان ہوا الوحی یوحی۔
 - (۱۱) مؤمن ہونے کی شان: لتؤمنوا باللہ ورسولہ الخ۔
 - (۱۲) خلق عظیم کے حامل ہونے کی شان: و انک لعلی خلق عظیم۔
 - (۱۳) معلم انسانیت ہونے کی شان: و یعلمہم الکتاب والحکمہ۔
 - (۱۴) متبع ہونے کی شان: فاتبعونی یحببکم اللہ الخ۔
 - (۱۵) مبلغ ہونے کی شان: یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک۔
 - (۱۶) معلم حکمت ہونے کی شان: وانزل اللہ علیک الکتاب والحکمہ۔
- امام شافعیؒ فرماتے ہیں حکمت سے مراد سنت ہے۔ جیسے کتاب کو مانے بغیر ایمان نہیں اسی طرح حکمت (سنت) کو مانے بغیر بھی ایمان نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ دونوں کا نزول من جانب اللہ ہے۔

حضور ﷺ کے حقوق

سابقہ شئون مبارکہ سے یہ مفہوم سامنے آ گیا کہ آپ ﷺ کے تین حقوق امت کے ذمہ ہیں۔ حق محبت، حق عظمت، حق اطاعت۔ تینوں کا تقاضا یہ ہے کہ آپ ﷺ کے قول و فعل بلکہ تقریر کو بھی حجت قرار دیا جائے۔

اس کی آسان تعبیر شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ اس طور پر فرماتے ہیں۔ میرے لئے یہ باعث تعجب

ہے کہ مسلمان کو یہ سمجھایا جائے کہ جس نبی پر تم ایمان لائے ہو جس کو تم سید الانبیاء ﷺ مانتے ہو۔ اس کا قول و فعل بھی حجت ہے۔ یہ بھی استہزا کی بات ہے کہ کسی کو مقتدا اور راہنما سمجھا جائے پھر کہا جائے کہ اس کی بات حجت نہیں جیسے کسی کو بادشاہ قوم مانا جائے اور یہ کہا جائے کہ تیری بات قابلِ عظمت، قابلِ حجت اور قابلِ اتباع نہیں ہے۔

حفاظتِ حدیث

حفاظت کے دو طریقے ہیں۔

(۱) ضبطِ کتابت: یعنی حفظ الحدیث بالکتابۃ۔ حفظ بمعنی محفوظ ہے۔

(۲) دوسرا طریقہ ضبطِ صدر۔ یعنی حفظ الحدیث فی الذہن بغیر کتابۃ۔

حفاظتِ حدیث کا ابتدائی دور ”ضبطِ صدر“ کا ہے۔

اس کی چند وجوہ ہیں:

(۱) حفظِ حدیث عرب کی طبیعت اور مزاج کے عین مطابق ہے جبکہ لکھنے سے ان کو مناسبت نہیں۔ عربی شاعری کے مشہور راوی حماد کے بارے میں ہے کہ وہ حروفِ تہجی کے ہر لفظ کے تحت ایک سو طویل قصائد زبانی سناسکتا تھا جس کا مطلب یہ ہوا کہ اسے تین ہزار اڑتیس قصائد زبانی یاد تھے۔ (حجیتِ حدیث شیخ تقی عثمان مدظلہ ص 71)

عرب کا ہڈ و کتابوں کا طومار دیکھ کر مذاق کرتا تھا اور ان کا عام فقرہ تھا: حرف ما فی صدرک خیر من عشرة فی کتبک۔ نیز ان کا خیال تھا کہ تحریر میں تحریر ممکن ہے جبکہ ہنوں میں محفوظ شدہ الفاظ کو کوئی نہیں بگاڑ سکتا۔

(۲) اہتمامِ حفظ: حضرت معاویہؓ سے روایت ہے:

نعدا کر کتاب اللہ و سنة نبیہ ﷺ (مستدرک حاکم)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:

کنا نحفظ الحدیث۔ (صحیح مسلم)۔۔۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے تذاکروا الحدیث فان

حیاتہمذا کرہ۔ نیز کان ابو سعیدؓ یمنع عن الکتابۃ یا امر بال حفظ۔ (دارمی)

۔۔۔ آپ ﷺ کا بیان فرماتے تو حفظِ حدیث کا صحابہ کرام کو حکم فرماتے۔ فرمایا: احفظوہن واخبروہن من

ورائکم۔ (یہ من موصولہ ہے من جارہ نہیں ہے)

(۳) قوۃ الحفظ: اللہ تعالیٰ نے اس امت اور بالخصوص اہل عرب کو قوتِ حافظہ سے سابقہ امتوں کی نسبت زیادہ نوازا ہے۔ حضرت

قتادہؓ فرماتے ہیں: اعطی اللہ هذه الامۃ من الحفظ ما لم یعط احدا من الامم خاصۃ خصہم بہا کرامۃ اکرمہم بہا

حضرت قتادہؓ کا واقعہ ہے ان کا پیالہ گم ہو گیا، دس سال بعد فقیر آیا اس نے آواز لگائی تو پہچان گئے یہ وہی فقیر ہے جس کے

آنے پر پیالہ گم ہوا تھا تو آواز تک کو حافظہ میں محفوظ رکھا۔ ہو سکتا ہے بظاہر اس کا اہتمام بھی نہ کیا گیا ہو۔

امام ابو زرہ رازیؒ ایک محدث گذرے ہیں ان کے بارے کسی نے قسم کھالی اگر انہیں ایک لاکھ حدیث یاد نہ ہو تو میری بیوی کو طلاق۔ پھر حضرت امام ابو زرہ سے پوچھا تو ارشاد فرمایا:
تمسک بامر ائک بتوان کو ایک لاکھ حدیث یاد نہیں۔

امام بخاریؒ شہرت کے بعد بغداد پہنچے تو محدثین کرام نے ان کا امتحان لیا چنانچہ دس محدثین کرام نے دس احادیث منتخب کر کے ان کی اسناد اور متون میں تغیر تبدیل کیا اور مذاکرہ کی درخواست کی چنانچہ سب نے احادیث پر دھیں تو آپؒ فرماتے گئے لا اعر ف، الغرض سب نے اختلاف متون و اسناد کے ساتھ اپنی احادیث سنائیں محدثین کرام نے کہا اس کو کچھ نہیں آتا غلط نہیں پکڑ سکا۔
تاہم جب سب نے روایات ختم کر دیں پھر امام بخاریؒ نے فرمایا الاول قوا ہکذا والصحيح ہکذا، والثانی قوا ہکذا والصحيح ہکذا الغرض تمام روایات اسی مجلس میں سنیں اور بتا دیں۔

اسی طرح طالب علمی کے زمانہ میں اپنے ہم درس طلبہ کے اعتراض پر کہ تم لکھتے نہیں ہو؟ ایک ہی مجلس میں پندرہ ہزار احادیث سنا دیں۔ (تدوین حدیث مولانا مناظر حسن کیلانی)

(۴) حصول اجر تبلیغ: اس لئے بھی اہتمام حفظ تھا۔

الف: چنانچہ وفد عبد القیس کو آپؐ نے فرمایا:

احفظوہن و اخبروہن من ورائکم

ب: بلغوا عنی ولو آید۔

ت: فلیبلغ الشاہد الغائب۔

ث: حصول دعا: نصر اللہ امر أسمع مقالی فحفظها الخ —

(۵) ضرورت حفظ:

علامہ ابن حجرؒ نے فتح الباری کے مقدمہ میں لکھا: اس وقت ضبطِ صدر کی ضرورت تھی کہ اسبابِ کتابتِ خل خل تھے، عام نہ تھے۔

(۶) عدم کفایتِ کتابت: حفاظتِ حدیث کے لئے صرف کتابت کافی نہیں۔ جو اقوام اپنے علوم کے سلسلہ میں کتابت پر قناعت کرتی ہیں تو ان کا علمی سرمایہ محفوظ نہیں رہتا، اور اس میں اغلاط جاری ہو جاتی ہیں، ”غرموسی“ کی جگہ ”غرموسی“

لکھا جائے۔ تو حفظ و یاد نہ ہونے کی صورت میں اس غلطی کے جاری ہونے کا امکان ہے۔

(۷) حب النبی ﷺ حضرات صحابہؓ و تابعینؒ کو آپ ﷺ سے بے پناہ محبت تھی۔ قاعدہ ہے کہ کلامِ محبوب

محبوب الکلام۔ اسی طرح من احب شیء اکثر ذکرہ۔

سوال جب ضبطِ صدر بنی حفاظت ہے تو پھر ضبطِ کتابت کو اختیار کیوں کیا گیا؟

جواب: ممنوع وسائل کو چھوڑ کر وسیلہ کے درجہ میں دونوں کو اختیار کیا جاسکتا ہے وسائل بدلتے رہتے ہیں، مگر مقاصد

میں تبدیلی نہیں آتی۔

(۸) قال ابو هريرة رضی اللہ عنہ جزأت الليل ثلاثة اجزاء ثلثاً أصلي وثلثاً انام وثلثاً اذكر فيه حديث رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم

(ترجمہ محدث ص 72)

حفاظتِ حدیث بصورتِ کتابت

یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارک سے ہی شروع ہو گئی تھی۔۔۔ اگرچہ زیادہ تر مدار توضیحِ صدر ہی تھا۔۔۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ کتابتِ کلیہ منقوۃ تھی۔

کتابتِ حدیث کے مختلف ادوار

کتابتِ حدیث کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) بصورتِ صحف و رسائل۔ (۲) بصورتِ کتب۔
حفاظتِ بصورتِ صحف و رسائل یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارک سے شروع ہو گئی تھی۔۔۔ چنانچہ امام بخاریؒ نے کتاب العلم کا باب قائم کر کے اس میں چار احادیث ذکر کی ہیں۔
(۱) حضرت علیؓ سے ابو جحیفہؒ نے دریافت کیا:

هل عندكم كتاب قال لا الا كتاب الله او فهم اعطيه رجل مسلم او مافي هذه الصحيفة (مسائل وغیرہ)
(۲) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ مسائل بیان فرمائے۔ فجاء رجل من اهل اليمن فقال اكتب لي يا رسول الله فقال اكتبوا لابي فلان اي لابي شاه۔
(۳) حضرت ابو ہریرہؓ: يقول ما من اصحاب النبي صلی اللہ علیہ وسلم احد اكثر حديثا عنه مني الا ما كان من عبد الله بن عمرو فانه كان يكتب ولا اكتب۔

(تاہم ان کا مجموعہ عام نہ ہوا اس لئے کثیر الروایہ حضرت ابو ہریرہؓ ہی مشہور ہیں۔)
(۴) اسی طرح مرضِ وفات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اي توني بكتاب اكتب لكم كتابا لا تضلوا بعده ابدًا۔ (ثبوتِ کتابت ہے اگرچہ کتاب لکھی نہیں گئی۔)
(۵) ابو داؤد کی روایت ہے حضرت عبداللہ بن عمروؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حدیث مبارکہ لکھا کرتے تھے اور ہر بات لکھ لیتے تھے۔ بعض صحابہ کرامؓ نے کہا ہر بات نہ لکھا کرو جب یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہنچی تو فرمایا:
اكتب فوالذي نفسي بيده ما يخرج منه الا الحق۔

قرآن کریم عہدِ صدیقی میں جمع و مرتب ہوا لیکن احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مجموعہ کتابی صورت میں باجائزِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ گیا تھا جس میں سند کا کوئی واسطہ بھی نہیں تھا۔
(۶) حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے بارے میں حضرت ابو ہریرہؓ کی شہادت ہے کہ وہ کتابتِ حدیث کیا کرتے

تھے۔ انہوں نے اس مجموعہ کا نام ”صادقہ“ رکھا تھا۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں:

اما الصادقة فصحيفة كتبتها عن رسول الله ﷺ۔

جس سے بآسانی سمجھا جاسکتا ہے کہ قرآن کریم کی تدوین تو دور صدیقی میں ہوئی مگر حدیث پاک کی کتابی شکل (صادقہ) میں تدوین تو دور نبوی ﷺ بلا واسطہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرما چکے تھے۔

(۷) مجمع الزوائد میں حضرات رافع بن خدیجؓ سے روایت ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ نے عرض کیا:

انا نسمع منك اشياء افنكتبها؟ قال اكتبوا ولا حرج۔

(۸) حضرت انسؓ سے روایت ہے قال رسول الله ﷺ قیلوا العلم بالكتاب۔ (بخاری)

(۱) صحیفہ صادقہ از حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ جو ان کے پڑپوتے عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جده کی سند سے کتب احادیث میں مرویات موجود ہیں۔ (۲) صحیفہ علی رضی اللہ عنہ۔ (۳) کتب الصدوق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا املاء کرایا ہوا۔ (۴) صحیفہ عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ، حامل نجران بنے ثوبانی بن کعب رضی اللہ عنہ کے ذریعہ آپ ﷺ نے لکھوایا۔ (۵) صحیفہ ہمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ۔

فائدہ: ہمرہ بن جندب ہے یا کوئی اور اس سلسلہ میں ۹ نام ذکر کیے گئے ہیں۔ (کشف الباری ج ۱ ص ۲۶۳)

(۶) صحف ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ۔ جو خود ان کے پاس موجود تھا۔ اشتباہ کے وقت صحیح حدیث کا ان سے تقابیل فرماتے۔ اولاً حدیث کو حفظ کیا آخر عمر میں لکھ بھی لیا۔

الف: مست ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے والد عبدالعزیز بن مروان کے پاس آپ کی مرویات مکتوب شکل میں موجود تھیں۔

ب: مؤلف بشیر بن مہیک۔ مرویات لکھ کر سنائیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے صادر فرمایا۔

ج: صحیفہ عبدالملک بن مروان۔ امتحاناً آپ سے سکر لکھیں۔

د: صحیفہ ہمام بن منبہ کشف الظنون میں اس کا نام الصحیفۃ الصحیحۃ ہے جو سند امام احمد میں موجود ہے۔

حسن اتفاق سے چند سال پہلے اس صحیفہ کا اصل مخطوط مل گیا۔ جرمنی برلن لاچکریری میں موجود ہے۔ نیز دوسرا نسخہ دمشق کے کتب خانہ مجمع علمی میں ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم نے دونوں میں تقابیل کیا ایک حرف بلکہ ایک نقطہ کا بھی فرق نہیں۔ (نور الباری ۱/ ۲۷، ۲۸)

_____ ضبط کتابت بصورت کتب _____

_____ دورِ اوّل _____

امام مالکؒ، امام سیوطیؒ، حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے خلیفۃ عادل حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اپنے گورزوں کو خط لکھے تھے: انظروا اماکان من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاکتبوه۔

تدوین حدیث کا پہلا دور: عبد اللہ بن ابن حزمؒ کو خصوصی تاکید تھی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی احادیث ان کے دو شاگرد قاسم بن محمد اور عمرہ بنت عبد الرحمن سے لکھ کر جمع کرو۔ (درس شامزائی، ص 9)

حضرت ابن شہاب زہریؒ کو لکھا کہ آپ ﷺ احادیث وارشادات منتشر صورت میں جو حضرات صحابہ کرامؓ کے پاس ہیں۔ آپ انہیں کتابی شکل میں جمع کرنے کا اہتمام کریں۔

سوال: موطا امام محمد کے مقدمہ میں ہے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے حضرت ابوبکر بن حزمؒ کو احادیث لکھنے کا حکم فرمایا تھا۔ تو مدون اول میں اختلاف ہو گیا ابن شہاب زہریؒ ہیں یا ابوبکر بن حزمؒ؟

جواب: حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نے اس طرح تطبیق دی ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے مختلف حضرات کو اس کا حکم دیا تھا لیکن جن کی محنت کامیاب ہو کر شہرت پذیر ہوئی وہ یہ دونوں حضرات ہیں۔

یہ حفاظت حدیث بصورت کتب کا پہلا دور ہے _____

اس میں ابن شہاب زہریؒ کی وفات 125ھ میں ہے اور ابوبکر بن حزمؒ کی وفات 120ھ میں اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی وفات 101ھ میں ہوئی۔

تدوین حدیث کا پہلا دور: عبد اللہ بن ابن حزمؒ کو خصوصی تاکید تھی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی احادیث ان کے دو شاگرد قاسم بن محمد اور عمرہ بنت عبد الرحمن سے لکھ کر جمع کرو۔ (درس شامزائی، ص 9)

”دورِ ثانی“

جب یہ احادیث مبارکہ کا مجموعہ بغیر کسی قید و باب بندی کے جمع ہو گیا تو بنیاد پڑ گئی جبکہ یہی مشکل ترین مرحلہ تھا۔ تو دورِ ثانی دوسری صدی کے نصف اخیر سے شروع ہوا۔

دورِ ثانی میں حضرات مصنفین نے احکام کے لحاظ سے ”باب بندی“ کی۔ چنانچہ دورِ ثانی میں تصنیف کرنے والے یہ حضرات ہیں:

نمبر شمار	نام محدث	نام شہر	سن وفات
1	ربیع بن صبیحؒ	بصرہ	160ھ
2	حماد بن سلمہؒ	بصرہ	167ھ
3	مالک بن انسؒ	مدینہ طیبہ	179ھ
4	سعید بن عروبہؒ	مدینہ طیبہ	156ھ
5	ابن جریج عبد الملک بن عبد العزیزؒ	مکہ مکرمہ	150ھ
6	امام اوزاعیؒ	شام	157ھ
7	سفیان ثوریؒ	کوفہ	161ھ
8	عبد اللہ بن مبارکؒ	خراسان	181ھ

حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد ہیں، ان کا لقب امیر المؤمنین فی الحدیث ہے۔ کہا جاتا ہے اگر ان کی احادیث کو ذخیرہ حدیث سے نکال لیا جائے تو احادیث بہت کم رہ جائیں۔

”دورِ ثالث“

شیوخ کی طرف اسناد کا دور

یہ دور تیسری صدی سے شروع ہوتا ہے اس کو مسانید کا دور کہتے ہیں۔ اس میں حضرات مصنفین نے ایک شیخ کی طرف نسبت کر کے احادیث لکھی ہیں۔ جیسے

نمبر شمار	نام	سن وفات
(۱)	مسند عبد اللہ بن موسیٰ	یہ اول من صنف المسند ہیں۔ 213ھ
(۲)	مسند عثمان بن ابی شیبہ	239ھ
(۳)	مسند اسحاق بن راہویہ	238ھ
(۴)	مسند امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ	241ھ

”دورِ رابع“ (صحاح کا دور)

یہ صحاح کا دور کہلاتا ہے چوتھری صدی کے آخر میں ہے۔

نمبر شمار	نام	سن وفات
۱	اول من صنف الصحيح المعجود الامام البخاری	256ھ
۲	امام مسلم کی صحیح مسلم	261ھ
۳	امام ابو داؤد کی سنن ابی داؤد	275ھ
۴	امام نسائی کی سنن نسائی	303ھ
۵	امام ترمذی کی جامع ترمذی	279ھ
۶	اور امام ابن ماجہ کی سنن ابن ماجہ	373ھ

ان سب کو صحاح تغلیباً کہا جاتا ہے ورنہ سنن زیادہ ہیں۔

مرحلہ و اتدوین کی نوعیت

- (۱) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے دور میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں کچھ صحابہ کرامؓ نے احادیث کے مجموعے بطور یادداشتوں کے اپنے پاس تحریر کئے ہوئے تھے۔
- (۲) سب سے پہلے کتابی شکل کے مجموعے حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے حکم سے سرکاری طور پر مرتب کئے گئے۔
- (۳) پھر ان کتابی شکل کے مجموعوں کو قابل عمل بنانے کیلئے فقہی ترتیبیں قائم کی گئی۔ ان کی ابتداء کا سہرا ہمارے امام اعظم ابو حنیفہؒ کے سر ہے۔

- (۴) اگلا دور مرفوعات، موقوفات، آثار صحابہؓ و تابعین میں امتیاز قائم کرنے کا ہے۔ اور مرفوع احادیث کی تائید میں آثار صحابہؓ و تابعینؓ کے جمع کرنے کا ہے، جیسے موطا امام مالکؒ۔
- (۵) اگلا دور صحیح، حسن، ضعیف میں امتیاز قائم کر کے صحیح احادیث کے الگ مجموعے قائم کرنے کا ہے۔ اس میں صحیح بخاری، مسلم وغیرہ مرتب ہوئیں۔

حدیث و تاریخ میں امتیاز

اس امتیاز کی روشنی میں حدیث کو حجت ماننا ضروری ہے بالخصوص اس طبقہ پر بے انتہا تعجب ہے جو تاریخ کو حجت مانتا ہے اور حدیث کو رد کرتا ہے۔ اس لئے ان وجوہ ترجیح کو ذکر کیا جاتا ہے جس کی بنا پر حدیث پاک اپنے اعتماد و حفاظت کے لحاظ سے اس مقام پر ہے کہ تاریخ اس کے گرد راہ کو بھی نہیں پاسکتی۔

- (۱) اولین شرط: روایت حدیث کے لئے راوی کا مسلمان ہونا شرط ہے مگر تاریخ کے لئے مورخ کا مسلم ہونا ضروری نہیں ہے۔
- (۲) ”وحدت ذات“ حدیث لکھنے والوں کا تعلق ایک ہی ذات سے ہے۔ ایک ہی ذات کے اقوال و افعال اور احوال

جمع کرنا یہ زیادہ قابل وثوق ہو سکتا ہے جبکہ مختلف ذوات کے احوال مختلفہ کو جمع کرنا یہ اعتماد کا وہ پایہ نہیں رکھ سکتا۔
 (۳) ”مصول اجر“ کا تباہی حدیث کا مقصد روایت حدیث سے اجر عظیم کا حصول ہوتا ہے اس لئے وہ غلطی سے بچنے کا اہتمام زیادہ کریں گے۔ جبکہ تاریخ کے حوالہ سے زیادہ سے زیادہ شہرت مقصود ہوتی ہے اس میں احتیاط کا دامن چھوٹ جاتا ہے۔
 (۴) تعلق مشاہدہ: کا تباہی حدیث اور راویان حدیث کا باہمی تعلق مشاہدہ کا ہوتا ہے کیونکہ جس سے روایت لے رہا ہے وہ واسطہ در واسطہ صحابہ اور آپ ﷺ پہنچا دیتا ہے۔

(۵) ”وعید علی الکذب“ من کذب علی متعمداً فلیتبوا مقعده من النار۔
 (۶) ذمہ داری تبلیغ: محدث جو بیان کرتا یا لکھتا ہے اس کی تبلیغ بھی اس کی ذمہ داری ہے۔ اس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ احوال و افعال صحیحہ پیش کرے۔

(۷) عہد اطاعت اور تعلق محبت و عظمت:
 آپ ﷺ ذات سے چونکہ عہد اطاعت ہے اور ساتھ محبت و عظمت کا تعلق بھی ہے اس لئے احوال صحیحہ نہایت محتاط ہو کر بیان کرے گا جبکہ تاریخ خود ان بلند معیارات سے نابلد ہے۔

خلاصہ یہ کہ حدیث مبارک تاریخ عالم کا مستند ترین اور بہت بلند پایہ قابل اعتماد حصہ ہے۔ کما قال شیخ عبد المجید النور ؒ آپ نے اسٹیج پر بیان فرمایا تو حضرات طلبہ کرام سے ارشاد فرمایا میں اسٹیج پر ہوں میرا سراپا آپ کے سامنے ہے اور حرکات و سکنات بھی آپ دیکھ رہے ہیں۔ جبکہ میں آپ میں سے کسی کا کان، کسی کی ناک، کسی کا صرف کپڑا وغیرہ دیکھنے کی قدرت رکھتا ہوں۔ آپ کا مجھ دیکھنا یہ حدیث ہے اور میرا آپ کو دیکھنا یہ ”تاریخ“ ہے۔

منکرین حدیث کے شبہات اور ان کے جوابات

(۱) الشبهة الاولى

آپ ﷺ نے کتابت حدیث سے منع فرمایا۔ چنانچہ ارشاد کرامی ہے: لا تکتبوا عني غير القرآن۔ ومن كتب عني غير القرآن فليمتحه۔

_____ ممانعت کتابت کی وجہ سے لکھنا ہی منع ہے۔ لہذا حدیث حجت نہ ہوگی۔

جوابات: جن احادیث میں لکھنے سے منع کیا گیا ہے ان میں مختلف وجوہ سے تطبیق ہے:

- (۱) یہ بھی اس دور سے متعلق تھی جب قرآن کریم لکھوایا جا رہا تھا تا کہ امتیاز باقی رہے اور غلط لازم نہ آئے۔
- (۲) آغا زکار میں یہ ممانعت تھی۔ تاہم بعد میں لکھنے پر جواز کا اجماع ہو گیا اور مختلف لکھے ہوئے رسالے سامنے آئے۔
- (۳) یہ ممانعت ان حضرات کے لئے تھی جن کو لکھنے پر کامل عبور نہ تھا کہ کچھ کا کچھ لکھ لیں۔ اس لئے جنہیں عبور کامل تھا انہیں اجازت تھی۔

(۴) لکھنے سے منع کرنا عدم حجیت کی دلیل نہیں۔ جبکہ حجت کے لحاظ سے آپ ﷺ نے اسے آگے پہنچانے، یاد کرنے نیز لکھنے کا بھی حکم دیا ہے۔

(۵) آپ عدم حجیت حدیث کو حدیث ہی سے ثابت کر رہے ہیں تو آپ نے خود حدیث پاک کا حجت ہونا تسلیم کر لیا اور نہ اس حدیث کو بھی چھوڑ دیں۔

(۲) الشبهة الثانية

(۲) احادیث میں روایات صحیحہ، غیر صحیحہ اور موضوع و ضعیف بھی ہیں لہذا مجموعہ حدیث کیسے حجت ہو سکتا ہے؟
جواب: یہ سوال صحاح ستہ کے دور سے پہلے ہو سکتا تھا اب ائمہ کرام نے صحاح مرتب کر کے احادیث صحیحہ و غیر صحیحہ نیز ضعیف و موضوع میں امتیاز کر دیا لہذا اعتراض نہیں ہو سکتا۔

حضرات محدثین نے احادیث کی روایت میں جو احتیاط برتی ہے، ان کی شرائط اتنی سخت ہیں ان کے پیش نظر یہ ممکن نہیں کہ کوئی راوی شیعہ، کاذب، یا تمہ بالکذب یا فاسق سند میں آگیا ہو اور انہوں نے اسے صحیح قرار دیا ہو ایسا نہیں ہے۔
(۲) فیحاف کا شمول اس بات کی دلیل نہیں کہ صحاح کو بھی ترک کر دیا جائے جیسے سونے میں کھوٹ مل جائے تو کوئی بھی مائل یہ نہیں کہتا کہ اصلی سونا چھوڑ دیا جائے۔ ہاں کھوٹ کو الگ کرنا ہر ذی شعور سمجھتا ہے۔

(۳) الشبهة الثالثة

سوال: آپ ﷺ کے ذمہ صرف تبلیغ قرآن کریم تھا، سمجھنا سمجھانا امت کے اوپر موقوف ہے۔ یہ لوگ نبی کی حیثیت کو محض ایک ڈاکیا کی حیثیت قرار دیتے ہیں، اور یہ استدلال کرتے ہیں کہ آیت قرآنی میں بلاغ کا حصر ہے۔ ان علیک الا البلاغ: گویا قرآن فہمی کو امت پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

جواب: حصر دو قسم پر ہے: حصر اضافی جو اپنے بعض ماحداسے ہو۔ اور حصر حقیقی جو جمیع ماحداسے ہو۔ پہلا حصر اضافی مراد ہے۔ اگر حصر حقیقی تسلیم کر لیں تو آیت قرآنیہ میں تضاد پیدا ہو جائے گا۔ وہ اس طور پر کہ سابق میں آپ ﷺ جو شعور مختلفہ بیان کی ہیں کہ آپ ﷺ معلم الکتاب والحکمة ہیں، آپ ﷺ طاع ہیں، یہ سب بے فائدہ ثابت ہو جائیں گی، اس لئے کہ تعلیم حکمت آپ ﷺ کے ذمہ ہی نہیں عباداً باللہ۔

(۴) الشبهة الرابعة

سوال آپ ﷺ اس بات کے مامور تھے کہ قرآن کریم کی اتباع کریں و اتبع ما یوحی الیک من ربک۔ اس لئے ہم بھی اتباع قرآنی کے مامور ہیں۔ حدیث کی ضرورت نہیں۔

جواب: حدیث پاک بھی ما یوحی الیک من ربک میں شامل ہے۔ اس لئے کہ وحی کی دو قسمیں ہیں: وحی جلی اور وحی حقہ حدیث وحی حقہ ہے اور قرآن کریم وحی جلی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: وما یبطق عن الہوی، ان ہو الا وحی یوحی۔

(۵) الشبهة الخامسة

سوال: قرآن کریم میں بعض مقامات پر آپ ﷺ منجانب اللہ تنبیہ فرمائی گئی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کے اقوال و افعال حجت نہیں ورنہ تنبیہ نہ ہوتی، کما قال تعالیٰ: عبس وتولى، یا ایہا النبی لم تحرم ما احل الله لك، ما كان للنبي ان يكون له اسرى۔ وغیر لک۔

جواب: جس چیز کو آپ لوگ آپ ﷺ حدیث کی عدم حجت کی دلیل بنا رہے ہو یہی حدیث کی حجت کی دلیل ہے، ان تمام مقامات پر تنبیہ ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ باقی مواقع پر تنبیہ کی بھی ضرورت نہیں، وہ منشاء خداوندی کے مطابق ہیں۔۔۔ تو وہ حجت بھی ہوئے۔ نیز اجتہاد نبوی علیہ السلام پر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عمل کیا ان پر کوئی عتاب نہیں ہوا۔

(۶) الشبهة السادسة

سوال: اکثر روایات بالمعنی ہیں، الفاظ پوری طرح محفوظ نہیں، اور معنی کے بیان کرنے میں غلطی کا احتمال غالب ہے، اسلئے جب الفاظ ہی محفوظ نہیں تو پھر ان کا مدلول و معنی کیسے محفوظ قرار دیے جاسکتے ہیں؟

جواب: یہ مفروضہ ہی سرے سے غلط ہے کہ اکثر روایات بالمعنی ہیں، اس لئے کہ افعال و احوال اور تقریرات باللفظ روایت نہیں کی جاسکتیں، اور روایات قولی میں احادیث قدسیہ، جوامع الکلم، ادعیہ، مسنونہ وغیرہ یہ تمام روایات باللفظ کے زمرے میں آتی ہیں اب تھوڑا سا حصہ دیا گیا جس میں روایت بالمعنی ہوتی ہے۔ تو قاعدہ عقلیہ للاکثر حکم الکمل کے تحت اعتراض باقی نہیں رہتا۔

تاہم روایت بالمعنی کرنے والے حضرات صحابہ کرام عرب العریاء، فصحاء، بلغاء اور عربی محاورات پر مکمل عبور رکھنے والے ہیں اور باخبر ہیں، ان کی روایت بالمعنی کو مسترد کرنے کے کوئی معنی نہیں ہو سکتے۔

(۷) الشبهة السابعة

سوال: اکثر احادیث میں تعارض نظر آتا ہے اور قاعدہ عقلیہ اذا تعارضتا ساقطا۔۔۔ یکلیہ فقہ میں بھی جاری ہوتا ہے۔

جواب: تمام احادیث میں تعارض صوری بھی نہیں چہ جائیکہ حقیقی، تفصیل اس کی یہ ہے کہ احادیث صفات باری تعالیٰ، عقائد، ابواب البر والصلۃ، احادیث جنت و جہنم و دیگر مغیبات ان میں باہمی کوئی تعارض نہیں ہے۔۔۔ البتہ چند احکام کی احادیث میں ان میں تعارض صوری ہے لہذا خارجی دلائل سے ان میں تطبیق و ترجیح قائم کی جائے گی۔ اگر محض صوری تعارض ہی کو تباہی کا باعث تسلیم کر لیا جائے تو یہ تعارض قرآن کریم میں بھی ہے۔۔۔ تو کیا آیات قرآنیہ کو ترک کر دیا جائے گا۔۔۔؟

مثلاً بعض آیات کے بارے میں فرمایا کتب احکمت ایاتہ الخ، اور دوسری جگہ فرمایا کتباً متشابہاً۔۔۔ بعض جگہ آیات محکمات اور اسی جگہ آیات و آخر متشابہات۔۔۔ لہذا تطبیق کا راستہ اختیار کیا جائے گا نہ کہ ترک آیات و احادیث کا۔۔۔

(۸) الشبهة الثامنة

سوال: اکثر احادیث ”اخبار آحاد“ ہیں، اور خبر واحد ظنی ہے، ظنی چیز کا دین و شریعت میں اعتبار نہیں، قرآن کریم میں ہے اجتنبوا کثیرا من الظن، ان الظن لا یغنی عن الحق شیئاً وغیر ذلک۔

جواب (۱): اس شبہ میں افہام و تفہیم کی بجائے مغالطہ دینے کی کوشش کی گئی ہے، اس لئے کہ احادیث میں جس ظن کو قابل اعتبار تسلیم کیا گیا ہے وہ قریب من الیقین ہوتا ہے اسی کا حضرات محدثین کے ہاں اعتبار ہے۔ اور قرآن کریم میں جو قابل مذمت ظن ہے وہ اٹکل اور بے دلیل بات ہے۔

جواب (۲): جن حضرات محدثین نے اخبار آحاد کو ظن قرار دیا ہے انہوں نے ہی اس کو حجت بھی قرار دیا ہے۔ تو ان کی یہ بات قابل تسلیم ہے تو دوسری بات کیوں تسلیم نہیں؟

(۹) الشبهة التاسعة

سوال: اکثر احادیث خلاف عقل ہیں۔ (عیاذ باللہ) مثلاً محل بول و براز و خروج ریح اور ہے اور طہارت کے لئے جو اعضاء دھوئے جاتے ہیں وہ اعضاء دیگر ہیں یا مثلاً نماز میں توجہ لگایا یہ نہیں سمجھ آتا کہ اسے ناقض وضو قرار دیا جائے۔ یہ کوئی نجاست تھوڑی ہے۔؟

جواب: (۱) خلاف عقل اسے کہتے ہیں جس کے محال ہونے پر عقل دلیل قائم کر سکے اور جس کے محال ہونے پر عقل دلیل قائم نہ کر سکے اور اگر نہ کر سکے نیز عقل کی گرفت سے باہر ہو وہ چیز خلاف عقل نہیں ہوتی۔ بلکہ فوق عقل ہوتی ہے۔ کہ عقل کی رسائی وہاں تک نہیں ہے۔ ظاہر ہوجی کہ ذریعہ جہل دیا جائے گا وہ خلاف عقل نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ فوق عقل ہو سکتا ہے۔ نیز دین کی ہر بات عقل کے مطابق ہونے کی بجائے عقل کی ہر بات دین کے مطابق ہونا چاہیے۔ کما قال شیخ نانوتوی علیہ السلام نیز علم کے حصول کے دو ذریعہ ہیں۔ عقل اور وحی۔ عقل کے ذریعہ حاصل ہونے والا علم حواس خمسہ کا محتاج ہے۔ اور حواس غلطی کرتے ہیں تو ان کے ذریعہ حاصل ہونے والا علم بھی غلط ہو جائے گا۔

اور وحی کے ذریعہ حاصل ہونے والا علم غلطی سے مبرا و پاک ہوتا ہے اس لئے کامل ذریعہ حاصل ہونے والے علم پر ناقص (عقل) کے ذریعہ اعتراض بالکل بے معنی ہے۔

جواب (۲) اگر باب علم و دانش کے ہاں یہ مسلم ہے کہ علم علم حد موجود کو مستلزم نہیں۔ اس لئے اگر کسی حدیث و مسئلہ کی حکمت آپ کو سمجھ نہ آئے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ نفس الامر میں بھی اس کی کوئی حکمت نہیں۔ اس لئے یہ بجائے خود بے عقلی کی بات ہے۔

جواب (۳) احادیث موافق عقل ہوں۔ لیکن اس پر اشکال ہے کہ کس کی عقل کے مطابق ہوں۔ آپ کی، زید کی، خالد، یا غلام احمد پرویزی کی۔ جبکہ صورت حال یہ ہے کہ عقول انسانی متفاوت ہیں۔ انبیاء کی عقول سمندر کی طرح ہیں ایک عام انسان کی عقل بہت چھوٹے ظرف کی طرح ہے۔ لہذا کس عقل کا اعتبار کیا جائے۔ اس لئے معیار حضرات انبیاء کی عقول ٹھہریں گی۔ اگر ان کی عقل کے مطابق ہیں تو بس کافی ہے۔ اعتراض کرنے والے اپنی عقل کو ناقص سمجھ کر صرف اتباع کریں۔

(۱۰) الشبهة العاشرة

سوال: قرآن کریم اپنے بارے میں کہتا ہے تبیاناً لكل شیء، اس آیت مبارکہ میں لفظ کل استغراقی ہے۔ معلوم ہوا کہ حدیث کی ضرورت نہیں۔ اگر حدیث کو اس کے باوجود مانتے ہو تو آیت کی نفی لازم آتی ہے۔

جواب ۱: یہ کل استغراقی حقیقی پر محمول نہیں۔ اگر حقیقی پر محمول ہوتا تو کوئی بات بھی قرآن کریم سے خارج نہیں ہونی چاہیے تھی یہ کل استغراقی عرفی پر محمول ہے۔ جیسے تدمر کل شیء بامر ربہا، کل شیء میں زمین و آسمان بھی داخل ہیں جبکہ وہ تباہ نہ ہوئے۔ آپ ﷺ نے بھی اس کو استغراقی حقیقی پر محمول نہیں فرمایا، چنانچہ حضرت معاذؓ کو یمن کی طرف عامل بنا کر بھیجا تو ارشاد فرمایا: کیف تقضی اذا عرض لک قضاء؟

قال اقضی بکتاب اللہ، قال فان لم تجد فی کتاب اللہ قال بسنة رسول اللہ۔

اس سے حدیث کا حجت ہونا خود بخود ثابت ہو گیا۔

جواب ۲: ہم تسلیم کرتے ہیں کہ کل میں استغراقی حقیقی ہے۔ لیکن یہ استغراق کلیات کے بیان کرنے کے لحاظ سے ہے نہ کہ جزئیات کے اعتبار سے۔ چنانچہ سیدنا عبد اللہ بن مسعودؓ کے پاس ام یعقوب آئیں اور آ کر کہا: میں نے سنا ہے آپ یہ کہتے ہیں: لعن اللہ الواشمات والمستوشمات۔ اس نے کہا اللہ کی لعنت کا تذکرہ قرآن کریم میں تو نہیں، میں نے اس کو اچھی طرح پڑھا ہے۔

اس پر حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: اگر تو دھیان سے پڑھتی تو مجھے لعنت خداوندی قرآن کریم میں ملتی۔ اس لئے میں بھی لعنت کروں گا۔ چنانچہ فرمایا قرآن کریم میں ہے وما اتاكم الرسول فخذوه واخ، جب رسول اللہ ﷺ لعنت فرمائیں گے تو لعنت خداوندی بھی اس کے ذیل میں آگئی، تو اس سے بھی حجیت حدیث ثابت ہو گئی۔

جواب ۳: ہمیں تسلیم ہے کہ تبیان لكل شیء میں کل استغراقی حقیقی پر محمول ہے۔ یہ محمول ہونا بواسطہ رسول ہے یا بلا واسطہ رسول؟ ہم یہ کہتے ہیں کہ بلا واسطہ رسول ہے۔ اس لئے قرآن کریم نے خود کہا ہے:

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس، اور ثم ان علینا بیانہ وغیرہ۔

فائدہ: منکرین حدیث عام طور پر ایک مغالطہ دیتے ہیں کہ ہم ان احادیث کو مانتے ہیں جو قرآن کریم کے مطابق ہیں عام آدمی اس سے دھوکا کھا جاتا ہے کہ یہ حجیت حدیث کے منکر نہیں۔ حالانکہ اس میں بھی تلبیس اور حجیت حدیث کا واضح انکار ہے اور سنت کے مستقل حجت ہونے کا انکار ہے کیونکہ قرآن کریم کے مطابق کوئی بات کہہ دے وہ حجت ہے۔ اس میں رسول ہونا ضروری نہیں۔ مسئلہ زیر بحث یہ ہے کہ رسول کوئی بات کہے وہ حجت ہے یا نہیں گویا منصب رسالت کی کیا حیثیت ہے؟ کما قال الشیخ محمد تقی عثمانی۔

منکر میں حدیث کا حکم

قنای ظہیری میں ہے کہ احادیث کی تین قسمیں ہیں، ۱: متواتر، ۲: مشہور، ۳: خبر واحد۔
متواتر کا منکر بالاجماع کافر ہے۔ مشہور کا منکر عند الجمہور کافر ہے خبر واحد کا منکر فاسق ہے۔ نیز حدیث کا استہزاء کرنے والا بھی کافر ہے۔ چنانچہ ماعلیٰ قاریؒ نے لکھا ہے کہ اگر کسی کو کوئی حدیث سنائی گئی اس نے بطور استخفاف کہا: بہت حدیثیں سنی ہیں۔ تو... صادر کافراً۔

خبر واحد کی حجیت

منکر میں حدیث چونکہ خبر واحد کے رد کے سلسلہ میں اپنی توانائیاں لگاتے ہیں اور بڑا زور صرف کرتے ہیں اس لئے اس کو مستقل عنوان کے تحت ذکر کیا جا رہا ہے تاکہ اس کی حجیت واضح ہو جائے۔

خبر واحد کی تعریف:

خبر واحد متواتر کے مقابلہ میں ہے۔ یعنی جو روایت حد تواتر کو نہ پہنچے، وہ خبر واحد ہے۔ خبر واحد سے مراد ”فرد واحد“ کی خبر نہیں۔ بلکہ مذکورہ بالا اصطلاحی معنی مراد ہے کہ جو حد تواتر کو نہ پہنچے۔ اس لئے خبر مشہور، خبر عزیز، خبر غریب یہ خبر واحد کے افراد ہیں۔
بھی اس کی اقسام ہیں:-

۱... سند کے کسی درجہ میں تین راوی رہ جائیں تو اسے مشہور کہتے ہیں، ۲... دورہ جائیں تو اسے عزیز کہتے ہیں،
۳... اگر ایک رہ جائے تو اسے غریب کہتے ہیں۔

خبر واحد کی حجیت امر مسلم ہے۔ اس کی حجیت قرآن کریم، حدیث رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام، تابعین اور عقل و عرف سے بھی ثابت ہے۔

اثبات الحجیۃ من القرآن

- (۱) اذارسلنا الیہم اثنین... اگر دو کی بات ہی حجت نہیں تھی تو دو کو بھیجنائی نہیں چاہیے تھا۔
- (۲) فعززنا بالثالث: ہم نے تیسرے کے ساتھ قوت دی۔ جب کہ ایک کی خبر حجت ہی نہ ہو تو قوت کیسے حاصل ہوگی؟
- (۳) مرد و عورت کے تنازع کو حل کرنے کے لئے قانون خداوندی ہے:

فابعثوا حکما من اہلہ و حکما من اہلہا

اگر ایک کی خبر حجت ہی نہ ہو تو دونوں فیصلے پر کیسے پہنچیں گے؟ اور اس فیصلہ کی خبر باقی معاشرہ پر کیسے حجت ہوگی؟

(۴) ہر دو میں ایک نبی اور ایک ہی فرشتہ خبر لایا ہے۔ حجت ہے نہیں اور فرد واحد کو بھیجا جائے؟

اثبات الحجیۃ من الحدیث

خبر واحد آپ ﷺ کے نزدیک بھی حجت ہے۔ چنانچہ امراء و سلاطین عالم کو خطوط لکھے تو ایک فرد کو اور کہیں دو کو روانہ فرمایا۔

اثبات الحجیۃ من الانبیاء سابقین علیہم السلام

☆ وجاء رجل من اقصى المدينة يسعى قال يموئى الخ۔

...۱ مویٰ خبر واحد مان کر مصر سے نکل پڑے۔

...۲ قالت ان ابى يدعوك۔

ایک عورت کی خبر پر حضرت مویٰ حضرت شعیبؑ کے پاس تشریف لے گئے۔

...۳ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت ہارون علیہ السلام کو تبلیغ کے لئے معتمد بنا کر روانہ فرمایا۔

حالانکہ وہ صرف دو تھے۔

اثبات الحجیۃ من الصحابة رضی اللہ عنہم

حضرات صحابہ کرامؓ فجر کی نماز بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھ رہے تھے اسی دوران ایک شخص نے آکر آواز لگائی:

الا ان القبلة قد خولت

تو سب نے دوران نماز بیت اللہ شریف کی طرف منہ پھیر لیا حالانکہ خبر واحد تھی۔

شراب پی رہے تھے۔ اعلان ہوا الا ان الخمر قد خولت۔

یہ سن کر مکے توڑ دئے گئے۔ حالانکہ خبر واحد تھی۔ یعنی غریب تھی۔

اثبات الحجیۃ من العقل

عقلاً بھی اس کی حجیت ثابت ہے، ایک سچا آدمی خبر دیتا ہے اور وہ عقلاً محال بھی نہیں ہے تو اس کی وجہ تکذیب آخر

کیا ہے۔؟ اس کو کیوں جھٹلاتے ہو؟ دلیل تو آپ کے پاس نہیں۔ لہذا خبر واحد کو حجت تسلیم کرنا چاہیے۔

اثبات الحجیۃ من العرف

عرفاً بھی اس کی حجیت کو تسلیم کیا جاتا ہے کہ پورے عالم کا نظام اسی پر چل رہا ہے۔ عدالت میں دو گواہ مشروط ہیں۔ قتل

وقصاص کے فیصلے کے بارے میں قرآن کریم میں ہے: و اشهدوا ذوی عدل منکم

کل فوج کا نظام ”خبر واحد“ پر ہے۔ ایک آدمی کے اشارے پر ساری فوج حرکت میں آ جاتی ہے۔

جبکہ محدثین کرام نے خبر واحد کی قبولیت و حجیت کے لئے کچھ شرائط بھی لگا دی ہیں۔ اس کے باوجود آپ کو ان میں اشکال

ہے۔ خود عقل و عرف کی بنا پر بلا شرط خبر واحد کو حجت تسلیم کئے جا رہے ہو۔؟

(اصطلاحات حدیث: یہ آپ تمام خیر الاصول میں پڑھ چکے ہیں۔ وہی دہرائیں۔)

آداب علم حدیث

تعریفِ آداب: (۱) ما یحمد من القول والفعل۔ (۲) علامہ سیوطی کے نزدیک: لا ۛخذہم کارم الا ۛخلاق۔
 ضرورتِ آداب: کسبِ فعل اور کسبِ علم میں آداب بہت ضروری ہے۔ اس لئے کہ آداب کی انواع میں ایک تعظیم بھی ہے۔ جو شخص آداب اختیار کر کے تعظیم کرتا ہے تو یقیناً وہ متواضع ہے۔ اس سے انفعالیات پیدا ہوگی۔ اور جب انفعالیات ہوگی تو اثر کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہوگی۔ کیونکہ بغیر انفعالیات کے اثر نہیں ہوتا۔ اور ”تعلم“ بھی ایک اثر ہے۔ لہذا اس کے لئے تعظیم اور آداب ضروری ہے۔

نیز آداب کا مقام یہ ہے کہ آدمی ترکِ فعل سے کافر نہیں ہوتا۔ تاہم ترکِ حرمت سے کافر ہو جاتا ہے۔ اسی تناظر میں فرمایا گیا:
 ما وصل من وصل الا بالحرمة۔ وما سقط من سقط الا بترك الحرمة۔

الآداب الاول:

تصحیح نیت۔ اگر نیت صحیح نہیں تو توہینِ حدیث لازم آئے گی۔ حدیث کی قیمت تو فقط اور فقط ”رضائے الہی“ ہے۔ جو آدمی اس کے بدلے میں چند کلمے لے لے تو ایسا ہے کہ سونے کی ڈلی بیگنی کے بدلے میں فروخت کی جو سونے کی توہین ہے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں:

من تعلم علما مما یبتغی بہو جہاۃ لا یتعلما لا لیصیب عر ضامن الدنیا لم یجدر ف الجنۃ و ما لقیامۃ
 یعنی: یہ جہاں (اور آواز) نہیں (ماجر)۔

امام احمدؒ کی مجلس میں ایک بزرگ فرماتے تھے: یا اصحاب الحدیث! ادوا زکوۃ علمکم؛ علم کی زکوۃ یہ ہے چالیس میں سے کم از کم ایک حدیث پر عمل کیا جائے۔ (درس شامی، ص 7)

الآداب الثانی:

آداب الاستاذ: اس کی مختلف صورتیں ہیں۔ ۱: طاعت، ۲: خدمت، ۳: عظمت، ۴: عدم استیذان کا علی التادیب۔

الآداب الثالث:

آداب الکتاب: ہیکل نہ لگائے۔ لیٹ کر نہ پڑھے، اس کی طرف پاؤں نہ کرے۔ مختلف فنون کی کتب، طے اور ترتیب کا لحاظ کرے۔

الآداب الرابع:

آداب المدرسہ: مدرسہ کے ملازمین اور عمل کا آداب ملحوظ رکھے۔ کھانے پینے میں معترض نہ ہو۔

الآداب الخامس:

الآداب بالائمة الفقہاء: حدیث کے سبق کے دوران کوئی حدیث کسی امام کے مسلک کے خلاف نظر آئے، تو دورانی

بحث کسی بھی امام کی بے ادبی نہ کرے۔

الادب السادس:

آپ ﷺ کے نام نامی کے ساتھ درود شریف، حضرات صحابہ کرامؓ کے ساتھ ترضیہ اور ائمہ دین کے ساتھ ترحیم کا خیال کرے۔

الادب السابع:

استعانت من اللہ تعالیٰ، اپنی محنت پر عدم اعتماد کرتے ہوئے مدد خداوندی کا خواہاں رہے۔

الادب الثامن:

کتب حدیث کو حتی الامکان با وضو پڑھے۔

الادب التاسع:

استکبار نہ ہو۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں: مستحبی اور متکبر علم سے محروم رہتے ہیں۔

الادب العاشر:

آداب مذکورہ میں قصد آیات یا بلا قصد کوتاہی صادر ہو جائے تو قلبی ندامت کے ساتھ مغفرت کا خواہاں ہو۔
مطلق علم حدیث کے بارے میں جو مبادیات ضروریہ ہیں۔ وہ یہاں تک الحمد للہ تکمیل کو پہنچیں۔۔۔ تاہم الجامع الصحیح للبخاری رحمہ اللہ اور حضرت امام بخاریؒ کے احوال کے سلسلہ میں آگے گفتگو کی جاتی ہے۔

ترجمة المؤلف

یعنی صحیح بخاری پر ایک اجمالی نظر برائے عمومی تعارف

مؤلف سے مراد الجامع الصحیح للبخاریؒ ہے۔ صحیح بخاری شریف کا پورا نام:

الجامع المسند الصحیح المختصر من امور رسول اللہ ﷺ و سننه و ایامه۔

یہ حدیث شریف کی سب سے پہلی کتاب ہے جس میں صرف مرفوع روایات اور صحیح روایات ہی اصل مقصود ہیں۔ اس کی کل احادیث 7275 مع التکرار ہیں اور بلا تکرار تقریباً 4000 ہزار ہیں۔

صحیح بخاری کے مکمل اور حقیقی تعارف کے لئے ضروری ہے کہ پہلے کتب احادیث کا تعارف ہو، تا کہ پھر اس روشنی میں صحیح بخاری کا مقام واضح ہو سکے۔

کتب حدیث کی اقسام

چنانچہ کتب حدیث کی متعدد اقسام ہیں۔ چند مشہور یہ ہیں:-

۱: جامع، ۲: سنن، ۳: مسند، ۴: معجم، ۵: جز، ۶: مفرد، ۷: غریب، ۸: مستخرج، ۹: مستدرک، ۱۰: مسلسلات، ۱۱: مراسیل، ۱۲: رباعیات، ۱۳: تعلیقات۔

(۱)... جامع: وہ کتاب جس میں تفسیر، عقائد، آداب و احکام، مناقب و سیر، فتن اور علامات قیامت وغیرہ ہر قسم کے مسائل کی احادیث درج ہوتی ہیں جیسے بخاری و ترمذی۔

(۲)... سنن: وہ کتاب ہے جس میں احکام کی احادیث بابت فقہ کی ترتیب کے مطابق بیان ہوں۔ جیسے سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ۔

(۳)... مسند: وہ کتاب ہے جس میں حضرات صحابہ کرامؓ کی ترتیب رتبی یا حروف تہجی کی ترتیب یا تقدم و تاخر اسلامی کے لحاظ سے احادیث مذکور ہوں۔ جیسے مسند احمد و مسند دارمی۔

(۴)... معجم: وہ کتاب ہے جس میں وضع احادیث میں ترتیب اساتذہ کا لحاظ ہو لیکن ترتیب کی مندرجہ بالا اقسام تلاش کو ملحوظ رکھا گیا ہو، جیسے معجم طبرانی۔

(۵)... جز: وہ کتاب ہے جس میں صرف ایک ہی مسئلہ کی احادیث جمع کی گئی ہوں۔ جیسے جزء القراءة للبخاری، جزء رفع الیدین للبخاری۔

(۶)... مفرد: وہ کتاب ہے جس میں صرف ایک محدث کی کل مرویات مذکور ہوں۔

(۷)... غریب: وہ کتاب ہے جس میں صرف ایک محدث کے متفرقات جو کسی شیخ سے ہوں وہ مذکور ہوں۔

(۸)... مستخرج: وہ کتاب ہے جس میں دوسری کتاب کی حدیثوں کی زائد اسناد کا استخراج کیا گیا ہو جیسے مستخرج ابی حواء۔

(۹)... مستدرک: وہ کتاب ہے جس میں دوسری کتاب کی شرط کے موافق اس کی چھوٹی ہوئی احادیث کو پورا کر دیا گیا ہو جیسے مستدرک حاکم۔

(۱۰)... مسلسلات: وہ کتب ہیں جن میں صرف احادیث مسلسلہ کو جمع کیا گیا ہو۔ اور حدیث مسلسل اس حدیث مبارکہ کو

کہتے ہیں جس کی سند کے تمام رواۃ کسی وصف میں شریک یا متفق ہوں۔

(۱۱)... مراسیل: وہ کتب جن میں صرف مرسل احادیث جمع کی گئی ہوں جیسے مراسیل ابی داؤد۔

(۱۲)... رباعین: جن کتب میں چالیس کے عدد کو ملحوظ رکھ کر احادیث جمع کی گئی ہوں جس کو ہمارے ہاں چہل حدیث

کہتے ہیں، جیسے رباعین نوویؒ۔

(۱۳)... تعلیقات: وہ کتب جن میں مرویات کو بلا سند ذکر کیا جائے۔ خواہ صحابی مذکور ہو یا نہ ہو۔ جیسے مصابیح

السنة اور مشکوٰۃ المصابیح۔

اس تفصیل کے بعد ہم یہ کہتے ہیں کہ بخاری شریف اور ترمذی شریف جامع ہیں، البتہ مسلم شریف کے جامع ہونے میں

اختلاف ہے، رائج بھی ہے کہ یہ جامع نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں کتاب التفسیر نہایت ہی مختصر ہے۔ بہر حال ان سب میں صحاح ستہ سب سے زیادہ مقبول ہیں جو ایک عرصہ سے عالم میں زیر درس ہیں۔

مراتب صحاح ستہ

مراتب معلوم ہونے سے پہلے صحاب صحاح ستہ کی شرائط معلوم ہونی چاہئیں۔ چنانچہ روایت حدیث کی اجمالی طور پر پانچ اقسام ہیں۔

۱... کامل الضبط والافتان و کثیر الملازم مثل شیوخہم۔

۲... کامل الضبط والافتان و قلیل الملازم۔

۳... ناقص الضبط و کثیر الملازم۔

۴... ناقص الضبط و قلیل الملازم۔

۵... ناقص الضبط و قلیل الملازم مع الجرح۔

۱... امام بخاریؒ پہلی قسم کے راویوں سے بالاستیعاب حدیث لیتے ہیں اور دوسری قسم سے انتخاب کرتے ہیں۔

۲... امام مسلمؒ پہلی دو اقسام سے بالاستیعاب لیتے ہیں اور تیسری قسم سے انتخاب فرماتے ہیں۔

۳... امام نسائیؒ پہلی تین قسموں سے بالاستیعاب لیتے ہیں اور چوتھی قسم سے انتخاب فرماتے ہیں۔

۴... امام ابوداؤدؒ پہلی چار قسموں سے بالاستیعاب لیتے ہیں اور پانچویں قسم سے انتخاب فرماتے ہیں۔

۵... امام ترمذیؒ اور امام ابن ماجہؒ سب قسم کی روایات لیتے ہیں۔ لیکن فرق یہ ہے کہ امام ترمذیؒ روایت وحدیث کا

درجہ تادیع ہیں کہ یہ کس قسم کی حدیث ہے۔ لیکن امام ابن ماجہؒ درجہ روایت نہیں بتاتے۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوئی کہ پہلا درجہ و مقام بخاری شریف کا ہے۔ دوسرا مسلم، تیسرا مرتبہ نسائی اور چوتھا مرتبہ

ابوداؤد، پانچواں مرتبہ ترمذی شریف اور چھٹا ابن ماجہ کا ہے۔

فائدہ: طحاوی شریف کا مرتبہ ابوداؤد کے برابر ہے۔

فائدہ: امام بخاریؒ پانچ طبقات سے روایت لیتے ہیں۔

(۱) تبع تابعین سے جیسے علی بن ابراہیمؒ اور ابوہامم النہملؒ اس طبقہ سے امام بخاریؒ کی سند عالی ہو جاتی ہے۔

(۲) تبع تابعین کے ہم عصر حضرات سے، تبع تابعین کے زمانے میں پیدا ہوئے ان سے روایت کی۔ تو یہ اتباع تابعین

شمار ہوئے۔

(۳) تبع تابعین کے شاگرد جو کبار تابعین سے روایت کرتے ہیں۔

(۴) امام بخاریؒ کے ہم عصر اقران میں باہمی معمولی فرق کے باوجود ان سے روایت لے لی جیسے حضرت محمد بن یحییٰ ذہلی

(کیونکہ وہ روایت پاس تھی)

(۵) شاگردوں سے بھی روایت لے لی اس کو عارضہ سمجھا۔ جیسے امام ترمذیؒ یہ حضرت امام بخاریؒ کے شاگرد ہیں مگر دوسرے مشائخ سے یہ جو روایات لیکر آئے جو امام بخاریؒ کو نہیں پہنچی تھیں وہ لے لیں۔ چنانچہ امام ترمذیؒ اپنی جامع میں اس کو بطور غرض ذکر فرماتے ہیں: هذا ما سمع محمد بن اسماعيل مني۔ (الاعمال البخاری 66/1)

مقاصد اصحاب صحاح ستہ

- (۱) امام بخاری احادیث سے مسائل استنباط فرماتے ہیں چنانچہ ایک ہی حدیث سے بے شمار مسائل کا استخراج فرماتے ہیں۔
 - (۲) امام مسلم احادیث کی تائید میں کثرت سے اسناد لاتے ہیں تاکہ ضعیف حدیث درجہ حسن، اور حدیث حسن درجہ صحیح لے لیں۔
 - (۳) امام ترمذیؒ بیان مذہب کے ساتھ انواع حدیث بیان فرماتے ہیں۔
 - (۴) امام ابو داؤد ائمہ مجتہدین کے دلائل جمع فرماتے ہیں۔
 - (۵) امام نسائی علل حدیث بیان فرماتے ہیں۔
 - (۶) امام ابن ماجہ سب احادیث لاتے ہیں حتیٰ کہ ضعیف بھی لاتے ہیں تاکہ ذخیرہ حدیث سامنے آجائے۔ اور کچھ چھپانہ جاتے۔
- فائدہ: حضرات اساتذہ کرام کے ہاں رائج ترتیب یہ ہے کہ پہلے ترمذی شریف پڑھائی جائے تاکہ مذہب کا علم ہو جائے پھر ابو داؤد شریف پڑھائی جائے تاکہ دلائل کا علم ہو جائے پھر بخاری شریف تاکہ طرز استنباط کا علم ہو جائے۔ پھر مسلم شریف تاکہ مزید احادیث سے تائید حاصل ہو جائے۔ پھر نسائی شریف تاکہ علل احادیث سامنے آجائیں پھر ابن ماجہ تاکہ نوادر کا بھی علم ہو جائے۔ پھر موطا امام مالکؒ تاکہ آثار سے بھی تائید ہو جائے پھر حنفیہ کیلئے ان سے پہلے موطا امام محمدؒ اور طحاوی شریف کا پڑھنا بھی ضروری ہے۔
- بلکہ آثار اسنن بھی مستحضر ہونی چاہیے۔ (اگر ہو سکے تو مسند لائے الحنفیہ) (للشیخ الامام عبد اللہ بھلوی رحمہ اللہ) مختصر ہے کم از کم ایک نظر سے بھی دیکھ لیا جائے۔

اقسام محدثین کرامؒ

حضرات محدثین کی پانچ قسمیں ہیں:

- ۱... طالب: جو حدیث کے حصول میں بالفعل لگا ہوا ہو۔
- ۲... شیخ: استاذ اور محدث کو بھی کہتے ہیں۔ بعض اہل تحقیق کی رائے یہ ہے کہ محدث یا شیخ الحدیث اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک اس کو تیس ہزار احادیث مع سند و متن یاد نہ ہوں۔
- ۳... حافظ: جس کو ایک لاکھ احادیث مع سند و الفاظ متن یاد ہوں۔

۴۔۔۔ حجت: وہ محدث جس کا علم تین لاکھ احادیث پر محیط ہو۔

۵۔۔۔ حاکم: وہ محدث کہ جتنا ذخیرہ احادیث میسر ہو سکتا ہے وہ سب کا سب اس کو مع سند و متن و مع احوال رواۃ یاد ہو،

کا امام احمد یحییٰ ابن معین وغیرہ۔

مذہبِ اصحاب صحاح ستہ

(۱) حضرت امام بخاریؒ کا فقہی مسلک:

اس میں اختلاف ہے:

(۱) عند بعض شافعی ہیں۔ مشہور غیر مقلد عالم جناب محترم مولانا محمد بن حسن خان نے امام بخاریؒ کو شافعی میں شمار کیا ہے۔

(۲) علامہ ابن تیمیہؒ اور علامہ ابن قیمؒ وغیرہ حضرات نے امام بخاریؒ کو حنبلی قرار دیا ہے۔

(۳) عند بعض حضرت امام بخاریؒ مجتہد تھے۔ پھر اس میں اختلاف ہے کہ مجتہد مطلق تھے یا مجتہد منتسب (یعنی وہ

مجتہد حوالہ امام و مقتدی کے اصول و ضوابط کو پیش نظر کر کے کرا جتھا کرتا ہے)

ہمارے اکابر علمائے دیوبند میں سے حضرت العلام انور شاہ کشمیریؒ اور حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نے مجتہد مطلق ہونے کا قول اختیار فرمایا ہے۔

(حضرت شیخ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ فرماتے ہیں:

ہمارے اکابر میں سے علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ کی مثال امام بخاریؒ کی طرح ہے اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی مثال امام مسلمؒ کی طرح ہے۔)

لیکن دورِ حاضر کے عظیم محقق شیخ الحدیث حضرت محترم مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ فرماتے ہیں:

ہماری تحقیق میں حضرت امام بخاریؒ شافعی المذہب تھے۔ نہ وہ مجتہد مطلق تھے نہ وہ مجتہد منتسب۔

بلکہ وہ شافعی المسلک مقلد تھے۔ مگر اس طور پر مقلد تھے جو اہل علم کی شان کے مناسب ہے۔

بہر حال یہ ایک حقیقت مسلمہ ہے کہ حضرت امام بخاریؒ تارک تقلید اور منکر تقلید نہ تھے۔ (انوار الہام الباری، ص 75، 76)

اس لئے آج کے ترک تقلید اور منکر تقلید کے مدعیان کا امام بخاریؒ کو اپنی صفوں میں شامل کر کے اپنے علمی قد و قامت کو بلند کرنا نہ صرف تاریخ کو جھٹلانا ہے بلکہ اپنی خواہش نفسانی کی تکمیل میں حضرت امام بخاریؒ کی جلالتِ شان سے استہزاء و تحقیر ہے۔ اور علمی دنیا میں ایک بڑے مغالطے کو پھیلانا بھی ہے۔ جن جن حدیث اور روایت حدیث کے سلسلہ میں لمحوں احتیاط کو بھی مجروح کرنا ہے۔ ایسے غیر مقلد کو منصب حدیث ذیب نہیں دیتا۔

(۲) امام مسلم شافعی ہیں۔ (۳) امام نسائی، امام ترمذی اور امام ابن ماجہ بھی شافعی ہیں، البتہ امام ابو داؤد کے متعلق راجح یہ ہے کہ وہ حنبلی

ہیں۔ بہر حال حنفی کوئی نہیں۔ حضراتِ احناف کرام نے حدیث حدیث کی طرف زیادہ توجہ فرمائی جو بلا جہر و روایت ممکن نہیں۔)

مراتب بخاری و مسلم

اس میں بحث ہے کہ ان میں سے افضل کونسی کتاب ہے۔؟

جمہور ائمہ و محدثین کرام بخاری شریف کو درجہ اول دیتے ہیں۔۔۔ لیکن بعض حضرات نے مسلم شریف کو افضل کہا ہے۔۔۔ چنانچہ ابوعلیٰ نیشاپوری کہتے ہیں: ماتحت اذیم السماء اصح من کتاب مسلم۔۔۔ جمہور اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ اس سے زیادہ سے زیادہ بخاری شریف کی تقدیم کی گئی ہوتی ہے مسلم شریف کا فائق ہونا ثابت نہیں ہوتا، زیادہ سے زیادہ مساوی معلوم ہوتی ہے۔

اس جملہ کا صحیح مطلب یہ ہے کہ امام مسلمؒ اپنی کتاب میں بالاصلات ہی مرفوع اور صحیح احادیث لاتے ہیں تعلیقات و موقوفات سے انہوں نے احتراز فرمایا ہے۔۔۔ جبکہ امام بخاریؒ مرفوعات کے علاوہ موقوفات و تعلیقات کثرت سے لاتے ہیں کئی جگہ ترجمۃ الباب کا جز بھی بنایا۔۔۔ اس تناظر میں مسلم شریف زیادہ صحیح ہے۔ اسی طرح مسلم بن قاسم قرطبی کا قول ہے: لم یصنع احذم مثله، اس سے بھی مسلم شریف کی فوقیت معلوم ہوتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قول بھی جمہور کے قول کے معارض نہیں ہے کیونکہ جمہور کا بخاری شریف کو درجہ اولیت قرار دینا بصراحت ہے اور مسلم بن قاسم کا قول حسن صناعت کے لحاظ سے ہفلا تعارض۔

چنانچہ حافظ عبد الرحمن بن علی رجبؒ یعنی شافعی فرماتے ہیں:۔

لدى يقال ائ ذین یقنم

تنازع قوم فی البخاری و مسلم

کما فاق فی حسن الصناعة مسلم

فقلت لقد فاق البخاری صحۃ

خلاصہ یہ کہ بعض وجوہ سے اگرچہ مسلم شریف کو فضیلت حاصل ہے، تاہم کلی طور پر تلقی بالقبول کے لحاظ سے بخاری شریف کو فوقیت و مقام حاصل ہے۔

مسلم شریف کی فضیلت کے دلائل

- (۱) امام مسلمؒ دو اسناد کا ذکر کر کے ہر ایک کے الفاظ الگ الگ بیان فرماتے ہیں، جبکہ امام بخاریؒ صرف ایک کے الفاظ ذکر کرتے ہیں کیونکہ معنوی لحاظ سے کوئی فرق نہیں پڑتا دونوں جاتر ہیں۔۔۔ لیکن امام مسلمؒ کا طرز ادبی ہے۔
- (۲) امام مسلمؒ ایک ہی حدیث کے مختلف الفاظ یکجا بیان کر دیتے ہیں۔۔۔ امام بخاریؒ اس کو ابواب متفرقہ و مختلف میں بیان کرتے ہیں۔۔۔ بلکہ بعض دفعہ تو امام بخاریؒ ایک حدیث کو ایسی جگہ بیان فرماتے ہیں جہاں اس کے ملنے کی کوئی امید نہیں ہوتی۔ اس لئے تلاش کرنے والے کہہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث بخاری میں نہیں ہے۔ جبکہ حدیث کتاب میں موجود ہوتی ہے۔

بخاری شریف کی فضیلت کے دلائل

- (۱) جمہور کے نزدیک فضیلت کے دلائل میں سے پہلی دلیل یہ ہے کہ بخاری شریف کے اندر متکلف فیہ صرف اسی (۸۰)

راوی ہیں جبکہ مسلم شریف میں ۱۶۰ راوی ہیں، اگرچہ ان پر ایسے اعتراضات نہیں ہیں کہ حدیث معیارِ صحت سے نکل جائے تاہم پھر بھی غیر متکلف فیہ راوی اولیٰ وارجح ہے متکلف فیہ راوی سے۔

(۲) بخاری شریف کے جو متکلف فیہ راوی ہیں وہ امام بخاری کے بلا واسطہ استاذ ہیں، ان کے حالات امام بخاریؒ پر بالکل واضح تھے، جبکہ مسلم شریف کے جو متکلف فیہ راوی ہیں وہ امام مسلم کے بلا واسطہ استاذ نہیں بلکہ درمیان میں واسطے ہیں۔

(۳) امام بخاریؒ کے نزدیک عن والی روایات میں راوی اور مروی عنہ کا لقاء ضروری ہے اگرچہ ایک مرتبہ ہی کیوں نہ ہو۔ جبکہ امام مسلمؒ کے نزدیک دونوں کے زمانہ کا ایک ہونا اور ہم عصر ہونا اتصالِ سند کے لئے کافی ہے، بالفاظِ دیگر امکانِ لقاء کافی ہے اگرچہ ثبوتِ لقاء نہ بھی ہو۔

ظاہر ہے کہ امام بخاریؒ کے طرزِ روایت میں احتیاطِ زیادہ ہے اس لئے یہ بھی ایک وجہ ترجیح ہے۔

(۴) چوتھی دلیل: بخاری شریف میں استنباطات فقہیہ بکثرت ہیں جبکہ یہ چیزیں مسلم شریف میں نہیں ہیں۔

(۵) بخاری شریف میں ایسے عجیب و غریب علمی نکات ہیں جو بہر حال مسلم شریف میں نہیں ہیں۔

(۶) امام بخاریؒ نے اس درجہ عمدہ و نفیس تراجم قائم کئے ہیں جو صحیح معنی میں محیر العقول اور انتہائی عمیق ہیں جبکہ مسلم شریف

میں اس طرز کا فقدان ہے۔ (۷) علومِ سنت کی جو جامعیت صحیح بخاری میں ہے وہ صحیح مسلم میں نہیں ہے۔

فائدہ جلیلہ

صحیح بخاری شریف کے تمام کتبِ حدیث پر فائق ہونے یا اصح الکتاب بعد کتاب اللہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ صحیح بخاری شریف کی ہر ہر حدیث دوسری تمام کتبِ حدیث کی ہر ہر حدیث پر فائق ہے کہ اس کی وجہ سے ان کو مرجوح سمجھا جائے۔ اس لئے کہ بخاری شریف کے علاوہ دیگر کتب میں بہت سی احادیث ایسی موجود ہیں جن کی سند عند الحدیث بخاری کی سند سے بھی زیادہ قابلِ وثوق ہے۔ صحاح ستہ میں سے آخری درجہ کی کتاب ابن ماجہ میں مولانا عبدالرشید نعمانیؒ نے مائمس الیہ الحاجہ میں بہت سی ایسی روایات پیش کی ہیں جن کی سند بخاری شریف کی نسبت زیادہ قابلِ وثوق ہے۔

خلاصہ یہ کہ بخاری شریف کی تمام احادیث اگرچہ صحیح ہیں لیکن تمام صحیح حدیثوں کا مجموعہ بخاری میں جمع نہیں ہو گیا۔ بلکہ دیگر کتبِ حدیث میں بہت سی صحیح حدیثیں موجود ہیں۔

اسی طرح بعض لوگ لفظ ”صحیح“ کا لغوی معنی لیکر یہ سمجھتے ہیں کہ بخاری کی ہر حدیث نفس الامر اور واقعہ کے مطابق ہے۔ جبکہ امام بخاری کی مراد محض سند کی صحت کو اپنے معیار کے مطابق بنانا ہوتا ہے جو کہ صحیح کی تعریف پر پوری اترتی ہو کہ وہ متصل بھی ہے، رواۃ عادل اور تام الفہم بھی ہیں کوئی علت اور شذوذ اس میں نہیں ہے۔ اس تعریف پر پورا اترنے کے باوجود آپؒ کی طرف اس کی نسبت ظنی ہوتی ہے جب کہ وہ حد تو اترا کونہ پہنچے۔ حدیث کا بڑا ذخیرہ تو اخبارِ آحاد ہی کا ہے جو مفید ظن ہے۔ جو یقین کے قریب ہو۔ لہذا اس کے معارض کوئی ایسی چیز آجائے جو عقلاً، نقلاً، روایۃً و درایۃً صحیح حدیث سے کچھ

زیادہ ہو یعنی اصح ہو تو اس صحیح حدیث کو ترک بھی کیا جاسکتا ہے اگرچہ وہ بخاری شریف ہی کی کیوں نہ ہو!

___ اسی طرح بخاری شریف کی سند قوی کے ساتھ روایت ہے مگر محتمل الدلالة ہے اور اس کے مقابل ایک روایت سند اس سے کم درجہ کی ہے مگر قطعی الدلالة اور قابل استدلال بالیقین ہے تو اس کو راجح قرار دیا جائے گا۔ مثلاً بخاری میں حدیث مل جائے گی: لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب جو محتمل الدلالة ہے اگرچہ تمام رجال ثقہ ہیں مگر من كان له امام فقراء الا امام له قراءة یہ مقتدی کے بارے میں قطعی الدلالة ہے۔ اگرچہ صحاح ستہ میں بھی نہیں مگر سند اس کی مضبوط ہے۔ جو سند احمد بن منیع اور مسند عبد ابن حمید میں ہے۔

اب حقیقت شناس صرف یہ نہیں دیکھے گا کہ روایت صحاح ستہ میں نہیں آئی بلکہ وہ صحت سند کے ثبوت کے بعد قطعی الدلالة ہونے کو دیکھے گا۔

خلاصہ یہ کہ ہر صحیح حدیث کا قابل استدلال ہونا ضروری نہیں۔ اس میں ”محتمل الدلالة“ یا ”وہم راوی“ یا ”تعارض“ کا احتمال ہو سکتا ہے۔ اس لئے عمل و استنباط میں صرف صحیح ہونا کافی نہیں بلکہ اور بھی بہت سی چیزوں پر نظر رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ حنفیہ کا جرم یہ ہے کہ وہ محض سند کی صحت کو نہیں دیکھتے بلکہ اس کے مجموعی پس منظر قرآن و حدیث سے ثابت شدہ اصول اور دوسرے دلائل کو مد نظر رکھ کر فیصلہ کرتے ہیں۔

مگر یہ بدنامی ان کے سر تھوپ دی جاتی ہے کہ انہوں نے صحیح حدیث چھوڑ دی۔۔۔ حالانکہ انہوں نے ترک حدیث نہیں کیا بلکہ دوسری احادیث یا شریعت کے دیگر اصولوں پر عمل کیا ہے۔ جیسے دخول فی المسجد کے نوافل صحیح حدیث سے ثابت ہیں لیکن اوقات مکروہہ سے تصادم نہ ہو، دیگر دلائل سے واضح ہے۔

خلاصہ یہ کہ اہل حدیث نہیں بننا چاہیے بلکہ اہل سنت بننا چاہیے۔ سنت میں ان باتوں کا احتمال نہیں ہوتا۔ یہ فقہاء کرام کی نگاہ دور بین سے پرکھی ہوئی چیز ہوتی ہے۔ فافہم و قدبر!

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے: حضرت میمونہؓ کا وصال مدینہ طیبہ میں ہوا۔ سنداً یہ روایت صحیح ہے۔ مگر امت کا اجماع ہے کہ وفات مقام سرف میں جو مکہ کے قریب ہے وہاں ہوئی۔ تو کسی حدیث میں وہم راوی ہو جانا صحت حدیث کے معنائی نہیں۔ صحیح ہونے کے معنی نہیں کہ نفس الامر کے مطابق ہے۔ غلطی کا احتمال بہر حال باقی رہتا ہے۔

اسی طرح تعارض کی مثال یہ ہے: حضرت زینبؓ، ان کے خاوند حضرت ابوالعاص کی حالت شرک کی وجہ سے تفریق ہو گئی تھی۔ پھر چھ ماہ بعد اسلام قبول کیا۔ اب دو روایات ہیں (۱) ایک یہ کہ حضرت زینب بلا کلاخ واپس کر دی گئیں، یہ روایت سنداً صحیح ہے، ترمذی شریف میں ہے اور دوسری بھی ترمذی میں ہی ہے کہ کلاخ جدید اور مہر جدید طے پایا تھا۔ امام ترمذیؒ نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے اور فرمایا وعلیہ عمل اہل العلم، یہ محدثینؒ فرماتے ہیں، حنفیہ نہیں۔ صحیح کے مقابلے میں ایک ضعیف حدیث کو عملی لحاظ سے ترجیح دی گئی ہے۔ کیونکہ ”شُرک“ باعث تفریق ہے یہ ایک مسلمہ و متفقہ اصول ہے۔ (از انعام الباری 1/122)

کیا بخاری شریف صرف حدیث کی کتاب ہے؟

حضرت امام بخاریؒ کو مجتہد مطلق کے درجہ پر فائز مانا جاتا ہے اگرچہ ان کا مذہب و مسلک باضابطہ مدون و مرتب نہیں۔ تاہم تجزیاتی طور پر یہ کہنا بھی قرین قیاس ہے کہ امام بخاریؒ نے اپنے مستنبط مسائل کو تراجم و ابواب میں سمودیا ہے۔ ترجمہ بطور دعویٰ ذکر فرماتے ہیں جو ایک مسئلہ فقہی ہوتا ہے اور آنے والی حدیث اس کی دلیل ہوتی ہے۔ اپنے اسی فقہی ذوق کی وجہ سے بعض اوقات بقدر ضرورت دلیل (حدیث) ذکر فرماتے ہیں۔ روایت کا پورا متن بھی ذکر نہیں فرماتے۔ بخاری شریف میں بخلاف دیگر احادیث کی تعداد چار ہزار کے قریب ہے۔ جبکہ تراجم ابواب کی تعداد ساڑھے چھ ہزار سے زیادہ ہے۔ اسی تناظر میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ بخاری شریف میں احکام و مسائل کی تعداد زیادہ اور احادیث کی تعداد کم ہے۔ یہ فقہی ترتیب کی علامات ہیں۔

قرآن و فقہ یا حدیث و فقہ الگ چیز نہیں۔ قرآن و حدیث متن ہیں ان سے مستنبط مسائل فقہ ہیں۔ ان میں تضاد سمجھنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص دی اور گھی کو دیکھ کر اس کو دودھ کا تضاد مان لے۔ حالانکہ دودھ کی صورت میں پہلے درجہ پر ایک ہی چیز ہے۔

ترجمة المؤلف

حضرت امام بخاریؒ کا نام نامی محمد بن اسماعیل، کنیت: ابو عبد اللہ ہے اور سلسلہ نسب اس طرح ہے:

محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بن یزید بن جعفر بن بخاری۔ برزنجیہ افاری کا لفظ ہے، اس کا معنی کاشکار کے آتے ہیں۔ ان کے متعلق تصریح ہے کہ یہ مسلمان نہیں ہوئے، مجوسیت کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوئے۔ پھر ان کے بیٹے مغیرہ یمان جعفی جو بخارا شہر کے والی تھے۔ ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ اور ان سے عقد موالات بھی کیا۔ اس لئے امام بخاریؒ کو جعفی بھی کہتے ہیں۔ جعفی کی نسبت امام بخاریؒ کی اپنے قبیلہ کی طرف نہیں ہے۔ امام بخاریؒ کے دادا حضرت ابراہیم کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

واما ولدہ ای ولد المغیرہ: ابراہیم بن المغیرہ فلم نقف علی شیء من اخبارہ۔ البتہ امام بخاریؒ کے والد ماجد حضرت اسماعیلؒ (ان کی کنیت ابو الحسن ہے۔) جید علماء میں سے تھے۔ چنانچہ ابن حبانؒ نے ان کا کتاب الثقات

حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ فرماتے ہیں: عام طور پر مؤرخین و شارحین نے یہ لفظ اسی طرح ضبط کیا اور اس کے معنی ”کسان“ تحریر فرمائے ہیں لیکن روس کے ایک مشہور عالم سے میری مکاتبت ہوئی تو انہوں نے اس لفظ کی صحیح تعریب ”بردارہ“ قرار دی یعنی دال کے بعد الف ہے اور اس کے معنی میقل اور ماہر کے بتاتے ہیں۔ یہ عالم صرف دھوکے بہت بڑے عالم ہیں اور ان بلاد کی زبانوں سے بھی پورے طور پر واقف ہیں اس لئے ان کی تحقیق قابل اعتماد ہے۔ (تذکرہ ائمہ اربعہ مشہور محدثین ص 38 حاشیہ 2 بحوالہ صحیح بخاری شریف کا آخری درس از مولانا مفتی محمد عمر فاروق لوہاری دامت برکاتہم شیخ الحدیث دارالعلوم لندن ص 20)

میں ذکر کیا ہے اور فرمایا: اسماعیل بن ابراہیم والد البخاری بیرونی عن حماد بن زید و مالک۔ حضرت اسماعیلؒ کے تقویٰ کا یہ حال تھا کہ اپنی وفات کے وقت فرمایا: لا اعلم فی جمیع مالی درہما من شبہة نیز موجود حضرات محدثین سے فرمایا: میرے اسی مال سے میرے بچے کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا جائے۔ حضرت اسماعیلؒ طبقہ اربعہ کے راوی ہیں قالہ ابن حجر (درس شامی، ص 11)

ولادت و وفات:

امام بخاریؒ کی ولادت جمعۃ المبارک ۱۳ شوال المکرم ۱۹۴ھ نماز جمعہ کے بعد بخاریؒ میں ہوئی اور وفات خرتنگ۔ ابو جعفر قند کے مضامین میں ایک گاؤں ہے۔ اتوار کی رات جو عید الفطر کی بھی رات تھی۔ ۲۵۶ھ میں وفات ہوئی۔ کل عمر ۶۲ سال تھی۔ ان کے والد ماجد بخجین ی میں فوت ہو گئے تھے۔ آبائی وطن بخاریؒ ہے۔ امام بخاریؒ کی بیٹائی بخجین میں جاتی رہی۔ والدہ محترمہ ان کے لئے بڑی آہ و زاری سے دعائیں کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ خواب میں حضرت سیدنا ابراہیمؑ کی زیارت ہوئی۔ تو فرمایا: اللہ نے آپ کی دعا کی وجہ سے آپ کے بچے کی آنکھیں واپس کر دی ہیں۔ صبح اٹھ کر دیکھا تو بیٹائی واپس آچکی تھی۔ (سبحان اللہ)

طلب علم:

ابو جعفر وراق نے امام بخاریؒ سے سوال کیا: کیف کان بدء امورک۔ جواب میں فرمایا: میں مکتب جاتا تھا۔ اسی وقت مجھے حفظ حدیث کا الہام کیا گیا۔ اس وقت میری عمر دس سال کے قریب تھی۔ سولہ سال کی عمر میں امام بخاریؒ نے ابن مبارک، وکیع، اور اصحاب الرائے کی کتب یاد کر لی تھیں۔ اور ۲۱۰ھ میں جبکہ امام بخاریؒ کی عمر شریف ۱۶ برس کی ہوئی تو اپنے والد ماجد کی پاکیزہ کمائی سے اپنے بھائی احمد اور اپنی والدہ کے ہمراہ حج مبارک کو تشریف لے گئے۔

حج مبارک کے بعد اساتذہ حجاز سے حدیث حاصل کرنے کے لئے وہیں ٹھہر گئے۔ محترمہ والدہ اور بھائی واپس آ گئے۔ جس جگہ تعلیم تھی وہاں کھانے کا انتظام نہیں تھا۔ طلبہ کرام باری باری مزدوری کرتے اور مل کر کھاتے۔

ایک روز امام صاحب نے فرمایا ”جس روز مزدوری کی باری ہوتی ہے اس روز تکرار میں مزہ نہیں آتا۔ لہذا میں باری نہیں کروں گا۔“ دوسرے طلبہ کرام نے کہا پھر کھانا بھی نہیں ملے گا۔۔۔ چنانچہ کئی روز بھوکے رہے۔ اس وقت کے خلیفہ کو آپؒ کی زیارت ہوئی کہ میرے مہمان بھوکے ہیں۔ وہ خلیفہ بیدار ہوا تو بہت پریشان ہوا۔

تلاش کے بعد کسی نے بتلایا کہ فلاں جگہ طلبہ کرام پڑھتے ہیں وہاں پتہ کرو۔ نگہبش کی تو پتہ چلا محمد بن اسماعیلؒ بھوکے ہیں۔ چنانچہ خلیفہ وقت نے تمام طلبہ کرام کا وظیفہ مقرر کر دیا۔

آپ نے ایک ہزار اسی اساتذہ کرام سے علم حدیث حاصل کیا۔ ان میں سے ایک بھی ایسا نہ تھا جو محدث نہ ہو۔

اس سنی کلہا نام کچھ حدیث حاصل کے وقت بطور سواری گدھ لائے گئے ان کے لئے جگہ تھی تو اس جگہ کلہا نام ہی مناسب سے خرتنگ ہو گیا۔

تلاذہ بخاری:

علامہ ابن حجرؒ نے نقل کیا ہے کہ آپؐ کے تلاذہ کرام کی تعداد کم و بیش نوے ہزار (90,000) ہے۔

تصانیف:

۱۸ سال کی عمر میں ایک کتاب قضایا الصحابہ و التابعین تحریر فرمائی۔ اس کے بعد تاریخ کبیرہ تصنیف فرمائی۔ اس کے علاوہ آپؐ کی تصانیف میں جزء رفع الیدین فی الصلوٰۃ، جزء القراءۃ خلف الامام، اور کتاب الادب، کتاب الضعفاء وغیرہ اور سب سے اہم کتاب بخاری شریف ہے جو دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب عرصہ سولہ سال میں تکمیل کو پہنچی ۲۱۷ھ میں شروع ہوئی ۲۳۳ھ میں ختم ہوئی۔

بخاری شریف کے محل تصنیف میں تعارض اور اس کی تطبیق

تعارض ایک روایت میں ہے کہ ریاض الجنۃ میں غسل و نوافل کے بعد بخاری شریف تصنیف فرمائی۔ دوسری یہ کہ حطیم کعبہ میں لکھی۔ نیز یہ بھی آتا ہے کہ سولہ سال میں تصنیف پایہ تکمیل کو پہنچی حالانکہ سولہ سال قیام مکہ یا قیام مدینہ ثابت نہیں ہے۔ تطبیق: ان روایات میں تطبیق اس طور پر ہے کہ تراجم بخاری مکمل ایک ہی مرتبہ روضہ مطہرہ علی صاحبہا الصلوٰۃ و الصلوٰۃ کے قریب بیٹھ کر لکھے۔ اس کے بعد جتنی احادیث ملتی رہیں، ان کو انتخاب کر کے درج فرماتے رہے۔ باقی حطیم والی روایت اس پر محمول ہے کہ حطیم کعبہ میں بیٹھ کر نظر ثانی فرمائی ہو۔ چونکہ امام بخاریؒ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اپنی الصحیح تین مرتبہ تصنیف کی ہے۔

بعض حضرات کا ارشاد ہے کہ احادیث پہلے لکھیں اور ابواب و تراجم بعد میں قائم کئے ہیں، پھر مسودہ سے تہیض فرمائی ہو۔

حضرت امام بخاریؒ پر دو ابتلاء

جو عموماً امت کے محسنین کے ساتھ روش زمانہ کے طور پر ہوتا چلا آیا ہے۔
امام بخاریؒ پر ان کی زندگی میں مختلف ابتلاء بھی آئے، تاہم دو ابتلاء مشہور ہیں۔

ابتلاء اول

پہلا ابتلاء یہ ہوا کہ مسئلہ خلق قرآن کریم امام احمد بن حنبلؒ کو پیش آیا تھا انہوں نے کہا تھا: کلام اللہ غیر مخلوق: اس پر انہیں کوڑے کھانے پڑے۔ لیکن ان کے شاگردوں نے غلو سے کام لیا اور کہنے لگے کہ قرآن کریم کے کاغذ، گتے، نقوش شدہ مصحف اور جو ہم پڑھتے ہیں یہ سب قدیم ہیں۔

ادھر امام بخاریؒ نے فتویٰ دیدیا کہ لفظی بالقرآن مخلوق۔ یعنی جو ہم زبان سے قرآن کریم تلاوت کرتے ہیں یہ الفاظ مخلوق ہیں قدیم نہیں ہیں۔۔۔ البتہ کلام اللہ جو صفت باری تعالیٰ ہے وہ قدیم ہے۔۔۔ یعنی کلام نفسی قدیم ہے۔۔۔ اس لئے حنابلہ ان کے مخالف و مقابل آگئے۔ حضرت امام بخاریؒ کو کالی گلوچ کرتے تھے۔۔۔ اس صورت حال سے نیشاپور سے نکلنا پڑا۔

ابتلاء ثانی

بخاریؒ کے امیر خالد بن ذہبی نے امام بخاریؒ کے پاس پیغام بھیجا کہ میرے بچے آپ کے پاس حدیث پڑھنا چاہتے ہیں کسی وقت آکر انہیں حدیث پڑھا دیا کریں۔ حضرتؒ نے جواباً کہلا بھیجا کہ میں حدیث کی تذلیل نہیں کر سکتا۔ جس نے یہ بلند علم حاصل کرنا ہو دروازہ کھلا ہے طالب بن کرائے قدر دانی سے پڑھے۔ امیر بخاریؒ نے اس کو منظور کر لیا تاہم کہا کہ بچوں کے ہمراہ میں شرف باریابی حاصل کروں گا۔۔۔ لیکن شرط یہ ہے اس وقت دیگر لوگ تعلیم کے لئے موجود نہ ہوں۔ صرف میرے بچوں کو ہی بطور خاص حلقہ خاص میں تعلیم دی جائے۔

حضرت امام بخاریؒ نے اسے بھی رد فرمادیا اور کہا بحیثیت طالب علم حدیث سب برابر ہیں۔ اس پر اس نے دوبارہ پیغام بھیجوا یا۔۔۔ کہ ممتاز طور پر عام حلقہ سے ہٹ کر خصوصیت کے ساتھ پڑھایا جائے۔ اس پر حضرت امام بخاریؒ نے فرمایا آپ عام طلبہ کرام کے حلقہ درس پر بحیثیت امیر و گورنر پابندی لگا دیں۔ میں اللہ کے ہاں معذور ہو جاؤں گا۔۔۔ اس کے بعد میں خاص وقت آپ کے بچوں کے لئے کھالوں گا۔ یہ بھی اس کو ناگوار خاطر گذرا۔۔۔ امیر کو اس بات پر غصہ آیا اور وہ سچ پا ہو گیا۔ اس نے حضرت امام بخاریؒ کو بخاریؒ سے نکل جانے کا حکم دیدیا۔۔۔ چنانچہ حضرت امام بخاریؒ نے بخاریؒ کو اوداع کہا اور نکلنے وقت دعا کی:

اے اللہ! جس طرح اس امیر نے مجھے نکالا ہے تو بھی اس کو اسی طرح ذلیل و رسوا کر کے یہاں سے نکال دے۔

چنانچہ ایک ماہ سے پہلے اس امیر سے حاکم اعلیٰ کسی غلطی پر ناراض ہو گیا اور حکم دیا کہ اسے معزول کر کے گدھے پر سوار کرایا جائے۔ اور منہ کالا کر کے پورے شہر میں گھمایا جائے۔۔۔ اور پھر شہر بدر کر دیا جائے۔

صدق رسول اللہ ﷺ: من عادى لي ولياً فقد اذنته بالحرب (او کما قال ﷺ)

سانحہ ارتحال امام بخاریؒ

حاکم بخاریؒ نے جب بخاریؒ سے نکل جانے کا حکم دیدیا اور اہل سمرقند کو اطلاع ہوئی انہوں نے حضرت امام کو سمرقند تشریف آوری کی دعوت دی جس کو قبول کر لیا گیا۔

تاہم جب سمرقند سے تین فرسخ کا فاصلہ گیا تو ایک بستی خرتنگ پہنچ کر امام بخاریؒ کو معلوم ہوا کہ اہل سمرقند مذہب کا شکار ہیں۔ لہذا امامؒ نے مستحکم فیصلہ ہونے تک اسی بستی میں غالب بن جبریل کے ہاں بطور مہمان پورا رمضان گزارا۔ اسی تناظر میں یہ دعاء فرمائی:

اللهم ضاقت علی الارض بمار حبت، فاقبضنی الیک غیر مفتون

آخری دن اہل سمرقند نے بالاتفاق دعوت دی اور ایک قاصد روانہ کیا۔ جس نے چاند رات میں اطلاع دی۔ حضرت امام تیار ہو کر سواری کی طرف چلے۔ اچانک ضعف محسوس ہوا زمین پر بیٹھتے ہی مالک حقیقی سے جا ملے۔ یکم شوال المکرم ۲۵۶ھ کو وفات ہوئی۔

غالب کا کہنا ہے بعد از وفات جسم اطہر سے اس قدر پسینہ جاری ہوا جیسے غسل کا پانی جمع ہو گیا۔ دفن کے بعد آپ کی قبر مبارک سے مشک و عنبر سے بھی زیادہ عمدہ خوشبو آنے لگی۔ اس کرامت کے ظہور کے بعد دشمن بھی پشیمان ہونے لگے اور مزار مبارک پر آ کر توبہ و استغفار کرتے رہے۔

ع ہائے اس زود پشیمان کا پشیمان ہو جانا

خطیب بغدادی نے حضرت عبدالواحد بن آدم کے حوالہ سے نقل کیا: ایک روز میں ظہر بعد سو گیا۔ خواب میں آپ ﷺ مع صحابہ کرامؓ راستہ میں منتظر پایا۔ دریافت کرنے پر ارشاد فرمایا: محمد بن اسماعیل کا انتظار کر رہا ہوں۔ بعد میں امام بخاریؒ کی وفات کی خبر ملی۔ تو یہ عین وہی وقت تھا جب حضرت امام کو دفن کیلئے لے جایا جا رہا تھا۔

مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہو ترا
نور سے معمور یہ خاکی شبستان ہو ترا

(متعلقہ دور و حدیث شریف)

امام بخاریؒ کی قوتِ حافظہ کا کمال

امام بخاریؒ اپنے بچپن میں محدثِ داخلی کی مجلس میں جایا کرتے تھے۔ یہ مجلس نہایت وسیع ہوتی تھی جس میں اکابرینِ وقت اور جلیل القدر اصحابِ علم شرکت کرتے تھے۔

حضرت امام بخاریؒ صغریٰ کی وجہ سے ایک کونے میں جا کر بیٹھ جایا کرتے تھے۔ تاہم فرماتے ہیں کہ ایک بار محدثِ داخلی نے سند روایت بیان کرنا شروع کی۔ سفیان عن ابی الزبیر عن ابراہیم۔ تو میں نے جسارت کرتے ہوئے عرض کیا کہ ابو زبیر حضرت ابراہیمؒ سے روایت نہیں کرتے۔

انہوں نے مجھے ڈانٹ دیا۔ میں نے پھر عرض کیا: آپ اپنی بیاض و کاپی دیکھ لیں۔ پھر انہوں نے مجھ سے پوچھا کیف ہو یا غلام! اے بچہ پھر یہ سند کس طرح ہے۔ میں نے عرض کیا: ابو زبیر کی بجائے زبیر بن حدی صحیح ہے۔ استاذ محترم محدثِ داخلی نے یہ سن کر میری قلم لے کر اسے اپنی بیاض میں درست فرمالیا اس وقت میری عمر کل گیارہ سال تھی۔

اسی طرح بغداد میں دورانِ تعلیم دیگر رفقاء کرام لکھتے تھے اور یہ نہ لکھتے تھے۔ پھر رفقاء کرام نے کہا یہ آپ وقت ضائع کرتے ہو۔ تو انہوں نے کہا میں تمہیں وہ تمام احادیث سنا دیتا ہوں جو تم نے لکھی ہیں۔ چنانچہ ایک ہی مجلس میں پندرہ ہزار

احادیث سب کی سب سند و متن کے ساتھ سنا دیں۔ نیز بغداد کو پہنچنے پر وہاں کے حضرات محدثین نے امتحان کے لئے دس حضرات کا انتخاب کر کے ان کے سامنے احادیث پڑھیں اور آپ فرماتے گئے لا اعراف: اور بعد میں پوری ترتیب کے ساتھ اولاً غلط حدیث پڑھتے تھے اور بعد میں محبت و ایت کے ساتھ پڑھتے تھے۔ پھر ان لوگوں کو آپ کے حافظہ پر بہت تعجب ہوا۔ آپ کے پسمین رخسار پر ابھی غم و دنا بھرا تھا کہ سفر بصرہ پیش آیا چونکہ سارے عالم پر آپ کی دھاک بیٹھ چکی تھی اس لئے مشہور ہو گیا کہ امام بخاری بصرہ آرہے ہیں۔ اہل بصرہ نے پر زور استقبال کیا، بہت کچھ منت سماجت کے بعد منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا:

اے اہل بصرہ! اگرچہ میں جوان ہوں اور تم میں سے بہت سے شیوخ بھی بیٹھے ہوئے مگر میں آج وہ حدیثیں بیان کروں گا جو اہل بصرہ نے نہیں سنیں باوجودیکہ ان کے راوی اہل بصرہ ہی ہیں۔ ازاں بعد بغداد کا سفر کیا۔ (ارشاد الباری 35)

وجہ تالیف

حضرت امام بخاریؒ کو خواب میں آپ ﷺ زیارت مبارک نصیب ہوئی۔ اور دیکھا کہ: میں آپ ﷺ کے سامنے کھڑا ہوں اور دقتی پکھے کے ذریعہ آپ ﷺ کے جسم مبارک سے کھیاں اڑا رہا ہوں۔ اپنے استاذ محترم حضرت اسحاق بن راہویہؒ سے ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا: آپ کسی وقت آپ ﷺ کے ذخیرہ احادیث سے موضوع اور ضعیف روایات کو الگ کر کے چنانچہ اس کے بعد حضرت امام بخاریؒ نے اپنی یہ کتاب بخاری شریف تالیف فرمائی اور یہ خواب شرمندہ تعمیر ہوا اور خوب ہوا۔

امام بخاری کا ذوق اسلوب

جو آج بھی مشعل راہ ہے۔

امام بخاریؒ نے جب ”لفظی بالقرآن مخلوق“ کا واضح مسلک اختیار کیا تو ان کے استاذ امام محمد بن یحییٰ ذہبیؒ نے ان پر ”ضال و مضل“ کا فتویٰ لگا دیا۔ رد عمل میں امام ابو زرہ اور ابو حاتم نے امام بخاریؒ کی روایات کا بایکٹا فرمادیا۔ اس کے نتیجے میں امام بخاریؒ کو نیشاپور چھوڑنا پڑا۔ امام بخاریؒ کی یہ عظمت کی دلیل ہے امام ذہبیؒ کے فتویٰ کو قبول نہیں فرمایا۔ مقابلہ بھی نہیں کیا اور اس درجہ احترام فرماتے رہے کہ بخاری شریف میں اپنے استاذ محترم سے تیس (۳۰) گلے جھک روایات لی ہیں۔ جو آج بھی بخاری شریف میں درج ہیں۔

آج کے دور میں علمی، دینی، سیاسی اور ذوقی اختلافات ہیں۔ مگر ہم سب کو بے ادبی سے بچنا اور اختلاف رائے کو برداشت کرنا جو حضرت امام بخاریؒ کا ذوق و مشرب ہے۔ یہ ہمارے لئے لائحہ عمل ہے۔

عدد احادیث بخاری شریف

امام بخاریؒ نے چھ لاکھ احادیث سے انتخاب کر کے بخاری شریف کو مرتب فرمایا۔ اس کے بعد منتخب روایات کی تعداد میں اختلاف ہے۔ حضرت امام نوویؒ فرماتے ہیں: مکررات سمیت کل تعداد روایات سات ہزار دوسو پچتر (7275) ہیں اور حذف مکررات کے بعد ساڑھے تین ہزار ہیں۔ (3500)۔

جبکہ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: کل احادیث 9082 (نو ہزار سیاسی) ہیں۔ مکررات کے حذف کے بعد 2500 (بچیس سو) ہیں۔ اس لئے کہ امام بخاریؒ نے ایک ایک حدیث پر پندرہ پندرہ اور سولہ تک ابواب و تراجم قائم فرمائے ہیں۔

سوال: تکرار عیب ہوتا ہے تو ایسی مہتم بالشان کتاب میں اس کا نہ ہونا بہتر معلوم ہوتا ہے۔
جواب: ایک تکرار صوری ہوتا ہے ایک تکرار حقیقی ہوتا ہے۔ تکرار حقیقی اسے کہتے ہیں جو بلا قاعدہ ہو۔ اور جو تکرار تاکید یا تائیس کے لئے ہو اور ادنیٰ قاعدہ پر مشتمل ہو وہ تکرار صوری ہوتا ہے، حقیقی نہیں ہوتا۔ جبکہ ممنوع تکرار حقیقی ہے نہ کی صوری۔

ثلاثیات بخاری

ثلاثیات: بخاری شریف کی وہ روایات ہیں جن میں امام بخاریؒ اور آپ ﷺ کے درمیان صرف تین واسطے ہیں۔ ایک صحابی، ایک تابعی، اور ایک تبع تابعی کا۔ بخاری شریف میں ایسی ثلاثیات کل بائیس (22) ہیں۔ جن میں سے بیس ثلاثیات کے راوی جو حضرت امام بخاریؒ کے استاذ ہیں وہ خفی ہیں۔ جن کے اسماء گرامی اس طرح ہیں:

۱... الضحاک بن مخلد ابو عاصم النبیل: المتوفی: ۲۱۲ھ، ان سے چھ ثلاثیات مروی ہیں۔

۲... مکی بن ابی ابراہیم البلخی المتوفی ۲۱۵ھ ان سے گیارہ ثلاثیات مروی ہیں۔

۳... محمد بن عبد اللہ المثنی الانصاری المتوفی ۲۱۵ھ ان سے تین ثلاثیات مروی ہیں۔

بہر حال ثلاثیات کی بڑی تعداد روایات میں حضرات احناف ہیں۔

فائدہ: ثلاثیات کے رواۃ کے علاوہ حضرت امام بخاریؒ کے اساتذہ کرام میں بے شمار اور استاذ الاساتذہ حضرات احناف

بہت زیادہ ہیں۔

فائدہ: ۲ ان ثلاثیات کو کتاب بخاریؒ میں بڑا مقام حاصل ہے۔ حضرات علماء کرام نے ثلاثیات پر مستقل کتب اور شروحات لکھی ہیں۔ جب ثلاثیات کا یہ مقام ہے تو ثنائیات کا رتبہ و درجہ ان سے بھی کم نہیں بڑا ہوگا۔ جبکہ فقہ خفی کا مدار ثنائیات پر ہے۔ تو فقہ خفی کی جلالت شان اور ضبط و اتقان کا کیا عالم ہوگا۔

اس لئے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ تابعی ہیں۔ تو براہ راست روایت صحابی یا تابعی سے فرماتے ہیں۔ فافہم۔

قال بعض الناس كاتعارف

امام بخاریؒ نے بخاری شریف میں ”قال بعض الناس“ کے عنوان سے اکثر حضرات احناف پر اعتراضات کئے ہیں۔ ان اعتراضات کی وجہ سے بعض حضرات یہ تاثر دیتے ہیں کہ حضرت امام بخاریؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے متعلق اچھی رائے نہیں رکھتے تھے۔ اس لئے نام بھی نہیں لیتے۔ کیونکہ قال بعض الناس کا عنوان تحقیق میں شان کے لئے معلوم ہوتا ہے۔ تاہم یہ بات حقائق کے خلاف ہے۔ بلکہ حضرت امام بخاریؒ غایت تقویٰ کی بنا پر نام نہیں لیتے تاکہ غلط نسبت لازم نہ آئے۔ شخصیت متعین نہ ہونے کی وجہ سے نام نہیں لیتے۔ اس لئے کہ حضرت امام اعظمؒ کے ساتھ فقہ حنفی کی تدوین میں چالیس آدمیوں پر مشتمل ایک علمی جماعت تھی تو کس کس کا نام لیا جائے۔

سوال: حضرت امام ابوحنیفہؒ کی تردید اتنے زوردار طریقہ سے کیوں فرماتے ہیں؟

جواب: یہ بھی غایت تقویٰ کی بنا پر ہے۔ جب کوئی بات ان کی طرف منسوب ہو کر پہنچی اور ان کے علم کے مطابق دین و شریعت کے خلاف نظر آئی تو فوراً تردید کر دی۔

تاہم کتاب کے ان مقامات پر پہنچ کر یہ بخوبی واضح ہو جائے گا کہ اکثر اعتراضات سطحی قسم کے ہیں۔ حضرت امام بخاریؒ کو احناف کا صحیح مذہب پہنچا نہیں یا وہ صحیح طور پر سمجھ نہیں سکے۔

فائدہ: قال بعض الناس کہہ کر امام ابوحنیفہؒ کا ہی نہیں بلکہ بعض مقامات پر شوافع کا بھی رد فرمایا۔ (درس شامی ص 16)

نسب بخاری

امام بخاریؒ کے نوے ہزار تلامذہ ہیں۔ جنہوں نے حضرت امامؒ سے بخاری شریف سماعت کی۔ بخاری شریف کے نسخے انیس (19) کے قریب ہیں۔ جن میں سے مشہور نسخے مندرجہ ذیل حضرات اکابر کے ہیں:

- (۱) ... محمد بن یوسف فربری۔ (یہ گاؤں ہے) (۲) ... ابراہیم بن معقل نسفی۔ (۳) ... حماد بن شاکر۔
- (۴) ... بزدوی۔ (۵) ... حافظ شرف الدین۔ (۶) ... الأصبغی۔ (۷) ... کریمہ بنت احمد۔

زیادہ مشہور اور متداول نسخہ اول ہے۔ اس کے راوی کا پورا نام محمد بن یوسف بن مطرب بن صالح فربری ہے۔

فربری بخارے تقریباً بیس پچیس میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں کا نام ہے۔ اس کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے فربری کہا جاتا ہے۔ ان کی ولادت ۲۳۱ھ کی ہے۔ اور وفات ۳۲۰ھ کی ہے۔ انہوں نے حضرت امام بخاریؒ سے آخر عمر میں دومرتبہ صحیح بخاری پڑھی ہے۔ ایک ۲۳۸ھ میں اور ایک مرتبہ ۲۵۲ھ میں۔ اور خود ۶۳ مرتبہ انہوں نے صحیح بخاری پڑھائی۔ اس لئے ان کا روایت کردہ نسخہ مشہور اور متداول ہے۔

”شروح صحیح بخاری“

صحیح بخاری شریف کی متعدد شروح لکھی گئی ہیں۔ جن میں سے چند درج ذیل ہیں۔

(۱) ... فتح الباری از علامہ ابن حجر عسقلانی: حافظؒ نے زمرہ نوش کر کے بارگاہ حق میں دعاء کی تھی کہ اے اللہ! مجھے حافظ

شمس الدین ذہبی جیسا حافظ عطا کر دیجئے۔ (انعام الباری ۱/۱۳۹)

یہ ایسی عظیم شرح ہے جس کی علمی دنیا میں کوئی نظیر نہیں جو مقام و مرتبہ اس شرح کو نصیب ہوا ہے شاید وہاں۔

حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: حافظ ابن حجر حافظ الدنیا ہیں۔ اور ان کے سامنے ذخیرہ احادیث اس طرح ہے

جس طرح ہاتھ کی باریک خطوط اور لکیریں ہیں۔ یہ حضرت امام بخاریؒ کے سب سے زیادہ مزاج شناس ہیں۔ امام بخاری کے جو

تصرقات، مدارک اور اسالیب ہیں۔ جتنا اور جس انداز میں یہ ان کو سمجھتے ہیں۔ اہل علم کا اتفاق ہے کہ اتنا کوئی نہیں سمجھا۔ تاہم

شافعی المسلک ہیں۔ اس لئے بعض اوقات ان کی شرح میں ”مصحفیت شافعیہ“ کے اثرات نمایاں ہیں۔ جس کی وجہ سے شافعی

مسلک کی حمایت اور اثبات میں بعض اوقات حدود کا بھی پاس نہیں رکھ پاتے۔ (انعام الباری ۱/۳۵-۱۳۸)

جمع طرق میں حافظ ابن حجرؒ کی بلندی کاوش کے بارے میں شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ فرماتے ہیں:

”آپ یہ تصور کیجئے آج ایسا زمانہ آگیا ہے کہ احادیث کی زبردست فہرستیں اور انڈیکس موجود ہیں اور ایسے کمپیوٹر پروگرام

آگئے ہیں کہ ڈسک ڈال دیجئے اور تلاش کے خانہ میں کوئی ایک لفظ لکھ دیجئے تو سینکڑوں کتابوں میں جہاں جہاں وہ لفظ آیا ہو گا وہ

کمپیوٹر پروگرام نکال دیتا ہے۔

میں جب مسلم شریف کی شرح (تملیح المسلم جو کہ چھ جلدوں میں چھپ چکی ہے) لکھ رہا تھا تو کسی ایک حدیث کے طرق

کو جمع کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ اس طرح ایک حدیث کے طرق جمع کرنے کے لئے بعض اوقات کئی دن لگ جاتے تھے۔ یہ

اس وقت کی بات ہے جب فہرستیں تیار تھیں۔ مثلاً مسند احمدؒ میں حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیثیں چلی آ رہی ہیں۔ اگر پانچ ہزار

حدیثیں مروی ہیں تو پانچ ہزار احادیث دیکھو تب جا کر مطلوبہ حدیث ملے گی۔ معاجم میں جیسے معجم طبرانی، معجم صغیر، معجم اوسط اور معجم

کبیر، ان میں شیوخ کی ترتیب پر احادیث ہیں۔ ان سے احادیث نکالنا مشکل ہے۔

لیکن حافظ ابن حجرؒ جب کسی حدیث کی تشریح کرتے ہیں تو اس کے جتنے طرق جہاں جہاں مذکور ہیں، کہاں کہاں یہ لفظ استعمال ہوا

ہے، مسند احمدؒ میں یہ لفظ کہاں استعمال ہوا، وغیرہ وغیرہ، وہ سارے کے سارے ٹیڑھ سطر میں بیان کر دیتے ہیں۔ آدمی حیران ہوتا ہے کہ

آج اتنی سہولتیں میسر ہیں پھر بھی وہ تمام طرق تلاش نہیں کر سکتا۔ لیکن اس دور میں جبکہ فہرستیں تھی نہ ترقی یافتہ آلات، حافظ ابن حجر

عسقلانیؒ نے تمام طرق کس طرح لکھ ڈالے!

مسلم شریف کی شرح لکھنے کے دوران میں نے اس بات کی کوشش کی کہ حافظ ابن حجرؒ نے حدیث کے جتنے طرق اہل کئے

ہیں ان میں کچھ اضافہ کر سکوں۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی نئی بات کہہ سکوں۔ انیس (۱۹) سال کام کیا لیکن انیس سالوں میں بمشکل دس بارہ جگہیں ایسی ہوں گی جہاں حافظ ابن حجرؒ کے نکالے ہوئے طرق پر کوئی چھوٹا سا اضافہ کر سکا ہوں۔

آپ اندازہ کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کے اس بندے نے کتنی محنت کی، اور کیا اس کا مقام ہوگا۔ تو یہ مقولہ غلط نہیں کہ ”لا ہجرة بعد الفتح“ آج بھی بہت سے لوگ اجتہاد کی بات کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم درجال ونحن درجال، یہ کہنا آسان ہے مگر توفیق ایزدی کے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔ (العام الباری 1/35-138)

واصل یہ حدیث مبارک ہے جو فضیلتِ ہجرت کے نسخ پر بدل ہے کتب فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہی سے اقتباس فتح الباری کے بارے میں مقصود ہے کتب الباری کے معرض وجود میں آنے کے بعد کسی اور ”شرح“ کی طرف جانے کی ضرورت نہیں۔ علامہ شکانی رحمہ اللہ سے شرح بخاری لکھنے کی درخواست کی گئی آپ نے فرمایا لا ہجرة بعد الفتح اور معذرت کی۔ (حدیث اور ہم حدیث صفحہ 155 اٹلیا)

(۲)... دوسری شرح عمدۃ القاری ہے۔ المعروف ”شرح جینی“ یہ علامہ حافظ بدر الدین جینیؒ کی عمدہ کاوش ہے۔ فتح الباری کے بعد یہ عظیم شرح بخاری ہے۔ بعض خصوصیات کے لحاظ سے ”فتح الباری“ پر بھی امتیاز و فوقیت رکھتی ہے۔ لیکن بحیثیت مجموعی بہر حال فتح الباری کو زیادہ مقام حاصل ہے۔

علامہ بدر الدین جینیؒ مخفی المسلك عالم ہیں۔ جن کے احساناتِ طلیعہ سے امت مسلمہ خصوصاً حضراتِ احناف کی گردن جھکی ہوئی ہے۔ ان کی شرح بخاری عمدۃ القاری، شرح ہدایہ ”البنایہ“ شرح کنز، شرح مسند امام اعظم وغیرہ فقہ حنفی کا بڑا ماخذ شمار ہوتی ہیں۔ علاوہ ان میں ہر علم و فن میں ان کی تصانیف اتنی زیادہ ہیں کہ حافظ سخاویؒ جیسے مردم شناس اور کسی کی تعریف کے معاملہ میں بہت محتاط بزرگ نے فرمایا میری معلومات میں ہمارے شیخ حافظ ابن حجرؒ کے بعد علامہ جینیؒ سے زیادہ کثیر التصانیف اور کوئی نہیں۔ ان کی سرعتِ تحریر کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ پوری مختصر القدوری ایک ہی رات میں اہل کردی۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: صرف ابن حجرؒ نے فتح الباری لکھ کر شرح بخاری کا حق ادا نہیں کیا۔ اس میں تراجم پر کلام نہیں کیا گیا، البتہ علامہ جینیؒ نے عمدۃ القاری لکھی تو دونوں نے نل کر حق ادا کیا۔ (درس شامی، ص 14)

(۳)... ارشاد الساری از علامہ قسطلانیؒ۔ علامہ چونکہ سب سے متاخر ہیں۔ اس لئے انہوں نے حافظ ابن حجرؒ، علامہ جینیؒ وغیرہ کی شروح کو سامنے رکھ کر خلاصہ اور لب لباب جمع کر دیا ہے۔ انہیں ”خلاصہ“ لکھنے میں خصوصی یدِ طولیٰ اور مہارت تامہ حاصل تھی۔ اس لئے حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا فرمان ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ فرماتے تھے کہ میں اپنی آخر عمر میں صرف علامہ قسطلانیؒ کی شرح دیکھتا ہوں۔

(۴)... مقدمہ تیسیر القاری: از مولانا نور الحق صاحبؒ یہ شیخ عبدالحقؒ محدث دہلوی کے صاحبزادے ہیں۔ یہ تقریر فارسی زبان میں ہے۔

(۵)... ہمارے اکابر علمائے دیوبند نے بخاری شریف کی شروح کے سلسلہ میں جو علمی خدمات سر انجام دی ہیں۔ ان میں سے چند کتب کا اجمالی تعارف یہ ہے۔

۱... فیض الباری از علامہ انور شاہ کشمیریؒ یہ حضرتؒ کی تقریر بخاری ہے جو ان کے معتمد شاگرد حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی

شمس مہاجر مدنیؒ نے قلمبند فرمائی اور چار جلدوں میں مرتب فرمائی۔ اور علامہ محمد یوسف بنوریؒ نے اس پر کچھ حواشی بھی تحریر فرمائے اور اس کی اشاعت فرمائی۔ اور اس کے ساتھ حضرت میرٹھیؒ نے ”الہدایۃ الساری“ کے نام سے اپنی تعلیقات کا بھی اضافہ فرمایا۔ فیض الباری میں بخاری شریف کے ایک ایک لفظ کی شرح تو نہیں ہے۔ لیکن اس میں بہت سی ایسی مباحث جن میں لوگ سالہا سال سرگرداں رہے حضرت شاہ صاحبؒ کے ایک جملہ یا ایک فقرہ سے ان کی گتھی سلجھ جاتی ہے۔۔۔ نیز حضرت شاہ صاحبؒ کے اپنے علوم و معارف جو بڑے گہرے مطالعہ اور بیسیوں کتب کے چھاننے کے بعد حاصل ہوتے۔ اس کا خلاصہ اور عطر ہے جو کہ دنیا میں اور کہیں نہیں ہے۔

۲۔۔۔ لامع الدرداری: حضرت قطب الارشاد حضرت گنگوہیؒ کی بخاری شریف کی درسی تقریر ہے۔ جس کو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد یحییٰؒ کا ندھلویؒ نے دورانِ درس عربی میں ضبط فرمایا تھا۔ اور حضرت شیخ الحدیثؒ نے اس کو مرتب فرمایا اور بڑے ہی مبسوط حواشی تحریر فرمائے۔ حواشی میں حضرت شیخ الحدیثؒ نے حافظ ابن حجرؒ، علامہ حلیؒ، اور علامہ قسطلانیؒ، ان سب کے علمی ارشادات و نکات کو دیکھ کر ان کا خلاصہ اور مجموعہ بھی ذکر فرمایا۔ جس کی وجہ سے اس کی افادیت دو چہند ہو گئی۔

ہمارے اکابر علماء دیوبند خصوصاً حضرت قطب الارشاد گنگوہیؒ کی شان یہ ہے کہ ایسی جگہ بعض اوقات کلام فرماتے ہیں جہاں حقدین میں سے بھی دور دور تک کسی نے کلام ہی نہیں فرمایا اور اس تشنہ گوشہ کو سیراب فرما دیتے۔ مثلاً حدیث ام سلمہؓ جس میں بچہ کی وفات کو چھپایا اور علی الصبح اپنے خاوند حضرت ابو طلحہؓ کو بتایا۔ اس پر اشکال ہے کہ جنازہ میں تاخیر تو پسندیدہ عمل نہیں ہے۔۔۔ حضرت گنگوہیؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کوئی قولی احادیث موجود ہیں کہ تاخیر نہ کرنی چاہیے ان پر عمل ہوگا۔ یہ صحابیہ کا اپنا عمل ہے۔ لہذا ترجیح قولی حدیث کو ہوگی۔ بہر حال یہ شرح عرب و عجم میں اس دور کی جامع ترین شرح کہلائے کی مستحق ہے۔ اس کا علمی پایہ بہت بلند ہے۔

۳۔۔۔ انوار الباری: یہ علامہ انور شاہ صاحبؒ کے شاگرد حضرت مولانا احمد رضا بنوریؒ کی تالیف ہے۔ یہ حضرت شاہ صاحبؒ کے ان شاگردوں میں سے ہیں جو فتانی الشیخ ہیں جیسے حضرت اقدس بنوریؒ اور حضرت میرٹھیؒ۔ بنیادی طور پر یہ کتاب حضرت شاہ صاحبؒ کے افادات اور تشریح پر مشتمل ہے۔ جو بڑی مفصل شرح ہے۔ اس میں بہت علمی مواد اور بڑی قیمتی مباحث ہیں لیکن خیر منضبط۔ بات سے بات نکالی گئی اور نکلتی ہی چلی گئی۔۔۔

البتہ سعودیہ کے سلفی حضرات کے متشددانہ رویے کے رد میں بعض مرتبہ حافظ ابن حجرؒ، امام دارقطنیؒ وغیرہ حضرات کے بارے میں سخت الفاظ استعمال کر گئے ہیں جو علمی دنیا میں مناسب نہیں ہوتے۔ اور رتبہ تقدیم کا احترام اور علمی جلالت شان کے مناصب کے لحاظ سے ”کسی متاخر“ کے لئے یہ اسلوب قرینہ ادب سے میل نہیں کھاتا۔ اس کے علاوہ حضرات اکابر علماء دیوبند کی معتد تقریرات و ثمر و بخاری کے اسماء مبارکہ یہ ہیں:-

- 1: درس بخاری: شیخ العرب والعمیق الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ صدر مدرسین دارالعلوم دیوبند
- 2: فضل الباری: دو جلد از شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند

- 3: تقریر بخاری: از حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ تعالیٰ
- 4: کشف الباری: از حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمہ اللہ تعالیٰ صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان
- 5: نصر الباری: حضرت مولانا محمد عثمان غنی نور اللہ مرقدہ تلمیذ رشید شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہ
- 6: النہج البخاری: حضرت مولانا محمد سرور صاحب مدظلہم شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور (جو جامعہ شریعت دیکھنے کے بعد مرتب کی گئی)
- 7: النہج الساری: حضرت مولانا محمد صدیق صاحب رحمہ اللہ شیخ الحدیث جامعہ خیر المدارس ملتان
- 8: انعام الباری: حضرت شیخ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ
- 9: دلیل القاری: حضرت حکیم العصر مولانا عبد الحمید لدھیانوی صاحب نور اللہ مرقدہ

حکم البخاری

اگر کسی جگہ صرف صحیح بخاری ہو تو پھر اسی کا پڑھنا واجب ہے اور اگر دوسری کتب بھی موجود ہوں تو اس کا پڑھنا وجوب کفایہ ہے بخاری شریف پر عمل کرنا واجب ہے جبکہ اس کے معارض کوئی آیت اور روایت نہ ہو۔ اور اگر موجود ہو پھر عمل ضروری نہیں پھر ترجیح قائم کر کے عمل کیا جاتا ہے جیسا کہ حضرات احناف کا طریقہ عمل ہے۔

طریقہ تدریس حدیث

ابتداء طریق تدریس بالاختصار تھا مختصر تقریر نہایت جامع اور پُر مغز ہوتی تھی۔ پھر ہندوستان میں غیر مقلدین نے سراٹھایا تو انہوں نے یہ پروپیگنڈہ کیا کہ فقہ حنفی حدیث کے مد مقابل اور خلاف ہے۔ اس لئے ضرورت پیش آئی کہ علماء مجتہدین کے دلائل پیش کر کے موازنہ کیا جائے اور فقہ حنفی کو ترجیح دی جائے۔

چنانچہ دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین حضرت العلام مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ نے یہ طریقہ تدریس شروع فرمایا کہ ہر مسئلہ میں ائمہ اربعہ کے مذاہب، دلائل اور فریق مخالف کے جوابات ذکر کیے جائیں گویا فقہ حنفی کی ترجیح کا طریقہ بھی اکابر علماء دیوبند کا ہوا۔



ضرورت اجتہاد

اس پر فتن دور میں آئے روز کے نئے مسائل و حوادث کی وجہ سے پہلے سے زیادہ اجتہاد کی ضرورت ہے اس لئے غیر مقلدین بھی حقیقت میں اجتہاد سے کام لیتے ہیں۔ لیکن اپنے اجتہاد کو عمل بالحدیث کہتے ہیں چنانچہ کسی غیر مقلد سے پوچھ لیا جائے نکاح کے سلسلہ میں ”نانی کی حرمت“ کہاں سے ثابت ہے تو جواب میں کہے گا قرآن کریم کے پارہ 4 کی آخری آیت میں آیا ہے: حرمت علیکم امہاتکم تو یہاں ام الام کو ام پر قیاس کیا گیا ہے۔

تعریف اجتہاد

اجتہاد کا لفظ جہد سے لیا گیا ہے۔ اس کا لغوی معنی ”صرف الہمت و بذل الجہد“ ہے اصطلاحی معنی ”صرف الہمت فی الکتاب و السنۃ لا مستباط المسائل“ ہے۔

اجتہاد کا ثبوت:

قرآن و سنت اور اجماع سے بھی ہے۔

(۱) فاعبروا بالاولی الابصار۔ عبرت کا معنی ہے ایک نظیر کو دوسری نظیر پر قیاس کر کے حکم لگانا۔

(۲) لعلمہ الذین یستنبطونہم:

”البتہ ان میں سے وہ لوگ جان لیتے ہیں جو اس کی تحقیق کر لیا کرتے ہیں“ مراد استنباط و استخراج ہے۔ معلوم ہوا کچھ

لوگ منصب اجتہاد کے قائل ہیں سب نہیں۔ منہم میں من تبعضیہ ہے۔

(۲) حدیث معاذ بن جبلؓ، قال معاذ بن جبلؓ: اجتہد برأیی۔

آپ ﷺ نے اس پر اطمینان کا اظہار فرمایا:

الحمد لله الذی وفق رسولہ رسول اللہ ﷺ لما یرضی بہ رسول اللہ ﷺ۔

۲: طلق بن علیؓ کی روایت ہے آپ ﷺ سے مس ذکر کے بارے میں پوچھا: تو ارشاد فرمایا:

هل هو الا بضعتہ

یہ بھی ایک عضو کا باقی اعضاء پر قیاس ہے کہ جیسے دیگر اعضا کے مس سے وضو نہیں ٹوٹتا تو اس عضو کا بھی یہی حکم ہے۔

س: قبیلہ جہینہ کی ایک عورت آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، عرض کیا: میری والدہ صاحبہ نے حج کی نذر مانی تھی

اور بلا حج مر گئی۔ کیا میں اس کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ ارشاد فرمایا:

اس کی طرف سے حج کرو۔ پھر سمجھانے کے لئے فرمایا اگر آپ کی والدہ صاحبہ پر قرض ہوتا تو اس کی طرف سے ادائیگی کرتی۔ پس اللہ کا قرضہ بھی ادا کرو۔

پس اللہ کا قرض ادائیگی کے زیادہ قابل ہے۔ بندہ کے قرض پر قرض خداوندی کو تقیاس کر کے مسئلہ سمجھایا۔

(۳) (اجماع سے ثبوت)

فقہاء امت نے اجتہاد کیا۔ کسی محدث اور مستند عالم نے اس پر تنقید نہیں فرمائی۔

اجتہاد کے بارے میں کچھ سطحی شبہات کا جائزہ

(۱) سوال: قرآن کریم میں نبیانا لکل شیء ہے تو قرآن کریم سے باہر جانے کی ضرورت ہی نہیں۔

جواب: لکل شیء کا تعلق اصول و کلیات سے ہے نہ کہ جزئیات سے اور اجتہادی معاملات میں جزئیات زیر بحث ہوتی ہیں۔

جواب ۲: علی سبیل التسلیم کہ نبیانا لکل شیء قرآن کریم کی خصوصیت ہے۔ مگر طرق تبیان مقدر

ہیں۔ کبھی یہ صراحۃً ہوتا ہے اور کبھی دلالت اور کبھی اقتضاء اور کبھی اشارۃً جوتبیان دلالت اور اشارۃً ہو اس کے اظہار کا نام اجتہاد ہے۔

اس لئے کہ ہر کس و نا کس اشارۃً خداوندی سمجھنے پر قدرت نہیں رکھتا۔ کما قال تعالیٰ: وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

(پ ۱۸) سے وعدۃً استخلاف تو عبارتہً اخص سے ثابت ہے اور حضرات خلفاء راشدینؓ کا مؤمن ہونا عبارتہً اخص سے ثابت ہے۔

اور موعودہ خلیفۃ ہونا اقتضاء اخص سے ثابت ہے۔ کیونکہ آیت شریفہ میں ”مکم“ سے مؤمنین موجودین کو مخاطب کیا گیا ہے۔

لہذا ان مؤمنین موجودین میں سے جو خلفاء بنے ان کا ایمان اور عمل صالح قرآنی سے ثابت ہے ان اوصاف سے موصوف چار

خلفاء راشدین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔

حضرت حسنؓ اور حضرت معاویہؓ اس وعدۃً خداوندی کا مصداق نہیں ہیں۔ کیونکہ نزول آیت کے وقت حضرت حسنؓ

انتہائی کم سن تھے اور حضرت معاویہؓ مسلمان نہیں ہوئے تھے، البتہ توسعاً حضرت حسنؓ کی چھ ماہ کی حکومت پر خلافت راشدہ کا

اطلاق کیا جاتا ہے۔ اور لغوی اعتبار سے حضرت معاویہؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ وغیرہ کی حکومتوں

پر بھی اطلاق ان حضرات کے ذاتی رشد و ہدایت کی بنا پر ہو جاتا ہے۔

قائدہ ۱۔ اس آیت کی تفصیل سمجھ لی جائے تو موعودیت، رافضیت، خارجیت سب کا رد ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس آیت سے ثابت

ہوتا ہے کہ چاروں خلفائے راشدین کا انتخاب مرضی الہی سے ہے۔ اور چاروں کی خلافت قرآن کریم کی موعودہ خلافت سے ہے۔ لہذا

مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے مسائل بھی اسی سے حل ہو جاتے ہیں۔ رافضیوں کا رد اس طرح ہوتا ہے کہ اگر وہ واقعی قرآن مجید کو لٹاتے

ہیں تو پھر اس آیت کی روشنی میں انہیں چاروں خلفاء کے ایمان اور ان کی خلافت کو نبوت کا تکملہ اور تہتمہ ماننا ہوگا۔ اسی طرح موعودیت

صاحب کا بھی رد ہو جاتا ہے کہ اگر وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ کا منتخب کردہ موعودہ خلیفۃ مانتے تو کبھی اقرار پروری کا الزام نہ

لگاتے اور خارجیوں کا بھی رد ہو جاتا ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ موعودہ خلافت کے چوتھے تاجدار ہیں۔ تو پھر معاملہ خلافت میں وہ برحق ہیں اور ان کی خلافت عبوری یا پہنگامی نہیں ہے۔ جن حضرات حکمین (حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ) نے انہیں معزول کرنا چاہا۔ یا جن حضرات نے ان کے مقابلہ میں خلافت کا اعلان کیا ان کی اجتہادی خطا تھی۔ جو حق کے دائرے میں ہے اور عند اللہ ماجور بھی ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے سلسلہ میں تاریخ کی بجائے سب سے پہلے قرآن مجید کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ (ازافات و کیل صحابہؓ حضرت مولانا قاضی مظهر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

فائدہ:

2۔ اکابر دیوبند کے شیخ و مربی قطب عالم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے سلسلہ کی برکات میں سے ایک برکت یہ بھی ہے کہ مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں اعتدال اور شرح صدر نصیب ہوتا ہے۔

(۲) سوال: قرآن کریم میں ہے: فان تنازعتم فی شئء فردوه الی اللہ و الرسول انہما منہما منہما۔ لہذا وہ حجت نہ ہوا۔ قرآن و سنت ہی فقط حجت ہیں۔ اور اجتہاد اس سے ہٹ کر ہے۔ لہذا وہ حجت نہ ہوا۔

جواب: یہ آیت کریمہ تو دلیل اجتہاد ہے نہ کہ اس کی مخالف۔ اس لئے کہ جو احکامات قرآن و سنت میں صراحتہ موجود و مذکور ہیں اس میں ایک ادنیٰ مسلمان بھی تنازع کا نہیں سوچ سکتا۔ چہ جائیکہ مجتہد۔

تنازع تو ایسی چیز میں ہوگا جو کتاب و سنت میں صراحتہ یا بالکل مذکور نہیں ہے۔۔۔ اب اجتہاد کی روشنی میں اسے کتاب و سنت کے مطابق حل کیا جائے گا اور ان دو کی طرف اسے راجع کیا جائے گا۔

فائدہ:

قرآن و سنت اصل الاصول ہیں۔ اور اجماع و قیاس ان کی فرع اور حکماً وحی میں داخل ہیں۔ نیز قرآن و سنت مثبت احکام ہیں۔ اجماع اور قیاس منطہر ہیں۔ اگر ظاہر شدہ مسئلہ میں اختلاف نہ ہو تو اجماع کی حجت سے ثابت شدہ مسئلہ ہے اور اختلاف ہے تو پھر قیاس ہے۔ تاہم نفس ثبوت حکم میں چاروں مقام حجہ میں ہیں۔ (کما فی اصول الفقہ)

اشکال: جب اجتہاد کے قائل ہیں تو آج آپ نے اس کا دروازہ تقلید کر کے کیوں بند کر دیا؟

جواب: ہر شخص مجتہد نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ اس کی شرائط ہیں۔

۱: آیات احکام اور احادیث احکام تمام کی تمام بیک وقت مستحضر ہونا ضروری ہیں۔ آیات احکام تقریباً پانچ سو اور

احادیث احکام تین ہزار ہیں۔

۲: علوم عربیہ صرف و نحو اور لغات میں کمال مہارت رکھتا ہو۔ ۳: قیاس کی تمام انواع سے بہرہ ور ہو۔

۴: اقوال صحابہؓ و فقاہ و خلفائے مکمل شناسا ہو۔ ۵: نسخ و منسوخ پر گہری نظر ہو۔

۶: صاحب تقویٰ ہوتا کہ اجتہاد کرتے ہوئے خواہشات نفسانیہ سے بالاتر ہو کر سوچ سکے۔

دور حاضر میں ایک وقت ایک ہی شخصیت میں ان تمام شرائط کا پایا جانا عرفاً محال ہے۔ اس لئے اجتہاد شدہ مسلک پر چلنا اور تقلید ضروری ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اجتہاد کا دور وازہ بند نہیں ہے بلکہ شرائط اجتہاد مفتوحہ ہیں۔

سوال: سلف صالحین میں ہزاروں مجتہدین کے ہوتے ہوئے یہ اصرار کرنا کہ ائمہ اربعہ کی تقلید کی حدود اور دائرہ سے نہ نکلا جائے۔ یہ کیوں ضروری ہے۔؟

جواب: مقتدیِ واقع ہونے کی کچھ شرائط ہیں۔ ان کے بغیر عامۃ المؤمنین کو کسی کی تقلید نہیں کرنی چاہیے۔
۱: جس کی تقلید کی جائے اس کا مذہب کامل طور پر مدون ہو۔ ائمہ اربعہ کو مخاطب اللہ وہی طور پر یہ مقام و مرتبہ حاصل ہوا کہ ان کو ایسے اجلہ شاگردان مل گئے انہوں نے ان کے مذاہب کو مکمل طور پر مدون کر کے پیش کر دیا۔

اگر مذہب مدون نہ ہو تو ایک شخصیت کی تقلید ناممکن ہے۔ اس لئے ایک عام مقلد مسلمان نماز میں خفیہ پر چلے اور کتاب الصوم میں کسی اور طرف جائے۔ اس طرح کے تمام مسائل کا احاطہ ایک مسلک میں نہ ہو تو آدمی الجھن کا شکار ہو کر رہ جائے گا۔ فافہم۔۔۔

فائدہ:

مقتدی ایک ہی امام کو نہ ماننا چاہیے یعنی ایک متعین مسلک اختیار کیا جائے۔ تلفیق مذاہب درست نہیں۔ کیونکہ اس کا نتیجہ ”امام نفس“ کے پیچھے چلنا ہے۔ اور مذہب کے رنگ میں تکمیل خواہشات کا دور وازہ کھلتا ہے۔ مثلاً ایک شخص نے وضو کیا اس نے مس ذکر و امر آقا کیا تو وہ کہتا ہے کہ اگرچہ میں شافعی ہوں تاہم چونکہ حنفیہ کے نزدیک اس سے وضو نہیں ٹوٹتا لہذا میرا وضو ہے۔ ازاں بعد اس کا خون نکل آیا تو اب کہتا ہے اب بھی میرا وضو ہے اس لئے کہ شوافع کے ہاں دم جاری سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ گویا تقلید شخصی نہ ہو تو مذہب باز پیچہ اطفال بن جائے گا۔ حالانکہ اختلاف شوافع و ذہلوں کے ہاں بالاتفاق وضو ٹوٹ چکا ہے تو یہ تقلید نہ ہوئی، خواہش نفس کا اتباع ہوا۔

اثبات تقلید من القرآن الکَرِیم

۱۔۔۔ فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لاعملمون

ذکر سے مراد افراد مسائل شرعیہ ہیں۔ اور ”اہل“ کی ”ذکر“ کی طرف اضافت اختصاص کیلئے ہے۔ جس کا معنی یہ ہے کہ جو لوگ تمام مسائل جزئیہ شرعیہ کو قرآن و سنت سے اخذ کر سکتے ہیں۔ ان سے دریافت کر کے راہِ عمل اپنائی جائے۔ اور اس مقام بلند کے مالک حضرات ائمہ مجتہدین ہیں۔

۲۔۔۔ واتبع سبیل من اصاب الی۔ نیب الی اللہ کی اتباع کی جائے۔ اس سے تقلید مطلق ثابت ہوتی ہے۔ اور مطلق من حیث الفردی پایا جاسکتا ہے اس لئے کہ محض اعتباری وجود کا کوئی فائدہ نہیں۔

سوال: مندرجہ بالا ترجیحات پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر کن افراد کی تقلید کی جائے؟

جواب: اسلامی ہجری کے مطابق علم و عمل کے بھرپور دور میں دوسری اور تیسری صدی کے علماء نے جن کو قابل تقلید قرار دیا ہے۔ اور ان کا مذہب ہمہ گیر سطح پر عالمی مسائل کو سلجھانے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ ان کی تقلید کی جائے۔ وہ حضرات ائمہ اربعہ ہیں۔ ان میں سے جس کی چاہے تقلید کر لیں۔ ہم چونکہ حنفی ہیں۔ اس لئے حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کی تقلید کرتے ہیں۔

وجوه ترجیح ”فقه حنفی“

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا طریقہ اجتہاد دیگر ائمہ کرام کی نسبت رائج ہے۔

وجہ ترجیح (۱) ترتیب ماخذ میں حسن معیار

اس لئے کہ حضرت امام شافعیؒ اصح مافی الباب کو اختیار کرتے ہیں۔ اس لئے شوافع کا مدار صحت حدیث ہے اور اسی پر انہوں نے اپنا سرمایہ حیات لگایا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرات محدثین کرام میں ایک بڑی تعداد شافعی المسلک نظر آتی ہے۔
حضرت امام مالکؒ تعامل اہل مدینہ کو اپنی فقہ کا مدار قرار دیتے ہیں۔۔۔ باقی روایات کی توجیہ فرماتے ہیں۔
حضرت امام احمد بن حنبلؒ ظاہر حدیث پر عمل فرماتے ہیں اس لئے ایک گونہ اصحاب ظواہر کی موافقت میں چلے جاتے ہیں۔
اسی وجہ سے ان کی فقہ و مسلک میں تعارض ہو نا امر لا بدی ہے۔

ان مذاہب کے علاوہ ایک اصحابِ ظواہر ہیں جو سرے سے اجتہاد ہی نہیں کرتے۔ ظاہر الفاظ حدیث پر عمل کرتے ہیں۔ چنانچہ لایبولن احد کم فی الماء الدائم سے مسئلہ اخذ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ماء دائم یا راکد میں وضو نہ کرو ورنہ وضو صحیح نہ ہوگا۔ ہاں اگر کنارے پر کسی نے پیشاب کر دیا اور پیشاب ماء راکد میں پہنچ گیا تو اس سے وضو کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اس میں محض روایت کے الفاظ کو تو پیش نظر رکھا گیا ہے لیکن مقصدِ حدیث سے التفات نہیں برتا گیا۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ ابتداءً حدیث کو نص قرآنی کے موافق کرنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔ تاکہ دونوں پر عمل ہو جائے۔ اگر موافقت کی کوئی صورت نہ ہو تو نص قرآنی کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس کے بعد حدیث مبارکہ کو لیتے ہیں، پھر اجماع پھر قول صحابی کو لیتے ہیں البتہ قول تابعی کے مقابلہ میں اجتہاد فرماتے ہیں۔ اس لئے کہ حضرت امام صاحبؒ خود بھی تابعی ہیں اور مرعہ اجتہاد پر بھی فائز ہیں۔

قولِ تابعی کے مقابلہ میں اجتہاد کو اختیار کرنے کے سلسلہ میں حضرت امام صاحبؒ کا ارشاد گرامی ہے:

ہم رجال ونحن رجال

اسلئے کہ دونوں اطراف میں تابعی حضرات ہیں۔۔۔۔۔ آج کے دو دینیں یہ فتنہ سرا اٹھا رہا ہے کہ اکابر کی تحقیقات پر اصاغر کی طرف سے عدم اعتماد کے لئے حضرت امام اعظمؒ کی طرف منسوب کر کے اس قول: ہم رجال و نحن رجال، کو دلیل بناتے ہیں جو بالکل صحیح نہیں۔ حضرت امام صاحبؒ چونکہ خود تابعی ہیں اس لئے تابعین کے مقابلہ میں قبولیت قول کے سلسلہ میں فرمایا:

”ہم رجال ونحن رجال“

توقول تابعی کے مقابلہ میں اجتہاد بے ادبی نہیں کہ مجتہد خود تابعی ہے۔

حاصل یہ کہ فقہ حنفی ایسی شانِ فقاہت رکھتی ہے جس میں قرآن و حدیث دونوں معمول بہ بن جاتے ہیں۔

وجہ ترجیح ۲: شورائیت:

فقہ حنفی فرو و احد کی شخصی رائے نہیں بلکہ ان چالیس افراد پر مشتمل ایک مجلس شوریٰ اور اجتماعی ادارہ کی رائے ہے، جن پر اساطین امت کا اطلاق علمی حوالہ سے ہو سکتا ہے۔ پھر ان میں تمام علوم کے ماہرین ہوتے تھے۔ بلا قید و وقت مسئلہ زیر بحث آتا، متفق علیہ یا باختلاف مسئلہ کی تشکیل ہوتی پھر اسے فقہ حنفی کا مسئلہ قرار دیا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ مسئلہ کے حکم میں اگر حضرت امام صاحبؒ کے قریبی اور معتمد شاگرد بھی آپ سے اختلاف کرتے تو اسے معتبر سمجھا جاتا تھا۔ فقہ حنفی کی تمام کتب اور ذخیرہ اس کے حوالہ کے لئے شاہد عدل اور کافی دوائی ہے۔

چنانچہ اس شورائیت کی تائید ایک حدیث نبوی ﷺ سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت علیؑ کا ارشاد ہے:

قلت یا رسول اللہ! ان ینزل بنا امر لیس فیہ بیان امر ولا نہی فمات امرنی؟

قال: تشاوروا الفقہاء والعابدین، ولا تمضوا فیہ رای خاصۃ۔ (طبرانی وسط)

حضرت امام صاحبؒ کی مجلس شورائیت اس کا علمی مصداق ہے۔

وجہ ترجیح ۳: شرفِ اولیت:

فقہ حنفیت کو تقدم و اولیت کا شرف حاصل ہے۔ اس لئے کہ بعد میں آنے والے ہزاروں اختلاف بھی کریں مگر ”نقوشِ راہ“ تو فضیلتِ اولیت کا حامل ہی متعین کرتا ہے اگرچہ جہت اختلاف کا حق بعد والے کو بھی ہے۔

وجہ ترجیح ۴: جلالتِ امام اعظمؒ:

حضرت امام اعظمؒ کی جلالتِ شان اس بات کی متقاضی ہے کہ فقہ حنفی کی امتیازی طور پر تقلید کی جائے اس لئے کہ حضرت امام صاحبؒ نے چار ہزار اساتذہ و مشائخ سے علم حاصل کیا، آپ کے تلامذہ میں بے شمار بلند پایہ محدثین کرام ہیں جن میں خصوصیت سے امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے نام نامی کو ذخیرہ حدیث سے حذف نہیں کیا جاسکتا۔ آپ کی کل مرویات کی تعداد بیس ہزار کے لگ بھگ ہے۔ حضرات اصحاب صحاح ستہ کے اساتذہ کرام پیشتر حضرت امام صاحبؒ کے حلقہ تلامذہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

اگر صحاح ستہ میں سے آپ کے تلامذہ کی روایات نکال دی جائیں تو ناقابلِ بیان حد تک مرویات باقی رہ جائیں۔

حضرت امام صاحبؒ کی تحریف و توصیف میں تقریباً ۲۰ مستقل کتب تحریر کی گئی ہیں۔ جن میں شافعی، مالکی اور حنبلی مصنفین کرام بھی شامل ہیں۔ ۶۷ سے زائد کتب میں آپ کا ضمنی تذکرہ خیر و برکت ہے۔

سب سے پہلے آپ کو حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے آپ کو ”امام اعظم“ فرمایا اور حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

نحن عيال في الفقه عند ابي حنيفة رحمہ اللہ

وجہ ترجیح ۵: تقدم ذاتی: حضرت امام صاحبؒ کو باقی ائمہ کرام پر تقدم ذاتی حاصل ہے اس لئے کہ ان کی احادیث و روایات میں واسطے بہت کم ہیں اور ان احادیث پر ان کی فقہ کا مدار ہے۔ تو جیسے وہ احادیث قوی ہیں وہ فقہ بھی قوی ہے۔ بہت سے حضرات نے آپ کے تابعی ہونے کا قول کیا ہے۔ بالخصوص حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ ابن حجر مکیؒ ان دونوں حضرات نے آپ کا تابعی ہونا تسلیم کیا ہے۔ جبکہ ہر دو حضرات شافعی ہیں۔

وجہ ترجیح ۶: فقاہت ذاتی:

حضرت امام صاحبؒ کی فقہ و دانش کی کبار ائمہ نے شہادت دی ہے کما مر قول الشافعی رحمہ اللہ وقال ابن مبارک رحمہ اللہ: كان افقه الناس۔ ابن راہویہؒ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے حضرت امام صاحبؒ جیسا کوئی فقیہ پیدا نہیں کیا۔

وجہ ترجیح ۷: اوفق بالحديث:

حضرت امام صاحبؒ کی فقہ اوفق بالحديث ہے۔ اس لئے کہ حضرت امام صاحبؒ کو کوشش کرتے ہیں کہ کوئی حدیث زیر عمل آنے سے رہ نہ جائے۔ یہاں تک کہ حدیث متواتر یا مشہور سے نسخ قرآن کریم بھی جائز قرار دیتے ہیں۔ (شاید اس حد تک دیگر ائمہ کرام میں سے کوئی نہیں کیا لیکن پھر بھی ترک حدیث کا الزام آپ پر ہے۔) نیز حدیث مرسل کو بھی حجت قرار دیتے ہیں جس میں تابعی صحابی کو ساقط کرتے ہیں اسی طرح حدیث ضعیف اور قول صحابی کو قیاس پر ترجیح دیتے ہیں۔ حضرت العلامة مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کا ارشاد گرامی ہے کہ میں نے بیس سال تک اپنی علمی زندگی میں فقہ حنفی کو حدیث پر منطبق کرنے کی سعی تبلیغ کی میں نے فقہ حنفی کا کوئی قول یا جزیئہ مخالف حدیث نہیں پایا۔

وجہ ترجیح ۸: مقبولیت عامہ:

فقہ حنفی کو منجانب اللہ قبولیت عامہ حاصل ہوئی ہے۔ حضرت ملا علی قاریؒ کا ارشاد ہے ہر دور میں دولٹ مسلمان حنفی رہے ہیں۔ خلیفہ و ائق باللہ عباسی نے چاہا کہ سد سکندری کا حال معلوم کریں چنانچہ ۲۲۸ھ میں اس کی تلاش کے سلسلے میں سلام نامی شخص جس کو چند زبانوں پر عبور حاصل تھا پچاس آدمیوں کے ساتھ سامان وفد دیکر روانہ کیا۔ بالآخر تلاش بسیار کے بعد وہاں پہنچے جہاں سد سکندری تھی۔ اس کے قریب چیدہ چیدہ بستیاں تھیں۔ سد سکندری کے جو محافظ وہاں موجود تھے وہ سب مسلمان تھے اور مذہب حنفی پر عمل پیرا تھے۔ زبان عربی و فارسی بولتے تھے۔ الغرض جہاں بادشاہوں کی بادشاہت نہ پہنچی وہاں بھی فقہ حنفی کا شہر تھا۔

وجہ ترجیح ۹: جامعیت

حضرت امام صاحبؒ کے تلامذہ کرام اور بعد میں آنے والے فقہاء حنفیہ نے فقہ حنفی کی تدوین و شرح میں گراقتدر خدمات سر انجام دیں۔ حتیٰ کہ کوئی جزیئہ ایسا نہیں ہوگا جو فقہ حنفی میں نہ ہو اور اس کا حکم موجود نہ ہو۔ اس لئے کہ صرف پیش آمدہ مسائل کا ہی

حکم نہیں لکھا بلکہ تقریباً گہرائی سے سوچ کر علی سبیل القرض والتعدیر جزئیات بنا کر ان کا حکم تلاش کیا گیا۔ چنانچہ سائرے بارہ لاکھ مسائل کی جزئیات اور ان کا حکم مدون کیا گیا۔ (انوار الباری)

وجہ ترجیح ۱۰ قانون مملکت بننے کی صلاحیت:

اکثر زمانوں میں فقہ حنفی نافذ رہی۔ حضرت امام صاحبؒ کے شاگرد رشید حضرت امام ابو یوسفؒ قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) تھے اور فقہ حنفی کے مطابق عدالتی امور نمٹائے جاتے تھے۔ یہ خلیفہ ہارون الرشید کا دور حکومت تھا جس کی جغرافیائی طور پر عرب سمیت برما سے لیکر افغانستان تک حدود تھیں۔

ہندوستان (برصغیر) میں جن اسلامی سربراہان نے عنان اقتدار سنبھالی انہوں نے بھی قانونی طور پر فقہ حنفی ہی کو مدار بنایا۔ چنانچہ حضرت عالمگیرؒ نے فتاویٰ عالمگیریہ لکھوائی جسے فتاویٰ ہندیہ بھی کہا جاتا ہے۔ اور خود عالمگیرؒ نے برصغیر پر پچاس برس تک حکومت کی جبکہ مملکت کی قانونی بنیاد فقہ حنفی ہی تھی۔

وجہ ترجیح ۱۱ بشارت نبوی ﷺ

حضرت علامہ سیوطیؒ نے حضرت امام صاحبؒ کے فضائل و مناقب میں ایک کتاب لکھی حالانکہ وہ خود شافعی المسلک ہیں۔ جس کا نام ”تبییض الصحیفہ فی مناقب ابی حنیفہؒ“ ہے اس میں وہ تحریر فرماتے ہیں۔ یہ روایت لو کان العلم بالشریعتنا ولہر جال من ابناء فارس۔ او کما قال ﷺ اس سے مراد حضرت امام ابو حنیفہؒ ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ وہ علوم و مکاشفات جو روضہ اطہر کے قریب مجھے حاصل ہوئے ہیں۔ ان میں یہ بھی ہے کہ فی الحنفیہ طریقہ اہل حق حنفیت میں عمدہ طریقہ ہے۔ یعنی زندگی کا اچھا عمل بہت عمدہ ہے۔

(وجہ ترجیح ۱۲) علاقائی ترجیح:

وجہ ظاہر ہے ہندوپاک میں ہمیشہ حنفیت کا غلبہ ہا اور علمۃ الناس اسی پر عمل پیرا رہے۔ اس لئے دیگر مسالک کو بھی اس عمومی فقہ سے ہٹ کر نئی راہ اپنانے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ اجتماعیت کے ساتھ چلنا چاہیے۔ بڑی حیرت ہی کی بات ہے کہ دو ٹولٹ دنیا کے علماء صوفیہ و عباد نے تو امام صاحبؒ ایسے کم علم اور حدیث رسول ﷺ سے ناواقف شخص کی تقلید کر لی اور باقی ایک ٹولٹ نے امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا اتباع کیا۔ حمیدیؒ و امام بخاریؒ جیسے ارباب علم و فضل کی کسی نے بھی تقلید نہ کی۔ (انوار الباری 23/1)

الامور المتعلقة بسند الحديث

سند حدیث مبارکہ بیان کرتے وقت چند اصطلاحات کا جاننا ضروری ہے۔

(۱) الاسناد: فهو الحکایة عن طریق المتن۔ (یعنی سند بیان کرنا)

(۲) السند: الطريق الموصل الى متن الحديث۔ (یعنی راویان کا بیان)

(۳) المتن: هو الفاظ الحديث التي يتقدم منها السند۔

(۴) ح — بیان سند میں کبھی ح آجاتی ہے۔ اس سے مقصود محدث کا تحویل ہونا ہے یعنی سند میں تبدیلی کا مرحلہ ہے۔

ح — کی شرح میں چار قول ہیں۔ انبیح صح سے مخفف ہے کہ اس طریق سے بھی صحیح ہے۔ ۲: انه ماخوذ من التحویل

کہ تحویل سے مخفف ہے۔ ۳: الحال سے مخفف ہے۔ ۴: الحديث سے مخفف ہے کہ اب حدیث دوسرے طریق سے شروع ہو رہی ہے۔

لفظ ابن کا قاعدہ:

اگر لفظ ”ابن“ دو علمین متناسلین کے درمیان میں ہو یعنی پہلے بیٹا اور بعد میں باپ ہے تو اس کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر شروع سطر میں ہو تو ہمزہ لکھنے میں آئے گا اور پڑھنے میں نہیں آئے گا۔ جیسے محمد ابن عبد اللہ، اگر درمیان کلام میں ہو تو نہ لکھنے میں آئے گا نہ پڑھنے میں۔ نیز اس وقت ابن پہلے اسم کیلئے صفت اور آنے والے اسم کیلئے مضاف ہوگا۔

اگر علمین متناسلین نہیں ہیں پھر لکھنے اور پڑھنے دونوں میں آئے گا مثلاً بیٹے کے بعد دادا کا نام آجائے راوی اپنے دادا سے روایت کرے جیسے محمد بن یزید ابن ماجہ۔ (ماجد والدہ ہے دادا نہیں) عبد اللہ بن امکتوم (اعلیٰ و موزن) عبد اللہ بن ابی ابن سلول [منافق]

الفاظ سند کی تشریح

العلم: جو ذات معین پر دلالت کرے۔

لقب: وہ اسم جو ذات معین پر دلالت کرے مع صفت ملاحہ یا ذمہ، جیسے اعی (بمعنی نابینا) انفس بمعنی پچندھا، فرزدق بمعنی گول گپ۔ کنیت: جو ابن اور اب کی صفت کے ساتھ ذکر کی جائے کبھی یہ اضافت کی نسبت مبنی بر حقیقت ہوتی ہے جیسے ابن عمرؓ اور کبھی مجاز پر مبنی ہوتی ہے جیسے ابو ہریرہؓ، ابو ترابؓ۔ اور کبھی محض برکت کے لئے ہوتی ہے جیسے ابو الفتح، ابو البرکات، ابو الحسنات وغیرہ۔ نسبت: علاقہ یا قبیلہ کی طرف نسبت بیان کرنے کے لئے کسی اسم کے آخر میں یا نسبت لگائی جاتی ہے جیسے مدنی، مکن۔ العرف: جو نام کسی کی تعیین کیلئے مشہور ہو جائے جیسے قلمی نام۔

اتخلص: اس مختصر نام کو کہتے ہیں جو شاعر کلام ختم کرتے وقت استعمال کرتا ہے جیسے

ع اے سراپا نفیسِ انفس دو جہاں

فائدہ: کئی اسماء کے بعد یا نے نسبت والا اسم آجائے تو وہ پہلے علم کی صفت بنے گا جیسے یحییٰ بن وقاص اللیثی، البتہ اگر کسی جگہ نسبت بیان کرنا مقصود ہو اور بیان سند مقصود نہ ہو تو جس علم کے ساتھ یا نے نسبت والا اسم ذکر کیا جائے تو وہ اسی علم کی صفت شمار ہوگی۔ حدثننا واخبرنا: حدثننا کا مخفف ”ثنا“ آتا ہے اور اخبرنا کا مخفف ”انا“ ہے۔

الفرق بین الصحیح والاضحیٰ:

حضرات محدثین جیسے حضرت امام زہریؒ، اکثر اہل حجاز اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے ہاں دونوں الفاظ کے استعمال میں کوئی فرق نہیں البتہ متاخرین کے نزدیک فرق ہے۔

اگر شاگرد پڑھے، استاذ سنے تو ایک ہونے کی صورت میں اصحیٰ اور زائد ہونے کی صورت میں اصحیٰ استعمال کیا جاتا ہے۔ اور اگر استاذ پڑھے اور شاگرد سنے تو حدیثی اور حدیثی استعمال ہوگا۔

فائدہ: امام ذہبیؒ نے ”میزان الاعتدال“ میں لکھا ہے: 300 ہجری سے قبل محدثین اور اس کے بعد متاخرین کا دور ہے۔ (درس شامی، ص 6)

فائدہ: جن حضرات کے نزدیک ان دو الفاظ میں فرق نہیں ان کے نزدیک یہ دونوں لفظ برابر ہیں۔ اور جو حضرات فرق کرتے ہیں ان کے نزدیک پھر یہ بحث چلی کہ ان میں سے کونسا افضل ہے، عند بعض اخبار افضل ہے کیونکہ اس میں تلمیذ کا مینکھ ہے اور بعض کے نزدیک تحدیث افضل ہے کیونکہ صحابہ و اسلاف کا طریقہ یہی ہے۔

قراءة علیہ: قراءۃ مصدر مبنی للفاعل یا مبنی للمفعول ہے، قار یا علیہ یا مقروء علیہ۔ یہ لفظ اس وقت بولا جاتا ہے جب جماعت حدیث میں ایک پڑھنے والا اور باقی سننے والے ہوں۔

وبہ قال: جب سند شروع کی جاتی ہے تو وہ بہ قال کے الفاظ کہے جاتے ہیں یہ تخفیف ہے وبالسند المتصل من القاری الی المصنف قال کلا اس قال کا فاعل مصنف ہے جس کا معنی ہے: سند متصل کے ساتھ ہم کہتے ہیں کہ مصنف نے فرمایا: سلسلہ سند: سند کے تین حصے ہیں۔ ۱: حضرت شیخ الحدیث (مدرس حدیث) سے لیکر حضرت اقدس مسند شاہ ولی اللہؒ بندہ محمد ادریس ہوشیار پوری کی صحیح بخاری کی در سانس اس طرح ہے:

بندہ محمد ادریس ہوشیار پوری عن جامع المقتول والمقتول علامہ محمد شریف کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سابق شیخ الحدیث جامعہ خیر المدارس ملتان عن مولانا محمد انور شاہ کشمیری عن شیخ الہند مولانا محمود حسن عن حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی و قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی کلاہا عن شیخ عبد الغنی مہاجر علی عن شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی عن نبی علی وقت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی عن مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔

۲: دوسرا حصہ حضرت شاہ ولی اللہ سے لیکر مصنف کتاب تک۔ (یہ صحیح بخاری کے شروع میں درج ہے)

۳: تیسرا حصہ حضرت امام بخاریؒ یا مصنف کتاب سے لیکر صحابیؒ یا رسول اللہ ﷺ جو کتاب میں ہر حدیث کے ساتھ موجود ہے۔



آغاز کتاب

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

کتاب بدء الوحي

بسم اللہ سے متعلق بحث:

حضرت امام بخاریؒ نے اپنی عظیم کتاب کو ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ سے شروع فرمایا:

وجہ: حدیث شریف میں ہے کل امر ذی ہال لا یدہ فیہ ہذکر اللہ (تعالیٰ) وبسم اللہ الرحمن الرحیم فہو اقطع۔

(معارف السنو وعمدة القاری)

سوال: حضرت مصنفؒ نے حدیث تسمیہ پر تو عمل کیا حالانکہ حدیث یہ بھی ہے کل امر ذی ہال لا یدہ فیہ بالحمد فہو اقطع۔ (ابن ماجہ) اسی طرح ایک اور حدیث: کل کلام لا یدہ فیہ بحمد اللہ فہو اجزم [کوڑھی ہر اے برکت] (ابوداؤد) ان دو احادیث پر عمل نہ ہوا ہاں اگر خطبہ ذکر فرمادیتے تو ان پر بھی عمل ہو جاتا؟

جواب ۱: ضعف حدیث — حضرت امام بخاریؒ نے تمہید والی حدیث کو ضعیف سمجھا اسلئے عمل نہیں فرمایا — تاہم یہ جواب خود ضعیف ہے اسلئے کہ فضائل میں ضعیف حدیث بھی قابل اعتبار ہے۔

جواب ۲: کتابت حمد کا حکم نہیں اس لئے ممکن ہے قرائت پر عمل کیا ہو کیونکہ حدیث میں ابتداء بالحمد کا حکم ہے کتابت کا نہیں۔

جواب ۳: حدیث کا متن دو طرح ہے، بالحمد کا لفظ بھی ہے اور بسم اللہ بھی ہے۔ کتاب کی سنت بصورت خط، رسالہ کتاب، اس کی سنت بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے۔ اور خطبہ و بیان، منبر و محراب کے حوالہ سے سنت حمد باری تعالیٰ ہے۔ یہ دونوں حدیثوں میں تطبیق ہے۔ ایک کا محل کتاب اور دوسری کا محل خطبہ۔ یہی علماء کے نزدیک پسندیدہ ہے۔

جواب ۴: تاسی بالقرآن یعنی ترتیب نزولی جو قرآن کریم کی ہے اس کو ملحوظ رکھا جائے۔ پہلی وحی اقراء باسم ربک الخ، ہے اور فقرت کے بعد سورۃ مدثر مع بسم اللہ نازل ہوئی، دونوں کے ساتھ حمد نہیں ہے۔

ج ۵: تسمیہ و حمد سے ابتداء کرنے سے مقصود ”ذکر اللہ“ ہے تو بسم اللہ سے ابتداء کرے یا حمد باری تعالیٰ سے دونوں حدیثوں پر ذکر اللہ کے حوالہ سے عمل ہو گیا۔

ج ۷: علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت امام بخاریؒ نے اپنے مسودہ میں بعد از تسمیہ تحمید لکھی تھی۔ لیکن یہو کتابت سے کتاب میں نہیں لکھی گئی۔ تاہم یہ جواب اس لئے کمزور ہے اگر یوں ہی ہو کتابت کا سہارا لیا جائے تو بخاری کے نسخہ پری اعتماد چلائے گا۔

فائدہ: بخاری شریف میں بسم اللہ الرحمن الرحیم 132 مرتبہ ہے۔ علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں تمام آسمانی کتب بسم اللہ سے شروع کی گئی ہیں۔ مگر بسم اللہ الرحمن الرحیم کے الفاظ قرآن کریم کی خصوصیت ہے۔ بسم اللہ درحقیقت شای مہر ہے۔ دستور ہے حکومت کو جب کوئی چیز پسند آجائے تو وہ شای مہر لگا کر خزانہ میں داخل کر دی جاتی ہے۔ جو حکومت کے پاس محفوظ ہو جاتی ہے۔ اسلئے مومن کو حکم ہے ہر کام کی ابتدا بذریعہ بسم اللہ کرنا کہ عند اللہ مقبول اور بابرکت ہو۔ (نصرا الباری ص 174)

ج ۸: حضرت شیخ الحدیثؒ نے ۱۳۸۲ھ میں حج مبارک کے موقع پر خواب دیکھا کہ مجھے مدینہ طیبہ میں بخاری شریف پڑھانے پر مامور کیا گیا اور کوئی معذرت قبول نہ کی گئی جبکہ میں نے کہا میرے پاس کتب حدیث نہیں ہیں۔ اس پر امام بخاریؒ نے جو ساتھ تھے فرمایا میں آپ کے پاس بیٹھا ہوں مدد کروں گا۔ چنانچہ میں نے آغاز درس میں جو خطبہ نہ ہونے کی توجیہات تھیں، وہ ذکر کریں جو ہم ذکر کیا کرتے ہیں۔ اس پر حضرت امام بخاریؒ نے فرمایا:

جنتی توجیہات آپ نے خطبہ نہ لکھنے کی ہیں ان میں سے ایک وجہ بھی نہیں ہے۔ بلکہ اصل وجہ یہ ہے میں نے اپنی اس کتاب کو جز جز لکھا تھا اور ترتیب نہ دے پایا تھا کہ میں دنیا سے چلا آیا تو اصل میں تحمید نہ لکھنے کی وجہ موقع نہ ملنا ہے نہ کہ وہ جو آپ بتا رہے ہو۔

تراکیب نحویہ

بسم اللہ باجاء اسم اللہ مضاف، مضاف الیہ ملکر مجرور ہے۔ اس کا متعلق یا اسم ہے علی مذهب البصریین یا فعل ہوگا علی مذهب الکوفیین۔ پھر اس کا متعلق یا مقدم ہوگا یا مؤخر ہوگا بعض حضرات فرماتے ہیں اسم مقدم محذوف ہوگا، ابتدائی، یا عام فعل ہوگا، ابتداء یا اشرع وغیرہ۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ خاص فعل ہوگا مثلاً کھانا کھا رہے ہیں تو اسکل، پانی پی رہے ہیں تو اشرب۔ ایک دوسری رائے یہ ہے کہ بسم اللہ کا فعل مؤخر مانا جائے، یعنی بسم اللہ الخ۔ اشرع۔ اس وقت معنی یوں ہوگا کہ اللہ ہی کے نام سے شروع کرتا ہوں گویا حصر کا معنی پایا جائے گا۔ اور راجح بات بھی یہی ہے کہ متعلق کو مؤخر مانا جائے۔

اس لئے کہ بسم اللہ الخ، مشرکین کے رد میں نازل ہوئی ہے۔ ان کی بسم اللہ یوں تھی: بسم اللات والعزیٰ۔ اور مشرکین کا صحیح رجب ہی ممکن ہے جب معنی حصر حاصل ہو وہ بھی حاصل ہوگا جب متعلق کو بسم اللہ کے بعد مانیں یعنی اللہ ہی کے نام سے شروع کرتا ہوں، لات وعزیٰ کی نفی مقصود ہے۔

حصر کے معنی کا سبب یہ ہے: التقديم ما حقه التأخیر یفید الحصر۔

در اصل فعل پہلے اور جار مجرور بعد میں آتے ہیں لیکن تقدیم کی وجہ سے حصر کا فائدہ حاصل ہو گیا۔

نیز مشرکین کی بسم اللہ الخ سامنے آنے سے بسم اللہ کے بعد الرحمن الرحیم اللہ تعالیٰ کی دو صفات لانے کی حکمت بھی معلوم ہوگئی۔

سوال: لفظ اللہ کے ساتھ دو صفات ”الرحمن الرحیم“ کی تخصیص کی وجہ کیا ہے؟

جواب: انسان کے تین ادوار ہیں۔ ابتدائی، ابقائی، انتہائی۔ ابتداء میں صفت رحیمیت کی ضرورت ہے، لفظ اللہ سے اسی کی طرف اشارہ ہے۔ ابقاء کیلئے صفت رحمن مشعر ہے۔ اور لفظ الرحیم صفت انتہاء کیلئے لایا گیا ہے۔ معلوم ہوا رحمن سے مقصود دنیوی رحمت اور الرحیم سے رحمت اخروی مطلوب ہے۔

الفرق بین الرحمن والرحیم

الرحمن میں کثرت الفاظ اور الرحیم میں قلت الفاظ ہے۔ قاعدہ ہے کہ کثرت المبانی تدل علی کثرة المعانی اس لئے رحمن کے معنی بھی زیادہ ہوں گے۔ معلوم ہوا کہ رحمن کی رحمت سے تمام کفار و مشرکین، مسلم و غیر مسلم مستفید ہوتے ہیں (دنیا میں) مگر صفت رحیم سے صرف مسلم آخرت میں مستفید ہوں گے۔

سوال: رحمن و رحیم لفظ رحمت سے مشتق ہیں رحمت رقتہ قلب کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ کیلئے اس صفت کا اطلاق صحیح نہیں ہے اس لئے کہ وہ قلب، رقت قلب (انفعالیات) دونوں سے پاک ہے۔

جواب: ۱: رحمت کا ایک مہد اور ایک معنی ہے۔ مہد رقتہ قلب اور معنی احسان و وجود ہے۔ تو اللہ تعالیٰ شانہ پر رحمت کا اطلاق باعتبار قیامت اور مجازاً ہے۔

فائدہ: یہ جواب پسندیدہ نہیں اس لئے کہ وہ سو (۱۰۰) رحمت کا خالق ہے اس لئے مخلوق کو اس کا ایک حصہ عطا فرمایا۔ اس کا ایک حصہ پوری مخلوق پر ہو تو رحمت کا اطلاق حقیقہ ہو اور جس نے سو حصے پیدا فرمائے اس پر مجازاً ہو۔ یہ عجیب منطق ہے۔

جواب ۲: صحیح جواب یہ ہے کہ رحمت کی دو اقسام ہیں صفت خالق، صفت مخلوق مذکورہ بالا تعریف (رقت قلبی) یہ صفت مخلوق کی ہے۔ فلا اشکال، خالق کی جو صفت رحمت ہے اس کی تعریف صرف اور صرف الاحسان والوجود ہے تو باری تعالیٰ پر اطلاق رحمت حقیقہ ہے نہ کہ مجازاً۔

الاسم عند الکوفیین اس کی اصل و ستم ہے جس کے معنی علامت کے ہوتے ہیں و شارح کے قاعدہ سے واؤ کو ہمزہ سے بدل کر اِسْم کر دیا۔ اور عند البصریین اس کی اصل سَمْ ہے آخر سے تخفیف کیلئے واؤ کو حذف کیا اور اس کے بدلے میں شروع میں ہمزہ لایا گیا تو اسم ہو گیا جس کے معنی بلندی کے ہیں۔ یہ بھی اپنی مقابل قسمیں (فعل وحرف) سے اونچا ہوتا ہے۔ اس لئے کہ یہ ترکیب میں مستد اور مستد الید دونوں بن سکتا ہے۔

لفظ اللہ یہ مبارک لفظ عربی لغت کا ہے یا عجمی کا، اس میں اختلاف ہے۔ راجح یہ ہے کہ عربی کا لفظ ہے۔ اسکے بعد یہ اختلاف ہے کہ یہ علم ہر اُسد ہے یا مشتق ہے۔ راجح یہی ہے کہ یہ علم ہر اُسد ہے۔ اگر مشتق مانا جائے پھر اس کا مشتق منہ الع ہے یولہ ہے۔

الرحمن الرحمن اسمان بنما للہ بالغة۔

بَابُ كَيْفَ كَانَ بَدْءُ الْوَحْيِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

بَابُ كَيْفَ كَانَ بَدْءُ الْوَحْيِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَوْلُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ { إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ }

1- حَدَّثَنَا الْخَمِيدِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا سَفْيَانُ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْأَنْصَارِيُّ قَالَ أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ التَّمِيمِيُّ أَنَّهُ سَمِعَ عَلْقَمَةَ بْنَ وَقَّاصٍ اللَّيْثِي يَقُولُ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَلَى الْمُنْبَرِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى دُنْيَا يُصِيبُهَا أَوْ إِلَى امْرَأَةٍ أَوْ بَيْنِكُمْ فَهُنَّ جَزَاءُهَا جَزَاءُ الْيَهُ.

ترجمہ: باب اس بارے میں کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف وحی کی ابتداء کیسے ہوئی

اور اللہ جل شانہ کے قول: بے شک ہم نے آپ کی طرف وحی کی جیسا کہ ہم نے نوح اور ان کے بعد کے انبیاء کی طرف کی۔ حدیث (۱): حضرت علقمہ بن وقاصؓ فرماتے ہیں میں نے حضرت عمرؓ کو منبر پر کہتے ہوئے سنا کہ میں نے حضور اکرم ﷺ سے سنا ہے آپ ﷺ نے فرمایا اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے۔ آدمی کو وہی ملے گا جس کی وہ نیت کرے پس جس شخص نے دنیا کمانے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لئے ہجرت کی تو اس کی ہجرت اسی کام کے لئے ہوگی۔

باب: حضرت امام بخاریؒ نے اپنی کتاب شہیر میں جواب ابواب قائم فرمائے ہیں ان میں لفظ باب لکھ کر جو عبارت اپنی طرف سے ذکر فرماتے ہیں اس کو ”ترجمہ الباب“ سے تعبیر فرماتے ہیں۔ ترجمہ کا معنی یہاں ”عنوان“ ہے۔ امام بخاریؒ نے مختلف اقسام پر مشتمل تراجم قائم فرمائے ہیں۔

تراجم ابواب کی بحث

محدثین کرام سے یہ مقولہ چلا آ رہا ہے ”فقہ البخاری فی تراجمہ“ امام بخاریؒ نے امتیازی طور پر جو ابواب تراجم قائم کئے ہیں وہ ان کی فقیہانہ گہری نظر پر دل ہیں۔ دیگر اصحاب صحاح ستہ نے اس بارے میں مختلف اہداف پیش نظر رکھے۔ چنانچہ امام مسلمؒ احتیاط کو ملحوظ رکھ کر صرف حدیث اہل کرتے ہیں مگر از خود اس کا عنوان قائم نہیں کرتے (اور اب جو تراجم قائم ہیں یہ بعد میں قائم کیے گئے) امام ابو داؤدؒ اور امام ترمذیؒ نے اپنے تراجم میں آنے والی حدیث فی الباب کے جز کو ترجمہ بنا دیا۔ جو گہرا کوئی مسئلہ ثابت ہو رہا ہے تو اس کی ذمہ داری اپنے سر نہ لی۔ البتہ امام نسائیؒ نے جو تراجم قائم کئے وہ استخراج و استنباط کی شان رکھتے ہیں۔ لیکن امام بخاریؒ کے تراجم حضرت امام نسائیؒ سے کہیں زیادہ فائق اور فقیہانہ مہارت پر مشتمل ہیں۔ اسلئے بعض حضرات کہتے ہیں کہ امام بخاریؒ کی شان فقہ انہی تراجم سے دیکھی جاسکتی ہے۔ اسلئے مسائل فقہیہ پر امام بخاریؒ نے مستقل کتاب نہ لکھی اور یہی تراجم ہی ان کی فقہ پر دل ہیں۔

فائدہ:

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں تراجم ابواب امام بخاریؒ کے علوم کے مظاہر ہیں۔ ان کے مجتہد ہونے کی دلیل نہیں۔ کیونکہ فقہ البخاری فی تراجمہ میں فقہ کا اصطلاحی معنی مراد نہیں۔ بلکہ مطلق فقہ مراد ہے۔ (فضل الباری ص 118 ج 1 ملخصاً)
مقاصد تراجم: شرح بخاری نے مختلف تعداد میں مقاصد کے سلسلہ میں سعی فرمائی ہے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نے ستر (۷۰) تک مقاصد ذکر فرمائے ہیں۔

ہر ترجمہ سے متعلقہ گفتگو اپنے مقام پر آنے لگی، جو مقاصد عمومی طور پر تراجم سے متعلق ہوتے ہیں ان کو خبردار بیان کیا جاتا ہے۔

(۱) الترجمة آیت من الآیات:

ترجمہ میں آیت یا متعدد آیات ذکر فرماتے ہیں۔ جس میں اس امر کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ عنوان کے بعد آنے والی حدیث اصل اس کی تفسیر و شرح ہے۔ گویا آیت قرآنیہ حدیث کے بغیر نہیں سمجھا جاسکتا۔ (ایک گونیہ منکرین حدیث پر ہوگی ہے۔)

(۲) الترجمة بحدیث مرفوع لیس علی شرطہ (ای البخاری)

چونکہ شرط بخاری کے مطابق حدیث مرفوع نہیں تھی تو وہ حدیث ترجمہ الباب کے بعد لانے کی بجائے عنوان میں ہی لے آئے۔ مقصود یہ ہے کہ یہ حدیث بھی قابل استدلال ہے اگرچہ شرط کے مطابق نہیں ہے۔

(۳) الاشارة الى بعض طرق الحديث:

ترجمہ الباب بطور دعویٰ ہے اور آنے والی روایت بطور دلیل ہوتی ہے۔ بعض اوقات روایت بطور دلیل دعویٰ سے مطابقت نہیں رکھتی تو امام بخاریؒ دیگر طرق کی طرف اشارہ فرمادیتے ہیں کہ اس روایت کے تمام طرق کو دیکھیں گے تو کسی نہ کسی طریق میں ایسا لفظ موجود ہوگا جو دعویٰ کے مطابق دلیل بن جائے گی۔

اس کی مثال یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت میمونہؓ اپنی خالہ کے ہاں رات کو قیام فرمایا تا کہ آپ ﷺ کے رات کے اعمال دیکھیں۔ اس کا ترجمہ امام بخاریؒ باب السمر باللیل یعنی رات کی گفتگو کے طور پر لائے۔ لیکن اس کی دلیل کے طور پر روایت تہجد باللیل کی ذکر فرمائی۔ تو دعویٰ و دلیل میں مطابقت نہ ہوئی۔ دلیل گفتگو کی چاہیے تھی نہ کہ تہجد کی۔ تو ترجمہ میں اشارہ فرمادیا کہ وہ روایت جو کتاب التفسیر میں دوسرے طریق سے آری ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ صحیح تہجد میں اٹھکر پہلے گفتگو فرمائی تھی پھر قیام تہجد فرمایا۔ گویا ترجمہ حدیث الباب کی بجائے دوسری روایت سے ثابت ہوگا۔

(۴) اثبات بالاولویت:

یعنی ترجمہ میں یہ ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے کہ آنے والی روایت سے جب ادنیٰ فعل ثابت ہو سکتا ہے تو اس کا اعلیٰ فعل بطریق اولیٰ ثابت ہوگا۔ جیسے باب البول قائم و قاعدہ ترجمہ قائم فرمایا آگے جو حدیث بطور دلیل لائے ہیں اس سے صرف بول قائم ثابت ہو رہا ہے تو فرمانا یہ چاہتے ہیں کہ جب قائم بول جائز ہے تو قاعدہ ابطریق اولیٰ جائز ہوگا۔

(۵) الترجمة قبل

بعض اوقات کسی مسئلہ کے حکم کے بارے میں امام بخاریؒ کو قطعی اور بالجمہ حکم کا علم نہیں ہوتا تو اس کا ترجمہ 'هل' استفہامیہ کے ساتھ قائم فرماتے ہیں۔ اسی طرح بعض جگہ حتیٰ اور بالجمہ حکم کا علم ہوتا ہے۔ لیکن پھر لفظ هل لاتے ہیں تاکہ لوگوں کے دل میں جو شبہ ہے اس کا ازالہ ہو جائے۔ ازالہ شبہ حدیث الباب سے مقصود ہوتا ہے۔

(۶) الترجمة للرد على احد:

کسی علمی شخصیت کا مذہب یا اس کی طرف کوئی بات منسوب ہوتی ہے جو امام بخاریؒ کے نزدیک صحیح نہیں ہوتی، تو اس کے رد کیلئے ترجمہ قائم فرماتے ہیں۔ مثلاً عمومی مسئلہ یہ ہے کہ امام فرائض کے بعد جگہ بدل کر نوافل پڑھے۔ مگر عند البخاریؒ یہ پسندیدہ نہیں ہے اس لئے باب قائم فرمایا: باب يعطوع الامام في مكانه

(۷) الترجمة لتعيين احدا الاحتمالات:

بعض اوقات حدیث میں ایک سے زائد معانی کا احتمال ہوتا ہے۔ امام بخاریؒ ترجمہ سے کسی ایک احتمال کی تعیین کرنے کیلئے ترجمہ قائم فرماتے ہیں۔ کما قال النبی ﷺ:

اَتَقْتُوا ابِي وَلِيَا تَمْ بِكُمْ مَنْ بَعْدَكُمْ (تم میری اقتدا کرو اور تمہارے بعد والے تمہاری اقتدا کریں)

اس میں دو احتمال ہیں کہ بعد مکانی مراد ہے یا بعد زمانی۔ اگر مکانی ہو تو مرد نماز میں اقتداء و اتباع ہے۔ اور اگر زمانی ہو تو عمومی زندگی میں اتباع مراد ہے، محض نماز مرد نہیں ہے۔ امام بخاریؒ نے اپنے ذوق سے ترجمہ میں ایک احتمال کو متعین فرمایا کہ یہاں میرے نزدیک اتباع فی الصلوٰۃ مراد ہے۔ (چونکہ کتاب الصلوٰۃ میں یہ روایت لائے ہیں۔ تو یہ معنی بھی نکلتے ہیں۔ لیکن اگر عمومی اتباع کے حوالہ سے دیکھیں اس حدیث سے دوسرے معنی بھی صحیح ہو سکتے ہیں۔)

(۸) الترجمة لرفع تعارض:

بعض اوقات ترجمہ سے ان دو احادیث سے رفع تعارض مقصود ہوتا ہے جن میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے۔ جیسے حضرت ابویوب انصاریؓ کی حدیث اذا التيم الغائط فلا تستقبلوا القبلة ولا تستدبروها۔ جس سے دونوں یعنی استقبال و استدبار کی ممانعت معلوم ہوتی تھی۔ جبکہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قضاء حاجت کرتے وقت آپ ﷺ پشت قبلہ کی طرف تھی۔ تو امام بخاریؒ نے ترجمہ الباب قائم فرمایا: باب يستقبل القبلة في بناء بتا دیا کہ حدیث عبداللہ بن عمرؓ بنا پر معمول ہے، اور حدیث ابی یوب انصاریؓ صحراء و جنگل پر معمول ہے۔

(۹) الترجمة بدو ن حدیث:

ترجمہ محض قائم فرماتے ہیں۔ اور اسمیں سابقہ باب کے لحاظ سے نیا مسئلہ نکل رہا ہوتا ہے اس کا ذکر فرمادیتے ہیں۔ مگر جس روایت سے وہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے وہ ما قبل میں اہل کرچکے ہیں۔ اب اگر سند متین میں کوئی تبدیلی ہو تو پھر وہ روایت لے آتے ہیں اور اگر سند میں بالکل تبدیلی نہ ہو تو مگر ان محض سے بچنے کیلئے اس کو دوبارہ ذکر نہیں فرماتے، پس طلبہ کرام کے اعتماد پر چھوڑ دیتے ہیں۔

(۱۰) باب فی الباب:

بعض حضرات فرماتے ہیں: باب لکھا تھا ترجمہ لکھنے کی نوبت نہ آئی اور وصل ہو گیا۔ لیکن یہ بات اس لئے درست نہیں کہ امام بخاریؒ نے تراجم پہلے قائم کیے ہیں اور احادیث بعد میں لائے۔ اسلئے زیادہ صحیح بات وہ ہے جو علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے فرمائی کہ باب کے بعد ترجمہ قائم نہیں کرتے۔ گویا یہ باب ماسبق کی فصل اور تتمہ ہے۔ تاہم حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں: یہ وجہ بعض اوقات منطبق ہی نہیں ہوتی کہ حدیث ماسبق اور باب بلا ترجمہ کی احادیث کا آپس میں کوئی مضمون نہیں ملتا۔ تو تتمہ کیسے کہا جائے۔

اس لئے اصل مقصود یہاں تفسیر اذہان ہے کہ طلبہ کرام بھی اپنی استعداد سے خود ترجمہ قائم کریں۔ حاصل یہ ہے کہ دونوں احادیث میں مطابقت ہو تو ماسبق کا تتمہ ہے اگر مطابقت نہ ہو تو تفسیر اذہان ہے۔

(۱۱) باب بمنزلة الفائدة:

کبھی ایسے موقع پر باب قائم فرمادیتے ہیں کہ باب اور اس کے ذیل میں آنے والی حدیث کا ماسبق اور ما بعد سے کوئی ربط نہیں بنتا۔ لیکن فائدہ کے طور پر عنوان قائم فرما کر حدیث الباب لے آتے ہیں۔ جس کی توجیہ کی ضرورت نہیں اس لئے کہ وہ بمنزلة فائدہ کے ہے۔ جیسے کتاب بدو الخلق میں اچانک باب قائم فرمایا:

باب خیر مال المسلم غنم یبع بہا شفع الجبال۔ اس باب کا کتاب بدو الخلق سے کوئی ربط نہیں لیکن فائدہ کے طور پر لے آئے۔ (مخص الزام البخاری)

شرح بخاری کا قرض

علامہ ابن خلدونؒ کا قول ہے کہ امام بخاریؒ کا قرض ”تشریحات بخاری“ کے لحاظ سے امت پر باقی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ کے فتاویٰ الشیخ شاکر علامہ شمس الدین سخاویؒ کا قول ہے۔ میرے شیخ نے قرض اتار کر امت کو سبکدوش کر دیا۔ علامہ عثمانیؒ کی رائے ہے۔ شرح بخاریؒ کا کسی حد تک قرض اتر گیا۔ مگر تراجم کا باقی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس سلسلہ میں ایک رسالہ تراجم بخاری لکھا۔ اور تیس تک مقاصد تراجم لکھے۔ پھر حضرت شیخ الہندؒ نے لکھنا شروع کیا اور پچیس تک مقاصد تراجم لکھے۔

حضرت شیخ الہندؒ لکھ دیتے تو یہ قرض بھی ادا ہو جاتا۔

البتہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نے ”لامع الدراری“ میں ستر تک مقاصد تحریر فرمائے ہیں۔ قرض سے سبکدوش ہوئی یا نہیں۔ وقت اور اکابر کے فیصلہ کا انتظار ہے۔ (محطات دورہ، فضل البخاری ص 118 ج ۱)

تاہم نصر البخاری میں ہے: علامہ عینیؒ، حافظ ابن حجرؒ عسقلانیؒ نے عمدۃ القاری اور فتح الباری لکھ کر قرض اتار دیا۔ لیکن آخر میں حضرت شیخ الحدیثؒ نے تحقیقات اکابر کے ساتھ ساتھ مزید جدید تحقیقات سے مزین کر کے ”الابواب والنواجم لصحیح البخاری“ کے نام سے مکمل فرمایا۔ جو قابل قدر اور لائق مطالعہ ہیں۔ (نصر البخاری 81/1)

لفظ باب کی تحقیق

اس کو تین طرح سے پڑھا گیا ہے۔ (۱) مرفوع مع التثنیں تقدیر عبارت هذا باب ہوگی۔ کیف کان ارنی یہ باب سے بدل ہوگا (۲) باب پر وقف کر دیں بغیر تثنیٰ اور بغیر اعراب کے اسامہ معدودہ کی طرح پڑھا جائے گا۔ یعنی وہ اسامہ ترکیب میں واقع نہ ہوں جیسے زید، دار۔ اہل عرب شمار کردہ اشیاء پر سکون پڑھتے ہیں۔ (۳) اضافت کے ساتھ باب کیف کان ارنی پڑھا جائے گا۔ سوال: یہ مندرجہ بالا نمبر ۳ اضافت صحیح نہیں اس لئے کہ لفظ باب کی جملہ کی طرف اضافت ہے اور لفظ باب ان الفاظ میں سے نہیں جن کی جملہ کی طرف اضافت ہو۔

جواب: اس کے دو جواب ہیں: (۱) یہ اضافت اس وقت منع ہوتی ہے جب اضافت معنوی ہو اگر لفظی اضافت مراد لی جائے تو جائز ہے۔ اضافت معنوی اس کو کہتے ہیں کہ مضاف ایسا صیغہ صفت نہ ہو جو اپنے معمول کی طرف مضاف ہو جیسے غلام زید۔ اور اضافت لفظی وہ ہے جو اپنے معمول کی طرف مضاف ہو جیسے ضارب زید۔

جواب ۲: اصل اضافت کیف کان بدو الوحي کی طرف نہیں ہے بلکہ مضاف الیہ محذوف ہے تقدیر عبارت یوں ہے: باب جواب قول القائل کیف کان بدو الوحي ارنی۔ اب اضافت جملہ کی طرف نہیں بلکہ جزء جملہ کی طرف ہے۔ فائدہ: باب کے بعد اگر جملہ تامہ ہو جیسے یہاں ہے تو تثنیٰ کے ساتھ اور اگر جملہ تامہ نہ ہو تو مضاف ہونا کر رفع کے ساتھ پڑھنا بہتر ہے جیسے باب السمر باللیل۔

تعلیل: (یعنی باب کی صریح تحقیق) باب اصل میں بَوَّبَ تھاقال والے قانون کے تحت واو کو الف سے بدل دیا۔

سوال: حضرت امام بخاریؒ نے دیگر مصنفین کی طرح اپنی صحیح کو کتاب کے عنوان سے کیوں شروع نہیں فرمایا؟
(یعنی باب کے عنوان سے کیوں شروع فرمایا؟)

جواب: کتاب کا لفظ وہاں بولا جاتا ہے جہاں مختلف الانواع مسائل ہوں اور جہاں متفق النوع مسائل ہوں وہاں باب بولا جاتا ہے۔ یہاں ایک ہی نوع یعنی وحی کے مسائل تھے اس لئے باب کا لفظ اختیار کیا گیا۔

جواب ۲: بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ اصل کتاب ”مکتاب الایمان“ سے شروع ہوئی اور آغاز کتاب تمہید و دیباچہ ہے اس لئے لفظ کتاب لانے کی ضرورت نہیں۔

سوال: حضرات مصنفین اپنی کتب کو کتاب الطہارۃ یا کتاب الایمان سے شروع کرتے ہیں۔ امام بخاریؒ نے سب سے الگ انوکھی ترتیب اختیار فرمائی؟

جواب: قارئین کرام کو بتلانا چاہتے تھے کہ دین وہ معتبر ہے جو مستند الی الوحی ہو اس لئے کہ بہر حال دین کا مدار وحی پر ہے خواہ وحی علی ہو یا حق۔

کیف کی بحث

حضرت امام بخاریؒ نے لفظ کیف سے تیس ابواب شروع فرمائے ہیں ۲۰ جلد اول میں اور ۱۰ جلد ثانی میں۔ ان تیس میں سے یہ پہلا ہے۔

سوال: حضرت مصنفؒ نے ترجمۃ الباب میں لفظ کیف استعمال فرمایا ہے اس استفہام کا نشان کیا ہے؟
جواب: کس موقع پر لفظ کیف کا استعمال کیا جاتا ہے حضرات محدثینؒ نے اس کی مختلف توجیہات ارشاد فرمائی ہیں:
۱: کبھی مصداق میں اختلاف ہوتا ہے اس کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے۔ (۲) اور کبھی کیف سے مقصود تعظیم و ترفع ہوتی ہے جیسا کہ اس مقام پر ہے۔ معنی یہ ہوگا کیا عظیم الشان تھی ابتدائی وحی (۳) کبھی مصداق پر تردد ہوتا ہے، خود اپنا تردد ظاہر کر کے فیصلہ قاری پر چھوڑ دیتے ہیں۔

کیف کان کی ترکیب

اگر کیف جملہ پر داخل ہو تو حالت بتانے کیلئے ہوتا ہے۔ ورنہ خبر مقدم ہوتا ہے۔ جیسے کیف جاء زید۔ یہاں کیف حال کیلئے ہے کہ زید کس حالت پر آیا اور کیف زید میں کیف خبر مقدم ہے۔ کیف استفہامیہ ہو تو صدارت کلام کو چاہتا ہے۔
سوال: کیف صدارت کلام چاہتا ہے تو آپ نے باب کی اضافت کی ترکیب میں کیف کو مضاف الیہ نہادیا تو صدارت کیف ختم ہوگئی؟
جواب: ۱: صحیح یہ ہے کہ کیف صدارت کلام کو چاہتا ہے مگر اس کلام کی صدارت چاہتا ہے جس کا وہ جز ہو۔ تو یہاں کان سے پہلے جملہ کے لحاظ سے صدارت کلام پائی گئی اگرچہ قابل کیلئے پورا جملہ مضاف الیہ ہے۔
ج ۲: بعض نسخوں میں باب کا لفظ منقول نہیں جیسے کہ ابو ذر راو اصبلی کی روایت میں نہیں تو صدارت پائی گئی۔ (درس شامری ص 23)
فائدہ: کیف سے سوال وہاں ہوتا ہے جہاں نفس شیء کا یقین اور علم ہو لیکن نسبت معلوم نہ ہو جیسا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: رب ارنی کیف فحی الموتی۔ (درس شامری ص 30)

کان کی ترکیب

اگر کان ناقصہ ہو تو بدء الوحی اس کا اسم (مرفوع) ہوگا اور کیف اس کی خبر مقدم ہوگی۔ اور اگر کان تامہ ہو تو کیف بمنزلہ حال کے ہوگا اور بدء الوحی اس کا فاعل ہوگا۔

بدء: ہفت اقسام کے لحاظ سے یہ مہموز بدء یا پھر یہ ناقص واوی بند ذ ہے۔ اگر ہمزہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ابتداء ہے۔ اگر بدو ناقص واوی ہو تو اس کا معنی ظہور کے ہیں۔ پہلی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ وحی کی ابتداء کیسی تھی۔؟ دوسری

صورت میں: وحی کا ظہور کیسے تھا؟ راجح ہمزہ کے ساتھ ہے کیونکہ دیگر نسخوں میں ہمزہ ہے۔ نیز آنے والے ابواب میں بدء ہے کیف بدء الاذان، کیف بدء الخلق، کیف بدء الحيض۔

فائدہ: کیف کان بدء الوحي ارجح یہاں ایک ترجمہ ہے دوسرا مقصود بالترجمہ ہے۔ مقصود بالترجمہ کے لحاظ سے صرف حدیث عائشہؓ کے جزا اول "اول ما بدئ من الوحي" کی ترجمہ سے ہی مناسبت نہیں۔ بلکہ اس سے زیادہ مناسبت اس ترجمہ سے حدیث عائشہؓ کے ان اجزاء کی ہے جن میں سرور کائنات ﷺ کے اوصاف اخلاق اور دوسرے کمالات کا ذکر ہے اور حدیث ہرقل جو بظاہر مناسبت سے عاری تھی اس کی مناسبت بھی واضح ہوگئی کیونکہ اس میں موحی الیہ ﷺ کی خوبیوں کا تذکرہ دو (۲) دشمنوں کی زبان سے موجود ہے۔ جس سے وحی اور صاحب وحی کی عظمت و صداقت ثابت ہوتی ہے۔ (فضل الباری ص 126 ج 1)

فائدہ ا:

امام بخاریؒ جب لفظ بدء استعمال فرماتے ہیں:

اس سے صرف نقطہ آغاز ہی مقصود نہیں ہوتا۔ بلکہ مابعد کے تمام حالات و کیفیات بھی اس میں شامل ہوتی ہیں۔ جیسے باب بدء الاذان قائم فرمایا۔ اس سے صرف اذان کی ابتداء ہی نہیں بلکہ جملہ متعلقات اذان مراد ہیں۔

اسی کو یوں بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے کہ ایک ابتداء حقیقی ہے اور ایک ابتداء اضافی ہے۔ بدء کا اطلاق دونوں پر ہوتا ہے۔ گویا صرف بدء الوحي فی الغار بیان کر نہیں چاہتے بلکہ تمام پیش آمدہ احوال بیان کرنا مقصود ہے۔ مثلاً کہا جائے کہ یہ بات ہم نے آپ کو سبق کے شروع میں بتائی اس سے نقطہ آغاز مراد نہیں بلکہ سبق کا ابتدائی حصہ مراد ہے۔

(۲) بدء سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور سے انقطاع وحی مراد ہے۔ اس کے بعد جب بدء وحی مقصود ہو تو وہ آخر وحی

تک تمام تراحوال بتلانا مقصود ہیں۔ (انعام الباری)

بدرواحی کی لڑائیاں کفار کی طرف سے ہیں یہ مغالطہ ہے کہ بدر کی ابتداء مسلمانوں کی طرف سے ہے ابوسفیان کا شام کا سفر مدینہ طیبہ پر حملہ کے لیے تھا۔۔۔ مکہ مکرمہ میں چندہ جمع کیا گیا، مکہ معظمہ کو پہنچنے کے بعد مدینہ طیبہ پر حملہ ہوتا ہے۔۔۔ اصول جنگ کے لحاظ سے آپ ﷺ نے سوچا کہ یہ سامان حرب مکہ معظمہ کو پہنچنے ہی نہ پائے، قافلہ پر حملہ کر دیا جائے۔۔۔ احد میں مسلمانوں کا استیصال مقصود تھا۔۔۔ غزوہ خندق کے وقوع سے قبل ہی کفار مکہ نے مدینہ طیبہ کے باغات تقسیم کر لیے تھے۔ یہود مدینہ صلح کے باوجود سازشوں سے باز نہیں آئے تھے۔۔۔ یہ احوال غربت اسلام پر دال ہیں۔۔۔ البتہ صلح حدیبیہ ۶ھ کے بعد اسلامی غربت ختم ہوئی۔

یہ سب غربت ابتداء اسلام میں داخل ہے، جو عرفی امتدادی ہے۔ اس لیے کہ آج مسلمانوں کو قریش مکہ کے مقابل مذہبی حیثیت سے فریق مصاحبت تسلیم کر لیا گیا۔۔۔ اسی بنیاد پر آپ ﷺ نے صلح حدیبیہ کے ہوتے ہی یہود خیبر کی خبر لینا ضروری سمجھا اور سلاطین دنیا کے نام دعوت اسلام کے خطوط روانہ فرمائے۔۔۔ بہر حال غربت اسلام کی بدء سے مراد ابتداء امتدادی عرفی ہے جو صلح حدیبیہ تک ہے۔

خود حضرت امام بخاریؒ سے پوچھا گیا کیف کان بدء امرک تو جواب میں دس برس سے لے کر اٹھارہ برس کی عمر تک

اپنی تعلیمی و تصنیفی زندگی کا نقشہ سامنے رکھا... جس سے معلوم ہوا بدء سے صرف سے حقیقی ابتداء مراد نہیں ہوتی... پس انما الاعمال بالنیات کو حقیقی ابتداء کے لیے بیان کیا تو حدیث ہر قل کو اس ابتداء کی انتہا بنانے کے لیے لائے۔

دوسری بات:

حافظ نے اگرچہ بدء والے نسخہ کو رائج قرار دیا ہے مگر بدو کو غلط بھی نہیں فرمایا... لہذا ظہور کے معنی سے قطع نظر کی گنجائش نہیں... پس بدء کے لفظ میں بہت تعمیمات ہونیں ایک اضافہ اور سہی یعنی ابتداء عام ہے مکانی یا زمانی ہو صفات موجی الیہ کے لحاظ سے ہو... وہ نزول کے اعتبار سے ابتداء ہو یا ظہور کے لحاظ سے اب اس حیثیت سے حدیث ہر قل کا ہونا اس باب میں کتنا ضروری ہے خود ظاہر ہے۔

گویا امام بخاریؒ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ وحی کی ابتداء کیسے ہوئی اور اس کا ظہور کیسے ہوا؟ (انداز ۲ ص ۵۹ ملخصاً)

فائدہ ۳:

ترجمہ کے جب دو جز تسلیم کریں ایک بدء الوحی اور دوسرے آیت شریفہ انا و احینا الخ — تو بدء الوحی کیلئے دوسری حدیث کیف ہا تک الوحی ترجمہ کے جز بدء الوحی سے متعلق ہے اور باقی احادیث ”انا و احینا الیک“ کی تشریح کے طور پر آئی ہیں۔ تو ترجمہ کا جز اول تیسری حدیث ہے اور باقی احادیث کا تعلق آیت شریفہ سے ہے۔ (انعام)

اس تقریر سے ظاہر ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے الوحی مضاف الیہ پر زیادہ توجہ فرمائی مگر بدء جو مضاف ہے اس پر قدرے توجہ فرمائی۔ کیف بداء و من این جاء و من ای جهة وقع

جس میں تعمیم کی طرف اشارہ ہے پوری وضاحت نہیں۔ حضرت شیخ الہندؒ حضرت شاہ صاحبؒ کے کلام کو بعینہ باقی رکھتے ہوئے فرماتے ہیں: حضرت شاہ صاحبؒ نے جس طرح لفظ وحی کو عموم پر محمول کیا ہے اسی طرح لفظ بدء کو بھی عموم پر محمول کیا جائے۔ تو کیف بدء کا معنی یہ ہے کہ اس کا مبداء کیا ہے اور ظاہر ہے ایک ہی چیز کے بہت سے مبادی ہو سکتے ہیں۔

۱: مبداء فاعلی یہ کس نے کیا۔ ۲: مبداء مفعولی کہ سب سے پہلے کس پر واقع ہوئی۔ ۳: مبداء زمانی کہ کب سے شروع ہوئی۔ ۴: مبداء مکانی کہاں سے شروع ہوئی۔ ۵: مبداء باعتبار اسباب کہ کن کن اسباب کی بناء پر ابتداء ہوئی۔ علی ہذا التیاس ایک ہی چیز کے مبادی بکثرت ہو سکتے ہیں، مثلاً فن تفسیر کے مبادی پندرہ (۱۵) علوم ہیں۔ (فضل الباری ص ۱۲۱ ج ۱)



وحی کا لغوی معنی

وحی کے لغوی معنی بہت ہیں۔ ۱: الاعلام فی خفاء مخفی خبر دینا۔ ۲: اشارہ۔ اوحی الیہای اشار الیہ۔ ۳: کتابت ما ووحی بیدہ ای کتبہ۔ ۴: رسالہ بمحتوی پیغام کو بھی لفظ وحی کہہ دیتے ہیں۔ ۵: القاء فی الروح یعنی الہام کو بھی وحی کہتے ہیں۔ ۶: کل ما القیہ الی غیرک کو بھی وحی کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے القاء شیطان کو بھی وحی قرار دیا گیا ہے۔ وان الشیطن لیو حون الی اولیائہم لیجادلوکم۔

علامہ ابن قیمؒ وحی کی تعریف کے سلسلہ میں فرماتے ہیں: الاعلام الخفی والسریع اور امام راجبؒ علیہ السلام اشارۃ السریعۃ فی خفیۃ یعنی وسیع و مبسوط مضمون کو یا لا اختصار یا السرعة نازل کر دیا جائے۔ الفاظ ومعانی کا افہام و تفہیم بیک وقت اس درجہ مخفی ہو کہ غیر نبی کو اس کا علم و خبر ممکن نہ ہو۔ (نفل الباری ج ۱)

وحی کا اصطلاحی معنی اور اس کی اقسام

کلام اللہ المنزل علی نبی من الانبیاء خفیا کان او جلیا معلو آکان او غیر معلو۔
اقسام وحی: مشہور سات اقسام ہیں۔ عند بعض ائمہ اور عند بعض چھیالیس ہیں۔ البتہ علامہ سہبائیؒ نے سات اقسام لکھی ہیں۔ بعض علماء حق نے اس کو مزید اختصار کر کے انہیں چار بنادیا تاہم مشہور سات ہیں۔
۱: وحی منامی: حق تعالیٰ شانہ خواب میں کوئی بات دکھائیں۔ وہ تمام خواب جو حضرات انبیاء علیہم السلام کو بعد از نبوت آتے ہیں۔

۲: مثل صلصلة الجرس: گھنٹی کی آواز جیسے آجکل ٹیلیگرام۔
۳: حق تعالیٰ شانہ پس پردہ کلام فرمائیں: نبی کو علم حضوری سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ آواز خداوندی ہے جیسے لیلہ المعراج یا کوہ طور پر گفتگو کا انداز۔

۴: القاء فی الروح جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:
ان روح القدس نفث فی روعی۔ یہ اگر نبی کیلئے ہے تو وحی اور اگر ولی کیلئے ہے تو الہام ہے۔
۵: حضرت جبرائیلؑ اپنی اصلی شکل میں بنفس نفیس نظر آئیں اور گفتگو کریں۔
۶: فرشتہ انسانی شکل میں آکر گفتگو کرے جیسے حدیث جبرائیلؑ۔
۷: وحی اسرائیلی: کہ فرشتہ تبدیل ہو جائے حضرت جبرائیلؑ کی بجائے حضرت اسرافیلؑ ہوں۔ فترت وحی کے تین سال یہ متعین تھے کوئی کلمہ آپ کو بتا دیتے۔

حضرات محققین آخری چار اقسام کو ایک ہی قسم مانتے ہیں یعنی وحی بواسطہ ملک۔ اگرچہ اس کی شکل مختلف ہو۔
 ۸: وحی کی آٹھویں قسم بھی ہے اس کو وحی سکوتی کہا جاتا ہے۔ کہ نبی کوئی کام اپنی سمجھ و دانش سے کریں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو برقرار رکھا جائے نگیر نہ ہو تو یہ وحی ہے اور اس کا نام ”وحی سکوتی“ ہے۔
 (فائدہ: وحی قلبی، وحی کلامی اور وحی ملکی بھی ایک تعبیر ہے۔ جس کی روشنی میں وحی کی تین اقسام گزشتہ سات کی جامع ہوں گی، وحی قلبی کی دو قسمیں ہیں۔ ۱: جس میں وجدان قلب سے استماع ہو۔ ۲: جس میں حاسہ ظاہر استعمال ہو۔)
 امام علی نے وحی کی چھالیس اقسام بتلائی ہیں۔ روی عن ابی سعید الخدری الرؤیا جزء من ستة واربعمین جزئاً من النبوة (بخاری ج ۲ ص ۱۰۳۵)

وحی کے بارے میں علامہ ابن القیم کا دعویٰ ہے:

اللہ تعالیٰ ہم کو ہوا پر پیغمبر دل کے کان سے سنے یہ الاحیاء کا مصداق ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہم کو ہوا پر پیغمبر ظاہر کے کان سے سنے: یہ من وراء حجاب کا مصداق ہے۔ یہ دونوں صورتیں حضرات انبیاء کے ساتھ خاص ہیں۔ (فضل باری)
 ”وحی کا مجازی معنی“ وحی کا مجازی معنی تسخیر ہے جیسے واوحی ربک الی النحل الخ، میں۔۔۔ کبھی وحی کا اطلاق موعیٰ یعنی الفاظ وحی پر بھی ہوتا ہے گویا تسمیۃ المفعول باسم المصدر ہے۔

فائدہ ۱: وحی اصطلاحی موقوف ہو چکی ہے جس کا تعلق حضرات انبیاء سے تھا۔۔۔ مرزا نعین نے وحی کے لغوی معانی لیکر دجل و فریب کا سہارا لیا۔ سارے دعوے القاء پر کیے جبکہ وہ شیطانی القاء تھا۔

فائدہ ۲: وحی مصدر خاص ہے حضرات انبیاء کے ساتھ اور ایحاء عام ہے نبی غیر نبی کے ساتھ۔

فائدہ نمبر ۳: الہام: یہ نبی و غیر نبی کے درمیان مشترک ہے۔ دعاء نبوی ﷺ اللھم الھمنی زشداً اور فالھمھا فجورھا و تقویھا اسی اشتراک کی طرف مشعر ہے۔ البتہ حضرات انبیاء کا الہام قطعی اور معصوم ہے، اولیاء کا نہیں۔
 امام غزالیؒ فرماتے ہیں: کسی فرشتے کا توسط نہیں ہوتا۔ لیکن شیخ اکبرؒ فرماتے ہیں فرشتہ کا واسطہ ہوتا ہے مگر نظر نہیں آتا اور وہ ”روح القدس“ بھی نہیں ہوتا۔ اس کی آمد حضرات انبیاء کے ساتھ خاص ہے۔۔۔ یہ عمومی ضابطہ ہے۔

ری یہ بات کہ ولی کو فرشتہ نظر آتا ہے یا نہیں؟

اس میں حقیقی بات یہ ہے کہ ولی کیلئے رویت والہام ثابت تو ہے مگر دونوں بیک وقت نہیں الہام ہے تو رویت نہیں۔ رویت ہے تو الہام نہیں جیسے حضرت عمران بن حصینؓ کا واقعہ، حضرت حنظلہؓ سے فرمایا: آپ کی مطلوبہ کیفیت برقرار رہے تو ملائکہ چلتے راستوں پر مصافحہ کریں۔ جس سے غیر نبی کیلئے امکان رویت فرشتہ واضح ہے۔ (فضل الباری ص 131)

نیز یہ بھی فرق ہے کہ ولی کے الہام میں امر و نہی نہیں ہوتا خطاب صرف نبی کو ہوتا ہے۔ ولی کیلئے تعریفات و تفہیمات ہیں۔۔۔ یعنی اوامر و نواہی کو کھول کر بتا دینا۔ (فضل ص 156 ج 17)

ضرورت الوحي۔۔۔ اجمالی دلیل:

جو دلائل ضرورتِ حدیث کے ذیل میں صفحہ نمبر ۶۳ پر بیان کئے گئے ہیں، وہ ضرورتِ وحی کے بھی ہیں۔

تفصیلی دلائل۔۔۔۔

دلیل نمبر ۱: انسان کو علم کی بنیاد پر خلافت ملی ہے۔ اور وہ علم وہی ہے جس کی بنیاد وحی الہی ہو۔

اس لئے کہ انسان کیلئے ذرائعِ علم چار ہیں وحی، کشف، عقل و حواس اور الہام۔ وحی کے علاوہ باقی ذرائعِ علم ناقص ہیں، اس لئے ان کے ذریعہ حاصل کردہ علم مدارِ خلافت نہیں بن سکتا۔ اس لئے کہ یتیموں، حلوٰم، جو وحی کے علاوہ ہیں باہم متعارض ہیں۔

غیر عقل کے ناقص ہونے کی دلیل یہ بھی ہے کہ عقل کا مبلغ حواسِ خمسہ میں اور حواسِ خمسہ محدود بھی ہیں اور غلطی بھی کرتے ہیں آنکھ ایک میل سے زیادہ نہیں دیکھ سکتی، یرقان والے کو ہر چیز پیلی نظر آتی ہے، سواری پر سوار کو درخت گھومتے بھاگتے نظر آتے ہیں، زمین و آسمان دور سے ملے ہوئے نظر آتے ہیں جو بالکل خلاف واقعہ ہے۔

الحاصل وحی کے علاوہ علم کے تمام وسائل ناقص ہیں جبکہ انسان اللہ کا خلیفہ ہے اور اس خلافت کا مدار علم ہے خلافتِ انسانی کیلئے ضروری تھا کہ جس کا خلیفہ بننا ہے اسی کی طرف سے اسے علم سے بھی نوازا جائے۔

دلیل نمبر ۲: یعنی دلیلِ غذائی: انسان روح و جسم سے مرکب ہے۔ دونوں کو ابقاء کیلئے غذا کی ضرورت ہے جسم خاکی ہے اس کی غذا خاکی ہے، اور روح آسمانی چیز ہے اس کی غذا بھی آسمانی ہے، جو وحی ہے۔

دلیل نمبر ۳: یعنی دلیلِ شفاقی: روح و جسم دونوں کو امراضِ لاحقہ ہوتے ہیں روح کی امراض کا علاج بذریعہ وحی ہے۔ دلیل نمبر ۴: انسان "نفس" سے لیا گیا ہے، مدنی الطبع ہے تنہائی پسند نہیں ہے۔ مخلوط معاشرہ میں لین دین بھی ہوتا ہے، لین دین کے لحاظ سے جو چیزیں پیدا کی گئی ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہیں۔

لہذا اس کے استعمال کا طریقہ مغائب اللہ بتلایا جانا صحتِ حکمت ہے وہی طریقہ وحی ہے۔ مثلاً اہبہ کے طور پر لینا دینا صحیح ہے مگر غصب کے طور پر صحیح نہیں ہے۔ اس لئے قیامِ امن کیلئے ضروری ہے کہ لین دین، باہمی حقوق کے تعین کے ساتھ ہو اور اس کا کوئی لائحہ عمل ہو۔ وہ مغائب اللہ طے کردہ لائحہ عمل ہی وحی ہے۔

فطرت پرست لوگوں کا دعویٰ ہے کہ، ہماری وہدایت، رزق و باطل کی معرفت کے لیے نورِ عقل ہی کافی ہے وحی و رسالت کی ضرورت نہیں ہے۔

دلیل نمبر ۵: روزمرہ کا مشاہدہ ہے بجلی کی روشنی کے لیے بھی دو تاروں کی ضرورت ہے۔۔۔۔۔ عقل نہیں تو مکلف نہیں کتاب ہدایت کا فائدہ نہیں۔۔۔۔۔ عقل ہو کتاب ہدایت سے تعلق نہ ہو۔۔۔۔۔ پھر بھی فائدہ نہیں۔ (امداد 2/ 321)

دلیل نمبر ۶: یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں عقل دی ہے روح پر آمدہ بیماریوں کے ازالہ کے لیے ہمیں وحی و رسالت کی ضرورت

نہیں ایسا ہی دیوانہ پن ہے جیسے کوئی جسم کی بیماری پر کہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے عقل دی ہے ہمیں ڈاکٹر و طبیب کی ضرورت نہیں۔ (امداد 220، 221/2)

دلیل نمبر ۷: زمین پر پھیلی ہوئی اشیاء انسان کی غذا اور لباس، سواری سب کچھ جسم کے لیے موجود ہے روح جو انسان کا اعلیٰ حصہ ہے اس کے لئے کچھ نہ ہو یہ ایسا ہی ہے جیسے غلام کو نوازا جائے اور بادشاہ کو نہ پوچھا جائے..... اس لیے حکمت کا تقاضہ ہے کہ اعلیٰ کے لیے اعلیٰ انتظام ہو وہ روحانی نظام، وحی و رسالت ہے۔

دلیل نمبر ۸: اصول ہے انسان کی آنکھیں بھی روشن ہوں اور باہر بھی سورج نکلا ہو تو کام چلتا ہے چنانچہ رات کے وقت باہر کی روشنی نہیں ہوتی تو ذاتی بینائی کام نہیں دیتی۔ روشنی کرنی پڑتی ہے۔ دن کے اجالے میں اگر اپنی آنکھ نہیں تو اندھے کے لئے سورج کی روشنی بے کار ہے۔ اسی طرح باطنی عقل اور خارجی وحی کی روشنی ملے گی تو منزل مقصود حاصل ہو سکے گی۔ (امداد الباری)

دلیل نمبر ۹: صداقت و وحی وحی کے صدق و کذب کا مدار خبر کے صدق و امانت پر ہے، اور خبر کے صدق و امانت کے بارے میں اپنے پرانے سب یک زبان تھے نیز اعلان وحی سے پہلے دور میں کبھی جھوٹ ثابت نہ ہوا فقد لبثت فیکم عمرو آمن قبلہ الخ۔ تو اب مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے۔ بقول علامہ اقبال مرحوم جس نے چالیس سالہ دور میں کبھی مخلوق کے سامنے اور اس کے بارے میں جھوٹ نہ بولا ہو اس کو چالیس سال کے بعد کیا ضرورت پیش آگئی کہ وہ خدا پر جھوٹ بولے۔

دلیل نمبر ۱۰: حفاظت و وحی وحی کی سچائی تو ثابت ہوگئی۔ مگر کج فہم لوگ اب بھی کہہ سکتے تھے کہ وہ حقیقت اور سچائی آج تک محفوظ بھی ہے۔ اس کی کیا دلیل ہے؟

دلیل اول: قولہ تعالیٰ: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَآلِ خَفِظُوْنَ۔ (الذکر سے مراد قرآن کریم ہی ہے جو وحی محفوظ ہے دیگر کتاب ساویہ نہیں، اس لئے کہ تنزیل [نزول بالترجیح] صرف قرآن کریم کا خاصہ ہے دیگر کتب یکبارگی دی گئیں۔)

نظام اصلاح و تربیت کا تقاضا یہ ہے کہ نزول کتاب بالترجیح ہو۔ یہ صورت واقع فی انفس اور اس میں اشراخ قلب زیادہ ہے۔

دلیل ثانی: وحی روح کائنات ہے جو ذات کائنات کی حفاظت فرما رہی ہے وہ روح کائنات کی بھی محافظ ہے۔

دلیل ثالث: ہر دور میں اور ہر علاقہ میں تسلسل کے ساتھ قرآن کریم کی کثرت حفظ دلیل حفاظت ہے، الفاظ، معانی، کیفیت و طرز اداء، رسم الخط تک محفوظ ہے۔

دلیل رابع: ”ختم نبوت“ بھی دلیل حفاظت ہے۔ (جب کوئی نبی نہیں آسکتے، کمالات نبوت کی تکمیل ہو چکی، نئی وحی کی ضرورت ہی نہیں)

دلیل نمبر ۱۱: عظمت و وحی۔ کسی بھی چیز کی عظمت اس کی نسبت سے معلوم ہوتی ہے، وحی کی عظمت اس کے واسطے سے معلوم ہوتی ہے۔ مرسل اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات ہے، لانے والے سید الملائکہ حضرت جبرائیل امینؑ اور مرسل الیہ افضل

الانبياء والمرسلين ﷺ۔ تو یہ امانتوں میں گھرا ہوا کلام ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وحی بہت ب عظمت ہے۔
 دلیل نمبر ۱۲: اعجازِ وحی۔ قرآن کریم میں تحدی و چیلنج آج تک مخالفین کے سامنے موجود ہے اور اس کے مدارج ہیں۔ اول
 کامل قرآن کریم کا چیلنج ہے بمثل هذا القرآن۔ دوسرا نمبر فاتوا بعشر سور مثله پھر فاتوا بسورة مثله پھر
 فليأتوا بعشر مثله۔

آج تک اس کے سامنے کوئی شخص دعویٰ لیکر نہ آ سکا۔ جو وحی کے اعجاز کی دلیل ہے۔
 دلیل نمبر ۱۳: اعجازِ وحی کی مشاہداتی دلیل:

ان حمام مندرجہ بالا دلائل کے علاوہ صدیوں کا مشاہدہ یہ بتاتا ہے کہ دنیا نے تہذیب و تمدن اور انسانی ارتقائی مدارج میں کیا
 کیا اور کس کس جہت سے تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ ماضی کے احوال و ضوابطِ حیات کو انسانوں نے ہی فرسودہ قرار دیکر
 ٹھکرا دیا۔ مگر قرآن کے الفاظ، اسلوب، صحت، بلاغت و ادب اور دیگر تمام پہلوؤں کے لحاظ سے انسانی طبائع میں اس کی
 تبدیلی کا تقاضا ہی پیدا نہ ہوتا اور اس کی شان اُن کا برقرار رہنا یہ بھی دلیل اعجاز ہے۔ مثلاً ایک آدمی روزِ قاضی پڑھتا ہے اور دن
 بھر کی بیسیوں رکعات میں پڑھتا ہے، کروڑوں انسان صدیوں سے ہر روز اربوں دفعہ تلاوت کرتے ہیں مگر اس کی لذت، چاشنی
 میں کوئی کمی نہیں اور متبادل کا کوئی تصور کسی ایک انسان کے ذہن کے کسی خانے میں نہیں ہے۔ جبکہ زندگی کے تمام گوشوں میں
 ہزار ہا ہزار تبدیلیاں قبول کر چکا ہے جو اس کا مزاج ہے۔
 فائدہ:

حضرت مولانا عبد المجید لدھیانویؒ نے فرمایا: کہ کائنات میں غور کرو تو اشیاء دو قسم پر ہیں۔ (۱) براہِ راست خالق کی پیدا
 کردہ اشیاء۔ (۲) مخلوق کی پیدا کردہ اشیاء۔ مخلوق کی پیدا کردہ اشیاء مثلاً کار، اے سی، ریل گاڑی وغیرہ اس کی اہل ہو سکتی ہے اور
 ہو رہی ہے۔ براہِ راست خالق کائنات کی پیدا کردہ اشیاء سورج، چاند، ستارے وغیرہ ان کی اہل نہ ہوتی ہے نہ ہو سکتی ہے۔ اگرچہ
 دنیا بھر کے سائنس دان، حالی دماغ، صنعت کار اکٹھے ہو جائیں۔ اب سمجھو یہی حال کلام اللہ کا ہے۔ اس کی اہل نہیں ہو سکتی اس
 لئے اللہ تعالیٰ نے مختلف چیلنج فرمائے ہیں۔

الی رسول اللہ ﷺ منصب رسالت

فائدہ: الی رسول اللہ... رسول و نبی بشری ہوتے ہیں... اس لیے ان کے متعلق اہیت و ولایت کا عقیدہ رکھنا اور
 بشریت سے ان کو نکالنا غلط ہے... نبی و رسول کا قول و عمل جمائیدگی خدا کا مظہر ہوتا ہے اس لیے مستشرقین کی زبان میں مصلح لیڈر
 یا ریفا رمر کی تعبیر بھی غلط ہے کیونکہ لیڈر، ریفا رمر خود بھی بن سکتا یا اس کی قوم بھی بنا سکتی ہے حتیٰ کہ اس کے لیے مسلمان ہونا بھی شرط
 نہیں۔ اس کا حکم مذہب نہیں ہوتا صرف اخلاقی درجہ میں ہوتا ہے۔ اسی فرق کے تناظر میں ابوجہل نے کہا ہم اور بنی ہاشم میدان
 میں برابر سرابر رہے کھانا کھلانے اور گھوڑ دوڑ وغیرہ میں... آج بنی ہاشم میں سے ایک شخص نے اعلان نبوت کیا... اگر ہم اس کو

تسلیم کر لیں تو ہمارا خاندان چھپے رہ جائے گا... اگر ہم بھی نبی بنا سکتے تو ان کی نبوت تسلیم کر لیتے۔ (امداد ج ۲ ص ۳۲۸)۔^۱

”رسول“ کی تعریف: انسان بعثہ اللہ تعالیٰ لتبلیغ الاحکام مع کتاب و شریعة۔

سوال: اس کی روشنی میں حضرت اسماعیل علیہ السلام رسول ثابت نہیں ہوتے اس لئے کئی کتاب و شریعت نہیں لائے اور قرآن کریم میں انہیں کان رسولاً نبیاً فرمایا گیا۔

جواب ۱: یہ قاعدہ اکثری ہے کلی نہیں۔ جواب ۲: ”نبی“ عام ہے چاہے کتاب جدید اور شریعت ہو یا نہ ہو۔ گویا دونوں حالتوں میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے۔ ہر رسول تو نبی ہے مگر ہر نبی کا رسول ہونا ضروری نہیں۔ جواب ۳: رسول تین سوتیرہ (۳۱۳) ہیں البتہ حضرات انبیاء کی تعداد تقریباً مشہور روایت کے مطابق ایک لاکھ چوبیس ہزار کم بیش ہے۔

جواب ۴: راجح بھی ہے کہ نبی و رسول ہم معنی نہیں۔ و ما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا لعطف مغایرت کی دلیل ہے۔ رسول کے سلسلہ میں حافظ ابن تیمیہؒ نے کتاب الدعوات میں بہترین فرق کیا ہے۔ نبی ”مصلح“ ہوتا ہے۔ جبکہ رسول وہ ہے جسے دشمنوں سے مقابلہ کا بھی حکم ہو۔ صاحب کتاب ہو یا نہ ہو۔ حاصل یہ کہ نبی اور رسول میں عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے۔ لیکن عام طور پر کہا جاتا ہے: نبی عام ہے چاہے کتاب جدید اور شریعت ہو یا نہ ہو۔

۱۔ افاندہ منصب رسالت

ایک نعبد و ایک نستعین دونوں جگہ مفعول مقدم ہے جو مفید صر ہے، تیری ہی عبادت کرتے اور صرف تجھ سے ہی مدد طلب کرتے ہیں۔ یہ صرف اس لیے کہا گیا کہ ہر شخص کے ذہن میں یہ بات منقش و جاگزیں ہو جائے کہ بغیر کسی عہدیت اور رسالت کا اعتقاد اسلام کی اساس و بنیاد ہے... عہدیت کی جگہ معبودیت و الہیت اور رسالت کی جگہ اوتار کا فخیل پیدا نہ ہو (اوتار... خدا جس میں حلول کر آئے۔ یہ عیسائیوں کا فرقہ حلولیہ یا براہمہ کا عقیدہ ہے۔) [امداد ۲/ 344]

فاندہ ۲: رسول... وکیل و مختار عام نہیں ہوتا

رسالت و وکالت دونوں کا تصرف دوسرے کے لیے ہوتا ہے، اپنے لیے نہیں ہوتا... لیکن وکیل مطلق کا تصرف بہ نسبت رسول کے زیادہ وسیع، زیادہ قوی ہوتا ہے، چنانچہ وکیل مطلق اپنے موکل کی طرف سے مختار ہوتا ہے، جو چاہے بطور خود بھی کر سکتا ہے خصوصیت و جواہدی کا بھی حق رکھتا ہے... رسول صرف امانت پہنچانے کا ذمہ دار ہے، اپنی طرف سے تبدل و تغیر اور نسخ کا اختیار نہیں رکھتا... اسی طرح کسی کے دل میں اتارنے کا اختیار بھی نہیں رکھتا... (کما کان ابوطالب)... حاصل یہ کہ وکیل حسب محل و موقع خود گفتگو کر سکتا ہے، ترمیم و تنسیخ بھی کر سکتا ہے... مگر رسول کو یہ حق نہیں وہ بے کم و کاست پہنچانے کا ذمہ دار ہے،

اس تناظر میں وکیل کی حیثیت گویا بلند ہے مگر بلحاظ ذمہ داری بہت سخت بھی ہے... اس لیے قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے ہمارے فرستادہ لوگ رسول ہوں گے وکیل نہیں ہوں گے... بظاہر اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ ہی سب کا وکیل ہے، اس کا کوئی اور وکیل کیسے ہو سکتا ہے... نیز کسی انسان میں یہ طاقت نہیں کہ اس ذمہ داری کا بار اٹھائے خود خدا نے اپنے ذمہ لی ہے... (یاد رہے کہ جہاں احادیث میں کتاب اللہ کا نسخ معلوم ہوتا ہے وہ اپنی طرف سے نہیں بلکہ وحی غیر متلو کے ذریعہ ہے۔ قل ما یكون لى ان ابدل لمن قلنا نفسى ان اتبع الا ما یوحى الی آیت ۱۱)

فاندہ ۳: رسالت و شریعت میں تضاد کفار مکہ کرتے تھے کہتے تھے بشر ہو کر رسول نہیں ہو سکتا مفاوہالی اور اقتدار کا تقاضا اس وقت بھی تھا۔ آج بھی کچھ لوگ کہتے ہیں کہ نبی ہو کر بشر نہیں ہو سکتا۔ آج کے مفاد کا تقاضا یہی ہے۔

اسی روشنی میں سب سے پہلے رسول حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔ آپ کی بعثت سے قبل محاسمت نہیں تھی۔ کان الناس امة واحدة۔۔۔ اول اختلاف آپ کے دور سے شروع ہوئے۔ اتنو انو حاً اول رسول بعثه الله میں اسی تناظر میں آپ کو ”اول رسول“ فرمایا گیا۔۔۔ (نصر الباری ص 87 ج 1)

الی رسول الله صلى الله عليه وسلم

”رسول“ سے مراد جناب نبی اکرم ﷺ بوجہ المطلق اذا يطلق يراد به الفرد الكامل۔

۲: اضافت عہدی ہے مراد آپ ﷺ۔

۳: رسول وقت مراد ہیں۔ سابقہ ادیان منسوخ ہو چکے ہیں (سکہ رائج الوقت کا اعتبار ہے۔)

۴: بخاری شریف آپ ﷺ جمع احادیث کیلئے لکھی گئی ہے تو آپ ہی مراد ہو سکتے ہیں۔ (نصر الباری ص 1 ج 86)

صلى الله عليه وسلم (درو و شریف)

صلوٰۃ کی نسبت اگر اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو مراد رحمت خداوندی ہے، اگر ملائکہ کی طرف ہو تو استغفار، اگر بندوں کی طرف ہو تو دعاء مراد ہوتی ہے۔۔۔ اگر چرند پرند کی طرف ہو تو تسبیح مراد ہوتی ہے۔ قائل اور فاعل کے بدلنے سے ایک لفظ کے معنی تبدیل ہو جایا کرتے ہیں۔

صلی اللہ علیہ وسلم۔ جملہ خبریہ ہے مراد اس سے انشاء ہے تفاء لا (درس بخاری 80)

حکم الصلوٰۃ علی النبی ﷺ

علامہ کرشنکی رائے یہ ہے کہ عمر میں ایک دفعہ صلوٰۃ پڑھنا واجب ہے پھر مستحب۔

حضرت امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ ہر مرتبہ نامی آنے پر درود شریف سن کر پڑھنا واجب ہے۔

امام کرشنکیؒ فرماتے ہیں صلوٰۃ اعلیٰ النبی امر ہے۔ یہ تکرار کا تقاضا نہیں کرتا۔ حضرت امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ کا حکم دراصل ایک سبب پر مبنی ہے۔ اور ضابطہ یہ ہے کہ سبب کے تکرار سے حکم کا تکرار ہوگا۔۔۔ جیسے اقیمو الصلوٰۃ امر ہے تاہم فرضیت نماز کا سبب وقت ہے۔ اور اس کا تکرار ہے تو نماز کا بھی تکرار ہوگا۔۔۔

اسی طرح درود شریف کا سبب آپ ﷺ کے نام نامی کا سننا ہے تو جب سبب کا تکرار ہوگا تو حکم صلوٰۃ پر عمل بھی مکرر ہوگا۔ تاہم جمہور کے نزدیک زندگی میں ایک دفعہ فرض ہے پھر جس مجلس میں آپ ﷺ نام نامی آئے ایک دفعہ واجب ہے، علاوہ ان میں مستحب ہے۔

فائدہ: صلوٰۃ او سلمو کے حوالہ سے نام نامی آنے پر صلوٰۃ و سلام کو جمع کرنا بہت بہتر ہے۔۔۔ صرف صلوٰۃ یا صرف سلام بھی جائز ہے۔۔۔ کیونکہ آیت قرآنی میں واو مطلق جمع کے لیے ہے۔ البتہ صرف صلوٰۃ یا سلام پر اکتفا کرنے کی عادت بنانا مکروہ ہے۔

وقول الله عز وجل

یہ بحالت رفع وجر پڑھا گیا ہے۔ اگر مرفوع پڑھا جائے تو ترجمہ الباب کی دلیل ہوگی۔ اور اؤ استیناف یہ ہوگی۔ اور اگر مجرور پڑھا جائے تو ترجمہ الباب کا جز ہوگا اور لفظ باب اس کی طرف مضاف ہوگا۔ اس وقت یہ چونکہ جزو ترجمہ ہے تو ترجمہ الباب کی دلیل حدیث الباب ہوگی۔

سوال: ترجمہ الباب ہو یا ترجمہ الباب کی دلیل ہوہر دو صورت میں اشکال ہے:

اگر ترجمہ الباب کا جز ہو تو دونوں اجزاء میں مناسبت ہونی چاہیے جبکہ یہاں دونوں میں عدم مناسبت معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ جز اول میں بدء الوحي کا ذکر ہے اور جز ثانی میں مطلق وحی کا ذکر ہے۔ اور اگر قول الله عز وجل کو دلیل تسلیم کر لیا جائے تو یہی مطابقت نہیں اس لئے کہ ترجمہ الباب کے حوالہ سے بدء الوحي کا دعویٰ ہے اور دلیل میں مطلق وحی کا ذکر ہے۔

جواب: (۱) دونوں اشکالات کے جواب کلمہ اس پر ہے کہ غور کیا جائے بدء الوحي کے دعویٰ سے غرض کیا ہے تو: علامہ سندھی فرماتے ہیں بدء کی اضافت الوحی کی طرف اضافت بیان یہ ہے اور بدء الوحي کا معنی ہے وہ ابتداء جو کہ بعینہ وحی ہے اور آیت کریمہ میں بھی وحی کا بیان ہے تو مطابقت کامل ہوگئی۔

(۲) بدء الوحي سے غرض عظمت وحی کا بیان ہے اور آیت کریمہ میں بھی عظمت وحی کا بیان ہے تو مطابقت ہوئی۔ آیت میں عظمت کا بیان یہ ہے کہ اَنَّا جَمَعُ کَاصِغَہ لائے ہیں۔ حضرت نوح اور دیگر انبیاء کے ساتھ اشتراک وحی میں تشبیہ دی ہے۔

اشکال ۲: ترجمہ الباب میں کیف کان بدء الوحی ہے اور باب کے عنوان کے تحت جو روایات لائے ہیں ان میں سے صرف ایک صلیصۃ الجرس کے سوا کوئی بھی روایت ترجمہ الباب سے مطابقت نہیں رکھتی؟

جواب: ۱: باب کی غرض بیان وحی ہے۔ عام ہے کہ متلو ہو یا غیر متلو۔

جواب ۲: حضرت علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ سے منقول ہے کہ بدء کبھی انتہا کے مقابلہ میں بھی آتا ہے اور کبھی عدم کے مقابلہ میں: اللہ یدء الخلق ثم یعیده۔ اس لئے کان بدء الوحي میں جو بدء ہے یہ عدم کے مقابلہ میں ہے۔ بدء الوحي کا مطلب وجود الوحي ہے اور آگے روایات میں کہیں نہ کہیں وحی کا ذکر ہے لہذا مناسبت ہوگئی۔

جواب ۳: حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا فرماتے ہیں: بدء بمقابلہ انتہاء کے ہے اور انتہاء سے مراد مرض الوفا کی وحی ہے اس سے پہلے کی تمام وحی خواہ متلو ہو یا غیر متلو وہ بدء میں داخل ہے۔

جواب ۴: حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں بدء الوحي سے مراد وسائل وحی کا تذکرہ مقصود ہے کہ موتی کون ہے موتی الیہ کون ہے خود وحی کیا ہے۔ تو ان تین میں سے کسی بھی چیز کا ذکر ہو جائے تو مناسبت کیلئے کافی ہے۔

کما و حینا الی نوح و النبین من بعده

آیت کریمہ میں آپ ﷺ کی وحی کو حضرت نوح اور دیگر انبیاء کی وحی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔
سوال: ابتداء وحی کو حضرت نوح کی وحی کے ساتھ تشبیہ دی کیا ان سے قبل وحی نہیں اترتی تھی؟ خاص طور پر حضرت نوح کی وحی کے ساتھ تشبیہ دینے کی کیا وجہ ہے؟

جواب: وحی کی دو قسمیں ہیں: وحی تکوینی اور وحی تشریحی۔ حضرت نوح سے پہلے جو وحی آتی تھی وہ تکوینی یا چند معاشرتی طریق بتلانے تک محدود تھی۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام پر مکان بنانے اور حضرت شیث علیہ السلام پر زراعت اور حضرت ادریس علیہ السلام پر خیاطت کی وحی نازل ہوئی۔ تشریحی حضرت نوح سے شروع ہوئی اور پھر یہ سلسلہ چلتا رہا۔ اس لئے وحی تشریحی میں مماثلت و تشبیہ مقصود ہے۔

جواب ۲: حضرت نوح کی وحی کے ساتھ تشبیہ اول العزم وغیرہ ہونے کے لحاظ سے ہے۔ فاصبر کما صبر اولو العزم الخ۔
جواب ۳: دراصل تشبیہ صفت صبر کے لحاظ سے ہے کہ جیسے ان پیغمبر حضرات نے صبر کیا تو آپ ﷺ نے بھی مکمل درجہ صبر فرمایا۔
جواب ۴: تشبیہ اس بات میں ہے کہ حضرت نوح کو منکر معظم کا واسطہ و سامنا ہوا ان سے پہلے کوئی منکر معظم نہیں تھا۔ اور یہی صورت حال جناب رسول اللہ ﷺ پیش آئی اور وہ شرک کا مقابلہ ہے۔ نیز ”امور آخرت“ کی وحی میں اشتراک ہے۔
سوال: تشبیہ مساوات کا تقاضا کرتی ہے جبکہ آپ ﷺ کی وحی میں ختم نبوت، تکمیل دین جیسے اہم عناصر موجود ہیں جو بہر حال حضرت نوح کی وحی میں نہیں ہے۔ تو تشبیہ درست نہ ہوئی۔

جواب: تشبیہ من کل الوجہ نہیں ہوا کرتی، صفت خاص میں ہوتی ہے۔ منکر کے معظم ہونے کے لحاظ سے مساوات تشبیہ کیلئے کافی ہے۔
سوال: حضرت نوح کی وحی کو شبہ بنانے سے حضرت نوح کی فضیلت معلوم ہوتی ہے کیونکہ تشبیہ میں مشابہ اصل ہوتا ہے۔
جواب: مشابہ کیلئے اشہر و اعرف ہونا شرط ہے افضل ہونا کوئی شرط نہیں ہے۔ لہذا تشبیہ درست ہے۔

سوال: حضرت امام بخاریؒ نے فضائل قرآن میں ترجمۃ الباب اول منازل کا قاعہ کیا ہے۔ جس سے بظاہر تکرار معلوم ہوتا ہے۔ جواب: یہاں کیف کان بدء الوحی میں ابتدائی احوال بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ مطلق وحی کا بیان مقصود ہے۔ اور اول منازل سے ابتدائی احوال بیان کرنا مقصود ہے۔ تکرار نہ ہوا۔

جواب ۲: اول منازل کا باب فضائل قرآن کیلئے ہے اور یہاں فضائل وحی مقصود ہیں۔
جواب ۳: ابتداء بخاری میں عمومی وحی کا ذکر ہے خواہ آپ ﷺ ہو یا دیگر انبیاء اور اول منازل میں صرف اور صرف آپ ﷺ کی وحی کا ذکر مقصود ہے۔

فائدہ: کعب بن اشرف اور حفص بن عازر وراء یہودی نے آپ علیہ السلام کی تسلیم نبوت کیلئے یکبارگی کتاب کا ملنا شرط لگایا۔ آیت شریفہ کذریعہ جواب دیا گیا من حیث الوحی فرق نہیں چاہیے یکبارگی یا متفرق طور پر دی جائے۔ (انعام ص ۱۰)
فائدہ: آیت انا و حینا الیک الخ کے انتخاب کی وجہ:

اس آیت سے لیکر الیہ صراطاً مستقیماً تک ایسے امور وحی کا ذکر ہے جن کا ذکر دوسری جگہ کم از کم ایک ساتھ نہیں۔ مثلاً (۱) وحی کی تشبیہ و تکرار انبیاء علیہم السلام کی وحی کے ساتھ۔ (۲) کلم اللہ موسیٰ سے انواع وحی کی طرف اشارہ ہے۔ (۳) آگے ماننے اور نہ ماننے والوں کے انجام کا ذکر ہے۔ (درس سامری ص 26)

وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ

ان الفاظ سے اشارہ کر دیا کہ آپ ﷺ وحی تمام حضرات انبیاء کیلئے جامع ہے جیسے کہ آپ ﷺ ذات جامع ہے تو آپ کی وحی بھی ان تمام خصوصیات کی جامع ہے جو ان کی وحی میں تھیں۔

حسن یوسف، دم صیغی یدہیضا داری	آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

تعارف و احوال

حدثنا الحمیدی:

حضرت حمیدی حضرت امام بخاریؒ کے استاذ ہیں، حمیدی کی نسبت دادا کی طرف ہے۔ اصل ان کا نام نامی عبداللہ بن زبیر ہے۔ ۲۱۹ھ میں ان کی وفات ہے۔ سعید حمیدی کے نام سے بھی یہ معروف ہیں اور یہ مکی ہیں۔

قال حدثنا سفیان:

استاد میں عام طور پر دو سفیان ہوتے ہیں۔ ۱: سفیان ثوری۔ ۲: سفیان بن عیینہ (یہ تلمیذ امام اعظم ابو حنیفہؒ ہیں۔ فضل الباری ۱/ 136) جب مطلق سفیان ذکر کیا جائے تو سفیان بن عیینہ مراد ہوتے ہیں۔ چونکہ دونوں ثقہ ہیں۔ اس لئے ابہام مضر نہیں۔ متوفی ۱۹۸ھ یہاں ابن عیینہ مراد ہیں۔

(۱) دونوں حضرات کی تعیین کی صورت یہ ہے اونچے طبقے میں نام آئے سفیان ثوریؒ، اگر نیچے میں آئے تو سفیان بن عیینہؒ مراد ہیں، (۲) تتبع طرق سے کسی سند میں کسی ایک کی تصریح مل جائے۔ یہاں سفیان بن عیینہ مراد ہیں، حمیدی کا راوی ہونا قرینہ ہے۔۔۔ سفیان ثوریؒ طبقہ سابعہ یعنی تبع تابعین کے طبقہ علیا میں ہیں اور سفیان بن عیینہؒ طبقہ سابعہ یعنی تبع تابعین کے طبقہ وسطیٰ میں ہیں۔۔۔ نیز تبع تابعی ہیں تابعی نہیں۔ (امداد ج ۲ ص ۳۸۱)

یحییٰ بن سعید انصاری المدنی:

مشہور تابعی ہیں، ائمہ مسلمین میں سے ہیں، مدینہ طیبہ کے قاضی رہے ہیں۔ م ۱۴۳ھ ایک شخص کو انصاری معنی کی طرف نظر کرتے ہوئے فرما دیا گیا، انصار کا ہر فرد کو یا جماعت کے قائم مقام ہے کما قال اللہ تعالیٰ ان ابراہیم کان امةً قانعا۔ (امداد ج ۳ ص ۳۸۳)

محمدين ابراهيم التيمي: تيم قریش کا قبیلہ ہے اس کی طرف نسبت ہے۔ ۱۲۰ھ
 اوساط تابعین میں سے کثیر الحدیث ہیں، ان کی نسبت تيم بن مرہ کی جانب ہے اور یہ تيم قریش کہلاتے ہیں، حضرت انسؓ
 کو دیکھا اور ابن عمرؓ سے شرف سماع حاصل ہے۔ علم و حلم میں کامل حفظ و ضبط میں فاضل تھے۔ (امداد ج ۲ ص ۳۸۴)
 علقمہ بن وقاص الليثی: تابعی ہیں اگرچہ عند بعض صحابی ہیں۔ عبدالملک بن مروان کے دور میں رحلت ہے۔
 صحاح ستہ میں علقمہ بن وقاص دوسرا راوی نہیں... ابن منذر نے ان کو صحابی لکھا ہے اگرچہ جمہور کے نزدیک تابعی
 ہیں۔ (امداد ج ۲ ص ۳۸۴)

حضرت عمر بن خطابؓ:

نام مبارک عمر، فاروق لقب، حضرات صحابہؓ میں اس نام کے واحد صحابی ہیں۔ آپ پہلے انسان ہیں جو امیر المؤمنین
 کے لقب سے مشہور ہوئے۔ آپ کی موافقات وحی ۱۹ ہیں۔ ۲۶ ذی الحجہ ۲۳ھ کو دوران نماز فرما کر ایک مجوسی غلام ابو لؤلؤ نے منبر سے
 وار کیا جس سے شدید زخمی ہو کر یکم محرم الحرام ۲۴ھ کو مرحومہ شہادت پر فراق ہو گئے۔ عمر مبارک تریسٹھ برس اور دو خلافت دس
 برس چھ ماہ پانچ دن ہے۔

فائدہ: صحابہؓ میں عمر بن خطابؓ صرف آپ ہیں اگرچہ عمر نام کے تینیس حضرات صحابہؓ ہیں اور بعض کے صحابی ہونے میں
 اختلاف بھی ہے۔ البتہ ذخیرہ حدیث میں آپ کے علاوہ چھ عمر بن خطابؓ ہیں، ولادت واقعہ فیل کے تیرہ برس بعد ہے، قبولیت
 اسلام کے وقت آپ ﷺ نے آگے بڑھ کر معانقہ فرمایا اور تین مرتبہ سینہ پر ہاتھ پھیر کر دعا دی۔

اے اللہ! ان کے سینہ سے کینہ و عداوت نکال دے اور ایمان سے بھر دے جبرائیلؑ نے تبریک پیش کرتے ہوئے کہا: ہم
 باہم دیگر حضرت عمرؓ کے اسلام کی خوش خبری سنارہے ہیں۔

آپ سے پہلے چونتیس مرد اور چھ عورتیں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ آپ کا اسلام ہی فاروق بن الحق والباطل ہے۔ نیز آپؓ
 نے بھی انکو فاروق لقب عطا فرمایا۔

پانچ سو پینتیس (۵۳۷) احادیث مرفوعہ ان سے منقول ہیں، صحیحین میں ۸۱ ہیں، ان میں ۳۴ روایات ایسی جو مسلم میں
 نہیں، اور مسلم شریف میں ۲۱ روایتیں ہیں جو بخاری میں نہیں۔ ۲۶ متفق علیہ ہیں۔ (امداد ج ۲ ص ۳۹۰)

فائدہ: قبل از اسلام حضرت عمر ابن الخطابؓ نے سب سے زیادہ بڑی برائی کی نیت کا ارتکاب کیا کہ جناب رسول اللہ
 ﷺ کے قتل کا ارادہ کیا اور عملاً تلوار لیکر تکمیل نیت کا ارادہ کیلئے چل بھی گئے۔

اللہ تعالیٰ نے انہی کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کے طفیل وصدق میں پوری امت کو تاقیامت حسن نیت کے درس کیلئے
 انتخاب فرمایا اور نیت معتبرہ کی حدیث انہی کے ذریعہ امت تک پہنچائی۔

فائدہ نمبر ۲ بعض اوقات اسناد میں کچھ لطائف قدرتی طور پر بلا ارادہ پیدا ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات خود محدث
 پیدا کرتے ہیں۔ اس حدیث مذکور میں بھی متعدد لطائف ہیں:-

(۱) اول سند میں حمیدی اور سفیان کی ہیں بقیہ رجال مدنی ہیں جس سے اشارہ مقصود ہے کہ ابتداء وحی کا تعلق مکہ سے ہے۔ (الاعتصاف القریض اور قد موافقیش کو مد نظر رکھا۔ کشف ص ۲۳۷ ج ۱) اور دوسری حدیث امام مالک کی ذکر فرمائی جو مدنی ہیں جس سے اشارہ ہے کہ وحی کا پھیلاؤ مدینہ طیبہ میں ہے۔

(۲) محدث جو بیان سند میں الفاظ ذکر کرتے ہیں وہ تمام اس اول سند میں جمع فرمادئے ہیں تحدیث، سماع اور اخبار۔ (امداد 392/2)

(۳) ایک ہی سند میں ایک ہی صفت کے کئی راوی آجائیں تو یہ بھی لطائف سند میں سے ہے۔ چنانچہ یہاں حمیدی کے سوا باقی چاروں تابعی ہیں۔ یہ بھی گویا سند کا حسن ہے۔

علی المنبر:

حضرات محدثین کرام کو اس پر تعجب ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ حدیث مسجد نبوی ﷺ کے منبر پر سنائی اور ان سے روایت کرنے والے صرف علقمہ بن وقاص ہیں اور ان سے نقل کرنے والے بھی صرف ایک راوی محمد بن ابراہیم التیمی ہیں آگے یحییٰ بن سعید الانصاری ہیں یہ بھی اکیلے ہیں اس کے بعد پھر یہ حدیث مشہور ہوتی ہے۔ حضرات محدثین کرام کی اصطلاح میں یہ حدیث یحییٰ بن سعید کے تین واسطوں تک غریب ہے۔

(۴) حضرت امام بخاریؒ اپنی صحیح میں پہلی اور آخری حدیث غریب لائے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ غریب حدیث بھی قابل استدلال اور صحیح ہے۔ غیر مقلدین کہہ دیا کرتے ہیں یہ حدیث ”غریبی“ ہے تو امام بخاریؒ نے ان کا رد فرمایا۔ نیت کی حدیث متواتر المعنی ہے، انما الاعمال کی حدیث لفظاً متواتر نہیں، تو اتر کے لیے کثرت ہر طبقہ میں ضروری ہے، اس حدیث میں کثرت یحییٰ بن سعید کے بعد ہے۔ (امداد ص ۲۴۳)

تشریح الفاظ حدیث:

انما الاعمال بالنیات

یہ حدیث شریف مختلف الفاظ کے ساتھ منقول ہے۔ مذکورہ بالا الفاظ کے علاوہ، ۲: الاعمال بالنیات، ۳: العمل بالنیة، ۴: انما الاعمال بالنیة، ۵: الاعمال بالنیة۔

انما کلمہ محصر ہے نحوی علماء کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ مرکب ہے یا سیطہ ہے۔ جو مرکب کے قائل ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ ان حرف شبہ بالفعل ہے اور ماضیہ ہے۔ البتہ اس پر اجماع ہے کہ کلمہ محصر ہے۔ دلیل اول، کلمہ محصر ہونے کی پہلی دلیل یہ ہے کہ انما کا استعمال ان مواقع پر ہوتا ہے جہاں ما اور الا کا استعمال ہوتا ہے اور ما اور الا محصر کیلئے ہوتے ہیں۔ جیسے ما مقام الا زید کی جگہ انما مقام زید کی کہہ سکتے ہیں۔

قرآن کریم میں ہے: ما علی الرسول الا البلاغ، جبکہ دوسری جگہ فانما علیک البلاغ المبین، معنی حصر کے لحاظ سے دونوں برابر ہیں۔

شبہ ہو سکتا ہے کہ انما الاعمال بالنیات کا مطلب اگرچہ یہ ہے کہ نیت سے ایک درجہ میں عمل کا وجود ہو جاتا ہے تو پھر انما کلمہ حصر کے کیا معنی؟ حالانکہ جو ارح سے بھی عمل کا وجود ہو جاتا ہے اس کو ”حصر قلب“ کہا جاتا ہے اس سے حصر مقصود نہیں ہوتا محض مبالغہ اور تاکید مقصود ہوتی ہے مخاطب چونکہ یہی سمجھا ہوا ہے کہ عمل کا وجود فقط جو ارح سے ہی ہوتا ہے حالانکہ نیت سے بھی عمل کا وجود ہوتا ہے اسی بات کو بتا کید ثابت کرنے کیلئے مخاطب کے اس حصر کو متکلم الٹ کر یوں کہتے کہ عمل کا وجود محض نیت سے ہی ہوتا ہے۔ (فضل الباری ص 147 ج 1)۔

علامہ سندھی کی تحقیق یہ ہے: انما الاعمال بالنیات نہی مقدم عقلی ہے جسے حکم شرعی کے لیے بطور تمہید آپ ﷺ نے بیان فرمایا۔ عمل مکلف کے فعل اختیاری کو کہتے ہیں جو نیت کے بغیر نہیں ہوتا۔ اب حکم شرعی سنو انما للکل لامرئ ما نوئ۔ آدمی کو اس کے عمل سے اس کی نیت ہی ملے گی۔ نیت ہی عمل کا پیمانہ اور معیار ہے۔ یعنی اعمال کا خیر و شر ہونا، ان پر ثواب و عقاب کا ترتیب اسی طرح کبھی ایک ہی عمل کا خیر و شر بن جانا ایک ہی عمل کا نیت کے تعدد کی وجہ سے متعدد بن جانا یہ سب کچھ نیت کے تابع ہے۔ جتنی اور جیسی نیت ویسا پھل۔۔۔ البتہ نیت ایسی معتبر ہے جس کی عمل میں صلاحیت ہو، بے محل کوئی چیز درست نہیں ہوتی، اسی طرح نیت بھی محل ہی میں معتبر ہوگی۔۔۔ مسروقہ مال میں خدمت غرباء کی نیت معتبر نہیں۔۔۔ (اس کو حلال جاننا تو مضمضی الی الکفر بھی ہے)

حضرت علامہ فرماتے ہیں آنے والا جملہ اس پر مرتب ہے یعنی اس کا نتیجہ ہے۔ فمن كانت هجرته الى الله ورسوله اى قصدا ونية فهجرته الى الله ورسوله اجر او ثواباً

اسی طرح جملہ ثانیہ ہے۔ فمن كانت هجرته الى الدنيا يصيبها او الى امرأة يندكحها قصدا ونية فهجرته الى ما هاجر اليه اى منصرفة الى الفرض الذى هاجر اليه فلا ثواب له او فهجرته قبيحة او غير مقبولة۔ علامہ سندھی کی توجیہ کی خوبی یہ ہے الف لام استعراقی کی پوری رعایت ہے نہ کوئی تخصیص ہے نہ استثناء۔۔۔ اسی طرح قاعدہ عربیت ہے کہ جار مجرور کا متعلق افعال عامہ میں سے ہونا چاہیے، اس کی بھی رعایت ہے کسی خاص تقدیر کی ضرورت نہیں۔

اسی ذیل میں امام بخاریؒ کا یہ واقعہ ہے کہ امام صاحب کی خدمت میں کچھ ہدایا پیش کئے گئے ایک تاجر نے خریدنا چاہا اور 5000 (پانچ ہزار) نفع دینا چاہا۔ حضرت امام صاحبؒ نے فرمایا: کل آجا و سوچ کر جواب دوں گا۔ اپنے دل میں اس معاملہ کو قبول کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ کچھ یوم بعد ایک اور تاجر نے دس ہزار (10,000) نفع دیکر انہیں لینا چاہا ظاہر ہے فتویٰ کے لحاظ سے امام صاحب پر کوئی پابندی نہیں۔ لیکن امام صاحب نے فرمایا: گو پہلے تاجر سے صراحۃً کوئی معاملہ طے نہیں پایا تھا تاہم میں نے دل میں اس کی پیشکش کو قبول کر لینے کی نیت اور ارادہ کر لیا تھا میں اپنی نیت کو اللہ کے سامنے توڑنا نہیں چاہتا۔ (فضل الباری ج 1 ص 65)

حاصل یہ اس حدیث میں نیت اور عدم نیت کا فرق بتانا مقصود نہیں بلکہ اس حدیث میں نیت صحیحہ اور فاسدہ کا فرق بتایا گیا ہے۔ کیونکہ ہجرت الی اللہ اور رسول بھی نیت ہے اور ہجرت الی الدنیا بھی نیت ہے۔ فرق یہ ہے کہ ایک نیت صالح اور درست ہے اور دوسری نیت فاسد و فاسق ہے پس جب اس حدیث میں نیت، عدم نیت کا فرق نہیں بتایا گیا تو ثابت ہو گیا کہ اس حدیث کو نیت فی الوضوء کوئی تعلق نہیں۔ (امداد ج ۲ ص ۴۰۰)

الاعمال: یہ عمل کی جمع ہے۔ اس کے مقابلہ میں فعل کا لفظ ہے۔

سوال: الاعمال کا لفظ استعمال فرمایا الافعال کیوں نہیں فرمایا؟

جواب: یہاں عمل کا لفظ ہی مناسب ہے اس لئے کہ عمل اور فعل میں متعدد وجوہ فرق ہے۔

(۱) عمل خاص ہے اور فعل عام ہے ہر عمل فعل کا مگر ہر فعل عمل نہیں کہہ سکتے۔ عمل میں نیت شرط ہے جبکہ فعل میں نیت شرط نہیں۔

(۲) ہر عمل اختیاری ہوتا ہے ہر فعل کا اختیاری ہونا ضروری نہیں۔

(۳) عمل کیلئے دوام شرط ہے نہ کہ فعل کیلئے، جیسے ادائیگی نماز میں عمل ہے فعل نہیں کیونکہ اس میں دوام ہے۔

(۴) عمل کیلئے صحت بھی ملحوظ ہے جبکہ فعل کیلئے ضروری نہیں۔ مثلاً ایک شخص بے وضو نماز پڑھتا ہے یہ فعل تو ہے مگر عمل نہیں۔

الفرض عمل مکلف کے فعل کا اختیاری کو کہتے ہیں۔

(۵) عمل کا لفظ ذوالاعتقول کے ساتھ خاص ہے فعل نہیں۔

بالنیات: نیت یہیہ کی جمع ہے لغوی معنی تو جہ القلب نحو الفعل یعنی بالقصد کسی کام کو سر انجام دینا۔ اصطلاح شریع

میں: قصد العمل لوجہ اللہ تعالیٰ۔

نیت اور ارادہ میں فرق: ارادہ میں اپنی غرض ذاتی داخل نہیں ہوتی نیت میں نیت کنندہ کی اپنی غرض داخل ہوتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ پر ارادہ کا اطلاق تو ہے مگر نیت کا نہیں اس لئے کہ وہ اغراض سے پاک ہے۔

اقسام نیت: (۱) تمییز العبادۃ عن العبادۃ، جیسے فرائض واجبات اور نوافل وغیرہ کہ اشتراک افعال کے باوجود محض نیت سے تمیز

سے تمیز امتیاز پیدا ہوتا ہے۔ (۲) دوسری قسم: تمییز العبادۃ عن العبادۃ جیسے کھانا پینا وغیرہ امور مباحات میں سنت کی نیت کرنا۔

(۳) قرآن وحدیث کی اصوص اور تصوف میں لفظ نیت معبود کو غیر معبود سے اور فقہاء کے اقوال میں ایک عبادت کو دوسری

عبادت سے اور عبادت کو غیر عبادت سے اور عبادت کو عبادت سے تمیز میں مستقل ہوتا ہے۔ (فضل الباری ص ۱۴۵ ج ۱)

اس روایت کے تمام طرق پر نظر کریں تو اکثر روایات میں اعمال کا لفظ جمع اور نیت کا واحد ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ

اعمال کا تعلق جو ارجح سے ہے اور وہ بہت ہیں اس لیے اعمال کو جمع لایا گیا۔ نیت کا تعلق قلب سے ہے اور وہ واحد ہے تو نیت کو

بھی واحد لایا گیا۔ البتہ حدیث الباب میں اعمال اور نیت جمع ہیں۔ نیت کو جمع لانے میں اشارہ ہے جس طرح اعمال کی

مختلف انواع ہیں اسی طرح نیت بھی مختلف ہوتی ہے۔ حضرت علیؓ سے منقول ہے خوف جہنم سے عبادت مزدوری ہے اور طمع

جنت میں عبادت تجارت ہے۔ اصل عبادت صرف اللہ کی رضا کے لیے ہوتی ہے، اس نیت سے جہنم سے تحفظ اور دخول جنت بھی

حاصل ہوگا۔ اعمال کی طرح نیت میں بھی تنوع ہے اس لیے نیت لایا گیا۔ (امداد ج ۲ ص ۳۹۸)

انما لکل امرئ ما نوى

لفظ امرء کا اطلاق مرد پر ہے لیکن عورت حکم کے لحاظ سے تجا داخل ہو جائے گی۔

امرء کے لفظ میں ایک لطیفہ ہے۔۔۔ وہ یہ کہ اس را کی جو حرکت ہے وہ اس کے ہمزہ کے تابع ہوتی ہے جیسے لکل امرئ منہم یومئذ شأن یغنیہ، یہ کسرہ کی مثال ہے اگر ہمزہ پر حمزہ ہے تو را پر بھی حمزہ ہوگا جیسے ان مزمء ہلک لیس لہ ولدہ، یہ حمزہ کی مثال ہے۔ اگر ہمزہ پر فتح ہے تو را پر بھی فتح ہوگا جیسے ماکان ابو کب امرئ سوی۔

سوال: انما الاعمال بالنیات کے بعد جوار شامبارک انما لامرء مانوی ہے یہ معنوی طور پر تکرار ہے اس لئے کہ دونوں کا مطلب ایک ہی بنتا ہے۔

جواب: عند بعض پہلے جملہ کی تاکید ہے۔۔۔ لیکن جمہور کے نزدیک یہ نہیں ہے تا کی نہیں۔ دونوں جملوں میں فرق ہے۔ (۱) کبھی ایسا ہوتا ہے کہ پہلے ایک عربی جملہ بول دیا جاتا ہے پھر اس کے بعد شرعی بولا جاتا ہے جیسے حدیث شریف میں ہے: لکل شیء زینۃ وزینۃ القرآن سورة یحسین۔ اسی طرح لکل امة امین وامین هذه الامۃ ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ ان دونوں احادیث میں پہلا جملہ عربی ہے اور دوسرا شرعی ہے۔ (۲) دوسرا فرق: پہلے جملہ میں عمل کا ذکر ہے اور دوسرے میں عاملین کا ذکر ہے۔

انما لکل امرء ما نوى

حاصل مفہم یہ ہے کہ جیسی نیت یا جتنی عبادت کی نیت ہوگی ویسی مل جائے گا اگر انسان ایک عمل میں متعدد نیات جمع کر لیتا ہے مسجد میں جاتے ہوئے نماز، سلام، سلاقت، احباب، مومن، چری مریض، تو سب کا ثواب مل جائے گا یہ مانوی کی حرکت ہے۔ اشکال: رمضان میں فرض روزہ رکھتے ہوئے نفل کی نیت کرے تو مانوی حاصل نہیں ہوتا روزہ فرض ہی ہوگا۔ جواب: محل نفل نہیں تھا اس لئے نفل نہ ملا۔

جواب ۲: فرض بھی عبادت نافلہ مع شئی ہذا عمدہ ہوتا ہے اس لئے یہ تو زیادہ مل رہا ہے گویا فرض کے اہم نفل داخل ہوتا ہے اس صورت میں مانوی مع شئی ہذا عمدہ مرتب ہوا۔ (نمبر ۹۹ ج ۱)

انما الاعمال بالنیات سے متعلق دو اہم بحثیں اور ہیں۔

البحث الاول:

الاعمال: الف لام استغراقی ہے یا عہد خارجی۔؟ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ استغراقی ہے۔ لیکن استغراقی مراد لینے سے یہ خرابی لازم آتی ہے کہ اعمال صالحہ اور اعمال مباحات کے ساتھ اعمال معصیت بھی مراد لیے جائیں جبکہ ان کے بلا ارادہ کرنے سے بھی گناہ مرتب ہو جاتا ہے اور اچھی نیت سے وہ جائز نہیں ہو جاتے، جیسے چوری

کرتے وقت مال مسروقہ کو صدقہ کرنے کی نیت کرے تو ان اعمال میں نیت خیر نہیں ہو سکتی۔ اسلئے لام استغراقی کی بجائے عہد خارجی مراد لیا جائے گا جس کے ذیل میں خاص افراد عبادت اور مباحات بہت سنت مراد لئے جائیں گے۔

البحث الثانی

فقہاء کرام کے نزدیک یہ حدیث اپنے ظاہر پر معمول نہیں ہے کیونکہ ظاہر حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بغیر نیت اعمال کا وجود نہیں ہوتا۔ ظاہر ابطالان ہے۔ کیونکہ آدمی ہر وقت عمل کرتا ہے اور عمل کو جو بھی مل رہا ہے لیکن نیت نہیں کرتا۔ اس لئے اس میں تاویل کا راستہ اختیار کیا جائے گا۔ تاویل اختیار کرنے میں فقہاء کے دو گروہ ہیں۔ ائمہ ثلاثہ اور جمہور کے نزدیک لفظ صحت محذوف ہے۔ یعنی صحة الاعمال بالنیات۔ ہر عمل کے صحیح ہونے کیلئے نیت شرط ہے خواہ مقاصد میں سے ہو یا وسائل میں سے ہو فقہاء حنفیہ کے ہاں لفظ ثواب محذوف ہے کہ ثواب کیلئے نیت شرط ہے لیکن عمل کے صحیح ہونے کیلئے نیت شرط نہیں ہے۔ (وسائل میں)

لفظ صحت و ثواب کے محذوف ہونے کا ثمرہ اختلاف

اگر بغیر نیت کے وضو کر لیا تو عند الاحناف وضو ہو جائے گا اگرچہ ثواب نہ ہوگا۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک وضو نہیں ہوگا۔

مبنی اختلاف

یہ اختلاف دراصل ایک اور اختلاف پر مبنی ہے۔ کہ وضو عبادت ہے یا نظافت ہے۔ عند ائمہ جمہور عبادت ہے لہذا نیت ضروری ہے۔ حضرات احناف کے ہاں نظافت اور نماز کیلئے وسیلہ ہے۔ اس لئے نیت ضروری نہیں اور صحت وضو اس پر موقوف نہیں۔ اگرچہ وضو کا ثواب نہ ملے۔

دلیل جمہور:

آپ ﷺ ارشاد مبارک ہے کہ جب متوضی وضو کرتا ہے تو گناہ ساقط ہوتے ہیں معلوم ہوا کہ وضو عبادت ہے۔ کیونکہ گناہ طہر کا سقوط عبادت کے ذریعہ ہوتا ہے جیسے حدیث شریف میں ہے کہ لیک جمعاً نزل لے جمعاً تک سقوط گناہ کا سبب ہے۔

حنفیہ کی دلیل:

مفتاح الصلوٰۃ الطہور۔ وضو (طہارت) نماز کیلئے چونکہ وسیلہ ہے تو وسیلہ کیلئے نیت شرط نہیں جیسے کپڑے یا چٹائی کیلئے دھونے وقت نیت شرط نہیں۔

اس بحث کے بعد تشریح حدیث کے سلسلہ میں اکابر کی رائے: علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:

اس حدیث میں نیت کی دو قسمیں بتائی ہیں۔ نیت حسنہ اور نیت سیئہ اگر نیت اچھی ہو تو پھل اچھا آتا ہے بری ہو تو نتیجہ برا ہوتا ہے۔ فمن كانت هجرته الى الله ورسوله فهو هجرة الى الله ورسوله في نية حسنه او ومن كانت هجرته الى الدنيا

یصیبها و امر اقیعزو و جہا فہجر تہ الی ما ہاجر الیہ میں نیت میں کیا بیان ہے۔

_____ ابن کثیرؒ نے اعتبار مقرر کیا ہے انما اعتبار الاعمال عند اللہ تعالیٰ بالنیات۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے وجود کو مقرر کیا ہے مگر وجود حسی کے ساتھ وجود ”عند اللہ“ اور ”وجود شرعی“ مراد لیا جائے۔ چنانچہ اچھے برے عمل کی نیت کر لینے سے عند اللہ اس کا وجود متحقق ہو جاتا ہے اور ظاہر میں نہ ہونے کے باوجود عذاب و ثواب کے فیصلے مرتب ہوتے ہیں۔ چنانچہ مریض و مسافر کو بلا عمل ثواب مل رہا ہے گویا وجود عمل ہے۔ نیز حضرت ضمیرہ بن جندبؓ مکہ میں شدید بیمار تھے، بیت ہجرت کلمے مکر متعیم میں انتقال ہو گیا وجود ہجرت کو تسلیم کر لیا گیا اور فقد وقع اجرہ علی اللہ کی آیت شریفہ نازل ہو گئی۔

چنانچہ علامہ عثمانیؒ اسی کو مثال سے سمجھاتے ہیں: جنین؛ ہم اس کو موجود اس وقت سمجھتے ہیں جب وہ بطن مادر سے باہر آجائے۔ حالانکہ اس کے اندر روح ولادت سے بہت پہلے ہی پھونکی جاتی ہے۔ مگر چونکہ ہماری نظروں میں نہیں آیا ہم اس کو موجود نہیں مانتے۔ مگر اللہ تعالیٰ جو یعلم ما فی الارحام ہے اس سے تو مخفی نہیں۔ اس لئے عند اللہ اس کا وجود اسی وقت سے شمار ہے۔ (فضل الباری ص 145 ج ۱)

(چنانچہ جنین کا اگر قبل از نفع روح اسقاط کر دیا جائے تو گناہ ہے اور بعد از نفع نفل قتل کے مترادف ہے۔ نیز جنین بھی وراثت میں حصہ دار ہوتا ہے۔ حالانکہ وجود خارجی نہیں مگر وجود عند اللہ ہے اس پر احکام بھیہ بھی جاری ہیں۔) حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمی نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں وجود عمل قلب میں ہوتا ہے پھر ظہور عمل اعضاء سے ہوتا ہے۔

تاہم وجود قلبی کا جہان لطیف ہے خارجی ذرائع کا محتاج نہیں۔ لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ وجود قلبی و ذہنی کے بعد ہی ظہور عمل ممکن ہے۔

دیکھا جائے تو انسان کے اپنے اختیار میں صرف ”وجود قلبی“ ہی ہے۔ ظہور کیلئے صحت و حیات اور قدرت علی العمل کے تمام لوازم اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ چنانچہ اگر وہ صحت، حیات اور قدرت علی العمل کو باقی رکھے تو اس کا کرم ہے۔ اور عذر، عدم قدرت و حیات کی صورت ہو جائے تو محض ”وجود نیت“ پر اجرا اخروی مرتب فرمادیں گے۔ اس لئے کہ اسباب پر عمل کا ترتیب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ بندہ کی حیثیت ثانوی ہے۔

اسی طرح بروز قیامت نیت معتبرہ کے وجود پر قبولیت ہوگی وہ اعمال جو نیت حسنہ کے ساتھ نہ مل گان پر عتاب و عقاب ہوگا۔ چنانچہ دوام علی الایمان کی نیت کی وجہ سے دواماً جنت اور دواماً کفر پر قائم رہنے کی نیت سے دواماً جہنم میں جانا ہوگا۔ اسی طرح ایک شخص کے پاس مال و علم ہے۔ اُسے صحیح خرچ کرتا ہے وجود اعمال ہے۔ دوسرے کے پاس دونوں نہیں مگر نیت کرتا ہے میرے پاس ہوتا تو میں خرچ کرتا اس کو آخرت میں وجود اعمال دیدیا جائے گا۔ اسی طرح دوسرے کے پاس نہ مال ہے نہ علم، وہ ارادہ کرتا ہے کہ میرے پاس ہوتا تو میں بھی نام و نمود کرتا اس کو عذاب ہوگا گویا نیت محضہ سے وجود عمل ہو گیا۔ حاجی حج سے پہلے، معتبر عمرہ سے پہلے، فازی جہاد سے پہلے مرجائے تو صرف نیت کی وجہ سے عند اللہ ماجور ہوگا۔ یہاں ثواب ”وجود

فی النية“ ہے۔ نية المؤمن خیر من عملہ اسی کی دلیل ہے۔

سوال: وضو کے لئے آپ ایک لفظ ثواب محذوف مانتے ہیں اور نماز کیلئے لفظ صحت محذوف مانتے ہیں کیونکہ نماز کیلئے آپ بھی نیت ضروری قرار دیتے ہیں۔؟

جواب: نماز کیلئے ہم نیت کو اس حدیث سے ثابت نہیں کرتے جس کی وجہ سے لفظ صحت محذوف ماننا پڑے، نماز کیلئے نیت ہم قرآن کریم سے ثابت کرتے ہیں وما امرنا الا لیعبدا اللہ مخلصین لہ الدین۔ مخلصین لہ الدین میں دو چیزیں ہیں: (۱) خالص اعتقاد (۲) حسن نیت ہو تو وہ عبادت صلوٰۃ بنے گی۔

جواب ۲: دوسرا جواب یہ ہے کہ نماز کے بارے میں استدلال اسی حدیث سے ہے لفظ صحت کی بجائے لفظ ثواب محذوف مانتے ہیں۔ چونکہ نماز سے مقصود ثواب ہے وہ نیت پر موقوف ہے اس لئے اگر نیت نہ کی تو ثواب نہیں ہوگا جب ثواب نہیں ہوگا تو مقصد صلوٰۃ حاصل نہ ہوگا اس سے صلوٰۃ کا وجود ہی نہیں رہے گا۔ اس لئے کہ جس طرح انتفاء لازم سے انتفاء شی (ملزوم) ہو جاتا ہے اسی طرح انتفاء مقصد سے انتفاء شی لازم ہو جائے گا یعنی انتفاء ثواب سے انتفاء صلوٰۃ ہو جائے گا۔ لہذا نماز میں نیت ضروری ہے ورنہ ثواب ہی نہ ہوگا۔

مہاجر اُمّ قیس نے بغرض نکاح ہجرت کی

اس پر آپ ﷺ نے انما الاعمال بالنیات فرمایا چونکہ ہجرت اور وضو وسیلہ اور آلہ ہونے میں یکساں ہیں تو آپ ﷺ نے ہجرت کو باطل قرار نہیں دیا اور واپس نہیں فرمایا بلکہ احکام ہجرت جاری فرمائے، جبکہ اس دور میں ہجرت فرض تھی، صل فانک لم تصل کی طرح کہ مکہ لوٹ جاؤ دوبارہ ہجرت کرو نہیں فرمایا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ہجرت پائی گئی مگر ہجرت کا ثواب نہیں ہوگا بالکل اسی طرح بلا نیت وضو ہو جائے گا مگر ثواب نہیں ہوگا اگرچہ وہ آلہ صلوٰۃ بن سکے گا۔

تو جس دلیل سے حنفیہ کا مسلک ثابت ہو رہا ہے کہ ہجرت بلا نیت پائی گئی دلیل حنفیہ ہے۔ شوافع اس کو اپنی دلیل بنا رہے ہیں۔ الغرض ہجرت اور وضو دونوں عبادت غیر مقصودہ ہیں اس لئے اس ہجرت میں نیت شرعیہ نہ ہونے کے باوجود ہجرت ہوگئی، اسی طرح وضو میں بلا نیت وضو ہو جائے گا۔ البتہ ثواب نہ ملے گا اور وضو صحیح ہو جائے گا۔

نیز وضو میں نیت فرض قرار دینے سے خبر واحد محتمل المعانی الکثیرہ کے ذریعہ نص قرآنی پر زیادتی لازم آتی ہے لہذا فرضیت نیت وضو میں ثابت نہیں ہوتی۔ بخلاف تیمم، اس میں نیت فتمموا کے لفظ سے لغوی معنی کو ملحوظ رکھتے ہوئے نص قرآنی سے ثابت ہے۔ نیز پانی مطہر بالذات ہے نیت ضروری نہیں اور مٹی مطہر بالذات نہیں ہے اس لئے قصد نیت طہارت ضروری ہے۔

حضرت کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ نیت کے بغیر کوئی حنفی وضو نہیں کرتا، کیونکہ نیت سے توجہ قلبی اور ارادہ قلبی مراد ہے نہ کہ تلفظ بالنیۃ جو ثابت ہی نہیں۔ بلکہ حنابلہ کے ہاں بدعت ہے۔ افعال اختیار یہ سرانجام دینے سے پہلے ارادہ ضروری ہوتا ہے جس میں

حنفیہ وشافعیہ تمام برابر ہیں وضو کا عمل متوضی کے ارادہ و نیت کے بغیر ثابت نہیں ہوتا۔ اسلئے وضو بلا ارادہ کا خارج میں وجود ہی نہیں تو اس پر بحث کا کیا فائدہ؟

البتہ چلتے راہ کوئی آدمی نہر میں گر جائے تو اس کا وضو اور غسل بلا ارادہ متحقق ہو جائے گا اور شوافع کے ہاں صحیح نہ ہوگا یہ ایک شاذ صورت ہے اس کو زیر بحث لا کر ایک امر بد ہی کو امر نظری بنا دینا کچھا اچھا نہیں۔

نیز پانی ایک حقیقت ہے جو اپنی تاثیر میں نیت کا محتاج نہیں، آگ پر ہاتھ پڑے گا تو جلے گا برف سے ٹھنڈک محسوس ہوگی، کوئی نیت کرے یا نہ کرے، پانی کی حقیقت میں تطہیر داخل ہے پانی کے استعمال کے بعد حصول طہارت ہو جائے گا۔ (امداد ج ۲ ص ۴۰۶) ائمہ ثلاثہ کے نزدیک وضو میں نیت فرض ہے، امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، زفر، ثوری، اوزاعی، حسن بن علی کے نزدیک وضو اور غسل میں نیت فرض نہیں البتہ مسنون ہے... امام مالکؒ کی بھی ایک روایت یہی ہے، امام اوزاعی، حسن بصری کے نزدیک تیمم میں بھی نیت فرض نہیں... گویا یہ دونوں حضرات حنفیہ سے بھی ایک قدم آگے ہیں۔

حنفیہ کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے بیہوشی کے گھر قرآن کریم کو چھونا چاہا۔ ان لوگوں نے منع کر دیا کہ تم ناپاک ہو اللہ کا پاک کلام نہیں چھو سکتے... حضرت عمرؓ نے غسل کیا، ان کو قرآن کریم دے دیا گیا... حضرت عمرؓ کا فرقتے، کافر کی نیت معتبر نہیں ہوتی تو ان کا غسل کیسے صحیح ہوا؟

بہن بیہوشی دونوں مسلمان تھے گویا دو صحابیوں کا فتویٰ ہو گیا... حضرت خبیبؓ تیسرے گواہ تھے اگرچہ وہ مخفی تھے۔ لیکن ظاہر ہونے کے بعد تکبر نہیں فرمائی، اور حقیقت یہ ہے کہ اس واقعہ کی حضور ﷺ ضرور خبر ہوئی ہوگی اس لیے من وجہ حضور اقدس ﷺ تقریر بھی تھی... جب غسل بدوں نیت (وہ بھی کافر کا) صحیح ہو گیا تو وضو (مسلمان کا) بدرجہ اولیٰ صحیح ہے... کیونکہ حدیث اصغر کا معاملہ ہر صورت حدیث اکبر سے اخف ہے... جو لوگ نیت کی فرضیت کے قائل ہیں ان کے پاس ایسی کوئی صریح روایت کسی صحابی سے اس کے خلاف نہیں... صریح کے مقابلے میں محمل و مہمل سے استدلال درست نہیں۔

پھر بھی حنفیہ نے لکھا ہے: ان المامور بہ المسنون ہو الوضوء المنوی ولا خلاف فیہ کما نقلہ فی البحر الرائق۔ (الدر المختار وغیرہما) [امداد ج ۲ ص ۴۱۴]

”فائدہ انوریہ“

دین کا مجموعہ: ۱: اعتقادات، ۲: اخلاق، ۳: عبادات، ۴: معاملات اور ۵: عقوبات ہیں۔ فقہ میں اعتقادات و اخلاق سے بحث نہیں۔ عبادات میں بالاتفاق نیت شرط ہے۔ معاملات میں مناکحت، مالی معاوضات، خصومات، ترکات اور امانات میں بالاتفاق نیت شرط نہیں۔ صرف نفاذ ہے۔

اسی طرح عقوبات میں حد و زنت، قذف، سرقت و قصاص میں کسی نے نیت کی شرط نہیں لگائی۔ حضرت کشمیریؒ فرماتے ہیں جس طرح ان حضرات نے معاملات و عقوبات کو نیت کے دائرے سے خارج کیا ہے ہم بھی وضو کو ان اعمال سے خارج

کرتے ہیں کیونکہ وہ عبادت محضہ نہیں بلکہ ایک وسیلہ ہے۔ اگر وضو میں عدم اشتراط نیت کا اعتراض ہمارے ذمہ آتا ہے تو ان حضرات کی طرف اسی حدیث سے معاملات و عقوبات میں عدم اشتراط نیت کا اعتراض متوجہ کیا جاسکتا ہے۔ (کشف ج ۱ ص ۲۶۸)

(فائدہ): حضرت ام سلمہؓ نے حضرت ابوطالبؓ سے مشروط بالاسلام نکاح کیا تھا جو ہجرت سے بڑی چیز ہے کیونکہ معتبر ہوگا۔ اس وقت کی فضا میں اس کا چھپا رہنا ممکن نہیں اور آپ ﷺ کی طرف سے نگیر سامنے نہیں آئی تو اعتراض نہیں۔ مہاجر اُمّیں پر نگیر ہے تو ثواب ہجرت نہیں ہوگا۔

سوال: حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کا نکاح جو حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے ساتھ مشروط بالاسلام تھا۔ کیا ان کا اسلام حدیث ہجرت کی روشنی میں قابل اعتبار ہوگا یا نہیں؟

جواب: حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ اسلام کی طرف مائل ہو چکے تھے۔ اسی دوران نکاح کی بات چل پڑی۔ لہذا اسلام کا قبول کرنا ”حصول منکوحہ“ ہی کیلئے نہ تھا۔ (فضل باری ص ۱۵۰ ج ۱)

بہر حال حدیث ام سلیم رضی اللہ عنہا میں اسلام پہلے اور نکاح بعد میں ہے۔ حضرت مہاجر اُمّیں رضی اللہ عنہا کی شان صحابیت سے بعید ہے کہ انہوں نے ہجرت فقط حصول زوجہ کیلئے کی ہو۔ بلکہ ثواب ہجرت مع حصول زوجہ کیلئے کی۔ مگر حسنات الابوار مسینات المقربین کے تناظر میں اس پر بھی انکی بلندئی شان کی وجہ سے لطف بھر اعتبار ہوا۔ (فضل باری ص ۱۳۹ ج ۱ ملخصاً)

یہ حضرات صحابہ کرام کا کمال احتیاط ہے کہ مہاجر اُمّیں کا نام مخفی ہی رکھا۔ (مدارج ص ۲۷۷ ج ۲)

(۱) مواہب لطیفہ اور طبرانی کی روایات ملانے سے پتہ چلتا ہے مہاجر اُمّیں کے واقعہ پر تو آپ ﷺ نے نگیر فرمائی ہے۔ حضرت ابوطالبؓ کے معاملہ میں مکمل سکوت ہے آپ ﷺ نے حضرات کی طرف سے کوئی نگیر نہیں... اس لیے ایک کو مہاجر اُمّیں کہا دوسرے کو مسلم ام سلیمؓ نہیں کہا، چنانچہ استیعاب میں فحسن اسلامہ کے الفاظ بھی اس کو یاد دلائیں۔

(۲) لاھن حل لھم ولاھم یحلون لھن... یہ آیت شریفہ حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان نازل ہوئی... گویا ابھی مشرک سے تحریم نکاح کے بارے میں ممانعت نازل نہیں ہوئی تھی فلا اشکال (مدارج ص ۲۷۸ ج ۲)

فمن کانت ہجرۃ الی اللہ ورسولہ

ہجرت دوم پر ہے۔ ظاہری، باطنی ہجرت ظاہری دارالافساد سے دارالامن یا دارالحرب سے دارالاسلام کی طرف آنا ہے۔ ہجرت باطنی یہ ہے: المہاجر من ہجر ما نہی اللہ عنہ۔ اور ایک روایت میں ہے: المہاجر من ہجر الخطایا والذنوب۔ جس نے کامل منہیات کو ترک کیا وہ کامل مہاجر اور جس نے بعض کو ترک کیا وہ ناقص مہاجر ہے۔

الٰہی دنیا: دنیا کا لفظ ذنوب یا دنائے سے ماخوذ ہے، اگر دنوے مشتق ہو تو اس کی اصل ذنوب ہے جو فعلی کے وزن پر ہے۔ یہاں واؤ کو ”سی“ سے بدل دیا گیا ہے۔ اس کا معنی نزدیک ہونے والی ہے۔ چونکہ دنیا بھی آخرت کے مقابلہ میں قریب اور نزدیک ہے۔ اس لیے اس کو نیا کہا جاتا ہے۔

اور اگر دلتا سے مشتق ہو تو اصل ذلتی تھا چونکہ مہمود اللام کے قاعدہ کے تحت ہمزہ می سے بدل گیا ہے اس لئے دنیا ہو گیا اس کا معنی ”کین“ ہے۔ یہ بھی آخرت کے مقابل میں کین ہے۔ پس طالب دنیا طالب کین ہے۔

یہ تم تفصیل سے بتائیں اور لوگوں میں تائید کی وجہ سے غیر منصف ہے یہ ایک سبب دو کے قائم مقام ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے کسی کام کو کرنا نیت ہے جو امر مخفی ہے۔ تو امام بخاریؒ نے ہجرت الی اللہ کے لفظ کو حذف کر دیا۔ اور ہجرت الی اللہ دنیا ظاہر ہو جانے والی چیز ہے۔ پس ہجرت الی اللہ کے جملہ کو حذف کر دیا۔ اس بات کو اللہ کے حوالہ کرو اس تالیف سے میری نیت خالص ہے۔ تم صرف اتنا سمجھو کہ میری نیت فاسد نہیں۔

کتاب میں کسی کا مذہب لیا اور کسی کا ترک کیا، کسی کی تائید کی اور کسی کی تردید کی۔ اس سے اپنی علمی عظمت یا دنیوی غرض مقصود نہیں۔ اس شبہ کو دور کرنے کے لیے ہجرت الی اللہ دنیا کے جملہ کو نقل فرمایا۔ میری نیت میں برائی نہیں۔ (مدارج ص ۲۲۰)

حدیث مبارکہ کا شان و رود

حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے ایک آدمی نے ام قیس نامی عورت جس کا نام قبیلہ ہے کی طرف پیغام نکاح بھیجا اس نے کہا بھیجا کہ اسی شرط پر نکاح کر سکتی ہوں کہ آپ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آجاؤ۔ چنانچہ اس شخص نے اسی تناظر میں ہجرت کر لی اس وجہ سے ان کو مجاہد جرم قیس کہا جانے لگا ان کا نام گرامی معلوم نہ ہو سکا۔ اس پر آپ ﷺ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا فمن كانت هجرته الى دنيا يصيبها او امر اقية كها فها هجرته الى ما هاجر اليه۔

سوال: دوسرا جملہ میں فہجرته الى الله ورسوله صراحت بولا ہے۔ اور یہاں فہجرته الى ما هاجر اليه فرما کر ابہام کر دیا اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب ۱: بیان حقارت دنیا و عورت کیلئے کہ یہ دونوں اس قابل نہیں کہ بار بار ذکر کیا جائے۔

جواب ۲: یہ دونوں مستہین ہیں اور مستہین چیزوں میں ابہام ہی تہذیب کا تقاضا ہے۔ ماترکت فتنۃ اضرب علی

الرجال من النساء (بخاری مسلم)

اگر نیک بودے ہمہ کار زن
زنان مزین نام بودے نہ زن
اگر بد بے نہ ختمے کبھی برش کی فوج سے
لیکن شہید ہو گئے بیگم کی ایک لوج سے

سوال: حضرت امام بخاریؒ نے حدیث میں کیوں اختصار فرمایا اور فمن كانت هجرته الى الله ورسوله فہجرته الى الله ورسوله۔ کیوں ترک کیا؟

جواب ۱: امام بخاریؒ کا یہاں اختصار اپنے اساتذہ کرام کے اتباع میں ہے۔ چونکہ حضرات اساتذہ کرامؒ نے اختصار کیا تھا آپؒ نے بھی کیا۔

جواب ۲: حضرت امام بخاریؒ نے تو اہل عاویہ کیا تا کہ یہ دعویٰ نہ ہو کہ میرے عمل میں بہت اخلاص ہے۔

یہ دونوں جواب اس بنا پر کمزور ہیں کہ یہی حدیث اور جگہ بھی آئی ہے وہاں تو تواضع کو یا اتباع اساتذہ کو پیش نظر نہیں رکھا۔
جواب ۳: ایک ہے جلب منفعت اور ایک ہے دفع مضرت۔ دفع مضرت جلب منفعت سے مقدم ہوتی ہے۔ اسی تناظر میں سمجھیں کہ ایک حسن نیت ہے اور ایک بد نیتی ہے۔ حضرت امام بخاریؒ نے پہلا جملہ حذف کر دیا تا کہ یہ سامنے رہے کہ حسن نیت اگر مستحضر نہ ہو، تاہم بد نیتی سے بچنے کا اہتمام دفع مضرت کے حوالہ سے ضرور کرنا چاہیے۔

خرم فی الحدیث کا حکم

امام بخاریؒ نے یہاں حدیث میں اختصار کر کے بتلایا: ”خرم فی الحدیث“ میرے نزدیک جائز ہے۔ مطلب یہ کہ حدیث کے بعض جملوں کو حذف کر دیا جائے اور بعض کو حذف کر دیا جائے۔ (شفا ص 274 ج ۱)

حدیث الباب کا ترجمہ سے ربط

سوال: اس حدیث کا باب سے کیا ربط ہے۔؟

جواب: حضرت محدثین کرامؒ نے اس کے کئی جواب دیئے ہیں۔

(۱) اس حدیث کو حضرت امام بخاریؒ نے بطور خطبہ ذکر کیا ہے۔ ترجمہ الباب کی دلیل کے طور پر ذکر نہیں فرمایا۔ اس لئے مناسبت باہمی تلاش کرنا بے معنی ہے۔ بطور خطبہ ذکر کرنے کی کئی وجوہ درج ذیل ہیں۔

- ۱: طالب علم کو چاہیے کہ اگر حسن نیت نہ حاصل کر سکے تو بد نیتی سے تو اپنے کو بچائے۔
- ۲: تحدیث نعمت کے طور پر یہ حدیث لائے ہیں کہ اپنی کتاب اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے شروع کر رہا ہوں اور کوئی غرض پیش نظر نہیں۔
- ۳: ہجرت کا ذکر کر کے اشارہ فرمایا کہ طالب علم کو نوع من الهجرة ضروری ہے۔

ج (۲): دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث بطور خطبہ کے نہیں۔ اس لئے ترجمہ الباب سے مناسبت تلاش کرنے کی ذمہ داری باقی ہے۔ چنانچہ مناسبت کو مختلف طرق سے حضرت محدثین کرامؒ نے بیان فرمایا ہے۔

(۱) وحی سے مقصود احکام و اعمال ہیں تو وحی مبداء احکام ہے، اور نیت مبداء اعمال ہے۔ تو ترجمہ الباب میں مبداء العلوم ”وحی“ کا ذکر ہے اور حدیث میں مبداء الاعمال ”نیت“ کا ذکر ہے تو مبداء کے لحاظ سے دونوں میں مناسبت ہو گئی۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں وحی کی ابتداء ہوئی اور جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو سب سے پہلے یہ حدیث بیان فرمائی تو ابتداء، ابتداء کے لحاظ سے مناسبت پائی گئی۔

(۳) حدیث میں ہجرت کا ذکر ہے اور ترجمہ میں بدء الوحي کا ذکر ہے۔ ہجرت کا معنی ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف انتقال ہے اور شرعی ہجرت مصیبت سے طاعت کی طرف انتقال ہے۔ اور یہ ہجرت فرض ہے۔ (المہاجر من ہجر مانہی اللہ عنہ) تو شرعی ہجرت وحی سے معلوم ہو سکتی ہے۔

(۴) آپ ﷺ کے دور میں مکہ سے مدینہ طیبہ ہجرت فرض تھی آپ ﷺ نے گھر سے ہجرت غار حرا کی طرف کی جو تقریباً چھ ماہ تھی، یہ ہجرت نزول وحی اور ہدایت وحی کا ذریعہ بنی۔ دوسری ہجرت ظہور وحی اور فروغ وحی کا ذریعہ بنی تو ترجمہ بدو الوحي اور حدیث ہجرت میں مناسبت واضح ہے۔

(۵) عمل کی دو جانبیں ہیں ایک ورود مخائب اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مکلف بنایا جانا دوسری جہت مکلف سے اس کا صدور۔ ورود عمل بذریعہ وحی ہوتا ہے اور صدور عمل بذریعہ نیت ہوتا ہے، ترجمہ الباب میں وحی کا ذکر ہے جو عمل کی جانب اول ہے اور حدیث میں نیت کا، جو جانب آخر ہے۔

(۶) وحی اسرار الہیہ میں سے ہے اس کے لئے بندوں کا انتخاب ہے۔ اللہ اعلم حیث یجعل رسالہ، اللہ یصطفیٰ من الملائکۃ ورسلا و من الناس۔ اسی طرح اخلاص نیت سر من اسرار اللہ ہے۔ اس کیلئے قلوب کا انتخاب ہوتا ہے اس طرح وحی اور اخلاص کے لحاظ سے انتخاب کی مناسبت ہوگئی۔

(۷) وحی سے علوم و اسرار کے بعد انشراح نصیب ہوتا ہے اخلاص کی وجہ سے انشراح حاصل ہوتا ہے۔

(۸) وحی کذریعہ تعیین عمل ہے اور نیت کذریعہ تکمیل و تصحیح عمل ہے۔

حضرت شیخ الہند فرماتے ہیں کہ ڈگری کسی ہوتی ہے منصب وہی ہوتا ہے۔ ڈگری کے حامل بہت ہوتے ہیں، مگر افسر ایک بنتا ہے۔ جس شخص کو نبوت عطا ہوتی ہے اس میں صفات اعلیٰ درجہ کی ہونی چاہئیں، صفات میں سب سے بڑی صفت ”اخلاص“ کا کمال ہے تو امام بخاریؒ بدو الوحي کے ذریعہ بتا رہے ہیں کہ آپ ﷺ کی طرف جو وحی بھیجی گئی تھی وہ اس لئے بھیجی گئی تھی اسی اخلاص کی اہمیت پر زور دیا جا رہا ہے اور اس کے حاصل کرنے کی تلقین۔ گویا نبی اعلیٰ درجہ کا مخلص ہوتا ہے۔ اس لئے بدو الوحي اور حدیث کے لحاظ سے آپ ﷺ گھر کز اخلاص“ ہیں۔

ربط نمبر ۹: نزول وحی کے وقت سب سے پہلی چیز جو قلب نبوت میں آتی وہ یہ نیت ہے کہ انجد اب وحی کر کے اسے جزو نفس کروں۔ (اسی تناظر میں لا تحرک بلسانک فرمایا جانا قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔) دوسری نیت مخلوق کو پہنچا کر اس امانت کو ادا کروں۔ تو بدو الوحي کے ترجمہ کے بعد حدیث الباب انما الاعمال بالخیال لانا کامل مناسبت ہے۔ بہر حال ”بدو الوحي“ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے کہ کس طرح سے بھیجی۔ نی کا فعل یہ ہے کہ وحی آتی تو نبی نے کیا نیت کی۔؟ تو وہ یہ تھی عمل وحی بھی کروں اور ادائیگی بھی کروں۔ تو بدو الوحي کو نیت سے اتنی مناسبت ہے کہ درجہ اول میں انجد اب وحی کی نیت اور حدیث الباب میں امانت کی ادائیگی کی نیت ہے۔ (خطبات حکیم الاسلام، ج 6)

فائدہ نمبر ۱: کوئی بھی عمل صالح واجب، سنت یا مستحب ہو اس وقت تک موجب اجر و ثواب نہیں ہو سکتا جب تک اس میں اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی نیت نہ ہو۔ چنانچہ حصول شہرت یا نام و نمود کی نیت پر ثواب ہی نہیں گرفت بھی ہوگی۔ ہمارے پڑھنے پڑھانے، تقریر و وعظ، دعوت و تبلیغ اور جہاد و سیاست سے مقصود اللہ کی رضا ہو۔ یہ فکر نہیں ہونی چاہیے کہ مخلوق کیا کہے گی۔

فائدہ نمبر ۲: جو مباح اعمال ہیں ان کو حسن نیت سے عبادت بنایا جائے۔ (الانعام)

حدیث الباب کی جامعیت

امام شافعیؒ سے نصف علم کا قول ہے اور ثلث اسلام کا قول امام احمدؒ کا ہے۔ فرماتے ہیں کہ انما الاعمال بالنیات کی حدیث ثلث اسلام ہے اس لئے کہ عمل دل سے؛ زبان سے یا اعضاء سے ہوتا ہے۔ ان تینوں قسموں میں سے ایک قسم نیت ہے بلکہ ان تینوں میں سے بھی بڑھ کر ہے اس لئے کہ یہ مستقل عبادت ہے اور دوسری دو قسمیں عبادت بننے میں اس کی محتاج ہیں۔

فائدہ: ”الجامع الصحيح للبخاری“ اہل علم اور امت کے کبار محدثین کی نظر میں نکات کا ہدف رہی ہے۔ یہاں تک کہ اگر اوایان سب مدنی ہیں فقہاء ہیں اور طبقہ استاد شریک ہیں تو انہیں نکتہ بعد الوقوع کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ اسی تناظر میں بخاری شریف کی ابتداء میں صحابیات کے لحاظ سے جو صورت حال سامنے آئی ہے اس سے اسلام، شریعت اور روایت و روایت حدیث کے لحاظ سے عورت کے مقام بلند پر روشنی پڑتی ہے۔ جس سے یہ پروپیگنڈا فضا میں تحلیل ہو جاتا ہے کہ عورت کو اسلامی تعلیمات کے لحاظ سے ثانوی حیثیت دی گئی ہے۔

عام طور پر قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں خطاب و امر مردوں کو کیا ہے مگر انہی احکام کی عورت بھی مکلف ہے۔ بعض امور میں اس کی تخلیق و ساخت کے لحاظ سے قادر مطلق نے اسے مستثنیٰ فرمایا ہے۔

الصحابۃ کلہم عدول میں صحابیات بھی شامل ہیں۔ مرسل صحابی کی طرح مرسل صحابیہ بھی حجت ہے۔ عورت مقام افتاء حاصل کر سکتی ہے۔ فتویٰ کے لحاظ سے اس سطح پر ہے کہ صحابہ کرامؓ بعض اوقات اپنے فتویٰ سے رجوع فرما لیتے جب ام المؤمنین سیدہ عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ کا قول سامنے آتا ہے۔ اب صرف یہ عرض کرنا مقصود ہے:

بخاری شریف کی پہلی روایت حضرت عمرؓ سے ہے جس سے ”مدار عمل نیت ہے“ کذریعہ بہت سے امور پر روشنی پڑتی ہے یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا سبب ظاہری آپ کی بہن فاطمہ بنت خطابؓ کی وہ قربانی ہے جس سے حضرت عمرؓ کا غیض و غضب ٹھنڈا ہوا اور وہ مائل باسلام ہوئے تو بخاری شریف کے پہلے ادوی کا سبب اسلام ہذا ذریعہ عورت ہے۔

نیز مہاجر ام قیس (حضرت قیلہ نام ہے) امت کے اندر مقاصد و وسائل میں نیت کی کیا حیثیت ہے اس میں انہوں نے مشروط بالحرکت کا حرج کر کے مقاصد و وسائل میں حد فاصل اور حدود اختیار کھینچنے کا ذریعہ بنیں یہی عورت ہیں۔

بخاری شریف کی وحی کے سلسلہ میں پہلی روایت جس ذات حالیہ سے ہے وہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ فارحرا میں جب سلسلہ نبوت کا آغاز اور وحی کی آمد کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ اس منظر وحی سے واسطہ کے بعد آپ ﷺ کے اندورنی احساسات کا اظہار آپ کی زبان مبارک سے اس طرح ہے:

لقد خشيت على نفسي

اس موقع پر آپ کو حوصلہ دہانی دلانے والی اور آپ کو اخلاقی اقدار کے حوالہ سے بھرپور عزم کے ساتھ دلاسنے والی حضرت ام المؤمنین سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہیں۔
پھر عملاً ورقہ بن نوفل کے پاس لیجا کر علمی طور پر مطمئن کرانے کا ذریعہ بننے والی بھی عورت ہے۔
اصح الکتاب بعد کتاب اللہ میں ابتدائی طور پر ”عورت“ کی اتنی خدمات علمیہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ صنف کی بنیاد پر حصول علم کے دروازے بند نہیں۔ عورت بھی اپنے دائرے میں رہتی ہوئی علم کی بلندیوں کو چھو سکتی ہے۔ دین و شریعت کا مزاج عورت کو علم سے محروم کرنا اور اس کو انوی درجہ پر رکھنا نہیں ہے۔
یاد رہے کہ نکات بعد الوقوع ہوتے ہیں۔

حدیث ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا

حدیث رقم ۲ :- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُونُسَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ غَزْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّ الْحَارِثَ بْنَ هِشَامٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ كَيْفَ يَأْتِيكَ الْوُحْيُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْيَانًا يَأْتِيَنِي مِثْلُ صَلَاطَةِ الْجَرَسِ وَهُوَ أَشَدُّ عَلَيَّ فَيَفْصِمُ عَنِّي وَقَدْ وَغَيْثَ عَنْهُ مَا قَالَ وَأَخْيَانًا يَتِمُّ لِي الْمَلِكُ رَجُلًا فَيَكُلِّمُنِي فَأَعْبِي مَا يَقُولُ قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا وَلَقَدْ رَأَيْتُهُ يُنْزَلُ عَلَيْهِ الْوُحْيُ فِي الْيَوْمِ الشَّدِيدِ الْبَرْدِ فَيَفْصِمُ عَنْهُ وَإِنْ جَعَلَتْهُ لِي فَفَصَدْتُ عَنْهَا.

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حارث بن ہشامؓ نے حضور اکرم ﷺ سے پوچھا کہ آپ کے پاس وحی کس طرح آتی ہے؟ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کبھی تو میرے پاس گھنٹی کی آواز کی طرح آتی ہے اور یہ انداز وحی میرے اوپر سب سے زیادہ شاق گزرتا ہے جب یہ کیفیت ختم ہوتی ہے تو میں اسے یاد کر چکا ہوتا ہوں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ فرشتہ انسان کی شکل میں مجھ سے گفتگو کرتا ہے تو میں اس کے کلمات محفوظ کر لیتا ہوں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا میں نے آپ ﷺ سخت سردی کے دن اس حال میں دیکھا کہ آپ ﷺ کے پاس وحی نازل ہوتی تھی اور جب یہ کیفیت ختم ہوتی تھی تو آپ ﷺ پیشانی مبارک سے پسینہ جاری ہوتا تھا۔

تعارف و احوال

عبد اللہ بن یوسف التینسی

نسبت الی التینسی بکسر التاء و نون المشددة المكسورة۔ بلدہ بمصر، ساحل البحر، الیوم خربان، ان کی وفات ۲۱۸ھ۔ مصر میں مدفون ہیں۔ مصری اور دمشق کے نام سے مشہور ہیں۔ امام بخاریؒ کے اساتذہ میں سے ہیں۔

اخبرنا مالک

امام مالکؒ صاحب مذہب؛ امام دارالحجرہ مراد ہیں ۹۷ھ میں وفات ہے، اور جنت البقیع میں مدفون ہیں۔ امام مالکؒ کے شیوخ 900 ہیں جن میں سے تین سوتالیقی اور چھ سوتبع تابعی ہیں۔

ہشام بن عروہؒ: ہشام حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کے پوتے ہیں۔ ان کی وفات ۱۲۵ھ ہے۔

عن ابیہ: سے مراد عروہ بن زبیرؓ ہیں۔ جو فقہاء مدینہ سے ہیں، ان کی وفات ۹۴ھ میں ہے۔

فائدہ: حضرت عبداللہ بن یوسفؒ کے علاوہ تمام روایات مدنی ہیں۔ یہ بھی محسنات سند میں سے ہے۔

عن عائشہ رضی اللہ عنہا:

حضرت ام المؤمنینؓ آپؐ کی اہلیہ محترمہ اور رفیقہ حیات ہیں اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی ہیں۔ آپؐ کی بیوی ہونے کی وجہ سے تعظیماً وادباً ام المؤمنین کہلاتی ہیں۔ احکام میں بعض جگہ ماں ہیں مثلاً نکاح جائز نہیں، اور بعض میں نہیں مثلاً پردہ ہے معلوم ہوا کہ ماں نہیں۔ حضرت عائشہؓ کی مرویات ۲۲۱۰/۲۲۰۰ ہیں۔ [کشف الباری 1/291] ۵۴ روایات کی صرف امام بخاریؒ نے اور اٹھاون (۵۸) روایات کی صرف امام مسلمؒ نے تخریج کی ہے۔ 174 متفق علیہ ہیں۔ ان کی نماز جنازہ سیدنا ابوہریرہؓ نے پڑھائی، جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔ صحابیات میں عائشہؓ کے نام کی دس عورتیں تھیں۔ ام المؤمنین کا لقب قرآنی آیت وازواجہ امہاتہم کی بنا پر ہے۔

کیا ازواج مطہرات ام المؤمنات بھی ہیں؟

(۱) علامہ عینیؒ، ابن عربیؒ، ابن کثیرؒ نے نفی کو ترجیح دی ہے۔ دلیل: ایک عورت نے حضرت عائشہؓ سے کہا یا امہ فرمایا

لست بامک انا امر جالکم (طبقات ابن سعد)

(۲) حافظ ابن حجرؒ کا رجحان: ام المؤمنات کہنے میں کوئی حرج نہیں۔

بہنی اختلاف: خطاب رجال میں نساء داخل ہوتی ہیں یا نہیں؟

جن کے نزدیک داخل ہوتی ہیں ان کے ہاں ام المؤمنات کہنا درست ہے۔ اور جن کے ہاں داخل نہیں ان کے ہاں درست نہیں۔

عن عائشہ انا امر جالکم لا ام نساکم

ازواجہ امہاتہم میں تحریم نکاح مقصود ہے اور تحریم وہاں ہوتی ہے جہاں حلت کا امکان ہو رجال میں حلت نکاح متوقع ہو سکتی ہے۔ عورتوں میں باہمی حلت کا تصور بھی نہیں ہو سکتا... اس لیے ام المؤمنین کہنا تو بر محل اور ام المؤمنات کہنا خلاف مقصود ہے۔ (امداد ج ۲ ص ۳۵۶)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خال المؤمنین اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو خالہ المؤمنین کہنا سلف سے منقول نہیں۔ (در شامی 29)

ابوالمونین کا اطلاق آپ ﷺ پر؟

استاذ ابواسحاق سے صراحۃً وارد ہے کہ ”ماکان محمد اباحد من رجالکم“ اسی طرح ایک حدیث میں ”انابمنزلۃ الوالد“ ہے اس لئے ”ابونا“ ہمیں کہہ سکتے۔

اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ ابوالمونین کا اطلاق درست ہے۔ ابن عباسؓ، ابی بن کعبؓ ”وازاوجه امہاتہم“ کے آخر میں ”وہو اب لہم“ کا اضافہ فرماتے۔ معاویہؓ، مجاہدؓ، عکرمہؓ اور حسنؓ سے یہی مروی ہے۔ اباحد من رجالکم کی نفی کا حلق ابوت و صلیب سے ہے مطلق الہوت کی نفی نہیں۔

فضیلت خدیجہ و عائشہ رضی اللہ عنہما

حضرت خدیجہؓ حضرت عائشہؓ سے افضل ہیں۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا افضل ہیں۔ البتہ علامہ صبیؒ کی رائے ہے کہ دنیا میں حضرت فاطمہؓ اور آخرت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا افضل ہیں۔

بعض حضرات نے مدار فضیلت اوصاف کو رکھا ہے کہ زہد و ترک دنیا کے لحاظ سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور علم و تفقہ اور کمال درایت کے لحاظ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا افضل ہیں۔

فائدہ: مقدرات سے ڈرتے رہنا چاہیے عمرو بن ہشام ابو جہل کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اسی باپ کا ایک بیٹا حارث بن ہشام کے نام سے یاد کیا جاتا ہے دونوں کے مقدر کے فرق کو دیکھ کر بہت ڈرنے کی ضرورت ہے بخاری شریف کے حوالہ سے وحی کا پہلا سوال اسی ہشام کے بیٹے حضرت حارثؓ نے کیا جس کے دوسرے بیٹے نے ساری زندگی رسول اللہ ﷺ ایک بات نہ مانی۔ فریق فی الجنۃ و فریق فی السعیر۔

حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ

حارث بن ہشام ابو جہل کے حقیقی اور حضرت خالد بن ولیدؓ کے چچا زاد بھائی ہیں، فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے۔۔۔ جنین کے موقع پر آپ ﷺ نے ان کو سواونٹ دیے۔۔۔ دور فاروقی میں یرموک کی جنگ میں ۱۵ھ کو شہید ہوئے، ۳۲ اولاد چھوڑی۔ (امداد ج ۲ ص ۲۵۷)

سوال: یہ سند متصل ہے یا مرسل صحابی ہے؟

جواب: حارث بن ہشام جس وقت رسول اللہ سے ولایت کر رہے ہیں، حضرت عائشہؓ پاس موجود ہیں یا نہیں۔۔۔ پاس ہیں تو یہ حدیث متصل ہے۔ یا رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو خود یہ واقعہ بتلایا ہے تو بھی سند متصل ہے۔ اور اگر یہ باتیں نہیں تو پھر یہ مرسل صحابیہ ہے۔ اور مرسل صحابیہ بھی بالحدیث حجت ہے۔ مرسل تابعی میں اگرچہ اختلاف ہے۔ مگر کچھ حجت ہے صرف مام شافعی کے بل حجت نہیں۔

تشریح حدیث

فقال یا رسول اللہ:

آپ ﷺ بالمشافہ یا رسول اللہ کہنے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن اگر سامنے نہ ہوں تو اس وقت کیسا ہے؟ دو حالتوں میں جائز ہے ایک میں نہیں۔ (۱) کہنے والے کے دل میں ہو کہ جب یہ میرا کلام پہنچے تو اس وقت میرا خطاب ہے جیسے خط میں السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ بصیغہ خطاب لکھتے ہیں۔ (۲) دوسری حالت یہ ہے کہ حالت تصور میں آپ ﷺ کے سامنے ہوں یا آپ ﷺ میرے سامنے ہیں تو اس صورت میں بھی جائز ہے۔ (۳) تیسری حالت یہ ہے کہ حاضر ناظر کا عقیدہ رکھے جہاں درود شریف پڑھا جاتا ہے وہاں آپ ﷺ شریف لے آتے ہیں؛ ناجائز ہے۔ اختلاف ”یا رسول اللہ“ کہنے نہ کہنے میں نہیں۔ ”حاضر ناظر“ کا ہے۔

فائدہ: آجکل اکثر ناجائز صورت کا التزام ہے۔ اسلئے اس کو ترک کرنا چاہیے۔ البتہ تنہائی میں بصحت عقیدہ گنجائش ہے۔
فائدہ ۲: یا رسول اللہ اگر دوران عبارت آئے اور صحابی مخاطب ہو تو وہاں آپ ﷺ کہنا چاہیے کہ نقل روایت میں زیادتی ہے جو صحیح نہیں ہے۔

فائدہ سو: یہ سول کیف یا ٹیک الوحی محض اشتیاق کی بنا پر ہے جو عین کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ تردد کی بنا پر نہیں۔ نیز معلوم ہوا خصائص نبوی ﷺ کے بارے میں بھی سول جائز ہے۔ آپ ﷺ جواب دینا ہی کی طرف مشعر ہے۔ (فضل باری ج ۱ ص ۱۵۲)

مثل صلصلة الجرس

لغوی معنی: (۱) زنجیر کو اگر کسی چٹان پر مارا جائے اس سے جو آواز مسلسل پیدا ہوتی ہے اس کو صلصلة الجرس کہتے ہیں۔
(۲) صلصلة اس آواز کو کہتے ہیں جو دلوں کو لکرانے سے پیدا ہوتی ہے۔ لیکن بعد میں توسعاً ہر چھنکار کو صلصلة کہنے لگے۔

مرادی معنی:

(۳) فرشتہ کی آواز ہے۔ (۴) رصد کی آواز یعنی جبرائیل امین کے ساتھ فرشتوں کی بڑی جماعت آتی تھی اس کے پروں کی آواز جیسے پرندوں کی بڑی ڈار گزرتے وقت ”شاں شاں“ آواز دیتی ہے۔
(۵) جبریل کے آنے کی دُور سے آواز جیسے جہاز یا ریل کے آنے سے پہلے فضا میں ایک خاص آواز ہوتی ہے ہاں جو داس کے کہ ابھی ریل اور جہاز نظر نہیں آتے۔

ہر انسان محسوس نہیں کرتا، کشف سے متعلق چیز ہے اہل کشف اور نبی ہی کو معلوم ہو سکتی ہے۔
(۶) نبی کی ساری قوتوں کو مجتمع کرنے کیلئے وحی سے پہلے یاد دہانی (ریماڈر) برائے موقوف۔

(۷) قدرۃ باری تعالیٰ سے ”موجی الیہ“ کے اندر کی صوت مراد ہے۔

(۸) فرشتے کی اصل آواز۔

(۹) شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں ”حواس میں تعطل کے بعد اس حالت میں یہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ مختلف چیزوں کا ادراک کرتا ہے مثلاً حاسہ بصر بعد از خرابی مختلف رنگوں کا ادراک کرتا ہے تو یہ صصلۃ الجرس تعطل حواس سے کتنا یہ ہے، غزل و جی کے وقت حاشہ سمع کو عالم شہادت کی مسومات سے معطل کر کے دوسرے عالم کی طرف متوجہ فرما دیتے ہیں تاکہ تلقی و جی کر سکیں۔“

(۱۰) جانور کے گلے میں گھنٹی کی آواز کو بھی صصلہ کہتے ہیں۔ اسی طرح گاڑی (ٹرین) کی آواز کو بھی کہہ سکتے ہیں۔
الجوس: جانور کے گلے میں گھنٹی کو کہتے ہیں۔

وجوہ تشبیہ

سوال: اس حدیث میں وحی کی آمد کو صصلۃ الجرس سے تشبیہ دی گئی ہے دوسری حدیث میں کائنۃ سلسلۃ علی صفوان اور ایک روایت میں دوی نحل سے تشبیہ ہے۔ تضاد ہے؟

جواب: آپ ﷺ جو آواز آتی تھی وہ صصلۃ الجرس کی ہے۔ فرشتے سلسلۃ علی صفوان سمجھتے تھے اور حضرات صحابہؓ دوی نحل کی طرح محسوس کرتے تھے۔ متعلقات کا فرق ہے تضاد نہیں ہے۔

سوال: الجرس من امیر الشیطان، لا تصحب الملائکة رفقة فیہا کلب ولا جرس، وحی جنسی چیز جو محمود بارگاہ الہی ہے اس کو ایسی مذموم چیز کے ساتھ تشبیہ کیوں دی؟

جواب ۱: کفار پر رات کو حملہ کے وقت جرس سے دشمن بیدار ہو جاتا تھا اس خاص بنا پر مذمت ہے۔ ورنہ فی نفسہ قابل مذمت نہیں، تشبیہ میں حرج نہیں۔

جواب ۲: تشبیہ ہر وصف میں نہیں ہوتی، یہاں صرف ”جنس صوت جرس“ میں تشبیہ دینا مقصود ہے، جس سے سامعین مانوس ہوتے ہیں اس سے وہ سمجھ سکتے ہیں۔

جواب ۳: تشبیہ المحمود بالمذموم میں وجہ شبہ ظاہر اور معروف ہو تو مضائقہ نہیں یہاں ”وجہ شبہ“ صوت کا سلسل اور متدارک ہونا ہے۔ آواز کے اندر ”حروف و مخارج“ جدا جدا نہیں ہوتے۔ گویا وحی یا فرشتہ کی آواز کو سلسل و اتصال صوت میں تشبیہ دی گئی ہے اور وہ معروف ہے بقباحت نہیں۔

جواب ۴: حدیث میں ایمان کھدینہ کی طرف عود کرنے کو سانپ کے کل میں آنے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اگرچہ وہ ایسا موزی ہے کہ حرم میں بھی آئے تو اسے مارا جاسکتا ہے۔ تاہم تشبیہ صرف ”رجوع الی المستقر“ میں ہے۔ اسی طرح حضرت حسانؓ نے عرض کیا: میں آپ کو جھو قریش کے اشعار میں نسب کی حیثیت سے ایسے نکال لوں گا جیسے آلے کے اندر سے بال نکالا جاتا ہے اور اس پر آلے کا اثر نہیں ہوتا۔ تو تشبیہ میں بال پر آلے کے اثر کرنے ہونے کو جھو قریش کرتے ہوئے آپ ﷺ کے نسب مبارک پر اثر نہ ہونے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ یہ تشبیہ بھی اشہر و معروف میں ہے۔

اسی طرح آپ ﷺ انٹنی ”قصویٰ“ حدیبیہ میں بیٹھ گئی اور چل کے نہ دی۔ صحابہ کرامؓ نے کہا یہ ضد پر آگئی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ضد اس کی عادت نہیں بلکہ جس نے ابرہہ کے ہاتھیوں کو روکا اسی اللہ نے اسے روکا ہے۔ یہاں وجہ شبہ صرف اور صرف مشیتِ خداوندی میں اشتراک ہے۔۔۔ ورنہ اس انٹنی میں اور ابرہہ کے ہاتھیوں میں کوئی مناسبت نہیں۔ (کشف ج ۱ ص ۳۰۵) لہٰذا مشہدہ کہ مذموم ہونے سے مشہدہ کی محمودیت پر کوئی حرف نہیں آتا۔

شغل وحی

ہوا شدہ علی

زیادہ شدید ہونے کی دو وجہ ہیں:

(۱) حواس بشریہ کے تعطل کی وجہ سے آپ کو مشقت زیادہ ہوتی تھی۔

(۲) اگر جبرائیلؑ اپنی اصلی شکل میں آکر کلام کریں تو اس کو اخذ کرنا نسبت شکل بشریت کے آنے کے زیادہ مشکل ہے۔ ان

دو وجوہوں سے وحی کے تحمل میں بہت زیادہ شدت معلوم ہوتی تھی۔ اس کا تحمل صرف نبی ہی کر سکتا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ، اناس لنقلی علیک قولاً ثقیلاً، لو انزلنا هذا القرآن علی جبل لخرّ محضاً فنہیم کیلئے آپ ﷺ نے صلصلة الجرس سے تشبیہ دی ہے۔

سوال: آخر کس چیز کی آواز تھی _____؟

جواب: اس میں متعدد اقوال ہیں۔

(۱) صوت کلام نفسی ہے اور یہ صوت بلا کیف ہے۔

سوال: کیا اللہ تعالیٰ کیلئے صوت ثابت ہے؟

جواب: کلام باری تعالیٰ ثابت اور اللہ تعالیٰ پر متکلم کا اطلاق ہے۔

اہل سنت میں اختلاف ہے کہ یہ کلام بحرف و صوت ہے یا بلا صوت و حرف؟ متکلمین بلا حرف و صوت ہونے کے قائل ہیں

اور محدثین کلام بحرف و صوت کے۔

امام بخاریؒ نے کتاب التوحید میں صوت ثابت کی ہے۔ اذاکلم اللہ بالوحی تسمع اهل السموات شیئاً۔ فاذا فرغ

عن قلوبہم و سكن الصوت عرفوا انه الحق۔ یہاں مسموع کا اثبات ہے اور وہ صوت ہے۔۔۔ اسی طرح امام بخاریؒ نے

روایت فرمائی: یحشر اللہ العباد فینادیہم بصوت الخ میں بنادی کا مرجع اللہ ہے۔ صوت صراحتاً ثابت کی ہے۔

واضح رہے کہ یہ صوت مخلوق کے مشابہ نہیں، اس لئے یوں کہیں گے: **لہ صوت لا کصوتنا جیسے لہ ید لا کایدینا وغیرہ۔**

الغرض باری تعالیٰ اپنی تمام صفات میں مخلوق سے بالاتر ہیں۔ اور اس کی کیفیات کو احاطہ الفاظ میں لانا ممکن نہیں، ہماری

عقول سے وراہ ہیں۔ اسی طرح صوت کی کیفیت میں بھی وہ مخلوق سے بہت زیادہ علو شان رکھتے ہیں۔

جواب (۲) سرعت سیر ملک یعنی فرشتہ کی تیزی سے چلنے کی آواز ہے۔

(۳) حضرت جبرائیلؑ کے پروں کی آواز ہے۔

(۴) جب اللہ تعالیٰ وحی نازل فرماتے ہیں تو فرشتے عظمت کی وجہ سے پر مارتے ہیں تو ان کی پھڑ پھڑاہٹ کی آواز ہے۔

(۵) حضرت شاہ ولی اللہؒ سے منقول ہے اس وحی میں آپ ﷺ کو شانِ بشریت سے نکال کر عالمِ قدس سے ملا دیا

جاتا ہے اس سے حواسِ بشریہ معطل ہو جاتے ہیں یہ آواز حواسِ بشریہ کے تعطل کی ہے۔ جیسے کانوں میں انگلی ڈالیں اور حواسِ سمع کو معطل کرنے کی کوشش کریں تو ان کے اندر ایک آواز پیدا ہو جاتی ہے۔

سوال: وحی کی یہ قسم آپ ﷺ پر اشد و مشکل کیوں تھی؟

ج: فرشتہ اگر انسانی شکل میں آجائے تو بات کرنا آسان ہے اور صوتِ محض بلا حرف سے کلام سمجھنے میں دشواری ہے۔

قد وعت عنه اور فاو عی مایقول میں فرق:

کسی شخص کا کلام دوسرے کی طرف دوطریقے سے پہنچتا ہے۔

۱: کان کے راستہ سے دل تک پہنچے یہ عام اور متعارف ہے۔

۲: دوسرے یہ: کلام اولاً دل پر پہنچے اور الفاظِ خیال میں حاضر ہو جائیں۔ اس کے یاد کرنے کے لئے تکرار کی ضرورت نہیں

ہوتی اس لئے وعیت عنه فرمایا۔ پہلی قسم میں کان کے ذریعہ بات دل تک پہنچی تو فاعلی مایقول فرمایا۔ وہ فرمائے جاتے ہیں میں یاد کرتا جاتا ہوں۔ گویا آپ ﷺ نے وحی قلبی اور وحی ملک کی مطابق جملے ارشاد فرمائے۔ (درس بخاری از شیخ الاسلام حضرت مدنی ص 106)

حدیث الباب میں دو اقسام کی وحی کی وجہ

یتمثل لی الملک رجلاً:

ترکیب رجلاً: (۱) رجلاً یہ مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ تقدیر عبارت: ای یتمثل لی الملک

رجلاً کی تمثال رجلاً۔ تمثال مضاف کو حذف کر کے مضاف والا اعراب رجلاً کو دید یا یعنی رجلاً۔

(۲) منصوب بنزع الخافض ہے۔ یعنی بُ محذوف ہے اصل میں ہر جل ہے۔ تقدیر عبارت یتمثل لی الملک

ہر جل ہے ہب کو حذف کر کے رجلاً کو منصوب کر دیا۔

(۳) حال ہونے کی بنا پر منصوب ہے۔ ای حال کو نہ رجلاً۔

(۴) اکثر شراح کا کہنا یہ ہے کہ یہ تمیز ہونے کی بنا پر منصوب ہے۔

فی کل منی بعض روایات میں اضافہ ہے: وہو اخفه علی (انعام ص 203 ج 1)

سوال: گذر چکا ہے کہ وحی کی متعدد اقسام ہیں جبکہ روایت میں صرف دو اقسام کا ذکر ہے۔ اور قرآن کریم میں صرف

تین کا ذکر ہے۔ دو جو حدیث الباب میں مذکور ہیں ایک من وراء الحجاب، یہ تعارض ہے۔

جواب: کثیر الوقوع اقسام کا بیان ہوا ہے۔ اس لئے کہ سائل کا مقصود بھی یہی تھا۔ نادور الوقوع اقسام کا سوال بھی نہیں تھا۔ قرآن کریم میں تین صورتوں کا ذکر ہے۔ ۱: الا وحیاً مراد بلا واسطہ فرشتہ یعنی باطن نبی کو عالم قدس کے تابع کر دیا جاتا ہے یعنی وحی قلبی۔ ۲: او من وراء حجاب مراد حاسہ سماعت اللہ تعالیٰ کے کلام قدیم کا سماع براہ راست کرتا ہے جیسے کوہ طور پر یا واقعہ معراج میں ۳: ارسل رسول: دو صورتیں ہیں: الف: تمثیل بشریت، حضرت مریم کے پاس تمثیل لہا بشراً، یا حضرت وحیہ کلبیہ کی شکل میں آنا۔ ب: شکل انسانی کے بغیر قلب نبی پر فرشتہ القا کرے اور قلب نبی احساس کرے۔ (کشف ۳۱۸ ج ۱)

احیاناً یا تینوں مثل صلصلة الجرس: یا تینوں کا فاعل وحی ہے۔

قالت عائشہ رضی اللہ عنہا: اگر سند سابق ہو تو یہ حدیث مرفوع متصل یا پھر مرسل ہے اور اگر سند سابق کے ساتھ نہ ہو تو یہ تعلیق ہے۔ حکم تعلیقات بخاری اگر صیغہ معروف کے ساتھ ذکر کریں تو حکماً حدیث متصل ہوگی۔ اور اگر صیغہ مجهول کے ساتھ ذکر کریں تو متصل کے حکم میں نہیں ہوگی۔ لیکن پھر بھی قابل احتجاج ہوگی۔ البتہ دوسرے دلائل کے مقابلہ میں مرجوح ہوگی۔ جبکہ وہ دلائل اس تعلیق سے زیادہ قوی ہوں مثلاً کسی روایت میں معلق اور متصل روایت میں تعارض آجائے تو متصل کو ترجیح ہوگی۔

ربط حدیث ۲:

(۱) اس حدیث میں عظمت وحی کا بیان ہے۔ لیفصد عرفاً عظمیٰ وحی معلوم ہوتی ہے۔ نور رسول، نور فرشتہ اور نور وحی کے جمع ہونے سے گرمی ہو جانا واضح ہے۔ گرمی سے مسام کھل کر پسینہ آنا امر طبعی ہے۔ پھر مسام کے کھلے ہونے سے ہوا لگے تو سردی لگے گی جس سے فرما یلذ ملونی ذ ملونی۔

(۲) اس حدیث کے اندر بھی احوال وحی ہیں۔

(۳) اس حدیث میں وحی کا ذکر ہے اور ترجمۃ الباب میں بھی آیت وحی کا ذکر ہے۔ تو وحی ہونے کے اشتراک سے ربط ہو گیا۔

(۴) اس حدیث سے قبل از وفات کی وحی مراد ہے۔ تو بدء میں داخل ہے۔

نزول وحی کے وقت کرب لذلک و قرب بدو جہہ بدنی اطہر وحی کے وقت نچڑ جاتا تھا۔ عمر کا بیشتر حصہ اسی کو برداشت کرتے گذرا۔

حضرت آدم پر پوری عمر میں دس مرتبہ، حضرت نوح پر پچاس مرتبہ، حضرت ادریس علیہ السلام پر چار مرتبہ، حضرت ابراہیم پر اڑتالیس مرتبہ، حضرت عیسیٰ پر صرف دس مرتبہ۔ اور خاتم الانبیاء پر 24000 مرتبہ نزول وحی ہوا اور یہ شدت کیفیت اٹھانا پڑی۔

وہو اشدہ علی:

آپ ﷺ جبرائیل کی صفت کو غالب کیا جاتا تو یہ شدید تر وحی ہوتی۔ اس لئے کہ اس میں جبرائیل کا نزول آپ ﷺ کے قلب پر براہ راست ہے۔ اور حق تعالیٰ شانہ سے صرف ایک واسطہ ہے جناب رسول اللہ ﷺ۔ اس لئے قلب محمدی پر نزول وحی بصورت ملک اور آپ ﷺ کو اس بشریہ کے تعطل کے بعد وحی کی کیفیت بہت ثقل و اشدیت کی

ہوگی۔ نیز کم وسات سے وزن و ثقل زیادہ ہو جاتا ہے۔ جیسے سورج کی کرنیں اور گاڑی کی کمانی وغیرہ جیسا مثال ہے۔
وحی کی عظمت و جلال کے بقا اور آپ ﷺ کے درجات و اجرام میں اضافہ کیلئے مشقت رکھی گئی واللہ اعلم (الحامص 205 ج 1)
ممکن ہے کہ فرشتہ کو بھی شکل انسانی میں آنے پر اشد تھقل کا احساس ہوتا ہو۔ لیکن عندا مستحقین جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو
مختلف اشکال میں متشکل ہوئی فطری طاقت دی ہے تو ان کے لیے اس میں کسی دشواری کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا (السامص ۳۲۶ ج ۲)

رقم حدیث ۳:

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ كَثِيرٍ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ غَزْوَةَ ابْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ
أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ أَنَّهَا قَالَتْ أَوَّلُ مَا بَدَأَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْوَحْيِ الزُّبْيَانُ الصَّالِحَةُ فِي النَّوْمِ
فَكَانَ لَا يَرَى زُبْيَانًا إِلَّا جَاءَتْ مَعَهُ فَلَقِيَ الصُّبْحَ ثُمَّ حَبَبَ إِلَيْهِ الْخَلَاءُ وَكَانَ يَخْلُو بِغَارٍ جَزَاءٍ فَيَتَحَنَّنُ فِيهِ
وَهُوَ التَّعَبُ الدَّلِيَالِي ذَوَاتِ الْعَدَدِ قَبْلَ أَنْ يَنْزِعَ إِلَى أَهْلِهِ وَيَتَزَوَّدَ لَكَ لَمْ يَزِجْ إِلَى خَدِيجَةَ فَيَتَزَوَّدَ لِمَوْلَاهَا
حَتَّى جَاءَهُ الْحَقُّ وَهُوَ فِي غَارٍ جَزَاءٍ فَجَاءَهُ الْمَلَكُ فَقَالَ اقْرَأْ مَا أَنَا بِقَارِئٍ قَالِ فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي حَتَّى بَلَغَ
مَنِي الْجَهْدَ لَمْ أَرْسَلْنِي فَقَالَ اقْرَأْ مَا أَنَا بِقَارِئٍ فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي الْقَائِلَةَ حَتَّى بَلَغَ مَنِي الْجَهْدَ لَمْ أَرْسَلْنِي
فَقَالَ اقْرَأْ مَا أَنَا بِقَارِئٍ فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي الْقَائِلَةَ لَمْ أَرْسَلْنِي فَقَالَ [اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ خَلَقَ
الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ]

فَرَجَعَ بِهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزْجُفُ فَوَاضَتْ فَخَلَّ عَلَى خَدِيجَةَ بَنَتْ خَوْلَةَ لِدَرْ ضَمِي
اللَّهُ عَنْهَا فَقَالَ رَقُلُونِي رَقُلُونِي فَرَمَلُوهُ حَتَّى ذَهَبَ عَنْهُ الرَّوْعُ فَقَالَ لِيَخْدِجَةً وَأَخْبَرَ مَا الْخَبْرَ لَقَدْ خَشِيتُ
عَلَى نَفْسِي فَقَالَتْ خَدِيجَةُ كَلَّا وَاللَّهِ مَا يَخْزِيكَ اللَّهُ أَبَدًا إِنَّكَ لَتَصِلَ الرَّجَمَ وَتَحْمِلُ الْكُلَّ وَتَكْسِبُ
الْمَعْدُومَ وَتَقْرِي الضَّيْفَ وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ فَاِنْطَلَقْتُ بِهِ خَدِيجَةَ حَتَّى أَتَتْ بِهِ وَرَقَةَ بْنِ نَوْفَلِ بْنِ
أَسَدِ بْنِ عَبْدِ الْعُزَّى ابْنِ عَمِّ خَدِيجَةَ وَكَانَ امْرَأً أَقْدَرُ تَنْصَرَفِي الْجَاهِلِيَّةِ وَكَانَ يَكْتُبُ الْكِتَابَ الْوَحْيَ إِلَى
فَيَكْتُبُ مِنَ الْإِنْجِيلِ بِالْعَرَبِيَّةِ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ يَكْتُبَ وَكَانَ شَيْخًا كَبِيرًا أَقْدَعِي

فَقَالَتْ لَهُ خَدِيجَةُ يَا ابْنَ عَمِّ اسْمَعْ مِنْ ابْنِ أَخِيكَ فَقَالَ لَدَوْرَةَ قُلْتُ يَا ابْنَ أَخِي مَا ذَا تَرَى فَأَخْبَرَهُ رَسُولُ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَبَرَ مَا رَأَى فَقَالَ لَدَوْرَةَ هَذَا التَّامُوسُ الَّذِي تَزَلُّ اللَّهُ عَلَى مُوسَى يَا لَيْتَنِي فِيهَا
جَدَّ عَالِيَتِي أَكُونُ حَيًّا إِذْ يَخْرِجُكَ فَرَمَكَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ مَخْرَجِي هُمْ قَالَ نَعَمْ لَمْ
يَأْتِ رَجُلٌ قَطُّ بِمِثْلِ مَا جِئْتَ بِهِ إِلَّا عُودِي وَإِنْ يَنْدِرُ كُنِيَ بِرُؤْمِكَ أَنْضَرَكَ نَضْرَ امْرُؤٍ زَالِمٍ لَمْ يَنْشَبْ وَرَقَةُ
أَنْ تُوَفِّي وَفَقَرُ الْوَحْيِ.

ترجمہ:

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا پہلی وہ چیز جس سے حضور ﷺ وحی کی ابتداء ہوئی رؤیا صالحہ تھی جنہیں آپ ﷺ اب میں دیکھتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ بھی خواب دیکھتے وہ روشن صبح کی طرح سامنے آتا۔ پھر خلوت آپ ﷺ کے نزدیک محبوب کردی گئی۔ اور آپ ﷺ حرا میں خلوت اختیار فرماتے۔ اور اپنے اہل کی طرف لوٹنے سے پہلے کئی کئی راتیں عبادت فرماتے تھے۔ اور اس کے لئے سامان اکل و شرب ساتھ لے جاتے پھر حضرت خدیجہؓ کے پاس واپس تشریف لاتے اور اتنی ہی راتوں کے لئے پھر سامان مہیا فرماتے۔ حتیٰ کہ حق آگیا اور آپ ﷺ حرا میں تھے۔

چنانچہ ایک فرشتہ آیا اور اس نے کہا ”اقراء“ (پڑھیے) آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے فرشتے سے کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ فرشتے نے مجھے پکڑا اور دبا یا یہاں تک کہ اس کا دباؤ میری طاقت کی انتہا کو پہنچ گیا۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا ”اقراء“ (پڑھیے) پھر میں نے کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں پھر اس نے مجھے پکڑا اور دوسری مرتبہ دبا یا یہاں تک کہ اس کا دباؤ میری طاقت کی انتہا کو پہنچ گیا۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا ”اقراء“ (پڑھیے) میں نے اس سے کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، پھر اس نے مجھے پکڑا اور تیسری مرتبہ دبا یا پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا ”اقراء باسم ربک الذی خلق، خلق الانسان من علق، اقراء وربک الاکرم“ (اپنے پروردگار کے نام سے پڑھئے، جس نے انسان کو جنمے ہوئے خون سے پیدا کیا، پڑھئے اور آپ کا رب بڑا کریم ہے)

یہ آیات لے کر حضور اکرم ﷺ واپس آئے اور آپ ﷺ دل کانپ رہا تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ حضرت خدیجہ بنت خویلدؓ کے پاس تشریف لائے۔ اور فرمایا مجھے کبل اڑھا دو، مجھے کبل اڑھا دو۔ تو انہوں نے آپ ﷺ کبل اڑھا دیا یہاں تک کہ آپ ﷺ خوف ختم ہو گیا۔ پھر آپ ﷺ نے یہ کیفیت حضرت خدیجہؓ کے سامنے بیان فرمائی اور پورے واقعہ کی اطلاع دی اور فرمایا مجھے اپنی جان کا خطرہ ہو گیا تھا۔ حضرت خدیجہؓ نے فرمایا ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ خدا کی قسم اللہ آپ ﷺ کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ بہ شک آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، کمزوروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، مفلسوں کے لئے کماتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور لوگوں کی ان کے مصائب پر مدد کرتے ہیں، جو حق ہوتے ہیں۔

پھر حضرت خدیجہ الکبریٰؓ آپ ﷺ ساتھ لے کر چلیں اور ورقہ بن نوفل کے پاس پہنچیں جو اسد بن عبد العزیٰ کے بیٹے اور خدیجہ الکبریٰؓ کے چچا زاد بھائی تھے۔ اور یہ ورقہ ایسے آدمی تھے جو جاہلیت کے زمانہ میں دین نصرانیت اختیار کر چکے تھے اور وہ عبرانی خط کے کاتب تھے، وہ انجیل عبرانی زبان میں جو اللہ تعالیٰ کو منظور تھا لکھا کرتے تھے۔ بہت عمر رسیدہ تھے جن کی بصارت بھی جاتی رہی تھی۔ ان سے حضرت خدیجہؓ نے فرمایا: اے میرے چچا کے بیٹے! اپنے بھتیجے کی بات سنو! چنانچہ ورقہ نے آپ ﷺ کو کہا میرے بھتیجے تم کیا دیکھتے ہو۔ پھر نبی کریم ﷺ نے ان کو وہ تمام واقعات سنا دیے جن کا مشاہدہ فرمایا تھا۔ ورقہ نے کہا یہ تو وہی رازدان ہیں جو اللہ کی جانب سے حضرت موسیٰؑ پر وحی لاتے تھے۔ کاش میں تمہارے بھتیجے کی زبان میں نوجوان و طاقتور ہوتا، کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا جب آپ کی قوم آپ کو کالے لگی۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا (وہ میری قوم کے لوگ) مجھ کو کال دیں گے؟ ورقہ نے کہا: ہاں۔ کبھی کوئی شخص قوم کی طرف اس طرح کی دعوت لے کر نہیں آیا جس طرح کی تم لائے ہو مگر یہ کہ لوگوں نے اس کے ساتھ دشمنی کا برتاؤ کیا اور اگر میں ان دنوں تک زندہ رہا تو آپ کی مضبوط مدد کروں گا۔ پھر تھوڑے ہی زمانے کے بعد ورقہ کا انتقال ہو گیا اور وحی بھی موقوف ہو گئی۔

تعارف و احوال

حدیثنا یحییٰ بن بکیر

بکیر دادا ہیں۔ والد کا نام ”عبد اللہ“ کنیت ابو زکریا ہے۔ امام بخاریؒ کے اساتذہ میں سے ہیں۔ وفات ۲۳۱ھ ہے۔
لیث بن سعد رحمہ اللہ: تابعی ہیں، ان کی وفات ۱۴۱ھ ہے، یہ خفی ہیں، تلمیذ امام ابو حنیفہؒ ہیں، امام صاحبؒ کے شریک حج ہو کر مسائل پوچھتے اور سرعت جواب سے تعجب کرتے۔ (شف 1/325)

ابن شہاب زہری رحمہ اللہ:

یہ مدون اول ہیں۔ ان کا نام محمد بن مسلم ہے شہاب ان کے والد نہیں بلکہ جد اعلیٰ کا نام ہے۔ کنیت ابو بکر ہے زہر اقبیلہ کی طرف منسوب ہیں۔ ان کا نسب اس طرح ہے: ابو بکر محمد بن مسلم بن عبد اللہ بن عبد اللہ بن شہاب الزہری۔

آغاز وحی سے قبل کی کیفیت

سوال: غار حرا میں ابتداء وحی کے سلسلہ میں حضرت عائشہؓ سے جو احوال منقول ہیں اس وقت حضرت عائشہؓ کی پیدائش بھی نہیں ہوئی تھی تو وہ اس حدیث کی راویہ کیسے بن سکتی ہیں؟
جواب: محدثینؒ فرماتے ہیں کہ سیدہ حضرت عائشہؓ جب آپ ﷺ کے عقد میں آئیں تو عین ممکن ہے کہ صاحب وحی ﷺ ہی سنا ہوا اگرچہ سننے کا ذکر نہیں فرمایا تو اس صورت میں یہ روایت متصل ہوگی۔ اور اگر کسی صحابی سے سکر ہے تو پھر روایت مرسل صحابیہ ہے۔ خلاصہ یہ ہے اس کی سند یا متصل ہے یا مرسل ہے۔ بہر دو صورت حجت ہے۔

اول ما بدی بہ رسول اللہ ﷺ من الوحي:

پہلی وحی جو شروع ہوئی وہ رویاء صالحہ من النوم ہے۔ لیکن وحی کا یہاں جو معنی مراد ہے وہ القاء فی الروع ہے۔ جو وحی کو بھی ہوتی ہے، وحی تشریح نہیں تھی۔ اس لئے کہ اس وقت نبی اکرم ﷺ بنے نہیں تھے۔ یہ چھ ماہ قبل کا قصہ ہے۔ اس لئے یہ القاء فی الروع ہے جو اولیاء کرام کو بھی ہوتا ہے جس کو ”الہام“ بھی کہتے ہیں۔ (وہ خواب جو بعد از نبوت حجت ہوتا ہے وہ یہاں مراد نہیں ہے۔)

رویاء صالحہ وہ ہے جو سچا بھی ہو اور بھلائی والا بھی ہو۔ رویاء صادقہ کا سچا ہونا ضروری ہے اس کا بھلائی والا ہونا ضروری نہیں۔ مثلاً آپ ﷺ نے خواب دیکھا کہ گائے ذبح کی جا رہی ہے اس کی تعبیر غزوہ احد میں شکست ہے یہ صادقہ ہے مگر صالحہ نہیں ہے۔

مثل فلق الصبح:

یہ تشبیہ خواب کے سچے ہونے میں ہے جیسے صبح کے روشن ہونے میں کوئی شک نہیں ہے اسی طرح اس خواب کے سچے ہونے میں بھی شک نہیں ہے۔ آپ ﷺ کے خوابوں کی تین صفات تھیں۔ صالحہ، صادقہ، واضحہ۔ مفہوم پر دلالت بے غبار ہوتی۔ فلق الصبح استعمال فرمایا۔ ضیاء الشمس نہیں۔

روایہ کا تعلق عالم مثال سے ہوتا ہے۔ دنیا کے اندر جتنی چیزیں پائی جاتی ہیں وہ سب عالم غیب میں موجود ہیں۔ پھر بحکم خداوندی عالم مثال میں منتقل کر دی جاتی ہیں۔ اس کے بعد عالم شہادت دنیا کا درجہ ہے۔ عالم مثال میں اشیاء کی صورتیں عالم شہادت سے مختلف ہوتی ہیں جیسے علم کی صورت دودھ، دشمن کی صورت سانپ اور دنیا کی پاخانہ۔ (درس بخاری 111)

انتخاب حرا و عبادت

ثم حبيب اليه الخلاء و كان يخلو بغار حرا:

حرا کا لفظ لغت کی تاویل میں ہو کر منوث اور غیر منصرف ہے حرا کو مردود، مقصور، منصرف، غیر منصرف، مذکر اور مؤنث سب طرح پڑھنا جائز ہے۔ (درس شامری 35)۔ چوں کہ دل میں اللہ کی محبت ڈالی گئی اس لئے خلوت سے محبت ہوئی جس سے یکسوئی بھی حاصل ہو گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ یکسوئی حاصل کرنے کیلئے جو مشائخ کبھی خلوت کی تلقین کرتے ہیں وہ تہنور بہانیت ہے اور سنی مذہب ہے۔ سوال: آپ ﷺ نے خلوت کیلئے حرا کا انتخاب کیوں کیا؟ جواب: اس کی چند وجوہ ہیں:-

(۱) جیسے آپ ﷺ خلوت سے محبت تھی ایسے ہی بیت اللہ الشریف کی زیارت کیلئے بے چینی تھی اس لئے جہاں سے بیت اللہ شریف پر نظر پڑتی اسی جگہ کی تلاش کی۔

(۲) آپ ﷺ کے جد امجد حضرت عبد المطلب و دیگر انبیاء علیہم السلام یہاں خلوت اختیار فرمایا کرتے تھے اس لئے بھی آپ کی لگاؤ انتخاب کا باعث تھی۔

(۳) موزونیت کی وجہ سے۔ کیونکہ اس میں قیام کے ساتھ بلا تکلف عبادت ہو سکتی ہے۔ نیز گھر سے زیادہ دور نہ ہونے اور مقصد (خلوت) حاصل ہو جانے کی وجہ سے بھی یہ مقام موزوں ترین تھا۔ تین عبادتیں جمع تھیں۔ ذکر، فکر اور نظر الی الکعبہ۔

فیت حنث فیدو هو التبعید:

حنث بمعنی تعبد ہے۔ اور یہ راوی کی طرف سے تفسیر ہے۔ اصل میں حنث گناہ کو کہتے ہیں۔ یہاں سلب ماخذ ہے جو باب تفعّل کا خاصہ ہے۔

(۲) یعنی حنث اصل میں بمعنی ہے۔ کلام عرب میں نف، کوٹ سے بدلنے کا رواج رہا ہے۔ حنث کا معنی دین حنیف یعنی دین ابراہیمی کے مطابق عبادت کرنا۔

_____ الیالی ذوات العدد _____

ذوات العدد _____ الیالی کی تاکید ہے۔ _____ بعض روایات کے مطابق ایک ایک ماہ اور بعض روایات کے مطابق چالیس روز رہنا بھی ثابت ہے۔ جس سے صوفیاء کرام نے چلکی اصل نکالی ہے۔

سوال: جب وحی نازل نہیں ہوتی تھی تو عبادت کا طریق کیا تھا؟

جواب ۱: ملت ابراہیمی کے کچھ صحیح متواتر طریقے باقی تھے، اس کے مطابق عبادت کرتے تھے۔

جواب ۲: بعض نے کہا: حضرت موسیٰ و عند بعض حضرت عیسیٰ کے طریقے پر عبادت کرتے تھے۔

جواب ۳: بعض فرماتے ہیں کہ نبی قبل از نبوت مقام ولایت پر ہوتا ہے۔ حوریت انہیں الہام ہوا ہی طریقے پر عبادت کرتے تھے۔

قبل ان ینزع الی اہلہ: اشتیاق کے ساتھ گھر لوٹتے تھے۔ _____ یعنی مطلق حجر دی نہیں تھا اس لئے کہ تجر حکمت خداوندی کے خلاف ہے، بقاء نسل، نزع الی اہل پر موقوف ہے اور فطرت انسانی کے بھی خلاف ہے کیونکہ انسانی قوتوں کی تخلیق عبث ہوگی۔

فیتز و دلمثلہا _____ از خود راہ لے جاتے تھے۔ (جسمانی توکل نہیں بلکہ طریق توکل ہے ورنہ تعطل ہے۔)

غایر حرائیں آپ ﷺ مختلفہ رہے زیادہ سے زیادہ ایک ماہ ثابت ہے۔ جاوڑت بحراء شہرا (مسلم) محمد بن

اسحاقؒ نے رمضان کا مہینہ نقل کیا ہے بعض روایات میں چالیس دن ہیں۔ (درس بخاری ۱۱۵)

سوال: بعض روایات میں ہے کہ سیدہ خدیجہ الکبریٰ پہنچاتی تھیں۔ لہذا تعارض ہے۔

جواب: کوئی تعارض نہیں مختلف احوال پر محمول ہے۔

جاء الحق: اس سے مراد وحی ہے۔

آغازِ وحی

فقال اقرأ:

سوال: فرشتہ کہہ رہا ہے اقرأ! آپ ﷺ مار رہے ہیں: ما انا بقاری کیا آپ ﷺ علی سے ناواقف تھے؟

بلکہ یوں کہنا چاہیے تھا کہ ما اقرأ میں کیا پڑھوں؟ (استفہامیہ ہے) جبکہ آپ ﷺ دھننے سے انکار فرما رہے ہیں؟

سوال ۲: جب آپ ﷺ نے یہ اظہار کر دیا کہ مجھے قدرت علی القراءت نہیں ہے پھر حضرت جبرائیلؑ کیوں اصرار

فرما رہے ہیں، نیز وہ بانے سے مشقت سے بھی گزار رہے ہیں۔ یہ تکلیف مالا یطاق ہے؟

جواب ۱: بعض روایات میں سختی مکتوب کا ذکر ہے۔ اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ مکتوب میں نہیں پڑھ

سکتا۔ اس کی قدرت نہیں ہے۔

جواب ۲: اس کہنے کی مثال ایسے ہے جیسے استاذ بچے سے کہتا ہے کہ بیٹا پڑھو۔ تو آپ ﷺ یہ فرمان عالی کہ میں

”بخاری“ نہیں ہوں بھی صحیح ہے اور حضرت جبریلؑ کا اصرار کہ آپ پڑھیں یہ بھی صحیح ہے کیونکہ یہ سکھانے کیلئے کہتے ہیں۔ امر تکلف نہیں بلکہ تلقین ہے۔

جواب ۳: اقرأ کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ پر مستقبل کی ذمہ داری ڈالی جا رہی ہے اور آپ ﷺ فرما رہے ہیں کہ میں یہ ذمہ داری نہیں اٹھا سکتا۔ اور دبانہ اصل میں توجہ ڈالنا ہے تاکہ آپ ﷺ اس ذمہ داری کے تحمل کی قوت پیدا ہو جائے اور مانا بخاری کا مطلب یہ ہے کہ مجھ میں اس ذمہ داری کا تحمل نہیں ہے۔

جواب ۴: تنہا عبادت فرما رہے تھے اچانک فرشتہ کی آمد اور اقرأ کا مطالبہ بھی ساتھ۔ نیز خود وحی کی عظمت کا بوجھ۔ ان وجوہ کی بناء پر مرعوبیت کی کیفیت بشری طاری ہو گئی۔ اور فرمایا: میری زبان نہیں چلتی میں نہیں پڑھ سکتا۔ (شف ص 349 ج 1) ایک توجیہ یہ ہے کہ آپ ﷺ مستقبل میں پڑھنے کا حکم دیا جا رہا ہے فوری طور سے پڑھنے کا مکلف نہیں بنایا گیا اس لئے کہ امر فوراً ادائیگی کو نہیں چاہتا۔ (درس بخاری 119)

فائدہ: اقرأ میں حکم ذات نبی ﷺ ہے ابلاغ کا حکم ابھی نہیں آیا۔

وحی لانے والے فرشتوں میں واقعہ طائف میں ملک جبال بھی داخل ہیں۔ (درس شامی 37)

دشوار گزار مرحلہ ”غط“

حتى بلغ مني الجهد:

الجهد کو آخر میں رفع و فتح دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ رفع کی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ مشقت میرے لئے انتہاء کو پہنچ گئی۔ یعنی بہت تکلیف کا سامنا کرنا پڑا۔ کیونکہ دبانے والا فرشتہ تھا۔ جب کہ آپ ﷺ فرماتے تھے۔ اگر الجهد وال کے فتح کے ساتھ ہو۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ حضرت جبریلؑ میری طرف سے مشقت کو پہنچ گئے یعنی انہوں نے اس زور سے بھیجنا کہ خود ان کو بھی مشقت کا سامنا کرنا پڑا۔

سوال: فرشتہ کے ایک مرتبہ دبانے سے ساری دنیا ختم ہو جائے یعنی فرشتہ نے پوری طاقت سے دبا تو آپ ﷺ کیسے بچ گئے؟

جواب: فرشتہ جب انسانی شکل میں آئے تو اس کی طاقت بھی انسان کی طاقت کی طرح ہوتی ہے۔ اس لئے اس کے دبانے کا کوئی نقصان نہیں۔

سوال: بار بار دبانے اور چھوڑنے کا کیا منشا تھا؟

جواب: اس بارے میں اصل حقیقت تو اللہ ہی کو معلوم ہے۔ روایات میں اس بارے میں کوئی صراحت نہیں ہے۔ لہذا قطعیت و یقینی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے۔

[۱] عند بعض تین مرتبہ دبانے میں تین آنے والی شدتوں کی طرف اشارہ ہے: (۱) شعب ابی طالب میں مصور

ہونا (۲) ہجرت از مکہ (۳) موقع احد۔ کما قال الحافظ

- [۲] عند ابض (۱) تعلیم القرآن (۲) تعمیل القرآن (۳) تبلیغ القرآن ہیں۔ (کشف ۱/۳۵۷)
- [۳] ایک: اس مع الملک کے لئے۔ دوم: اس مع الوہی کے لئے اور سوم اس باری تعالیٰ کے لئے۔

اقسام نسبت

_____ حضرات صوفیاء کرام یہ فرماتے ہیں کہ یہ ”دبانا“ درحقیقت ”تصرف و توجہ“ ہے یعنی حضرت جبریلؑ نے آپ ﷺ پر توجہ ڈالی تاکہ آپ ﷺ بالوحی کی استعداد پیدا ہو جائے۔ حضرات صوفیاء کرام بعض اوقات توجہ ڈالتے ہیں اس توجہ کی چار اقسام ہیں۔

۱: انعکاسی۔ ۲: القائی۔ ۳: اصلاحی۔ ۴: اتحادی۔

پہلی کی تعریف یہ ہے کہ شیخ نے اپنے مرید کو اپنے پاس بلا کر مجلس میں بٹھایا اور اسکو کچھ باتیں سکھانی شروع کیں۔ جب شیخ اس کی طرف متوجہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس طالب میں ایک صلاحیت پیدا کر دی کہ اس کو کچھ سرور حاصل ہونے لگا کہ میں اپنے شیخ کی بات سن رہا ہوں۔ لہذا اس مجلس کی حد تک اس کا دل متوجہ الی اللہ ہو جاتا ہے۔ ”جب مجلس سے اٹھ جاتا ہے تو وہ کیفیت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ یہ بڑی معمولی اور کمزور توجہ ہے۔ جیسے سردی زدہ آگ کے پاس بیٹھ کر سردی دور کرے تو جب تک بیٹھے گا سردی نہ لگے گی۔ اصل علاج یہ ہے کہ مولے کپڑے پہن لے تاکہ ہر جگہ سردی سے محفوظ رہ سکے۔

(۲) القائی کی تعریف یہ ہے کہ اس میں شیخ اس طرح توجہ ڈالتے ہیں کہ اس کے نتیجے میں مرید کے دل پر ”انابت الی اللہ“ کی کیفیت کچھ عرصے تک برقرار رہتی ہے۔ اور اگر وہ اس کی حفاظت نہ کرے تو پھر بالندرج زائل ہو جاتی ہے۔ جیسے جیسے مصیبت کا ارتکاب کرے گا ویسے ہی توجہ زائل ہوگی۔

(۳) اصلاحی کی تعریف یہ ہے کہ مرید کسب فیض کیلئے اپنے دل و دماغ کو گناہوں سے بچانے اور نیکی سے روشن کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اس بات کی بھی کوشش کرتا ہے کہ شیخ میری طرف متوجہ رہے۔ اور اپنے دل کو شیخ کی طرف متوجہ کئے رہتا ہے تو جب شیخ متوجہ ہوتا ہے تو مصیبت کا اثر کمزور پڑ جاتا ہے۔ ”جب تک یہ چیزیں حال نہ بنیں تو کچھ فائدہ نہیں۔“ اس کی مثال ایسے ہے کہ نہر کے پاس کھالہ کھود دیا جائے تو اسی طرح توجہ اصلاحی میں حسب ضرورت کامل شیخ کے ذریعہ آپ ﷺ کے انوار و برکات حاصل ہوتے رہتے ہیں۔ یہ کامل اصلاح اور مفید طریقہ ہے۔ اس طریقہ کا نام ”جہد“ ہے۔ (یعنی رہنما شیخ)

(۴) توجہ اتحادی کی تعریف یہ ہے کہ شیخ مرید پر اتنی توجہ دیتا ہے کہ اعمال کے ساتھ علم و فہم میں بھی اتحاد پیدا ہو جاتا ہے حتیٰ کہ بسا اوقات شکل و صورت پر بھی اثر انداز ہوتا ہے کہ مرید کی شکل بھی شیخ کی شکل میں بدل جاتی ہے۔ اس کو نسبت اتحادی کہا جاتا ہے۔

انطباق اس طور پر ہے کہ جبریل علیہ السلام کی آمد توجہ انعکاسی، اول غلط القائی اور ثانی اصلاحی اور ثالث اتحادی ہے۔ چنانچہ بعد ازیں جبریل علیہ السلام کے آنے پر آپ ﷺ سب الفاظ و معانی اور مفہوم تک یاد ہو جاتا تھا گو یا علم و فہم میں مکمل اتحاد ہوتا تھا۔

چھ ماہ کی خلوت و انابت الی اللہ کے باوجود ابھی عالم ناسوت میں ہونے کی وجہ سے ملاء اعلیٰ اور عالم قدس کی چیزوں کو قبول کرنے کی استعداد پیدا نہیں ہوئی تھی۔۔۔ توجہ جبریل سے یہ استعداد پیدا کرنا ہی مقصود تھا۔

عالم قدس سے تعلق قائم کرنے کی ہیبت کا یہ خوف تمام انبیاء میں مشترک ہے۔ تو آپ ﷺ بھی اول وہلہ میں خوف پیش آنا یہ امر طبعی اور شان بشریت کے خلاف نہیں۔

دوسرا خوف احساس ذمہ داری کا ہے۔ پیغمبر اگر ایک قوم کی طرف مبعوث ہو تو ایک ہی قوم کی اصلاح کی ذمہ داری ہے۔ اس کو یہ بھی اطمینان ہے کہ میرے بعد اور نبی آنے والے ہیں۔۔۔ لیکن جس شخص کو سابقہ انبیاء کی نسبت سے عمر انتہائی کم اور ذمہ داری ناقیامت صحت عقائد، اعمال و اخلاق اور معاملات سوچ دی جائے اور اس پر مستزاد یہ کہ یہ بھی فرما دیا جائے کہ آپ کے بعد کوئی اور رسول و پیغمبر بھی نہیں آئیں گے۔ اتنی بڑی ذمہ داری کے جوابدہی کے احساس سے اگر وہ لحد خشیت علی نفسی نہ کہتے تو آخر اور کیا کہے۔۔۔ (انعام 218 ج 1)

آپ ﷺ تسلی کیلئے ذاتی عبادات کا حوالہ نہیں دیا۔ بلکہ ان اوصاف کا ذکر کیا جس کا نفع متعدی ہے اور اللہ کی مخلوق اسی سے سرشار ہوتی ہے۔ جبکہ خود کو مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے۔ اسی تناظر میں سیدہ خدیجہؓ نے آپ ﷺ کے اطمینان مستقبل کیلئے متعدد تاکیدات کے الفاظ کے ساتھ قسم کھائی۔ یہ بات واضح ہوتی ہے نبی کو تسلی ذاتی الفاظ کے اختراع سے نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے الفاظ کہلوائے گئے کہ میرے نبی کو ان الفاظ سے تسلی و اطمینان دلایا جائے۔

نیز حضرت خدیجہؓ کے الفاظ پر آپ ﷺ سکوت یہ ”تقریر نبوی“ ہے کہ عبادات میں سب سے افضل عبادت ”اللہ کے بندوں کی خدمت“ ہے۔ (انعام 221-222 ج 1)

چنانچہ اس گھبراہٹ کے عالم میں آپ ﷺ تشریف لائے تو آپ کے اس جملہ لحد خشیت علی نفسی کے حوالہ سے سیدہ خدیجہؓ نے یہ فرمایا: کلا والله لا یخزیک الله ابداً

اس ذمہ داری کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ آپ کو سرخرو فرمائیں گے۔ اور اس کی نصرت و مدد شامل حال ہوگی۔۔۔ یہ نہیں فرمایا: آپ موت سے نہ گھبرائیں وغیرہ۔۔۔ بنیاد اس کی یہ فرمائی: جن اوصاف کمال پر اللہ کی مدد و نصرت آیا کرتی ہے وہ آپ میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔

فائدہ: حضرت ابو بکر صدیقؓ کو آپ ﷺ سے ”نسبت اتحادی“ حاصل تھی۔۔۔

سوال: اس حدیث مبارکہ کی رو سے حضرت جبریلؑ کا آپ ﷺ سے معلم ہونا ثابت ہو گیا اور حدیث جبریلؑ سے بھی کچھ تائید ہوتی ہے۔ اناکم یعلمکم دینکم۔ اگرچہ یہاں معلم صحابہؓ کا ہونا ثابت ہوتا ہے۔

جواب: حضرت جبریلؑ واسطہ ہیں معلم خود باری تعالیٰ ہیں۔ جیسے قلم، کاغذ، تختی؛ یہ واسطہ ہیں اور ذی واسطہ واسطہ سے افضل ہوتا ہے۔

آیت مذکورہ سے مستنبط فوائد و نکات

اقرا باسم ربک:

اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات سے ہم نا بلد ہیں۔ صرف اسماء الہیہ سے جانتے پہچانتے ہیں۔ انہی اسماء کو ہم خالق و مخلوق، قدیم و حادث اور عابد و معبود کے درمیان واسطہ اور رابطہ سمجھتے ہیں۔ اسی لئے اقرأ بر ربک کے بجائے اقرأ باسم ربک فرمایا۔ اسم کی اضافت ربک کی طرف ہے جس سے آپ ﷺ بتلانا مقصود ہے کہ وہ جو بالترتیب سمفوت وارض اور آپ کو چالیس سال تک پہنچا سکتا ہے تو آپ کو پڑھانے پر قدرت رکھتا ہے۔ آپ ﷺ صلاحیت کے بارے میں فکر مند کیوں ہیں؟
الذی خلق: مفعول ذکر نہیں کیا۔ تمام مخلوق کا خالق ہے تو قرأت کا بھی خالق ہے۔

خلق الانسان من علق: منی کا ذکر نہیں کیا کہ اس کی پاکی و ناپاکی میں اختلاف ہے، علق متفق علیہ ناپاک ہے۔ جب علق جیسے کریمہ مادہ کو عمدہ ترین انسان بنا سکتا ہے تو اُمی کو بھی وہ بہت کچھ سکھا سکتا ہے۔

اقرا وربک الاکرم: جب مستفید میں استعداد ہے اور مفید میں نخل نہیں ہے تو ربک الاکرم ہے اس لئے افاضہ و افادہ ہمیشہ جاری رہے گا۔

الذی علم بالقلم: قلم بے حس و بے جان ذریعہ علوم ہو سکتا ہے تو آپ کیوں نہیں ہو سکتے۔
نیر قلم ذریعہ ہے: کاتب سے افضل نہیں ہو سکتا اس لئے فرشتہ کا قلم ہے۔ ڈیوٹی سرانجام دیتا ہے: نبی سے افضل نہیں ہو سکتا۔
علم الانسان ما لم يعلم: مخائب اللہ علوم عطا ہوں گے جو فی الحال نہیں ہیں۔
آیات مذکورہ خلاصہ مضامین قرآن کریم ہیں۔ تین قسم کے مضامین ہیں:-

۱: توحید یعنی ذات و صفات۔ ۲: احکام۔ ۳: اخبار بالغیب۔ تو اقرأ باسم سے لیکر وربک الاکرم تک ذات و صفات کی طرف اشارہ ہے یعنی رب اور خلق سے یہ مضمون اخذ ہوا۔۔۔ پھر اس کی وضاحت یہ ہے کہ ایک ذات باری تعالیٰ ہے دوسری صفات۔ یہ دو طرح کی ہیں۔ صفات ذات جو سات ہیں، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام اور حیات۔ باقی صفات افعال ہیں۔ جیسے خالق، رازق وغیرہ۔ پھر صفات کی ان دو قسموں میں فرق یہ ہے کہ مذکورہ صفات ذات کے ساتھ متصف ہیں مگر ان کی اضداد کے ساتھ متصف نہیں جیسے نصیر تو ہیں اُمی نہیں۔ جی ہیں مردہ نہیں۔ اور صفات افعال ہیں اضداد کے ساتھ بھی متصف ہوتے ہیں۔ جیسے احياء و اماتت، قبض و بسط اور نفع و ضرر وغیرہ۔ تو لفظ رب میں صفات ذاتیہ کی طرف، خلق میں صفات افعالیہ کی طرف اشارہ ہے۔۔۔ دوسرا اقرأ دو مرتبہ فرمایا جو صیغہ امر ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ یہ کلام احکام پر مشتمل ہوگا۔

آگے علم الانسان ما لم يعلم سے اخبار بالغیب کی طرف اشارہ ہے۔ تو تینوں مضامین: توحید (یعنی ذات و صفات) احکام اور اخبار بالغیب اجمالاً آگئے۔ (کشف ۱/364)

اقرار باسپرہیک: یہ جو آیات مبارکہ آپ ﷺ پر عائنیں بواسطہ حضرت جبریلؑ، انہیں دلائل قائل ہیں کہ آپ ﷺ باری ہو سکتے ہیں۔ یعنی اس باریت کا تحمل کر سکتے ہیں۔

دہیک: رب اس ذات بابرکات کا نام ہے جو بالندرج تربیت سے کمال عروج تک پہنچا دے۔ تو وہ کیا قرآن کریم پڑھنا نہیں سکھا سکتا۔

خلق: جس نے تمہیں پیدا کیا۔ کیا وہ اس امانت کے تحمل کی قوت پیدا کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔
اول وحی میں تطبیق: اس میں اختلاف ہے: بعض نے سورہ علق پر بعض نے سورہ مدثر اور بعض نے سورہ الفاتحہ کو کہا۔
 جواب: تطبیق یہ ہے کہ اولیت حقیقی تو سورہ علق ہی کی ہے۔ جو پانچ آیات ہیں جیسا کہ حدیث شریفہ اکامدلول ہے۔ اور بحیثیت کامل سورت نازل ہونے کے یہ اولیت سورت فاتحہ کو حاصل ہے۔ عبید بن عمیرؓ کی مرسل روایت میں ہے: آیات خمسہ علق پڑھنے کے بعد پوچھا: ”ماذا اقرأ؟“ تو جبریلؑ نے کہا بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد لله رب العالمین الخ تا کہ ”امرا قرأ“ کے بعد ”مقرؤہ“ متحقق ہو جائے۔ (فضل 184 ج 1) حاصل یہ کہ اسی مجلس حراء میں فاتحہ نازل ہوئی تمام محدثین کرام کا اتفاق ہے اسلام میں کوئی دور فاتحہ اور نماز کے بغیر نہیں گذرا۔ (فضل 186 ج 1)

اور فترت کے تین سال طویل مدت کے بعد سورت مدثر نازل ہوئی۔ اس لحاظ سے اس کو اولیت اضافی حاصل ہے۔

فواد اور قلب میں فرق:

یو جف فوادہ: یعنی دل کا نپہ ہاتھا۔

فوادہ گوشت کا ٹھنڈا ٹپڑا ہوا ہے اس میں لیک محل اداک ہے جس کو قلب کہتے ہیں۔ ان کا بھی لیک دوسرے پر اطلاق ہوتا ہے۔

قال یونس و معمور ہوادہ:

بعض روایات میں فوادہ کی بجائے ہوادہ کے الفاظ ہیں اس کا معنی گردن اور کندھے کے درمیانی حصہ کے ہیں۔

تزئیل و تدشیر

زملونی: تزئیل اور تدشیر کا ایک ہی معنی ہے یعنی کپڑا اوڑھنا۔

زملونی و زملونی:

سوال: نزول وحی کے دوران آپ کو پسینہ آتا تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ گرمی محسوس کرتے تھے۔ اور زملونی

زملونی سے متبادر آپ سمجھ میں آتا ہے کہ آپ ﷺ کی سردی کا احساس فرما رہے ہیں۔

جواب: عین نزول وحی کے وقت تو گرمی اور اس کی وجہ سے پسینہ خوب آتا تھا۔ تاہم نزول وحی کی کیفیت ختم ہونے کے بعد پسینہ صاف فرما نے کے بعد ہوا کی وجہ سے سردی کا احساس ہوتا تھا تو زملونی کے وقت کا اختلاف ہے فلا اشکال۔

سوال ۲: زمelonی کیوں فرمایا: مخاطب تو حضرت سیدہ خدیجہؓ ہیں تو زمelonی مونث کا صیغہ ارشاد فرمانا چاہیے تھا۔

جواب: ایسے موقع پر محاورات میں تذکیر و تانیث کا فرق نہیں کیا جاتا۔ چنانچہ گھر جا کر بیوی سے کہا جاتا ہے کہ ”کھانا لاؤ“ یہ مذکر کا صیغہ ہے مگر لغوی بحث کی بجائے کھانا ل بھی جاتا ہے اور کھایا بھی جاتا ہے۔ یہ جواب رائج ہے۔
فہملوہ

ضمیر حضرت خدیجہؓ کی طرف لوقی ہے جمع اعزاز اور تفخیماً لائے ہیں۔ جیسے حضرت موسیٰؑ کی حکایت اہل کرتے ہوئے فرمایا: اذرای نار افعال لاهلہ امکنوا۔ انی انست نار آساتیکم منها الخ تو امکنوا کا خطاب تو اپنے گھر والوں کیلئے ہے جو تانیث کا تقاضا کرتا ہے لیکن اعزاز اور تفخیماً ایسا خطاب عین فصاحت و بلاغت ہے۔

سبب خشیت اور آثار خشیت

لقد خشیت علی نفسی: آپ ﷺ کے اس ارشاد میں تعین سبب خشیت و خوف کے بارے میں مختلف اقوال بطور تشریح ذکر کیے جاتے ہیں:-

- ۱... حضرت امام ربانیؒ فرماتے ہیں آپ ﷺ خوف اس وجہ سے ہوا کہ عباۃ نبوت کا تحمل ہو سکے گا یا نہیں۔
- ۲... چونکہ حضرت جبریلؑ نے دیو چا اس لئے آپ ﷺ کو یہ خوف ہونے لگا کہ پھر دوبارہ دیو چا تو موت واقع نہ ہو جائے۔ ان دونوں صورتوں میں خشیت کے لفظ ماضی کو مستقبل کے معنی میں کیا گیا ہے۔
- ۳... خشیت کو اگر ماضی پر محمول کیا جائے تو مطلب یہ ہوا کہ گذشتہ خوف ابھی تک زائل نہ ہو سکا۔
- ۴... حضرت حاجی امداد اللہؒ فرماتے ہیں کہ جبریلؑ کی آمد سے آپ ﷺ پر اپنی حیثیت اچانک واضح ہوئی کہ میں ایسی ملکوتی طاقت رکھتا ہوں جس کا بے تک علم نہیں تھا؛ بلکہ کہ مشرکنا حول میں اپنے پر کبھی نظر نہ پڑ سکی۔ تو اور اک نفس سے خشیت پیدا ہوئی۔
- ۵... حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ تین مرتبہ عمل غلط کے نتیجہ میں آثار خشیت جسد محمدی پر تھے۔ ورنہ روح محمدی تو اتنی بلند چیز تھی کہ معراج کے موقع پر سدرۃ المنتہی سے اوپر چلی گئی اور حقیقت جبرائیلؑ آگے نہ جاسکی۔
- ۶... بلحدین نے اس کا غلط معنی بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ کو اس تردد کی بنا پر تھا کہ آنے والا جن یا شیطان تو نہیں؟ واقعی حضرت جبرائیلؑ ہیں؟ یا یہ کہ میں رسول ہو گیا ہوں یا نہیں؟ حالانکہ انسان کو جیسے اپنے انسان ہونے کا علم حضوری ہوتا ہے ایسے انبیاء اور ہر نبی کو اپنے نبی ہونے کا علم حضوری ہوتا ہے اور ہر نبی کو اپنے اوپر ایسے ہی ایمان لانا ضروری ہے جیسے امت کو اپنے نبی پر ایمان لانا ضروری ہے۔

لقد خشیت علی نفسی: آپ ﷺ نے بہت زیادہ گھبراہٹ کا اظہار مصلحت کیا ہو اس لئے کہ اگر آپ دفعتاً حضرت خدیجہؓ کے سامنے اپنی نبوت کے بارے میں فرماتے تو وہ انکار کر دیتیں ظاہر ہے جب گھروالے ہی بات کا انکار کر دیں تو دوسروں کو ایمان لانے میں دشواری ہوگی۔ (درس بخاری 127)

مکارم نبوت

انک لتصل الرحم وتحمل الكل الخ

گو یاد دوسرے لوگوں سے حسن سلوک کی تمام انواع کو جمع فرما دیا جو متعدی اعمال و اخلاق ہیں۔ چنانچہ رشتہ دار غیر رشتہ دار فقیر غیر فقیر اور جو مستقل بالامر یا غیر مستقل بالامر ہیں تو حضرت خدیجہؓ کے حدیث شریف میں آمدہ الفاظ انسانی نہیں بلکہ من جانب اللہ القاء والہام ہیں۔ معلوم ہوا کہ حقوق العباد کی بلا امتیاز ادائیگی رحمت الہی کو متوجہ کرتی ہے۔

یہاں امور اربعہ کا ذکر ہے۔ جلد ثانی میں تصدق الحدیث کا بھی تذکرہ ہے اور بعض روایات میں الامانہ کا بھی اضافہ ہے۔ اسی طرح آپ کی چھ صفات بیان کی گئی ہیں۔ یہ مکارم اخلاق کے اصول ہیں۔ اس لئے کہ مکارم اخلاق کا تعلق نفس سے ہوگا یا غیر نفس سے۔ اگر نفس سے ہے وہ کلام کے قبیل سے ہوگا یا مال سے اگر کلام سے متعلق ہوگا تو تصدق الحدیث میں داخل ہوگا۔ اگر مال ہے تو نوادی الامانہ میں داخل ہے۔

اگر اس کا تعلق غیر سے ہے تو وہ غیر قرابت دار ہے یا نہیں۔ اگر وہ قریب و عزیز ہے تو اس کو تصل الرحم سے بیان فرمایا۔ اگر وہ عزیز نہیں تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں جس شخص پر احسان کیا وہ اپنا بار اٹھانے کی طاقت رکھتا ہے یا نہیں۔ اگر طاقت نہیں رکھتا تو حمل الكل و تکسب المعدوم میں داخل ہے اور یہ اعانت بالمال ہے یا بالبدن ہے اگر وہ شخص اپنا بار اٹھانے کی طاقت رکھتا ہے تو وہ نواب الحق میں داخل ہے۔

حضرت خدیجہؓ نے ان چند جملوں کو مضارع سے تعبیر کر کے ان اوصاف کے دوام و استمرار کی طرف اشارہ فرمادیا۔ نیز یہ دعویٰ الشیء بالبینۃ کے قبیل سے ہے۔ (درس بخاری 130)

فائدہ: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمد، مزاج شناس، یار غار و مزار حضرت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حق میں بھی بعینہ حضرت خدیجہ الکبریٰ ولے الفاظ ابن الدغنه نامی کافر نے اس وقت استعمال کیے جب اہل مکہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو قرأت قرآن سے روکا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حبشہ کی طرف ہجرت کے لئے روانہ ہوئے۔ ابن الدغنه آپ رضی اللہ عنہ کو اپنی امان میں واپس لے آیا۔ تاہم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اس کی امان سے نکل کر اللہ کی امان میں آتا ہوں۔ (فضل الباری 178/1)

تحمل الكل: ترجمہ: ناداروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں یعنی جو لوگ معاشرے میں معاشی دوڑ میں پیچھے رہ جاتے ہیں ان کی مدد و تعاون فرماتے ہیں۔

کسب معدوم کی چار صورتیں

وتکسب المعدوم: بفتح التاء من باب ضرب۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ هو المشهور الصحيح فی الروایة المعروف فی اللغة۔ (عمہ 51/1) قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں: وهذه الروایة اصح (فتح 20/1) پھر کسب کبھی متعدی بیک

مفعول ہوتا ہے اور کبھی متعدی بدو مفعول ہوتا ہے۔ حاصل یہ کہ مجرد میں یلفظ دونوں طرح مستعمل ہے متعدی بیک مفعول ہوتو یہ معنی ہوں گے کہ آپ نادار یعنی فقیر کو کماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ آپ ناداروں اور محتاجوں پر ایسے احسانات فرماتے ہیں کہ گویا وہ آپ کے کسب و مملوک ہو جاتے ہیں نادار محتاج کو معدوم اس لئے کہا کہ وہ بمنزل میت کے ہے کہ اپنی معیشت و ضرورت کا نظام نہیں کر سکتا۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ آپ مال معدوم کو کماتے ہیں یعنی ایسا نایاب مال جسے عام لوگ نہ کما سکتے ہوں وہ آپ کما لیتے ہیں مشہور تھا کہ آپ تجارت میں بڑے بانصیب تھے کان محفوظ ظافی العجارت پھر ایسا مال حاصل کر کے خود جمع نہیں کرتے بلکہ تحمل الكل و تقری الضیف و تعین علی نوائب الحق یعنی دوسروں پر خرچ کرتے ہیں۔

اور اگر تکسب متعدی بدو مفعول ہو تو ایک مفعول محذوف ہوگا: ای تکسب غیرک المعدوم یعنی نادار و نایاب چیزیں دوسروں کو عنایت کرتے ہیں۔

دوسری صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ تکسب المعدوم میں معدوم مفعول اول ہے بمعنی نادار اور مفعول ثانی محذوف ہوا ای تکسب المعدوم المال یعنی آپ نادار اور محتاج لوگوں کو مال عطا کر دیتے ہیں چنانچہ بعض نسخوں میں بجائے معدوم کے بصیغہ مفعول اسم فاعل ہے بمعنی محتاج، نادار۔ بعض نسخوں میں بضم الناء، باب افعال سے بمعنی اعطاء ہے اس صورت میں ترجمہ دینی ہوگا تو مجرد متعدی بدو مفعول کا ترجمہ کیا گیا ہے۔

نوائب الحق:

نوائب نائبة کی جمع ہے وہی الحادثة والنازلة خیر او شرًا۔ یہ پہلے سب کلمات کا اجمال ہے۔ الحق کی قید لگا کر اشارہ فرما دیا کہ جو حوادث واقعی نازل ہو رہے ہیں اس سے مراد آفات و سوا یہ ہیں۔ جیسے کثرۃ باران کے سبب مکانات کا منہدم ہو جانا۔

۲: حق پر قائم رہنے کے سلسلہ میں جو حوادث پیش آسکتے ہیں ان میں آپ ﷺ پر مدد کرتے تھے۔ مخلوقات کے ساتھ ہمدردی گویا خدا کی خدمت ہے۔ اے اللہ تعالیٰ آپ کو ہر گز ہرگز سوا نہیں کرے گا یہ دعویٰ الشیء بہت بڑے قبیل سے ہے۔ (درس بخاری 128)

ورقہ کی تصدیق

قائدہ: حضرت خدیجہؓ کا ارشاد: استدلال عقلی ہے عطائے قوت تحمل پر۔ کیونکہ یہ قوت ثمرہ ہے تائید حق کا اور یہ افعال جالب ہیں تائید حق کے۔ اس کے بعد حضرت خدیجہؓ کا آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے جانا اس غرض سے تھا کہ یہی مقصود دلیل نقلی سے بھی ثابت ہو جائے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا جسکا حاصل اس تحمل کی ایک نظیر بتلانا تھا۔ (امداد الباری ص 181/3)

کان یکتب: کتب سابقہ کی حفاظت بذریعہ کتابت تھی جبکہ قرآن کریم کی بالحفظ ہے۔

العبرانیہ: بعض جگہ العبرانیہ کا لفظ ہے۔ کیونکہ بعض کو انجیل عبرانی اور بعض کو عربی میں لکھ کر دیتے تھے اس لئے کہ انجیل سریانی زبان میں تھی۔ حضرت آدم سریانی اور حضرت ابراہیم عبرانی اور حضرت اسماعیل عربی بولتے تھے۔ سریانی زبان کو اس لئے سریانی کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں سے سر تعلیم دی گئی۔ یہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان تھی۔ لیکن عمرو کے ابراہیم علیہ السلام کو اپنی قوم سے نکلنے پر لوگ دوڑ پڑے کہ فلاں آدمی سریانی زبان بولنے والا ہے پکڑ لاؤ تو دریائے فرات عبور کرنے پر خود بخود عبرانی ہو گئی۔ (درس شامی 42)

ابن عم خدیجہؓ: یہ حقیقت پر محمول ہے۔

نسبی لحاظ سے ورقہ آپ کے چچا بنتے ہیں۔ محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن عبد مناف بن عبد العزیٰ بن قصی بن کلاب۔ اور ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی بن کلاب۔ (درس شامی 42)

ابن اخی: عرب کے محاورے میں چھوٹے کو بھتیجا کہتے ہیں۔

الناموس: اس کا لغوی معنی ہے صاحب سر، بھیدی، رازداں۔ اچھی بات معلوم کر کے پھانچانے والے کو ناموس کہتے ہیں اور اس کے برعکس کو جاسوس کہتے ہیں۔ ناموس سے مراد یہاں حضرت جبریل امینؑ یا حضرت اسرافیلؑ ہیں۔

نزل اللہ علی موسیٰ

سوال: ورقہ بن نوفل خود عیسائی مذہب رکھتے تھے تو انہیں علی موسیٰ کی بجائے علی عیسیٰ کہنا چاہیے تھا نیز بعض روایات میں ”علی عیسیٰ“ بھی آیا ہے اس پر کوئی اشکال نہیں۔

جواب ۱: چونکہ حضرت موسیٰؑ پر یہودی اور عیسائی دونوں متفق تھے اس لئے ان کا نام لیا۔

جواب ۲: بنا بر شہرت حضرت موسیٰؑ کا نام لیا۔

جواب ۳: یہ تخصیص بالذکر شدائد کی بنا پر کی گئی ہے۔ جواب ۴: تشبیہ دراصل وحی کی جامعیت پر ہے:-

أَوْ مَخْرُجَهُمْ۔۔۔ ورقہ بن نوفل نے تورات و انجیل کی روشنی میں یہ بتایا جیسے قرآن کریم میں ہے ذلک مظلوم فی

الغرة و مظلوم فی الانجیل۔

سوال: او مخرجہم سے معلوم ہوتا ہے آپ ﷺ کو تعجب ہوا ہے کہ اہل مکہ کا یہ طرز عمل ہوگا۔ سبب تعجب کیا ہے؟

جواب: اسلئے ہوا کہ چالیس سال تک محبت کی زندگی گزاری کیا صادق و امین ہونے کے اعتراف کے باوجود یہ

انتہائی اقدام کریں گے۔؟

اہل مکہ کی عداوت کا سن کر آپ نے کچھ نہیں فرمایا: جب بیت اللہ (مکہ مکرمہ) سے نکالنے کا سنا تو مادر وطن کی محبت سے

تجربہ آمیز جملہ زبان پر جاری ہو گیا۔ (کشف ص 416 تا 417)

اُو مخر جی: استعجاب اخراج مکہ مکرمہ کے بلد امین اور اہل مکہ کے قرابت داری کا خیال باعث تھا۔ (درس بخاری 132)

فترۃ الوحی۔۔۔ تین سال تک یہ سلسلہ وحی موقوف رہا، اور بھنگی ہوتی رہی کہ واقعی میں اللہ کا رسول ہوں۔

سوال: فترت کے دور میں کیا وحی بالکل منقطع تھی؟

جواب: وحی تو منقطع تھی لیکن جبریل علیہ السلام آپ کو تسلی دینے کے لئے تشریف لاتے تھے۔ (درس شامری 42)

حدیث الباب کا ترجمہ سے ربط:

۱: عظمت وحی کا ذکر۔ اگر وحی با عظمت نہ ہوتی تو فترت سے آپ بے تاب نہ ہوتے کلام باری تعالیٰ کی لذت و عظمت آپ ﷺ کے لئے فوراِ اشتیاق کا سبب تھی حصولِ نعمت کے بعد اس کے بقا و قیام کا تقاضا امر طبعی ہے۔

۲: احوال وحی کا ذکر ہے، اور فترۃ وحی بھی ایک حال ہے۔ ۳: روایہ صالحہ وحی کی ایک قسم ہے جو آپ ﷺ دیکھتے تھے حدیث الباب میں اس کا ذکر ہے۔

مسائل مستنبطہ

۱: اللہ تعالیٰ کیلئے خلوة اختیار کرنا جائز ہے۔

۲: روایہ صالحہ حصہ نبوت ہیں۔

۳: سفر میں زور اور راہ رکھنا منافی توکل نہیں۔

۴: اصلاحِ نفس کیلئے توجہ باطنی بھی ثابت ہے۔

۵: بغیر مانوس چیز کو دیکھ کر رجزا نشان نبوت کے منافی نہیں، یہ تقاضائے بشریت ہے۔

۶: نامناسب واقعہ کا اظہار اہلیہ محترمہ کے سامنے جائز ہے۔

۷: گھبراہٹ بڑھانے کی بجائے تسلی دینی چاہیے۔

۸: یہ بات بھی معلوم ہونی چاہیے کہ باقی انبیاء بعد از دعوت مصدق یا مکذّب ہوئے۔ لیکن آپ ﷺ از دعوت مصدق ہو گئے۔

۹: حاملِ مکارمِ اخلاق کو مخنجانب اللہ ضائع نہیں کیا جائیگا۔ ۱۰: اہل خانہ کے حقوق متاخر نہیں ہونے چاہئیں۔

تحمل الكل و تکسب المعدوم (فلاحی اور رفائی کام)

یہ حضرات انبیاء کی سیاست کی بنیاد ہے۔ علماء کرام انبیاء کے وارث ہیں اس سیاست پر وہ بھی عمل کریں۔ حدیث شریف میں بھی ہے: کانت بنو اسرائیل تسوسہم الانبیاء۔ لیکن سیاست فرنگ منع ہے۔

اسلام ورقہ

سوال: ورقہ بن نوفل نے کہا: اگر میں زندہ رہا تو مدد کروں گا۔ اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسلمان ہو گئے تھے۔ حالانکہ مشہور تو یہ ہے کہ مردوں میں سے اول المسلمین حضرت ابوبکرؓ ہیں۔ بچوں میں سے حضرت علیؓ اور عورتوں میں سے حضرت خدیجہؓ ہیں۔ ورقہ کا کوئی نام نہیں لیتا۔

جواب: ان کے اسلام کے بارے میں دو قول ہیں۔ (۱) بعض حضرات فرماتے ہیں ان کو درجہ معرفت حاصل تھا اور معرفت سے مسلمان نہیں ہوتا۔ کما قال اللہ تعالیٰ: یعرّفونہ کما یعرّفون ابنائہم۔ (۲) دوسرا قول یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو گئے تھے۔ اس مذہب پر اشکال ہوگا کہ پھر یہ اول المسلمین کیوں نہیں کہلائے؟

جواب ۱: حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں ان کے مومن ہونے پر تو اتفاق ہے کہ آپ ﷺ کے زمانے میں مومن تھے لیکن انہیں صحابہؓ میں شمار کرنا محل تردد ہے کیونکہ یہ ظہور دعوت سے قبل ہی انتقال فرما گئے تھے۔

جواب ۲: ان کا ایمان لانا کنا یہ و اشارۃ تھا اور حضرت ابوبکرؓ کا صراحۃً تھا اس لئے وہ اول المسلمین کہلائے۔
قائدہ: ورقہ بن نوفل کے پاس ایک روایت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جانا بھی ہے، ممکن ہے و ردفعہ جانا ہو۔ (درس شامی 41)

حکمتِ فترۃ وحی

فترۃ کے بعد چونکہ وحی دعوت آپ ﷺ نازل کرنا مقصود تھا تو کچھ عرصہ بھٹکی پیدا کرنے کی غرض سے وحی کو موقوف رکھا۔ نیز ازالہ گھبراہٹ اور مانوس کرنے کیلئے یا استعداد دعوت کیلئے وحی کو موقوف رکھا۔

حدیث نمبر ۴

4- قَالَ ابْنُ شِهَابٍ وَأَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ الْأَنْصَارِيَّ قَالَ وَهُوَ يُخَدِّثُ عَنْ فَتْرَةِ الْوَحْيِ فَقَالَ فِي خَلْدِيهِ بَيْنَا أَنَا أَمْشِي إِذْ سَمِعْتُ صَوْتًا مِنَ السَّمَاءِ فَرَفَعْتُ بَصَرِي فَإِذَا الْمَلِكُ الَّذِي جَاءَنِي بِحِزَاءِ جَالِسٍ عَلَى كُرْسِيِّ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ فَرَفَعْتُ مِنْهُ فَرَجْتُ فَقُلْتُ زَمِّلُونِي فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى {يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنْزِلْ إِلَى قَوْلِهِ وَالزُّجُرُ فَاهْبِجْ} فَحَمِي الْوَحْيُ وَتَنَابَعَ تَابِعُهُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ بُرَيْدٍ وَأَبُو صَالِحٍ وَتَابِعَهُ جَالُ بْنُ زَادٍ عَنْ الزُّهْرِيِّ وَقَالَ يُونُسُ وَمَعْمَرُ بْنُ إِدْرِه.

ترجمہ: ابن شہاب نے کہا اور مجھے ابوسلمہ بن عبد الرحمن نے خبر دی کہ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاریؓ نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ نے وحی کے موقوف ہو جانے کے ایام کا حال بیان کرتے ہوئے یوں فرمایا کہ میں ایک مرتبہ فارحہ سے احتکاف کے بعد جابا تھا پہاڑ سے اتر کر وادی کے صحیح میں پہنچا چانک میں نے آسمان سے ایک آواز سنی، نظر اٹھا کر دیکھا تو وہی فرشتہ جو فارحہ میں

میرے پاس آیا تھا آسمان و زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہے، میں اس منظر سے خوفزدہ ہو کر واپس ہوا اور (گھر والوں سے) میں نے کہا: مجھے کبیل اڑھا دو، مجھے کبیل اڑھا دو پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں: يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنْذِرْ إِلَى قَوْلِهِ وَالْزُّجَرْ فَأَهْجُزْ اے کبلی والے کھڑے ہو جاؤ اور لوگوں کو ڈراؤ اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کیجئے اور اپنے کپڑے پاک رکھیے اور بتوں کو چھوڑ دے رکھیے اس کے بعد وحی پھر پانے لگی۔

حدیث نمبر ۴ کا ترجمہ سے ربط نمبر ۱

آغاز وحی بذریعہ ”رؤیا صالحہ“ پھر ”خلوت گزینی کا اشتیاق“ پھر پہلی وحی سے لیکر جبرائیلؑ کی آمد کیف کان بدء الوحی کے بالکل مطابق ہے۔

ربط نمبر ۲: نیز جبرائیلؑ کی آمد؛ تین مرتبہ دہانا پھر آپ ﷺ تکلیف برداشت کرنا اور آپ ﷺ کے اوصاف عالیہ کا ذکر کیف کان بدء الوحی کے ساتھ بذریعہ عظمت باہمی مربوط ہے۔ (شفص 17432)

تشریح حدیث ۴

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ۔۔۔۔۔ سے واضح ہو گیا کہ اصل نام یا محمد سے پکارنے کی بجائے حال اور حالت کے مطابق مخاطب فرمایا نیز اشارہ فرمایا مُلَغ اور داعی کو کپڑا اڑھ کر لیٹ نہیں جانا چاہیے بلکہ عمل میں مصروف رہے۔

لوگوں کو آپ ﷺ سے دور رکھنے کیلئے آپ کو کاہن، مجنون اور ساحر کے نام دینے کے مشورے کا علم ہوا تو غم سے چادر لپیٹ لی تو یا ایہا المزمحل..... اور جبرائیلؑ کو دیکھ کر گھبراہٹ سے چادر لیٹی اور یہ بھی فرمایا: صَبَّوْا عَلَيَّ مَاءَ بَارِدٍ تَوَيَّأَ اَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ سے محبت و ملاطفت کا خطاب فرمایا۔ (شفص 17425)

بعض روایات میں حضرت جبریل علیہ السلام کے بارے میں قدسداً فقاً کے الفاظ ملتے ہیں۔ (درس بخاری 133)

قُمْ: قُمْ فرمایا تبلیغ اور ازسبیل نہیں فرمایا اس میں ہمت باندھنے اور جتنی کی طرف اشارہ ہے۔

فَأَنْذِرْ: انداز اس ڈرانے کو کہتے ہیں جس میں دعوت و تبلیغ کے ساتھ ساتھ آنے والے خطرات سے ڈرایا جائے چونکہ انداز ’تمشیر‘ سے زیادہ مفید ہے اس لئے ابتداً وحی میں انداز کو لائے تمشیر کا موقع ابھی نہیں تھا۔

وَرَبِّكَ فَكَبِّرْ۔۔۔ اے عظمت: اپنے رب کی عظمت بیان کیجئے۔ اپنے دل میں بھی اور لوگوں کے دل میں بھی اللہ تعالیٰ کی عظمت ڈالیے۔ اس میں داعی کو ترغیب ہے کہ غیر اللہ کا رعب اور بڑائی دل میں نہیں آنی چاہیے۔ اگرچہ بڑی بڑی رکاوٹیں آئیں۔

وَلْيَايُكْ فَطَهِّرْ: اپنے کپڑے پاک رکھئے۔ یوں ترجمہ نہ کرنا کہ اپنے کپڑے پاک کیجئے۔ گویا ثیاب ذات عالی سے کناپین جانے کا معلوم ہوا اپنے سینہ میں علو منبوت کو لینے کیلئے تقویٰ و طہارت شرط ہے۔

وَالْزُّجَرْ فَهَجَرْ۔۔۔ یہ امر بھی وہاں کیلئے ہے کہ بتوں کو چھوڑ دے رکھئے۔ جز کا معنی گناہ بھی آتا ہے گناہ چھوڑ دے رکھئے۔

اقسام تحویل

قال ابن شہاب واخبرني ابو سلمه الخ۔

امام بخاریؒ نے پچھلی سند کا انقطاع نہیں کیا بلکہ اس کو برقرار رکھتے ہوئے دوسرا واسطہ یعنی واخبرني ابو سلمه الخؒ، ذکر کیا ہے۔ واؤ عاطفہ لائے ہیں جس کا مطلب سابق سند کا حذف نہیں ہے بلکہ امام زہریؒ کے بعد ابوسلمہ سے راوی تبدیل ہو رہے ہیں تو جب سابق سند حذف نہیں تو واخبرني ابو سلمه سے تحویل شروع ہو گئی۔

سوال: تعلیق کیلئے قال ابن شہاب واخبرني چاہیے تھا تا کہ انقطاع واقع ہوا درتعلیق متحقق ہو جائے۔ مگر یہاں واخبرني حرف عطف واؤ کے ساتھ لائے اس لئے تحویل ہے۔

جواب: تحویل کی دو قسمیں ہیں۔ ۱: کثیر الوقوع وہ یہ ہے کہ شروع میں ہی دو طریق ہوں یعنی شیخ اول دو ہوں۔ آخر میں ایک ہو جائے۔ ۲: نادر الوقوع یہ ہے کہ شروع میں تو ایک ہی طریق ہوا اور آخر میں دو طریق ہو جائیں۔ یہاں نادر الوقوع کی صورت ہے۔ تسہیل کیلئے نقشہ ملاحظہ ہو۔

امام بخاری یحییٰ بن بکیر لیث عقیل ابن شہاب

پھر ابن شہاب سے آگے دو طریق اس طرح ہیں:

۱... ابن شہاب عروہ بن زبیر حضرت عائشہؓ اور آپ ﷺ

۲... ابن شہاب ابوسلمہ بن عبد الرحمن حضرت جابر بن عبد اللہ الانصاریؓ اور آپ ﷺ تو یہ تحویل ہی ہے

تابعہ عبد اللہ بن یوسف ضمیر منصوب کا مرجع یحییٰ بن بکیر ہے۔

و تابعہ ہلال بن رداد اس میں ضمیر کا مرجع عقیل ہے۔

مرجع کا علم راویوں کے طبقات سے ہوتا ہے مثلاً عبد اللہ بن یوسف اور ابوصالح یہ دونوں یحییٰ بن بکیر کے ہم عصر اور ہم طبقہ ہیں۔ لہذا تابعہ عبد اللہ بن یوسف و ابوصالح یعنی متابعتہ اولیٰ میں مرجع یحییٰ بن بکیر ہوں گے اسی طرح متابعتہ ثانیہ میں ہلال بن رداد یہ عقیل کے ہم عصر اور ہم طبقہ ہیں تو عقیل مرجع ہوں گے۔ یعنی ہلال نے عقیل کی متابعت کی ہے۔

امام بخاریؒ کی بیشتر عادت یہ ہے جس وقت متابعت تام ہوگی اس وقت محض ضمیر لائیں گے جیسے تابعہ فلاں۔ اگر متابعت ناقصہ ہو تو متابع عنہ کو بھی ذکر کریں گے جیسے تابعہ ہلال بن رداد عن الزہری۔ اگر صرف تابع فلاں کہیں نہ ضمیر نہ عن تو فلاں جو متابع ہے اس کے طبقہ کو دیکھ کر متابع مفعول کو متعین کریں گے۔ (درس بخاری ۱۳۳)

متابعتہ اور اس کی اقسام

ایک راوی جس سند سے جو متن بیان کرے دوسرا راوی اس کی موافقت کرے اسے متابعت کہتے ہیں (راوی ثانی راوی اول کے نقش پاپہ چلے۔) متابعتہ میں چار چیزیں ہوتی ہیں۔ ۱: متابع (بکسر الباء) راوی جو دوسرے کی موافقت کرے۔ ۲:

متابع جس کی موافقت کی گئی ہے۔ ۳: متابع عنہ جو متابع اور متابع دونوں کا استاذ ہو۔ ۴: متابع علیہ: وہ روایت جس پر متابعت ہو رہی ہے۔

اسکی دو قسمیں ہیں: متابعت تامہ اور متابعت ناقصہ۔ ۱: متابعت تامہ: اگر کوئی راوی کسی دوسرے راوی کی بیان کردہ حدیث جوں کی توں پوری سند کے ساتھ روایت کر دے یہ متابعت تامہ ہے۔ اور اگر اول سند میں کوئی مطابقت نہیں ہے۔ آخر سند میں جا کر کوئی مطابقت پیدا ہو جائے تو اسے متابعت ناقصہ کہتے ہیں۔

پھر متابعت تامہ اور ناقصہ ہر ایک دو قسم پر ہے۔
اگر متابع عنہ (استاذ مشترک) مذکور ہے تو یہ قسم اول ہے اور اگر مذکور نہ ہو تو یہ قسم ثانی ہے۔
متابعت کی چار صورتیں ہوں گیں۔ ۱: متابع عنہ مذکور ہو اور متابعت تائمہ ہو۔ ۲: متابع عنہ مذکور ہو اور متابعت ناقصہ ہو۔ ۳: متابع عنہ مذکور نہ ہو اور متابعت تائمہ ہو۔ ۴: متابع عنہ مذکور نہ ہو اور متابعت ناقصہ ہو۔

اب متابعت فی المتن کی بات ہے چنانچہ متابعت دو حال سے خالی نہیں: الفاظ حدیث میں موافقت ہوگی یا نہ ہوگی۔ اگر اول ہو تو لفظی ہے۔ ثانی ہو تو معنوی ہے۔ امام بخاریؒ نے اس مقام پر جملہ اقسام کے جواز کی طرف اشارہ فرمایا ہے چنانچہ تابعہ عبد اللہ بن یوسف یہ متابعت تامہ کی مثال ہے جس میں متابع عنہ مذکور نہ ہو۔ اور تابعہ ہلال بن ردا دیہ متابعت ناقصہ کی مثال ہے اس لئے کہ درمیان میں ایک راوی غقیل سے متابعت ہو رہی ہے اور متابع عنہ مذکور ہے جو امام زہری ہیں۔

قال یونس و معمر:

یہ متابعت ناقصہ ہے اور معنوی ہے کیونکہ الفاظ میں اختلاف ہے، فوادہ کی جگہ بوا در لقل کرتے ہیں۔
فائدہ ۱: بعض حضرات متابعت فی المعنی کو جائز قرار نہیں دیتے امام بخاریؒ اشارہ فرما رہے ہیں متابعت فی المعنی بھی جائز ہے۔
فائدہ ۲: تابعہ کی جگہ قال یونس فرمایا اس سے متابعت کی اختلاف نوع کی طرف اشارہ فرمایا۔ یعنی تامہ و ناقصہ کے لحاظ سے اختلاف نوع ہے۔

متابعت فی السند (۱) اگر اول سند سے ہی ہے تو متابعت تائمہ ہے کما عبد اللہ بن یوسف و ابو صالح۔

(۲) اگر درمیان سند یا آخر سند سے ہے تو متابعت ناقصہ ہے کما ہلال بن ردا۔

(۳) اول سند سے ہے متابع عنہ مذکور نہیں ہے کما عبد اللہ بن یوسف و ابو صالح۔

(۴) درمیان سے ہے مگر متابع عنہ مذکور ہے کما ہلال بن ردا کہ عن الزہری موجود ہے۔

وقال یونس بوا درہ:

سے متابعت فی المتن کا مسئلہ ہے۔

(۱) اول صورت یہ ہے کہ ہو بہو کسی بھی لفظی اختلاف کے بغیر ذکر کریں جیسے عبد اللہ بن یوسف اور ابو صالح نے یحییٰ بن

بگیر کی کوئی لفظی مخالفت بھی نہیں کی۔ یہ متابعت لفظی ہے۔

(۲) اگر لفظ کا اختلاف ہے اور ایک کی جگہ کوئی راوی دوسرے لفظ پڑھے یہ متابعت معنوی ہے جیسے کہ یونس و عمرے تعقیل کی متابعت کی مگر لفظ فزادہ کی جگہ ہوا درہیں مخالفت کی ہے تو یہ متابعت معنوی ہے۔

حدیث نمبر ۵

حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ قَالَ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ أَبِي عَائِشَةَ قَالَ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى {لَا تَحْزَنْ بِهِ لِسَانُكَ لِتُجْعَلَ بِهِ} قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْلُجُ مِنَ التَّنْزِيلِ شِدَّةً وَكَانَ مِمَّا يَحْزَنُكَ شَفْتِيهِ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَأَنَا أَحْزَنُ كُهُمَا لَكُمْ كَمَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْزَنُ كُهُمَا وَقَالَ سَعِيدُ أَنَا أَحْزَنُ كُهُمَا كَمَا رَأَيْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يَحْزَنُ كُهُمَا فَحَزَنُكَ شَفْتِيهِ فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى {لَا تَحْزَنْ بِهِ لِسَانُكَ لِتُجْعَلَ بِهِ} إِنْ عَلَيْنَا جَمْعُهُ وَقُرْآنَهُ {قَالَ جَمْعُهُ لَهُ فِي صَلَوكَ وَتَقْرَأَهُ} [فَإِذَا قَرَأْتَهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ] قَالَ فَاسْتَمِعْ لَهُ وَأَنْصِتْ {ثُمَّ إِنْ عَلَيْنَا نَبَإُهُ} ثُمَّ إِنْ عَلَيْنَا أَنْ تَقْرَأَهُ فَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ ذَلِكَ إِذَا أَنَا جُبَيْرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ إِذَا انْطَلَقَ جُبَيْرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ قَرَأَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا قَرَأَهُ.

ترجمہ:

حضرت سعید بن جبیرؓ نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا اس آیت کی تفسیر میں کہ اے پیغمبر جلدی سے وحی کو یاد کرنے کے لئے اپنی زبان کو نہ ہلایا کر۔ ابن عباسؓ نے کہا: حضور اکرم ﷺ قرآن اترنے سے (بہت) سختی ہوتی تھی اور آپ ﷺ اکثر اپنے ہونٹ ہلاتے تھے (یاد کرنے کے لئے)۔ ابن عباسؓ نے (سعید سے) کہا: میں تجھ کو بتاتا ہوں ہونٹ ہلا کر جیسے حضور اکرم ﷺ کو ہلاتے تھے اور سعیدؓ نے (موسیٰ سے) کہا میں تجھ کو بتاتا ہوں ہونٹ ہلا کر جیسے میں نے ابن عباسؓ کو ہلاتے دیکھا۔ پھر سعیدؓ نے اپنے دونوں ہونٹ ہلائے۔

ابن عباسؓ نے کہا تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری ”وحی کو یاد کرنے کے لئے اپنی زبان نہ ہلایا کر، قرآن کا تجھ کو یاد کر دینا اور پڑھ دینا ہمارا کام ہے“۔ ابن عباسؓ نے کہا یعنی تیرے دل میں جمادینا اور پڑھ دینا (پھر یہ جو اللہ نے فرمایا) جب ہم پڑھ چکیں اس وقت تو ہمارے پڑھنے کی پیروی کر ابن عباسؓ نے کہا: اس کا مطلب یہ ہے کہ خاموشی کے ساتھ ستارہ (پھر جو یہ فرمایا) ہمارا کام ہے اس کو بیان کر دینا یعنی تجھ کو پڑھ دینا۔ پھر ان آیتوں کے اترنے کے بعد حضور اکرم ﷺ ایسا کرتے جب جبرائیلؑ آپ ﷺ کے پاس آ کر قرآن سناتے تو آپ ﷺ سے سنتے رہتے جب وہ چلے جاتے تو حضور اکرم ﷺ ایسی طرح قرآن پڑھ دیتے جیسے حضرت جبرائیلؑ نے پڑھا تھا۔

حدیث نمبر ۵ کا ترجمہ سے ربط ۱:

آیت لا تحرك به لسانك ارجح کے نزول سے قبل آپ ﷺ معمول حضرت جبرائیلؑ کے ساتھ پڑھنا تھا تو ابتداء وحی میں آپ کا معمول تحریک ہفتین ہوگا۔۔۔ تو غار حرا کی روایت میں بدء مکان کا تذکرہ ہے۔۔۔ حدیث الباب میں مویٰ الیہ کی صفات کے اعتبار سے تبدیلی بدء کا ذکر ہے۔ گویا صفت تحریک لسان کی تبدیلی کا بھی بدء ہے۔ (نصر الباری ۱/۱۴۱)

ہم تن ”حکم استماع“ و ”انصات“ بھی عظمت وحی پر دال ہے۔

ربط ۲: حفاظت وحی بذریعہ ان علیہا جمعہ و قرآنہ خود رب العالمین نے لے لی کہ کوئی بھی تغیر تبدیلی نہ کر سکے گا۔ جو عظمت و عصمت وحی پر دال ہے۔ تو کیف کان بدء ارجح کی عظمت کے ساتھ ربط ہو گیا۔ (ایضاً)

تعارف و احوال

حد ثنامو موسیٰ بن اسماعیل: حضرت امام بخاریؒ کے استاذ، متوفی ۲۲۳ھ ابوسلمہ ان کی کنیت ہے بصری ہیں۔

ابو عوانہ: ان کا نام وضاح بن عبداللہ یغکری ہے، صحاح ستہ کے رواۃ ہیں، ثقہ و ثبت ہیں۔ م ۱۹۶ھ

موسیٰ بن ابی عائشہ: کنیت ابوالحسن کوئی ہمدانی۔ آل جعدہ کے مولیٰ ہیں۔

سعید بن جبیر: اجلہ تابعین میں سے ہیں۔۔۔ حجاج بن یوسف نے ان کو ظماً قتل کیا ۹۵ھ میں۔ اس لئے کہ انہوں

نے اس کی رائے کے خلاف فتویٰ دیا تھا۔۔۔

ابن عباسؓ: صغیر اسن مفسر ہیں۔۔۔ بلکہ رئیس المفسرین اور آپ ﷺ کے چچا زاد بھائی ہیں۔ آپ ﷺ کے وصال کے وقت ان کی عمر صرف تیرہ برس تھی۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ خلفائے عباسیہ کے جد امجد ہیں، اور عبادلہ اربعہ میں سے ایک ہیں۔ دوسرے تین یہ ہیں عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ۔ وقیل: عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ۔

(عبادلہ اربعہ؛ تصحیح) تیسرے نمبر پر عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ وقیل عبداللہ بن مسعودؓ۔ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پہلے وفات پا چکے تھے۔ (۳۲ھ میں) دیگر چار طویل عرصہ تک حیات رہے۔ عبداللہ بن عمروؓ، م 65ھ، عبداللہ بن عباسؓ، م 68ھ، عبداللہ بن زبیرؓ اور عبداللہ بن عمرؓ، م 73ھ میں، جب یہ کسی مسئلہ پر متفق ہو جاتے تو کہا جاتا: ”هذا قول العبادلة“ (کشف ۱/۴۳۶)

حضرت ابن عباسؓ کی کل مرویات ۱۶۶۰ ہیں۔ بخاری شریف میں آپ کی مرویات ۲۱۵ اور صحیح مسلم میں ۱۴۴ ہیں متفق علیہ ۹۵

ہیں۔۔۔ حضرت ابن عباسؓ نے یہ روایت اگر آپ ﷺ کے براہ راست سنی ہے تو متصل ہے ورنہ مرسل صحابہ میں سے ہے۔

ابوداؤد طحاوی کی روایت اتصال پر دال ہے۔

تشریح حدیث

یہ معالجہ ہے جس کا معنی کسی چیز کا قتل کرنا اور اس کے لئے مشقت برداشت کرنا۔ معنی یہ ہوگا قرآن کریم کے نازل ہونے کی مشقت برداشت کرتے تھے۔

سبب مشقت :-

۱: نزول وحی کا قتل۔

۲: ملاقات ملک، بوجہ عدم جنس اس کا قتل و وزن بھی تھا۔ کثرت ملاقات کے باوجود عدم جنس ہونے کا قتل خم نہیں ہوا کرتا۔

۳: نیز آپ ﷺ کی دل و جی کے وقت نیسان کے اندیشے سے ساتھ پڑھتے تھے یہ بھی وزن و مشقت تھی۔

۴: الفاظ و معانی کا یکدم احتضار بھی باعث مشقت ہو سکتا ہے۔

۵: غیر حافظ کا حافظ کے ساتھ پڑھنا باعث مشقت ہے۔ فرشتہ نور محض ہے اس کے پڑھنے میں تیزی اور عجلت ہے آپ

صلی اللہ علیہ وسلم روح کے لحاظ سے نوری ہیں مگر جسم خاکی تھا، وہ تیزی نہ تھی۔ مشقت کے ساتھ تیزی کرتے، یوہد ان بحفظہ (کش ۲۳۸)

فرشتہ کا آلہ قرأت اہل اور سرعت والا ہے تو فرشتے سے اخذ کلام مشقت کا کام ہے۔ آپ تین کام کرتے تھے۔ (۱) جبریل

علیہ السلام کے ساتھ پڑھتے تھے۔ (۲) حفظی کو کوشش کرتے (۳) معانی میں غور فرماتے۔ (درس شمار ۴۵)

لا تحروک بہ لسانک الخ، حضرت ابن عباسؓ تحریک ہفتین عملاً دکھاتے تھے اس لئے اس روایت کو حدیث

مسلسل بتحریک الشفتین کہا جانے لگا۔ تاہم یہ سلسلہ جاری نہ رہا، انقطاع واقع ہو گیا۔ لہذا مبدائی مسلسل بتحرک الشفتین ہے لیکن منتہی میں انقطاع کی وجہ سے یہ تسلسل قائم نہیں رہا۔

مما یحرک شفہ:

مما کے معنی کثیر آما کے ہیں۔ عند البعض ممانہ کے معنی میں ہے۔ جو قلت و کثرت دونوں کیلئے مستعمل ہے۔

فانا احرکھما لک کما کان رسول اللہ یحرکھما، یہ نہیں فرمایا کما راہت رسول اللہ یحرکھما، اس لئے کہ یہ

قصہ ابتدا و ابتدا کا ہے۔ امام بخاریؒ کا ترجمہ بھی اس پر دل ہے اور ابن عباسؓ اس وقت پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔

تحریک ہفتین یا تحریک لسان؟

سوال: قرأت کے وقت تحریک ہفتین ہے جیسا کہ حدیث الباب میں ہے اور ممانت قرآن کریم میں تحریک لسان

کی ہے؟

جواب ۱: یہ دونوں باب الاکتفاء میں سے ہیں۔ ایک کا ذکر ہو تو دوسرا بھی مراد ہوتا ہے اس لئے قرآن کریم میں لسان

کا ذکر ہے مگر شفتین بھی ساتھ مراد ہیں اور حدیث پاک میں شفتین کا ذکر ہے مگر لسان بھی مراد ہے۔ اس لئے کہ سارے حروف شفوی نہیں ہیں۔

جواب ۲: بندے کو تحریک شفتین ہی نظر آتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کو تحریک لسان بھی نظر آتی ہے تو حدیث میں شفتین اور قرآن کریم میں لسان کا ذکر ناظر کے مطابق ہے۔

جواب ۳: اصل تلفظ باللسان ہے اللہ تعالیٰ نے اسی کا اعتبار فرمایا۔ راوی نے ظاہر کا اعتبار کیا اس لئے ہونٹ کا ذکر کیا۔
جواب ۴: یہ من باب اختصار الرواق ہے۔ موسیٰ بن ابی عائشہ کے شاگرد ابو عوانہ نے صرف شفتین اور سفیان نے لسان کا ذکر کیا جبکہ جریر نے دونوں کا ذکر کیا۔

فائدہ: استاذ کو چاہیے کہ طالب علم کو سکھاتے ہوئے عملی طور پر بھی عند الضرورة آگاہ کرے۔
فاتبع قرآنہ میں قراءت کا تعلق الفاظ سے ہے ثم ان علينا بیانہ میں بیان سے مراد معنی اور مفہوم ہے۔ تو الفاظ و معانی دونوں آپ ﷺ کے سینہ میں جمع کرتے جائیں گے۔

ربط آیات کے سلسلہ میں اقوال:

— ان آیات کا ربط مشکلات میں سے قرار دیا گیا ہے اس لئے کہ ان سے پہلے بھی احوال قیامت کا تذکرہ ہے اور ان کے بعد بھی اس ظاہری بے بطنی کو اچھال کر محمد بن وروافض نے ان آیات کے انکار کی کوشش کی ہے کہ یہ قرآن کریم کا جز نہیں۔
جواب: ربط کے بارے میں مختلف اقوال ہیں:-

۱.. قول اول: امام رازیؒ فرماتے ہیں ان آیات کے نزول کے وقت آپ ﷺ نے جلدی کی ہوگی تو اسی وقت بطور تربیت ان آیات کا نزول ہو گیا اس لئے ماقبل و مابعد سے ربط تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ جملہ ”زیادتی شفقت“ پر محمول ہے۔ نیز علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں ”مناظر قدرت“ میں ربط نہیں ہوتا۔ کہیں پہاڑ ہیں، کہیں دریا ہیں تو کہیں صحرا ہیں۔

۲: قول ثانی: احوال قیامت کے سلسلہ میں استدلال کیا جا رہا ہے کہ ہم بنان کے باریک خطوط جانتے ہیں ”اعضاء انسانی کے اجزاء“ اکٹھے کر لیں گے اسی طرح وہ حصہ جو حضرت جبریلؑ پڑھ لیتے ہیں ان کو جمع کر کے آپ ﷺ کے سینہ میں جمع کر دیں گے۔ یہ کلام ”رد النظر علی النظر“ کے قبیل سے ہے۔

۳: قول ثالث: قرآن کریم کا اسلوب ہے کہ جب کتاب محشر کا ذکر آتا ہے تو گاہے گاہے کتاب الاحکام (قرآن کریم) کا بھی ذکر کر دیا جاتا ہے۔

۴: قول رابع: ینبؤ الانسان یومئذ بما قدم و اخر۔ جب ہم انسان کی زندگی کی تمام معلومات جمع کر دیں گے اگرچہ متفرق ہوں، اسی طرح قرآن کریم کی کوئی آیت بھی آپ کے ذہن سے نہیں چھوٹے گی۔ (الحکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ)
۵: قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کا صحیفہ نقولی ہے۔ اسی طرح پورا عالم صحیفہ فعلی ہے۔ صحیفہ فعلی کی ترتیب انسان کی سمجھ سے

بالا تر ہے مثلاً یہ کہ رفعت، عظمت سے پہلے کیوں پیدا ہوا۔ شرف الدین ابو محمد سے پہلے کیوں مرا۔؟ پس صحیفہ نقولی کی ترتیب وربط اگر کھٹ میں نہ آئے تو اس میں کیا بعد؟ (نصر الباری 138/۱)

۶: ینبوا الانسان یومئذ بما قدموا و اخر اعمال میں تقدیم و تاخیر کے سلسلہ میں سب کچھ بتلادیا جائے گا۔ اس کی رعایت ملحوظ رکھی یا نہ رکھی۔

مشروعات میں ترتیب بھی ضروری ہے۔ قیام کی بجائے رکوع و سجود میں تلاوت کرنا یا رکوع سے پہلے سجدہ کرنا۔ منع ہے۔ حضرت جبرائیلؑ کی قرات کے ساتھ پڑھنا تقدیم ماحقہ التأخیر تھا۔ کیونکہ قرات قرآن کریم کی ”اتباع“ استماع و انصات میں ہے۔ پس جبرائیلؑ کے ساتھ پڑھنے کی تاخیر واجب تھی۔ مگر آپ ﷺ کو مقدم فرماتے تھے اس پر فرمایا: لا تحوک بہ لسانک ارجع یعنی ہر چیز میں تقدیم و تاخیر ملحوظ رکھنا گزیر ہے تو آیت کریمہ کا قبل سے ربط ظاہر ہے۔ (نصر الباری 140/1 ج 1)

۷: ما قبل میں ذکر و فکر قیامت کے ضمن میں ”عاجلہ“ کی مذمت ہے اور ما بعد میں صراحتہً تحبون العاجلہ سے مذمت ہے تو درمیان میں لا تحوک بہ ارجع سے عجلت سے روکار ربط واضح ہے۔

۸: سورۃ قیامہ کے شروع میں تین ”جمع“ کا ذکر ہے۔ ایحسب الانسان الی قولہ ہنانه میں ”جمع عظام و ینان“ ہے۔ پھر ”جمع شمس و قمر“ ہے پھر ینبوا الانسان میں جمع اعمال ہے۔ اس کو ثابت فرمایا کہ آپ ﷺ میں قرات و کتابت نہیں جانتے۔ جبرائیلؑ علیہ السلام کے جانے کے بعد تمام آیات و وحی کو الفاظ و معانی، اعراب و مخارج، معارف و حقائق، طرز اداء، کیفیات مطلوبہ کے ساتھ جمع کر دیا جانا۔ یہ دلیل ہے کہ تین جمع بھی ہوں گی تو جمع کا جمع کے ساتھ ربط ہے۔

۹: احوال قیامت نازل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوچا کہ قیامت کے آنے کے باوجود حتی وقت پوچھ لوں تو اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا: لا تحوک بہ لسانک۔

۱۰: نیز علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: کلام کی ایک مراد اولی ہوتی ہے جو سیاق و سباق سے معلوم ہوتی ہے اور ایک مراد ثانی ہوتی ہے جو شان نزول سے معلوم ہوتی ہے۔ مراد اولی کے لئے توربط ضروری ہے۔ لیکن مراد ثانی کے لئے ربط ضروری نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے مراد ثانی بیان فرمائی ہے۔ (درس شامی 48)

فائدہ: مندرجہ بالا احرام جوابات کی روشنی میں یہ بات آشکارا ہوتی ہے کہ آپ ﷺ تا کید ہے اپنی رائے ترک کر دیں۔ تمام ظاہری و باطنی حواس کے لحاظ سے تکمیل حکم میں لگیں۔ نتائج کی فکر بھی دل سے کال کر عہدیت کاملہ کا اظہار کریں۔ بھرپور محنت نتائج کا پیدا کر دینا ہمارے ذمہ ہے۔ حافیہ خیال میں بھی اس کی فکر نہ کریں۔

مراد اتباع

فاذا قراناہ فاتبع قرآنہ:

۱: ”اتباع“ سے مراد ترک قرات کر کے استماع و انصات کے لحاظ سے اتباع کرنا ہے۔

۲: دوسرے مطلب استماع و انصات میں جن تجوید کے اصولوں کی رعایت کی گئی ہے فرشتہ کے جانے کے بعد جب بھی آپ پڑھیں گے تو انہی محارج و صفات کی اتباع کو ملحوظ رکھیں۔

۳: علامہ عثمانی فرماتے ہیں: یہ بھی ایک معجزہ ہے کہ نزول وحی کے وقت استماع و انصات سے کام لیں۔ اور فرشتہ کے جانے کے بعد الفاظ و معانی اور مطالب کی جامعیت کے ساتھ مکمل ترتیب سے لکھوادیں اور سنادیں۔
فاستمع و انصت: استماع کا معنی غور سے سننے کے ہیں۔ انصت بمعنی خاموش رہنا۔

”فاستمع و انصت“ یہ تفسیر فاتحہ خلف الامام کے عدم جواز پر دلیل قاطع ہے۔ نیز فاتبع قرآنہ سے تتبع سکنت کی بھی نفی ہو جاتی ہے کیونکہ قفوں کے درمیان تلاوت ثابت نہیں۔ نیز اوقاف پر اطلاق جبریل کی ذمہ داری ہے۔ اس لئے جبریل کے جانے کے بعد تلاوت کرنا تتبع سکنت نہ کرنا ہے۔

فائدہ: حضرت جبریل کا نام ”عبد اللہ“ خیر بندہ اور ایل اللہ کے معنی میں ہے۔ اور حضرت میکائیل کا نام عبید اللہ ہے۔ قول ثانی: حضرت جبریل کا نام عبد الجلیل کنیت ابو القحوح۔ حضرت میکائیل کا نام عبد الرزاق، کنیت ابو الغنم ہے۔ حضرت اسرافیل کا نام عبد الخالق کنیت ابو المنذر، حضرت عزرائیل کا نام عبد الجبار اور کنیت ابو یحییٰ ہے۔ (کشف ۴۴ ج ۱)

ای ثم ان علينا ان تقرأہ: یہ بیان کی تفسیر ہے یعنی ج ۱: اس کا پڑھانا ہمارے ذمہ ہے۔ مطلب یہ ہے آپ کو پڑھنے پر قدرت ہو جائے یہ بھی ہمارے ذمہ ہے۔ ج ۲: بعض شراح کی رائے یہ ہے کہ یہ وہم راوی ہے کیونکہ یہ بیان کی تفسیر نہیں ہے اس لئے کہ بیانہ سے مراد کشف و ایضاح ہے یہ فاتحہ قرآن کی تفسیر ہے۔

ج ۳: عند بعض یہ بیانہ کی تفسیر ہے۔ تقرأہ سے مراد ای تقرأہ علی الناس گویا اول تقرأ لنفسہ ہا و دوسرا للناس ہے تو تکرار لازم نہ آیا۔ ج ۴: یا اول مطلق قراءت اور ثانی بالترتیب قراءت کر سکیں گے یعنی قراءت پر قادر رہیں گے۔
ثم ان علينا بیانہ کی تفسیر:

ان علينا ان تقرأہ میں تقرأہ کا تکرار ہے

ج ۵: مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ زبان سے مطالب و معانی کی تفہیم کرا دیں گے۔

ج ۶: ان علينا جمعہ و قرآنہ سے مراد الفاظ کو سینہ میں محفوظ کرنا اور پڑھنے پر قدرت ہے۔ ان علينا بیانہ سے مراد توضیح و تفصیل مشکلات ہے۔

جمعہ لک صدرک: آپ ﷺ کا سینہ اس کو جمع کرے گا۔ صدر کی طرف اسناد مجازی ہے اور حقیقی جامع ذات باری تعالیٰ ہے۔ بعض روایات میں جمعہ لک فی صدرک ہے، اس صورت میں کوئی اشکال نہیں۔

جمعہ لک فی صدرک سے معلوم ہوتا ہے قوۃ حافظہ صدر میں ہے۔ فلاسفہ قوت حافظہ جوف دماغ میں مانتے ہیں۔ متکلمین اور اصولیین ہر چیز کا منبع اور اصل قلب کو مانتے ہیں۔ لیکن اس کی اصل قلب میں ہے۔ کما قال ابن عباس رضی اللہ عنہما

فی صدرک۔ (درس بخاری 138)

حدیث نمبر ۶

حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ قَالَ أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنْ الزُّهْرِيِّ ح وَحَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ قَالَ أَخْبَرَنَا يُونُسُ وَمُعَمَّرُ عَنْ الزُّهْرِيِّ نَحْوَهُ قَالَ أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَجْوَدَ النَّاسِ وَكَانَ أَجْوَدَ مَا يَكُونُ فِي رَمَضَانَ حِينَ يَلْقَاهُ جَبْرِيلُ وَكَانَ يَلْقَاهُ فِي كُلِّ لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ فَيُدَارِسُهُ الْقُرْآنَ فَلَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَجْوَدُ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيحِ الْمُرْسَلَةِ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس سے روایت ہے حضور اکرم ﷺ لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور رمضان میں توجہ جبرائیل آپ ﷺ سے ملا کرتے بہت ہی سخی ہو جاتے۔ اور جبرائیل رمضان کی ہر رات میں آپ ﷺ سے ملا کرتے اور آپ ﷺ کے ساتھ قرآن کا دور کرتے غرض حضور اکرم ﷺ لوگوں کو بھلائی پہنچانے میں جلتی ہوئے بھی زیادہ سخی تھے۔

تعارف و احوال

حدثنا عبدان:

”عبدان“ ان کا نام عبد اللہ بن عثمان ہے اور کنیت ابو عبد الرحمن ہے چونکہ دو عہد جمع ہو گئے تو عبدان لقب بن گیا اگرچہ شنیع ہے لیکن علم کے معنی میں آگیا۔ بخاری شریف میں ۱۱۱۰ احادیث مروی ہیں۔ م ۶۲۲۱ ہ ۷۷ برس عمر تھی۔

”عبد اللہ بن مبارک“ امیر المؤمنین فی الحدیث:

اشتغال بالحدیث کو معیت نبوی ﷺ اور دیگر فرمایا مجھے تنہائی کی دشت کا کیا سوال ہے؟ اس دور کے علماء کا اجماع ہے کہ آپ عیسیٰ نصل کا حامل کوئی ہو تو ہو۔ امام بخاریؒ کے استاذ ہیں۔ ۳۳ برس کے بعد ۱۸۱ھ میں وفات (۱۱۸ میں ولادت ہے۔) یونس بن یزید: تابعی ہیں مصر میں ۱۵۹ھ میں وفات ہے۔

معمر: صحابہؓ میں تیرہ اشخاص ہیں، صحیحین میں معمر بن راشد صرف یہی ہیں، کتب اربعہ میں چھ آدمی ہیں۔ وفات ۱۵۳ھ ہے۔ ۵۸ برس کل عمر ہے۔

یہ حدیث بھی مرسل صحابی ہے اگر حضرت ابن عباسؓ نے آپ ﷺ سے خود سنا ہے تو متصل ہوگی۔ لیکن بظاہر یہی ہے کہ یہ مرسل ہے۔ اس لئے کہ اس میں آپ ﷺ کے اوصاف ہیں تو یہ کسی صحابی نے بیان کئے ہوں گے۔

سوال: مدار تحویل عبد اللہ میں۔ تحویل حضرت عبد اللہ سے ہونی چاہیے نہ کہ زہری سے؟

جواب: اس روایت میں مدار تحویل عبد اللہ کو نہیں بتایا کیونکہ عبدان کی روایت میں صرف یونس راوی ہیں جو کہ زہری کے شاگرد ہیں اور ان سے روایت کرتے ہیں۔ جبکہ بشر بن محمد کی روایت میں معمر اور یونس دونوں روایت کرتے

ہیں۔ اس فرق کو بتانے کیلئے مدارِ تحویل عبد اللہ کی بجائے امام زہری کو بتایا۔

سوال: نحوه عن الزهري رحمہ اللہ میں نحوہ کا اضافہ کیوں فرمایا؟

جواب: نحوه کا لفظ اس طرف اشارہ کرنے کیلئے لائے ہیں کہ الفاظ روایت حضرت یونس کے ہیں، معمر صرف اس معنی کو روایت کرتے ہیں الفاظ ان کے نہیں ہیں۔

ج: اس کو مخفف پڑھنے کا دستور زیادہ ہے اس کے بعد و قال محذوف ہوتا ہے۔

ح (تحویل) اس کو پڑھنے کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) حاً مبالد (۲) حاء مقصورہ۔ سیبویہ کا قول ہے کہ حروف ہجاء کو جب علیحدہ پڑھتے ہیں تو محدودہ پڑھتے ہیں۔ (درس شمارتی 48)

عبید اللہ بن عبد اللہ: تابعی ہیں، فقہاء سبعہ مدینہ میں سے ہیں، حضرت عمر بن عبد العزیز کے استاذ ہیں اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے بھائی عتبہ بن مسعود کے پوتے ہیں۔ ۹۴ھ میں وفات ہے۔

ترکیب: کان اجود مایکون فی رمضان:

اس کی ترکیب مختلف طریقے سے کی جاتی ہے۔ (۱) پہلی ترکیب یہ ہے کہ اجود کا ناکام ہو اور فی رمضان حال بن کر خبر محذوف کے قائم مقام ہے۔ حاصل ترجمہ یہ ہوگا: کان اجود انکو انہ حاصل حال کو نہ فی رمضان۔

(۲) کان میں ضمیر شان ہے اور اجود ضمیر امر فوع اور فی رمضان خبر۔ متبدل اور خبر مل کر یہ کان کی خبر بنیں گے۔ معنی یہ ہوگا: شان یہ ہے کہ کان اجود انکو ان رسول اللہ ﷺ حاصل فی رمضان (۳) اگر اجود کو امر فوع کی بجائے اجود منصوب پڑھیں تو مایکون سے پہلے مدۃ کا لفظ محذوف ہوگا تو اس صورت میں لفظ اجود کان کی خبر اور کان کا اسم اس کے اندر ہو ضمیر متتر ہوگی، تقدیر عبارت یوں ہوگی۔ ای کان رسول اللہ ﷺ مقصفاً بالاجود مدۃ کو نہ فی رمضان۔ اس صورت میں مایکون فی رمضان محذوف مضاف ”مدۃ“ ظرف ہوگا اجود کیلئے۔

روایت کے اعتبار سے رفع پڑھنا اولیٰ ہے۔ (اگرچہ نصب کی بھی صورت بتائی گئی ہے۔)

تشریح حدیث۔ جود و سخا

الفرق بین الجود و السخا:

(۱) جود: بغیر سوال و عوض کثرت سے دینے کو کہتے ہیں۔ نیز حسب ضرورت اور مستحق کو دینا کہ بھوکے کو کھانا اور بے ستر کو کپڑا دینا جود میں داخل ہے تاکہ ذلت و قلت سے بچ سکے۔

جود ایک ملک ہے اور سخا اس کا اثر ہے۔ باری تعالیٰ قبول اثر سے منزہ ہے۔ (درس شمارتی 49)

(۲) مجود اعطاء ماینبغی لمن ینبغی“ کو کہتے ہیں جبکہ سخا صرف تقسیم مال کا نام ہے۔ سخاوت میں سخی کی غرض ہوتی

ہے، جو میں جو ادکی کوئی غرض نہیں ہوتی۔ اسلئے حق تعالیٰ شانہ کو الجوا دکھا جاتا ہے مگر مسخی نہیں کہا جاتا۔
 جود: دراصل ایک ملکہ واستعداد اور سخاوت اس کا ثمر ہے آپ ﷺ نے ملکات فاضلہ کے اعتبار سے تمام اہل کمال پر
 فوقیت رکھتے تھے۔ کما قال: انا جود وولد آدم و جود ہم بعدی۔ جل علم علما فنشر علمہ۔ (نمبر ۱۴۶ ج ۱)
 اسی ملکہ فاضلہ کی روشنی میں حضرات شیخینؒ مال لیکر حاضر خدمت ہوئے۔ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: میں حضرت ابو بکرؓ سے
 کبھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اس لئے کہ گھر میں آدھالال موجود تھا تو صدیق اکبرؓ نے عرض کیا میں نے اپنے گھر میں:
 ترکت اللہ ورسولہ۔ یہ ملکات فاضلہ کا فرق ہے۔ (نمبر ۱۴۶ ج ۱)

حین یلقاہ جبریل:

اس حدیث میں آپ ﷺ کے تین مقالات جود کو کلی سبیل الترقی بیان کیا گیا ہے۔ جود اول: اجود الناس سے معلوم ہوتا ہے
 کہ اول تو آپ ﷺ کا خلق ہی سخی تھے۔ جود ثانی: جب رمضان آتا تو آپ ﷺ میں مزید اضافہ ہو جاتا حتیٰ کہ قرض لیکر کھلاتے
 تھے۔ جیسے انسان خوشی کے موقع پر کرتا ہے۔ جود ثالث: حین یلقاہ جبریل سے معلوم ہوتا ہے ماہ رمضان میں جب حضرت
 جبریلؑ سے ملاقات ہوتی اور مدارست قرآن کریم کا عمل بھی ہوتا اس وقت کی سخاوت کا مقابلہ تو ریح مرسلہ بھی نہ کر سکتی تھی۔

سوال: جود سخا کا تقاضا ہے کہ انسان صاحب مال ہو جبکہ آپ ﷺ کے پاس تو مال نہ تھا۔ تین تین ماہ چولہا ٹھنڈا رہتا تھا۔
 جواب ۱: حضرت بلالؓ کے ذمہ تھا جب کوئی سائل آئے تو قرض لیکر خرچ کر دیا کرو۔ آپ ﷺ کے مقروض ہونے کا
 سبب یہی جود سخا تھا جو آتا تھا خرچ کر دیتے تھے۔

جواب ۲: دوسرا جواب یہ ہے جود سخا کا تعلق خرچ کیے ہوئے مال کی کثرت و قلت کے مقدار مال سے نہیں ہوتا بلکہ خرچ
 شدہ کے تناسب سے ہوتا ہے۔ مثلاً ایک صدک لک ایک دو پیو اور ایک لاکھ لک ۱۰۰۰ (ہزار) خرچ کرے تو دونوں مساوی
 ہیں۔ چنانچہ اگر شخص اول نے ۲ روپے خرچ کئے تو ہزار خرچ کرنے والے سے بڑا غنی ہوگا۔

جواب ۳: جود سخا کو اموال کے ساتھ مخصوص سمجھنا ہی غلط ہے اس لئے کہ آپ ﷺ نے علم و عمل، عقائد و اخلاق صحیحہ
 اور انوار و برکات سے تاج قیامت مخلوق خدا کو فیضیاب کر دیا ہے۔

فیدار سہ القرآن:

اشکال: دور پورے قرآن کریم کا ہوتا یا صرف منزلہ من القرآن الکریم کا؟
 ج ۱: دونوں قول ہیں: پورا قرآن کریم کا دور ہوتا تھا۔ لیکن بعد میں غیر منزلہ حصہ بھول جاتا۔ راجح یہ ہے کہ
 حصہ منزلہ کا دور ہوتا۔ ورنہ واقعہ اقلک میں آپ کو پریشانی کیوں ہوتی؟
 دور کے فوائد کیا تھے؟

ج ۱: ادائیگی حروف کا طریقہ عملاً سکھانا۔ ۲: ترتیب کا معلوم ہونا، ۳: آیت منسوخہ کا علم ہو جانا۔ ۴: اس سے آپ

کا حفظ پختہ ہو جاتا اور وعدہ ربانی کی تکمیل ہوتی۔۔۔ یہ دو ررات کے وقت ہوتا تا کہ آپ کے یومیہ معمولات میں خلل نہ پڑے اور دو رات کوئی دوسرا نخل نہ ہو۔ (درس شامی 50)

ماہ مبارک کو کلام الہی سے خاص مناسبت ہے۔ تمام کتب اسی ماہ میں نازل ہوئیں۔ قرآن مجید لوح محفوظ سے تمام و کمال شب قدر میں نازل ہو کر بیت العزہ میں محفوظ کر دیا گیا جو آسمان دنیا میں ایک مقام ہے۔ آپ ﷺ کے پاس 17 رمضان المبارک بروز پیر وحی قرآن کریم کی ابتداء ہوئی۔۔۔ حضرت ابراہیمؑ کے صحیفہ یکم رمضان، حضرت موسیٰؑ کو توراۃ ۶ رمضان، حضرت عیسیٰؑ کو انجیل ۱۳ رمضان اور حضرت داؤدؑ کو زبور ۱۸ رمضان کو ملی۔

فیدہ ارسنا لقروآن: مدارستہ کا معنی ہے ذکر کرنا، یہاں القرآن کا لفظ ہے لیکن اس سے کامل قرآن کے ساتھ بعض قرآن بھی مراد ہو سکتا ہے۔ مطلب یہ جتنا قرآن نازل ہو چکا ہوتا اتنے کا ذکر ہوتا۔

مسئلہ منطقی قاری نے لفظ مدارستہ سے مسئلہ نکالا ہے کہ پورے سال میں ایک قرآن کریم تو ضرور پورا ہو جانا چاہیے، شرح نقایہ میں لکھتے ہیں قرآن کریم کا ایک ختم سال میں مسنون ہے۔ کیونکہ ہر سال جتنا قرآن کریم اتر چکا ہوتا اس کا آپ ﷺ پورا فرما لیتے اور آخری عمر کے رمضان میں دو ذکر کئے۔ حضرات صحابہ کرامؓ کے عمل سے بھی ختم قرآن ہونا اور کرنا بالکل واضح ہے۔

اجود بالخیر من الريح المرسلۃ:

اجود بالخیر اگر مال کے ساتھ مخصوص کریں تو جو دو سخا مالی مراد ہوگی۔۔۔ اور اگر خیر کو عموم پر رکھیں تو خیر کا حقیقی بڑا فرد دین و شریعت اور علوم وحی ہیں۔ اس جیسا نخی تو اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ نیز ”ریح مرسلہ“ سے آپ کی زیادہ جو دو سخا کی وجہ یہ ہے کہ ریح مرسلہ حجر و شجر اور جسم و نباتات کو فائدہ پہنچاتی ہے جبکہ علوم دینیہ قلب و قالب دونوں کیلئے نافع ہیں۔

ٹھنڈی و گرم ہوا حسب مزاج امتیاز کے ساتھ ایک کیلئے نفع رساں اور دوسرے کیلئے ضرر رساں ہے جبکہ دین و شریعت گرم و سرد ہر مزاج کیلئے نافع ہے۔ سود و زیاں کا اندیشہ نہیں۔ نیز کثرت خیر کو ریح مرسلہ سے تشبیہ دی۔ ریح مرسلہ وہ ہوائیں جو لوگوں کو نفع پہنچانے کیلئے بھیجی جاتی ہیں۔ گرمی و سردی کرتی ہیں، پھل پکاتی ہیں۔ تو آپ ﷺ ہی ہواؤں سے بھی زیادہ اجود تھے۔

نیز ہوا کی تشبیہ سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ ہوا بھی جیسے بلا تخصیص و بلا اطلب سب کو فائدہ پہنچاتی ہے اور مجموعی موسم ٹھیک کر دیتی ہے، آپ ﷺ کی سخاوت بھی گویا ایسی تھی۔ اسی مضمون کو ایک اعرابی نے بہت بڑا بکریوں کا ریوڑ ملنے پر یوں تعبیر کیا: اے میرے اہل قبیلہ! ہو جاؤ محمد صلی اللہ علیہ وسلم افلاس کے خوف سے بے نیاز ہو کر دیتے ہیں۔ (مسلم شریف ۲/۲۹۰)

حدیث کا ترجمہ الباب سے ربط:

(۱) بعض حضرات کی رائے یہ ہے بلقاء سے ترجمہ الباب ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ لقاء اپنے عموم کی وجہ سے لقاء بوقت ابتداء وحی کو بھی شامل ہے۔

(۲) آپ ﷺ اور حضرت جبریلؑ وسائط وحی اور مبادی وحی ہیں اور ترجمہ الباب کے مقاصد میں وحی کا ذکر کرنا

بھی ہے تو ربط ثابت ہو گیا۔

(۳) حضرت شیخ الہندؒ کے مطابق چونکہ ”ترجمہ الباب“ سے وحی کی عظمت بیان کرنا ہے تو اس سے عظمت کا ثبوت ملتا ہے کہ کیسی عظمت والی ہے کہ سید الرسلؐ، سید الملائکہ ہر رمضان اس کی مدارست فرما رہے ہیں۔ تو عظمت و عصمت وحی نیز اس کے مطاع ہونے کا بیان ہے تو تمام روایات کو بدء الوحی کے باب سے بھی مناسبت ہے۔

(۴) باب کی غرض ان صفات عالیہ کا ذکر ہے جو نزول وحی کا سبب ہیں۔ ان میں سے ایک جو بھی ہے۔ اور حدیث میں اس کے تین مراتب کو بیان کیا گیا ہے۔ فافہم

قرآن مجید کا نزول رمضان شریف میں ہوا اللہ تعالیٰ کے تمام انعامات میں یہ العام سب سے بڑھ کر ہے کیونکہ قرآن اللہ کی صفت ہے۔ انعامات بخشنا کوئی بڑی بات نہیں ہے مگر اپنی صفت دیدینا بہت ہی بڑی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کے جود کا ظہور سب سے زیادہ اس ماہ میں ہوتا ہے تو نبی کریمؐ بھی اس کا اثر پڑا۔ اور یہ مہینہ آپ کی سخاوت کا مرکز بنا۔ اجود بالخیر، خیر سے دنیوی اخروی، مادی روحانی ہر طرح کی خیر مراد ہے۔ (درس بخاری ۱۴۴)

معارف و فوائد

- ۱۔ زیارت اکابر مسلسل کرتے رہنا چاہیے۔
- ۲۔ اجتماع صلحاء، جود و سخا کی ترغیب و تحریریں۔
- ۳۔ رمضان میں تلاوت بکثرت ہو۔
- ۴۔ رمضان میں دور قرآن کریم سنت ہے۔
- ۵۔ تسبیح و اذکار سے تلاوت افضل ہے۔ اگر ذکر تلاوت سے افضل یا مساوی ہوتا تو دونوں حضرات یا تو ہمیشہ ذکر کرتے یا کبھی تو کرتے۔ جبکہ اجتماع ہر رمضان ہوتا رہا۔
- ۶۔ رمضان کے ساتھ شہر ملنا ضروری نہیں۔
- ۷۔ نیز قرآن کریم کا دور رات کو کرنا چاہیے۔ ہمارے دیار میں عموماً دن کو رواج ہے اور رات کو وہ تراویح میں سنایا جاتا ہے۔ تو یہ ممکن ہے آنے والی رات کو جو تراویح میں پڑھنا ہے ایک روز قبل اس کی،، مدارست،، ہو نیز اپنا یاد کرنے کے ساتھ دور کرنے کی سنت کو زندہ کریں۔

حديث هرقل

حديث نمبر 7

حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ الْحَكَمُ بْنُ نَافِعٍ قَالَ أَخْبَرَ نَاشِعَةَ عَنْ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَ نِي غَيْبُذُ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ غُثَيْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَا سَفْيَانَ بْنِ خَزِيبٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ هِرَقْلَ أَرْسَلَ إِلَيْهِ فِي رَكْبٍ مِنْ فَرَسٍ وَكَانُوا بِجَارِ الْأَشْجَمِ فِي الْمَدِينَةِ الَّتِي كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَادَّ فِيهَا أَبَا سَفْيَانَ وَكَفَّارَ فَرَسٍ فَأَتَوْهُ وَهُمْ بِإِيلَاءٍ فَدَعَاهُمْ فِي مَجْلِسِهِ وَحَوْلَهُ عِظَمَاءُ الرُّومِ ثُمَّ دَعَاهُمْ وَدَعَا بَعْضَ جَمَانِهِ فَقَالَ أَتَيْكُمْ أَقْرَبُ نَسَبًا بِهَذَا الرَّجُلِ الَّذِي يُزْعَمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ فَقَالَ أَبُو سَفْيَانَ فَقُلْتُ أَنَا أَقْرَبُهُمْ نَسَبًا فَقَالَ أَذْنُوهُ وَنَبِيٌّ قَرِيبُ الْأَصْحَابَةِ فَأَجْعَلُوهُمْ عِنْدَ ظَهْرِهِ

ثُمَّ قَالَ لِبَعْضِ جَمَانِهِ قُلْ لَهُمْ إِنِّي سَأَلْتُ هَذَا عَنِ هَذَا الرَّجُلِ فَإِنْ كَذَبَنِي فَكُذِّبُوا فَوَاللَّهِ لَوْ لَا الْحَيَاءُ مِنْ أَنْ يَأْخُذُوا عَلَيَّ كَذِبًا لَكَذَّبْتُ عَنْهُ ثُمَّ كَانَ أَوَّلُ مَا سَأَلَنِي عَنْهُ أَنْ قَالَ كَيْفَ نَسَبُهُ فَيَكُفُّمْ قُلْتُ هُوَ فِينَا ذُو نَسَبٍ قَالَ فَهَلْ قَالَ هَذَا الْقَوْلَ مِنْكُمْ أَحَدٌ قَطُّ قَبْلَهُ قُلْتُ لَا قَالَ فَهَلْ كَانَ مِنْ آبَائِهِ مِنْ مَلِكٍ قُلْتُ لَا قَالَ فَأَهْرَافُ النَّاسِ يَتَّبِعُونَهُ أَمْ طَعْفَاؤُهُمْ فَقُلْتُ بَلْ طَعْفَاؤُهُمْ قَالَ أَيْزِيْدُونَ أَمْ يَنْفُضُونَ قُلْتُ بَلْ يَزِيدُونَ قَالَ فَهَلْ يَزِيدُ أَحَدٌ مِنْهُمْ سَخَطَةً لِإِدْبِهِ بَعْدَ أَنْ يَدْخُلَ فِيهِ قُلْتُ لَا قَالَ فَهَلْ كُنْتُمْ تَتَّهِمُونَهُ بِالْكَذِبِ قَبْلَ أَنْ يَقُولَ مَا قَالَ قُلْتُ لَا قَالَ فَهَلْ يَغْدِرُ قُلْتُ لَا وَنَحْنُ مِنْهُ فِي مَدَّةٍ لَا نَذَرِي مَا هُوَ فَاغْلِبْ فِيهَا قَالَ وَلَمْ تُمَكِّنِي كَلِمَةً أَدْخُلُ فِيهَا شَيْئًا غَيْرَ هَذِهِ الْكَلِمَةِ قَالَ فَهَلْ قَاتَلْتُمُوهُ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَكَيْفَ كَانَ قِتَالُكُمْ إِيَّاهُ قُلْتُ الْحَزْبُ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُ سِجَالٌ يَتَالُ وَمَنَا وَتَنَالُ مِنْهُ قَالَ مَاذَا يَأْمُرُكُمْ قُلْتُ يَقُولُ اغْبُدُوا اللَّهَ وَخُدُّهُ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَائْزُوا كَمَا يَقُولُ آبَاؤُكُمْ وَيَأْمُرُ نَابَا الصَّلَاقِ الرَّكَاقِ وَالصِّدِّيقِ وَالْعَفَافِ وَالصِّلَةِ

فَقَالَ لِلْفَرَسِ جَمَانٍ قُلْ لَهُ سَأَلْتُكَ عَنْ نَسَبِهِ فَذَكَرْتَ أَنَّهُ فِيكُمْ ذُو نَسَبٍ فَكَذَلِكَ الرَّسُلُ تُبْعَثُ فِي نَسَبٍ قَوْمُهَُا وَسَأَلْتُكَ هَلْ قَالَ أَحَدٌ مِنْكُمْ هَذَا الْقَوْلَ فَذَكَرْتَ أَنْ لَا فَقُلْتُ لَوْ كَانَ أَحَدٌ قَالَ هَذَا الْقَوْلَ قَبْلَهُ لَقُلْتُ رَجُلٌ يَأْتِي بِسِيٍّ يَقُولُ قِيلَ قَبْلَهُ وَسَأَلْتُكَ هَلْ كَانَ مِنْ آبَائِهِ مِنْ مَلِكٍ فَذَكَرْتَ أَنْ لَا فَقُلْتُ فَلَوْ كَانَ مِنْ آبَائِهِ مِنْ مَلِكٍ قُلْتُ رَجُلٌ يَطْلُبُ مَلِكَ أَبِيهِ وَسَأَلْتُكَ هَلْ كُنْتُمْ تَتَّهِمُونَهُ بِالْكَذِبِ قَبْلَ أَنْ يَقُولَ مَا قَالَ فَذَكَرْتَ أَنْ لَا فَقَدْ أَهْرَفَ أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ لِيَذَرَ الْكَذِبَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُذِّبَ عَلَى اللَّهِ وَسَأَلْتُكَ أَهْرَافُ النَّاسِ اتَّبَعُوهُ أَمْ طَعْفَاؤُهُمْ فَذَكَرْتَ أَنَّ طَعْفَاءَهُمْ اتَّبَعُوهُ وَهُمْ أَتْبَاعُ الرَّسُلِ وَسَأَلْتُكَ أَيْزِيْدُونَ أَمْ يَنْفُضُونَ فَذَكَرْتَ أَنَّهُمْ يَزِيدُونَ وَكَذَلِكَ أَمْرُ الْإِيمَانِ حَتَّى يَرَعَى وَسَأَلْتُكَ أَيْزِيْدُونَ أَمْ يَنْفُضُونَ فَذَكَرْتَ أَنَّهُمْ يَزِيدُونَ وَكَذَلِكَ أَمْرُ الْإِيمَانِ حِينَ تَخَالِطُ بِشَاشَةِ الْقُلُوبِ وَسَأَلْتُكَ هَلْ يَغْدِرُ فَذَكَرْتَ أَنْ لَا وَكَذَلِكَ

الرَّسُلَ لَا تَعْدُرُوا مَا آمُرُكُمْ فَذَكَرْتَ أَنَّهُ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَيَنْهَاهُمْ عَنْ عِبَادَةِ الْأُولَئِينَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالصَّلَاةِ وَالصَّدَقِ وَالْعَفَافِ

فَإِنْ كَانَ مَا تَقُولُ حَقًّا فَمَسْمُوكُ مَوْضِعَ قَدَمَيَّ هَاتَيْنِ وَقَدْ كُنْتُ أَعْلَمُ أَنَّهُ خَارِجٌ لَمْ أَكُنْ أَطُنُّ أَنَّهُ مِنْكُمْ فَلَمَّا أَنِّي أَعْلَمْتُ أَنِّي أَخْلَصْتُ إِلَيْهِ لَتَجَسَّمْتُ لِقَاءَهُ وَلَوْ كُنْتُ عِنْدَهُ لَفَسَلْتُ عَنْ قَدَمَيْهِ ثُمَّ دَعَا بِكِتَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِي بَعَثَ بِهِ دُحْيَةَ إِلَى عَظِيمٍ بَصْرَى فَدَفَعَهُ إِلَيَّ هِرَقْلُ فَقَرَأَهُ فَإِذَا فِيهِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى هِرَقْلَ عَظِيمِ الرُّومِ سَلَامٌ عَلَى مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى أَمَّا بَعْدُ فَإِنِّي أَدْعُوكَ بِدُعَايَةِ الْإِسْلَامِ أَسْلِمْتَ تَسْلِمُ يَوْمَئِذٍ اللَّهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ فَإِنْ تَوَلَّيْتُ فَإِنْ عَلَيْكَ إِثْمُ الْأَرِيسِيِّينَ {وَيَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ }

قَالَ أَبُو سَفْيَانَ فَلَمَّا قَالَ مَا قَالَ وَفَرَّغَ مِنْ قِرَاءَةِ الْكِتَابِ كَثُرَ عِنْدَهُ الصَّخَبُ وَازْتَفَعَتِ الْأَصْوَاتُ وَآخِرُ جُنَا قُلْتُ لِأَصْحَابِي حِينَ أَخْرَجْنَا لَقَدْ أَمَرَ أَمْرًا ابْنِ أَبِي كَبْشَةَ أَنَّهُ يَخَافُهُ مَلِكُ بَنِي الْأَصْغَرِ فَمَارِلْتُ مَوْقِفًا أَنَّهُ سَيُظْهِرُ حَتَّى أَدْخَلَ اللَّهُ عَلَيَّ الْإِسْلَامَ وَكَانَ ابْنُ النَّاطُورِ صَاحِبُ إِبِلِيَاءَ وَهِرَقْلُ سَفَقًا عَلَى نَصَارَى الشَّامِ يُحَدِّثُ أَنَّ هِرَقْلَ حِينَ قَدِمَ إِبِلِيَاءَ أَصْبَحَ يَوْمًا خَبِيثِ النَّفْسِ فَقَالَ بَغْضُ بَطَارِقَتِهِ قَدْ اسْتَنْكَرْنَا هَيْئَتَكَ قَالَ ابْنُ النَّاطُورِ وَكَانَ هِرَقْلُ حَزَاءً يَنْظُرُ فِي التَّجُومِ فَقَالَ لَهُمْ حِينَ سَأَلُوهُ إِنِّي رَأَيْتُ اللَّيْلَةَ حِينَ نَظَرْتُ فِي التَّجُومِ مَلِكَ الْخِتَانِ قَدْ ظَهَرَ فَمَنْ يَخْتِئُ مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ قَالُوا أَلَيْسَ يَخْتِئُ إِلَّا الْيَهُودُ فَلَا يَهْمُكَ شَأْنُهُمْ وَاكْتُبْ إِلَى مَدَائِنِ مَلِكِكَ فَيَقْتُلُوا مَنْ فِيهِمْ مِنَ الْيَهُودِ

فَبَيْنَمَا هُمْ عَلَى أَمْرِهِمْ أَتَى هِرَقْلُ بِرَجُلٍ أَرْسَلَ بِهِ مَلِكُ عَسَانَ يُخْبِرُ عَنْ خَبَرِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا اسْتَخْبَرَهُ هِرَقْلُ قَالَ أَذْهَبُوا فَانْظُرُوا أَمْخِئَتَيْنِ هُوَ أَمْ لَا فَنَظَرُوا إِلَيْهِ فَحَدَّثُوهُ أَنَّهُ مُخْتِئٌ وَسَأَلَهُ عَنِ الْعَرَبِ فَقَالَ هُمْ يَخْتِئُونَ فَقَالَ هِرَقْلُ هَذَا مَلِكُ هَذِهِ الْأُمَّةِ قَدْ ظَهَرَ ثُمَّ كَتَبَ هِرَقْلُ إِلَى صَاحِبِ لَهُ بِزُومِيَّةَ وَكَانَ نَظِيرُهُ فِي الْعِلْمِ وَسَارَ هِرَقْلُ إِلَى جَمْعٍ فَلَمَّ يَوْمَ جَمْعٍ حَتَّى أَتَاهُ كِتَابٌ مِنْ صَاحِبِهِ يُؤَافِقُ رَأْيَ هِرَقْلٍ عَلَى خُرُوجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَّهُ نَبِيٌّ فَأَذِنَ هِرَقْلُ لِعِظَمَاءِ الرُّومِ فِي دَسْكَرَةِ لَهُ بِجَمْعٍ ثُمَّ أَمَرَ بِأَبْوَابِهَا فَعُلِّقَتْ ثُمَّ أَطْلَعَ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ الرُّومِ هَلْ لَكُمْ فِي الْقَلَاحِ وَالرُّشْدِ وَأَنْ يَثْبُتَ مَلِكُكُمْ فَيُتَابِعُوا هَذَا النَّبِيَّ فَحَاضُوا حَيْصَةَ حُمُرِ الْوَحْشِ إِلَى الْأَبْوَابِ فَوَجَدُوا قَدْ غُلِّقَتْ فَلَمَّا رَأَى هِرَقْلُ تَفَرُّتَهُمْ وَأَيْسَ مِنَ الْإِيمَانِ قَالَ زُودُوهُمْ عَلَيَّ وَقَالَ إِنِّي قُلْتُ مَقَالِييَ إِنَّمَا اخْتِئَ بِهَا هَدَتْكُمْ عَلَى دِينِكُمْ فَقَدَّرْتُ أَيُّتَ فَسَجَدُوا لَهَا وَرَضُوا عَنْهُ فَكَانَ ذَلِكَ آخِرَ شَأْنِ هِرَقْلَ،

رَوَاهُ صَالِحُ بْنُ كَيْسَانَ وَيُونُسُ وَمَعْمَرُ عَنْ الزُّهْرِيِّ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے ان کو ابوسفیان بن حرب نے کہا ہر قل نے ان کو قریش کے اور کئی سواروں کے ساتھ بلایا۔ اور یہ لوگ اس وقت شام میں تجارت کی غرض سے گئے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جس میں حضور اکرم ﷺ نے ابوسفیان اور قریش کے کافروں کو (صلح کر کے ایک مدت دی تھی) غرض یہ لوگ اس کے پاس پہنچے۔ ہر قل اور اس کے ساتھی ایلیا میں تھے۔ ہر قل نے ان کو اپنے دربار میں بلایا اور اس کے ارد گرد روم کے رئیس بیٹھے تھے۔ پھر ان کو بلایا اور اپنے مترجم کو بھی بلا لیا۔ وہ کہنے لگا (اے عرب کے لوگو) تم میں سے کون اس شخص کا نزدیک کا رشتہ دار ہے جو اپنے آپ کو پیغمبر کہتا ہے۔ ابوسفیان نے کہا میں اس شخص کا قریبی رشتہ دار ہوں۔ تب ہر قل نے کہا: اچھا اس کو میرے پاس لاؤ اور اس کے ساتھیوں کو بھی (اس کے نزدیک رکھو اس کی بیٹھو۔

پھر اپنے مترجم سے کہنے لگا: ان لوگوں سے کہہ میں اس سے (ابوسفیان سے) اس شخص کا (پیغمبر صاحب کا) کچھ حال پوچھتا ہوں اگر یہ مجھے سے جھوٹ بولے تو تم کہہ دینا جھوٹا ہے۔ ابوسفیان نے کہا: قسم خدا کی اگر مجھ کو یہ شرم نہ ہوتی کہ یہ لوگ مجھ کو جھوٹا کہیں گے تو میں آپ ﷺ کے بارے میں جھوٹ کہہ دیتا۔ خیر پہلی بات جو اس نے مجھ سے پوچھی وہ یہ تھی کہ اس شخص کا تم میں خاندان کیسا ہے؟ میں نے کہا: اس کا خاندان تو ہم میں بڑا ہے۔ کہنے لگا: اچھا پھر یہ بات (کہ میں پیغمبر ہوں) اس سے پہلے تم لوگوں میں کسی نے کبھی تھی؟ میں نے کہا: نہیں۔ کہنے لگا: اچھا اس کے بزرگوں میں کوئی بادشاہ گزرا ہے؟ میں نے کہا: نہیں۔ کہنے لگا: اچھا بڑے آدمی (امیر لوگ) اس کی پیروی کر رہے ہیں یا غریب لوگ؟ میں نے کہا: انہیں غریب لوگ۔ کہنے لگا: اس کے تابعدار لوگ روز بروز بڑھتے جاتے ہیں یا گھٹتے جاتے ہیں؟ میں نے کہا: انہیں بڑھتے جاتے ہیں۔ کہنے لگا: اچھا کوئی ان میں سے ایمان لا کر اس دین کو برا سمجھ کر پھر جاتا ہے؟ میں نے کہا: نہیں۔ کہنے لگا: یہ بات جو اس نے کبھی (میں پیغمبر ہوں) اس سے پہلے کبھی تم نے اس کو جھوٹ بولتے دیکھا؟ میں نے کہا: نہیں۔ کہنے لگا: اچھا وہ عہد شکنی کرتا ہے؟ میں نے کہا: نہیں۔ اب ہماری اس سے (صلح کی) ایک مدت ٹھہری ہے معلوم نہیں اس میں وہ کیا کرتا ہے۔

ابوسفیان نے کہا: مجھ کو اور کوئی بات اس میں شریک کرنے کا موقع نہیں ملا بجز اس بات کے۔ کہنے لگا: اچھا تم اس سے (کبھی) لڑے؟ میں نے کہا: ہاں۔ کہنے لگا: پھر تمہاری اس کی لڑائی کیسے ہوئی ہے؟ میں نے کہا: ہم میں اور اس میں لڑائی ڈولوں کی طرح ہے، وہ ہمارا نقصان کرتا ہے، ہم اس کا نقصان کرتے ہیں۔ کہنے لگا: اچھا وہ تم کو کیا حکم کرتا ہے۔ میں نے کہا: وہ یہ کہتا ہے بس اکیلے اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ اور اپنے باپ دادا کی (شرک کی) باتیں چھوڑ دو اور ہم کو نماز پڑھنے، حج بولنے، (حرام کاری) سے بچنے اور ناسا جوڑنے کا حکم دیتا ہے۔

تب ہر قل نے مترجم سے کہا: اس شخص سے کہہ میں نے تجھ سے اس کا خاندان پوچھا تو نے کہا وہ ہم میں حالی خاندان ہے اور پیغمبر (ہمیشہ) اپنی قوم میں حالی خاندان ہی میں بھیجے جاتے ہیں۔ اور میں نے تجھ سے پوچھا: یہ بات تم لوگوں میں اس سے پہلے کسی نے کبھی تھی؟ تو نے کہا: نہیں، اس سے میرا مطلب یہ تھا کہ اگر اس سے پہلے دوسرے کسی نے بھی یہ بات کبھی ہوئی (پیغمبر کا دعویٰ کیا ہوا تھا) تب میں یہ کہتا یہ شخص اگلی بات کی پیروی کرتا ہے۔ اور میں نے تجھ سے پوچھا اس کے بزرگوں میں

کوئی بادشاہ گزرا ہے؟ تو نے کہا: نہیں، اس سے میرا مطلب یہ تھا اگر اس کے بزرگوں میں کوئی بادشاہ گزرا ہے تو یہ سمجھ لو کہ وہ شخص (پیغمبری کا بہانہ کر کے) اپنے باپ کی بادشاہت لینا چاہتا ہے۔ اور میں نے تجھ سے یہ پوچھا اگر اس بات کے کہنے سے پہلے تم نے کبھی اس کو جھوٹ بولتے دیکھا؟ تو نے کہا: نہیں، تو اب میں نے سمجھ لیا ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ وہ لوگوں پر تو جھوٹ باندھنے سے پرہیز کرے اور اللہ پر جھوٹ باندھے۔

اور میں نے تجھ سے پوچھا کیا بڑے (امیر) آدمیوں نے اس کی پیروی کی یا غریبوں نے؟ تو نے کہا: غریب لوگوں نے اس کی پیروی کی ہے اور پیغمبروں کے تابعدار (اکثر) غریب ہی ہوتے ہیں۔ اور میں نے تجھ سے پوچھا وہ بڑھ رہے ہیں یا گھٹ رہے ہیں؟ تو نے کہا: وہ بڑھ رہے، اور ایمان کا یہی حال رہتا ہے حتیٰ کہ وہ پورا ہو جائے۔ اور میں نے تجھ سے پوچھا کہ کوئی اس کے دین میں آکر پھر اس کو برا سمجھ کر اس سے پھر جاتا ہے؟ تو نے کہا: نہیں، اور ایمان کا یہی حال ہے جب اس کی خوشی دل میں سما جاتی ہے (تو پھر نہیں نکلتی)۔ اور میں نے تجھ سے پوچھا: وہ عہد فکینی کرتا ہے؟ تو نے کہا: نہیں اور پیغمبر ایسے ہی ہوتے ہیں، وہ عہد نہیں توڑتے۔ اور میں نے تجھ سے پوچھا: وہ تم کو کیا حکم دیتا ہے؟ تو نے کہا: وہ تم کو یہ حکم دیتا ہے کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور بت پرستی سے تم کو منع کرتا ہے اور نماز اور چٹائی اور (حرام کاری سے) بچ رہنے کا حکم دیتا ہے۔

پھر جو تو کہتا ہے اگر سچ ہے تو وہ عنقریب اس جگہ کا مالک ہو جائے گا جہاں میرے یہ دونوں پاؤں ہیں (یعنی شام کے ملک کا) اور میں جانتا تھا کہ یہ پیغمبر آنے والا ہے لیکن میں نہیں سمجھتا تھا کہ وہ تم میں سے ہوگا۔ پھر اگر میں جانوں کہ میں اس تک پہنچ جاؤں گا تو اس سے ملنے کی ضرورت کو شش کروں گا۔ اور اگر میں اس کے پاس (مدینہ میں) ہوتا تو اس کے پاؤں دھوتا (خدمت کرتا)۔ پھر اس نے حضور کا خط منگوا یا جو آپ نے حبشہ کی کوفیہ کو دے کر (۷ ہجری میں) بصری کے حاکم کو بھیجا تھا، اس نے وہ خط ہر قل کو بھیج دیا تھا۔ ہر قل نے اس کو پڑھا اس میں یہ لکھا تھا:

”شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان ہے رحم کرنے والا ہے۔ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول کی طرف سے ہر قل روم کے رئیس کو معلوم ہو جو سیدھے رستے پر چلے اس کو سلام۔ اس کے بعد تجھ کو اسلام کے کلمہ ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ کی طرف بلاتا ہوں، مسلمان ہو جا تو تو بچا رہے گا اللہ تجھ کو دو ہر اثواب دے گا۔ پھر اگر تو یہ بات نہ مانے تو تیری رعایا کا (بھی) گناہ تجھ ہی پر ہوگا اور (یہ آیت لکھی تھی) ”کتاب والو اس بات پر آ جاؤ جو تم میں تم میں یکساں ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کا شریک کسی کو نہ ٹھہرائیں اور اللہ کو چھوڑ کر ہم میں سے کوئی دوسرے کو خدا نہ بنا لے، پھر اگر وہ (اس بات کو) نہ مانیں تو (مسلمانوں) تم ان سے کہہ دو کہ گواہ رہنا ہم تو ایک خدا کے تابعدار ہیں۔“

ابوسفیان نے کہا: جب ہر قل کو جو کہنا تھا وہ کہہ چکا اور خط پڑھ چکا تو اس کے پاس بہت شور مچا اور آوازیں بلند ہوئیں اور ہم باہر نکال دیئے گئے۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا جب ہم باہر نکالے گئے ابو کبشہ کے بیٹے کا تو بڑا درد ہو گیا اس سے رویوں کا بادشاہ ڈرتا ہے۔ (اس روز سے) مجھ کو یقین رہا کہ حضور غالب ہوں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو مسلمان کر دیا۔

(زہری نے کہا) ابن ناطور [جو ایلیا کا حاکم اور ہر قل کا مصاحب اور شام کے نصاریٰ کا پیروں پادری تھا] وہ بیان کرتا ہے

ہر قل جب ایلیا (بیت المقدس) میں آیا تو ایک روز صبح کو رنجیدہ اٹھا۔ اس کے بعض مصاحب کہنے لگے (کیوں خیر تو ہے) ہم دیکھتے ہیں (آج) تیری صورت اتری ہوئی ہے۔ ابن ناطور نے کہا: ہر قل مجھ ہی تھا، اس کو ستاروں کا علم تھا، جب لوگوں نے اس سے پوچھا (تو کیوں رنجیدہ ہے؟) تو وہ کہنے لگا: میں نے آج کی رات ستاروں پر نظر کی (ایسا معلوم ہوتا ہے) ختنہ کرنے والوں کا بادشاہ غالب ہوا۔ اس زمانہ والوں میں کون لوگ ختنہ کرتے ہیں؟ اس کے مصاحب کہنے لگے: یہودیوں کے سوا کوئی ختنہ نہیں کرتا۔ تو ان کی کچھ فکر نہ کرو اور اپنے علاقوں کے شہروں میں (وہاں کے حاکموں کو) لکھ بھیج ختنہ یہودی وہاں ہوں ان کو مار ڈالیں۔ وہ لوگ یہ باتیں کر رہے تھے کہ اتنے میں ہر قل کے سامنے ایک شخص کو لائے جس کو خسان کے بادشاہ (حارث بن ابی شمر) نے بھجوا یا تھا۔ وہ نبی کریم ﷺ حال بیان کرتا تھا۔

جب ہر قل نے سب خبر اس سے سن لی تو (اپنے لوگوں سے) کہنے لگا: ذرا جا کر اس شخص کو دیکھو اس کا ختنہ ہوا ہے کہ نہیں۔ انہوں نے اس کو دیکھا اور جا کر ہر قل سے بیان کیا کہ اس کا ختنہ ہوا ہے اور ہر قل نے اس شخص سے پوچھا کہ کیا عرب کے لوگ ختنہ کرتے ہیں۔ اس نے کہا ہاں ختنہ کرتے ہیں۔ تب ہر قل نے کہا یہی شخص (پیغمبر صاحب) اس امت کے بادشاہ ہیں جو غالب ہوئے ہیں۔ پھر ہر قل نے اپنے ایک دوست خطاط کو روم میں لکھا وہ علم میں ہر قل کا جوڑ تھا۔ اور ہر قل خود حمص کو گیا بھی حمص سے نہیں نکلا تھا کہ اس کے دوست خطاط کا خط اس کو پہنچا اس کی بھی رائے نبی کریم ﷺ کے ظاہر ہونے میں ہر قل کے موافق تھی یعنی نبی کریم ﷺ پیغمبر ہیں۔ آخر ہر قل نے روم کے سرداروں کو اپنے حمص والے ایک محل میں آنے کی اجازت دی۔ (جب وہ آگئے) تو دروازوں کو بند کر دیا۔ پھر اوپر بالا خانے میں برآمد ہوا اور کہنے لگا:

روم کے لوگو! کیا تم اپنی کامیابی اور بھلائی اور اپنی بادشاہت پر قائم رہنا چاہتے ہو؟ اگر ایسا ہے تو اس (عرب) پیغمبر سے بیعت کر لو۔ یہ سنتے ہی وہ لوگ جنگی گدھوں کی طرح دروازوں کی طرف لپکے دیکھا تو وہ بند ہیں۔ جب ہر قل نے دیکھا کہ ان کو ایمان سے اتنی نفرت ہے اور ان کے ایمان لانے سے ناامید ہو گیا تو کہنے لگا: ان سرداروں کو پھر میرے پاس لاؤ۔ (جب وہ آئے) تو کہنے لگا: میں نے جو بات ابھی تم سے کہی وہ تمہارے آزمانے کو کبھی تھی کہ دیکھو تم اپنے دین میں کیسے مضبوط ہو؟ اب میں وہ دیکھ چکا۔ تب سب نے اس کو سجدہ کیا اور اس سے راضی ہو گئے۔ یہ ہر قل کا آخری حال ہوا۔

فائدہ:

روم، ایران، مصر اور حبشہ کو خطوط روانہ فرمائے نیز تاریخ سے معلوم ہوتا ہے ہندوستان اور چین بھی خطوط روانہ کیے۔ چین ہانے والے صحابی واپس لوٹے تو آپ ﷺ فرما چکے تھے وہ پھر واپس چلے گئے۔ اور وہاں تبلیغ میں لگے رہے۔ (در بخاری 153)



تعارف واداة

(۱) ابو الیمان حکیم بن نافع:

یہ بہرانی حمصی ہیں۔ ایک بہرانی ام سلم نامی خاتون کے مولیٰ تھے۔ ثقہ ثبت تھے۔ یہ اسماعیل بن حمیش، شعیب بن ابی حمزہ اور ان کے علاوہ بہت سے اہل علم سے روایت کرتے ہیں جبکہ ان کے شاگردوں میں امام بخاری، امام احمد، امام یحییٰ بن معین، ابو حاتم جیسے اساطین علم کا شمار ہے۔

(۲) شعیب: یہ ابو بشر شعیب بن ابی حمزہ القرشی الاموی ہیں۔ ان کے والد ابو حمزہ کا نام دینار ہے۔ ثقہ و حافظ اور محقق ہیں۔ انہوں نے سب سے زیادہ استفادہ امام زہری سے کیا۔ ۱۶۲ یا ۱۶۳ھ میں انتقال ہے۔ عمر ۷۰ سال سے متجاوز تھی۔

(۳) ابو سفیان: یہ مشہور صحابی رسول ہیں۔ صخر بن حرب بن امیہ بن عبد القیس بن عبد مناف الاموی ہیں۔ ابوسفیان اور ابو حنظلہ دونوں کنیتیں ہیں۔ عام اقلیل سے دس سال قبل ان کی ولادت ہے۔ حضرت ام حبیبہ ام المؤمنینؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے والد ماجد ہیں۔ ابو جہل کے بعد ہمیشہ اہل مکہ کے سردار اور غزوہ بدر کے بعد تمام غزوات میں طبردار قریش رہے۔ یہاں تک کہ فتح مکہ کے موقع پر مشرف بالاسلام ہو گئے۔ غزوہ طائف میں آپ ﷺ کے ساتھ شرکت کی اور ایک آنکھ بھی شہید ہو گئی۔ اور دوسری یرموک کی لڑائی میں اپنے بیٹے حضرت یزیدؓ کی قیادت میں لڑتے ہوئے شہید ہوئی۔ غزوہ طائف میں آپ ﷺ نے سوانٹ اور چالیس اوقیہ چاندی عطا فرمائی۔ مدینہ منورہ آخر میں اقامت اختیار کی۔ ۳۱ یا ۳۲ھ میں ۸۸ سال کی عمر میں مدینہ طیبہ میں وفات پائی۔ حضرت عثمانؓ نے آپؓ کی نماز جنازہ پڑھائی۔

فائدہ: سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ اور ام المؤمنین ہیں آپ کے والد ابوسفیان سردار قریش اور طبردار تھے قبل از اسلام آپ ﷺ کے مد مقابل و حریف رہے۔ اس قدر شدید نظریاتی و قومی معرکہ آرائیوں کے باوجود ایک لفظ ذخیرہ حدیث سے ثابت نہیں کہ کسی آپ ﷺ نے اپنی اہلیہ محترمہ کو جتلیا یا ہو۔ آج کی دنیا امداد سسر کے ساتھ جو نقشہ پیش کرتی ہے جس سے خاندانی چولیں ہل کر رہ جاتی ہیں۔ مگر یہ کمال اسوہ مبارک ہے حضرت ام حبیبہؓ ہزار راحت و مسرت خانہ آباد ہیں۔ البتہ یہ عجیب منظر ہے کہ ابوسفیان مدینہ آتے ہیں چونکہ حالت کفر میں ہیں۔ سیدہ ام حبیبہؓ نے بستر نبوت لپیٹ دیا اور کہا یہ بستر اللہ کے نبی ﷺ ہے، آپ اس قابل نہیں ہو۔ شرک کی خجاست کے ساتھ اس پر آپ نہیں بیٹھ سکتے۔

آج دنیا سسر داما کے جھگڑوں سے جہنم آزار بن چکی ہے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کو حیات مبارکہ میں تعلیم مبارک اور بعد از وصال مبارک عملاً دکھارہے ہیں کہ یہ میرے دائیں بائیں میرے سسر استراحت فرما ہیں۔ رشتہ نصاہرت اسی کا متقاضی ہے اور میں اپنی امت سے اسی کی امید اور اسی کی تلقین کرتا ہوں۔

الموقوفہ بالمسجد النبوی الشریف علیہ افضل الصلوٰت و اکمل التسلیم

۶ رمضان مبارک ۱۴۳۶ھ

عالمی تاریخی تجزیہ

بہشت نبوی ﷺ کے وقت دو سپر طاقتیں دنیا میں برسرِ پیکار تھیں۔ جن میں سے ایک مشرک کسریٰ فارس کا حکمران تھا اور دوسرا قیصر اہل کتاب ہو کر روم کا بادشاہ تھا۔ ایران و روم میں ۶۰۳ء سے لیکر ۶۱۲ء تک بڑی لڑائی ہوئی۔ ۶۱۳ء میں ایران نے روم کو بڑی بھاری شکست دی ان کی بڑی صلیب بھی ایرانی اٹھا کر لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ۵۷۰ء میں ہوئی اور ۶۱۰ء میں آپ کو نبوت عطاء ہوئی، لڑائی جاری تھی۔ ایران کی فتح کی کچھ مدت بعد سورۃ الروم نازل ہوئی جس میں غلبہ روم کی بشارت تھی۔ (درس شامزئی 51)

مشرکین کی ہمدردیاں مشرک حکومت کسریٰ کے ساتھ تھیں اور اہل ایمان کی قیصر اہل کتاب کے ساتھ ہوتی تھیں۔ ان میں آپس میں جنگ ہوئی، قیصر ہار گیا اس پر مسلمان مغوم اور مشرکین نہ صرف خوش ہوئے بلکہ یہ کہنے لگے کہ ہم بھی مسلمانوں یعنی اہل کتاب کو اسی طرح ختم کر دیں گے۔ اس جنگ کے نتیجے میں ۶۱۳ء عیسوی میں اہل روم اتنے مغلوب ہو گئے کہ ان کے دوبارہ ابھرنے کے امکانات معدوم ہو گئے، قیصر قسطنطین تک محدود ہو کر رہ گیا، اہل فارس نے مصر و شام اور ایشیاء کوچک پر بھی قبضہ کر لیا۔ اس موقع پر قرآن کریم نے اسباب ظاہری کے خلاف اور اپنی عادت کے خلاف مدت کی تعیین کے ساتھ پیشین گوئی کر دی کہ عنقریب رومی غالب آجائیں گے۔ تاکہ مشرکین بغلیں بجانے سے باز رہیں۔

اسی تناظر میں حضرت صدیق اکبرؓ نے بعض مشرکین کے ساتھ شرط حرام ہونے سے پہلے 10 اونٹ تین سال کی شرط لگائی پھر آپ ﷺ کے حسبِ ارشاد مدت 9 سال اور ۱۰۰ اونٹ کی شرط مقرر کر لی۔ ٹھیک 9 سال بعد جب مسلمان غزوہ بدر کی فتح کی خوشی منا رہے تھے قیصر کی فتح کی خبر آئی تو مسلمانوں کی خوشی دو بالا اور مشرکین کا غم دوہرا ہو گیا۔ اسباب ظاہری کے لحاظ سے قیصر کی فتح کا سبب یہ بنا کہ کسریٰ نے اپنے کسی گورنر کو محمول کرنا چاہا تو وہ اندرونی طوہر پر ساز باز کر کے قیصر کے ساتھ مل گیا۔ فارس کے حالات بے قابو ہونے پر کسریٰ قسطنطنیہ کا محاصرہ چھوڑ کر بھاگا اور قیصر کیلئے فتح کے اسباب پیدا ہوتے گئے۔ یوں قرآن کریم کی پیشین گوئی پوری ہو گئی۔ چنانچہ بہت سے لوگ قرآن کریم کی پیشین گوئی کی صداقت سے متاثر ہو کر مسلمان بھی ہوئے۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے سواض و حول کیے بعد میں آپ ﷺ نے صدقہ کروادیے۔ تاہم مشرکین اور مسلمانوں کے درمیان ان بین الاقوامی حالات کے باوجود عرب کی حد تک جنگوں کا سلسلہ جاری رہا، جن سے عرب کا امن تہہ و بالا ہو گیا۔

فائدہ: جزیرہ عرب کی حد یہ ہے: اردن کی سرحد سے یمن تک لمبائی اور چوڑائی میں بحر احمر سے خلیج فارس تک۔ اس وقت جزیرہ عرب کے اندر تقریباً ایک درجن حکومتیں ہیں جبکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ ایک حکومت تھی۔ (انعام 428/1)

اس کے بعد ۶ھ میں صلح حدیبیہ ہوئی اس قحم ہونے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعوت ایمان اور مشرکین تجارت کی طرف متوجہ ہوئے۔۔۔۔۔ چنانچہ محرم ۷ھ میں حضرت دحبیہ کلبیؓ ہرقل روم کی طرف والا نامہ لیکر پہنچے فارس، حبشہ، شام اور یمامہ کے ملک کو خط لکھے۔

دوسری طرف ہرقل نے نذر مانی تھی اگر مجھے فارس پر غلبہ ہو جائے تو میں محص سے ایلیا یعنی بیت المقدس کا پیدل سفر کروں گا اور (اپنے مذہب کے لحاظ سے) حج کروں گا۔ چنانچہ اس نذر کی تکمیل کے سلسلہ میں وہ بیت المقدس پہنچا۔۔۔۔۔ ۲ھ میں فتح کے باوجود تکمیل نذر میں انتظامی امور کے باعث تاخیر ہو گئی۔

مدینہ طیبہ سے حضرت دحبیہ کلبیؓ خط لیکر بصریؓ پہنچے تھے جو دمشق اور مدینہ طیبہ کے درمیان ایک مقام ہے۔ حضرت دحبیہؓ مکتوب مبارک والی بصریؓ کو دینے میں کامیاب ہو گئے۔ والی بصریؓ نے مع مکتوب مبارک حضرت دحبیہؓ کو بیت المقدس بھیج دیا۔۔۔۔۔ اگرچہ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ اس نے حضرت حدی بن حاتمؓ کو ساتھ بھیجا تھا جو ابھی تک نصرانی تھے۔۔۔۔۔ بعینہ اسی وقت ابوسفیان مع قافلہ تجارت بھی شام پہنچ گئے۔

حدیث ہرقل کے واقعہ کی تمہید

آپ ﷺ نے ہرقل کی طرف دومرتبہ والا نامہ ارسال فرمایا، ایک ۷ھ میں دوسری مرتبہ غزوہ تبوک ۹ھ میں۔۔۔۔۔ دونوں میں غلط نہ کرنا چاہیے۔

(۱) پہلی مرتبہ کی تفصیل یہ ہے ہرقل جب بیت المقدس پہنچا، اس نے بذریعہ علم نجوم دریافت کیا کہ ”ملک الختان“ غالب آنے والے ہیں۔ اعیان مملکت سے گفتگو ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ مخنون لوگ یہودی ہیں تو فکر کی کیا بات ہے۔ ان کے قتل کرنے کا آرڈر کر دیا جائے۔۔۔۔۔ اسی اثنا میں حضرت دحبیہؓ والا نامہ لیکر شام بیت المقدس پہنچ گئے۔ حضرت دحبیہؓ سے یا خط کی عبارت سے معلوم ہو گیا کہ یہ خط عرب سے آیا ہے اور ”مدعی نبوت“ نے بھیجا ہے۔ قاصد کے متعلق معلوم کر لیا گیا کہ وہ ”مخنون“ ہے اور عرب میں یہ رواج ہے۔ اس کے بعد قافلہ عرب کی تلاش ہوئی تاکہ مدعی نبوت اور مرسل مکتوب کے بارے میں معلومات کی جائیں۔۔۔۔۔ اس طرح ابوسفیان ہرقل کے پاس پہنچا۔

ہرقل نے ابوسفیان سے سوال وجواب کے بعد بڑے زوردار طریقے سے آپ کی صداقت کا اعلان کیا اور ملاقات کا اشتیاق و عقیدت کا بھی اظہار کیا۔۔۔۔۔ پھر اس کے بعد خط کے مندرجات پڑھے گئے اور شور مچا تو ابوسفیان کو رخصت کر دیا گیا۔ رومیہ جو اٹلی کا دار السلطنت ہے۔ ہمیشہ نصاریٰ کا اصل مرکز رہا ہے۔ وہاں ”ضخاطر“ نامی ایک بڑا لاٹ پادری تھا۔۔۔۔۔ نصاریٰ اس کی مذہبی حیثیت تسلیم کرتے تھے۔ ہرقل نے اس خط کو ”ضخاطر“ کے پاس بھیجا اور یہ بھی کہا میں نے اس خط کے آنے سے پہلے ہی بذریعہ ”نظر فی النجوم“ یہ معلوم کر لیا تھا کہ یہ لوگ غلبہ پانے والے ہیں۔۔۔۔۔ یہ خط لہجانے والا ضخاطر کے پاس کون تھا اس کی کوئی تعیین نہیں ہے۔

جب خطاط لاث پادری کے پاس خط پہنچا تو اس نے تصدیق کی اور جواب لکھا ہمیں بھی معلوم تھا کہ خاتم الامین علیہ السلام وقت قریب ہے۔ معلوم ہوتا ہے یہ وی ہی ہیں۔ ہر قل ابھی حص سے نکلے نہیں پایا تھا خطاط کا جواب آ گیا۔ اور مزید تصدیق ہو گئی۔ ہر قل نے دیکھا کہ لاث پادری نے موافقت کی ہے تو اس کو امید بندھی بادشاہ اور لاث پادری (مذہبی رہنما) دونوں کے کہنے سے اب ہماری قوم کے ماننے کی امید ہے۔ اس لئے اس نے ”عظما وروم“ کو حص کے قیام کے دوران بلوایا اور ان کو بہت بڑے محل میں جمع کر دیا اور دروازے بند کر دیا یہ اور خود ایک بالا خانہ پر چڑھ گیا۔ اس کے بعد اس نے کہا:

”يا معشر الروم هل لكم في الفلاح والرشد، الخ“

جب عظماء نے یہ تقریر سنی تو انہوں نے کہا یہ ہمیں عربوں کا غلام بنانا چاہتا ہے۔ یہ کیفیت دیکھ کر مال و جاہ و اقدار کے نزول کے خوف کی وجہ سے اسلام قبول نہ کیا۔ پھر اس نے امتحان کا بھانہ بنایا اس طرح وہ نصرانیت پر قائم رہا۔ لیکن ہر قل نے کسریٰ کی طرح والا نامہ کی توہین نہیں کی بلکہ حریر میں لپیٹ کر رکھ دیا اور اس خوش اعتقادی کا اظہار کیا جب تک یہ ہمارے پاس رہے گا ہمارے لئے خیر و برکت کا باعث ہوگا۔

دوسری مرتبہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہزار کا لشکر لیکر تبوک تشریف لے گئے۔ اس موقع پر بھی وہی ہر قل قیصر روہ تھا۔ پھر آپ نے حضرت دحیہؓ کی ہاتھ والا نامہ بھیجا اس نے کہا میں کیا کروں میری قوم نہیں مانتی۔ ہر قل نے کہا کہ روہ میں لاث پادری ہے۔ نصاریٰ اس کو مانتے ہیں اس خط کو وہاں لے جاؤ۔ چنانچہ وہاں پہنچے۔ اب یہ تعین نہیں ہے کہ اس کا نام خطاط تھا یا کوئی اور نام تھا۔ تاہم یہ لاث پادری صاحبِ رومیہ مسلمان ہو گیا اور یہ کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرا اسلام کہنا اور بتانا میں نے اسلام قبول کر لیا۔

پھر اس نے غسل کر کے حمام مجمع میں آ کر اپنے اسلام کا اعلان کیا اور دعوتِ عام بھی دی سب کے سامنے کلمہ شہادت بھی پڑھا مگر لوگوں نے اس کو آزادی اظہارِ رائے کی سزا کے طور پر اسی وقت شہید کر دیا۔

یہ واقعہ دیکھ کر حضرت دحیہؓ ہر قل کے پاس دوبارہ آئے اور تمام تر روئیداد ہر قل کو سنائی تو اس پر ہر قل نے کہا میں بھی اسی انجام سے ڈرتا ہوں۔ شوق کا اظہار کیا مگر اسلام لایا نہیں۔ غزوہ تبوک کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم جواب دیتے ہوئے اس نے لکھا ”اے مسلمان“ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کذبِ بھل ہو علی نصرانیۃ۔ یہ براءۃ کفر نہیں صرف اعترافِ اسلام ہے نیز غزوہ موہن غسان قبلہ روم سے ہوا تھا جو ہر قل کے ماتحت تھا۔ (فتح الباری) اس لئے یہ جملہ کافی نہیں۔

فائدہ ۱: خلافتِ فاروقی کے دور میں جب رومیوں کو شکست ہوئی، جو جنگ حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ کی قیادت میں ہوئی تھی۔ اس وقت قیصر روم کون تھا؟۔ یہ ہر قل تھا یا اس کا لڑکا؟ دونوں قول ہیں۔ البتہ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکاتبت تو ہر قل سے ہوئی۔ اس کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا ورق تحت نشین ہوا۔ یہ در صدیقی ہے۔ پھر دورِ فاروقی میں مرق کا بیٹا ہر قل تھا اسی سے جنگیں لڑی گئیں۔ یعنی پوتا اور دادا ہم نام ہیں۔

فائدہ ۲: حضرت دحیہ کلبیؓ کا والانامہ مل گیا، پچھلی صدی میں اردن کا بادشاہ حسین جس کا بیٹا عبداللہ بھی بادشاہ رہا۔ اس نے ایک عیسائی کو بڑی رقم دیکر حاصل کیا۔ پھر اس کے لیبارٹری ٹیسٹ ہوئے۔ الفاظ بعینہ بخاری کے مطابق ہیں۔ (دلیل القاری، ص ۷۰)

نیز شاہ مصر مقوقص کے نام جو والانامہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ لیکر گئے تھے وہ تیرہ سو سال کے بعد مل گیا۔ احادیث کے مطابق ہے ایک لفظ کافر نہیں۔ (دلیل القاری، ص ۶۸)

تشریح الفاظ حدیث ان اباسفیان بن حرب اخبرہ:

یعنی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو ابوسفیان نے خود یہ واقعہ بتلایا۔ واضح رہے جس وقت یہ واقعہ پیش آیا اس وقت ابوسفیان مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ گویا اس روایت کا تحمل حالت کفر میں اور ادائے روایت حالت اسلام میں ہے۔

ان ہرقل ارسلہ الیہ:

(ابوسفیان اور ان کے رفقاء غزہ سے بلائے گئے [نصر 159 ج 1] ہرقلؑ کے ”ہ“ کے کسرہ، راء کے فتح اور ”ق“ کے سکون کے ساتھ، یہی مشہور ہے۔ بعض حضرات نے ”ہ“ کے کسرہ، ”ز“ کے سکون، اور ”ق“ کے کسرہ کے ساتھ (اس کا تلفظ) کیا ہے۔ یہ عجی لفظ ہے اور اسم علم ہے۔ غیر منصرف ہے۔ بوجہ عجمہ اور علمیت کے یعنی ہزقل۔

ہرقل نے 31 سال تک حکومت کی۔ اسی کے دور میں آپ ﷺ نے وصال فرمایا۔

فائدہ: ہرقل کا لقب قیصر تھا جیسا کہ روم کے ہر بادشاہ کا لقب یہی ہے۔ فارس کا کسری، ترکی کا خاقان، حبشہ کا نجاشی، قبط کا فرعون، مصر کا عزیز، جمہور اور یمن کا تتبع، ہندوستان کا ”دہی“ چین کا ”مغفور“ یونان کا ”بطلمیوس“ یہود کا قیٹون یا قاتح، بربر کا جالوت، جاشیہ کا عمرو اور فرغانہ کا اخشید۔

ہرقل نے ہی سب سے پہلے دینار کی ڈھلائی کی اور بیعت کا اجراء کیا۔ اس کے نام کا سکہ سونا اور کسری کا چاندی کا تھا۔ فی رکب من قویش: رکب را کب کی جمع ہے، دس یا دس سے اوپر افراد پر مشتمل جماعت کو کہتے ہیں۔ یہ لوگ کتنے تھے؟ پہلا قول بیس، دوسرا قول تیس۔ (فتح بخاری)

وکانوا تجاراً بالشام فی المدۃ الثنی: ابوسفیان کا قافلہ شام بغرض تجارت گیا ہوا تھا۔ تجار بضم التاء وتشدید الجیم، نیز مکسر التاء وتخفیف الجیم ہے۔ تجار، و تجار۔ یہ تاجر کی جمع ہے۔

مدت سے مراد صلح حدیبیہ کی مدت ہے۔ مشہور یہ ہے یہ مدت دس سال کی تھی۔ البتہ ایک قول چار سال کا بھی ہے۔ فاتوہ وہم یا یلیاء: ایلہ بیت المقدس کے شہر کا نام ہے۔ ایلہ بھی ایک لغت، الف ممدودہ کے ساتھ اور ایک الف مقصورہ کے ساتھ ہے۔ ایلہی تیسری لغت بحذف یاء اول یعنی الیاء۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ایل اللہ کا نام ہے اور یا کا معنی بیت یعنی بیت اللہ۔

فدعاهم فی مجلسه: دعوت اول: ویٹنگ روم میں بلوانا اور دوسری دفعہ سے مراد اپنی پیشی میں ہونا مقصود ہے۔ یا مراد یہ ہے پہلے ان کو حاضر کیا گیا پھر انہیں قریب کیا گیا ہے۔
 وحولہ عظماء الروم: عظیم کی جمع ہے مراد اراکین دولت، فوجی کمانڈر اور علماء و رہبان ہیں۔
 ترجمان: 'ت' کے فتح اور جیم کے ضمہ کے ساتھ۔ امام نوویؒ کے ہاں بھی رائج ہے۔ اس میں 'ت'، 'ج' دونوں کا ضمہ اور دونوں کا فتح بھی جائز ہے۔

فقال ایکم اقر بنسباً الخ: سب سے زیادہ قریب النسب اس لئے دریافت کیا جو قریب النسب ہو گا وہ حالات سے زیادہ باخبر ہو گا۔ اور نسب کے سلسلہ میں کوئی غلط بیانی نہیں کر سکے گا۔ اس لئے کہ خود اس کو خطرہ ہو گا اگر اس کے نسب پر کوئی عیب لگاؤں گا تو خود میرے نسب پر عیب لگے گا۔

فقال ابوسفیان فقلت انا اقر بهم نسباً: ابوسفیان کے اقرب الی نسب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ابوسفیان عبد مناف میں جا کر آپ ﷺ سے مل جاتا ہے۔ آپ ﷺ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے:
 محمد ﷺ بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف۔ اور ابوسفیان کا نسب اس طرح ہے:
 ابوسفیان صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔

فقال ادنو منی وقر بوہ اصحابہ الخ:

ابوسفیان آگے اور ان کے رفقاء پیچھے ملے۔ یہ اس لئے کیا کہ مواجہ کی وجہ سے آدمی تکذیب نہیں کر سکتا۔ پس پشت بلا تکلف ترمید کر سکتا ہے۔
 فان کذبنی فکذبوہ: کذب اول مجرد سے ہے مجرد میں یہ متعدی بد مفعول ہوتا ہے۔ اور مزید سے متعدی بیک مفعول ہے۔ یہی حال صدق اور صدق میں بھی ہے۔ یہ الفاظ غریبہ میں سے شمار کئے گئے ہیں۔ کیونکہ قاعدہ یہ ہے کثرة المبنی ندل علی کثرة المعانی۔ جبکہ یہ اس کے برعکس ہے یہاں حروف بڑھ رہے ہیں اور مفعول ختم ہو رہے ہیں۔

فوالله (۱) لولا الحیاء من ان یاثر واعلیٰ کذباً الخ

یہاں ابوسفیان نے یاثر واعلیٰ کذباً۔ یعنی وہ مجھ سے جھوٹ اقل کریں گے۔ یہ نہیں کہا میری خود کی تکذیب کریں گے۔ بالفرض یہاں مجبور ہیں۔ لیکن مکہ جا کر کہیں گے ابوسفیان نے ہر قل کے سامنے غلط بیانی کی ہے۔ اس سے اہل مکہ مجھے جھوٹا سمجھیں گے۔ اور یہ بھی ہے جھوٹ کا چرچا ہو جائے اور شام تک خبر پہنچ جائے تو ہر قل شام کے داخلہ پر

۱۔ رؤساء مکہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی و ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کرتے (جیسے ابو جہل، ابولہب، عتبہ و شیبہ اور ولید بن مغیرہ) ان میں سے صرف حضرت ابوسفیان کو دولت اسلام نصیب ہوئی۔ حضرات فرماتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر قل کے دربار میں "مذہب و اقتدار دونوں جمع تھے" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا صحیح تعارف کرایا اور کذب سے احتراز کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی مشرف باسلام فرمادیا۔ ماہ

پابندی لگوادے یا گرفتار کرادے۔ اس سے معلوم ہوا دروغ گوئی اسلام کی طرح کفار کے ہاں بھی معیوب ہے۔

لکذبت عنه: یہاں عن لایا گیا۔ تاکہ معنی میں اخبار کا تضمن پایا جائے گویا عبارت ہے:

لکذبت مخبر أعنه۔

یعنی میں آپ ﷺ کے بارے میں خبر دیتے ہوئے غلط بیانی کرتا۔

لکذبت عنه، حسن الاشیاء شرعی۔ معتزلہ ابوسفیان کے قول سے استدلال کرتے ہیں کہ اشیاء کے اندر حسن و قبح عقلی ہے جبکہ احناف کہتے ہیں شرعی ہے اور ابوسفیان کا جھوٹ کو عیب جاننا شرانے سابق کی وجہ سے ہے۔ شرانے سابق کا عرب پر اثر تھا۔ (در شامری 55) لم کان اول ما سألنی عنه: لفظ اول کان کی خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

قلت فینا هو ذو نسب: نسب میں تنوین تعظیم کیلئے ہے معنی یہ ہے کہ اونچے نسب والے ہیں۔ ابن اسحاق کی روایت میں: فی الذروة کے لفظ ہیں۔ معنی یہ کہ وہ چوٹی کا نسب رکھتے ہیں۔

”قط“ اس میں مشہور لغت بفتح القاف و تشدید الطاء المضموم ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک دونوں حروف کا ضم ہے۔ نیز بعض نے بتخفیف الطاء قط بھی پڑھا ہے۔ اصل تو اس کا استعمال ماضی منفی کے ساتھ خاص ہے۔ کبھی کبھی مثبت میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ یہاں ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ بھی کلام منفی ہے۔ اس طرح کہ فهل قال هذا القول احد منكم اولم یقله فقط۔ (در شامری 55) قلت لا: میں نے کہا ان سے پہلے کسی نے ایسا دعویٰ نہیں کیا۔ ابوسفیان نے جلدی سے انکار کر دیا تاکہ ہر قل یہ سمجھے کہ یمنی ایجاد (بدعت) ہے۔ اس لئے یہ قابل قبول نہیں ہونی چاہیے۔ معاذ اللہ ان کو جنون یا سحر ہو گیا ہے جیسے اہل مکہ کہا کرتے تھے۔

فهل کان من آبائہ من ملک؟ یہاں من جارہ اور ملک کے کسرہ کے ساتھ ہی راجع ہے۔ بعض روایات میں ”من ملک“ بھی آیا ہے۔ یعنی من موصولہ اور اس کے بعد فعل ماضی دونوں صورتوں میں مفہوم ایک ہی ہے۔

قلت لا: یہاں بھی ابوسفیان نے جلدی سے انکار کر دیا۔ یہ تاثر دینے کیلئے کہ یہ کوئی بڑے آدمی نہیں ہیں۔ ان کا یا ان کے خاندان کا بادشاہت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

قال فاشرف الناس اتبعوه ام ضعفائهم اکثریت کو دیکھتے ہوئے ابوسفیان نے ضعفاء کا بتلایا ورنہ حضرت صدیق اکبرؓ جیسے دیگر صاحب عز و جاہ لوگ بھی مسلمان ہو چکے تھے۔

فهل یرتد احدہم منہ سخطۃ لدینہ: سخطۃ لدینہ کی قید اس لئے لگائی کہ بھی تو دین کو ناپسند سمجھنے کی وجہ سے مرتد ہونا ہوتا ہے اور کبھی مال و دنیا کی لالچ میں۔ اور کبھی اس لئے کہ دیکھا دیکھی مسلمان ہوں اور پھر اپنے آبائی ماحول میں آ گیا تو پھر مرتد ہو گیا۔ اس میں قاصر صورت ایک یہ ہے العیاذ باللہ دین کو ناپسند سمجھ کر مرتد ہو۔

حالانکہ ابوسفیان کا داماد عبید اللہ بن جحش جو حضرت ام حبیبہؓ کا شوہر تھا وہ مرتد ہو چکا تھا تو اس کا بھی ذکر نہیں کیا۔ جانتے تھے وہ ایک نصرانی لڑکی کی خاطر ارتداد کا مرتکب ہوا ہے۔ دین کو برا سمجھ کر نہیں۔ (نصر الباری 161 ج 1)

قال فهل كنتم تتهمونه بالكذب قبل ان يقول ما قال:

یہ سوال بڑی جامعیت کا حامل ہے۔ ہر قل نے یہ نہیں پوچھا کہ کیا کبھی جھوٹ بولتے تھے یا بولتے ہیں؟ بلکہ تہمت کذب کے بارے میں پوچھا۔ اور کذب تہمت بالکذب کا سبب ہے۔ جب تہمت منشی ہوگی تو کذب بدرجہ اولیٰ منشی ہوگا۔
تہمونهما الکذب۔ (۲) دوسریہ جاننا تھا کہ دشمن ہو کر بھی تہمت نہیں لگاتے۔ (درس شمارنی 56)

فهل يغدر قلت لا الخ:

و نحن في المدة کے الفاظ بڑھا کر میں نے بحیثیت فریق آپ ﷺ کے حرام تر فضائل و محاسن کے باوجود یہ شک کا کلمہ داخل کر دیا کہ یہ مستقبل کا معاملہ ہے۔ لیکن یہ بے موقع تر و دھاتو ہر قل نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ ابن اسحاق کی روایت میں تصریح ہے:

فواللهما التفت اليهما مني

اللہ کی قسم ہر قل نے میری بات کو کوئی اہمیت نہ دی۔

حضرت عروہ کی مرسل روایت میں ہے: فهل يغدر اذا عاهد کے جواب میں ابوسفیان نے کہا: لا الا ان يغدر في هدنته هذو۔ اس پر ہر قل نے پوچھا اس صلح میں تمہیں کیوں خوف ہے؟ تو ابوسفیان نے کہا میری قوم نے ان کے حلفاء کے خلاف اپنے حلفاء کی مدد کی ہے۔ اس پر ہر قل نے کہا:

ان كنتم يد اثم فانعم اغدر۔ (فتح الباری)

قال فهل قاتلتموه:

یہ نواں سوال ہے۔ یہاں ہر قل نے قتال کی نسبت کفار کی طرف کی ہے۔ نبی کریم ﷺ کی طرف نسبت کر کے یہ نہیں کہا: فهل قاتلکم؟ اس میں نبی کی تعظیم و احترام ہے جو ہر قل کی طرف سے ہے۔ یا اس لئے کہ نبی اپنی قوم سے ابتداء بالقتال نہیں کرتا۔ اس لئے کہ قتال وہ کرتا ہے جس کی قوم و جماعت ٹوٹی گھٹی ہے۔ جمعیت کے بڑھنے کی صورت میں آپ ﷺ کو نازعت و قتال کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

قلت الحرب بيننا وبينه سجال الخ:

اس تشبیہ کا مفہوم یہ ہے جس طرح کنویں پر ڈول ہوتا ہے تو ایک فریق کے ہاتھ میں ہو تو دوسرا انتظار کرتا ہے دوسرے کے ہاتھ میں ہو تو پہلا فریق انتظار کرتا ہے۔ کبھی کنویں میں چرخی ہوتی ہے اس میں بندھ ڈول ایک خاص ترتیب سے چلتے ہیں پانی سے بھرے ہوئے ڈول جب اوپر آتے ہیں تو خالی نیچے کوجاتے ہیں تو جنگ بھی سجال کی طرح ہے وہ بھی ایک صورت پر باقی نہیں رہتی۔ عرب کے کنویں بڑے گہرے ہوتے تھے تین تین چار چار آدمی مل کر ڈول کھینچتے تھے۔ ڈول بھی بڑے بڑے ہوتے تھے

ہر شخص اپنا اپنا حوض بنا کر بھر لیتا تھا یہ باری باری بھرنا اور اپنے حوض میں ڈالنا مساجلہ کہلاتا تھا تو جس طرح یہاں کبھی ایک حوض بھر تلے جا اور کبھی دوسرا۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ اسی طرح ہماری جنگوں کا معاملہ ہے کبھی ہم مغلوب اور کبھی وہ۔ (درس غاری 155)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

الحرب اسم جنس ہے اور سجال اسم جمع ہے، مبتداء مفرد اور خبر جمع ہے حمل صحیح نہیں اس لئے دونوں کو اسم جمع قرار دیا مگر علامہ چینی فرماتے ہیں سجال اسم جمع نہیں بلکہ جمع ہے۔ چونکہ الحرب اسم جنس ہے جو مبتداء ہے اس لئے اسکی خبر جمع لانے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اسم جنس میں واحد، مشبہ، جمع برابر ہوتے ہیں، لہذا مبتداء خبر میں مطابقت ہوگئی۔ نیز سجال بروزن مثال اگر باب مفاعلہ سے مصدر مان لیا جائے پھر اشکال ہی نہیں۔

اقسام شرک اور تقلید

ان تعبدوا اللہ ولا تشركوا به شيئاً:

شیئاً فکر تحت الٹی ہے۔ معنی یہ ہے کسی قسم کا شرک مت کرو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے شرک متعدد اقسام پر ہے۔

۱: شرک فی الذات، اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے کہ دو خدا ہیں، ایک خالق خیر اور دوسرا خالق شر کما قال المعجوس، یا یہ کہ ایک اکیلا کام نہیں کر سکتا لہذا میری جیسی کو شریک فی الامور کیا جائے کما قال النصاری:

۲: شرک فی الصفات: خدا کی صفت مخصوصہ میں کسی کو کسی درجہ میں شریک اور مختار سمجھے۔ خواہ نقطہ اختیار اور نفاذ ہی میں ہو۔ مثلاً اعتقاد ہے کہ دنیا میں بندوں کے امور اعطائے مال و اولاد وغیرہ ان کے سپرد ہیں۔۔۔ یہ اختیار اللہ نے ہی انہیں دیا ہے۔ لیکن اب اس کے استعمال میں آزاد ہیں۔ اب مزید ان کو کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جیسے دنیا میں افسران کو بادشاہ کی طرف سے کچھ امور ملتے ہیں تو پھر ان کے نفاذ میں باختیار ہوتے ہیں۔ چنانچہ کبھی وہ اپنا اختیار استعمال کرتے ہیں اور بادشاہ کو خبر تک نہیں ہوتی۔ بعینہ ہی عقیدہ مشرکین ملکا تھا۔ کما قال:

ولئن سألتهم من خلق السموات والارض ليقولن الله الخ:

اسی طرح تبلیہ میں لبیک لک لا شریک لک الا شریکاً ہولک تملکمو ما ملک۔۔۔ وہ اللہ تعالیٰ کو قادر مطلق مانتے تھے۔ اپنے معبودوں کو خدا کے عطا کردہ اختیارات کا مالک سمجھتے تھے۔

۳: شرک فی العبادات جو عبادت، سجدے، رکوع وغیرہ خاصہ خداوندی ہے۔ ان کو غیر اللہ کی عبادت کی نیت سے کرنا شرک فی العبادت ہے۔۔۔

تعظیم کی نیت سے غیر اللہ کو سجدہ کرنا جمہور محققین کے ہاں شرک جلی نہیں ہے۔ البتہ یہ شریعت محمدی میں حرام اور شجرہ شرک، گناہ گبیرہ ہے۔۔۔ اور اس کا مرتکب مستحق تخریم و عذاب جہنم ہے۔

سجدہ تعظیمی شرک جلی نہیں ہے۔۔۔ حضرت یوسفؑ کیلئے ان کے بھائیوں اور والدین کا سجدہ کرنا: و خوالہ

سجداً ثابت ہے۔ حالانکہ حضرت یوسفؑ فرما رہے ہیں:

مَا كَانَ لَدُنَّا أَنْ نَشْرِكَ بِاللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ظَاهِرٌ هُوَ حُضْرٌ يَعْقُوبُ لَمْ يَشْرِكْ تَوْبَهُ كَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ لِقَوْمٍ عَصَاةٍ
پر بھی محمول نہیں کیا جاسکتا۔

اسی طرح حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنا قرآن کریم سے ثابت ہے۔ اب ظاہر ہے اللہ تعالیٰ خود شرکِ حلی کا حکم نہیں دے سکتے۔
تنبیہ: کفار کے معبودانِ باطلہ کو نہایت تعظیم سجدہ کرنا بھی شرکِ حلی ہے۔ جیسے کوئی بت کو سجدہ کرے اور کہے میری نیت تعظیم
کی تھی۔ چونکہ ان کا کفر یہ شعار ہے۔

۴: شرک فی التشریع:

یہ ہے کہ حلال و حرام کے احکام میں کسی کے لئے مستقل اختیار ثابت کرنا۔۔۔ نصاریٰ کا عقیدہ اپنے پادریوں کے
بارے میں یہی ہے۔ یہی عقیدہ یہود کا بھی اپنے احبار اور علماء کے بارے میں تھا۔ جب قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی:
اتخذوا احبارهم و رهبانهم ارباباً من دون الله حضرت عدی بن حاتمؓ جو پہلے نصرانی تھے انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ
ان کی عبادت نہیں کرتے تھے پھر انہیں ارباباً کیوں فرمایا: آپ ﷺ نے فرمایا:

انهم لم يَكُونُوا يعبدونهم۔۔۔ ولكن كانوا اذا احلوا شيئاً استحلوه واذا حرموا شيئاً حرموه۔
ان میں بڑا فرق ہے۔ شرک فی التشریع میں حلال و حرام کا اختیار احبار اور رهبان کیلئے مانا گیا ہے۔ اور تقلید میں ائمہ کیلئے رائی کے
برابر بھی اختیار تشریع تسلیم نہیں کیا گیا۔ بلکہ مستطہ احکام کی نسبت اللہ ہی کی طرف کی جاتی ہے۔ نہ کہ اپنی طرف۔ یعنی حلال
و حرام کا بعض اوقات علم نہیں ہوتا۔ فقہاء کرام دلائل سے معلوم کر کے بتاتے ہیں اور اظہار کرتے ہیں یعنی مظہر ہیں بحیث نہیں ہیں۔

بقیہ تشریح الفاظ

و یامرنابا الصلوٰۃ و الصدق و العفاف و الصلۃ:

عند البعض و الصدق کی بجائے و الصدقة ہے۔ علامہ سراج الدین بلقینیؒ نے اسی کو رائج قرار دیا ہے۔ اس لئے
بعض طرق میں الصدق کی بجائے و الزکوٰۃ کا ذکر ہے اسلئے یہاں بھی و الصدقة زیادہ افضل ہے۔
دوسری وجہ یہ ہے ”الصلوٰۃ و الزکوٰۃ“ کلام اللہ شریف میں مقرون اذ کر کے گئے ہیں۔

تیسری وجہ یہ ہے عرب کے لوگ راست بازی اور درست گوئی کو خود ہی اچھا سمجھتے تھے اس لئے اس کی چنداں ضرورت نہیں۔
لیکن حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں راست گوئی کو اچھا سمجھنے سے یہ کیسے لازم آ گیا کہ آپ ﷺ اس کے امر کو ترک
کردیں۔ لوگ وفا بالعہد اور امانت کو اچھا سمجھتے تھے۔ لیکن آپ ﷺ نے اس کا بھی امر فرمایا۔

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں رائج ”صدق ہی کا لفظ ہے“ صدقہ نہیں ہے۔ کیونکہ جہاں تک صدقہ و زکوٰۃ کا تعلق ہے یہ صلہ کے

عموم میں داخل ہے۔ رہی بات صلوٰۃ و زکوٰۃ کو قرآن کریم میں مقرون اذکر کرنے کی تو یہ کوئی دلیل ترجیح نہیں ہے۔ کیونکہ ابوسفیان حالت کفر میں ہونے کی وجہ سے ان دونوں کے اقتران کا علم نہیں رکھتے تھے۔
تاہم پھر بھی رائج بھی معلوم ہوتا ہے یہاں دونوں لفظ ہیں۔ کیونکہ رواۃ کہیں صدقہ اور کہیں صدق کا ذکر کرتے ہیں تو جب امام سرخسی کی روایت دیکھتے ہیں تو دونوں لفظوں کو جمع کیا گیا ہے۔

ابوسفیان کے جوابات کے تناظر میں ہر قل کا تجزیہ

جب ہر قل نے ابوسفیان سے ترجمان کے واسطے سے آپ ﷺ کے ابتدائی احوال معلوم کر لیے اور آپ ﷺ کے اخلاق و اوصاف سے شناسائی حاصل کر لی تو اس نے ابوسفیان کے جوابات کے بارے میں تبصرہ کیا:
یہ تبصرہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہر قل ذہانت و فطانت، مذاہب و ملل سے واقفیت اور حضرات انبیاء کے بارے میں باخبر اور ان کی صفات و محاسن کا علم اور ان کی اقوام کا معاملہ، ان سب سے بخوبی واقف تھا۔ یہ تبصرہ سوالات کی ترتیب کے مطابق نہیں تھوڑی بہت تقدیم و تاخیر ہے۔

پھر دسویں گیارہویں سوال کے متعلق یہاں مکمل خاموشی ہے کوئی تبصرہ نہیں۔ یہ راوی کی طرف سے پیش آیا۔۔۔ یہی روایت کتاب الجہاد میں مکمل طریق سے آ رہی ہے وہاں سوالات کی ترتیب کے مطابق ہر قل کا تبصرہ موجود ہے۔
یہاں پہلے سوال پر تبصرہ بھی پہلے ہی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرات انبیاء اپنی قوم کے سب سے اونچے خاندان میں مبعوث ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ جو اونچے خاندان و نسب کا ہوتا ہے وہ بلاوجہ غلط بیانی نہیں کرتا۔ دوسرے: لوگ اس کی اتباع و انقیاد میں عار محسوس نہیں کرتے۔

ورنہ بڑے خاندان، چھوٹے خاندان کا اتباع کرنے سے گریزاں ہوتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ نسب عالی کا شریعت میں اعتبار ہے۔ واقعہ بھی یہی ہے۔ اس بات پر اہل حق کا اتفاق ہے کہ الاتمة من القریش۔ تاہم نسب کی یہ نافعیت دین و تقویٰ سے مشروط ہے۔

(۲) آپ ﷺ بعثت سے قبل دو عیسوی سے لیکر چونکہ کسی نے دعویٰ نبوت ہی نہیں کیا تو آپ ﷺ کے اعزہ بھی اسی میں آ گئے۔۔۔ آپ ﷺ زندگی میں یا بعد از حیات مدعیان نبوت ہوئے ہیں مگر بعثت سے پہلے نہیں۔ نیز مذہبی منصب نہ ہونے کے ساتھ بادشاہت بھی آپ کے خاندان میں نہیں تھی جس سے یہ سمجھا جاسکے کہ آپ مذہب کے لبادہ میں اسی بادشاہت کے طالب ہیں۔

(۳) تہمت کذب کی نفی کی روشنی میں ہر قل اپنے لئے اور اپنے ہم مجلس حضرات کے ایمان قبول کرنے کا راستہ ہموار کرتے ہوئے نظر آتا ہے کہ وہ شخص جو مخلوق کے ساتھ تو کذب بیانی نہ کرے مگر خالق کے معاملہ میں بے باک ہو جائے! کتب سابقہ کی روشنی میں اسے یقین تھا کہ یہ ناممکن ہے۔ اتباع الرسل کے سلسلہ میں ابتداء اتباع ضعاف ہیں ورنہ عروج کے دور میں انبیاء ہی

غالب آیا کرتے ہیں اور یہ اکثریت کے لحاظ سے ہے ورنہ حضرت صدیق اکبرؓ و حمزہؓ اشرف تھے مگر ابتداءً مسلمان ہو گئے تھے۔

و کذلک الایمان حین تخالط بشاشۃ القلوب الخ:

بعد از اشراح کوئی مرتد نہیں ہوتا۔ بشارت سے مراد وہ خوشی ہے جو کسی مہمان کی آمد سے ہوتی ہے۔ اور چہرے پر ظاہر ہوتی ہے۔ یہاں صرف قلبی اطمینان و اشراح مراد ہے۔ بعض تحریکات کی بنیاد دھوکہ پر ہوتی ہے بعد از انکشاف لوگ چھوڑ دیتے ہیں مگر دین کی بنیاد ایمان ہے تو لوگ بڑھتے ہیں۔ (درس شامی 191)

بقیہ تشریح حدیث

و کذلک الرسل لا تغدر:

غدر کی بنیاد حفظ نفس اور مفاد دنیوی ہے، حضرات انبیاء اس سے پاک ہیں۔ اس لئے وہ عہد نہیں توڑتے۔ نفی شرک کے سلسلہ میں ابوسفیان نے اعدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئا و اتر کوہ بقول آباکم کہا تو ہر قل نے اسی سے عبادت لا و ثان کا مفہوم مراد لے لیا۔

ولا تشرکوا بہ کے ذیل میں ابوسفیان یہ تاثر دینا چاہتے تھے کہ آپ ﷺ ہمارے نظریہ تثلیث کے بھی خلاف ہیں۔ تاکہ اس کے دل سے آپ ﷺ کی عظمت زائل ہو سکے۔

فان کان القول حقاً فسیملک موضع قدمی ہاتین:

سوال: ابوسفیان کے تمام تر جوابات کی روشنی میں یہ بات بالکل عیاں اور محتاج بیان نہیں کہ یہ تمام اوصاف محمدیہ علامات نبوت ہو سکتے ہیں۔

تو ہر قل نے بالجزم یہ کیسے کہہ دیا کہ فانه نبی (کتاب التہذیب) یا و ہذہ صفۃ النبی (کتاب النہج)۔
جواب: اصل میں ہر قل اہل کتاب میں سے ہے تو کتب سابقہ کی روشنی میں اجمالی علم تھا ملاقات کے ساتھ تعین کے بعد اس نے قطعیت کا دعویٰ کر دیا۔

موضع قدمی ہاتین: مراد ملک شام یا اس کی پوری حکومت ہے۔

لم اکن اظن انہ منکم:

یہ نیسانی جملہ ہے یا بدحواسی کی وجہ سے ہے جس کی تائید ان روایات سے ہوتی ہے جن میں فرمایا گیا سابقہ کتب میں یہ بات بھی موجود تھی نبی آخر الزماں ﷺ میں سے ہوں گے۔ بدحواسی یہ تھی کہ آپ ﷺ کے خط آنے کے بعد وہ گھبرا گیا تھا کہ میری حکومت کے ذوال کاؤ کالج گیا۔

اسی لئے اس نے علماء روم کو آخر تک اعتماد میں لینے کی کوشش کی اور آپ ﷺ کو ”نبی مسلم“ لکھا۔ لیکن

اسلام قبول نہ کرنے کی وجہ سے اس کی حکومت کا زوال مقدر ہو چکا تھا۔ سو ہو کر رہا۔
ولم اکن اظن انه منکم میرا خیال نہ تھا کہ وہ نبی تم میں سے پیدا ہوگا۔ لیکن یہ اس کی غلطی تھی اسلئے حضرت موسیٰ نے
بشارت دیتے ہوئے ”من اخوانکم“ فرمایا تھا اگر یہ بنی اسرائیل میں سے ہوتے تو حضرت موسیٰ ”منکم“ فرماتے۔ نیز یہ مطلب
بھی ہے کہ تم جیسے غیر متمدن اور جاہلوں میں نہیں پیدا ہوں گے بلکہ بنی اسرائیل کے کسی اور قبیلہ سے ہوں گے۔ (درس بخاری 156)

فلو اعلم انی اخلص الیہ الخ:

عدم ملاقات نبوی ﷺ کے سلسلہ میں ہر قل نے راستہ کے پُر خطر ہونے کا عذر کیا اور اپنی ہی حکومت میں رہنے کو ترجیح دی
_____ اگر وہ آپ ﷺ کے خط میں غور کرتا تو آپ ﷺ نے اسے ضمانت دی تھی کہ:
اسلم تسلم: قبولیت اسلام کے بعد تو باسلامت ہوگا لیکن دنیا کا جھوٹا جلال اس کی آنکھوں پہ چھا گیا اور قلب پر کفر
کی ظلمت نے صحیح فیصلہ تک نہ پہنچنے دیا _____

ولو كنت عنده لغسلت عن قدميه:

اس سے خادمانہ حاضری کا اشتیاق معلوم ہوتا ہے نیز غسل اقدام عالیہ کے بلیغ جملہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ
آپ ﷺ حقانیت اس کے دل میں آچکی تھی۔

ثم دعا بكتاب رسول الله ﷺ:

حضرت دحیہ بن خلیفہ بن فروہ بن فضالہ بن زید الکلبیؓ قدیم الاسلام ہیں۔ غزوہ بدر کے علاوہ تمام غزوات میں
شریک ہیں۔ نہایت خوبصورتی کی وجہ سے عورتوں کا جھانکنا ہوتا تو یہ نقاب باندھ کر نکلتے۔ عہد امیر معاویہؓ تک حیات
رہے۔ حضرت جبریلؑ انہی کی شکل میں آتے تھے _____ حضرت جبریلؑ نمائندہ خدا اور حضرت دحیہؓ نمائندہ پیغمبر ﷺ ہیں مگر
دونوں کی خوبصورتی ”بشکل دحیہ“ دلیل حسن ہے۔

دحیہ پر کسرہ و فتح دونوں ہیں۔ معنی اہل یمن کی لغت میں ”نیس“ کے ہیں۔ لگتا ہے ملکیت کو یہاں بشریت کی چادر کا حسن
اڑھا دیا گیا ہے تاکہ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم کا مظہر ثابت ہو جائے۔

عظیم بصری:

سے مراد حارث بن ابی شمر غسانی ہے۔ جو بصری کا گورنر تھا۔ دستورِ زمانہ کے مطابق بادشاہوں تک چونکہ براہِ راست رسائی
نہیں ہوتی تھی۔ اسلئے بصری کے گورنر کو خط دیا۔

”بصری“ ”ب“ کے ضمہ اور الف مقصورہ کے ساتھ ہے۔ یہ شام میں حوران شہر کا ایک علاقہ ہے۔ ۱۳ھ میں حوران فتح ہوا۔
آپ ﷺ نے نبوت سے پہلے جو دو مرتبہ شام کا سفر کیا وہ اسی علاقہ کا کیا تھا۔ بحیرانامی راہب سے اسی جگہ ملاقات ہوئی جس

نے آپ کو حفاظت واپس بھیج دیا۔ دوسرے سفر میں سطور راہب سے ملاقات ہوئی۔

(۱) پہلا سفر آپ نے اپنے چچا ابوطالب کی معیت میں ۱۲ سال کی عمر میں کیا اور۔۔۔ بحیرانامی راہب سے ملاقات ہوئی۔ (۲) جبکہ آپ ﷺ حضرت خدیجہؓ کا تجارتی سامان لیکر گئے تھے اور عمر شریف ۲۵ سال تھی۔

واللہ نامہ کے پڑھے جانے کا منظر

فدفعہ الی ہر قل فقراہ:

فقراہ ہر قل چونکہ عربی نہیں جانتا تھا تو اس نے خط پڑھنے کا حکم دیا چنانچہ بعض روایات میں صراحۃً فقراہ ہے مراد یہ کہ ترجمان نے پڑھا۔

فاذافیہ بسم اللہ الرحمن الرحیم:

خطوط کے سلسلہ میں عادت مبارکہ بسم اللہ الخ سے آغاز کی ہے۔۔۔ اگرچہ خط کی بے حرمتی کا امکان تھا۔ سنت بسم اللہ الخ ہے ۸۶ سے سنت ادا نہیں ہوتی۔

من محمد بن عبد اللہ ورسولہ الی ہر قل عظیم الروم:

یہاں آپ ﷺ نے اپنی عبدیت اور رسالت دونوں کا ذکر فرمایا۔ اصل مقصد تخلیق ”عبدیت“ ہے اس لئے وصف بندگی میں جو بڑھا ہوا ہو گا وہی کامل ترین ہوگا۔ یہ اپنی ذات کے لحاظ سے اور رسول ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ عبدیت دوسروں کی طرف متعدی ہو۔ اس سے اشارۃً تردید نصاریٰ ہو گئی کہ وہ حضرت عیسیٰ کو مقام عبدیت سے الوہیت تک لے گئے۔

ابتداء خط میں کس کا نام ہو۔؟

اصل سنت: کاتب کا نام ہی ہو۔۔۔ ابو جعفر نحاس نے اس پر صحابہ کرامؓ کا اجماع نقل کیا ہے۔ تاہم یہ اکثر صحابہؓ کا مسلک ہے۔ بعض صحابہؓ سے مکتوب الیہ کا نام لکھنا ابتداءً بجابت ہے تو جائز وہ بھی ہے۔

عظیم الروم: فرمایا ملک الروم نہیں فرمایا۔ زبان نبوت سے کافر کو ”ملک“ نہیں کہا جاسکتا۔ ان کو ملک تسلیم کرنا ضرورت کی بناء پر ہوتا ہے۔ اس لئے حقیقت واقعہ کے مطابق عظیم الروم فرمایا۔ نیز یہ وصف آپ ﷺ نے تالیف قلوب کیلئے استعمال فرمایا کیونکہ ہر قل کی وساطت سے قوم روم سے بھی خطاب تھا۔

مسند بزار میں ہے کہ جب یہ خط پڑھا جانے لگا تو اس کے بھتیجے نے کہا: یہ خط نہیں پڑھا جائے گا اور اس نے اس کو کھینچا۔ ہر قل نے پوچھا کیوں نہیں پڑھا جائے گا۔؟ اس نے کہا انہوں نے اپنا نام خط کے شروع میں لکھا ہے یہ آپ کی توہین ہے۔ دوسری توہین یہ ہے کہ آپ کو ملک الروم کی بجائے عظیم الروم لکھا۔ اس پر ہر قل نے ڈانٹتے ہوئے کہا:

انک لضعیف الرأی۔ اتریدان ترمی بکتاب قبل ان اعلم مافیہ۔ لئن کان رسول اللہ
انہ لآحق ان یدابنفسہ ولقد صدق انا صاحب الروم واللہ مالکی ومالکہ۔

سلام علی من اتبع الهدی:

یہ دعا نبوی ﷺ فکر انگیز ہے۔ متبع ہدایت کو سلامتی کی دعا دی گئی ہے۔ مقصود یہ ہے کہ وہ نصرانی ہے اس مذہب کے
مطابق نبی آخر الزماں ﷺ نے والے ہیں اگر وہ ان کی اتباع کیلئے آمادہ ہو جائے تو یہ دعا اس کے حق میں ہوگی۔ ورنہ
نہیں۔ یعنی دعا کا لینا نہ لینا یہ اس کے اپنے رویہ پر ہے۔ مگر مشروط بالہدایت ہے۔

کفار کو سلام کی نوعیت:

مسئلہ: ائمہ ثلاثہ اور امام شافعیؒ، جمہور حضرات ابتداء کافر کو سلام کہنے کے قائل نہیں۔ بعض کہتے ہیں مطلقاً جائز ہے۔
یہ قول ضعیف ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ ارشاد کرای ہے:

لا تبذروا الیہود ولا النصارى بالسلام۔

صاحب دینکار نے لکھا ہے: ضرورت کے وقت سلام کی گنجائش ہے۔ عند بعض تالیف قلب کی غرض سے ابتداء اسلام مبارک ہے۔
امابعد: آپ ﷺ یہ کلمہ روایات کثیرہ میں وارد ہے۔ بتیس (۳۲) صحابہ کرامؓ ناقل ہیں۔
امابعد کا استعمال سب سے پہلے کس نے کیا؟

زیادہ راجح حضرت داؤدؑ کے بارے میں ہے۔ ایک قول حضرت یعقوبؑ کے بارے میں بھی ہے۔
فانی ادعواک بدعایۃ الاسلام: مسلم شریف میں بداعیۃ لا سلام کے لفظ ہیں۔ داعیہ یا دعایہ دونوں
مصدر ہیں۔ اور دعوت کے معنی میں ہیں۔ مقصود دعوت اسلام ہے۔

اسلم تسلم:

یہ کلمہ جوامع الکلم میں سے ہے۔ نیز اس کلمہ کی شان جامعیت یہ ہے آپ ﷺ نے ہر قل کو ضمانت دی تھی اسلام قبول کرنے
کے بعد تیرا ملک اور تو خود دنیا و آخرت کے لحاظ سے محفوظ ہوگا۔ وہ نادان یہ سمجھا اسلام قبول کرنے کے بعد میرا ملک جاتا رہے گا۔
فائدہ: ☆ بڑے بادشاہ کو جو اس وقت واحد پھر پاؤں سے لکھا جا رہا ہے: اسلم تسلم۔

☆ مدارس کے بارے میں کہا جاتا ہے یہ اسلام کے قلعے ہیں۔ یہ جملہ معنی برحقیت ہے۔ جب ہم نے اسلام کو بازاروں
گھروں، حدائق اور ملکی قوانین سے کال دیا تو وہ غیر محفوظ ہو گیا تو اس نے آکر مدارس میں ان کو قلعہ سمجھ کر پناہ لی۔ باہر محفوظ نہ
رہنے والا قلعہ کے اندر محفوظ ہو جاتا ہے۔

☆ اس سے ایک اور بات کی طرف اشارہ نکلتا ہے آپ ﷺ نے اتنے بڑے بادشاہ کو فرمایا اسلام خجے بچائے گا تو

اسلام کو اپنی بقاء میں بادشاہ کی ضرورت نہیں۔ البتہ بادشاہ بقا چاہتے ہیں تو وہ اسلام کا دامن تھام لیں۔
 ☆ لفظ اسلام اور لفظ مسلم، دین محمدی اور امۃ محمدیہ کیلئے مخصوص ہے یا باقی امتوں کیلئے بھی شامل ہے؟
 علامہ شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں کہ از روئے لغت تو سب پر اطلاق ہو سکتا ہے۔ لیکن بطور لقب دین محمدی اور امت محمدیہ کے ساتھ خاص ہے۔

یؤ تک الله اجرک مرتین:

پہلے اسلام لانے کا اجر تھا۔ اب ترغیب ہے کہ اگر دوہرا ہوگا، اہل کتاب میں سے کوئی جب ایمان لاتا ہے تو اس کو دو نئی اور دو کتب پر ایمان لانے سے دوہرا اجر ملتا ہے۔۔۔ جیسا کہ بخاری شریف کی روایت میں ہے: رجل من اهل الکتاب آمن بنبيه و آمن بمحمد (ﷺ) دوہرا اجر ہے۔

دوسرا قول: ہر قل کو دوہرا اجر ملنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے اس کی وجہ سے اس کی قوم کے افراد ایمان لائیں گے۔

فان تولیت فان علیک اثم الاريسيين:

اريسيين کیا مراد ہے؟

مشہور قول ہے کہ اریس کہتے ہیں کاشنکار کو۔ اور اریسین اس کی جمع ہے۔ مراد عایا ہے۔ یعنی بیشتر کاشنکاروں کے ایمان نہ لانے کی تم رکاوٹ نہ بنو بلکہ ان کیلئے قبولیت اسلام کا ذریعہ بن کر دوہرا اجر حاصل کرو۔
 بعض حضرات کہتے ہیں کہ ایک لغت اریسین ہے یہ اریسی کی جمع ہے۔۔۔ اریسی عیسائیوں کا ایک مستقل فرقہ ہے۔ جو حضرت عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا نہیں مانتے تھے۔ اگر ہر قل اسلام قبول کر لیتا تو اس فرقے کے اسلام قبول کرنے کی زیادہ امید تھی۔ بصورت دیگر ان کا گناہ اور وبال ہر قل پر ہوگا۔

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ اریسین نصاریٰ کا ایک گمراہ فرقہ ہے جسے خود قیصر بھی گمراہ سمجھتا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جیسے وہ گمراہ ہے۔ اسی طرح تم بھی گمراہ ہو۔ گویا تشبیہ مقصود ہے۔ اس صورت میں ’ک‘ تشبیہ محذوف ہے۔ عبارت کا اثم لاریسین ہے۔

ويا اهل الکتاب تعالوا الخ:

سوال: بعض نسخوں میں واؤ نہیں ہے۔ فلا اشکال مگر جن نسخوں میں واؤ ہے اس میں اشکال ہے تو قرآن کریم کے خلاف کیوں کیا؟

جواب: واؤ عاطفہ ہے جز آیت نہیں معطوف علیہ ماقبل میں ”ادعوک“ محذوف ہے۔۔۔ تقدیر عبارت یہ ہے: انی ادعوک بدعایۃ الاسلام و اقول لک ولا تبعاک امتثالاً بقول اللہ تعالیٰ یا اهل الکتاب الخ۔

تاریخی اشکال:

یا اهل الکتاب تعالوا الی کلمۃ الخ: یہ آیت کریمہ وفدِ خیران کی آمد پر ۹ھ میں نازل ہوئی اور ہر قل کو خط ۶ھ میں لکھا گیا تو تین سال بعد نازل ہونے والی آیت قبل از نزول کیسے لکھ دی؟ اور نصاریٰ سے جزیہ طے کیا گیا جو ۹ھ کے بعد کا حکم ہے؟

جواب ۱: یہ آیت ممکن ہے مکرر النزول ہو۔ ایک مرتبہ حدیبیہ سے قبل اور ایک مرتبہ فتح مکہ کے بعد۔

جواب ۲: یہ بھی ممکن ہے کہ وفدِ نصاریٰ خیران کی آمد حدیبیہ سے قبل ہو اور اسی موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ہو۔ جہاں تک ادائیگی جزیہ کی بنیاد پر اشکال ہے کہ وہ ۹ھ میں فرض ہوا تھا اس سلسلہ میں یہ بات غلط نظر رہے کہ حدیبیہ سے قبل جو کچھ انہوں نے دیا تھا وہ مبالغہ سے بچتے کیلئے مصالحت کے طور پر دیا تھا ۹ھ میں جزیہ کے حکم آنے سے یعنی آیت جزیہ سے پھر اس کی موافقت ہو گئی ہو۔

جواب ۳: ممکن ہے یہ آیت آپ ﷺ کی موافقات میں سے ہو۔ کہ آپ ﷺ نے لکھا اللہ تعالیٰ نے پھر اس کو آیت کا درجہ بھی دیدیا۔ جیسے کہ موافقات عمر مشہور ہیں۔

نلمہ مبارک اور اصول دعوت

اس خط میں آپ ﷺ نے اصول دعوت کی پوری پوری رعایت فرمائی ہے۔ تالیفِ قلب کی پوری رعایت ہے۔ ایک لفظ بھی دلازاری کا باعث نہیں۔ اسی لئے تو عظیم الروم کا لفظ استعمال کیا گیا مگر آپ ﷺ نے اپنے لئے کوئی ایسا لفظ نہیں لکھا۔ سلام علی من اتبع الهدی: سلام بھی لکھا اور اس کی بھی رعایت ملحوظ رکھی کہ غیر مسلم کو سلام نہ کیا جائے۔ علی من اتبع الهدی کی قید لگا کر ہر قل کو لکھیں ڈال دیا کہ میں محلِ سلام بنتا ہوں یا نہیں۔؟

فانی ادعوک۔۔ ائم الارسیین تک اس میں اسلم امر بھی ہے۔ تسلم مرغیب ہے۔ فان تولیت زجر ہے۔ فان علیک ائم الارسیین وعید ہے۔

فان تولیت کی جگہ آپ ﷺ نے فان کفرت نہیں فرمایا کیونکہ اہل کتاب میں سے تھا تو کفر کی اصطلاح سے واقف تھا۔ اسے وحشت ہوتی۔۔ باور کرایا کہ خیر خواہی مقصود ہے۔ دلازاری نہیں۔

پھر اسلام سے قریب کرنے اور اجنبیت دور کرنے کیلئے ارشاد فرمایا:

تعالوا الی کلمۃ سوا بیننا و بینکم ان لا نعبد الا الله الخ:

کہ ہم اور آپ اصل الاصول میں قریب قریب اور متفق ہیں۔ اس پر جمع ہونے کے بعد دیگر خرابیوں کازالہ کیا جاسکتا ہے۔

اشکال: سوا بیننا و بینکم کہنا درست نہیں۔ اس لئے کہ وہ عقیدہ تثلیث دکتے ہیں تو یہ تو نہ ہوا؟ جب کہ ہم مؤخذ ہیں۔

جواب ۱: تو یہ اصل نصرا نیت کے اعتبار سے ہے۔ تحریف نصرا نیت کے لحاظ سے نہیں۔

نمبر ۴: عیص کا کلاں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بیٹی سے ہوا تھا۔ عیص سرخ و سفید تھا جبکہ زوجہ کی رنگت سیاہ تھی اس ملاپ سے پیدا ہونے والے بچے اصغر تھے۔ (درس شامی 58)

تنبیہ: بعض رافضیوں نے پروپیگنڈہ کیا ہے حضرت یوسفیانؑ دل سے مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ یہ خلاف واقعہ ہے۔ آپ فتح مکہ کے وقت مسلمان ہو گئے تھے۔

وکان ابن الناطور:

یہ جملہ سند سابق کے ساتھ حدیث ہر قل پر معطوف ہے۔ اس لئے اس کو معلق کہنا صحیح نہیں۔۔۔ رہی یہ بات کہ امام زہریؒ ابن الناطور سے کیسے روایت کرتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے ولید بن عبد الملک کے دور میں امام زہریؒ خود شام گئے اور ابن الناطور سے ملاقات ہوئی جو مسلمان ہو چکے تھے۔

ناطور: یہ ظ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔۔۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ ناطور کھجور کے باغ کے محافظ کو کہتے ہیں۔ اور بعض کے ہاں انگور کے باغ کے رکھوالے کا نام ہے۔

ناطور عربی لفظ نہیں۔ البتہ اس کا استعمال عربی میں ہے۔۔۔ ابن الناطور ایلیا کا گورنر تھا۔ اور ہر قل کا مصاحب بھی۔ اور نصاریٰ شام کا لاث پادری تھا۔ اس کو مذہبی عظمت اور دنیوی وجاہت دونوں حاصل تھیں۔

صاحب ایلیا و ہر قل:

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں لفظ ”صاحب“ حقیقی اور مجازی دونوں معنوں میں مستعمل ہے۔

ایلیا کے اعتبار سے مراد گورنر ہے۔ جس کا معنی مجازی ہے۔ اور ہر قل کے لحاظ سے اس کا معنی مصاحب ہے۔ یا اس کا معنی حقیقی ہے۔

سوال: ایک ہی لفظ یعنی ”صاحب“ سے بیک وقت حقیقی اور مجازی معنی کیسے مراد لئے گئے۔؟

جواب: عند الشواہد یہ مستبعد نہیں ہے۔ کما قال حافظ ابن حجرؒ و مرانفا: حضرات احناف فرماتے ہیں صاحب کے دو معنی بیک وقت مراد نہیں لئے گئے بلکہ ایک ہی معنی صاحب بمعنی ”ذو“ والا“ مراد لیا گیا ہے۔ (فلا اشکال)

جب کہ مضاف الیہ کی نسبت سے اس کا معنی سمجھا جائے گا۔ چنانچہ ایلیا کی طرف نسبت ہو تو گورنر اور ہر قل کی طرف ہو تو پھر مصاحب مراد ہے۔

سقف:

اس کو تین طریقے سے پڑھا گیا ہے۔ ۱: بضم السین والقاف۔

۲: بابتداء الهمزہ و سکون السین و ضم القاف۔ ۳: بضم السین و کسر القاف بمعنی لاث پادری۔

مسلمان اہل علم میں کوئی درجہ بندی نہیں ہے۔ ہر کسی کا درجہ بقدر علم ہے۔ البتہ نصاریٰ میں درجہ بندی کا سلسلہ اس طرح سے ہے ان کے ہاں پوری دنیا میں ایک ہی پوپ ہوتا ہے جس کو وہ ”اسقف اعظم“ کہتے ہیں۔

یہ عظیم پیشوا اور معصوم عن الخطا سمجھا جاتا ہے اور مغفرت کے پروانے جاری کرتے تک کے اختیارات اس کے پاس ہوتے ہیں۔ یہ دولت جمع کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ وہ مغفرت نامہ میت کے ساتھ قبر میں رکھا جاتا ہے۔ اس طرح بے شمار بدعنوانیاں پھیلنے لگیں تو ایک دوسرا فرقہ جو جن میں آیا جس کا نام پرنسٹن ہے جس کا معنی احتجاج کنندہ ہے جو پوپ کے نظام سے بغاوت کرتا ہے۔ ہر شہر میں پوپ کا ایک نمائندہ ہوتا ہے جس کو عربی میں اسقف اور انگریزی میں بشپ کہتے ہیں۔ اس کے نیچے آرشیپ ہوتا ہے اس کے نیچے کارڈنل ہوتا ہے۔ سارے کارڈنل، ملکر پوپ کا انتخاب کرتے ہیں۔ (انعام 1/276)

الشام: یہ مہموز اور غیر مہموز دونوں طرح پڑھا گیا۔ نیز شام بھی پڑھا گیا۔

حافظ ابن عساکرؒ نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے کہ شام میں دس (۱۰) ہزار حضرات صحابہ کرامؓ داخل ہوئے ہیں۔ علامہ کرمائیؒ فرماتے ہیں آپ ﷺ مرتبہ شام میں تشریف لائے، دو مرتبہ قبل از نبوت اور دو مرتبہ بعد میں: ایک مرتبہ اسرامہ کے موقع پر دوسرے غزوہ تبوک کے موقع پر۔

ہرقل کے اقتدار کے لئے جھٹکا

ان هرقل حين قدم ايلياء اصبحت يوم ما خبيث النفس:

کسی مسلم کو اپنے نفس کو خبیث نفس سے تعبیر کرنا منع ہے بوجہ حدیث بخاری لا یقولن احدکم خبیث النفس مراد معصوم ہوتا ہے فقال بعض بطارقته: یہ طریق کی جمع ہے۔ اس کا معنی خواص دولت، اہل الرائے، اور قائد کے ہیں۔

قال ابن الناطور: وکان هرقل حذاء ینظر فی النجوم۔

یہاں دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ۱: حذاء موصوف ینظر فی النجوم اس کی صفت کا وصف۔ پھر کان کی خبر ہے۔ مطلب ہرقل کی کہانت نظر فی النجوم کے ساتھ تھی۔ دوسری صورت حذاء کان کی خبر اول اور ینظر فی النجوم خبر ثانی مطلب یہ ہوگا کہ کاہن بھی تھا اور علم نجوم کا ماہر بھی تھا۔

کہانت میں شیاطین و جنات کے ذریعہ معلومات لی جاتی ہیں جو استراق سمع کے بعد جھوٹ کی آمیزش کے ساتھ بتلاتے ہیں اور نجوم ہا قاعدہ علم ہے۔ کہ کونسا ستارہ گردش میں ہے اور کونسے برج میں ہے۔ بہر حال اسلام نے ان سب کو باطل قرار دیا ہے۔

انی رايت الليلة حين نظرت فی النجوم ملک الختان قد ظہر:

ملک بکسر اللام: بادشاہ۔ علم نجوم و کہانت کو نظر شریعت میں برا سمجھا گیا ہے اور اسکو مؤثر حقیقی سمجھے تو کافر بھی۔ علامۃ الناس کیلئے سڈ ذرائع کے لحاظ سے بالکل ہی ترک کرنا ضروری ہے۔

ملک الختان قد ظہر: علوم نجوم میں برج معقرب میں جب شمس و قمر جمع ہو جائیں تو اسے قرآن السعدین کہتے ہیں۔ یہ بیس سال بعد ہوتا ہے اور اس سے بڑا واقعہ منسلک ہوتا ہے۔ پہلی دفعہ قرآن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے وقت

ہوا پھر اعطاء نبوت کے وقت ہوا۔ پھر فتح خیبر اور فتح مکہ کے وقت بھی ہوا۔ ہر قل نے یہی قرآن دیکھا تھا اور اس سے نتیجہ نکالا تھا کہ ملک النحسان کا غلبہ ہوگا۔ (درس شامی ص 59)

فمن یختن من هذا لامة: امت کے معنی جماعت کے ہیں۔ یہاں مجازاً اہل عصر کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔

قالوا لیس یختن الا الیہود: الجارحہ نے جوختن کے سلسلہ میں صرف یہودی شخص کی؛ یہ ان کے علم کے لحاظ سے ہے۔ ورنہ اہل جاز بھی ملتِ ابراہیمی پر ہونے کے دعویٰ کے لحاظ سے ختنہ کرتے تھے۔

لیس یختن الا الیہود:

یہ ہر قل کے مصاحبین کا قول ہے۔ اس تناظر میں حدی بن حاتم کے ”ختن“ ہونے کے بارے میں معلومات کی ضرورت نہیں اس لئے کہ ہر قل، اعیان مملکت، ملک غسان اور حضرت حدی بن حاتم سب ہی نصرانی ہیں۔ ایک ہی کیفیت پر ہوں گے۔ (یعنی غیر ختن) کیونکہ تقابل ہے کہ غیر ختن مغلوب اور ختن غالب ہوں گے۔ اس لئے سیاق کلام اس کی طرف مشعر ہے کہ حضرت وحیہؓ ہی انہیں بائیں معنی ممتاز تھے کہ وہ ختن ہیں ان کی نمائندگی کر رہے ہیں جنہیں غالب آنا ہے۔ ہر قل اور ان کے مصاحبین کو طعن جوہم کے ذریعہ نظر آ رہا ہے کہ ملک النحسان غالب آچکے ہیں (قد ظہر) اور حضرت وحیہؓ کے آنے سے گویا ان کو بھی تارے نظر آنے لگے۔ اور وہ ذہنی طور پر مغلوب ہو کر ابھی سے اپنا حسن صورت کھو بیٹھے ہیں۔ بیست منکرہ کو دیکھ کر پاس بیٹھنے والے ازالہ غم کی تدبیر بتا رہے ہیں کہ صرف یہود ختن ہیں اور ایک ہی امر سے انہیں راستہ سے ہٹایا جاسکتا ہے۔ (انعام ص 279 ج 1)

اگر حدی بن حاتم مراد ہیں تو وہ کیسے ختن ہوئے؟

(۱) عرب کے عویٰ رواج اور ابراہیمی تقالید کی بنا پر ختنہ بلا تخصیص تھا۔ نیز حضرت عیسیٰؑ نے اپنے متبعین کو تورات کے بیشتر احکام کی پیروی کا حکم دیا تھا۔ اس لئے اس مذہب میں بھی ختنہ ہونا چاہیے۔

بعد میں پولوس جس کو سینٹ پال بھی کہتے ہیں نے تحریف کی، ختنہ کی منسوخت گھڑ لی۔ اور اس نے بعض حواری عیسیٰؑ کے سلسلہ میں ختنے کی مشکل کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا مذہب عیسوی قبول کرنا فرض ہے اس میں ختنہ سنت کے درجہ کی چیز ہے۔ اس لئے مذہب ضرور قبول کر لیں۔ سینٹ پال نے غلط استدلال کرتے ہوئے کہہ دیا کہ حواری کے حسب فرمان ختنہ منسوخ ہو گیا۔ اس لئے عیسائی لوگوں نے ختنہ ترک کر دیا۔

فائدہ ۱: درباریوں کو عرب کا ختنہ معلوم نہیں تھا۔

۲: معلوم تھا لیکن عرب کا عدم ختنے ان کی کوئی حیثیت نہ تھی اس لئے ان کا ذکر نہیں کیا۔ (درس شامی ص 59)

۳: شریعت محمدیؐ علی صاحبہا الف الف صلوة و سلام میں ختنہ شعار اسلام ہو کر سنت ہو کر نہ رہا۔ اگر بڑی عمر یا حذر و مرض کی صورت میں مسلمان ڈاکٹر زخم کے منہ بدل نہ ہونے کے خوف سے روک دے تو ختنہ کرنا ضروری نہ ہوگا۔ (انعام ج 1 ص 280 ملخصاً)

فبیناهم علی امرهم اتی هرقل برجل: رجل کے ہم ہونے کی وجہ سے دقول ہیں: ایک: حضرت وحیہ کی دوسرے مدی بن حاتم جو اس وقت نصرانی تھے فتح الباری کی تصریح کے مطابق حضرت وحیہؑ اوس مدی بن حاتمؑ ایک ساتھ هرقل کے پاس پہنچے۔

حقیقت کا روپ دھارتے ہوئے اندیشے

فقال هرقل: هذا ملک هذه الامة: قد ظهر: هرقل نے ماضی کا صیغہ قد کے ساتھ استعمال کیا ہے جو تحقیق کیلئے آتا ہے۔ گویا هرقل کو یقین ہے کہ کوئی چارہ کار نہیں ہے انہیں غالب آنا ہی ہے۔

ثم كتب هرقل الی صاحب لهبر ومیة وکان نظیره فی العلم: رومیہا ٹلی کا دار السلطنت ہے۔ جس کو رومیہ الکبریٰ بھی کہا جاتا ہے۔ عیسائیوں کا اصل مرکز یہ تھا۔ بعد میں اس مرکزیت کو تقسیم کیا گیا اور قسطنطنیہ کو دوسرا مرکز بنایا گیا۔ وکان نظیره فی العلم الخ: سے مراد یعنی نظریں انجمن یا کہانت یا دونوں میں هرقل کے ہم پلہ تھا۔ یعنی خفاطر

فاذن هرقل لعظماء الروم فی دسکرة له بحمص:

دسکرہ اس محل کو کہتے ہیں جس کے ارد گرد بہت سے مکانات ہوں۔ هرقل کو اخبار سابقہ سے یقین تھا کہ اگر تم اس نبی سے بیعت نہیں کرتے تو تمہاری حکومت چلی جائے گی۔

فحاصوا حیصۃ حمر الوحش الی الابواب فوجدوها قد غلقت:

عظماء روم کو گدھوں سے تشبیہ دی جو بیوقوفی اور جہالت میں ضرب المثل ہوتے ہیں۔ دوسرے وحشی گدھوں کے ساتھ کہ حمر اہلیہ کی نسبت یہ زیادہ بدکتے ہیں۔ جب عظماء روم سے وہ مایوس ہو گیا تو اس نے آخری چال چلی کہ میں تمہاری شدت پسندی اور کمال بنیاد پرستی کا امتحان لے رہا تھا۔

فانہ من روايت میں عظمت دینی کا بیان ہے کہ خفاطر ابو غیانہ بن ناطھ اور هرقل نے اس کی عظمت کو تسلیم کیا۔ (میں شامی 60)

فکان اخر شان هرقل

براعتِ اختتام:

امام بخاری کتاب کے اختتام پر کوئی ایسا نقطہ لے آتے ہیں جس سے اشارہ ہو جائے یہ آخر کتاب ہے۔ اسی طرح کتاب زندگی کا بھی ایک نہ ایک دن اختتام ہو جائے گا۔ جس کے ورق ہمیشہ نہیں پلٹے جاتے۔ (یہ تحقیق حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کے علاوہ حنفیہ میں سے بھی کسی نے نہیں فرمائی۔)

قال رسول اللہ ﷺ اللهم جعل خیر عمری آخرہ وخیر عملی خواتیمہ وخیر ايامی یوم القاک فیہ (معجم وسط)

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں اس کے بعد ہر قل نے حضرت دحیہؓ کو بلایا اور کہا میں تو مانتا ہوں میری قوم نہیں مانتی۔ پھر ان کو ایسے کمرے میں لے گیا جہاں تین سو تیرہ رسولوں کی تمثالیں تھیں۔ ہر قل نے حضرت دحیہؓ سے کہا جو نبی مبعوث ہوئے ہیں وہ کون سے ہیں؟ تو دحیہؓ نے آپ ﷺ کی شبہ موتی کی طرف اشارہ کیا ہر قل نے کہا میرا بھی یہی خیال ہے۔

آپ ﷺ شبیہ کو میں نے پہچانا تو ہر قل نے کہا صدقت پھر اس نے کہا یہ دہنہ جانب کس کی تصویر ہے، میں نے کہا ابوبکرؓ کی... اس نے کہا یہ بائیں جانب... میں نے کہا ان کا نام عمرؓ ہے... ہر قل نے کہا ہم اپنی کتاب میں لکھا پاتے ہیں ان دونوں صاحبین کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اس دین کو غلبہ عطا فرمائیں گے... حضرت دحیہؓ فرماتے ہیں میں نے آپ ﷺ خدمت میں حاضر ہو کر ہر قل کا قول نقل کیا... آپ نے فرمایا سچ کہا ابوبکرؓ و عمرؓ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ فتوحات فرمائیں گے اور اسی دین کی اشاعت ہوگی۔ (مدارج ص ۳۵۲)

۱۲/۲۹ / ۱۴۳۲ھ

ورثۃ انبیاء کے نام ایک اہم پیغام (حدیث ہر قل کی روشنی میں)

غور کیا جائے تو دنیا کی بدلتی ہوئی صورت حال میں ہر قل کے دربار میں ہونے والی گفتگو سے آنے والے دور کے خدو خال پر روشنی پڑتی ہے۔

کسریٰ نے اپنے کھوئے ہوئے مقدر سے سرور کائنات ﷺ کے والاناامہ کو رعزت و تکبر سے کیا پھاڑا۔ اپنی خاندانی بادشاہت کے ٹکڑے کر دیئے۔ پوری دنیا پر بادشاہت کے زعم میں اس نحوست کا شکار ہوا کہ اس کے مد مقابل قوت ”روم“ شکست و ریخت کی آخری حدود کو چھو چکی تھی۔ مگر قرآن کریم نے پیشین گوئی فرمائی:

وهم من بعد غلبهم سيفلون

جو ظہور پذیر ہو کر رہی۔۔۔ نئے ابھرنے والے حالات میں دو سپر طاقتوں کی بجائے واحد سپر پاور قیصر روم کی شکل میں سامنے آئی۔ اس طرح ہر قل کے دربار میں ہونے والی گفتگو آپ ﷺ کے دو حریفوں کے درمیان تھی۔

(۱) ایک آپ کا نسبی اور قبائلی حریف تھا جو ہمیشہ میدان کارزار میں مد مقابل رہا۔

(۲) دوسرا عالی حریف ہر قل تھا۔ جس کے مقابل دنیا کے لحاظ سے کوئی طاقت نہ تھی۔ آپ ﷺ کے نظریے کی صداقت نے دونوں کے پاؤں سے زمین نکال دی۔ ہر قل نے کہا:

جہاں میں بیٹھا ہوں اسکی مملکت کا سورج یہاں طلوع ہو کر رہے گا۔ اور ابوسفیان کہتے ہیں کہ میں حیران و ششدر ہوں کہ ملک بنی الاصفہ (ہر قل) کو کیا ہوا جنت شامی پر بیٹھا کانپ رہا ہے۔

اسی روز اسلام نے میرے دل پر دستک دے دی تھی کہ آج تک جو میں سوچتا رہا وہ میرا نظریہ غلط تھا۔ پھر اس کا ظہور فتح مکہ کے موقع پر ہوا۔

حضرت عباسؓ نے ابوسفیان کو آپ ﷺ کے جاں نثار صحابہؓ کے دستے دکھائے اور ان کے نظم و ضبط کا معائنہ کرایا تو کہا:

تیرے بھتیجے کی حکومت کا کمال ہے۔۔۔ دنیا گھوما ہوں مگر فدایت کی یہ جھلک روئے زمین پر نہ دیکھنے کو ملی۔
جس کے جواب میں ابوسفیان کے عقل و فکر کے دریچے کھلے وہ یہ تھا:
ابوسفیان ابھی آپ کی نادانی ہے۔ یہ نبوت ہے حکومت نہیں ہے۔۔۔
جس سے معلوم ہوا ”نظریے کی صداقت کا ”رعب و جلال“ دنیا اور دنیا کے تمام تر وسائل کو زیر کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔“
آنے والے حالات نے واضح کر دیا نظریے کی طاقت نے دنیا میں حکمرانی کی اور دونوں حریف زیر ہو کر رہ گئے۔
عزیز طلبہ کرام! اس میں یہ پیغام ہے کہ آنے والے دور میں نظریے کی طاقت سے جینا سیکھو۔۔۔ جس آنکھ پر دنیا کا موتیا
آجائے اور جس دل پر غیر اللہ کا تار عنکبوت چھا جائے وہ کبھی صحیح فیصلہ پر نہیں پہنچ سکتا۔ یہودیت کا پیسہ، اپنے (عرب) کی مخالفت
اور اندرونی منافقت جو کسی بھی تحریک و مشن کو ختم کرنے کے بنیادی ستون اور محرکات ہوتے ہیں۔ کے باوجود اعجاز نبوت اور
نظریہ پر غیر مترزل یقین نے ہر لمحہ منزل کو قریب سے قریب تر کر دیا۔۔۔
آسمان کی بلندیوں کو چھونے والے دنیوی تمکنت و مطراق کس طرح زمین بوس ہو کر درس عبرت بنے۔ وہ بخاری شریف
کے آنے والے ابواب میں آپ پڑھیں گے جس راستے پر گذر کر

الایمان یزیدو ینقص

کی فنی بحث سے ہٹ کر وجدانی کیف سے آپ خود اس فیصلہ پر پہنچ جائیں گے جہاں منطق اور استدلالی گفتگو سے آپ
رسائی نہ حاصل کر سکے۔
آپ تعین کر سکیں گے حضرات ائمہ کرام کی ایمان کی زیادہ و نقصان کے حوالہ سے معرکہ خیز ابحاث دراصل ہمیں کس حقیقت
واقعی کی طرف متوجہ کر رہی ہیں۔۔۔ اور ہمارے مستقبل کے انتخاب میں کن محرکات و عوامل کو اساس و بنیاد بنانے کی ضرورت
ہے۔ کھلنے والی باب زندگی بھی بلا ترجمہ ہے جو آپ کی تشخیز اذہان کا امتحان ہے۔
لہذا کتابنا ینطق علیکم بالحق۔

وجی اور سائنس

مذہب اور سائنس کے باہم مخالف اور متضاد ہونے کا جو تاثر عام طور پر پایا جاتا ہے اس کے بڑے اسباب دو ہیں۔ ایک
نظری اور اصولی ہے جبکہ دوسرا سبب تاریخی اور واقعاتی ہے۔
اصولی پہلو یہ ہے کہ سائنس کائنات کی اشیاء پر غور و فکر کرنے، ان کی حقیقت جاننے، ان کی افادیت و ضرورت کو سمجھنے، ان
کے استعمال کے طریقے معلوم کرنے، ان سے فائدہ اٹھانے اور تجربات کے ذریعہ انہیں زیادہ سے زیادہ مفید بنانے کا نام ہے۔
جب تک کائنات کی بیشتر اشیاء تجربات و مشاہدات کے دائرے میں نہیں آتی تھیں، ان پر غور و فکر کا سبب سے بڑا ذریعہ عقلیات کا
ہوتا تھا اس لئے سائنس بھی معقولات کا ایک شعبہ اور فلسفے کا حصہ سمجھی جاتی تھی۔ خود ہمارے ہاں درس نظامی میں فلکیات کو

معتقولات کے مضمون کے طور پر پڑھایا جاتا تھا لیکن جب کائنات کی متعدد اشیاء انسان کے محسوسات، مشاہدات اور تجربات کے دائرے میں شامل ہونے لگیں تو سائنس کو معتقولات اور فلسفے سے الگ ایک مستقل مضمون کا درجہ حاصل ہو گیا۔ اور فلسفہ اور سائنس کا رخ الگ الگ سمتوں کی طرف ہو گیا۔

اسی طرح سائنس اس دور میں تجربات و مشاہدات کے بغیر محض معتقولات کا حصہ سمجھی جاتی تھی اور آسمانی تعلیمات اور فلسفہ و معتقولات کے درمیان مسلسل کشمکش رہتی تھی۔ خاص طور پر اس تناظر میں یہ بحث زیادہ شدت اختیار کر جاتی تھی کہ وحی اور عقل کا باہمی تعلق کیا ہے ان میں سے کس کو فائز تسلیم کیا جاتا تھا؟ یہ دور عقل اور وحی کے درمیان کشمکش کا دور تھا جو آج بھی جاری ہے۔ چونکہ سائنس کو بھی مذہب سے الگ، بلکہ اس سے متصادم تصور کیا جاتا تھا لیکن جب سے عملی تجربات، مشاہدات اور تحقیقات کے ذریعہ سائنس کا دائرہ فلسفہ سے الگ ہوا ہے صورت حال بالکل مختلف ہو گئی ہے۔

ایک اور بات پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ وحی کائنات کے حقائق کی نشاندہی کرتی ہے اور سائنس بھی انہی حقائق و اشیاء پر تجربات کرتی ہے۔ اس لئے ان دونوں کے درمیان تصادم کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی، بلکہ میری طالب علمانہ رائے میں دونوں میں باہمی تقسیم کار کا ماحول ساین کیا ہے، مثلاً انسانی جسم جو میڈیکل سائنس کا موضوع ہے وہی وحی الہی کا موضوع بھی ہے۔ میڈیکل سائنس اس سوال کا جائزہ لیتی ہے کہ انسانی باڈی کی ماہیت کیا ہے اس کے اعضاء کا آپس میں جوڑ کیا ہے، ان کا نیٹ ورک کیا ہے، میکنزم کیا ہے اور یہ کس طرح صحیح کام کرتے ہیں؟ جبکہ وحی الہی اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ انسانی وجود کس نے بنایا ہے اور اس کا مقصد جو کیا ہے؟

میں سائنس دانوں سے کہا کرتا ہوں کہ ہمارے درمیان کوئی اختلاف نہیں، اس لئے کہ ہمارا دائرہ کاری الگ الگ ہے۔ انسانی باڈی کے بارے میں دو سوالوں پر آپ بحث کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ اس کی ماہیت اور نیٹ ورک کیا ہے اور دوسرا یہ کہ یہ کیسے صحیح کام کرتی ہے اور خرابی پیدا ہو جانے تو اسے صحیح کیسے کیا جاسکتا ہے، جبکہ ہمارا یعنی وحی الہی کی بات کرنے والوں کا موضوع اس سے الگ دو سوال ہیں۔ ایک یہ کہ انسان کو بنایا کس نے ہے اور دوسرا یہ کہ کس مقصد کیلئے بنایا ہے؟

کسی بھی چیز کے مکمل تعارف کے لئے چار سوال ضروری ہوتے ہیں: (۱) یہ کیسا ہے؟ (۲) یہ کیسے کام کرتی ہے؟ (۳) یہ کس نے بنائی ہے؟ اور (۴) کس مقصد کے لئے بنائی ہے؟ پہلے دو سوال سائنس کا موضوع ہیں جبکہ دوسرے دو سوال مذہب کا موضوع ہیں۔ اس لئے ان کے درمیان کوئی اختلاف اور تنازع نہیں ہے۔

مذہب اور سائنس کے درمیان اختلاف اور تنازع کے عوامی تاثر کی دوسری وجہ تاریخی اور واقعاتی ہے۔ وہ یہ کہ جس دور میں یورپ میں سائنسی تجربات کا کام شروع ہوا اور سائنس دانوں نے کائنات کی متعدد اشیاء پر عقلی بحثوں سے آگے بڑھ کر عملی تجربات اور مشاہدات کا آغاز کیا، اس وقت یورپ میں مسیحی مذہب کی فرمانروائی تھی اور ریاست و حکومت میں مذہبی قیادت کو فیصلہ کن درجہ حاصل تھا۔ مسیحیت کی اس دور کی مذہبی قیادت نے ان سائنسی تجربات و مشاہدات کو مذہب سے متصادم قرار دے کر ان کی مخالفت کی اور سائنسی تجربات پر الحاد اور ارتداد کا فتویٰ لگا کر ایسا کرنے والوں کو سزائیں دینا شروع کر دیں۔ جس سے یہ تاثر عام

ہو گیا کہ مذہب سائنس کا مخالف ہے اور مذہبی تعلیمات میں سائنسی تجربات و مشاہدات کی گنجائش نہیں ہے۔

اسلام اور مسلمانوں کو بھی اسی پر قیاس کر لیا گیا کہ مسیحیت کی پاپائی تعبیر کی طرح اسلام بھی سائنس کا مخالف ہے۔ حالانکہ اسلام نے سائنس اور سائنسی تجربات کی کبھی مخالفت نہیں کی، بلکہ قرآن کریم نے متعدد مقامات پر کائنات پر غور و فکر کی دعوت دی ہے، ان میں سے ایک کا حوالہ دینا چاہوں گا کہ سورۃ آل عمران کی آخری آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ آسمان زمین کی تخلیق اور شب و روز کے اختلاف میں ارباب دانش (اولوالباب) کے لئے آیات اور نشانیاں ہیں اور ارباب فکر و دانش آسمان زمین کی تخلیق پر غور و فکر کرتے ہیں۔ (یضفرون فی خلق السماوات والارض) البتہ اس غور و فکر کا ہدف ”مقصدیت“ کو قرار دیا ہے وہ زمین و آسمان کی تخلیق پر غور و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یا اللہ! تو نے اسے بے مقصد پیدا نہیں کیا (دینا ما خلقت هذا باطلاً)

اسلام نے کائنات کے نظام پر غور و فکر کی دعوت دی ہے اور یہ تاریخی حقیقت ہے کہ اس غور و فکر یعنی سائنسی مشاہدات و تجربات کی اصل بنیادیں مسلمانوں نے ہی فراہم کی ہیں، جن پر آج پوری سائنس کی عمارت کھڑی ہے۔ اس لئے اسلام کو مسیحیت کے اس دور پر قیاس کرنا درست نہیں ہے اور یہ کہنا قطعی طور پر خلاف حقیقت ہے کہ اسلام اور سائنس میں کوئی تصادم ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ سائنس ہماری مخالف نہیں، بلکہ معاون و مؤید ہے کہ قرآن وحدیث کے بیان کردہ ہمت سے حقائق کو سائنس نے عمل و تجربے کے ساتھ ثابت کیا ہے جس سے قرآن وحدیث کی صداقت مزید واضح ہو کر سامنے آئی ہے۔ اس کے مسیعوں پہلو ہیں، جن پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ ان میں سے دو تین کی طرف اشارہ کرنا چاہوں گا۔ قرآن کریم نے قیامت کے دن اعمال کے وزن کی بات کی ہے انسان کے اعمال و اقوال کا وزن کیا جائے گا۔ اس پر اعتراض کیا گیا، بلکہ اس کی تعبیر و تشریح میں اہل سنت اور معتزلہ کے مابین ایک عرصے تک اختلاف رہا کہ قول اور عمل تولد کی چیز نہیں ہے، اس لئے کہ قول اور عمل صادر ہونے کے بعد معدوم ہو جاتے ہیں، چنانچہ بات اور عمل کا وزن نہیں کیا جاسکتا اور نہیں کیا جائیگا۔ مگر سائنس نے قول اور عمل دونوں کو محفوظ کر کے بلکہ ان کی مقدار کا تعین کر کے اس اعتراض کو ختم کر دیا اور قرآن نے جو اعمال کے وزن کی بات کی ہے اسے صحیح ثابت کر دیا۔

دوسری مثال یہ عرض کروں گا کہ بخاری شریف کی ایک روایت کے مطابق جناب نبی اکرم ﷺ ارشاد گرامی ہے کہ جب ماں کے پیٹ میں حمل قرار پاتا ہے تو اس کے ساتھ ایک فرشتے کی ڈیوٹی لگ جاتی ہے جو ہر چالیس روز کے بعد رپورٹ پیش کرتا ہے کہ اب یہ کس کیفیت میں ہے اور جب تین چلے پورے ہو کر اس میں روح ڈالنے کا وقت آتا ہے تو فرشتہ اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہے کہ اس کی عمر کتنی ہوگی؟ اس کا کسب و عمل کیا ہوگا؟ اس کے رزق کا کوئی کتنا ہوگا؟ اور یہ نیک یا بد بختی میں سے کس کھاتے میں شمار ہوگا وغیرہ ذلک۔ یہ سوال و جواب مکمل کرنے کے بعد اسے روح کا کنکشن دے دیا جاتا ہے۔

جب میں اس حدیث مبارکہ کو پڑھتا ہوں تو میرے ذہن میں سائنس کے بیان کردہ جین (Gene) کا تصور آ جاتا ہے کہ جس جین کی بات سائنس دان کرتے ہیں، کہیں یہ وہی قائل تو نہیں جو فرشتہ انسان کے جسم میں روح ڈالے جانے سے پہلے مکمل کر کے سل کر دیتا ہے؟

ایک اور مثال بھی دیکھ لیں کہ بخاری شریف ہی کی ایک اور روایت کے مطابق جناب نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ انسان مرنے کے بعد جب قبر میں جاتا ہے تو مٹی میں مل جاتا ہے تو اس کے جسم کا ہر عضو بوسیدہ ہو کر خاک ہو جاتا ہے، مگر اس کی دُجی کا مہرہ فنا نہیں ہوتا، وہ باقی رہتا ہے اور اسی سے اس کی دوبارہ تشکیل و ترتیب ہوتی ہے۔ میرے خیال میں آج سائنس جس کلون (Clone) کی بات کرتی اور جس پر کلوننگ کے ایک مستقل کام کی بنیاد رکھی گئی ہے وہ غالباً وہی دُجی کا مہرہ ہے جو انسان کی دوبارہ تخلیق کی بنیاد بنے گا اور وہ پہلے سے الگ وجود نہیں ہوگا بلکہ اسی کی نشاۃ ثانیہ ہوگی۔

حضرات محترم! میں نے چند اشارات آپ کے سامنے اس لحاظ سے کیے ہیں کہ اسلام اور سائنس میں کوئی تصادم نہیں ہے بلکہ اسلام سائنسی تحقیقات کی دعوت دیتا ہے اور اس کی حوصلہ افزائی کرتا ہے، جبکہ سائنس وحی الہی کے بیان کردہ حقائق کی تائید کرتی ہے مسلسل کرتی جا رہی ہے اس لئے سائنس کے علم سے جہاں انسانی سوسائٹی کونٹ نئی سہولتیں اور فوائد حاصل ہو رہے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے، اسی طرح یہ آسمانی تعلیمات کی معاون بھی ہے، البتہ اسے محض معروضیت کے دائرے میں رکھنے کی بجائے ”مقصدیت“ کا پہلو بھی اجاگر ہوگا اور یہی اسلام اور سائنس کا باہمی تعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو تمام علوم و فنون سے صحیح استفادے کی توفیق سے نوازیں۔ آمین یا رب العالمین

(از افادات مفکر اسلام مولانا زاہد الراشدی مدظلہم)



كتاب الايمان

کتاب الایمان

لغوی واصطلاحی معنی

کتاب مصدر بمعنی ”مکتوب“ ہے۔ اور ک، ت، ب اس کا مادہ ہے۔ اسی سے کنیبہ جو شکر کا نام ہے۔

کتاب کو کتاب اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں بہت سے مضامین جمع ہوتے ہیں۔

تراکیب: کتاب الایمان کی تین ترکیبیں ہیں۔

(۱) مبتدا محذوف هذا کتاب الایمان۔

۲: عکسہ۔ (کتاب الایمان هذا)

۳: ینصوب ہے مفعول ہے خذ فعل کلما اقرأ محذوف کا تقدیر عبارت: خذ کتاب الایمان یا اقرأ کتاب الایمان ہے۔

ربط ۱: باب بدء الوحي سے کتاب الایمان تک بمنزلہ مقدمہ کے ہے۔ مقدمہ کے بعد بیان مقصود ہے۔ مقاصد

اصلیہ میں سب سے مقدم ”ایمان“ ہے لانعملاک الامر کله اذا الباقی مبنی علیہ مشروط به النجاة فی الدارين۔

ربط ۲: حدیث ہر قل سے یہ ربط ہے کہ نجات کا مدار اختیاری تصدیق پر ہے غیر اختیاری معرفت پر نہیں۔ ہر قل

کو معرفت حاصل ہوئی، اس سے تصدیق حاصل نہیں ہوتی۔ تاہم حدیث ہر قل میں تھا کہ جب ایمان کی حلاوت دل میں

داخل ہو جاتی ہے پھر ایمان دل سے نکلا نہیں کرتا۔ اس حلاوت و بشارت کی مناسبت کتاب الایمان سے ہوتی ہے۔

الایمان

لغوی معنی: اَمَنَ (سَمِعَ) سے مشتق ہے۔ دو طرح مستعمل ہے، لازم متعدی۔ اگر لازم میں استعمال ہو تو ہمزہ صیروۃ کیلئے

ہوتا ہے جیسے امنت ای صرت ذا امن و سکون۔ اگر متعدی استعمال ہو تو کبھی بلا واسطہ ہوتا ہے جیسے امنتہ ای جعلته ذا امن۔

کبھی متعدی بواسطہ حرف جار ہوتا ہے۔ پھر حرف جار کبھی بُ ہوتا ہے جیسے الذین یؤمنون بالغیبہ جب بُ کے

ذریعہ متعدی ہو تو اقرار و اعتراف کے معنی کو متضمن ہوتا ہے اور کبھی حرف جار ل کے ذریعہ متعدی ہوتا ہے جیسے و ما انت بمؤمن

لنا۔ پھر اس کا معنی ”یقین“ کا ہوتا ہے۔ اور جب یہ صلہ کے ساتھ استعمال ہو اس میں تصدیق، انقیاد اور اعتماد کے معنی پائے جاتے

ہیں۔ پورے ذخیرہ حدیث میں صرف ایک ہی جگہ متعدی بعلى ہے قالہ انور شاہ الکشمیری رحمۃ اللہ علیہ (کشف 1/62):

ما من الانبياء من نبی الا قد اعطی من الايات ما مثله امن علیہ البشر۔ (مکھڑو ہر شرف)

اس وقت ایمان ”اعتماد“ کے معنی میں ہوگا۔ اور اگر لازم میں استعمال ہو تو وثوق کا معنی آس میں لازمی ہوتا ہے۔
ایمان بام کے صلہ کے ساتھ استعمال ہو پھر بھی تو ذوات پر داخل ہوتی ہے جیسے منت باللہ اور کبھی احکام پر داخل ہوتی ہے
جیسے امن الرسول بما انزل الیہ۔ (درس شامی 60)

اصطلاحی معنی: التصدیق بجمع ما جاء به النبی ﷺ بالضرورة تفصيلاً و اجمالاً۔ تمام وہ عقائد و اعمال جو
آپ ﷺ کے بالضرورة ثابت ہیں ان کی تصدیق کرنا باجمال و تفصیل۔
فائدہ: حرام اہل سنت و الجماعت کا مسلک ہے کہ قلیل البلوغ ایمان تقلیدی معتبر ہے اور بعد البلوغ امورا ایمان کا از خود جاننا
ضروری ہے۔ (درس شامی 69)

بالضرورة: اس سے کیا مراد ہے؟

آپ ﷺ اس چیز کو لانا ”بداہتہ“ ثابت ہو یعنی بذریعہ تواتر ثابت ہو محتاج مناظرہ اور محتاج بحث و دلیل نہ
ہو۔ تواتر کی چار اقسام میں سے کوئی بھی قسم پائی جائے تو وہ ”ضرورۃ“ میں داخل سمجھا جائے گا۔

اقسام تواتر

(۱) تواتر فی الاسناد: موجودہ زمانے سے لیکر آپ ﷺ اتنے ناقل روایت ہوں جن کا توافق علی الکذب عقل محال سمجھی ہو۔ جیسے روایت الولد للفراش وللعاهر الحجر۔ یا من کذب علی معصداً فلیعبوا مقعده من النار۔
ایسی پانچ احادیث ہیں۔ یہ متواتر فی الاسناد ہیں۔

(۲) تواتر طبقہ: انفرادی سند نہ بتائی جاسکے اگرچہ موجود ہے۔ مگر مشکل ہے۔ لیکن ناقلین طبقہ در طبقہ اتنے ہیں کہ ان کا
توافق علی الکذب عقلاً محال ہے۔ جیسے قرآن کریم۔ اس میں تواتر طبقہ ہے۔

(۳) تواتر فی التعال: کسی عمل پر امت کا ہر دور میں اتنا بھر پور عمل ہے کہ ان کا توافق علی الکذب محال
ہے۔ جیسے اوقات نماز خمسہ، یہ تواتر علی ہے۔ یہ کسی قولی حدیث سے بالحوالہ ثابت نہیں۔

(۴) تواتر فی القدر المشترك: جیسے معجزات نبوی ﷺ بھی معجزہ بذریعہ تواتر ثابت نہیں۔ لیکن فی الجملہ
”عجاظ نبوی“ ایسی قدر مشترک ہے جو تواتر سے ثابت ہے۔ اس لئے فردا کسی معجزہ کا انکار کرے تو کافر نہیں ہوگا۔ اس عجاظی قدر
مشترک کا انکار کفر ہوگا۔ کیونکہ منکر تواتر و بداہتہ ہے۔ حاصل یہ کہ متواتر شیء پر ایمان لانا مسلمان ہونے کیلئے شرط لازم ہے۔

فائدہ ۱: عند بعض ”شیء متواتر“ کا ہر کس و نا کس کیلئے متعارف ہونا بھی ضروری ہے ورنہ حکم کفر ساقط ہو جائے
گا۔ ”ضرورۃ“ سے مندرجہ بالا حقیقت مراد ہے۔ (انعام 296 و 17)

فائدہ ۲: علامہ شبیر احمد عثمانی کا ارشاد ہے کہ تواتر کی مندرجہ بالا تقسیم یہ متقدمین سے بھی منقول نہیں اس کو طوطی دنیا میں متعارف کرانے
والے سب سے پہلے حضرت الامام مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ (مفسر فہم بحوالہ تحفۃ مصدقہ شریف ص 44)

تصدیق اور اس کی اقسام

”اذعان نسبت“ یعنی ”یقین نسبت“ کو کہتے ہیں۔ ان کا ان اذعاناً للنسبة فتصدیق۔ پھر اختلاف ہوا تو علامہ ہر وہی فرماتے ہیں ”تواحقات ادراک“ نہیں ہے۔ اور عند الحکم ہوا درک محض ہی کا نام ہے۔ البتہ اجماع مذہب اول ہے۔ درجات تصدیق: یقین، ظن، وہم۔ وجہ تصدیق کیلئے وجوہ نسبت ضروری ہے۔ خواہ تصدیق کسی بھی درجہ میں پائی جائے۔ نوٹ مفردات ہمیشہ تصدیق ہوتے ہیں جیسے زید۔ اور قائم تصدیق کیلئے مستلزم مستلک کا ہونا ضروری ہے جیسے زید قائم۔ یہ دو قسم پر ہے۔ ۱: لغوی، ۲: اصطلاحی۔

۱: کسی کو چاق قرار دینا۔ ۲: کسی کو دل سے سچا ماننا خواہ زبان سے اقرار کرے یا نہ کرے۔ ان دونوں کے درمیان تین فرق ہیں۔

فرق (۱) تصدیق لغوی کیلئے اختیار شرط نہیں۔ بغیر اختیار کے بھی تصدیق صادق آجاتی ہے۔ تصدیق اصطلاحی کیلئے ارادہ و اختیار شرط ہے۔ اس لئے کفار کے مسلمان شمار ہوئے کیونکہ ان کو اذعان و تصدیق بلا ارادہ و اختیار حاصل تھی۔

فرق (۲) تصدیق لغوی کیلئے متعلق بالنبی ہونا ضروری نہیں ہے۔ جبکہ تصدیق اصطلاحی کیلئے یہ شرط لازم ہے۔

فرق (۳) تصدیق لغوی کیلئے یقین ضروری نہیں۔ غیر یقینی بھی تصدیق ہو سکتی ہے۔ جبکہ تصدیق اصطلاحی کیلئے یقینی ہونا ضروری ہے۔ (منطق میں یہ پڑھ چکے ہیں۔ ظن، شک، وہم، یقین سب تصدیق میں داخل ہیں۔)

سوال: آپ نے کہا: ایمان کیلئے تصدیق اختیاری ضروری ہے۔ یہ نام، بمنون اور مفتی علیہ کے لحاظ سے ٹوٹ گئی۔ اس لئے کہ اختیار مفقود ہے۔ تو پھر کیا یہ لوگ ”مومن“ نہ ہے؟

جواب: ۱: تصدیق کے لحاظ سے یہاں دو چیزیں ضروری ہیں۔ ۱: تصدیق کا اختیاری ہونا، ۲: تصدیق اختیاری کا مستحضر ہونا۔ تصدیق اختیاری تینوں میں موجود ہے۔ البتہ اس کا احتضار نہیں۔ مگر وہ شرط ایمان نہیں۔ اس لئے ایک آدمی سونے کے وقت مومن ہوتا ہے تو سویا ہوا بھی مومن ہی شمار ہوگا وغیرہ۔

سوال: ایمان کی تعریف دخل غیر سے نہیں۔ اس شخص پر ٹوٹ گئی جس کو تصدیق اختیاری حاصل ہے۔ لیکن اگر اسے کلمہ پڑھنے کو کہا جائے تو وہ کافر کہتے ہیں۔ مگر اس پر ایمان کی تعریف صادق آتی ہے۔ کہ اس کو تصدیق اختیاری حاصل ہے۔

جواب: تصدیق اختیاری کے قابل اعتبار ہونے کیلئے ”اقرار عند الطلب“ شرط ضروری ہے۔ اذافات الشرطیات المشروطہ

سوال: ایک شخص کہتا ہے کہ میں دل سے ایمان لاتا ہوں اقرار باللسان بھی کرتا ہوں۔ لیکن ”قرآن کریم کو تحیفاً باللہ“ گندگی میں ڈالتا ہے تو یہ ایمان کافر ہے۔ حالانکہ اس پر ایمان کی تعریف صادق آتی ہے تو یہاں بھی تعریف دخل غیر سے نہیں ہے۔

جواب: تصدیق اختیاری اور اقرار لسانی کو اس وقت معتبر سمجھا جاتا ہے جب کوئی علامت مکذّب نہ ہو۔ یہاں قرآن کریم کو گندگی میں ڈالنا علامت مکذّب ہے۔ تصدیق و اقرار دونوں کا اعتبار نہیں ہوگا۔ تو بالاجماع کافر ہی ہوگا۔

”اسلام“ لغوی واصطلاحی معنی

لغوی معنی ”انقیاد و گردن نہادن“ ہے۔ اصطلاحی معنی: انقیاد العبد للہ تعالیٰ۔ یا اسلام کا لفظ سلامتی سے ہے۔ چونکہ اسلام کی وجہ سے دنیا میں جزیہ و قتال سے اور آخرت میں عذاب سے سلامتی میں آجاتا ہے اس لئے اس کو ”اسلام“ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اسلام اور ایمان کے درمیان نسبت

اس میں چار اقوال ہیں:-

القول الاول: ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں دونوں میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے۔ گویا اس میں دو مادے ہیں (۱) ایمان عام مطلق ہے جو کہ تصدیق قلبی کا نام ہے خواہ اس کے ساتھ تسلیم ظاہری ہو یا نہ ہو۔ اور (۲) اسلام خاص مطلق ہے جو تصدیق و تسلیم دونوں کے مجموعے پر بولا جاتا ہے۔ فکل اسلام ایمان ولا عکس۔

اس قول کی دلیل آیت کریمہ: ان الدین عند اللہ الاسلام ہے۔ اس آیت شریفہ میں لفظ اسلام دین پر بولا گیا ہے اور دین تصدیق و عمل دونوں کے مجموعے کا نام ہے۔

القول الثانی: ائمہ ثلاثہ اور اکثر محدثین کرام نیز معتزلہ و خوارج کے نزدیک ایمان و اسلام میں مترادف و تساوی ہے۔ اس قول کی دو دلیلیں ہیں:

۱... وقال موسى يقوم ان كنتم بالله فعليه توكلوا ان كنتم مسلمين۔

۲... فاخر جنات من كان فيهما من المؤمنين۔ فاما وجدنا فيها غير بيت من المسلمين۔

کیونکہ قوم سبط کی بستی میں بالاتفاق ایک ہی گھر ائمہ مسلمان تھا۔

القول الثالث: احناف و متکلمین کے نزدیک دونوں میں مفہوماً تغایر اور وجوداً عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے۔ کیونکہ ایمان صرف تسلیم باطنی کا نام ہے۔ اور اسلام صرف تسلیم ظاہری کا نام ہے۔۔۔۔۔ ان دونوں چیزوں کے لحاظ سے تین مادے نکلیں گے۔

۱: ایک مادہ اجتماعی اور دو مادے افتراقی۔ مادہ اجتماعی: تسلیم ظاہری و باطنی دونوں پائی جائیں جیسے مؤمن کامل۔۔۔۔۔ مادہ افتراقی تسلیم باطنی پائی جائے اور تسلیم ظاہری نہ پائی جائے جیسے مؤمن ناقص یا بالعکس۔۔۔۔۔ جیسے منافق یہ قول زیادہ مشہور ہے اور اس کی دو دلیلیں ہیں:

۱... قالت الاعراب امناء قل لم تؤمنوا ولكن قولوا اسلمنا۔

۲... حدیث جبریل: اس میں آپ ﷺ نے ایمان کی تفسیر صرف تصدیق قلبی کے ساتھ کی ہے اور اسلام کی تفسیر تسلیم ظاہری یعنی ادائے شہادتین اور اعمال صالحہ کے ساتھ کی ہے۔

القول الرابع: علامہ سید مرتضیٰ زبیدی شارح احیاء علوم کے نزدیک ایمان اور اسلام میں تغایر فی المفہوم اور تلازم فی الوجود ہے۔ یعنی دونوں کا مفہود تو جدا جدا ہے لیکن ان میں سے ہر ایک کا تحقق دوسرے کو مستلزم ہے کیونکہ ہر ایک دوسرے کیلئے شرط ہے۔ غرض ایمان تسلیم باطنی کا نام ہے بشرطیکہ تسلیم ظاہری پائی جائے۔ اور اسلام تسلیم ظاہری کا نام ہے بشرطیکہ تسلیم باطنی پائی جائے۔ پس ایمان وہ معتبر ہے جو پھوٹ پھوٹ کر اسلام بنتا جائے اور اسلام وہ معتبر ہے جو ریح ریح کر ایمان بنتا چلا جائے۔ حافظ ابن حجر اور علامہ نور شاہ کشمیریؒ کی رائے یہی ہے اور یہی رائج ہے۔

ضد الایمان والاسلام:

ایمان ”امن“ سے ہے اس کی ضد ”خوف“ ہے۔ اور اگر امانت سے ہو تو اس کی ضد ”خیانت“ ہے۔ اسلام کا لغوی معنی مسلم بمعنی صلح ہے۔ اس صورت میں اس کی ضد لڑائی اور جنگ ہے۔ اور اگر اسلام ”سلامتی“ سے ہو تو اس کی ضد ”بد امنی“ ہے۔ ایمان اصطلاحی کی ضد کفر ہے۔ کفر کا لغوی معنی چھپانا ہے۔ اگر کفر ان سے ہو تو اس کا معنی ناشکری ہے۔ چونکہ کافر حق کو چھپاتا ہے تو اس کو کافر اور جو نعمتوں کی ناشکری کرتا ہے تو اس کو بھی کافر کہا جاتا ہے۔ اسی معنی کفر کے لحاظ سے کافر کسان کو بھی کہا جاتا ہے کیونکہ وہ بیچ کو زمین میں چھپاتا ہے۔ کمثل غیث اعجب الکفار نباتہ۔ یہاں کفار کا معنی کاشکار کے ہیں۔ اسی لئے رات کو بھی کافر کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ بہت سی چیزوں کو چھپا لیتی ہے۔ پھر تو سعا ہر سیاہ چیز کو کافر کہہ دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ چہرے کے تل کو بھی۔

کفر کی اصطلاحی تعریف

انکار ما جاء به النبی ﷺ۔ یہاں جمیع کالفاظ نہیں بولا۔ اس لئے کہ کسی بھی ایک قطعی بات کا انکار کفر ہے۔ سب کا انکار ضروری نہیں۔ جبکہ ایمان کیلئے جمیع ما جاء به النبی ﷺ کی تصدیق ضروری ہے۔

اقسام کفر: ۱۔ کفر انکار: دل و زبان دونوں سے انکار کرے جیسے مشرکین ملک کفر۔ ۲۔ کفر عناد: دل سے یقین بھی ہے زبان سے اقرار بھی کرتا ہے مگر قبول نہیں کرتا۔ ۳۔ کفر جحود: دل سے حق ہونے کا یقین ہے مگر زبان سے اقرار نہیں کرتا جیسے بلیس اور یہو کا کفر۔ فلما جاءهم ماعرفوا کفروا۔ ۴۔ کفر نفاق: زبان سے اقرار اور دل سے انکار۔

اصول تکفیر: مذہب پر عمل پیرا کچھ لوگ افراط کاشکار ہیں۔ کسی کو بھی کافر قرار دینے میں کوئی تامل نہیں کرتے جبکہ اس میں جلد بازی سنگین جرم ہے۔ اسی طرح دنیا کے لحاظ سے صلح کن اور رواداری کے حامل تقریباً میں مبتلی ہیں۔ وہ ظاہری سطح دیکھ کر عقائد پر غور کئے بغیر جلدی سے اسلام کا سرٹیکٹ جاری کر دیتے ہیں۔ عقائد کفریہ کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ یہ دو انتہائیں ہیں۔ اور قابل مذمت ہیں۔ جبکہ ان کے درمیان ”راہ اعتدال“ کا نام حق ہے۔

اصول (۱) جس چیز کا ثبوت قرآن و سنت سے قطعی الدلائل ہو اس کا انکار کفر ہے۔ جیسے اقيموا الصلوة۔ صلوة اپنے معنی میں قطعی الدلائل ہونے کی وجہ سے کسی اور معنی کا محتمل نہیں۔ بعض حضرات نے ایک ”ترم گوشہ“ کا لالہ ہے۔ ہر قطعی الثبوت

اور قطعی الدلائل چیز کا انکار موجب کفر نہیں۔ بلکہ ان قطعیات کا انکار کفر ہے۔ جس کو ہر مامد خاص اچھی طرح دین کا حصہ سمجھتے ہوں۔ تاہم قول فیصل یہ ہے اگر کوئی شخص قطعیات میں سے کسی کا انکار کرتا ہے جو لوگوں میں ”مربہ قطعیات“ کے لحاظ سے متعارف نہیں تو اس کو فوراً کافر کہنے کی بجائے ”توقف“ کر کے اس کی صحیح حقیقت کی طرف متوجہ کیا جائے گا۔ اور اس کے دلائل قطعیت اس کے سامنے رکھے جائیں گے۔ بعد ازاں بھی وہ انکار پر مصر رہے اور وہ قطعیت میں ملنے کو تیار نہ ہو تو اس کو کافر قرار دیا جائے گا۔

اصول (۲) جیز ملحوظ رہے کہ قطعی مسئلہ کا انکار بھی قطعی ہو۔ احتمال کفر کی بنا پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا جائے گا۔ اسی لئے حضرات فقہاء کرامؒ نے یہ اصول بیان کیا ہے کوئی شخص مجمل یا ذو معنی لفظ ایسا بولے جو بہت سے معانی پر دال ہو اس میں ایک ہی احتمال موجب ایمان ہو اور دیگر احتمالات کفریہ ہوں تو موجب ایمان احتمال کو ترجیح دی جائے گی۔ چنانچہ عند الفقہاء مسئلہ ہے: اگر کسی کے کلام میں تناوے احتمال کفر ہوں اور ایک احتمال اسلام ہو تو مسلم قرار دیا جائے گا۔

اس سے مراد احتمال کفر ہے، صریح کفر نہیں۔ تاہم واضح رہے ذو معنی کلام اور کفریہ احتمال پر مبنی بات کرنا بھی منع ہے اور گناہ ہے۔ اگرچہ کفر نہ ہو۔

اصول (۳): لزوم کفر کفر نہیں۔ بلکہ التزام کفر کفر ہے۔ اگر کسی شخص نے بدھیانی میں کوئی کلمہ کفر کہہ دیا ہے جب متوجہ کیا گیا تو اس نے اس پر التزام نہیں کیا تو اس پر کفر کا فتویٰ نہیں لگائیں گے۔

اصول (۴): انسان ظاہر کا مکلف ہے۔ باطن کی تحقیق پر اسے قدرت ہی نہیں۔ لہذا ظاہر ہی مدار کفر ہوگا۔ جیسے آپ ﷺ نے حضرت اسامہ بن زیدؓ کو اس وقت فرمایا تھا جب ظاہری صورت حال کے لحاظ سے ان کا مد مقابل کافر جان بچانے کیلئے کلمہ پڑھ رہا تھا اور قرآن کے لحاظ سے وہ جنگ کا موقع بھی تھا۔ اس وقت کے کلمہ ظاہر کا اعتبار کر کے آپ ﷺ نے ناراضگی کے طور پر حلا شققت قلب فرمایا اور عند اللہ اس فعل کی براہمت کا اظہار بھی فرمایا۔

فائدہ ۱: مرتکب کفر کو ”کافر“ کہنا کوئی گالی یا بدھندی نہیں بلکہ اس سے بچاؤ کیلئے تنبیہ کرنا مقصود ہے۔ اس لئے علماء اور حضرات مفتیان کرامؒ کسی کو کافر نہ بتاتے ہیں۔ چنانچہ کسی عالم نے آج تک کسی کو یہ نہیں کہا آپ قادیانی یا شیعہ ہو جاؤ وغیرہ جیسے اکثر پیداشدہ مرض کی نشاندہی کرتا ہے، مرض پیدا نہیں کرتا۔ اس لئے اگر اظہار کفر نہ کیا جائے تو حقیقت اسلام یہ اور کفر ملتحمس ہو جائیں گے۔ آخرت کا بلنا تو ہر ایک طرف دنیا ہی میں نظام اسلام کے چلنے کی کوئی صورت نہیں بن سکی۔ یہ شخص اسلامی کا قاتل ہے۔

فائدہ ۲: قرآن کریم کی آیت شریفہ وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْفَقِيَ الْيُكْمَ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا کہ ”سلام“ علامت اسلام ہے اور حدیث: مَنْ صَلَّى صَلَاتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَآكَلَ ذَبِيبًا فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَفِي رِوَايَةٍ فَهُوَ مُؤْمِنٌ۔ یہ علامات اسلام ہیں۔ ان کا اعتبار اس وقت تک ہوتا ہے جب کوئی علامت مکذوب نہ پائی جائے۔ لہذا قادیانی، یا کوئی پرویزی اپنے اعتقاد بد کو باقی رکھتے ہوئے اس آیت شریفہ یا حدیث پاک سے استدلال کرتے ہوئے مسلمان نہیں ہو سکتے۔

نوٹ: اہل القبلہ سے مراد لغوی معنی نہیں بلکہ یہ ایک اصطلاح ہے مراد یہ کہ حرام ضروریات دین کا قاتل ہو۔ محض قبلہ کی طرف رکن نماز کی ادائیگی مراد نہیں۔

اس حدیث پاک کی روشنی میں یہ جملہ اہل عقائد اور حضرت امام اعظمؒ سے بھی منقول ہے: لانکفر اهل القبلة سے مراد بھی یہی ہے کہ ضروریات دین میں سے کسی کا انکار یا علامت مکذبة للایمان نہ پائی جائے۔

فائدہ ۳: حضرات فقہاء کرام کا قول ہے: منکر کافر ہوتا ہے لیکن مؤول کافر نہیں ہوتا۔ اس جملہ کی روشنی میں قادیانی دعویٰ کرتے ہیں کہ خاتم النبیین میں ہم ختم نبوت کا عقیدہ رکھتے ہوئے تاویل کرتے ہیں کہ نبوت تشریحی ختم ہو چکی ہے مگر غیر تشریحی یعنی ظلی بروزی باقی ہے۔ تو اس تاویل کی روشنی میں ہم پر کفر کا فتویٰ زیادتی ہے۔

اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ قطعی الثبوت نص میں وہ تاویل جو تواتر کے خلاف نہیں وہ کفر نہیں۔ اگرچہ وہ غلط ہے۔ اگر تواتر کے خلاف ہو تو وہ کفر سے نہیں بچا سکتی۔ مثلاً ”اقیموا الصلوٰۃ“ کا انکار نہ کرے اور تاویل کا راستہ اختیار کرتے ہوئے صلوٰۃ کا معنی ”محرم یک الصلوٰۃ“ یعنی ”کو لہے مکانا“ اور یہ کہے کہ ”اقیموا الصلوٰۃ“ کا یہ معنی ہے کہ قص و سرور کے اڈے قائم کرو۔ یہ تاویل اس کو کفر سے نہیں بچا سکتی۔ اسی طرح قادیانی ٹولہ کی یہ تاویل تواتر کے خلاف ہے، لہذا کفر سے نہیں بچ سکتے۔

حقیقت ایمان میں چھ مذاہب مشہور ہیں۔

(۱) جہیہ کے نزدیک ایمان فقط معرفت قلبی کا نام ہے۔ (اس مسلک کے بانی کا نام جہم بن صفوان ہے۔)
(۲) معتزلہ (کابانی و اصل بن عطاء ہے۔) و خوارج کے ہاں ایمان امور ثلاثہ کے مجموعہ کا نام ہے۔ ۱: تصدیق قلب، ۲: اقرار لسان، ۳: عمل بالجوارح۔ ان کے نزدیک اعمال صالحہ جزو ایمان ہیں اور مرتکب گبیرہ خارج از ایمان اور مخلد فی النار ہے۔ لیکن معتزلہ ”منزلہ بین المنزلین“ کے قائل ہیں کہ ایمان و کفر کے درمیان ایک درجہ ہے، مرتکب گبیرہ ایمان سے تو خارج ہو گیا مگر کفر میں داخل نہیں ہوا۔ خوارج اس کو کافر بھی کہتے ہیں۔

یہ مذاہب افراط پر مبنی ہیں۔

(۳) مرجیہ کے نزدیک ایمان فقط تصدیق قلبی کا نام ہے۔
(۴) کرامیہ (اس کی نسبت محمد بن کرام کی طرف ہے۔) ایمان فقط اقرار لسانی و ظاہری کو کہتے ہیں۔ تو مرجیہ اور کرامیہ دونوں اعمال صالحہ کو قطعاً غیر ضروری، ایمان سے بالکل خارج اور لا تعلق جانتے ہیں۔
یہ دونوں مذاہب تفریط پر مبنی ہیں۔

(۵) امام ابوحنیفہؒ اور جمہور فقہاء و متکلمین، امام غزالیؒ و امام الحرمینؒ کے نزدیک ایمان فقط تصدیق قلبی کا نام ہے۔ لیکن ترک عمل سے کمال ایمان فوت ہو کر ان کے نزدیک بھی فسق لازم آجاتا ہے۔

فائدہ: (متکلمین ان حضرات کو کہا جاتا ہے جو عقائد میں گفتگو کرتے ہوں۔ عقائد میں ہم امام ابو منصور ماتریدی (تین واسطوں سے امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد ہیں [کشف 560 ج 1]) اور فقہ میں امام اعظم ابوحنیفہؒ کے اور باقی ائمہ کرام امام ابو الحسن اشعری کے مقلد ہیں۔ البتہ ان دو حضرات میں چند مسائل کا لفظی اور تعبیری اختلاف ہے۔

باقی اقرار لسانی اجراء احکام دنیویہ کیلئے عند المطالبہ ضروری ہے۔ لیکن نفس ایمان کی ماہیت کیلئے شرط اور جز نہیں۔ البتہ قدرت کے باوجود اقرار سے انکار کفر ہے۔

(۶) ائمہ ثلاثہؒ اور اکثر حضرات محدثینؒ کے نزدیک ایمان تصدیق قلبی اور عمل جوارح دونوں کے مجموعے کا نام ہے۔ لیکن ترک عمل سے ارتداد یا خروج عن الاسلام ان کے نزدیک بھی لازم نہیں آتا۔ جیسا کہ معتزلہ و خوارج کا مذہب ہے۔ تاہم اقرار لسانی میں ان کے ہاں بھی سابقہ تفصیل ہے۔

یہ دونوں آخری مذاہب توسط و اعتدال پر مبنی ہیں۔ غور کیا جائے تو ان میں نزاع لفظی ہے۔ محض تعبیر اور عنوان کا اختلاف ہے۔ کیونکہ تمام اہل حق کا اس پر اتفاق ہے کہ ایمان کی حقیقت فقط تصدیق قلبی ہے اور اعمال صالحہ ایمان کا جزو اصلی نہیں۔ جیسا کہ معتزلہ و خوارج کا مذہب ہے۔ اسی طرح سب اس پر بھی اتفاق ہیں کہ کمال ایمان کیلئے اعمال صالحہ از حد ضروری ہیں۔ اگرچہ جزو لازم نہیں۔ لیکن غیر ضروری ہرگز نہیں جیسا کہ مرجیہ اور کرامیہ کا مذہب ہے۔

بھی وجہ ہے حضرت امام ابوحنیفہؒ مرکب گبیرہ کو فاسق قرار دیتے ہیں۔ پھر ان دو حقائق پر اہل حق کے اتفاق کے باوجود ایمان کی تعبیر و تعریف میں ان حضرات کا آپس میں اختلاف ہے۔

ائمہ ثلاثہؒ نے ایمان کی تعریف میں اعمال کو داخل کر دیا۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے تعریف و تعبیر میں داخل نہیں کیا۔ تو حقیقت ایمان کی تعریف میں اہل حق کا یہ باہم اختلاف کیوں ہوا؟

تعبیری اختلاف کی وجہ

اس تعبیری اختلاف کی وجہ اصولی نہ نہ نہیں۔ حقیقت یہ ہے ہر گروہ نے اپنے زمانہ کے باطل فرقوں کے مقابلہ میں دینی مصلحت کی خاطر مناسب عنوان اختیار کیا۔ چنانچہ امام اعظمؒ کو معتزلہ و خوارج سے زیادہ واسطہ پڑا جن کے نزدیک اعمال صالحہ حقیقت ایمان کا جز ہیں۔ اور مرکب گبیرہ ایمان سے خارج اور مخلد فی النار ہے۔ اس لئے حضرت امام صاحبؒ نے ان کے مقابلہ میں مذکورہ بالا تعبیر فرمائی۔ اور تعبیر کی حد تک اعمال صالحہ کو ایمان کی تعریف سے خارج رکھا۔ تاہم دوسرے ائمہ و محدثین کرامؒ کو زیادہ واسطہ مرجیہ اور کرامیہ سے پڑا۔ جو اعمال صالحہ کو قطعاً غیر ضروری اور ایمان سے خارج و لا اخلق سمجھتے تھے۔ اس لئے ان کی تقریبات کی اصلاح کیلئے انہوں نے دوسری تعبیر اختیار کی۔ بہر حال تمام اہل سنت و الجماعت کے نزدیک اعمال صالحہ ایمان کا جز ہیں مگر جزو تنزیہی ہیں ان کے فوت ہونے سے کمال ایمان اور اس کی زینت و توفیق ہوتی ہے۔ مگر نفس ایمان فوت نہیں ہوتا جیسے خدا خواست لیک انسان کا بازو کاٹا ہوا ہو۔ اگرچہ وہ انسان ہے مگر با کمال اور باریت نہیں ہے۔ چنانچہ ایک شخص محض تصدیق قلبی کے بعد فوت ہو جائے، اقرار و عمل کی نوبت نہ آئے اس پر احکام مومن میراث، جنازہ تجہیز و تکفین و تدفین جاری ہوں گے جس سے واضح ہو گیا حقیقت ایمان میں ”حق علیہ فقط تصدیق قلب“ ہے۔

(نوٹ: حقیقت ایمان میں مذاہب کی وجہ صبر بطور ضمیمہ کتب کے آخر میں ص 594 دی گئی ہے۔)

اصحاب مذاہب کے دلائل (۱) دلائل احناف

(اصولی دلائل)

نمبر ۱: ... حضرت امام صاحبؒ کا مسئلہ وہ آیات و روایات ہیں جن میں ایمان کو قلب کی طرف منسوب کیا گیا۔ اگر ایمان میں اعمال جوارج داخل ہوتے تو صرف قلب ہی کو محل ایمان کیوں کہا جاتا۔ جیسا کہ کثرت آیات میں محل ایمان قلب ہی کو بتلایا گیا۔
۱: و قلبه مطمئن بالإيمان۔ قرآن کریم نے ایمان کا تعلق صرف قلب سے قرار دیا ہے۔ چنانچہ اگر حالت اکراہ میں زبان سے کلمہ کفر بھی کہہ دے مگر دل مطمئن بالایمان ہو تو کافر نہیں۔

۲: آیت ثانیہ: کتب فی قلوبہم الایمان۔ ایمان کا محل کتابت قلب کو بتایا گیا ہے اور کوئی عضو اس کا محل ہی نہیں۔

۳: و لكن الله يحب الحكماء الایمان وزينه فی قلوبکم۔ محل زینت ایمان کا قلب ہے۔

۴: ولما يدخل الایمان فی قلوبکم۔ دخول ایمان فی القلب ہے۔

۵: حضرت ابراہیمؑ کا ارشاد مبارک: و لكن لیطمئن قلبی۔ محل اطمینان ایمان کیلئے قلب کو قرار دیا جا رہا ہے۔

۶: نیز حدیث شریک میں ارشاد ہے: من کان فی قلبه معقال حب من خود دل من الایمان۔ یہاں بھی محل ایمان قلب ہے۔

نمبر ۲: دلیل ثانی وہ تمام آیات و روایات ہیں جن میں اعمال صالحہ کو ایمان پر بطور عطف ذکر کیا گیا ہے۔ اور عطف مغایرت کی دلیل ہے۔ اگر اعمال صالحہ جزو ایمان ہوتے تو ”عطف“ کی ترکیب نہ اختیار کی جاتی۔ نیز یہ کہنا کہ یہ ”جز“ کا نکل پر عطف ہے، اس لئے صحیح نہیں کہ یہ مشہور اور شائع ذائع نہیں ہے۔ دوسرے اس لئے کہ عطف میں اصل مغایرت ہے۔ اس لئے جز کا نکل پر عطف ہونا خلاف اصل ہے۔

نیز عمل صالح ایمان کے مسکن سے خارج ہے کیونکہ والذین آمنوا و عملوا اگر آمنوا میں عمل آچکا ہے تو عملوا الضلخت سے تو عمل کا تکرار لازم آتا ہے۔ (قال الرازی علیہ السلام)
چنانچہ آیات دیکھیں:

ان الذین آمنوا و عملوا الضلخت کانت لهم جنت الفردوس نزلنا۔

آیت ثانیہ: ان الذین آمنوا و عملوا الضلخت سيجعل لهم الرحمن ودا۔

نمبر ۳: وہ تمام آیات و روایات ہیں جن میں اہل ایمان کو توبہ و تقویٰ کا حکم دیا گیا ہے۔ ان سے معلوم ہوتا ہے اعمال صالحہ کے نزاع ہونے کے باوجود ایمان باقی ہے۔ جن میں یا ایہا الذین آمنوا سے خطاب کیا جا رہا ہے۔ مثلاً یا ایہا الذین آمنوا توبوا الی اللہ توبۃ نصوحا۔

نمبر ۴: وہ روایات ہیں جن میں صرف کلمہ پڑھنے پر جنت کی بشارت کی نوید ہے۔ مثلاً حضرت ابوذرؓ کی

روایت: مامن عبدہ قال لا اله الا الله ثم مات على ذلك الا دخل الجنة۔۔۔ عرض کیا گیا: وان زنى وان سرق؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وان زنى وان سرق۔ تین بار تکرار ہوا۔ معلوم ہوا: سرقة وزنا کے باوجود ایمان سلب نہیں ہوتا۔

نمبر ۵: وہ آیات شریفہ جن میں عمل صالح کے ساتھ ”وہو مومن“ کی قید لگائی گئی ہے۔ اگر عمل جز ہوتا تو یہ قید کیوں لگاتے۔ یہ بھی مسئلہ ثابت ہو رہا ہے عمل ایمان سے علیحدہ شیء ہے۔ مثلاً ومن يعمل من الصلوات وهو مومن۔ واطيعوا الله ورسوله ان كنتم مومنين۔ قاعدہ ہے شرط الشیء خارج الشیء۔

نمبر ۶: وہ آیات و روایات ہیں جن میں باوجود عصیان کے ایمان کا اطلاق ہوا ہے جیسے وان طائفان من المومنین اقتتلوا فاصلا حواہینہما۔ فان بغت احدهما الخ، جو امر خداوندی سے ہٹا ہوا ہے۔ اے باغی تو قرارد یا جا رہا ہے۔ لیکن اس کے باوجود مومن فرمایا گیا۔ ایمان و عصیان باہم ضد ہوں تو جمع نہ ہوں۔ الشیء لا یجمع مع ضده

جمہور محدثین اور ائمہ ثلاثہ کے دلائل

- (۱) بنی الاسلام علی خمس۔ (۲) الایمان بضع وسبعون شعبۃ۔
 - (۳) الحیاء شعبۃ من الایمان۔ (۴) لا یؤمن احدکم حتی یحب لا یمینہما یحب لنفسہ او کما قال علیہ السلام
- امام بخاریؒ نے کتاب الایمان میں آخر تک جتنے تراجم قائم کئے ہیں ان سب کے تحت جمہور کے مستدلات ذکر فرمائے ہیں۔ اکثر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایمان مجموعہ کا نام ہے۔ (تصدیق اقرار اور اعمال صالحہ)

دلائل معتزلہ و خارجیہ (خوارج)

وہ آیات و روایات جن میں ترک اعمال سے ایمان کی نفی گئی ہے یا تارک اعمال کو کافر کہا گیا ہے۔ مثلاً: ومن یقتل مؤمناً معمداً فجزاءہ جہنم خالداً فیہا۔

قتل عمر گناہ گبیرہ اور اس کی سزا قتل فی النار ہونے لگتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے انکتاب گبیرہ سے ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔

اسی طرح حدیث میں ہے: لا ایمان لمن لا امانۃ لہ۔ ولا دین لمن لا عہد لہ۔ نیز من ترک الصلوۃ معمداً فقد کفر۔

ان کبار کے مرتکبین سے دین و ایمان کی نفی کی گئی ہے اور ایک روایت میں حکم صریح کفر کا بھی ہے۔ ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اعمال صالحہ ایمان کا جزو لازم ہیں۔

دلائل کرامیہ و مرجیہ

وہ احادیث جن میں تصدیق یا نفی اقرار کو ”ایمان“ قرار دیا گیا ہے۔ اور نجات کی بشارت دی گئی ہے۔ مثلاً

(۱) من قال لا اله الا الله دخل الجنة۔ (۲) امرت ان اقاتل الناس حتی يشهدوا ان لا اله الا الله۔ فاذا فعلوا ذلك فقد عصمو امنی دما نفوساً و اموالہم الا بحق الاسلام۔

حضرات احناف و متکلمین کی طرف سے دیگر مذاہب کے اصولی جوابات:

زیادہ تر جوابات کا رخ حضرات محدثین کی طرف ہے تاہم ساتھ ساتھ معتزلہ، کرامیہ، مرجیہ اور خارجیہ کا بھی جواب ہو جائے گا۔
نمبر ۱: ایک نفس ایمان ہے اور ایک کمال ایمان ہے۔ نفس ایمان ”تصدیق“ ہے اور وہ بسیط ہے۔ تو کمال ایمان کیلئے اعمال صالحہ ضروری ہیں۔

جیسے ذات انسان اور اس کے اعضاء۔ اگر کسی کے خدا خواستہ اعضاء ہوں تو وہ انسان ہے گو ناقص ہے۔ یا جیسے درخت۔ اس کی ذات تو تنہا ہے مگر شاخیں، پتے، پھل پھول وغیرہ اجزائے زائیدہ ہیں۔۔۔ یہی نفس ایمان اور کمال ایمان کی حقیقت ہے۔۔۔ لہذا جن آیات میں محل ایمان قلب کو قرار دیا گیا ہے وہ نفس ایمان کے لحاظ سے ہے۔ اور جن آیات و روایات میں شعب ایمان کا ذکر ہے یا یاد کرے کہ ایمان کسی مجموعہ کا نام ہے وہ کمال ایمان پر محمول ہیں۔ کیونکہ اعمال کمال ایمان کا جز ہیں۔ نیز من ترک الصلوٰۃ متعمداً فقد کفر وغیرہ اس طرح کی روایات و احادیث تشدید و تخیل پر محمول ہیں۔ یا کفار کے ساتھ تشبیہ پر محمول ہیں۔

ربی آیت مبارکہ: من یقتل مؤمناً متعمداً اس میں قاتل پر مغلہ فی النار کا حکم لگایا گیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے:۔۔۔ یہ کافر کے بارے میں ہے۔ اسلئے کہ کسی مؤمن کے ایمان کو قبیح سمجھ کر (خدا خواستہ) قتل کرے تو وہ کافر ہی ہو سکتا ہے گو یا آیت کافر پر محمول ہے۔

۲۔۔۔ اگر مسلمان مراد ہو تو مستحل پر محمول ہے۔ ۳۔۔۔ زجر و توبخ پر محمول ہے۔

نمبر ۲: ایک نفس ایمان ہے اور ایک نور ایمان ہے۔ اعمال نور ایمان کا جز ہیں نفس ایمان کا نہیں۔
نمبر ۳: ایک ایمان قالی اور ایک ایمان حالی ہے۔ ایمان قالی نفس تصدیق سے متحقق ہوتا ہے۔ مگر ایمان حالی معصیت کے ساتھ جمع نہیں ہوتا۔ نہ ہی بغیر اعمال کے متحقق ہوتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

لا یزنی الزانی حین یزنی و هو مو من۔ میں یہی مراد ہے کہ معصیت کے وقت حالت ایمانی نہیں رہتی۔

نمبر ۴: ایک نفس ایمان ہے اور ایک قوۃ ایمان ہے۔ نفس ایمان تو محض تصدیق سے حاصل ہو جاتا ہے۔ البتہ قوۃ ایمان اعمال سے پیدا ہوتی ہے۔ تو لا ایمان لمن لا امانۃ لہ اور ایسی دیگر روایات میں قوۃ ایمان کی نفی ہے۔

نمبر ۵: ایمان کی دو اقسام ہیں۔ ایک ایمان منجی مطلقاً اس کو ایمان نظری بھی کہہ سکتے ہیں۔ دوسرا ایمان منجی اولاً۔ اس کی تعبیر ثانی اس طرح ہے: کہ دخول جنت دو قسم پر ہے۔ ۱: دخول اولیٰ۔ ۲: دخول مطلق۔ یعنی سزا بھگت کر دخول جنت ہو یا بغیر سزا کے فضل خداوندی سے دخول جنت ہو جائے۔ جن آیات و روایات میں بغیر عمل کے دخول جنت کا ذکر ہے۔ ان سے مطلق دخول جنت مراد ہے۔ اور جن میں اعمال کی شرط ہے وہاں دخول اولیٰ مراد ہے۔ تو اعمال دخول اولیٰ کیلئے شرط اور جز ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اصل جواب ایک ہی ہے گو تعبیرات کا اختلاف ہے۔ جس کا ایمان کامل ہو گیا اس کو نور ایمان، قوۃ ایمان،

حلاوة ایمان اور دخولِ اولیٰ بھی حاصل ہو گیا۔ حضراتِ حنفیہ کی طرف سے اس وضاحتی تشریح کے بعد کوئی آیت و روایت باہم متعارض نہیں۔ ہر ایک کا محلِ متعین ہو گیا۔ اور حضرت امام اعظمؒ کا مذہب کسی آیت و روایت کے خلاف بھی نہ رہا۔

اعمالِ ایمان کا جز ہیں یا نہیں؟

اس پر دو مسئلے متفرع ہوتے ہیں۔

مسئلہ اولیٰ: ایمان بسیط ہے یا مرکب ہے۔ جو جزئیاتِ اعمال کے قائل ہیں وہ مرکب تسلیم کرتے ہیں اور حضرت امامؒ فرماتے ہیں بسیط ہے۔ (دلائل و جوابات گذر چکے ہیں۔)

مسئلہ ثانیہ: ایمان میں کی زیادتی ہو سکتی ہے یا نہیں؟

اہل سنت والجماعت کے اس بارے میں تین مسلک ہیں:-

(۱) حضرت امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور جمہور محدثینؒ اس کے قائل ہیں: یزیدو ینقص۔

(۲) حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں: یزیدو لا ینقص۔

(۳) حضرت امام اعظمؒ فرماتے ہیں: لا یزیدو لا ینقص۔

دلائل محدثین کرامؒ (۱) امام بخاریؒ چونکہ جمہور محدثینؒ کے ساتھ ہیں اس لئے الایمان یزیدو ینقص کے دلائل دے رہے ہیں جو بخاری شریف میں موجود ہیں۔

دلائل امام مالکؒ: فرماتے ہیں کہ تمام آیات و روایات جو جمہور محدثینؒ ذکر فرماتے ہیں ان سب میں الایمان یزیدو لا ینقص کا ذکر ہے لیکن ینقص کا ذکر نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے زیادتی کی آپس میں متقابلیت نہیں۔ پہلے کی کمی تو زیادتی ثابت ہوئی۔

حضراتِ احناف کی طرف سے جوابات

جواب ۱: یہ کی بیشی نفسِ ایمان کے لحاظ سے نہیں بلکہ ”مؤمن بہ“ کے لحاظ سے ہے۔ مثلاً پہلے دس آیات پر ایمان تھا پھر دس آیات مزید نازل ہو گئیں تو ایمان میں اضافہ ہوگا۔ مگر اس توجیہ کے ساتھ ایمان کی زیادتی آپ ﷺ کے دورِ وحی کے ساتھ خاص ہو جائے گی۔

جواب ۲: ایمان منجی مطلق میں کی بیشی نہیں ہوا کرتی تاہم وہ ایمان جو جنت میں دخولِ اولیٰ کا سبب ہے یعنی کامل ایمان اس میں کی زیادتی ہو سکتی ہے۔

جواب ۳: درجاتِ تصدیق دو ہیں۔ ۱: نفسِ تصدیق۔ ۲: کیفیتِ تصدیق۔ نفسِ تصدیق کے اعتبار سے الایمان لا یزیدو ولا ینقص۔ اور کیفیتِ تصدیق کے لحاظ سے الایمان یزیدو ینقص۔ جیسے زیر و کابل و ۱۰۰ اوٹ کا بلب نفسِ ضوہ میں برابر ہیں مگر کیفیتِ ضوہ میں فرق ہے۔

فائدہ ۱: دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث حضرت مولانا سعید احمد پالپوری مدظلہم فرماتے ہیں کہ میرے استاذ حضرت مولانا ابراہیم بلیاوی قدس سرہ فرماتے تھے کہ کبھی شریعت کسی لفظ کو لیکر اس کے لغوی معنی برقرار رکھ کر اپنی علاحدہ اصطلاح مقرر کرتی ہے اور الفاظ کو نئے معنی میں استعمال کرتی ہے جیسے صلوٰۃ و زکوٰۃ اور حج، اور کبھی لفظ کو لغوی معنی ہی میں رکھ کر استعمال کرتی ہے کوئی علیحدہ معنی مقرر نہیں کرتی پس جہاں کوئی مضبوط دلیل ہو کہ شریعت نے لفظ کو نئے معنی میں استعمال کیا ہے وہاں وہی معنی مراد ہوں گے۔ جہاں ایسی کوئی دلیل نہ ہو وہاں لغوی معنی ہی مراد ہوں گے۔ لفظ ایمان کے شریعت نے کوئی نیا معنی مقرر نہیں فرمایا لہذا قرآن وحدیث میں جہاں بھی ایمان کا ذکر آیا ہے اس کے لغوی معنی ہی مراد ہوں گے اور ایمان کا لغوی معنی، تصدیق، کسی کو تکذیب سے مامون کر دینا اور یہ قلب کا فعل ہے اور بسیط ہے لہذا ایمان کا بسیط ہونا ثابت ہوا۔ (تحفۃ الباری ۱/۱۹۰)

فائدہ ۲: حضرات فقہاء احناف کا مسلک حقیقتاً ایمان میں ظاہر آیات قرآنیہ کے زیادہ موافق ہے کہ ایمان بسیط ہے جو حنفیہ کے اصول کے مطابق ہے کہ کسی بھی مسئلہ کے بارے میں اولین ترجیح قرآن کریم کو ہوگی اور بالمقابل روایات کی تاویل و توجیہ ہوگی۔ جبکہ جمہور محدثین کا مسلک ظاہر احادیث کے زیادہ موافق ہے کہ ایمان مرکب ہے۔ حنفیہ کی طرف سے تطبیق و جوابات گزر چکے۔

فائدہ ۳: ایمان و کفر باہم نقیض ہیں، جب کفر میں ترکیب نہیں ہو سکتی تو ایمان میں بھی ترکیب نہیں ہونی چاہئے۔ البتہ دونوں میں درجات ہیں کما قال تعالیٰ: وَلَنَكْفُرَنَّهُمْ بِالْكَفْرِ الْفَجْرَةَ الْفَجْرَةَ لَا تَفْقَهُمْ بَلْ كُفِرُوا بِالْإِثْمِ الْجَمْعِ رُبَّ

محل ایمان کیا ہے؟

امام شافعیؒ کے نزدیک محل ایمان ”دل“ ہے اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک محل ایمان ”دماغ“ ہے۔ (فیض الباری) ایمانیات کی مباحث میں احناف کی طرف سے جتنے دلائل ذکر کئے گئے ہیں وہ اسی بات کی طرف مشعر ہیں کہ محل ایمان ”قلب“ ہے کتب فی قلوبہم الایمان، لما یدخل الایمان فی قلوبکم، وزینہ فی قلوبکم، وقلوبہ مطمئنن بالایمان۔ نیز من کان فی قلبہ متقال حبۃ من خردل من ایمان وغیر ذلک۔ الغرض آیات قرآنیہ اور احادیث مبارکہ جن کو ہم نے ”تصدیق فی القلب“ کیلئے مستدل بنایا ہے وہ ایمان کو مستقر فی القلب قرار دے رہی ہیں۔

اسی لئے صاحب فیض الباری نے مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھا: حضرت امام اعظمؒ کی طرف یہ منسوب قول مجمع البحار میں تو ہے دیگر قدیم کتب اس کی تائید نہیں کرتیں۔ جبکہ کتاب الجنائز ہدایہ میں یہ قول امام اعظمؒ کا نقل کیا گیا ہے:

”امامہیت کی محاذ استہد میں کھڑا ہو کہ وہ محل ایمان ہے۔“

اس لئے احناف کی طرف منسوب اس قول کو معتبر قرار دینا کہ محل ایمان دماغ ہے مشکل ہے اور مستلزمات اس کی تائید نہیں کرتے۔ نیز اس پر سوال ہے کہ دفع عقل کی صورت میں جو دماغ میں ہوتی ہے رفع ایمان کو بھی تسلیم کیا جائے گا یا نہیں؟ ظاہر ہے رفع احکام تو بخون اور بے عقل کیلئے ہے مگر رفع ایمان نہیں ہے۔ اس لئے بخون کے انتقال کے بعد اس پر وہ احکام جاری ہوتے ہیں جو صحیح عقل مومن پر جاری ہوتے ہیں۔ نماز جنازہ، غسل، اور حلقہ السلین کے قبرستان میں تدفین، اجرائے

وراثت وغیرہ، گویا اس کو مومن شمار کیا جا رہا ہے اگر ایمان کا تعلق دماغی عقل سے تھا تو وہ نہیں تھی۔ لیکن اگر کوئی کافر (مرتد) ہو جائے تو یہ احکام جاری نہیں ہوں گے۔ اگرچہ وہ عقلمند ہو۔

امام شافعیؒ و جمہور محدثینؒ چونکہ ترکیب ایمان کے قائل ہیں اور مستقلاً اعمال اعضاء و ارکان کو افراد و اجزاء ایمان مانتے ہیں۔ ان کے نزدیک محل ایمان دماغ ہو اور اشرف و اعظم عضو کی وجہ سے وہ دماغ کی طرف نسبت فرمائیں تو بات اقرب الی الفہم ہے۔ مگر احناف کی طرف قرین قیاس معلوم نہیں ہوتی۔

چنانچہ کافر کی نابالغ اولاد بہر حال عقل تمیز (اتنی جس کو تم محل روایت کے لئے قابل قبول قرار دیتے ہیں۔) رکھتی ہے اس کا انجام مدار عقل نہیں ٹھہراتے۔ کچھ حضرات جمیعہ و الدین قرار دیتے ہیں جبکہ ایک بہت بڑا طبقہ بہر حال اس پر متفق ہے کہ غلو دنار نہ ہوتے ہوئے اعراف یا غلامانہ خدمات کے طور پر جنت میں ان کا دخول ہوگا۔ جس سے کچھ اعزازہ ہو سکتا ہے کہ عقل محض مدار ایمان نہیں ہے۔ انجام کا تعلق محل قلب سے ہے یا اس پر دال ہے۔

نیریہ بات محل نظر ہے کہ ”بے عقل کافر“ کو دعوت ایمان دی جائے تو اس کی کیا حیثیت ہوگی؟ اس کا انجام آخرت کیا ہوگا؟ مستدام اعظم میں ایک روایت موجود ہے کہ

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک باندی کو اپنی بکریوں کی پال پرورش کیلئے رکھا ہوا اٹھا، بکریاں موٹی تازہ ہو گئیں۔ ایک دن بھیڑیا آیا اور ایک بکری کا نقصان کر گیا۔ عبداللہ بن رواحہؓ آئے، اس سے دریافت فرمایا: اس نے بتایا کہ وہ بھیڑیا ”اچک کر“ لے گیا۔ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے فوری کاروائی کی اور ایک طمانچہ سید کر دیا۔

فلطمہا ثم ندم علی ذلک

اپنی ندامت قلب کے ازالہ کیلئے آپ ﷺ خدمت میں سرگذشت عرض کی:
فلطمہ النبی ﷺ۔ آپ ﷺ نے اس بات کو غیر معمولی اہمیت دی اور فرمایا:

ضربت وجهه مومنة

تم نے مومنہ کے چہرے پر مارا۔ خیال کیا ہوتا۔ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے عرض کیا:
سوداء (حبشیہ) لا علم لها۔ اس کو اتنا شعور و عقل نہیں کہ وہ ایمان کی خزاکتوں کو جانتی ہو۔ (نئی ایمان کو علم و شعور اور عقلی بیانہ کے ساتھ جوڑا)

آپ نے اس لوٹدی کو بلوایا، دریافت فرمایا: ین اللہ فقالت فی السماء۔

قال فمن انا؟ قالت رسول اللہ۔ قال انها مومنة۔

پھر ارشاد فرمایا لعنہا۔ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے اسے آزاد فرما دیا۔ (بطور کفارہ)۔

روایت بالا سے بہر حال اتنی بات سامنے آئی ہے کہ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ اس باندی سے نفی ایمان علم و عقل کے حوالہ سے فرماتے ہیں۔ مگر رسول اللہ معیار علم و عقل کی بجائے قلبی استشہاد کے حوالہ سے اسے مومنہ قرار دیکر غلامی سے نجات دلا رہے ہیں۔۔۔ ورنہ عقلی طور پر این اللہ کے جواب میں فی السماء کہا جائے تو اس پر اشکال ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جنت آسمانی میں مقید کر کے توحید پر ضرب کاری لگاری ہے، یہ بات قابل قبول نہ ہو۔ اس لئے غیر ماقول کافر تفصیلات کی بجائے اگر اتنا اجمالی اشارہ و قول کا اظہار کر دے اس کے مومن ہونے کے لئے کفایت ہونی چاہیے۔

نیز جو بچہ آج کافر کے گھر پیدا ہوا ہے ایک طویل بے شعوری دور گزارتا ہے جس میں وہ ”پھول اور شعلہ“ کے امتحان میں امتیاز نہیں رکھتا اور گلاب کی حقیقت بلکہ ظاہر تک اس کی عقل رسائی نہیں رکھتی بلوغ کو پہنچنے سے قبل اگر دنیا سے چلا جائے، کیا یہ احجام کار جہنم میں جائے گا۔؟ یہاں بھی مذہب جمعیت سے قطع نظر کر کے دیکھا جائے تو اعتبار عقل کی نفی ہے کہ دخول نار بہر حال نہ ہوگا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ محل ایمان عقل نہیں ہے۔۔۔ بلکہ جب محل (عقل) ہی نہیں اس میں، آنے والی چیز کے بارے میں سوال کرنا کہ وہ یہاں ہوتی ہے یا نہیں خود غیر معقول ہے۔

فطرت انسانی اور حقیقت ایمانیہ کافر و مسلم کی تخلیق کے وقت سے یکساں قرار دی گئی ہے۔ بعد از تخلیق صورت حال بدل جائے تو اس کا تعلق ابتداء خلق سے ہٹ جاتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ تخلیق انسانی کی ابتداء تو قلب سے ہے چنانچہ ڈاکٹر زکریا کہتے ہیں سب سے اول تخلیق قلب اور چھٹے ہفتے حرکت قلب اولاد سے شروع ہوتی ہے۔ اس کے مکمل اول ہی سے فطرت ایمانیہ و انسانیہ (معرفت خداوندی) برابر چلے گی۔ تو سمجھ آتا ہے کہ محل ایمان قلب ہو۔۔۔ اور اگر اس کو تخلیق دماغ (جو بہر حال قلب سے بعد میں ہوگی) تک مؤخر رکھا جائے بلکہ دنیا میں کامل وجود ابتداء شعور اور تکلیف احکام کے دور تک مؤخر رکھا جائے تو یہ تخلیق انسانیت بلا فطرت (ایمانیہ) سے بعید معلوم ہوتا ہے جبکہ فطرت ایمانی کے حوالہ سے ہم اجرائے احکام کرتے ہیں۔۔۔ مثلاً دخول جنت یا دخول اعراف وغیرہ تو کیسے کہہ دیا جائے کہ محل ایمان عقل یا دماغ ہے۔؟

احکام کا تعلق اہل ایمان سے ہے۔۔۔ لیکن اصول ایمان کا تعلق عقل کو مخاطب کرنے کے علاوہ نہیں۔۔۔ لیکن اسی عقل کی فہمائش کفریہ قلب کو متوجہ الی الایمان کیا جائے گا۔ گویا عقل خادمانہ حیثیت تو رکھتی ہے مگر محل ایمان نہیں ہے۔ خادم و خدام کا فرق بہت واضح ہے۔ چنانچہ کفر محو و عناد کی بنیاد یہی ہے کہ قلب تسلیم کرتا ہے مگر عقل کہتی ہے عرب کی بوڑھیاں کیا کہیں گے اس لئے فیصلہ عقل لے لٹھو کر کھائی

اخبرت النار علی العار کا فیصلہ کیا۔

خواجہ ابوطالب کا کفر کفر عناد ہے کفر جو نہیں۔ دل میں عظمت رسالت کا ہونا دلیل ہے کہ محل ایمان تو قلب ہے مگر عقل نے روکے رکھا اور تسلیم قلب کا ظہور نہ ہوا۔۔۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ محل ایمان بہر حال قلب ہے۔۔۔ ورنہ کفر جو دیکھ کوئی صورت نہیں جو اقسام کفر میں معتبر مانی جاتی ہے۔۔۔

عجیب تر بات یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام نے اپنا مرکز محنت قلب انسانی بنایا ہے۔ جبکہ فلاسفہ نے دماغ انسانی۔ اس کے نتیجہ میں اہل قلوب باہمی تصدیق کے ساتھ لا تفرق بین احد من رسلہ و نحن لہ مسلمون کا اعلان کرتے نظر آتے ہیں جس میں اتحاد انسانیت ہے۔ اور فلاسفہ باہمی طور پر ”تکذیب“ کرتے نظر آتے ہیں جس میں تفریق انسانیت ہے جس سے ”تبتوت کی قلب“ کے ساتھ دستگی معلوم ہوتی ہے۔

چنانچہ یہ کفار کے قلب کے فیصلہ ہی ہوتے ہیں جن کے تحت کفار کو انبیاء علیہم السلام بھی ”مجنون“ اور عقل سے عاری نظر آتے ہیں۔ اس لئے یہ فیصلہ مشکل نہیں رہ جاتا کہ ایمان کا محل قلب ہو سکتا ہے۔ عقل انتظامی امور کے تحت برائی سے رک جاتی ہے یا روکنے کو کبھی ہے۔ مگر جہاں انتظامی رکاوٹ اٹھی انسان جرم کا ارتکاب کر گزرتا ہے۔ البتہ ایمانی اقدار قلب میں راسخ ہو چکی ہوں وہاں برائی کے اسباب کے باوجود اور اہل انتظام و قانون کی دعوت گناہ کے باوجود برائی کی طرف مائل نہ ہونے میں جذبہ ایمانی۔ جس کا محل قلب ہے۔ اثر انداز ہوتا ہے۔

مجدد الملت حکیم الامت حضرت اقدس مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ کا ایک سادہ ملفوظ ہے شاید اس سے مسئلہ کے سمجھنے میں آسانی ہو۔ فرماتے ہیں: میں طبیعت پر عقل کو اور عقل پر شریعت کو غالب رکھتا ہوں۔ طبیعت کا محل کیا اور اس کے تقاضے کیا ہیں؟ عقل کا محل کیا اور اس کے تقاضے کیا ہیں؟ شریعت و ایمان کا محل کیا اس کے تقاضے کیا ہیں؟ شاید ملفوظ کے آئینہ میں اس کا ادراک ہو سکے۔

مجھ کو یارب زمانے کی شہرت نہ دے
میرے محبوب کی خاکِ پاسر پہ ہو
یہ ”دیوانہ پن“ بعد از ”ایمان“ نصیب ہوتا ہے کفر کے دور اور اسلامی دور میں فرق ایمان کا ہوتا ہے ورنہ عقل کفر کے دور میں بھی ہوتی ہے۔ اسی لئے عقل کے عدم استعمال کی وجہ سے کفار مخلص فی النار ہوں گے۔

قرآن وحدیث میں ”اقفال قلوب“ کا ذکر بطور مذمت کیا گیا۔ ایک مقام پر تدبر فی القرآن اور قلوب اقبال کو بطور تقابل لایا گیا، یہ بات واضح ہے کہ تدبر کا مقام دماغ ہے اس تدبر کے ذریعہ گویا اقبال قلوب کو کھولنے کی سعی کا حکم ہے جس سے یہ بات بالکل عیاں ہے کہ محل ایمان قلب ہی ہے۔

ادعیہ ماثورہ میں یہ دعاء نبوی ﷺ تصریح کے ساتھ واضح کرتی ہے کہ محل ایمان قلب ہے۔ اس لئے کہ اس کے بعد طاعت خداوندی اور طاعت رسول اللہ ﷺ کا کیا ہے ظاہر ہے یہ اطاعت گزاری ایمان ہونے پر ہی مرتب ہوتی ہے۔

چنانچہ وہ مبارک دعاء یہ ہے: اللہم افتح اقبال قلوبنا ہذا کرک و ارزقنا طاعتک و طاعة رسولک۔

اصطلاحی الفاظ کو چھوڑ کر کیا سادہ سی تعبیر ہے۔

میں جان گیا بس تیری پہچان بھی ہے۔

تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا

01 باب قول النبی ﷺ بنی الاسلام علی خمس الخ

باب الایمان وقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی الاسلام علی خمس وهو قول وفعل ویزید
 وينقص قال الله تعالى {ليزدادوا إيمانًا مع إيمانهم} {وزدادًا هم هدى} {ويزيد الله الذين اهتدوا
 هدى} {والذين اهتدوا زادهم هدى وآثارهم تقواهم} {وزدادًا الذين آمنوا إيمانًا} وقوله {أبكم زادته
 هدى إيمانًا فأما الذين آمنوا فزادتهم إيمانًا} وقوله جل ذكره {فأخشونهم فزادهم إيمانًا} وقوله
 تعالى {وما زادهم إلا إيمانًا وتسليمًا} والخب في الله والبعض في المؤمن الإيماني وكتب عمر بن عبد
 العزيز إلى عدي بن عدي إن للإيمان فرائض وشرائع وخدمًا ومناجاة فمن استكملها استكمل الإيمان
 ومن لم يستكملها لم يستكمل الإيمان فإن أعش فسأبتئنها لكم حتى تعملوا بها وإن أمث فما أنا على
 ضيقكم بخير يصي.

وقال ابن ابراهيم {ولكن ليطمئن قلبي} وقال معاذًا جالس يلقون ساعته قال ابن مسعود يا ليقين الإيمان
 كله وقال ابن عمر لا يبلغ العبد حقيقة التقوى حتى يدع ما حاك في الصدر وقال مجاهد {شرع
 لكم} أوزينًا لئلا تخمروا بآدابكم جلدوا قال ابن عباس {شرعوا منها جادًا} سبيلًا منة

یہ باب ہے آپ ﷺ کے اس فرمان کے بیان میں کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے
 اور ایمان قول اور فعل کو کہتے ہیں اور ایمان زیادہ ہوتا ہے اور کم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے (سورۃ فتح) میں فرمایا (ان کے
 پہلے) ایمان کے ساتھ اور ایمان زیادہ ہوا۔ (سورۃ کہف) میں ہے ”ہم نے ان کو اور زیادہ ہدایت دی“۔ اور (سورۃ مریم) میں
 ہے ”جو لوگ سیدگی راہ پر ہیں ان کو اللہ اور زیادہ ہدایت دیتا ہے“۔ اور (سورۃ قلم) میں فرمایا ہے ”جو لوگ سیدگی راہ پر ہیں
 ان کو اللہ نے اور زیادہ ہدایت دی اور ان کو پرہیزگاری عطا فرمائی“۔ اور (سورۃ مدثر) میں فرمایا ”جو لوگ ایمان دار ہیں ان کا
 ایمان اور زیادہ ہوا“۔ اور (سورۃ براءۃ) میں ہے

”اس سورۃ نے تم میں سے کس کا ایمان بڑھایا؟ جو لوگ ایمان لائے ان کا ایمان بڑھایا“۔ اور (سورۃ آل عمران) میں
 فرمایا ”لوگوں نے مسلمانوں سے کہا تم کافروں سے ڈرتے رہنا تو ان کا ایمان اور بڑھ گیا“۔ اور (سورۃ احزاب) میں فرمایا
 ”ان کا کچھ نہیں بڑھا مگر ایمان اور اطاعت“۔

(اور حدیث کی رو سے) اللہ کی راہ میں محبت رکھنا اور اللہ کی راہ میں دشمنی رکھنا ایمان میں داخل ہے۔ اور عمر بن عبد العزیز
 نے حدی بن حدی کو لکھا کہ ایمان میں فرائض، عقیدے، حرام باتیں اور مستحب و منون باتیں ہیں پھر جو کوئی ان کو پورا ادا کرے
 اس نے اپنا ایمان پورا کر لیا اور جو کوئی ان کو پورا ادا نہ کرے اس نے اپنا ایمان پورا نہیں کیا۔

اگر میں جیتا رہا تو ان سب باتوں کو ان پر عمل کرنے کے لئے تم سے بیان کر دوں گا اور اگر میں مر گیا تو میں تمہاری صحبت میں رہنے پر حریص نہیں ہوں۔ اور ابراہیمؑ نے کہا: لیکن میں چاہتا ہوں میرے دل کو تسلی ہو جائے۔ اور معاذؓ نے (اسود بن ہلال) سے کہا: ہمارے پاس بیٹھا ایک گھڑی ایمان کی باتیں کریں۔

ابن مسعودؓ نے کہا: یقین پورا ایمان ہے۔ اور ابن عمرؓ نے کہا: بندہ تقویٰ کی حقیقت کو نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ اس بات کو چھوڑ دے جو دل میں چھبے۔ اور مجاہدؓ نے کہا: اس آیت کی تفسیر میں (اس نے تمہارے لئے دین کا وہی راستہ مقرر کیا جس کا نوح کو حکم دیا تھا) ”ہم نے تجھ کو اے محمد اور نوح کو ایک ہی دین کا حکم دیا“۔ اور ابن عباسؓ نے کہا (اس آیت کی تفسیر میں) ”شرعاً منہاجا“ یعنی راستہ اور طریقہ اور (سورۃ فرقان کی اس آیت کی تفسیر میں کہا: ”دعاؤ کم یعنی ایمان کم

ترجمۃ الباب کی غرض:

کتاب الایمان میں اکثر ابواب میں مرجئہ کی تردید ہے بعض میں خوارج و معتزلہ کا ابطال بھی ہے۔ اس مسئلے میں بھی دو فرقے افراط و تفریط میں مبتلا ہیں۔ مرجئہ کی تردید میں زیادہ توجہ اس لئے ہے کہ ان کی تقریبات کا مفسدہ معتزلہ وغیرہ کے مفسدہ سے زیادہ ہے۔ کیونکہ انہوں نے حرام اعمال شرعیہ کو غیر ضروری اور گویا فضول بنا دیا ہے۔ (در بخاری 169)

(۱) حضرت امام بخاریؒ کا مقصود اس باب سے ”ترکیب ایمان“ ثابت کرنا ہے۔ (۲) نیز مرجئہ کی تردید مقصود ہے۔ جو محض تصدیق کا نام ایمان رکھتے ہیں۔ (۳) بعض حضرات کہتے ہیں حضرت امام اعظمؒ کی تردید مقصود ہے۔ کیونکہ وہ صرف ”تصدیق قلبی“ کو ایمان کہتے ہیں۔ لیکن صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ امام اعظمؒ کا اختلاف صرف تعبیر و عنوان میں ہے۔ مضمون میں نہیں۔

بنی الاسلام علی خمس:

یہ حدیث شریف کا ایک کلڑا ہے۔ اس حدیث میں اسلام کو ایک خیمہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ جیسے خیمہ کے پانچ ستون ہوتے ہیں ایسے ہی اسلام کے بھی پانچ ستون ہیں۔ ایک درمیان میں اور چار کونوں میں۔ پھر جس طرح ”پنا“ کے اجزا ہوتے ہیں۔ اس طرح اسلامی پنا کے بھی اجزا ہیں۔ تو تشبیہ کی وجہ سے ترکیب اسلام ثابت ہوئی۔

یہ تشبیہ و استعارہ بالکل ناپ کے قبیل سے ہے جس میں مشبہ بہ مخدوف ہوتا ہے اور مشبہ بہ کے لوازم کو ذکر کیا جاتا ہے۔ یہاں پر بھی مکان اور خیمہ مشبہ بہ مخدوف ہے اور اس کے لوازم ستون مذکور ہیں۔ اور اس کے ملائم و مناسب کو ذکر کرنا استعارہ تشبیہ ہے تو پنا کا ذکر بطور تشبیہ کے ہے۔ ہر مکان کے اندر دیواروں اور ستونوں کا ہونا ضروری ہے پھر پورے مکان کی بناس کی ایک اساس اور بنیاد ہوتی ہے۔ اسی طرح شہادت اساس و بنیاد ہے باقی امور اربعہ دیواریں اور ستون اور چھتیں ہیں۔ (در بخاری 179)

سوال: اس حدیث سے اجزاء اسلام صرف پانچ معلوم ہوتے ہیں حالانکہ روایات سے اور بھی ثابت ہیں۔ چنانچہ بعض روایات میں سبع و سبعون (۷۷) کا لفظ ہے۔ یہ تعارض ہوا۔؟

جواب ۱: خمس کے ذکر سے تحدید مقصود نہیں بلکہ صرف ترکیب اسلام ثابت کرتا ہے۔

جواب ۲: اس جگہ ان اجزاء کا ذکر مقصود ہے جو ہتم بالشان ہیں۔

سوال: امام بخاریؒ کا حدیث الباب سے ترکیب ایمان ثابت کرنا مقصود ہے۔ جبکہ حدیث مذکور بنی الاسلام علی

خمس ہے۔ بنی الایمان تو نہیں ہے۔ تو حدیث الباب کے موافق نہ ہوتی؟

جواب: امام بخاریؒ کی اصطلاح میں ”ایمان“ اسلام و ہدایت، تقویٰ، دین اور ہر وغیرہ سب شیء واحد ہیں۔ تو بنی الاسلام کا معنی بنی الایمان ہوگا۔ نیز یہ بھی ملحوظ رہے کہ اس باب میں آئندہ آنے والی روایات میں حضرت امام بخاریؒ کی مراد یہ ہے کہ یہ سب مصداق کے اعتبار سے متحد ہیں۔ اگرچہ مفہوم کے اعتبار سے متغایر ہیں۔ یہ مراد نہیں ہے کہ ایمان و تقویٰ، ہدایت و دین تقویٰ معنی و مفہوم کے اعتبار سے مترادف ہیں۔ اس لئے کہ یہ صراحۃً باطل ہے۔

وہو قول و فعل: ہو ضمیر کا مرجع ایمان ہے۔ لیکن اگر اسلام کو بھی مرجع قرار دیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اس لئے کہ حضرت امام بخاریؒ کے ہاں دونوں مترادف ہیں۔

سوال: نہو قول و فعل: یہ امام بخاریؒ کا اپنا قول ہے اس پر سوال ہوتا ہے کہ امام بخاریؒ تراجم میں قرآن کریم کی آیت یا الفاظ حدیث یا قول سلف نقل کیا کرتے ہیں۔ اپنا قول ذکر نہیں کرتے۔ یہاں اس اسلوب کے خلاف اپنا قول کیوں نقل کیا؟

جواب: حقیقت میں قول سلف ہی نقل کر رہے ہیں۔ لیکن اختصار کی وجہ سے معلوم نہیں ہوتا کہ یہ قول سلف ہے۔ وہ قول سلف جس کا اختصار کیا گیا ہے یہ: الایمان هو اعتقاد و قول و عمل۔

امام بخاریؒ نے ایک تو اعتقاد کے لفظ کو حذف کیا ہے۔ اس لئے کہ وہ مشہور و معروف نیز قطعی اور یقینی ہونے کی وجہ سے ضروری بھی ہے اور غیر متنازعہ بھی ہے۔ نیز زیر بحث نہیں ہے۔ یعنی تصدیق

نیز قول کا لفظ ذکر فرمایا۔ ظاہری ہو یا باطنی۔ اس لئے یہ لفظ قول اعتقاد کو بھی شامل ہے۔ کیونکہ قال کی نسبت جب دل کی طرف ہو تو اعتقاد کے معنی میں آتا ہے۔ لہذا اعتقاد کا ذکر کیا ہے۔

دوسری تبدیلی قول سلف میں یہ کی ہے کہ عمل کی جگہ فعل کا ذکر کیا ہے۔ اس میں حضرت امام بخاریؒ کا مقصود اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ”عمل و فعل“ میں کوئی فرق نہیں ہے۔

جبکہ دیگر محدثین ان میں فرق کرتے ہیں۔۔۔ امام بخاریؒ نے ”قول و فعل“ کہہ کر ایمان کی یا اسلام کی جو بنی الاسلام علی خمس میں ہے تشریح کی ہے۔ اور ترکیب ایمان کو حدیث الباب سے ثابت کیا ہے۔ نیز یہی ترکیب قول سلف سے بھی معلوم ہو رہی ہے۔

ترکیب ایمان کو حدیث باب میں سے اس طرح ثابت کیا کہ وہو قول و فعل میں لفظ قول میں شہادتین اور لفظ فعل میں اقامت صلوٰۃ، ایٹاء زکوٰۃ، صوم رمضان اور حج مبارک آگئے۔ یہ چاروں فعل اور شہادتین قول ملکر ایمان کی ترکیب ثابت ہوگی (نیز چار ارد گردستون متاثر ہو جائیں تو خیمہ ناقص ہوگا اگر درمیان ہی کاستون گر جائے تو خیمہ کا وجود ہی ختم ہو جائے گا)

سوال: احناف قول سلف ”هو قول وفعل“ کے کیوں قائل نہیں؟

جواب: قول سلف کی شرح تشریحات کے عنوان سے درج ذیل ہے۔ جو احناف کے خلاف نہیں۔

تشریحات ”هو قول وفعل“

تشریح اول: اجزاء دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ۱: اجزاء اصلیہ۔ ۲: اجزاء کمالیہ۔ اجزاء اصلیہ وہ ہوتے ہیں جو شیء کیلئے مقوم ہوں اور ان کے فوت ہو جانے سے ”شمی“ فوت ہو جاتی ہو۔

۲: اجزاء کمالیہ وہ ہیں جن کے فوت ہو جانے سے شیء فوت نہ ہو۔ یہاں کمال ایمان کا جزا ہیں۔ اجزاء اصلیہ نہیں ہیں۔
تشریح ثانی: اجزاء دو قسم پر ہیں۔ ۱: اجزاء حقیقی، ۲: اجزاء عرفی۔ اجزاء حقیقی کے فوت ہو جانے سے شیء فوت ہو جاتی ہے۔ جبکہ اجزاء عرفی اس کے برعکس ہیں۔ جمہور کے نزدیک جو اجزاء ہیں ان سے مراد اجزاء عرفی ہیں۔

تشریح ثالث: شیء کی ایک حقیقت اصلیہ ہے اور ایک حقیقت محسنہ ہے۔ اجزاء ایمان جو یہاں عند الجمہور ہیں یہ اجزاء اصلیہ نہیں ہیں بلکہ اجزاء محسنہ ہیں۔

تشریح رابع: ایک ہی چیز کے اختلاف موطن سے نام بدل جاتے ہیں چنانچہ ایمان دل میں ہو تو تصدیق، زبان پر ہو تو اقرار، اعضاء پر ہو تو اعمال۔ تو یہ اختلاف الاسامی ہے۔

تشریح خامس: قول سلف میں بیان ترتیب ہے نہ کہ بیان ترکیب۔ کہ پہلے ایمان دل میں آتا ہے اسے تصدیق کہتے ہیں پھر اقرار کی صورت میں زبان پر ظاہر ہوتا ہے پھر پھوٹ پھوٹ کر اعضاء پر اعمال کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے تو انسان سجدہ ریز ہو جاتا ہے۔

امام بخاریؒ نے آٹھ آیات مبارکہ ”یزید و ينقص“ ثابت کرنے کیلئے ذکر فرمائی ہیں۔ اتنی آیات کسی اور مسئلہ میں ذکر نہیں فرمائیں۔ اس مسئلہ پر بڑا زور دیا۔ لیکن یہ آیات احناف کے خلاف اس لئے نہیں ہیں کہ نفس تصدیق کی پیشی کی متحمل نہیں ہو سکتی، ان آیات میں جو کی پیشی ثابت ہوتی ہے وہ شراست ایمان، حلاوت ایمان، تقویت ایمان کے لحاظ سے ہے۔

حضرت امام بخاریؒ کی طرف سے مستدل جمہور کا ذکر

اور حضرات احناف کی طرف سے جوابات

دلیل اول: لیزدادو ایماناً مع ایمانہم۔ یہاں استدلال تحت اللفظ ہے۔ ایمان کے ہوتے ہوئے از دیاد ایمان فرمایا جا رہا ہے جس سے الایمان یزید ثابت ہو گیا۔ نیز زیادتی کا کمی سے تقابل ہے۔ تو تقابل کے طور پر یہ دعویٰ بھی کیا جاسکتا ہے الایمان یزید و ينقص۔ یہ اس لئے کہ جس چیز میں بڑھنے کی صلاحیت ہوتی ہے اس میں قواعد فطرت کے تحت کمی کی بھی صلاحیت ہوتی ہے۔ تو تقابل کے طور پر کمی بھی ثابت ہو گئی۔

دلیل اول کا دوسرا طرز استدلال: لیز دادوا ایماناً مع ایمانہم۔۔۔ یہ آیت کریمہ صلح حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی۔ واقعہ کی تفصیل باب المغازی جلد ثانی میں آئے گی۔ اس موقع پر جب حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کی جھوٹی خبر پھیلی تو آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے بیعت رضوان لی، جو بیعت علی الموت تھی۔ صحابہ کرامؓ عمرہ کیلئے آئے تھے۔ جہاد کیلئے نہیں، لیکن پھر بھی جہاد کیلئے غیر معمولی جوش و جذبہ اور جاں نثاری کے ساتھ تیار ہو گئے۔ جبکہ اس وقت کفار سے مقابلہ آسان نہ تھا۔ یہ ان کے کمال ایمان کی دلیل تھی۔ لیکن ”صلح حدیبیہ“ کے اس پس منظر میں کہ بظاہر شرائط صلح سے دب جانا نظر آرہا تھا جو طبعی جوش جہاد کے خلاف تھا۔ پھر اپنے جذبات جہاد کے اظہار کی بجائے آپ ﷺ کی اطاعت میں اپنے جوش کو ٹھنڈا کر دینا یا زرد یا دایمان تھا کہ اپنے جوش جہاد کی بجائے اطاعت رسول کو سامنے رکھا۔

فائدہ: اسی لئے فرماتے ہیں کہ لیز روفا صد صرف وہ نہیں ہوتا جو قوم کو جذبات میں دھکیل دے مگر واپس لانے کی قدرت نہ رکھتا ہو۔
دلیل دوم: وزدناہم ہدیٰ: اس آیت مبارکہ میں ایمان کا لفظ نہیں بلکہ ہدیٰ کا لفظ ہے۔ امام بخاریؒ کا استدلال یہ ہے کہ ”ہدایت و ایمان“ ایک ہی چیز ہے۔ اس لئے اگر ہدایت میں اضافہ ہو سکتا ہے تو ایمان میں بھی اضافہ ہو سکتا ہے۔

جواب: ایمان اور ہدایت ایک چیز نہیں ہیں۔ ہدایت عام ہے جس کے افراد ایمان کے علاوہ اعمال و اخلاق بھی ہیں۔ جب کہ ایمان صرف تصدیق کا نام ہے جو ہدایت کا ایک فرد ہے۔ اس لئے اس آیت سے استدلال صحیح نہیں کہ ایمان اور ہدایت ایک ثابت ہو جائے اس لئے کہ ایمان قسماً ہدایت کا ایک فرد ہے ہدایت کا پورے لول و مصداق نہیں اس لئے ایک دوسرے پر اطلاق نہیں ہو سکتا۔ مولانا سعید احمد صاحب پان پوری محدث دیوبند فرماتے ہیں: ہدایت کو ایمان کے مترادف ثابت کرنے سے یہ نقصان ہوا اعمال و اخلاق اس کے دائرے سے نکل گئے تو زیادتی ایمان ثابت ہونے کی بجائے، کی ہدایت، ثابت ہو گئی تو یہ جز پر کل کا اطلاق ہو گیا۔
(۲) اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ہدایت سے ایمان ہے تو اس صحت میں کمال ایمان نور ایمان میں اضافہ مراد ہے۔
دلیل سوم، چہارم: ویزید اللہ الذین اہتدوا ہدیٰ: نیز والذین اہتدوا زادہم ہدیٰ و انہم تقویٰ ہم۔

ان دو آیات میں بھی ایمان کا لفظ نہیں بلکہ ہدایت کا لفظ ہے۔ اس کو بھی سابقہ جواب کی روشنی میں حل کیا جائے۔
دلیل پنجم: ویزداد الذین امنوا ایماناً۔ کفار کے اس سوال پر کہ جہنم میں کتنے فرشتے مقرر ہیں، آیت شریفہ نازل ہوئی: علیہا تسعة عشر، تو انہوں نے تسخر و استہزا کیا کہ یہ تو بہت تھوڑی تعداد ہے۔ اتنے میں پکڑ لوں گا باقی وہ پکڑ لے گا۔ تاہم از یاد ایمان کی تعمیر یہ ہے کہ فرشتوں کا یہ عدد معین سابقہ کتب میں تھا تا کہ اہل ایمان کو یقین آجائے۔ آپ ﷺ از خود ان کتب کو نہیں پڑھ سکتے تھے۔ اُنہی تھے۔ اس کے باوجود یہ بتلانا یہ صدق نبوت اور مومنین کے از یاد ایمان کا باعث ہے۔ تو از یاد ایمان نور، تقویت وغیرہ کیفیت کے لحاظ سے ہے۔ کمیت کے اعتبار سے نہیں۔

دلیل ششم: ایکم زادته ہذہ ایماناً، فاما الذین امنوا فزادتهم ایماناً: کفار کا مقولہ تھا نزول آیت کے بعد استہزاء کرتے کس کے ایمان میں اضافہ ہوا؟

یہاں بھی کیفیت ازدیاد مراد ہے، کمیت نہیں۔ تو امام بخاریؒ کا استدلال تام نہیں۔

فاخشوهم فزاہم ایماناً:

طرز استدلال: غزوہ احد کی شکست کے بعد ابوسفیان جب مکہ کو جاتے ہوئے راست میں ٹھہرا تو افسوس کیا کہ ہم نے مدینہ پر چڑھائی نہ کی، موقع کھو دیا۔ واپس جانے کی ہمت تو نہ ہوئی، البتہ پروپیگنڈہ کرنا شروع کر دیا کہ واپس آ کر حملہ کریں گے۔ مسلمان خوف زدہ ہونے کی بجائے جبکہ ستر شہداء احد اور تازہ تازہ زخم خوردہ صحابہؓ تھے۔ اک نئے جذبہ کے ساتھ حمراء الاسد تک پہنچے۔ اس جذبہ کو اللہ تعالیٰ نے ”فزاہم ایماناً“ سے تعبیر کیا۔ ابوسفیان پر رعب طاری ہو گیا اور مکہ فرار ہو گیا۔

جوابات حسب سابق ہیں۔ مراد کیفیت ہے کمیت نہیں۔

وما زادہم الا ایماناً وتسليماً:

غزوہ احزاب کے موقع پر بے پناہ لشکر و دیکھ کر حضرات صحابہ کرامؓ نے گھبرانے کی بجائے یہ بات سامنے رکھی کہ ہمارے ساتھ دخول جنت کا وعدہ باللباساء والضرء ہے۔ چنانچہ ان لشکروں کو دیکھ کر وہ مقابلہ کیلئے اور جاں نثاری کیلئے دل و جان سے تیار ہو گئے ان لشکروں کو دیکھ کر ان کو اللہ تعالیٰ کے وعدہ کا استحضار ہو گیا اور آپ ﷺ صدائے حق ہو گئی جو وعدہ تھا وہ مشاہدہ بن کر ظاہر ہو گیا اسی کو اللہ تعالیٰ نے وما زادہم الا ایماناً وتسليماً فرمایا۔

جوابات حسب سابق ہیں۔ زیادتی کیفیت میں ہے نفس ایمان اور کمیت میں نہیں ہے وغیر ذلک۔

الحب فی اللہ والبغض فی اللہ من الایمان:

اس جملہ سے امام بخاریؒ نے ترکیب ایمان پر استدلال کیا ہے۔ کہ من الایمان میں ’من‘ تبعیضیہ ہے۔ معنی اللہ کیلئے محبت کرنا اور بغض رکھنا ایمان کا جز ہے۔ نیز محبت و بغض کلی مشکل ہیں۔ یہ ایمان کا جز ہیں۔ قاعدہ ہے کہ جز میں کی بیش ہوتی ہے توکل میں بھی ہوتی ہے۔

جواب ۱: من الایمان میں ’من‘ تبعیضیہ نہیں بلکہ ابتدائیہ ہے۔ لہذا یہ جزئیت کے معنی پر دلالت کرتا ہی نہیں۔ معنی یہ ہے کہ ان الحب فی اللہ انما یتبدأ من الایمان۔

جواب ۲: بات یہ ہے کہ الحب فی اللہ حضرت امام بخاریؒ کا قول ہے جو محبت نہیں، حدیث تو نہیں، ان الفاظ کے ساتھ روایت کہیں نہیں ہے۔ البتہ ان کا قول اس حدیث سے ماخوذ ہے:

من احب لله و ابغض لله فقد استكمل ایمانه، جب کہ اس حدیث کے پیش نظریہ احناف کی دلیل ہے کہ یہ چیزیں مکملات ایمان میں سے ہیں حقیقت ایمان میں سے نہیں۔ کیونکہ حدیث پاک میں استكمل کا لفظ آیا ہے۔

و کتب عمر بن عبد العزیزؒ الى عدی بن عدی الى آخره:

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے حضرت عدی بن عدیؒ کی طرف یہ خط لکھا: (یہ عراق کے شہر موصل کے گورنر تھے)

ان لایمان فرائض و شرائع و حدودا۔ الخ

جس کا حاصل یہ ہے کہ ایمان کے کچھ فرائض بھی ہیں یعنی نماز وغیرہ۔ شرائع سے مراد حلال و حرام یا عقائد۔ اور حدود سے مراد حد فرب و غیرہ یا حد جواز کہ کونسا کام کہاں تک جائز ہے۔ اور کچھ سنن ہیں۔ یعنی آپ ﷺ کی شریعت پر عمل پیرا ہونے کا طریقہ کیا تھا۔ تو امام بخاریؒ اسی سے استدلال کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ ایمان کو مرکب مانتے ہیں۔

جواب ۱: لایمان: میں ایمان پر 'ن' جارہ داخل ہے۔ اس سے مابعد چیزوں کا "جزو ایمان" ہونا لازم نہیں آتا۔ بلکہ ان کا تعلقات ہونا سمجھ میں آتا ہے۔ جیسے یوں کہا جائے ان لزید دار اود کافا و ہینا و بنات، و زوجة۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ دوکان، ہیٹ، بنات، زوجہ وغیرہ زید کا جز ہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہوگا کہ زید کے تعلقات میں سے ہیں۔

جواب ۲: حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے خط کے آخر میں فقد استكمل الایمان فرمایا۔ اس سے احناف کو موقع دیا حتیٰ کہ حافظ ابن حجرؒ نے بھی فرمادیا: فالمراد انہما من المکملات۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاریؒ احناف کی تردید نہیں فرما رہے۔ بلکہ مرجعہ جو ضرورت عمل سے بالکلہ انکاری ہیں۔ ان کی بھرپور تردید فرما رہے ہیں۔

فائدہ: کتب عمر بن عبد العزیزؒ 'ار'۔ یہ تعلقات بخاری میں سے ہے۔

وقال ابراہیم لیطمن قلبی:

سوال: قول ابراہیمؒ قرآن کریم میں ہے: اس کو آیات ماسبق کے ساتھ ذکر کرنا چاہیے تھا؟ آیت قرآنی ہونے کے باوجود الگ سے ذکر کیوں کیا؟

جواب ۱: بعض حضرات نے جواب دیا کہ یہ چونکہ حضرات ابراہیمؒ کا قول ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد نہیں پہنچلی آیات کی طرح، اس لئے الگ سے ذکر فرمایا۔ لیکن یہ جواب صحیح نہیں اس لئے کہ جب وہ آیت قرآنی ہے تو کسی کا بھی قول ہو قرآن ہی ہے۔

جواب ۲: آٹھ آیات گذشتہ میں زیادۃ ایمان صراحۃً مذکور تھیں۔ اور آیت شریفہ میں زیادتی ایمان استنباطاً معلوم ہوتی تھی اس لئے اس کو الگ سے ذکر فرمایا۔ وجہ فرق بتانا مقصود تھا اور طریق استدلال یوں ہے کہ اطمینان ایک کیفیت ہے جس میں کمی زیادتی ہو سکتی ہے اسی طرح ایمان میں بھی کمی زیادتی ہو سکتی ہے۔

جوابات حسب سابق ہیں۔

سوال: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے باوجود کمال ایمان کے جو شان نبوۃ کے مطابق تھا پھر بھی یہ سوال اور درخواست کیوں کی: کیف صحی الموتی؟ اور اللہ تعالیٰ کو اولم یمن فرماتا پڑا؟

جواب: علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں: حضرت ابراہیمؒ کا یقین اپنے کمال انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ اس وجہ سے اس چیز کو دیکھنے کا شوق دامن گیر ہوا تھا۔ تو سبب زیادتی شوق تھا۔ جیسے کسی معتمد کذریعہ کسی چیز کا کامل علم ہونے کے باوجود بھی، کو دیکھنے کا شوق پیدا ہو جائے تو اس میں عدم اعتماد نہیں ہوتا بلکہ غلبہ شوق ہوتا ہے۔ کہبت اللہ العظیم۔

قال معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اجلس بنا نؤمن ساعة (مسند احمد اور مسند ابن ابی شیبہ میں یہ اثر مذکور ہے۔)

حضرت معاذؓ نے اسود بن ہلال المحاربی اپنے شاگرد سے فرمایا: ہمارے پاس بیٹھو ایک گھڑی ایمان کی باتیں کریں۔
 طرز استدلال: امام بخاریؒ ثابت فرما رہے ہیں کہ حضرت معاذؓ پہلے سے ہی مومن ہیں۔ کچھ ساعت ایمان کا تذکرہ کریں گے اور اس میں ایمان باللہ والرسول کی باتیں کریں گے۔ گویا سابقہ ایمان کے ہوتے ہوئے ذکر باری تعالیٰ ورسولہ سے ایمان میں اضافہ کریں گے۔ اور اس ذکر کو امام بخاریؒ نے ایمان کا جز سمجھ کر ایمان کی ترکیب ثابت کی ہے۔

جواب: کمال ایمان، نور ایمان، یا تقویت ایمان میں اضافہ ہوگا۔ یادنیوی دھندوں سے کیفیت ایمان کی کمی پیدا ہو جاتی ہے تو اس کا ازالہ مقصود ہے، نفس ایمان بہر حال بسیط ہے۔

وقال ابن مسعود رضی اللہ عنہ اليقين الایمان کله:

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا: یقین پورا ایمان ہے۔ امام بخاریؒ نے لفظ کُل سے استدلال کیا ہے۔ لفظ کُل سے ذو اجزاء کی تاکید کی جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا ایمان ذو اجزاء ہے۔

جواب: کمال ایمان ذو اجزاء ہے۔ نفس ایمان ذو اجزاء نہیں۔

والیقین الایمان کله... اس اثر کا جز اول الصبر نصف الایمان ہے جز اول صریح ہے کہ ایمان متجری ہے جز ثانی کله سے استدلال ہے۔ کل اجزاء کا متقاضی ہے تاہم ترکیب ایمان کے یہ اجزاء تریبینی حسینی اور کمال ایمان کے ہیں (العام)

وقال ابن عمر رضی اللہ عنہ لا يبلغ العبد حقيقة التقوى حتى يدع ما حاك في الصدر:

یعنی تقویٰ کا صحیح تحقق اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک شک کی اشیاء کو نہ چھوڑے۔

طرز استدلال: حضرت امام بخاریؒ کے ہاں ایمان و تقویٰ مترادف ہیں۔ تو تقویٰ کی انتہا بتلائی جا رہی ہے۔ جب انتہا بتلائی جا رہی ہے تو اس کے ابتدائی درجات بھی ہوں گے۔ تو بزدل و بنقص کا ثبوت ہو گیا۔

جواب: کمال ایمان میں بنقص و بزدل ہے نفس ایمان میں نہیں۔

وقال مجاهد: شرع لكم من الدين ما وصي به نوحاً الخ

حضرت مجاہدؒ مشہور تابعین میں سے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے شاگرد خاص ہیں۔ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ایسا دین مقرر فرمایا ہے جس کی وصیت حضرت نوحؑ کو کی تھی۔ او صیناک یا محمد۔ اے محمد: صلی اللہ علیہ وسلم کو اور ان (نوحؑ) کو ایک ہی دین کی وصیت کی تھی۔ دونوں کا دین ایک تھا۔

طرز استدلال حضرت امام بخاریؒ: دین محمدیؐ اور دین حضرت نوحؑ ایک ہی دین ہے۔ تاہم احکام و شرائع کا فرق کی بیشی کے ساتھ ہے۔ اس کے باوجود فرمایا دونوں کا دین ایک ہے۔ (شوریٰ) جبکہ دین و ایمان عند البخاریؒ مترادف

ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایمان زیادتی و کمی کو قبول کرتا ہے۔

جواب: ایمان مٹی اور نفس ایمان ایک ہی ہے۔ آیت سے اور حضرت مجاہد کی تفسیر سے بھی معلوم ہو رہا ہے۔ گویا یہ تفسیر حنفی کی ہی تائید کر رہی ہے کہ اصل ایمان مرکب نہیں ہے۔ احکام کی کمی بیشی سے ایمان کی کمی بیشی ثابت کرنا استدلال بعید ہے۔

قال ابن عباس رضی اللہ عنہما شرعوا منها جاً۔ سبیلًا و مسنةً

شرع بڑے راستے کو اور منها چھوٹے راستے کو کہتے ہیں۔ یہاں لف و نشر غیر مرتب ہے۔ سبیل و منهاج کی تفسیر اور مسند شرع کی تفسیر ہے۔

قال ابن عباس... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس ارشاد سے احکام شرعیہ کی طرف اشارہ ہے، دین سب کا ایک ہے اگرچہ شرائع الگ الگ ہیں اور احکام میں کمی بیشی ہے... ان دونوں باتوں سے یہ مطلب نکلا کہ دین ایک ہے اور دین و ایمان عند البخاری ایک ہی چیز ہے تو ترکیب ایمان ثابت ہوگئی۔

جواب یہ ہے کہ نفس ایمان ایک ہی ہے شرائع کا فرق باہمی طور ہے کہ کسی کے لیے بڑا راستہ ہے کسی کے لیے چھوٹا... تو ترکیب ایمان ثابت نہ ہوئی

فائدہ: منهاج سے مراد اصول اور شرائع سے مراد فروع ہیں۔ یا مطلق احکام و قوانین ہیں۔

دعائکم ایمانکم:

قال تعالیٰ: قُلْ مَا يَعْزُبُ عَنْكُمْ مِنْ شَيْءٍ لَوْ لَا دَعَائُكُمْ۔ میرا رب تمہاری پروا نہیں رکھتا۔ اگر تم اس کو نہ پکارو۔ طرز استدلال: دعائکم کی تفسیر ایمان سے کی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ دعاء ایک عمل ہے۔ جب دعاء میں کمی بیشی ہے۔ تو ایمان میں بھی کمی بیشی ہوگی۔ تو ترکیب ایمان ثابت ہوگئی۔

جواب: دعاء پر ایمان کا اطلاق نہ صرف جائز بلکہ پابندی واقع بھی ہے۔ تاہم اس سے نفس ایمان میں کمی بیشی کا ثابت ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

جواب ۲: دعاء پر ایمان کا اطلاق مبالغہ ہے مقصد یہ ہے کہ دعاء ایمان کے آثار میں سے ہے تو یہ اطلاق حقیقہ نہیں مجاز ہے۔ لولا دعاؤکم... مراد کفار کی پکار ہے... مگر ان اہل کفر میں کچھ لوگ ایمان والے ہیں تو ان کی وجہ سے یا عند بعض تم میں سے کچھ کروالے ہیں (جب کہ دعائیں ذکر ہے) انکی وجہ سے تم ہلاک نہیں ہوئے۔

جبکہ حضرت کشمیری فرماتے ہیں اس دعا سے مراد کفار کی وہ پکار خاص مراد ہے جو ایسے مواقع پر ہوتی جب وہ اپنے معبودان باطلہ سے مایوس ہو کر کیا کرتے تھے۔ وَظَنُوا أَنَّهُمْ أَحْبَبَ إِلَهُهُمْ دَعَاؤُا مَخْلُصِينَ لَهُ الدِّينَ۔

یہ خاص پکار بلاکت سے بچاؤ کا ذریعہ ہے (یہ توجیہ پہلی دونوں توجیہات سے بہتر ہے)

نام بخاری کا استدلال باہمی طور ہے کہ دعاء کم تفسیر ایمانکم اطلاق الجز علی کل ہے لہذا ایمان دو اجزا ہو کر مرکب ہو گیا۔

جواب یہ دعاء ایمان کے تعلقات میں سے ہے اجزاء میں سے نہیں۔ (کشف الباری ص ۳۵)

حدیث ۸

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُوسَى قَالَ أَخْبَرَنَا حَنْظَلَةُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ عَنْ عِكْرِمَةَ بْنِ خَالِدٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَنِي الْإِسْلَامَ عَلَى خَمْسٍ شَهَادَةٌ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَإِقَامُ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءُ الزَّكَاةِ وَالْحَجُّ وَصَوْمُ رَمَضَانَ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ارشاد اہل کرتے ہیں اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر اٹھائی گئی ہے: اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔

تشریح حدیث

حدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُوسَى، الْخ

اس حدیث کی سند میں یہ خوبی ہے کہ اس میں تحدیث، اخبار، اور عمدہ تینوں جمع ہیں۔
خیمہ کے پانچ عمود کی طرح اسلام کے بھی پانچ عمود ہیں۔ جو اس حدیث پاک میں مذکور ہیں۔ جس کو اہمیت کی بنا پر لیا گیا۔ ورنہ دیگر احکامات بھی ہیں۔

امام بخاری کا طرز استدلال اور جوابات

اس طرح ہے کہ ان کے ہاں ایمان و اسلام مترادف ہیں۔ جب اسلام کے عمود ہیں جن پر بناء اسلام قائم ہے تو وہ عمود اجزائے اسلام ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ ایمان کے بھی اجزاء ہیں۔
تو ترکیب ایمان ثابت ہوگئی۔ (اسی لئے کتاب الایمان کا عنوان قائم کر کے اس کو دلیل کے طور پر بنی الاسلام علی خمس کی حدیث سے ثابت کر رہے ہیں۔)

جواب ۱: یہ بات قابل تسلیم ہی نہیں کہ ایمان و اسلام مترادف ہیں۔ ایمان تصدیقی قلبی کا نام اور اسلام اقرار لسانی اور التزام ارکان کا نام ہے۔ لہذا ترکیب اسلام تو ہوگی کہ اس کے اجزاء ہیں۔ لیکن اس سے ترکیب ایمان ثابت نہیں ہو سکتی۔
جواب ۲: اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ایمان و اسلام مترادف ہیں۔ تو ترادف کی بنا پر ایمان کے بھی اجزاء ثابت ہو گئے۔
تو اجزاء کمال ایمان کے ہوں گے نفس ایمان کے نہیں ہوں گے۔

سوال: اس حدیث میں صرف ان پانچ اہم الفرائض کی تخصیص کیوں فرمائی؟

جواب: اعمال دو حال سے خالی نہیں۔ قولی ہوں گے یا فعلی۔ شہادتیں قولی ہیں۔ اور فعلی تین قسم پر ہیں۔ بدنی، مالی، مرکب منہما۔ اعمال بدنیہ نماز و روزہ، اعمال مالی: زکوٰۃ۔ مرکب منہما حج مبارک۔
جواب ۲: بعض نے اس کو اس طور پر بیان کیا ہے کہ اعمال قولی ہوں گے یا فعلی۔ قولی شہادتیں ہیں۔ فعلی دو قسم پر

ہیں۔ ایک وجہ جن میں حاکمیت کی شان ہے۔ جیسے نماز اور زکوٰۃ۔ اور ایک وجہ جن میں شان محبوبیت ہے جیسے روزہ اور حج مبارک۔
فائدہ: اسی شان حاکمیت کی وجہ سے قرآن کریم میں ”نماز اور زکوٰۃ“ کو اکٹھے ذکر کیا گیا ہے۔ ورنہ تو نماز بدنی عبادت ہے، زکوٰۃ مالی عبادت ہے۔

فائدہ نمبر ۲: حدیث باب میں حج کا پہلے اور صوم رمضان کا بعد میں ذکر ہے۔۔۔ یہاں روایت بالمعنی یا سہو راوی ہے ورنہ اصل ترتیب روایت میں صوم رمضان پہلے اور حج بعد میں ہے۔۔۔ چنانچہ مسلم شریف کی روایت میں اسی طرح ہے اسی کو رائج قرار دیتے ہوئے حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے شاگرد کو فرمایا صوم کو مقدم اور حج کو بعد میں پڑھو ہکذا سمعت من رسول اللہ ﷺ نیز ترتیب طبعی کا تقاضا یہی ہے کہ فرضیت صوم ۲۷ اور حج کی فرضیت ۹ھ میں ہے۔۔۔ اس لیے ذکر میں ہی ترتیب کو ملحوظ رکھا جائے۔ (دلیل القاری ص ۱۱۷)

عند البخاری ایمان اور اس کے مترادفات پر ایک نظر

حضرت امام بخاریؒ نے ”ترکیب ایمان“ ثابت کرنے کیلئے دین، اسلام، ہدیت، تقویٰ، یقین، حب فی اللہ وغیرہ ان تمام امور کو مصداق کے لحاظ سے ایمان کے متحد مانا اور ایمان کی ترکیب ثابت کی۔
اگرچہ احناف کی طرف سے تحسین و تزئین، اجزائے مقوم، اجزائے عرفی اور اجزائے حقیقی نیز ایمان کی نفس کمیت اور کیفیت کے لحاظ سے درجہ حقیقی اور درجہ ترکیب کو بالکل واضح کر دیا گیا اور مسئلہ بے خبر ہو گیا۔ مگر علمی دنیا میں یہ تعبیر کیسے معتبر ہو کہ کیفیت جو غیر اختیاری ہوتی ہے۔ اس پر حب فی اللہ بغض اللہ نیز اطمینان قلب اور درجات تقویٰ کی کی بیشی کی وجہ سے ”ایمان“ کو کم و بیش تسلیم کر لیا جائے۔۔۔ جبکہ ایمان اختیاری تو صرف درجہ تصدیق تک ہی ہو سکتا ہے۔۔۔ اس لئے کہ لا اکر اھفی الدین سے بھی فرمایا گیا کہ قبولیت ایمان میں دوسرے کا جبر نہ ہو، اپنا اختیار ہو وہ معتبر ہے۔

(۱) چنانچہ دیکھا جائے تو حضرت حنظلہ اور حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما کیفیت نفاق کا احساس کر کے بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض گذار ہیں کہ ہمارے اندر تو ایمان نہیں۔۔۔ اس لئے کہ مجلس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور گھر کے ماحول میں ”کیفیت“ یکساں نہیں۔

نیز دونوں حضرات قلب میں موجود (تصدیق) ایمان و نفاق میں باہمی تقابل کر رہے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے ان کے نزدیک اعمال ایمان میں داخل نہیں۔ ورنہ پریشانی کی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ ترک عمل تو دونوں میں نہیں تھا بلکہ اعمال تو ان کے کہتے اعلیٰ تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وَلَٰكِنْ يٰۤاَحْزَنْتُهُ سَاعَةٌ فَسَاعَةٌ يٰۤكَيْفِيَّتْ كَاہے گا ہے از خود ہوتی ہے اختیاری نہیں۔ اس لئے قلب میں نفاق نہیں، ایمان ہے۔ جس سے واضح ہو گیا کہ کیفیات کا دخل تصدیق و ایمان میں نہیں ہو سکتا۔ ورنہ نفاق حنظلہ کو صحیح تسلیم کیا جانا چاہیے۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اثبات ایمان فرما رہے ہیں۔۔۔ بصورت دیگر مقام صدیقیت و مقام صحابیت پر حرف آنے کا اندیشہ ہے۔ کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کیفیت کے نہ ہونے کو نقص ایمان سمجھیں اور

پھر اس کو دور نہ فرمائیں۔ جبکہ سیدنا صدیق اکبرؓ افضل البشر بعد الانبیاء کے منصب پر فائز ہیں۔

(۲) جب وساوس کے سلسلہ میں حضرات صحابہ کرامؓ شاکی ہوئے اور ان کو بدتر سمجھنے کا اظہار فرمایا کہ جل کر کوئلہ ہونا گوار ہے مگر زبان سے نہ کہیں کر سکتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم "اختیاری تصدیق" کے وجود کو مدارا ایمان کا فیصلہ فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

ذاک صریح الایمان۔ جس سے کیفیت کے داخل ایمان ہونے کو زوردار طریقے سے رد فرمایا۔
(۳) افراد کی کیفیات کو دیکھ کر مجموعہ ملت اسلامیہ کیلئے تابذ "ایمان کو مرکب" قرار دینا محل نظر ہونا چاہیے۔ جبکہ ان افراد کی طرف منسوب جملہ محتمل المعانی بھی ہو سکتا ہے۔ امت کا بلا اختلاف فردیہ متفق حلیہ مسئلہ ہے کہ ایک آدمی "تصدیق قلب" کے بعد بلا اقرار عمل دنیا سے چلا جائے تو وہ ملت اسلامیہ کا فرد ہے اور کامل الایمان ہے اس کے حق میں ترکیب ایمان کا دور تک کوئی تصور نہیں۔

(۴) مقام غور ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام باری تعالیٰ کے ارشاد "اولم تؤمن" کے جواب میں "ہلی" فرما رہے ہیں جس سے اثبات ایمان ہوا۔ وہ بسیط ہے یا مرکب؟ ظاہر ہے بسیط ہے۔ اس لئے کہ اطمینان تو احیاء موتی کے بعد ہوا۔ تو وہ ایمان جو "احیاء موتی" سے پہلے بارگاہ خداوندی میں قابل تسلیم ہے وہ صرف تصدیق ہے۔ اگر اطمینان سے ترکیب ایمان مانی جائے تو احیاء موتی کو دیکھنے سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کیا ناقص الایمان تھے؟
(۵) آیت شریفہ میں ولكن لیطمئن قلبی میں لکن استدراک کیلئے ہے۔ جس کا معنی یہ ہے ایمان اور چیز ہے اور اطمینان قلب اور چیز ہے۔ بلا اطمینان ثابت ہونے والا ایمان بسیط ہے مرکب نہیں۔

(۶) حضرت امام بخاریؒ کے مندرجہ بالا چیزوں کو مصداق کے لحاظ سے ایمان کے مترادفات ماننے کے نتیجے میں بہت سے سوالات نے سر اٹھا لیا۔ مثلاً ہدایت اور ایمان کو مترادف مانیں تو ہدایت ایمان، اعمال اور اخلاق کے مجموعہ کا جب کہ ایمان صرف تصدیق کا نام ہے۔ تو ایمان کی ترکیب ثابت کرتے کرتے ہم نے ہدایت کے مصداق واقعی سے اعمال اور اخلاق کو خارج کر دیا اور اسے بسیط کر دیا۔ جبکہ ہدایت تین چیزوں سے مرکب تھی۔ تو جو مرکب تھی اسے بسیط کر دیا۔ اس لئے کہ ہم نے بسیط ایمان کو مرکب بنانا تھا۔

(۷) اس مترادف کے ثابت کرنے کیلئے جز کا اطلاق کل پر نیز ہوا وجہ حقیقی معنی ترک کر کے مجاز پر معمول کرنے سے جیسے تکلفات میں الجھنا پڑا۔ اس تناظر میں جب ایمان و اسلام میں مترادف نہیں تو اس کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے کہ ہم ہدایت، تقویٰ، یقین، حب فی اللہ، بغض اللہ اور اطمینان وغیرہ کو ایمان کے مترادف مانیں۔

(۸) محل غور ہے حالت کفر اور اس دور کے گناہوں کی معافی میں صرف تصدیق قلبی کا دخل ہے۔ اعمال و اقرار کو نہیں۔ جس سے بالکل عیاں ہے کہ ایمان بسیط ہے۔ اس لئے ایمان (تصدیق) قبول کرتے ہی بیہدم ماکان قبلہ کا ظہور ہو جاتا ہے۔ کسی بھی عمل پر یہ وعدہ موقوف نہیں۔ بلکہ کفر کے دور کی نیکیوں کی قبولیت بھی صرف تصدیق ہی پر وقوع پذیر ہے۔ اعمال و اقرار کا کوئی دخل نہیں۔ یہاں بعد از ایمان اقرار و اعمال پر مدد نہیں ٹھہرایا گیا۔

(۹) اگر ایمان کی حقیقت میں اعمال کا معتبر ہونا تسلیم کیا جائے تو اولادِ مسلم کا کوئی فرد ”قبیل از بلوغ“ کامل الایمان نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ شرط نہ ہو تو انہیں بھی اس محرومی سے بچایا جاسکتا ہے۔

ناقص سمجھ میں یہ بات آتی ہے کہ تصدیق (ایمان) کو درجہ و پیمان سمجھا جائے اور یا ایہا الذین امنوا کے اسلوب خطاب کے ذریعہ امر پر عمل کیا جائے۔ تو دنیا کے تمام ”دساتیر“ کے زیادہ قرین قیاس ہے۔ نیز شریعت کفار کو اس لئے کسی بھی ادنیٰ ظاہری و باطنی عمل کا حکم و نہی نہیں کرتی کہ کفار میں (تصدیق) عہد و پیمان ہی نہیں۔ اس تناظر میں بھی ایمان کو بسیط ہی سمجھنا چاہیے۔ جبکہ اسی ایجابی پہلو کی ضد سلبی پہلو میں بھی ہم کفار میں نفی تصدیق (کفر) کو قابل ملامت سمجھتے ہیں نہ کہ ترکِ صلوٰۃ و زکوٰۃ یعنی اعمال وغیرہ کو۔

نیز بحث ”نظریہ ایمان“ میں ہے، جو کمی بیشی یا ترکیب کا متحمل نہیں ہو سکتا، نقص و ازریاد کی کیفیت افراد کے ضمن میں پائی جاسکتی ہے۔ اس لئے نظریہ کے حوالہ سے جب حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کی طرف منسوب مقولہ ایمانی کا ایمان جبریل کا ذکر آیا تو نظریاتی مساوات جبریل و میکائیل اور ادنیٰ مومن کے لحاظ سے تبھی ممکن ہے جب اس میں کیفیت کو تسلیم نہ کیا جائے۔ ورنہ کہاں کیفیت جبریل علیہ السلام اور کہاں ایک بندہ بشر عام مومن۔؟ چہ نسبت خاک ربا عالم پاک؟

02 باب امور الایمان

بَابُ أُمُورِ الْإِيمَانِ وَقَوْلُ اللَّهِ تَعَالَى {لَيْسَ الْبِرُّ أَنْ تُولُوا أَوْ جُوهَكُمْ قَبْلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ} {قُلْنَا فَلَحِ الْيَوْمَ الْمُؤْمِنُونَ} {الْآيَةُ}.

ترجمہ: یہ باب ایمان کے کاموں کے بیان میں، اور اللہ تعالیٰ کے اس قول میں کہ نیکی صرف یہی نہیں ہے (کہ نماز میں) اپنا منہ مشرق یا مغرب کی طرف کر لو بلکہ اصل نیکی ان کی ہے جو اللہ پر ایمان لائے آخر آیت ”متقون“ تک اور ”قد الفلح المؤمنون“ اخیر تک

ربط اول: اس باب کا ما قبل سے ربط یہ ہے کہ بنی الاسلام علی خمس الخ، سے یہ وہم پیدا ہوتا تھا کہ اسلام کے صرف پانچ ہی اجزاء ہیں۔ اور امام بخاریؒ کے نزدیک ایمان و اسلام مترادف بھی ہیں تو امور الایمان کا باب قائم فرمایا۔ ربط ثانی: اجزاء ایمان دو قسم پر ہیں۔ ۱: اصولی، ۲: فروعی۔ باب سابق میں اجزائے اصولیہ کا ذکر تھا۔ اور باب ہذا میں اصولی اور فروعی دونوں کا ذکر ہے۔

فائدہ ۱: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حضرت امام بخاریؒ مخالفین کی تردید اور اپنا موقف اچھی طرح واضح کر چکے ہیں۔ اب یہاں سے ایک حامی بات کرنا چاہتے ہیں کہ ایمان کے بہت سے تقاضے ہیں۔ کسی خاص گروہ یا فریق کی تردید مقصود نہیں۔
فائدہ ۲: جنوآن کے بعد دو آیات ذکر فرمائی ہیں۔ مقصود ان سے دعویٰ نہیں بلکہ ان کا ذکر بطور دلیل کے ہے۔ دعویٰ ترجمہ الباب ہے۔

تشریح

- باب امور الایمان۔ امور کی اضافت ایمان کی طرف کوئی ہے؟
ج ۱: اضافت بیانیہ ہے یعنی باب الامور الی الایمان۔
۲: اضافت لامیہ ہے باب الامور بالایمان ای مکملات للایمان۔
۳: اضافت فی کے ساتھ ہے باب الامور من الایمان ای الداخلۃ فی الایمان۔
۴ اضافت من کے ساتھ ہے۔ باب الامور من الایمان ای الناشیۃ من الایمان۔ (درس شامی ۷۱)
سوال: ان دو آیات کو کیوں خاص کیا؟
جواب: اس لئے کہ ان میں بسط و تفصیل سے امور ایمان مذکور ہیں۔

لیس البر ان تولو او جو حکم۔ الخ

بیت اللہ شریف کے بعد بیت المقدس قبلہ قرار دیا گیا۔ لیکن پھر دوبارہ بیت اللہ ہی کو قبلہ قرار دیا گیا۔ اس پر اعتراض کیا جانے لگا کہ مسلمان کسی جہت پر قائم نہیں رہتے۔ اسی تناظر میں آیت شریفہ کا نزول ہوا کہ کوئی جہت اپنی ذات میں اہمیت نہیں رکھتی۔ اصل امر خداوندی ہے۔ جو اس بات کا امتیاز ہے کہ بت پرستی میں تعظیم اوٹان ہوتی ہے۔ یہاں تکمیل حکم خداوندی ہے۔ کسی خاص جہت کی تعظیم مقصود نہیں ہے۔ حاصل یہ ہے مشرق و مغرب کی طرف منہ کرنا بذاتہ نیکی نہیں ہے۔ اصل نیکی تو ایمان باللہ وبالآخرۃ اور دیگر آیت میں ذکر کردہ امور ہیں۔

لکن البر من امن:

- سوال: البر مصدر ہے اور من امن ذات ہے۔ تو ذات کا مصدر پر حمل درست نہیں۔
جواب ۱: یہاں البر کی جانب مضاف محذوف ہے۔ یعنی صاحب البر اب ذات کا ذات پر حمل ہے۔ فلا اشکال
جواب ۲: یا پھر من امن کی جانب مضاف محذوف مانا جائے۔ عبارت یوں ہے: لکن البر من امن۔ یہ حمل الی الی الی ہے۔

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کا طرز استدلال:

حضرت امام موصوف رحمہ اللہ نے البر کو عین ایمان ثابت کیا ہے۔ اور مترادف قرار دیا ہے کہ ہذا اور ایمان ایک ہی چیز ہیں۔ لہذا آگے جو تفصیلات ذکر کی گئی ہیں وہ درحقیقت ایمان ہی کی تفصیلات ہیں۔ تو ایمان میں ترکیب ثابت ہوگئی۔

جواب ۱: من امن بالله یہ معطوف علیہ ہے۔ اور آگے و اتنی المال علی حبہ ذوی القربی وغیرہ یہ معطوف ہیں جبکہ ان دونوں میں مغایرت ہوتی ہے معلوم ہوا کہ ہر کے تمام اعمال حقیقت ایمانیہ سے خارج ہیں۔

آیت بالا میں اولاً من امن میں عقائد کا بیان ہو اتنی المال سے حسن معاشرہ کا بیان ہے۔ تیسری چیز تہذیب نفس ہے اس کے دو پہلو ہیں ایک ادائیگی فرض جس کو اقام الصلوٰۃ و اتی الزکوٰۃ میں ارشاد فرمایا دوسری چیز حسن اخلاق اس کو والموفون بعہدہم اذا عاہدوا و الصابرین فی البأساء والضراء و حین البأس میں ارشاد فرمایا۔۔۔ تمام انواع بالا کے بعد فرمایا یہ لوگ سچے اور متقی ہیں۔ طریقہ استدلال اس طور پر ہے کہ ہر عقائد و اعمال اور اخلاق کے مجموعہ کا نام ہے۔۔۔ عند البخاری بڑا ایمان متحد ہیں۔۔۔ تو ترکیب ایمان ثابت ہوئی مگر عند الاحناف بڑا ایمان متحد نہیں۔

قال ابن حجر رحمہ اللہ عن عبد الرزاق عن مجاهد عن ابی ذر الغفاری رضی اللہ عنہ سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الایمان فقرأ البس البر ان تولوا و جوہکم الایۃ۔ او کما قال علیہ السلام۔ یہ روایت شرائط بخاری کے موافق نہیں تھی اس لئے اس آیت کو ترجمہ الباب میں لے آئے۔

امور دین پورے اس میں اس طرح سے ہیں:

(۱) شریعت کے بعض وہ احکام جن کا تعلق قلب و عقیدہ سے ہے اولاً ان کی طرف اشارہ ہے۔

(۲) احکام معاشرہ جو اتنی المال میں ہیں

(۳) جن کا تعلق نفس و بدن سے ہے وہ اقام الصلوٰۃ و اتی الزکوٰۃ میں ہیں۔۔۔ نیز قد افلح المؤمنون میں صفات

مادہ اور کافہ ہیں۔ یعنی بعض ایمان میں داخل ہیں اور بعض داخل نہیں ہیں۔ (درس شمارنی 73)

قد افلح المؤمنون:

بعض حضرات فرماتے ہیں یہ جملہ بطور تفسیر و اولئک ہم المتقون کے لئے ہیں۔ لیکن یہ قول مرجوح ہے۔ یہ مستقل آیت کے طور پر لائے ہیں۔

اس آیت کے بعد ”اولئک ہم الوارثون“ الخ تک صفات مومنین کا بیان ہے۔ جو ان کیلئے ضروری ہیں۔ اس سے بھی حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے ترکیب ایمان ثابت کی ہے۔

جواب ۲: مومنین کی یہ صفات فروعی صفات ہیں۔ حقیقت ایمان میں داخل نہیں ہیں۔

پس مرجعہ کا یہ کہنا کہ تصدیق کے بعد کسی عمل خیر کی ضرورت نہیں صحیح نہیں، الذین صدقوا، ہم المتقون اور قد افلح

المؤمنون مجموعہ عقائد و اعمال پر دل ہیں۔ (نصر الباری ج ۲ ص ۲۰۹)

حدیث نمبر 9- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ الْعَقَدِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا سَلِيمَانُ بْنُ بِلَالٍ

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

الایمان بضع وستون شعبۂ والْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایمان کی ساٹھ سے اوپر شاخیں ہیں اور حیا بھی ایمان کی ایک شاخ ہے۔

تعارف و اذات

حدثننا عبد اللہ بن محمد: یہ امام بخاریؒ کے استاذ محترم ہیں۔ اور ان کی تیسری پشت میں ایمان ہیں جن کا ذکر شروع میں آیا ہے۔ امام بخاریؒ کے جدا جدا حضرت مغیرہؒ انہی کی وجہ سے مشرف باسلام ہوئے تھے۔

سیدنا ابوہریرہؓ: آپؓ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں سب سے کثیر الروایات ہیں۔ مسند بقی بن مخلد میں ان کی مرویات کی تعداد ۵۳۷۴ بتلائی گئی ہے۔ امام بخاریؒ نے ان میں سے تقریباً ۵۰۰ کلاک بھگ مرویات لی ہیں۔

آپ کا لقب ابوہریرہؓ یا ابوہرہ تھا۔ آپؓ نے یہ لقب عطا فرمایا۔ یہ ملی سے کھلتے تھے۔ یہ لقب نام پر غالب آ گیا۔ تاہم دور جاہلیت میں ان کا نام عبد الشمس اور اسلام لانے کے بعد عبد الرحمن بن صخر رکھا گیا۔ رائج ہی ہے ورنہ چالیس تک اسماء ذکر کیے گئے ہیں۔ فائدہ: ابوہریرہؓ علمیت اور تائید کی وجہ سے غیر منصرف ہے اصل میں یہ مرکب اصنافی ابوہریرہؓ ہے لیکن کثرت استعمال سے علم بن گیا۔

تشریح حدیث

الایمان بضع وستون شعبۂ

یہاں شعبۂ کا ایمان پر حمل کیا۔ امام بخاریؒ کی مراد یہ ہے کہ پھر تو ایمان کا بہت ساری چیزوں سے مرکب ہونا ثابت ہو گیا۔ لیکن غور کیا جائے تو آپؓ نے لفظ شعبۂ استعمال فرمایا جس کے لغوی معنی شاخ کے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ ایمان کی شاخیں ہیں۔ تو یہاں جزائے کمال ایمان ہیں نہ کہ نفس ایمان۔

سوال: بظاہر یہ حدیث اس حدیث کے معارض ہے جس میں بضع و سبعون مذکور ہے؟

جواب ۱: عدد قلیل، کثیر کے منافی نہیں۔

جواب ۲: آپؓ شعب الایمان کی تعلیم تدریجاً دی گئی جتنا آپؓ علم دیا گیا آپؓ بتاتے

گئے۔ لہذا تعارض ہی نہیں۔

(۳) بضع و سبعون کی روایت رائج ہے ثقات کی زیادتی قبول ہے (۴) امام بخاریؒ فرماتے ہیں ستون کی روایت رائج ہے عدد اقل یقینی ہے کیونکہ یہ تمام روایات میں ہے (۵) سبعون کا لفظ کلام عرب میں تحدید و تعیین کے لیے نہیں بلکہ تکثیر کے لیے ہوتا ہے۔ فلا اشکال (نصر الباری ج ۲ ص ۲۱۰)

اشکالات وجوابات

الحیاء شعبۂ من الایمان

اس حدیث میں اختصار ہے۔ اور بعض میں اعلیٰ قول لا الہ الا اللہ وادناہا ما ملأ الا ذی عن الطریق۔

سوال: شعب اہل وادنیٰ مہد او منتہی کا ذکر تو صحیح معلوم ہوتا ہے، وسطانی لحاظ سے الحیاء کو بطور خاص کیوں بیان کیا؟ دیگر اوصاف شعب بھی وسطانی ہیں۔؟

جواب: جواب سے پہلے الحیاء کا معنی سمجھنا چاہیے۔

۱... انقباض النفس عن القبايح وترکھا الذلک۔

۲... التعجب عن الاذی۔ ۳... ترک الفعل لخوف الملامۃ۔

جواب ۱: حیا ایسی صفت ہے کہ جس کو حاصل ہو جائے تو وہ بہت سارے قبائح خود بخود چھوڑ دیتا ہے اس لئے اس کا ذکر خصوصیت سے کیا گیا۔ کما قال ﷺ اذالم تستحی فاصنع ما شئت۔

جواب ۲: حیا کو مخصوص بالذکر اس لئے فرمایا کہ اس کے بارے میں شبہ ہو سکتا تھا شاید شعب ایمان سے نہ ہو۔ اس کے ازالہ کیلئے فرمایا اللہ شعبۂ من الایمان۔ اس لئے کہ طبعاً انسان میں حیا ہوتی ہے۔

سوال: دوسرے جواب سے سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایمان کسی ہے اور حیا فطری اور طبعی ہے تو حیا شعبہ ایمان کیسے بنا۔؟

جواب: ایک نفس حیا ہے، یہ فطری ہے۔ اور ایک ہے حیا پر مرتب ہونے والے آثار و ثمرات۔ یہ اختیاری اور کسی ہیں۔ حدیث الباب میں حیا کسی مراد ہے۔

جواب ۲: حیا ابتداءً فطری ہے لیکن انتہاء کسی ہو جاتا ہے۔

جواب ۳: حیا کی دو قسمیں ہیں۔ طبعی اور عقلی۔ جس حیا کو شعبہ ایمان قرار دیا ہے وہ عقلی بھی ہے اور کسی بھی۔ ایک حیا طبعی ہے جو مخائب اللہ عطا کیا جاتا ہے یہ وہی ہے۔ اس کے منقضی کے مطابق عمل کرنا یہ حیا عقلی ہے۔

فائدہ: بعض حضرات نے حیا کے تین شعبے بیان کیے ہیں۔ ۱: حیا عرفی: جس کو عرف قبیح سمجھے اے ترک کرنا جیسے لقمہ گرہائے تو اٹھا کر کھا لینا۔ ۲: حیا عقلی: عقل جس کو قبیح قرار دے اے ترک کرنا۔ ۳: حیا شرعی: شریعت جس کو قبیح قرار دے اے ترک کرنا۔ حدیث الباب میں حیا شرعی مراد ہے نہ کہ عقلی و عرفی۔

فائدہ: حیا کا تعلق نظر سے ہے، علم سے نہیں۔

فائدہ: حیا شرعی اور عقل سلیم کے تقاضے سے پیدا شدہ ”حیا“ ایک ہی ہوتی ہے۔ اور جہاں کہیں تعارض معلوم ہو تو سمجھ لیجئے کہ عقل سلیم نہیں۔ دھوکہ ہے۔ نیز شرعی مسئلہ معلوم کرنے کیلئے حیا طبعی رکاوٹ نہیں ہونا چاہیے۔ مسئلہ پوچھنا اور عمل کرنا ضروری ہے۔ حیا شرعی کو اگر معیار نہ بنایا جائے تو یہ عرف و رواج کے حوالہ ہو کر مختلف پیمانوں میں ڈھل جاتا ہے۔

03 باب الْمُسْلِمِ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ

مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ أَبِي لِيَاسٍ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي الشَّافِعِ وَإِسْمَاعِيلَ عَنْ الشَّافِعِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللَّهُ عَنْهُ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ قَالَ أَبُو مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا دَاوُدُ عَنْ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ عَلَى عَن دَاوُدَ عَنْ عَامِرٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ حدیث: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں اور مہاجر وہ ہے جو ان کاموں کو چھوڑ دے جن سے اللہ نے منع کیا ہے۔

ربط: اس باب سے باب علامۃ الایمان حب الانصار تک ربط کی تقریر یہ ہے۔ پہلا اور چہلنی ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔ یہ حقوق العباد میں کم سے کم ہر جہ سے اس کی اہمیت کی وجہ سے افضل الاسلام قرار دیا گیا۔ دوسرا اور چہلنی یہ ہے کہ دوسرے کو فائدہ پہنچائے۔ وہ اطعام الطعام من الاسلام سے بیان کیا۔ یہ درجہ مواساتہ ہے۔ اس سے اگلا درجہ یہ ہے کہ دوسروں کیلئے وہی پسند کرے جو اپنے لئے کرے۔ یہ مساوات ہے۔ اس سے اگلا درجہ یہ ہے کہ کسی سے محبت اپنی ذات سے زیادہ ہو جائے اور اپنی جان پر بھی ترجیح دینے لگے۔ یہ حب الرسول ﷺ ہے۔ اس سے اگلا درجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کی وجہ سے آپ ﷺ کے متعلقین سے بھی محبت رکھے۔ چنانچہ اسی کو بیان کرنے کیلئے امام بخاریؒ نے باب علامۃ الایمان حب الانصار قائم فرمایا۔

تشریح حدیث

المسلم من سلم المسلمون:

سوال: مبتد اور خبر دونوں معرف ہیں۔ بظاہر صرہ ہوگا کہ مسلمان صرف وہی ہوگا جس سے دوسرا مسلمان محفوظ رہے۔
جواب ۱: اس بات کا حکم نہیں لگایا گیا جس کے ہاتھ اور زبان سے باقی مسلمان محفوظ ہوں وہ مسلمان کامل ہو گیا۔ اس لئے کہ مسلمان کامل ہونے کیلئے بہت سی چیزوں کی ضرورت ہے من جملہ ان کے ایک بات یہ بھی ہے۔ (درر بخاری 184)
جواب ۲: المسلمون باعتبار اغلب کے ہے کہ گفتگو دار الاسلام میں ہے ورنہ دار الحرب میں غیر مسلم بھی ایذا مسلم سے محفوظ ہوں، یہ بھی مدارات میں داخل ہے۔ (الامحار بون) [انعام 368/1]

سوال: یہ صرہ درست نہیں اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مسلم کسی مسلم کو ایذا پہنچائے تو وہ مسلمان نہ رہے حالانکہ ایسا نہیں۔

جواب ۱: المسلم پر الف لام عہد خارجی ہے مراد کامل مسلمان ہے۔

جواب ۲: تنزیل الناقص بمنزلة المعلوم ہے از حضرت علامہ کشمیریؒ (عرف پر محمول ہے کہ یہ بھی کوئی مسلمان ہے؟)

سوال: المسلمون صیغہ جمع مذکر ہے تو کیا عورتوں کو ایذا پہنچانا جائز ہے؟

جواب: عورتوں کا ذکر پردہ کی وجہ سے نہیں کیا۔ تبعاً وہ بھی شامل ہیں۔

من لسانہ ویدہ:

سوال: لسان اور ید کی تخصیص کیوں کی؟

جواب: یہ تخصیص احترازی نہیں بلکہ اٹلی ہے۔

سوال: ید اور لسان میں لسان کو مقدم کیوں کیا؟

جواب: لسان کی جو تکلیف ہے وہ جاہ کی ہے۔ ہاتھ کی تکلیف مال و جان کے لحاظ سے شمار کی جاتی ہے۔ جاہ کی تکلیف

بڑی سمجھی جاتی ہے۔ ۲: لسان کی تکلیف ماضی، حال، مستقبل کے لحاظ سے ہو سکتی ہے جبکہ ہاتھ کی تکلیف صرف حال کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ البتہ اس کو ہاتھ سے چھاپ دے تو یہ تکلیف بھی زیادہ ہو سکتی ہے۔

سوال: لسان فرمایا: کلام کیوں نہ کہا؟

جواب: بعض اوقات زبان کے اشاروں سے بغیر بولے بھی تکلیف پہنچائی جاتی ہے۔

سوال: حدود و تعزیرات میں دوسرے مسلمانوں کی سلامتی پامال کی جاتی ہے کیا یہ جائز ہے؟

جواب: سلامتی کی دو اقسام ہیں۔ ایک فرد کی۔ دوسری جماعت کی۔ حدود و تعزیرات معاشرہ کی سلامتی کیلئے اس کا نفاذ

کیا جانا ضروری ہے۔ سلامتی معاشرہ کے ضمن میں سلامتی افراد بھی متحقق ہو جائے گی۔

اس لئے حدود و تعزیرات کو ظلم قرار دینا کسی طرح درست نہیں۔

المہاجر من ہجر ما نہی اللہ:

اس میں آپ ﷺ نے مہاجر کامل کی تعریف فرمائی ہے۔

باب مفاصلہ میں عام طور پر فعل کا وقوع دونوں طرف سے ہوتا ہے مگر کبھی کبھی اس کا اطلاق ایسے فعل پر بھی ہوتا ہے جو ایک

طرف سے صادر ہو جیسے مسافر۔ یہاں پر بھی مہاجر ایسا ہی ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ مہاجر میں فعل کا وقوع دو طرف سے ہو

جب آدمی اپنا وطن چھوڑے گا تو وطن بھی اس کو چھوڑے گا۔ (درس بخاری 183)

ہجرت کی دو قسمیں ہیں۔ ۱: ہجرت ظاہری: دار الفساد سے دار الامن کی طرف، یا دار الکفر سے دار الاسلام کی طرف نقل

مکانی کی جائے۔ ۲: ہجرت باطنی: منہیات کو چھوڑنا، تو کامل مہاجر وہ ہے جو وطن کے ساتھ گناہوں کو بھی چھوڑ دے۔ وطن

چھوڑنے میں ایک دفعہ اور گناہ چھوڑنے میں ہر وقت تکلیف کا سامنا ہے۔

قال ابو عبد اللہ

یاما بخاری کی کنیت ہے۔ اپنے آپ کو تواضعاً غیب کے صیغہ سے ذکر کرتے ہیں کیونکہ قلث میں دعویٰ اور تعلی کا شبہ ہے۔

- قال ابو معاوية: امام بخاریؒ نے دو تعلیقات ذکر فرمائی ہیں۔ ان کے چند فوائد یہ ہیں۔
- ۱... پہلی سند میں معصہ ہے۔ تعلیق کے ذکر سے معصہ میں جو عدم لقاء کا احتمال ہے وہ دور ہو جائے۔
 - ۲... قال عبد الاعلیٰ والی تعلیق میں داؤد مطلق ہے پہلی تعلیق ذکر کر کے بتلادیا کہ داؤد سے مراد داؤد بن ابی ہند ہیں۔
 - ۳... دوسری تعلیق میں عبد اللہ مطلق ہے۔ محدثین کرام کا اصول ہے جب عبد اللہ مطلق ذکر کیا جائے تو عبد اللہ بن مسعودؓ مراد ہوتے ہیں۔ یہاں عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ مراد ہیں۔ دوسری تعلیق سے جو غلط فہمی ہو رہی تھی پہلی تعلیق سے اسے دور کیا۔
- سوال: پہلی روایت میں شعبی کا ذکر ہے۔ دوسری روایت میں ذکر نہیں یہ متابع کیسے بنا۔؟
- جواب: ”عامر“ شعبی ہی کا نام ہے۔ یہ اجلہ تابعین میں سے ہے۔ بہت سے حضرات صحابہ کرامؓ کے شاگرد ہیں۔ حضرت امام اعظمؒ کے شیخ و استاذ ہیں۔

04 باب أَيُّ الْإِسْلَامِ أَفْضَلُ

کونسا اسلام افضل ہے؟

حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ يَحْيَى بْنُ مُعَاوِيَةَ الْقُرَشِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو بَرْدَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي بَرْدَةَ عَنْ أَبِي بَرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ أَيُّ الْإِسْلَامِ أَفْضَلُ قَالَ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ.

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! کونسا اسلام افضل ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ رہیں۔

تعارف و احوال

حضرت ابو موسیٰؓ۔ ان کے صاحبزادے حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ پھر ان کے پوتے (ابو بردہؓ) روایت کرتے ہیں۔ (داد اور پوتے دونوں کی کیفیت ایک ہے اور میان میں عبد اللہ والد ہیں۔)

حضرت ابو بردہؓ بصرہ کے مشہور قاضی تھے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے صاحبزادے محترم اور فقہاء میں سے تھے۔

حضرت ابو موسیٰؓ کی کل مرویات 360 ہیں۔

فائدہ: روایت جو عن میں جو نام دو عن کے درمیان آئے ان کا مصداق ایک ہی ہوتا ہے چاہے درمیان میں اب، بن وغیرہ آئیں۔

غرض ترجمہ: امام بخاریؒ فرمانا چاہتے ہیں کہ ایمان بہت سی خصائل پر مشتمل ہے۔ اس لئے سوال یہ ہے کہ کونسی محصلت افضل ہے۔ پس اسلام کی ترکیب بھی ثابت ہوگئی۔

جواب: مابقی میں گذر چکا کہ اجزاء فروغی ہیں۔ نفس ایمان کے اجزاء نہیں۔

تشریح حدیث

ای کئی معانی میں مستعمل ہے۔ کبھی شرطیہ: ایا ماتدعو افلہ الاسماء الحسنی۔ کبھی موصولہ: ایہم اشد علی الرحمن عتیا۔ (سرکشی) کبھی حرف ہند اور معرف باللام کے درمیان فاصلہ کیلئے ہوتا ہے تاکہ تعریف کے دوا لے اکٹھے نہ ہو جائیں: یا ایہا الرجل یا ایہا المزمحل یا ایہا المذثر۔ کبھی استفہام کیلئے آتا ہے: ایکم زادہ ہذہ ایماناً۔ آخری یہاں مراد ہے۔ سوال: سوال وجواب میں مطابقت نہیں ہے؟ سوال میں خصلت اسلام کا ذکر ہے جواب میں ذات ’من سلم کا ذکر ہے۔ جواب: سوال کی جانب مضاف محذوف ہے۔ تقدیر عبارت: ای ذی خصلۃ الاسلام افضل۔؟ یا جواب کی طرف مضاف محذوف ہے: ای خصلۃ من سلم المسلمون۔

سوال: ای الاسلام افضل، یہ سوال بہت سی احادیث میں آتا ہے لیکن جواب مختلف احادیث میں مختلف ہے۔ جواب (۱): مختلف احوال یا مختلف شخصیات کے اعتبار سے جوابات مختلف ہیں۔ (۲) یا افضل الاسلام ایک نوع ہے اس کے تحت کئی افراد ہیں مختلف جوابات سب اسکے افراد ہیں۔ جواب نمبر ۳: اعمالی اجناس مختلف ہیں بسا اوقات ہر جنس میں سے کسی ایک جنس کو افضل کہہ دیا جاتا ہے جیسے اعتقادات میں ایمان باللہ اور عبادت بدنیہ میں نماز افضل ہے وغیرہ۔ (دلیل ۱۴۳) جواب نمبر ۴: متکلم پر سائل کی موجودگی میں جس کیفیت کا غلبہ تھا اس کو افضل قرار دیا جائے جیسے حضرت ابو ہریرہؓ کو نعلین شریفین دیتے ہوئے رحمت کا غلبہ تھا تو بشارت کا حکم دے دیا جو ملے اس کو جنت کی خوشخبری دے دو۔۔۔ حضرت عمرؓ کے عرض کرنے پر کہ لوگ ترک عمل کا بہانہ نہ بنالیں تو حکمت کا غلبہ ہو گیا۔۔۔ منع فرما دیا۔

جواب نمبر ۵: کبھی کلی فضیلت نہیں ہوتی من وجہ فضیلت بتانا مقصود ہوتی ہے (کافی المناقب) (دلیل ۱۴۳) آپ کو کس سے محبت زیادہ ہے؟ آپ علیہ السلام نے کبھی ابو بکرؓ، کبھی عائشہؓ، کبھی فاطمہؓ، کبھی حسن و حسینؓ کا نام لیا۔ ایضاً افضل الاسلام کے جوابات مختلف ہیں۔

(۱) ایک مراد یہ ہے کہ کسی چیز کی مطلق فضیلت ہوتے ہوئے ”وقتی عبادت“ افضل ہو جائے۔ مثلاً انداز س العلم ساعة من اللیل خیر من احیائها لیکن اگر شب قدر آجائے تو استثناء ہوگا۔ ابدات کو عبادت افضل ہے یہ وقتی فضیلت ہے۔ (انعام 380/1) تین بنیادی فرق ہیں۔ مسائل، اوقات اور حیثیات۔ جوابات مختلف ہوتے۔ یہ تعارض نہیں۔ (انعام 381/1)

ای الاسلام افضل اور ای الاسلام خیر کا فرق یہ ہے کہ فضل کا لفظ ثواب کی کثرت کے لحاظ سے بولا جاتا ہے اور خیر کا لفظ ایصال نفع کیلئے مستعمل ہے۔ نیز فضل کا اطلاق اس خوبی پر ہوتا ہے جس کا نفع خود اپنی ذات کو ہو اور خیر اس محمود صفت کو کہتے ہیں جس کا فائدہ دوسروں کو بھی پہنچے۔ (امداد الباری 4/349)

جواب ۶: دوران سوال الفاظ مختلف استعمال ہوئے ہیں کہیں ”افضل“ ہے کہیں ”خیر“ اور کہیں ”احب الی اللہ“ وغیرہ تو ان الفاظ کے اختلاف کی بنا پر جواب بھی مختلف ہوئے۔ (درس شامی 81)

فائدہ: امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان جوابات سے مراد یہ ہے کہ ان میں کوئی بھی علی الاطلاق افضل نہیں بلکہ من افضل الاعمال کذاو کذا، گویا افضل الاعمال کی ایک فہرست ہے۔ واللہ اعلم (درس شمارتی 81)

05... بابِ اطْعَامِ الطَّعَامِ مِنَ الْإِسْلَامِ

کھانا کھلانا اسلام میں داخل ہے

حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيدَ عَنْ أَبِي الْخَيْرِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْإِسْلَامِ خَيْرٌ قَالَ طَعْمُ الطَّعَامِ وَتَقَرُّ السَّلَامِ عَلَى مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے ایک شخص نے سرور کائنات ﷺ سے پوچھا اسلام کی کون سی نصیحت بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا کھانا کھلانا اور ہر ایک (مسلمان) کو سلام کرنا اس کو پہچانتا ہو یا نہ پہچانتا ہو۔

تشریح حدیث

رجلا کا مصداق حضرت ابوذرؓ یا ہانی بن مرہمہ والد شرح ہیں۔ (امداد الباری 4/348)

حدیث الباب کے تمام راوی مصری ہیں۔ (ایضاً)

اس عنوان سے ترکیب ایمان ثابت ہوگئی۔۔۔ ماسبق کی طرح یہاں بھی حصول کا لفظ محذوف ہے۔ یعنی ای

حصول الاسلام خیر؟

سوال: طعم الطعام۔ یہ سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ تھا: ای الاسلام خیر۔ جواب: طعم الطعام سے دیا جا رہا ہے۔ یہ اس لئے صحیح نہیں کہ سوال کے ساتھ مطابقت نہیں۔۔۔ کیونکہ باہمی ترکیبی ربط نہیں۔۔۔

جواب: یہاں قال کے بعد مقولہ الخیر اَنْ طعم الخ، محذوف مانا جائے گا۔ اگرچہ اَنْ عمل نہ کرتا ہو۔۔۔ تو الخیر مبتدا اور اَنْ طعم الطعام الخ خبر ہے۔ چونکہ مقولہ حملہ ہوتا ہے تو الخیر کا بطور مبتدا ماننا بھی ضروری ہے۔

طعم الطعام مضارع لائے تاکہ استمرار و دوام کا معنی حاصل ہو سکے۔ یعنی خوب کھانا کھلائے۔

مفعول کا ذکر نہیں کیا۔ تاکہ نیک و بد مسلمان، کافر حتیٰ کہ حیوانات کو بھی شامل ہو جائے۔ اور ایسے ہی کھانے میں بھی قیم ہے تکلف والا ضروری نہیں، جو میسر ہو کھلائے۔ اور اطعام وغیرہ کے مفہوم میں مشروبات اور چائے، پھل فروٹ بھی شامل ہیں۔۔۔

فائدہ: اطعام طعام سے بخل نازل ہوتا ہے اور سلام سے کبر ختم ہوتا ہے۔ ۲: بخل و کبر حسب دنیا کی علامت ہے اطعام طعام اور سلام یہ دونوں وصول الی اللہ کی اصل ہے۔ اطعام طعام سے بخل دور ہوتا ہے خلق اللہ کو نفع پہنچتا ہے۔ سلام سے مروت

اور محبت اور اتفاق باہمی پیدا ہوتا ہے ان دونوں سے اصلاح شخصی اور اجتماعی دونوں حاصل ہوتی ہیں۔ (درس بخاری 185)

سوال: اس حدیث میں تقیم ہے جبکہ دوسری حدیث میں ہے: لایاکل طعامک الا تقی۔

جواب: الا تقی میں افضلیت کا بیان ہے۔ یعنی افضل یہ ہے کہ تقی کو کھلائے لیکن اس سے باقی کی نفی نہیں ہے۔

جواب ۲: طعام کفایت و ضرورت میں تقیم ہے نیک و بد ہر کسی کو کھلا سکتا ہے۔ اور طعام ضیافت صرف اقیاء کو کھلائے۔

تقرئ السلام:

سوال: یہاں تقرئ السلام کہا تعطم الطعام کی طرح تسلم السلام فرمادیتے تو کلام میں روانی پیدا ہو جاتی۔

جواب: اس انداز کو اس لئے اختیار فرمایا تاکہ سلام نہ بانی اور سلام تحریری دونوں کو شامل ہو جائے۔

عند الملاقات تحفہ سلام صرف اس امت کی خصوصیت ہے۔ اس میں سلامتی و امن کا پیغام و بشارت، ذریعہ محبت و اپنائیت و دیگر بہت ساری معاشرتی خوبیاں داخل ہیں۔ چنانچہ عرب کے بدو سلام کہنے کے بعد باہم مامون قرار پاتے تھے۔ سلام کہنا سنت ہے اور جواب واجب۔ اور اس کا ثواب واجب سے بھی زیادہ ہے یعنی پھل کرنے والے کو۔ مگر طریقہ نبوی شرط ہے۔

علی من عرف و من لم تعرف:

پہچان کر سلام کرنا یہ سلام مواجہت یا سلام رشوۃ ہے۔ صرف مسلمان دیکھ کر سلام کریں تو یہ عبادت اسلامی ہے۔ اور سلام کو پہچان تک محدود کرنا علامت ترقی امت میں سے ہے۔

06 باب مِنْ الْإِيمَانِ أَنْ يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ

اپنے بھائی کیلئے بھی وہی پسند کرنا ایمان میں سے ہے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ شُعْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَنْ حُسَيْنِ الْمُعَلِّمِ قَالَ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا حتیٰ کہ پسند کرے اپنے بھائی کے لئے وہ جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

تشریح حدیث

(ربط عباد علامۃ الانصار تک بیان شدہ ہے)

حد ثنامسدد: یہ حدیث امام بخاری نے دو اسناد سے ذکر کی ہے۔ (۱) یحییٰ بن سعید قطان سے۔ جو کہ حرج و تعدیل کے

امام اور حضرت امام اعظمؒ کے شاگرد و رشید ہیں۔ دوسری روایت حسین المعلم سے ہے جو یحییٰ کے استاذ ہیں۔ جو اس کو حضرت قتادہؒ سے روایت کرتے ہیں۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ شعبہ نے عن سے اہل کیا۔ اور حسین معلم حدیثنا یعنی تحدیث سے اہل کرتے ہیں۔ اس لئے امام بخاریؒ یہ وضاحت فرما رہے ہیں کہ یہ ثبوت قاطع ہے۔ عن کی وجہ سے عدم لفظ کا جو شبہ ہو سکتا ہے وہ نہیں۔ یہ حضرت انسؓ کی روایت ہے جن کی کفایت ابو حمزہؓ ہے۔ نبی پاک ﷺ کے اس سالہ خادم ہیں۔ آپ کی کل مرویات ۲۲۸۶ ہیں۔ حدیث الباب سے ترجمہ الباب صراحۃً ثابت ہے۔ باقی مقصود بخاریؒ یہ ہے کہ اجزائے ایمان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایثار نفس کرے۔ تو اجزاء مکملات ایمان میں سے ہیں۔ جو امام بخاریؒ ترکیب ثابت کر رہے ہیں وہ صحیح نہیں۔ البتہ مرجعہ پر رو ہے کہ اعمال مفید ہیں۔

...۱ لایومن احدکم: یہاں کمال کی نفی کیلئے لا لایا گیا۔ یعنی کامل مومن نہیں ہو سکتا۔

...۲ لگی لیاقت ہے۔ یعنی مومن کی یہ شان نہیں ہے۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں یہاں نفی جنس ایمان کی ہے کیونکہ لا کو لگی جنس پر حمل کرنا معنی حقیقی ہے اور لگی کمال پر حمل کرنا معنی مجازی ہے اور مجاز کو اس وقت مراد لیں گے جب حقیقت پر عمل متحد رہو۔ جبکہ یہاں ایسا نہیں۔ تو تنزیل الناقص بمنزلۃ المحدث کے قبیل سے ہے۔ یعنی دراصل تو مراد ایمان ناقص ہے مگر اس کو غیر معتبر قرار دے کر معدوم سے تعبیر کیا۔ لایؤمن میں حقیقت ایمان جو اللہ کو مطلوب ہے وہ نہیں۔ خواہ مردم شماری میں مسلم اور دارالافتاء اس کو مؤمن کہے۔ (انعام 383/1) اشکال: ایک آدمی گناہ میں مبتلی ہے تو کیا دوسرے آدمی کے لئے بھی یہی گناہ پسند کرے۔

ج: بعض طرق میں لایومن احدکم حتیٰ یحب لا ٰخیه من الخیر ما یحب لنفسه۔ لہذا گناہ اس میں داخل نہیں۔ علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں: بنظاہر حدیث تو یہی ردال ہے لیکن درحقیقت تفضیل لایاٰ خریٰ نفسہ مراد ہے۔ چنانچہ فضیل بن عیاضؒ نے سفیان بن عیینہؒ سے فرمایا تھا کہ نصیحت اور خیر خواہی یہ ہے کہ دوسرے کو افضل سمجھے اور برابر سمجھنا کوئی خوبی نہیں۔ (درس شمارنی 82) یحب لا ٰخیه: اخوت سے مراد اخوت دینی ہے۔

یہاں پر ایک اشکال وارد ہوتا ہے کہ مومن کامل ہونے کیلئے اگر یہ بات ضروری ہے تو حضرت سلیمانؑ کا قول: رب ھب لی ملکاً لا ینبغی لاحد من بعدی۔ اسی طرح دعاء کے سلسلہ میں قرآن کریم میں ہے: واجعلنی للمتقین اماماً۔ اسی طرح ہم آنحضرت ﷺ کیلئے دعا کرتے ہیں ات محمد، الو سلیقو الفضیلۃ والدرجۃ الر فیعۃ وابعثہ مقاماً محموداً ہم حضور ﷺ کیلئے مقام محمود کی دعا کرتے ہیں اور مقام محمود تک پہنچنے کی صلاحیت شخص واحد میں منحصر ہے۔ یہ ساری باتیں غلط ہو جائیں گی اور لازم آئے گا کہ یہ حضرات مومن کامل نہ ہوں اور یہ باطل ہے۔ اس اشکال کے کئی جواب ہیں:

...۱ یہاں پر معنی مطابقی مراد نہیں بلکہ معنی کنائی مراد ہیں۔ یہ کنایہ ہے حسد اور بغض کے دور ہونے سے جیسے کہا جاتا ہے زید کثیر الر ماد یہ کنایہ کثیر الاضیاف اور سخی ہونے سے ہے چاہے اس کے پاس را کھ ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح مطلب یہ ہے کہ

لوگوں سے کیونکہ نہ رکھے اور لوگوں پر تکبر نہ کرے اور تواضع سے پیش آئے۔

۲... معنی حقیقی مراد لیں مگر یہ باعتبار اغلب اور اکثر کے ہوں۔ باعتبار استعراق و عموم کے نہ ہوں۔

۳... معنی حقیقی مراد لئے جائیں مگر اس کو خاص کیا جائے ان چیزوں کے ساتھ جس میں اشتراک ممکن ہو اور اشیاء غیر ممکن میں اشتراک کا استثناء کر لیا جائے۔

۴... مثل اور نظیر کو مایہ حب سے پہلے قدر مانا جائے کہ اپنے بھائی کیلئے اس کے مثل و نظیر کی تمنا رکھنے نہ کہ بعینہ اسی چیز کی۔

(درس بخاری 186)

فائدہ: حضرت علامہ انور شاہؒ فرماتے ہیں: حنفیہ یا دوسرے حضرات اس جیسی حدیثوں میں یہ کہتے ہیں کہ یہ لاشیٰ کمال کیلئے ہے۔ تاہم مقصود حدیث کے حوالہ سے بھرپور عمل مطلوب ہے۔ اس پر اور کچھ نہ ہو تو آنحضرتؐ ضرور آئی ہے۔ اور نفس کام چوری کیلئے یہاں اور راستہ نکالتا ہے۔ اس لئے عوام الناس کے سامنے زیادہ تاویلات نہ کرے۔

سوال: بظاہر مفہوم حدیث پر عمل مشکل بلکہ محال تک ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس لئے کوئی شخص کمال ایمان کا درجہ حاصل کرنے کے لئے ایک چیز کو اپنے لئے پسند کرتا ہے تو وہ اس کا ایثار دوسرے بھائی کیلئے نہیں کرتا اور اس چیز کو اپنے تک محدود رکھتا۔ ہر درجہ کمال کو نہیں پہنچ سکتا۔ اور اسی طرح جب دوسرے تک وہ چیز پہنچ جائے تو یہی حدیث اس کی طرف متوجہ ہوگی تو وہ بھی آگے ایثار کا پابند ہے۔ یہ تسلسل کا لزوم ہے جو ناقابل عمل ہے۔ مثلاً کسی شخص کیلئے رشتہ کا انتخاب یا منصب تجویز ہوا تو ایثار کے تسلسل سے عمل تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا۔

جواب ۱: یہ حدیث معاملات پر معمول ہے۔ استعمالی اشیاء یا ترقی مناصب پر معمول نہیں۔

جواب ۲: مشاورت پر معمول ہے۔ یوں سمجھ کر مشورہ دے کہ میں اپنے لئے کیا پسند کرتا۔

جواب ۳: معاقبہ پر معمول ہے۔ اگر آپ کے سامنے کوئی قصور وار اور مجرم ہو کر پیش ہو تو اس کے لئے جزا و سزا کے انتخاب کا طریق کار وہی رکھیں جو ایسی صورت میں آپ اپنے لئے کرتے ہیں۔ ستاری، درگزر، عزت نفس کا خیال وغیرہ ان تمام پہلوؤں کو سوچ سمجھ کر فیصلہ کریں۔ اللہ اکبر!

جواب حدیث الباب سے وہ چیز مراد ہے جس میں تعدد و اشتراک ہو سکتا ہے۔ (درس بخاری)

فائدہ ۱: اسلام کا مزاج ادا کی حق میں فکر مندی اور جلدی کا ہے جبکہ مطالبہ حقوق میں یسر و آسانی ملحوظ رکھنے کی تاکید ہے۔

فائدہ ۲: امام بخاریؒ فی الغبارۃ کے لئے تقدیم و تاخیر کرتے ہیں من الایمان کبھی پہلے لاتے ہیں کبھی بعد میں۔

فائدہ ۳: یا حدیث کے الفاظ کی وجہ سے تقدیم و تاخیر کرتے ہیں جیسے حدیث میں: لا یومن الا یؤمن کو مقدم کیا۔ (درس شمارنی 83)

لطافت اسناد: اس روایت کے تمام رواۃ بصری ہیں اس سے قبل کے باب کی روایت کے سب راوی کوئی ہیں اس سے قبل

کے سب مصری ہیں۔ (امداد بخاری 360/4)

07... بَابُ حُبِّ الرَّسُولِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْإِيمَانِ

حضور ﷺ سے محبت رکھنا ایمان کا ایک جزء ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو الزُّنَادِ عَنْ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قُلُوبُ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا نَقُولُ لَا يُحِبُّ أَنْ يَأْخُذَ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَنَفْسِهِ.

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَزِيدَ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ عُثَيْمٍ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَنَفْسِهِ أَجْمَعِينَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کی نظر میں اس کے والدین اور اولاد سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ دوسری روایت بھی یہی ہے اس میں صرف والناس اجمعین کا اضافہ ہے۔
رہطہ تا قبل میں مسلمان بھائی کی محبت کو جزو ایمان قرار دیا تو باب ہدائیں یہ بتلایا جا رہا ہے کہ آپ ﷺ کی محبت بدرجہ اولیٰ معیار ایمان ہوگی۔ (دلیل القاری ص ۱۳۵)

اصح الاسانید

حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ

اس حدیث میں بہت بلند پایہ مضبوط ترین راویان حدیث ہیں۔ اس میں بڑے اونچے درجہ کے محدثین کرام ہیں۔ یہ وہ طریق ہے جس کے بارے میں امام بخاریؒ کا مقولہ مشہور ہے کہ ابو ہریرہؓ کی اسانید میں یہ اصح الاسانید ہے۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے تہذیب التہذیب میں امام بخاریؒ کی طرف یہ مقولہ منسوب کیا ہے۔ امام بخاریؒ نے مطلقاً اس سند کو اصح الاسانید قرار دیا ہے۔ (العام)
فائدہ: حدیث الباب کی سند میں عن الاعرج آیا ہے۔

اس سے مراد ابو داؤد و عبد الرحمن بن ہرمز ہیں۔ امام مالکؒ ان سے بالواسطہ روایت کرتے ہیں۔ ایک دوسرے عبد اللہ بن یزید بن ہرمز ہیں ان سے امام مالکؒ بلا واسطہ روایت کرتے ہیں۔ ان سے فقہ بھی حاصل کی ہے۔ امام مالکؒ کی سند میں جہاں ابن ہرمز آئے گا وہاں عبد اللہ بن یزید بن ہرمزی مراد ہوگا۔

تشریح حدیث

سوال: حدیث الباب من والده وولده والناس اجمعین: میں اصول وفروع اور عام لوگوں سے بھی زیادہ محبت ہونا معیار ایمان قرار دیا گیا۔ خود اپنی ذات کا ذکر نہیں؟

جواب: والد اور ولد کے ضمن میں اپنی جان بھی آگئی۔ جب ان دونوں پر جان فدا کرنے کی کوشش کرتا ہے تو جس ذات بابرکات پر ان دونوں کو قربان کیا جاسکتا ہے تو اپنی جان تو بطریق اولیٰ فدا کی جاسکتی ہے۔

جواب ۲: انسان کی اپنی جان کا ذکر ”والناس اجمعین“ میں ہے کیونکہ یہ بھی الناس میں داخل ہے۔ (ورنہ اس کا ناس ہو جائے گا۔) نیز دوسری روایت میں اپنی جان سے زیادہ محبوب ہونے کا ذکر بھی ہے۔ (بخاری شریف ۲/ 981)

جواب ۳: آپ ﷺ اپنی امت سے کمال ایمان کیلئے محبت مطلوب ہے وہ کونسی ہے؟ اس کو حضرت عمرؓ کے اس ارشاد سے سمجھنا چاہیے کہ آپ ﷺ سے یہ حدیث سن کر صاف گوئی سے عرض کیا کہ مجھے اپنے اندر آپ کی ”ذات مبارک“ کی نسبت اپنی ذات سے محبت زیادہ نظر آتی ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تو معیار ایمان تو حاصل نہیں ہوگا۔ اسی ارشاد کے بعد حضرت عمرؓ نے عرض کیا: اب مجھے وہ معیار مطلوب حاصل ہو گیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: الان یا عمر۔

سوال: مذکورہ دونوں حدیثوں میں والد کو ولد پر مقدم کیوں کیا؟

جواب نمبر ۱: والد تو ہر کسی کا ہوتا ہے اولاد بعض اوقات نہیں ہوتی۔

جواب نمبر ۲: والد قابل تعظیم ہے تو محبت تعظیمی آپ سے مطلوب ہے۔

جواب نمبر ۳: والد کے قابل تعظیم ہونے کی وجہ سے ولد پر مقدم فرمایا۔

جواب نمبر ۴: آپ ﷺ منزل والد کے ہیں انما انالکم بمنزل الوالد

(ابوداؤد ج ۳ ص ۱) اس لیے والد کو مقدم کیا گیا۔

بعض طرق میں ولد کو مقدم کیا گیا ہے کیونکہ والد کو جتنی اولاد سے محبت ہوتی ہے اولاد کو نہیں ہوتی۔ تو اولاد سے بھی زیادہ محبت آپ ﷺ سے مطلوب ہے۔ (دلیل ۱۱۵۲)

فائدہ: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ چونکہ حضرت عمرؓ ”مراد رسول“ تھے تو آپ ﷺ کے سامنے معیار محبت کو نہ دیکھ کر اپنا باطن کھول دیا۔ تو لمحہ بھر میں وہ کیفیت مطلوب آپ ﷺ کی توجہ و برکت سے حاصل ہوگئی۔

فائدہ: یہ بات بھی مترشح ہوتی ہے کہ اپنے شیخ کے سامنے صاف گوئی سے مقامات باطنیہ لمحوں میں طے ہو جاتے ہیں۔ اور روحانی عقدے کھل کر شرح صدر حاصل ہو جاتا ہے۔

اللہ اللہ کرپے تے گل بن دی اے	کامل مرشد پھڑپے تے گل بن دی اے

یعنی لمحہ بھر میں سابقہ کیفیت سے ترقی کر کے آپ ﷺ معیار نبوی پر فائز ہو گئے۔

تاہم یہ سوال اپنی جگہ قائم ہے کہ جس محبت کی نفی تھی وہ کیا تھی اور جو مطلوب تھی وہ کیا تھی۔ اس سلسلہ میں حضرات شراح کرام نے مختلف توجیہات کی ہیں۔

توجیہ محبت عقلی مطلوب تھی اور نفی محبت طبعی کی تھی۔ جو غیر اختیاری ہوا کرتی ہے۔ مراد حدیث بھی محبت عقلی ہے۔
اشکال: علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: حدیث الباب سے محبت عقلی مراد لیں تو مقصد حدیث فوت ہو جاتا ہے جو اسلوب بیان کے تقاضے سے میل نہیں کھاتا۔ جبکہ طبیعت کیلئے بھی شریعت چاہتی ہے کہ وہ شریعت میں ڈھل جائے۔

بہر حال محبت طبعی مراد لیں تو شراح حدیث کی توجیہ کے خلاف ہے اور اگر عقلی محبت مراد لیں تو اسلوب حدیث کی روشنی میں وارفتگی محبت کا مقام حاصل نہیں ہوتا۔ کما قال الشیخ انور الکشمیریؒ: اس لئے اس تناظر میں اس کی بین بین توجیہ شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم نے فرمائی ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ مراد تو محبت طبعی ہی ہے۔ البتہ اس کا وہ درجہ مراد ہے جو اپنے اختیار سے اسباب محبت میں فکر کے بعد بالترتیب حاصل ہوتا ہے اور جمال، کمال، نوال کے قرب کے آئینہ میں اسے دیکھا جاسکتا ہے۔ تاہم فکر اسباب کے ذریعہ حاصل ہونے والی محبت استدلالی ہے اسے عقلی کہا جاسکتا ہے۔ البتہ اس کا طبع انسانی پر اثر انداز ہو کر نتیجہ طبعی محبت بناتا ہے۔ اس لئے اب محبت عقلی اور محبت طبعی کے تقابل میں زیادہ فرق نہ رہا۔

محبت کا جو تھسا سبب قربت ہے فرمایا گیا: النبی اولی بالمؤمنین من انفسہم: آپ ﷺ اپنی امت کے ساتھ وہ قرب حاصل ہے کہ ان کی جانوں کو بھی ان کے ساتھ ایسی قربت حاصل نہیں۔ ایسی قربت جو اپنی جان و ذات سے بھی زیادہ ہو موصوف بالذات کو حاصل ہوتی ہے، بنسبت موصوف بالعرض کے۔ قریب و بعید کا طم، فاصلہ کی کمی بیشی سے ہوتا ہے، حرکت فکری میں اول دلیل آتی ہے پھر مدلول۔ دلیل حلت ہوتی ہے مطلوب مدلول ہوتا ہے جہاں یہ قرب ہوگا حلت معلول کا تحقق ہوگا۔

اگر مومنین کو اپنی حقیقت کا ادراک مطلوب ہوگا تو حرکت فکری میں پہلے رسول اللہ ﷺ کے پھر اپنی حقیقت آئے گی۔ معلول کے اندر جو کچھ ہوتا ہے وہ حلت کا فیض اور اس کی عطا ہوتی ہے لہذا حلت میں وہ فیض ذاتی ہوا۔ اور معلول میں وہ فیض حاضی ہوا جس کی وجہ سے وصف ایمانی آپ ﷺ بالذات ہوا اور مومنین میں بالعرض۔ (درر بغاری 192)

فائدہ: حضرت کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ عقلی محبت کی توجیہ اس لئے اچھی معلوم نہیں ہوتی کہ طبعی میلان تو نہ ہو۔ لیکن ایک سچا آدمی کڑوی دوائی کو ناپسند سمجھتے ہوئے عقلی بنیاد پر استعمال کرے کہ نہ پہلے گا تو شفا حاصل نہ ہوگی۔ تو ناپسندیدگی کے باوجود استعمال کرے اسی طرح یہ سمجھا جائے کہ محبت نبوی حاصل نہ ہوگی تو نقصان ہے یہ درجہ محبت اسلوب حدیث کے تقاضے کے خلاف ہے۔ (واللہ اعلم)

اس عقل پر قائم کی ضرورت ہے جہیت نبوی کو طبیعت کے تقاضوں میں نہ ڈھال دے۔

مری سادگی دیکھ کر کیا چاہتا ہوں

ترے عشق کی انتہاء چاہتا ہوں

تعبیر ثانی: اقسام محبت

۱: حب طبعی: حسب نسب اور مال و متاع کی محبت ہے جو غیر اختیاری ہے۔

۲: حب عقلی: ناگواری کے باوجود کسی چیز کو اختیار کیا جائے۔ جیسے کڑوی دوا کا استعمال

۳: حب ایمانی: طبعی اور عقلی دونوں سے بالاتر ہے۔ حب عقلی میں ایمان کے نفع اور کفر کے نقصان پر نظر ہے۔ جبکہ حب ایمانی کا منشاء ایمان محض ہے۔ نفع کی تمنائے نقصان کی پروا۔ بہر صورت احکامات شرعیہ کی تکمیل پر نظر ہو۔ ہم کیا اور ہماری عقل کیا؟
حب عشقی۔ حب ایمانی ترقی کرتے کرتے حب عشقی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ نیز محبت عشقی محبت ایمانی کا اعلیٰ و اکمل درجہ ہے۔ لیکن ترتیب یہ ہے محبت اختیاری کی ابتداء محبت عقلی سے ہوتی ہے پھر محبت عقلی ترقی کرتے کرتے محبت ایمانی بن جاتی ہے محبت ایمانی ترقی کے بعد صرف حکم محبوب پر نظر ہوتی ہے تو

ہر چہ جز معشوق باشد جملہ سوخت

کا منظر ہو جاتا ہے اسی کجبت عشقی سے تعبیر کیا گیا۔

حضرت سید شاہ اسماعیل شہیدؒ نے حب عقلی کو حب عشقی پر ترجیح دی کیونکہ حب عشقی وصل کے بعد مضحل ہو جاتی ہے مگر حب عقلی وصل میں اور بڑھتی رہتی ہے۔ تاہم حضرت حاجی امداد اللہ فرماتے ہیں:
حب عشقی لامتناہی ہے اور عقلی متناہی اس لئے لامتناہی کو ترجیح ہے۔۔۔ لیکن حضرت گنگوہیؒ نے عظیم کعبہ میں اکابر کی رائے کی تصویب اور رسائل کے اصرار کے بعد فرمایا:

حب عشقی میں انتظام نہیں، حدود شرعیہ ملحوظ نہیں رہتیں۔ اس بنا پر جب تک اعمال کی ضرورت ہے حب عقلی کو اور بوقت وصال غلبہ حب عشقی کو پسند کرتا ہوں۔ (امداد الباری 370/4)

فائدہ ۱: فی الحقیقت محبت دو ہی اقسام میں منحصر معلوم ہوتی ہے۔ طبعی و عقلی، ایمانی و عشقی محبت بھی عقلی محبت کی ترقی یافتہ شکل ہے اس لئے کافر عقلی محبت زیر عمل نہ لایا تو دیگر محبتوں کا سوال ہی نہیں۔

فائدہ ۲: نفس ایمان کیلئے محبت عقلی بھی کافی ہے۔ مگر کمال ایمان کی معراج کیلئے ایمانی و عشقی محبت درکار ہے۔ جیسے کمال عقل میں دنیا میں تفاوت ظاہر ہے اسی طرح محبت و ایمان میں تفاوت لازم ہے۔

فائدہ ۳: محبت طبعی خاصہ انسانیت نہیں حیوان میں بھی ہے۔ محبت عقلی کے عدم استعمال سے انسان اور حیوان میں کوئی فرق نہیں۔ [ماہ]

فائدہ نمبر ۴: تین حقوق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں:

محبت میں فنا نہایت ہوتی ہے کہ آدمی محبوب میں فنا ہو جائے۔ متابعت میں قدم بہ قدم چلنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک ایک چیز میں پیروی نصیب ہو۔ عظمت سے اعتقاد پیدا ہوگا اگر بڑائی دل میں نہ ہو تو عقیدت نہیں ہو سکتی۔ اور عقیدت و اعتقاد نہیں ہوگا تو ایمان نہیں ملے گا۔ (خطبات حکیم الاسلام ج 2 خطبہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم)

لانت یار رسول اللہ احب الی من کل شیء الا من نفسی

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں میرے دل میں عرصہ بھر کھٹکا رہا کہ حضرت عمرؓ پوری امت میں دوسرے درجہ پر فائز ہیں۔۔۔ اظہار یہ کر رہے مجھے اپنی ذات سے آپ ﷺ سے محبت زیادہ ہے۔۔۔ حالانکہ حضرت عمرؓ کے اسلام

لاتے ہی نماز و ہجرت وغیرہ خفیہ کی بجائے اعلانیہ ہونے لگے... ان اعمال سے اپنی جان سے زیادہ محبت کا اظہار ہے۔ تو پھر الانفسی کا استثناء کیسا؟

حضرت علامہ عثمانی فرماتے ہیں اس نکتہ کو سمجھنے سے پہلے یہ پیش نظر رہے کہ یہاں استثناء کو خفیہ کے مذاق پر لیا جائے کہ مستثنیٰ میں حکم مستثنیٰ منہ کے خلاف نہیں ہوتا، بلکہ مستثنیٰ مسکوت عنہ ہوتا ہے... تو الایمانی آپ علیہ السلام میرے نزدیک محبوب ہیں مگر میرے نفس سے... نفس سے زیادہ محبوب ہیں یا نہیں اس کے متعلق اثباتاً و نفیاً کچھ نہیں کہتا... اس لیے کہ چاہتے تھے کہ محبوب حقیقی ﷺ زبان سے یہ فرمائش سن کر لذت حاصل کریں کہ اپنی ذات سے بھی زیادہ مجھ سے محبت کرو... اس استثناء کی خاطر الایمانی فرمایا... جب آپ ﷺ سے یہ جملہ سنا فقال لا والذی نفسی بیدہ حتی اکون احب الیک من نفسک محبوب حقیقی کی زبان مبارک سے یہ فرمائش سننے ہی عرض کیا... فقال له عمر رضی اللہ عنہ فانک والله احب الی من نفسی فقال الان والله یا عمر رضی اللہ عنہ (فضل الباری ج ۱ ص ۳۲۲)

فائدہ: حضرات احناف کی فقہی بصیرت اور علمائے دیوبند کی محبت نبوی ﷺ حضرات صحابہ کرامؓ سے والہانہ لگاؤ کی ایک بے مثال جامع توجیہ... کیا حسن تعبیر ہے:

ہے تکمیل طلب افسانہ دنیا سے محبت کا آخر	اے کاش دیار طیبہ کا ہر ذرہ میرا دل ہو جائے

08 باب حَلَاوَةِ الْإِيمَانِ

ایمان کی لذت کا بیان

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ هَاشِمٍ الْقُفَيْ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو بَرٍّ عَنْ أَبِي قَلَابَةَ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ أَنْ يَكُونَ اللَّهُ وَرَسُولَهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَأَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلَّهِ أَنْ يَكُفِّرَ كَمَا يَكُفِّرُ فَأَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ.

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا جس میں تین باتیں ہوں وہ ایمان کا مزہ پائے گا: ایک یہ کہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ سب سے زیادہ محبت ہو اور جب کسی سے دوستی ہو تو محض اللہ کے لئے ہو اور کفر کی طرف لوٹ جانے کو ایسا برا جانے جیسے آگ میں گرے جانے کو برا جانتا ہے۔

تشریح حدیث۔

ثلاث من كن فيه الخ

اشکال: ثلاث نکرہ ہے اور مبتدا واقع ہے حالانکہ نکرہ کا مبتدا واقع ہونا درست نہیں ہے۔

ج: ۱: عام طور پر ثلاث خصال سے تاویل کرتے ہیں۔

ج ۲: لیکن علامہ رضی کے حوالہ سے قہل کیا گیا ہے۔ جب کمرہ کا شہہ ہو اور اس میں ابہام نہ ہو تو اس کا مبتدا واقع ہو نا درست ہے۔ (درس شامی ۸۷)

حلاوة:

اس کا معنی عند النویؒ یہ ہے کہ اطاعت کیلئے خلاف طبع امور کو برداشت کرے اور اطاعت خداوندی شرح صدر کے ساتھ کرے۔ حاصل یہ کہ حلاوة معنوی مراد ہے۔

۲۔۔۔ عند البعض حلاوة معنوی کے ساتھ حلاوة حسی بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن یہ بعض اشخاص کے اعتبار سے ہے۔ تاہم یہ ذوقیات ہیں جو الفاظ کی گرفت سے باہر ہیں۔ اس لئے صاحب ذوق ادراک کر سکتا ہے۔ کاغذ پر لکھ کر حقیقت تک رسائی ممکن نہیں۔

احب الیہ مما سواہما:

سوال: اس میں 'مما سواہما' میں اللہ و رسول کو ایک ضمیر میں جمع کر دیا۔ یہ صحیح نہیں کہ اس سے 'مساوی' ہونے کا شبہ ہوتا ہے۔ نیز آپ ﷺ نے ایک موقع پر اسے خود بھی ناپسند فرمایا۔ ابوداؤد شریف میں روایت ہے کہ ایک خطیب نے "ومن بعضہما" کے لفظ میں دونوں کو جمع کر دیا تو ارشاد فرمایا:

بنس الخطیب انت، قل۔۔۔ ومن یعص الله ورسوله:

جواب ۱: اس کلام میں آپ ﷺ متکلم ہیں۔ کلام غیر میں شبہ شرک ہو سکتا ہے۔ مگر آپ ﷺ کے کلام میں نہیں۔

جواب ۲: یا ابتدائی زمانہ پر محمول ہے۔ ابھی رسوخ توحید کا دور نہیں آیا تھا۔ خطیب سے یہ لفظ صادر ہوئے تو تنبیہ فرمائی گئی۔

جواب ۳: خطبہ مقام توحید ہے اس لئے موعم شرک لفظ بولنا مفید نہیں تھا۔ جبکہ آپ ﷺ فرمان مقام خطبہ نہیں تھا۔

جواب ۴: یہ آپ ﷺ کی خصوصیت پر محمول ہے۔

جواب ۵: آپ ﷺ کے کلام میں جملے الگ نہیں تھے۔ اس لئے کوئی شبہ کا احتمال نہیں۔ جبکہ اس خطیب کے

کلام میں جملے الگ تھے۔

جواب ۶: حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ اور علامہ عثمانیؒ کی رائے یہ ہے کہ یہاں نہی تحریمی نہیں بلکہ ادب فی التکلم کی تعلیم

اور تادیب و تہذیب کے لیے ہے۔ (العام الباری ص ۳۵)

جواب ۷: نیز بہترین جواب یہ ہے حدیث الباب میں آپ ﷺ نے جمع فرمایا یہ معاملہ محبت ہے۔ اللہ و رسول کی محبت لازم و ملزوم ہے

ایک کی محبت فلاح و نجات کے لیے کافی نہیں، محبتوں کا مجموعہ شریعت میں مطلوب اور مدارجات ہے اس لیے ضمیر تشبیہ لاسکتے ہیں۔

اور خطیب والی روایت جس میں یہ الفاظ ہیں من یطع الله ورسوله فقد رشد ومن یعصہما فقد غوی میں عصیان کا

معاملہ ہے اور یہ مسلمات میں سے ہے کہ ہر ایک کی نافرمانی مستقلاً باعث ہلاکت ہے تو ضمیر تشبیہ سے منع فرمایا تا کہ ابہام نہ ہو جائے

کدوؤں کی تافرمانی تو باعثِ ہلاکت ہے ایک کی نہیں اس لیے فرمایا قل ومن بعض اللہ رسولہ (نصر الباری ج ۲۳۵ ص ۱)

لا یحبہ الا للہ: اللہ جو محبت ہوتی ہے وہ داعی ہوتی ہے۔ غرض کی محبت وقتی ہوتی ہے۔

لا یحبہ الا للہ۔۔۔ یحییٰ بن معاذ رازی فرماتے ہیں: حب فی اللہ یہ ہے: لا یزید بالید ولا ینقص بالجفاء

_____ حسن سلوک سے اضافہ اور بے وفائی سے اس میں کمی بیشی نہ ہو۔ (درس شامی 88)

وان یکرہ ان یعود الخ:

سوال: لفظ عود سے یہ شبہ ہے کہ عود کا معنی ہوتا ہے لوٹنا، لہذا جو لوگ پہلے کافر تھے پھر مسلمان ہوئے ان کے حق میں تو یہ فضیلت متحقق ہوتی ہے۔ تاہم وہ لوگ جو شروع ہی سے مسلمان ہیں ان کیلئے ”عود“ کا تصور نہیں۔ تو پھر ان کو حلاوتِ ایمانی کیسے نصیب ہوگی؟

جواب: یعود، بصیر کے معنی میں ہے۔ جیسے حضرت شعیب علیہ السلام کے واقعہ میں اولعود فی ملعنا۔ (درس شامی 88) نیز ایسا شخص جو بائعینِ جدِ مسلمان ہے اس کو شرک و کفر سے اور بھی زیادہ متنفر ہونا چاہیے اس کو ایمان کی حلاوت بھی زیادہ ہونی چاہیے۔ (نصر الباری ج ۱ ص ۲۵۶)

09 باب عَلَامَةُ الْإِيْمَانِ حُبُّ الْأَنْصَارِ

انصار سے محبت رکھنا ایمان کی نشانی ہے

حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ جَنْبَرٍ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسًا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ آيَةُ الْإِيْمَانِ حُبُّ الْأَنْصَارِ وَآيَةُ الْإِنْفَاقِ بُغْضُ الْأَنْصَارِ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا حضور ﷺ نے فرمایا انصار سے محبت ایمان کی علامت ہے اور انصار سے دشمنی رکھنا منافق ہونے کی نشانی ہے۔

اشکال: امام بخاریؒ نے علامۃ الایمان حب الانصار کا باب باندھا اس پر اشکال ہے۔ علامۃ الشیء وذو العلامۃ سے خارج ہوتی ہے جیسے دھواں آگ کی علامت ہے مگر آگ کی حقیقت میں داخل نہیں۔ اسی طرح حب الانصار بھی ایمان کی حقیقت میں داخل نہیں۔ لہذا اس کو کتاب الایمان میں لانا درست نہیں۔

ج: صحیح تریات یہ ہے جو مولانا محمد یونس صاحب (شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارن پور ہندوستان) نے بیان فرمائی کہ علامۃ الشیء وذو العلامۃ کے تابع ہوتی ہے جیسے آگ کی حرارت۔ تو ذو العلامۃ کی قلت و کثرت سے علامت میں قلت و کثرت ہوتی ہے۔ ایسے ہی ایمان کی قلت و کثرت کی وجہ سے حب الانصار میں کمی بیشی ہوئی۔ (درس شامی 89)

تشریح حدیث

- ۱... متعلقات نبوی ﷺ سے محبت بھی محبت نبوی ہی ہے۔
- ۲... انصار کی تخصیص ان کے اپنے طرز محبت کی وجہ سے ہے۔
- ۳... حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے باہمی اختلافات، خطاء اجتہادی پر مبنی تھے۔ اس کا منشاء باہمی بغض و وعدوات ہرگز نہیں تھا۔ لہذا ہمیں سب سے محبت و عظمت کا حلقہ رکھنا ضروری ہے۔
- ۴... انصار کا مصداق عام طور پر اوس و خزرج کے دو قبائل ہیں۔
- فائدہ: انصار انصار کی جمع ہے۔ دین کے مددگار۔ مشتق پر حکم لگائیں تو مادة اشتقاق حلت حکم ہوتا ہے۔ اکرم عالم۔ وجہ اکرام حلت علم ہے۔

حب الانصار کی حلت نصرة نبوی ہے۔ جس کا علامت ایمان ہونا ظاہر ہے۔ انصار مدینہ یمن کے شہر مارب کے باشندے تھے جہاں قوم سبا آباد تھی۔... کاہن نے خبردار کیا کہ سیلاب آنے کو ہے لوگ یہاں سے نکل جائیں۔ تو بنو قیلہ کے دو قبیلے اوس و خزرج نکل کر مدینہ طیبہ اقامت پذیر ہو گئے۔... اس وقت مدینہ طیبہ میں یہود آباد تھے۔... انہوں نے اس شرط پر کہ تمہاری لہن پہلی رات ہمارے ہاں بسر کرے گی قیام کی اجازت دی۔... حالات کے پیش نظر یہ شرط مان لی گئی۔... تاہم پہلی شادی کے موقع پر ہی لہن بے حجاب ہو کر تمام برادری کے سامنے آ گئی۔... اہل قربت نے بے حجابی پر اس کو حار دلائی تو اس نے کہا تمہیں غیرت نہیں کہ مجھے شوہر کے ساتھ بھیجنے کی بجائے غیر کے حوالہ کر رہے ہو۔... اس سے انکی غیرت و حمیت کو جوش آیا تو انہوں نے لہن کو نہ بھیجنے کا فیصلہ کر لیا۔ مگر یہود نے اس پر جنگ کا فیصلہ کر لیا اللہ تعالیٰ نے اوس و خزرج کو فتح عطا فرمائی۔... اس کے بعد یہود مدینہ اوس و خزرج سے کہا کرتے تھے۔... ہمیں نبی آخر الزمان ﷺ انتظار ہے۔

ان کے ظہور کے بعد ان کے ساتھ مل کر تمہاری خبر لیں گے۔... اوس و خزرج مشرک تھے انہیں کچھ علم نہیں تھا۔ موسم حج پر خزرج کے چھ آدمی مکہ آئے اور منیٰ میں ٹھہرے آپ ﷺ کے پاس تشریف لے گئے، دعوت اسلام دی۔... انہوں نے کہا آپ رات کو تشریف لائیں ہم آپس میں مشورہ کر لیں۔... مشورہ میں طے پایا کہ یہ وہی نبی آخر الزمان ﷺ ہیں جن کا یہود تذکرہ کرتے تھے اگر انہوں نے سبقت حاصل کر لی تو ہم محروم رہ جائیں گے۔

آپ علیہ السلام رات کو تشریف لائے تو سب اسلام لے آئے۔... بعد ازاں دوسرے سال بارہ آدمی اور تیسرے سال پچتر آدمی حاضر خدمت ہوئے اور مشرف بہ اسلام ہوئے۔ (نصر الباری ص ۲۳۹ ج ۱)

سوال: مہاجرین کی محبت کا ذکر نہیں کیا وہ اس درجہ کی نہیں؟

جواب: اس کے بتانے کی ضرورت نہیں وہ تو سب کچھ ہی آپ ﷺ کی محبت میں لٹا چکے ہیں۔ شبہ عدم محبت نہیں۔ اس لئے بیان حدیث بھی نہیں۔

10۔ باب

حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنْ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو إِدْرِيسَ عَائِدُ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ
عِبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَانَ شَهِيدًا وَأَوْهُوَ أَخَذَ الثَّقَابَ لَيْلَةَ الْعَقَبَةِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ قَالَ وَحَوْلَهُ عَصَابَةٌ مِنْ أَصْحَابِهِ يَأْيَعُونِي عَلَى أَنْ لَا تُشْرِكُوا بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا تُشْرِكُوا وَلَا تَزْنُوا وَلَا
تَقْتُلُوا وَلَا تَأْكُلُوا مِنْ ثَمَرِهِمَا أَنْ تَقْتُزُوا وَلَنْ يُبَيِّنَ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ وَلَا تَغْضُوا فِي مَغْزُوفٍ فَمَنْ وَفَى مِنْكُمْ
فَأَجَزُهُ عَلَى اللَّهِ وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا فَعُوقِبَ فِي الدُّنْيَا فَهُوَ كَفَّارٌ لَهُ وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا ثُمَّ
سَعَى فَالْهُوَ إِلَى اللَّهِ إِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ وَإِنْ شَاءَ عَاقَبَهُ فَبِأَيِّغْنَاهُ عَلَى ذَلِكَ.

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت سے روایت ہے [اور وہ بدر میں حاضر ہوئے اور لیلہ العقبہ کے سرداروں میں
سے ایک تھے] ایک مرتبہ نبی ﷺ نے فرمایا اور آپ کے ارد گرد صحابہ کی ایک جماعت بیٹھی تھی کہ مجھ سے ان شرطوں پر
بیعت کرو خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ گے، چوری اور زنا نہ کرو گے، اپنی اولاد کو قتل نہ کرو گے، کسی پر اپنی طرف سے کھلی
ہوئی تہمت نہ رکھو گے اور نیک کام میں نافرمانی نہ کرو گے۔ جو شخص ان باتوں کو پورا کرے گا اس کا اجر خدا پر ہے اور جو شخص
ان میں سے کسی چیز کا ارتکاب کرے گا اور دنیا میں اس کو سزا دے دی جائے گی تو وہ اس کے لئے کفارہ بن جائے گی اور کسی
نے مذکورہ افعال کا ارتکاب کیا اور خدا نے اس کے راز کو مخفی رکھ لیا تو وہ خدا کے حوالے ہے خواہ معاف فرمائے یا عذاب دے
(راوی کا بیان ہے) ہم نے اس پر حضور ﷺ سے بیعت کی۔

باب ۱۰۔ حدیث ابو الیمان الخ

یہ پہلا باب ہے جو بلا ترجمہ ہے۔ ماقبل سے ربط یہ ہے کہ پچھلے ابواب میں بھی اجزائے ایمان کا بیان تھا یہاں بھی ہے۔

باب بلا ترجمہ کی وجوہات

پہلی وجہ: ۱۔ باب بلا ترجمہ پہلے باب کی فصل ہوتی ہے۔ پہلے باب سے ربط ہوتا ہے۔ یہاں ربط اس طرح ہے کہ
پہلی حدیث میں حب الانصار کو ایمان کی علامت قرار دیا۔ اور یہاں اس کی دلیل بیان کی ہے۔
۲۔ پہلی حدیث میں حضرات انصار کا ذکر ہے۔ دوسری روایت میں انصار کی وجہ تسمیہ بتائی۔
دوسری وجہ: حضرت شیخ الہند فرماتے ہیں: تفسیر اذ بان۔ طلباء خود جمع قائم کریں۔ مثلاً ایک ترجمہ یہ ہو سکتا ہے: باب
فی علۃ حب الانصار من الایمان۔ یا مثلاً باب من الایمان ترک الکبائر۔

تیسری وجہ: بعض اوقات تکثیر طرق کی طرف اشارہ مقصود ہوتا ہے۔ دوسرے طرق سے لانے کے لئے باب بلا عنوان لے
آتے ہیں۔ (درس شامی 91)

فائدہ: باب فی الباب میں (یعنی ایک باب چل رہا ہوتا ہے اس کے اندر ہی دوسرا باب بلا عنوان قائم کر دیا جاتا ہے۔) اصول ماسبق میں گذر چکا ہے۔ ایسے باب کے تحت جو حدیث آیا کرتی ہے۔ وہ پچھلے باب کے ترجمہ کی دلیل نہیں ہوتی۔ لہذا من وجہ چونکہ ماقبل سے تعلق نہیں اس لئے ”باب“ لے آئے۔ اور چونکہ من وجہ تعلق ہے جس کو اوپر ذکر کیا ہے۔ اور در ربط بتائے ہیں اس لئے باب تو قائم کر لیا لیکن اس کا ترجمہ قائم نہیں کیا۔

تعارف حضرت عبادہ بن صامتؓ اور حضرات انقباءؓ

حضرت عبادہ بن الصامتؓ: کل مرویات (۱۸۱) ہیں۔ فلسطین کے قاضی اول ہیں۔ ۳۳ھ میں وفات ہے۔ عبادہ بن الصامت صحابہ رضی اللہ عنہم میں ایک ہی ہیں۔ تاہم صرف عبادہ نام کے ۱۲ اشخاص ہیں۔ کان شہد بدر اہدری ہیں۔ بیان فضیلت کی غرض سے یہ لفظ لائے گئے۔ ممتاز من الصحابة لبعض اوقات وہ ہمدردی بولا جاتا ہے۔

احد الانقباء:

انقباء کا مفرد نقیب ہے۔ نقیب اس کو کہتے ہیں جو کسی قوم کی تفحیش احوال کرے اور بیان کرے۔ یہاں انقباء سے مراد وہ حضرات ہیں جو مدینہ طیبہ سے ستر سے زیادہ کی تعداد میں مکہ مکرمہ آئے اور عقبہ کے مقام پر ان کی نمائندگی کرتے ہوئے ۱۲ حضرات نے آپ ﷺ حفاظت و نصرت کے سلسلہ میں بیعت کی تھی۔ سیدنا حضرت عباسؓ نے ان کو خوب اچھی طرح بتلادیا تھا کہ آپ ﷺ قبیلہ میں نہایت معزز ہیں۔ اور ان کا قبیلہ حفاظت کرتا رہا کرتا رہے گا۔ لہذا آپ ﷺ رسول اللہ ﷺ ہر قسم کی نصرت و حفاظت کر سکیں تو لے جائیں پھر انہوں نے حفاظت و نصرت کا عہد دیا۔ تو اس عہد و پیمان میں جو مرکز کی لوگ شامل تھے وہ ۱۲ تھے۔ انہیں انقباء کہا جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کی طرح حضرت جبریل علیہ السلام کے اشارے سے بارہ نقیب مقرر فرمائے۔ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ انہی میں سے تھے۔ (درس شامی ۹۲)

سوال: لیلۃ العقبہ کیا مراد ہے؟

جواب: جس رات آپ ﷺ نے منیٰ میں ایک گھاٹی کے پاس مدینہ طیبہ سے آنے والے حضرات سے بیعت کفار سے چھپ کر فرمائی تھی۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے بھی ان کو مامور فرمایا تھا کہ وہ جا کر اپنی قوم کو مبلغ دین کریں۔

سوال: بیعت عقبہ کتنی دفعہ ہوئی؟

جواب: اختلاف ہے۔ دو یا تین مرتبہ ہوئی۔ راجح یہ ہے کہ تین مرتبہ ہوئی۔ پہلی انبوی کوچ کے موسم میں جس میں سات یا آٹھ افراد تھے۔ انہیں میں اسعد بن زرارہ بھی تھے۔ جو اسی وقت مسلمان ہوئے تھے۔

دوسری مرتبہ ۱۲ نبوی کو بارہ یا چودہ آدمی آئے۔ ان میں حضرت عبادہ بن الصامتؓ بھی تھے۔ تیسری مرتبہ ۱۳ نبوی کو ستر کے قریب آدمی آئے جنہوں نے اسلام قبول کیا اور مدینہ طیبہ تشریف لانے کی آپ ﷺ دعوت بھی دی۔ اوس و خرج

کے یہ قبائل یہود کے شر اور سود خوری سے تنگ آچکے تھے۔ یہود سے بچنے کیلئے ان حضرات نے یہ سوچا کہ کیوں نہ ہم اللہ کے نبی ﷺ اپنے ساتھ لے جائیں اور ان کے شر سے بچ سکیں۔ کیونکہ ان کی حکومت تو قائم ہوئی ہے۔

حوالہ عصابہ سے مراد وہ حضرات ہیں جو حضرت مصعب ابن عمیرؓ کی کوشش سے مسلمان ہو چکے تھے وہ بھی 70 حضرات میں شامل تھے۔ جو مرتبہ صحابیت پر فائز تھے۔ نیز یہ بیعت طریقت تھی، جن منکرات کے بارے میں عہد لیا جا رہا ہے وہ بصیغہ مضارع مستقبل کے بارے میں ہے نہ یہ کہ یہ حضرات مشرک تھے۔ (جیسے کہ ہر آدمی سارق یا زانی نہیں ہوتا لیکن عدم سرقت و زنا پر بیعت لی جاتی ہے۔)

عصابہ: اس کا اطلاق ۱۰ سے چالیس تک کی جماعت پر ہوتا ہے۔ کبھی زائد پر بھی جیسے غزوہ بدر میں آپ ﷺ نے ۳۱۳ تھے۔
ہذا العصابۃ فرمایا تھا۔ جن کی تعداد ۳۱۳ تھی۔
جبکہ لفظ رھط کا اطلاق تین سے دس تک ہوتا ہے۔

مقصودی تشریح

بایعونی علی ان لا تشرکوا باللہ شیئاً:

بیعت کر دینی مجھ سے عہد اطاعت کرو۔ اس کا ماخذ ”بیع“ ہے جس کا معنی پہنچایا بک جانا ہے۔ چونکہ بیعت کرنے والا اپنی خواہشات اور جذبات کو مقتدی کے حوالہ کر دیتا ہے۔ اس لئے اس کو بیعت کہتے ہیں۔ دوسری مناسبت یہ ہے کہ جب خرید و فروخت قائم ہو جاتی ہے تو بائع و مشتری ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہیں یہ بیعت معاملہ ہے۔ یہی مناسبت ہر جگہ ہے۔

اقسام بیعت:

- (۱) بیعت اسلام: جو کفر و شرک سے نکل کر دائرۃ اسلام میں داخل ہونے کیلئے کی جائے۔
 - (۲) بیعت جہاد: جو امیر لشکر اپنے اہل لشکر سے لے جیسا کہ آپ ﷺ نے بیعت رضوان حدیبیہ کے موقع پر لی تھی۔
 - (۳) بیعت خلافت: جو امیر مملکت کے ہاتھ پر اس کو امیر المؤمنین یا خلیفہ تسلیم کرنے پر لی جاتی ہے۔
 - (۴) بیعت طریقت: ترک معاصی اور نیک عمل پر پابندی کیلئے کسی صالح اجازت یافتہ انسان کے ہاتھ پر بیعت کی جائے۔
- سوال: حدیث الباب میں کونسی بیعت مراد ہے؟ دورائیں ہیں۔

(۱) پہلی رائے یہ ہے کہ بیعت اسلام ہے کیونکہ یہ لفظ هو احد النقباء لیلۃ العقبة ہے گو یا لیلۃ العقبة کے موقع پر ان تمام حضرات نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر قبول اسلام کیا تھا اور دوران بیعت جو الفاظ ذکر کیے گئے ہیں ان سے پہلا یہی لفظ علی ان لا تشرکوا باللہ بھی اس کا مؤید ہے۔

دوسری رائے یہ ہے کہ یہ بیعت طریقت ہے۔ بیعت اسلام نہیں ہے۔ کیونکہ یہ واقعہ فتح مکہ کے بعد کا ہے۔ لیلۃ العقبہ کے دور سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ البتہ ہوا حلالاً لقباً طیلۃ لعقبۃ یہ محض تعارفی جملہ ہے۔ کما قال حافظ ابن حجر رحمہ اللہ والراجح هو القول الاول۔

ان لا تشرکوا بالله شیئاً

نکرہ تحت الہی ہے۔ ہر قسم کے شرک سے احتراز ضروری ہے۔ (شرک فی الذات، فی الصفات، فی العبادات، فی التشریع، ہمنوع ہیں)

لاتاتوا ابہتان تفتر و نہ بین ایدیکم وار جلمکم

اس کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں

بہتان اس جھوٹ کو کہتے ہیں جس کو سن کر مخاطب دنگ رہ جائے۔ بین ایدیکم وار جلمکم اس کے لئے صفت کا کلمہ ہے۔ تفصیل یہ ہے کہ کوئی بھی خبر کسی نہ کسی واقعہ سے ماخوذ ہوتی ہے۔ مثلاً زید قائم۔ اس کے قیام کے واقعہ کو دیکھ کر میں یہ خبر دے رہا ہوں۔ اور ایک خبر بے واقعہ ہے جس کا وجود نہیں ہوتا۔ اپنے ہاتھ پاؤں کے سامنے خود گھڑی جاتی ہے۔ اس کو بہتان کہتے ہیں۔ اس کی ممانعت ہے کہ یہ بہتان تراشی ہے۔

۲۔۔۔ بین ایدیکم وار جلمکم کا تعلق لاتاتوا کے ساتھ ہے۔ کہ سامنے بہتان مت لگاؤ۔ یعنی ایک پس پشت عیب لگانا ہے اور ایک سامنے عیب لگانا ہے۔ آدمی حیران ہو جاتا ہے۔ انکار بھی نہیں کر سکتا۔ اس وقت ایدیکم وار جلمکم کا تعلق مخاطب سے ہوگا۔ ۳۔۔۔ شرمگاہ کا یعنی بدکاری کا عیب نہ لگاؤ۔ اس لئے کہ یہ بین ایدیکم وار جلمکم ہے اور زیادہ بے عزتی کا باعث ہوتا ہے۔ گویا تہمت زدہ مراد ہوگا۔

۴۔۔۔ مراد اول ہے یہ بھی بین ایدیکم وار جلمکم ہے۔ اس لئے اس کفریہ اختراع نہ کرو۔

۵۔۔۔ بین ایدیکم وار جلمکم کے یہ الفاظ قرآن کریم میں عورتوں کی بیعت کے واقعہ کے ساتھ مذکور ہیں۔ تو اس تناظر میں یہ الفاظ اولاً اس لئے استعمال کرنا پڑے کہ بچہ اگر بدکاری سے ہے اور خاوند سے یہ مخفی ہے تو اب اس کو خاوند کی طرف منسوب کر کے بہتان کا ارتکاب نہ کرے۔ دو رجالیہ میں یہ ہوتا تھا کہ غلط کاری یا کسی بھی طرح سے امید ہو گئی اب اس کو خاوند کی طرف منسوب کر دیا۔ یا پتہ چل جانے پر اصل زانی کے بجائے کسی اور پر بہتان لگا دیا۔ اس کی ممانعت ہے۔ اسی کو بین ایدیکم وار جلمکم سے تعبیر کیا ہے۔ پھر یہ الفاظ بین ایدیکم وار جلمکم مردوں سے بیعت میں لیے جانے لگے۔

ولا تعصونی فی معروف

معروف کی قید اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لحاظ سے واقعی ہے۔ یعنی اللہ اور اس کے رسول کے لحاظ سے اس قید کی ضرورت نہ تھی وہ تو واقعاً معروف ہی کا حکم دیتے ہیں۔ اوروں کے لحاظ سے احترازی ہے۔ لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق پیش نظر ہے۔

حدیث الباب میں الفاظ میں منہیات کا تو ذکر ہے فرائض و واجبات کا ذکر ہی نہیں بیعت نامکمل ہے... فی معروف میں تمام فرائض و واجبات آگئے۔ (کشف الباری ج ۲ ص ۶۳)

فاجرہ علی اللہ:

علی لزوم کیلئے آتا ہے اس سے معتزلہ کہتے ہیں کہ جہل ازہم واجب ہے۔ لاسنت و الجماعت کے نزدیک لزوم تفضل ہی ہے۔ جس پر کوئی چیز واجب ہو تو مکلف ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے بری و بالا ہے۔ جزا دیں تو تفضل ہے۔ سزا دیں تو عینِ عدل ہے۔ سوال: جب عمل کیا تو جزا ہونی چاہیے۔ ج: توفیقِ عمل اور امضائے عمل بھی فضل ہی تو ہے۔ ج ۲: قبل از عمل ہی اتنا کچھ وصول کر چکا ہے اس کا حساب ہی نہیں دے سکتا۔

فہو کفارۃ لہ

حدود کفارات ہیں یا محض زواجر؟

جمہور ائمہ کہتے ہیں حدود کفارات ہیں۔ ان کے نزدیک اصلاً یہ کفارہ ہیں اور ضماً یہ زجر و توبہ ہیں۔

جبکہ عند الاحناف یہ زواجر محضہ ہیں۔ توبہ کے بغیر گناہ کا ازالہ نہیں ہوگا۔

فائدہ: ائمہ احناف کے نزدیک کبار کی معافی کے دو طریقے ہیں۔ ۱: توبہ، ۲: فضل الہی۔ اور صغیرہ کے تین طریقے ہیں: توبہ، فضل الہی، تیسرے توفیقی حسنات۔ البتہ حقوق العباد کی تخصیص ہے کہ صرف توبہ سے نہیں بلکہ تلافی (معافی یا ادائیگی) کے ساتھ مشروط ہیں۔ جمہور گمیرہ کی معافی کا ایک سبب اجرائے حد بھی قرار دیتے ہیں۔ اسی لئے جمہور کے نزدیک گمیرہ کی معافی کے بھی تین طریقے ہو گئے۔

دلائل احناف: عند الاحناف اصول یہ ہے کہ پہلے قرآنی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ روایت خلاف ہو تو اس کی تاویل کرتے ہیں چنانچہ قرآن کریم کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جہاں بھی حدود کا ذکر ہے وہاں آخر میں توبہ کا ذکر بھی کیا ہے اس لئے موقف احناف بڑی صراحت اور وضاحت سے ثابت ہے۔ جیسے ذاکر کی سزا (انما جزاء الذین ارتکبوا الذنوب ان یتوبوا) کے بعد آخر میں فرمایا ذلک لہم خزی فی الدنیا و لہم فی الآخرة عذاب عظیم الا الذین تابوا الی اللہ، اور حد سرقہ کے بعد فمن تاب من بعد ظلمہ و اصلح ارتکب، نیز حد قذف کے بیان کرنے کے بعد بھی فرمایا: الا الذین تابوا من بعد ذلک و اصلحوا۔ یہ استثناء اول لشک ہم الفاسقون سے ہے۔

گویا اجرائے حد کے باوجود توبہ بذمہ مجرم ضروری ہے اس لئے ان پر ”فاسقون“ کا اطلاق کیا جا رہا ہے۔ (حد قذف والے کی گواہی بعد از توبہ محل کے لحاظ سے صحیح، ادا کے لحاظ سے صحیح نہیں)

ایک روایت میں حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا لا ادری الحدود کفارات ام لا۔ معلوم ہوا

کہ حدود کا کفارہ ہونا متعین نہیں ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ متاخر الاسلام ہیں۔ اس لئے ان کا قول مقدم ہے کما قال العینیؒ نیز مشکوٰۃ شریف میں یہ روایت ہے: ایک چور پر حد جاری کرنے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: **بِإِذْنِ اللَّهِ وَاسْتَغْفِرُهُ**۔ اجرائے حد کے بعد توبہ واستغفار کی تلقین سے معلوم ہوتا ہے رفع اثم نہیں ہوا۔ معلوم ہوا حد و ذرا جریں۔ کفارہ و سوا اثر نہیں ہیں۔ تو آیات قرآنی و احادیث دونوں اس پر دال ہیں۔

اشکال: حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں حضرت عبادہ بن الصامتؓ کا روایت کردہ یہ واقعہ فتح مکہ کے بعد کا ہے۔ لہذا اس سے عقوبات کا کفارہ ہونا ثابت ہو گیا۔ اس لئے کہ حضرت ابوہریرہؓ جو حد علم سے متعلق روایت فرما رہے ہیں وہ فتح مکہ سے پہلے کی ہے۔ نیز ظاہر ہے حد علم پہلے ہوتا ہے اور علم بعد میں ہوتا ہے۔ اس لئے عقوبات کا کفارہ ہونا متحقق ہو گیا۔ احناف کہتے ہیں ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے کہ یہ حضرت عبادہ بن الصامتؓ کا بیان کردہ واقعہ فتح مکہ کے موقع کا ہے۔ قرآن اس کا ساتھ نہیں دیتے۔ اگر یہ واقعہ فتح مکہ کے موقع کا ہوتا تو مجمع زیادہ ہوتا۔ ظاہر یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں جو حدینہ سے آکر لوگ بیعت ہوئے تھے یہ اسی وقت کا واقعہ ہے۔ علامہ عینیؒ کی تحقیق کے مطابق چونکہ حضرت ابوہریرہؓ موخر الاسلام ہیں (بھٹیں) تو محدثین کرامؒ کے اصول کے مطابق جو موخر الاسلام ہوگا اس کا قول مقدم ہوگا۔ لہذا حد و کفارہ (یعنی رفع اثم) ہونا یقینی نہیں۔ امام شافعیؒ اور حمہوریؒ کی دلیل حدیث الباب ہے۔

جواب: مذکورہ بالا دلائل کی وجہ سے حضرات احناف حدیث الباب کی درج ذیل توجیہات کرتے ہیں۔
توجیہ ۱: گناہ کی معافی کا ایک سبب قریب ہے اور ایک سبب بعید ہے۔ توبہ سبب قریب ہے اور حد سبب بعید ہے۔ کیونکہ حد عموماً توبہ کا سبب بنتی ہے۔ تو سبب بعید پہلے پایا جاتا ہے اور سبب قریب (توبہ) بعد میں، جیسے لوہا کا تلوار بنانا یہ سبب بعید ہے۔ مگر پہلے بنایا جاتا ہے اور اس کے ذریعہ قتل کرنا یہ سبب قریب ہے۔ اگرچہ بعد میں پایا جا رہا ہے۔ فقہاء کا اصول ہے کہ حکم کی نسبت سبب قریب کی طرف کی جاتی ہے۔ اسی لئے ٹی وی وغیرہ کے گناہ ہونے کی نسبت سبب قریب دیکھنے والے کی طرف ہوگی سبب بعید بنانے والے کی طرف نہیں ہوگی۔ اگرچہ بنانا بھی اچھا نہیں ہے۔ تو حد و رفع اثم کا سبب بعید اور توبہ سبب قریب ہے۔ تو فہو کفارۃ بطور سبب بعید کے ہے۔

فائدہ: اگر دورانِ حدی عدم امت متحقق اور آئندہ اس جرم کا اعادہ نہ کرنے کا عزم ہو گیا تو توبہ بھی ہوگئی۔ اب یہ احناف کے نزدیک کفارہ ہو گیا۔ اور شوافع کے ہاں بھی کفارہ ہے کہ اجرائے حد ہو چکا ہے۔ تو توبہ بھی ہوگئی۔ گویا اس وقت احناف و شوافع دونوں فہو کفارۃ لہ پر جمع ہیں کہ معافی متحقق ہے۔ حنفیہ کے نزدیک توبہ کی وجہ سے اگرچہ حد مع اجرائے حد ہے۔ اور شوافع کے نزدیک محض اجرائے حد سے۔ بہر حال یہ جزیئہ متحقق حلیہ ہے۔ البتہ یہ جزیئہ کہ حد بھی لگ رہی ہے اور عدم امت و پشیمانی بھی نہیں ہے پھر کہہ کہ زندگی رہی تو پھر بھی حرکت کروں گا، یہ جزیئہ مختلف فیہ ہے کہ عند الشوافع کفارہ (یعنی رفع اثم) ہو گیا۔ اور عند الاحناف توبہ متحقق نہیں ہے لہذا کفارہ نہ ہوا۔

توجیہ ۲: حدیث الباب: فعوقب فی الدنیا سے مراد حد و نہیں ہیں۔ بلکہ مصائب سماویہ ہیں۔ مصائب جو آتے ہیں وہ گناہ کا کفارہ بن جاتے ہیں۔

سوال: مصیبت اگر کفارہ ہو سکتی ہے تو حد کیوں کفارہ نہیں ہو سکتی؟

ج: دو فرق ہیں۔ ۱: مصائب میں اسباب متعین نہیں ہوتے کہ یہ گناہ کونسا ہے جس کی سزا یہ ہے جبکہ حدود میں جرم و سزا کا تعین ہوتا ہے۔

۲: مصائب میں کسب عہد کو دخل نہیں۔ جبکہ حد میں کسب عہد کو دخل ہے۔۔۔ گویا وہ خود اپنے آپ کو سزا دیتا ہے۔ لہذا مصائب کو حد و پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔ جیسے مصائب کفارہ ہیں تو اس پر حد و کو قیاس کرتے ہوئے کفارہ نہیں بنایا جائے گا۔ (کیونکہ تعین جرم اور کسب عہد کا فرق ہے۔)

مشترکہ اعلامیہ حدود اختلاف کے نزدیک ابتداء و رواج ہیں اور انتہاء سوا تر۔ یعنی ضمناً تو بہ پائی جاتی ہے۔ عام طور پر توبہ کی توفیق ہو ہی جاتی ہے۔ اور عند الحضور ابتداء سوا تر ہیں یعنی باعث معافی ہیں اور انتہاء رواج ہیں کہ ضمناً ترک کا بھی کام دیتی ہیں۔

فائدہ: حدیث الباب کے مضمون میں شرک کا بھی ذکر ہے اگر کوئی مسلمان شرک کرے گا تو مرتد کی سزا حد قتل جاری کی جائے گی یہ سزا بالاتفاق سائر نہیں محض راجحی ہوگی کیونکہ حدود سے کفر و شرک کے عظیم گناہ کا بالاتفاق رفع نہیں ہوگا۔ یہاں بالاتفاق توبہ ضروری ہے۔ (انعام ۳۹۸)

حدیث ہذا سے مرچہ کی تردید اس طرح ہوتی ہے کہ عمل پر وعدہ اجر ہے اور بد عملی پر سزا کی وعید ہے تو لا تضمر مع الایمان معصیۃ کا نظریہ غلط ثابت ہوا۔ معتزلہ مرکب گبیرہ کو خارج ایمان قرار دیتے تھے ان شاء عفا عنہ یہ معتزلہ کی تردید ہے مرکب گبیرہ کافر ہو گیا تو عفو کا تعلق اس سے نہیں ہونا چاہیے تھا لیکن تعلق بالمہیت ثابت ہے۔ اور ان شاء عاقبہ یہ مرچہ کی تردید ہے۔ گرفت کے اندیشہ سے مصیبت کا مضر ہونا ثابت ہوتا ہے۔

فائدہ: جب توبہ سے بالاتفاق حد ساقط نہیں ہوتی حالانکہ گناہ معاف ہو جاتا ہے العائب من الذنب کمن لا ذنب له توحہ لگنے سے توبہ بھی ساقط نہ ہونی چاہیے معلوم ہوا حد کی تشریع عفو سیئات کے لیے نہیں در نہ توبہ کے بعد حد لگانا بے معنی ہوگا۔

(نصر الباری ج ۱ ص ۲۳۹)

فائدہ: کسی بھی گناہ میں تین حق تلفیاں ہیں۔ ۱: اللہ تعالیٰ کی حق تلفی، ۲: پبلک کی حق تلفی خصوصاً وہ گناہ جو حدود یا حقوق العباد کے قبیل سے ہیں، ۳: اپنے نفس کی حق تلفی۔ حدود کے گناہوں میں جو گندگی نفس میں پٹھی ہوئی ہے اور جو پبلک کا نقصان کیا ہے یہ توبہ سے ختم نہیں ہوتے جب تک ”حد“ جاری نہ کی جائے۔ امام صاحب رحمہ اللہ کے مسلک کے مطابق حد کے علاوہ توبہ بھی ضروری ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک صرف ”حد“ سے گناہ معاف ہو گیا۔ حضرت امام اعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”حق اللہ“ معاف نہیں ہوتا۔ توبہ ضروری ہے۔ (خطبات حکیم الاسلام ج ۷ ص ۱۷۷) (ہیئتہ کب)

11 باب مِنَ الدِّينِ الْفِرَازُ مِنَ الْفِتَنِ

فتنوں سے بھاگنا ایمان میں داخل ہے

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي صَغَصَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْشِكُ أَنْ يَكُونَ خَيْرَ مَا لِلْمُسْلِمِ عَنْهُمْ يَتَّبِعُ بِهَا شَعْفَ الْجِبَالِ وَمَوَاقِعَ الْقَطْرِ يَفْرُزُ بِدِينِهِ مِنَ الْفِتَنِ.

ترجمہ: ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا وہ زمانہ قریب ہے جب آدمی اپنی بکریاں پہاڑ کی چوٹیوں پر اور بارش کے مقامات پر لئے پھرے گا۔ تاکہ اپنے دین کو فتنوں سے محفوظ رکھ سکے۔
تشریح حدیث: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا نام سعد بن مالک اور بعض نے عبد اللہ بن ثعلبہ بتایا ہے۔ اور بعض نے سنان بن مالک بتایا ہے۔ کل مرویات ۱۱۷۰ ہیں۔ م ۶۲ یا ۷۴ ھ ہے۔ کم سن صحابہؓ میں ان سے زیادہ افتد اور اہل علم کوئی نہیں۔
ربط و غرض ترجمہ: باب سابق سے ربط یہ ہے کہ ما قبل باب میں صحابہ سے بیعت لینا، فرار بالدين من الفتن میں داخل ہے... اس طرح دونوں میں باہمی مناسبت ہوئی۔ (دلیل الثاری ص ۱۷۱)

پچھلے باب میں حضرات انصار کو بذریعہ بیعت کچھ امور کے ترک کا ارشاد فرمایا اب یہ فرما رہے ہیں انہی امور پر استغناء نہیں بلکہ بوقت ضرورت وطن کو چھوڑنا بھی دین میں داخل اور عبادت ہے۔ (کشف الباری ج ۲ ص ۷۹)
حدیث الباب سے مرچہ کا واضح رد اس طور پر ہے اگر معاصی دین کے لیے نقصان دہ نہ ہوتے تو پھر فتن سے فرار کی کیا ضرورت تھی؟ اور آپ ﷺ کو دین کا حصہ کیسے قرار دیتے؟ (دلیل الثاری ص ۱۷۳)
--- جیسے اعمال صالحہ اجزائے دین میں سے ہیں۔ ایسے ہی معاصی کا چھوڑنا یہ بھی اجزائے دین میں سے ہے۔ --- نیز ما قبل سے ربط یہ ہے کہ پہلے ایمان کیلئے امور ترقی کا بیان تھا اب ایمان کیلئے امور مضرت کا بیان ہے۔ گویا پہلے ایجابی پہلو کا بیان تھا اب سلبی پہلو کا بیان ہے۔

تشریح حدیث

شِعْفُ الْجِبَالِ: شِعْفُ شُعْفَةٍ کی جمع ہے جیسے شِعْبُ شُعْبَتَيْنِ جمع ہے۔ اس کے معنی پہاڑ کی چوٹی کے ہیں۔

مَوَاقِعُ الْقَطْرِ: وہ مقامات جہاں بارش زیادہ ہوتی ہے جیسے وادیاں، جنگلات اور پہاڑ و صحرا۔

فِتْنٌ فِتْنَةٌ کی جمع ہے۔ یہ لفظ فِتْنٌ الذَّهَبِ علی النار یعنی سونے کو آگ پر پکاتا تا کہ اس کا کھوٹ ظاہر ہو جائے سے ماخوذ ہے۔ پھر اس کا استعمال ایسے واقعات میں شروع ہو گیا جو انسان کے لئے امتحان کا باعث بنتے ہیں۔ عرف میں اس سے مراد یہ ہے دینی امور کی مخالفت عام ہو جائے۔ اور حفاظت دین مشکل ہو جائے۔ اسباب و ذرائع مفقود ہو جائیں تو اس کو فتنہ کی حالت کہتے

ہیں ایسی صورت میں کمزوروں کو اجازت ہے کہ وہ دین کی حفاظت کیلئے بھاگ نکلیں۔ ففروا الی اللہ سے اس کی تائید ہوتی ہے۔
غنم: مختصر مال مراد ہے۔ بکریوں میں انحصار نہیں ہے۔

یفر بدینہ: بقاء سببیت کیلئے ہے۔ معنی یہ ہے دین کی خاطر فتنوں سے بھاگے یا دامعیت کیلئے ہے معنی یہ ہوگا دین کو ساتھ لے کر فتنوں سے بھاگے۔

سوال: حدیث الباب میں عرلت اور رہبانیت کی تعلیم نظر آتی ہے جبکہ دوسری جگہ حدیث میں لا رہبانیت فی الاسلام ہے۔
ج: حدیث ہذا میں رہبانیت کی نہیں بلکہ تعلیم صیانت دین ہے۔ اور نفی ممانعت وہاں ہے جہاں رہبانیت ہی کو اسلام سمجھا جائے۔
فائدہ: نصاریٰ نے بلا ضرورت شدیدہ محض ثواب سمجھ کر وطن اور تعلقات قرابت اور حقوق العباد کو ترک کرنا ذریعہ قرب و رضا خداوندی سمجھ لیا، جبکہ یہ مطلوب خداوندی ہرگز نہ تھا یہ ایک بدعت تھی جس کو رہبانیت کہتے ہیں۔۔۔ اور حدیث الباب میں فتنوں میں محصور ہونے اور حفاظت دین و ایمان کی کوئی صورت و حیلہ نہ ہونے کے وقت فرار لحد دین کی استثنائی حالات میں اجازت ہے جو بذات خود مقصود نہیں محض وقتی چیز ہے۔ (فضل الباری ج ۱ ص ۳۶۳)

حدیث ہذا کی روشنی میں ”جلوت افضل ہے یا خلوة“

یہ افراد کے لحاظ سے مختلف ہے۔ مقتدی قسم کے لوگ اہل علم یا اہل نظر ان کو تو کسی صورت خلوة جائز نہیں۔ البتہ اپنے معمولات، اوراد و وظائف پورا کرنے کیلئے اہل علم کو بھی کچھ وقت خلوت کا کالنا چاہیے اس کا تعلق اپنی ذات سے ہے۔ عام آدمی سے نہیں اور فتنہ سے بھی نہیں۔ اور جو لوگ گناہ کے ماحول میں ڈھل جاتے ہوں وہ بلا ضرورت شدیدہ اپنے کو اختلاط سے بچائیں۔۔۔ جاہل ہر صورت جلوة اختیار کرے۔

فائدہ ۱: خلوة طریقت جو شیخ محقق کی نگرانی میں ہوتی ہے اس کا مندرجہ بالا خلوة سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ ایک خاص فرد کا عارضی معالجہ ہوتا ہے۔

فائدہ ۲: فتن سے عمل میں توفیق آتا ہے مگر اعتقادات میں نہیں۔ تو فرار کا حکم اس لیے دیا تاکہ اعمال اور ہوسکیں اور یہ عمل اجزائے ایمان ہیں تو فتن سے عمل میں کی پیشی ہوتی رہتی ہے جس سے ایمان میں کمی پیشی ہوتی ہے اس سے بچنے کیلئے یہ ارشاد فرمایا مواقع مطر پر چلا جائے۔ امام بخاری کا مقصود بھی یہی ہے اس سے ایمان کی کمی پیشی ثابت ہوگئی۔ قالہ الامام بانی جنس جوہی رحمہ اللہ۔



12 باب قول النبی ﷺ انا اعلمکم باللہ الخ

باب قول النبی ﷺ انا اعلمکم باللہ وَأَنَّ الْمَعْرِفَةَ فِعْلُ الْقَلْبِ لِقَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى {وَلَكِنْ يُوَاحِدُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ}

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا أَمَرَ هُمْ أَمَرَهُمْ مِنَ الْأَعْمَالِ بِمَا يُطِيقُونَ قَالُوا إِنَّا لَنَسْنَا كَهَيْئَتِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ قَدْ غَفَرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ فَيَغْضَبُ حَتَّى يُغْزِفَ الْغَضَبَ فِي وَجْهِهِ ثُمَّ يَقُولُ إِنَّ أَثَقَالَكُمْ أَعْلَمُكُمْ بِهَا أَنَا.

سرورِ کائنات ﷺ قول کہ میں تم میں سب سے زیادہ اللہ کو جاننے والا ہوں

اور معرفت دل کا فعل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (سورۃ البقرہ میں) لیکن ان قسموں پر تم کو پکڑے گا جو تمہارے دلوں نے (جان بوجھ کر) کھائیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں حضور ﷺ لوگوں کو حکم دیتے تو صرف اتنا جتنا ان کی طاقت میں ہو۔ لوگ عرض کرتے یا رسول اللہ! ہم آپ کی طرح تو ہیں نہیں: آپ ﷺ کے تو خدا تعالیٰ نے اگلے پچھلے سب گناہ معاف فرمادیے ہیں۔ حضور ﷺ پر غصے ہوتے یہاں تک کہ غصے کا اثر آپ کے چہرے پر ظاہر ہونے لگتا۔ پھر فرماتے میں تم سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا ہوں اور تم سے بڑھ کر خدا کو جاننے والا ہوں۔

غرض ترجمہ: امام بخاریؒ کا مقصود اس باب سے الایمان یزید و ینقص ثابت کرتا ہے۔

سوال: انا اعلمکم باللہ کا ترجمہ کتاب العلم سے زیادہ مناسب رکھتا ہے اس کو کتاب الایمان میں لائے کیا قائدہ؟

جواب: ا: یہاں قیاس النظیر علی النظیر ہے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں جیسے علم کی پیشی قبول کرتا ہے اسی طرح ایمان بھی کی پیشی قبول کرتا ہے۔

ج ۲: علم کے دو درجے ہیں۔ ایک اختیاری اور ایک غیر اختیاری۔ غیر اختیاری درجہ معرفت ہے۔ اور اختیاری درجہ

تصدیقِ قلب ہے۔ یہاں علم سے اختیاری مراد ہے۔ جو درجہ تصدیق ہے۔ اور درجہ ایمان کے مراد ہے۔ لہذا کتاب الایمان سے مناسبت ہوگئی۔

ج ۳: حدیث میں انا اعلمکم باللہ سے اشارہ ہے کہ میں ذات باری تعالیٰ و اوصافہ کا تم سب سے زیادہ عالم ہوں تو

تفاوت فی العلم ثابت ہوا جبکہ اس سے تفاوت فی العمل از خود ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ عمل علم کا نتیجہ ہوتا ہے اور تفاوت فی العمل سے تفاوت فی الثمرہ ثابت ہوتا ہے لہذا عمل کی ضرورت ثابت ہوئی تو مرجعہ کا رد ہو گیا۔ (درس شامی 98)

سوال: ان المعرفة فعل القلب۔ اس پر سوال ہے کہ قلب کی طرف فعل کی نسبت کی ہے کیا صحیح ہے؟

ج: امام بخاریؒ فرماتے ہیں ہما کسبت قلوبکم کی روشنی میں یہ نسبت صحیح ہے۔ کیونکہ معرفت و علم اختیاری ضروری ہے۔ اس کے بغیر اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لایا جاسکتا۔ اس لئے کہ علم کا مقابلہ جب معرفت سے ہو تو علم بمعنی یقین و اختیاری کے ہوتا ہے اور جب مقابلہ نہ ہو تو غیر اختیاری ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ ایمان باللہ کیلئے صرف قول کافی نہیں بلکہ فعل قلب کی بھی ضرورت ہے۔

اب ترجمۃ الباب کے اجزاء آپس میں مربوط ہو گئے۔ بایں طور کہ علم بھی بمعنی تصدیق قلب اختیاری مراد ہے۔ اور معرفت سے جو فعل قلب مراد ہے وہ بھی اختیاری ہے اور ”ہما کسبت قلوبکم“ یہ فعل کی قلب کی طرف نسبت کی دلیل ہے۔ تو معرفت کا فعل قلب کی طرف منسوب ہو سکتا ہے۔ لہذا یہ سب اجزائے ترجمہ باہم مربوط ہو گئے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ اس کی تعبیر ثانی یوں فرماتے ہیں: اعلیٰ علم باللہ میں علم سے مراد معرفت ہے، دونوں میں فرق یہ ہے کہ علم کسی کی گنہ جانے کا نام ہے اور اللہ تعالیٰ کی گنہ حقیقت تک رسائی کسی بھی بشر کے لئے محال ہے اور معرفت علامتوں سے پہچاننے کا نام ہے، اس لیے بذریعہ علامت معرفت ہوگی امام بخاریؒ نے انا علمکم کی تشریح میں لفظ علم نہیں استعمال فرمایا بلکہ علم سے معرفت مراد لی ہے۔ اکبر الابدی مرہوم کہتے ہیں:

خدا کے باب میں یہ غور کیا ہے؟ خدا کیا ہے؟ اور کیا ہے؟ (انام الباری ص ۴۷)

فائدہ: مندرجہ بالا دونوں توجیہات کی روشنی میں فرق یہ ہے کہ پہلی توجیہ میں معرفت کو علم کے تابع کیا، اور دوسری توجیہ میں علم کو معرفت کے تابع کیا ہے۔ واللہ اعلم

نیز امام بخاریؒ نے انا علمکم باللہ سے ایمان کی کمی بیشی ثابت فرمائی اور ان المعرفة فعل القلب سے کرامیہ کی تردید فرمائی جو ایمان کا مدار صرف قول لسانی ”اقرار“ پر رکھتے ہیں۔

تشریح حدیث

حدیثنا محمد بن سلام الخ سلام کے بارے میں اگرچہ بعض حضرات بالتحقیق یہ کہتے ہیں لیکن راجح بالخفیفہ ہے۔

لَسْنَا كَهَيْئَةِكَ ك بمعنی اعلیٰ ہے۔

آپ کے معصوم و مغفور ہونے کی وجہ سے ہمیں زیادہ عبادت کرنی چاہیے۔ اسی لئے کہ ہم مغفور نہیں ہیں۔ لیکن آپ ﷺ نے رد فرمایا جب اسباب عبادت ”علم و تقویٰ“ میرے اندر زیادہ ہیں تو مجھے ہی عبادت زیادہ کرنی چاہیے۔ مقصود ارشاد ہے دنیوی ناجائز تجاویز کو تو چھوڑنا ہی ہے۔ دینی طور پر خوشنما اور حسین تر نظر آنے والی تجاویز نہ صرف تم تینوں کو بلکہ پورے عالم کے انسانوں کو چھوڑ کر ”میرا اتباع“ کرنا ہے۔

سوال: فیغضب: آپ ﷺ اس کیوں ہوئے: لَسْنَا كَهَيْئَةِكَ بظاہر درست تو ہے۔

جواب: اس لئے کہ انہوں نے خلاف فطرۃ سلیمہ سوال کیا۔ فطرۃ سلیمہ سے سمجھ لینا چاہیے کہ کمال و ترقی اتباع سنت میں

ہے۔ سنت سے تجاویز نہیں ہے۔

صحابہؓ کا عبادت میں حد سے تجاوز کرنا آپ ﷺ کی عبادت کو کم سمجھنا نیز مغفرت ذنب کو تھلیل عبادت کا سبب سمجھنا حالانکہ یہ تکثیر عبادت کو مقتضی ہے بوجہ افلا اكون عبداً شکورا۔

پس منظر حدیث: حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان بن مظعونؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن حاصؓ (نصر الباری ص 254) ازواج مطہرات کے دروازے پر آئے اور آپ ﷺ کی عبادت کے بارے میں سوال کیا اور افطار و روزہ، قیام و نوم، نیز کاحی زندگی کے بارے میں پوچھنے کے بعد ان کا تاثر یہ تھا ”کناہم نقالوہا“ پھر انا لسنّا کہینتک سے اسی کی دینی تعبیر فرمائی۔ کہ معمولات نبوی ﷺ کو یا اس تناظر میں کم سمجھے۔ تاہم دیکھا جائے تو معصوم و مغفور کی قطعی پیش گوئی کے لحاظ سے اس کی بھی ضرورت نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: انا علمکم باللہ و انفقکم۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ قوت علمیہ و عملیہ کا درجہ کمال مجھے حاصل ہے اس کے باوجود میں خورد و نوش، سونا جانا اور نکاح و شادی کرتا ہوں۔ جبکہ تم لوگ اس کمال علم و تقویٰ سے خالی ہو۔ پس اتباع ہی اصل ہے۔

فائدہ ۱: آپ ﷺ کا ارشاد کرامی: انا علمکم باللہ و انفقکم اظہار حقائق ہے نہ کہ فرو عجب۔ اس لئے بوقت ضرورت بقدر ضرورت اظہار علم و فن کی اجازت ہے۔ بہت بہتر ہے اس میں تحدید نعمت کی نیت کر لی جائے۔ کما قال ﷺ انا سیدو لد آدم ولا فخر۔

فائدہ ۲: کمال عبادت کمال معرفت سے حاصل ہوتی ہے۔ نہ کہ مشقت زیادہ اٹھانے سے۔

فائدہ ۳: ان اللہ قد غفر لک۔ ایسی تمام نصوص سے مراد وعدہ مغفرت ہے۔ جس کا مقتضی عمل و احتیاط ہے۔ نہ کہ ترک عمل و عدم احتیاط۔ اسی لئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا وعدہ مغفرت کے باوجود: افلا اكون عبداً شکورا۔ مبنی عبادۃ و مغفرت اظہار تشکر ہے۔ نہ کہ ترک عمل۔

فائدہ: اسلام کی عملی تعلیم کے لئے جو چیزیں شان نبوت کی منافی نہیں تھیں تکیوں کی حکمت کے تحت وہ آپ علیہ السلام پر لائی گئیں جیسے واقعہ لیلہ التخریس یا غزوہ احزاب کے موقع پر نمازوں کی قضا، سونے جاگتے دونوں مواقع، اور ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے جاہلیت کی رسم قدیم رسم شنیع کہ متحنی کی بیوی سے نکاح نہیں ہو سکتا، یہ حال آپ پر لا کر حکم واضح کیا گیا کہ نکاح ہو سکتا ہے اور جو چیزیں شان نبوت کے منافی تھیں، وہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر لائی گئیں جیسے سر قہ وزنا، چنانچہ حدود کے نفاذ کی عملی تعلیم کا ظہور ہوا۔

ما تقدم من ذنبک وما تاخر

سوال: مغفرت کا تعلق ما تقدم سے سمجھ میں آتا ہے لیکن ما تاخر سے نہیں۔ مصیبت سرزد ہونے کے بعد مغفرت ہوتی ہے نہ کہ قبل از صدور۔

جواب: مغفرت بمعنی عدم مواخذہ ہے۔ مراد یہ ہے کہ آئندہ بشری تقاضے سے بالامکان کوئی بات ہوئی تو مواخذہ نہ ہوگا۔

جواب ۲: ”مغفر“ عدم صدور گناہ سے کنایہ ہے۔ آئندہ گناہ کا صدور نہ ہوگا۔

جواب ۳: اعلان بالمغفرت ہے جو علم الہی کے مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں ماضی، حال، مستقبل سب برابر ہیں۔ لہذا بغیر لک اللہ اس طرح پر محمول ہے۔

جواب ۴: مغفرت احکام آخرت کے لحاظ سے ہے۔ اس لئے سب کچھ ماقدم میں آجائے گا۔

سوال: انبیاء تو سب ہی معصوم و مغفور ہیں۔ آپ ﷺ اس میں کیا خصوصیت ہے۔؟

جواب: آپ ﷺ مغفرت کا اعلان خصوصیت ہے تاکہ شفاعت بالاذن کر سکیں۔ ورنہ عقیدہ کی بنا پر سب ہی مغفور ہیں۔

فائدہ: جامع ترمذی میں ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو چیزوں میں اختیار کے وقت ”اھق“ اپنے لئے اور ”اھف“ امت کے لئے پسند فرماتے۔

علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں شفقت علی الامۃ اور شق علی النفس خاصۃ نبوت ہے جیسے تہجد اور وضو کل صلوٰۃ کے مسائل میں اثن اور اسہل کا فرق ہے۔ (درس شامی ۹۹)

مسئلہ عصمت انبیاء علیہم السلام:

ان الله قد غفر لك ما تقدم من ذنبك وما تاخر۔

آیت سورۃ الفتح سے بظاہر معلوم ہوتا ہے حضرات انبیاء سے صدور گناہ ہو جاتا ہے۔

عصمت انبیاء کے بارے میں اصولی طور پر تین مذاہب ہیں:

(۱) انبیاء قبل از نبوت و بعد از نبوت کفر و شرک سے معصوم ہوتے ہیں۔ اور بعد از نبوت عہد و سہوا کبائر سے محفوظ ہوتے ہیں۔ تاہم قبل از نبوت کبائر و صفات سہوا پیش آسکتے ہیں۔

(۲) انبیاء قبل از نبوت و بعد از نبوت کفر و شرک اور کبائر سے معصوم ہوتے ہیں البتہ صفات قبل و بعد دونوں میں ہو سکتے ہیں۔ خواہ عہد و سہوا یا سہوا۔ یہ مذہب اشاعرہ کا ہے۔

(۳) حضرات انبیاء کبائر و صفات سے قبل از نبوت و بعد از نبوت بھی پاک ہوتے ہیں۔ البتہ عہد و سہوا قبل از نبوت سہوا صفات ہو سکتے ہیں۔ یہی مذہب راجح ہے۔ لیکن حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:

صفات کے تین درجے ہیں۔ (۱) معصیت جس کا ترجمہ نافرمانی ہے۔ (۲) خطا جس کو ”نا درست“ کہتے ہیں۔ (۳) ذنب جس کو خلاف شان کہتے ہیں۔ تو صغیرہ، گبیرہ معصیت کی قسمیں ہیں۔ اس سے اور خطا سے بھی پاک ہیں۔ البتہ خلاف شان کبھی کوئی عمل سرزد ہو جائے تو ہو سکتا ہے۔

دلائل عصمت انبیاء علیہم السلام

- (۱) اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں انبیاء کے بارے میں: **وَاللَّهُ يَخْتَارُ**۔ جب وہ اللہ کا چناؤ ہیں تو ان میں غلطی کا امکان نہیں۔ تو ناپسندیدہ عمل کیسے ہوگا۔ ورنہ اللہ کے چناؤ میں غلطی کا امکان لازم آئے گا۔ جو محال ہے۔
- (۲) ارشاد خداوندی ہے: **لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ**۔ عہدہ نبوت ظالموں کو کیسے مل سکتا ہے جبکہ ہر گناہ ظلم ہے۔
- (۳) اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَمَا ارْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ**۔ ظاہر ہے نبی کا ہر قدم و قول قائل اطاعت ہے اور معصیت قائل اطاعت نہیں ہوتی۔ لہذا ان میں وہ نہیں ہوگی۔
- (۴) مرتکب معصیت قائل عتاب ہوتا ہے اگر نبی سے صدور معصیت ہو جائے تو امت کی طرف سے معتبوب ہو جانا لازم آئے گا جو مقام نبوت کے خلاف ہے۔

- (۵) جو اوصاف نبوت کے لئے لازم نہیں ہیں جیسے احسن صورة، اجمع، یا اجود ہونا وغیرہ۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ان اوصاف میں بھی نبی کو ادعیا کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے منصب نبوت جو شریقی ہے اس میں کمی کیسے ہوگی؟ امت میں سب سے زیادہ اگلی نبی ہی ہوتا ہے۔

قائدہ: حضرات انبیاء علیہم السلام کے معصوم ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ فرشتوں کی طرح ان میں معصیت کا مادہ صلاحیت ہی نہیں ہے۔ بلکہ ان میں معصیت کا مادہ بحیثیت بشر موجود ہوتا ہے لیکن ان میں طبعاً معصیت کی نفرت اتنی ڈال دی جاتی ہے جیسا کہ سلیم الفطرت آدمی کو گورپا خانہ کھانے سے نفرت ہوتی ہے حالانکہ گور غیر کھانے، چبانے کی صلاحیت موجود ہے۔

خلاف عصمت روایات کی تاویلات

- (۱) جن روایات میں حضرات انبیاء کی طرف بظاہر ذنب کی نسبت ہے ان سے مراد امت کے ذنب ہیں۔ ذنبک ای ذنب امتک۔ بعض حضرات یہ جواب دیتے ہیں۔ لیکن حضرات مفسرین فی لحاظ سے اس کو اہمیت نہیں دیتے اور تائید بھی نہیں کرتے۔۔۔ کیونکہ یہ ظاہر کے خلاف ہے، بلاوجہ مجاز کی طرف رجوع کرنا ہے۔ جبکہ قرآن کریم میں **وَاسْتَغْفِرُ لَذَنْبِكَ** اور **لِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ** ہے۔

- (۲) خلاف شان کو بھی ذنب کہتے ہیں۔ معصیت کو ذنب نہیں کہتے۔

- (۳) ذنب دو قسم پر ہے۔ ذنب حقیقی۔ ذنب مزعوی۔ نبی جس کو اپنے زعم میں ذنب قرار دیتا ہو جیسے آپ ﷺ کے استغفار کا منشا یہ ترقی درجات کا ہونا تھا۔ تو آپ ﷺ درجہ کو دیکھ کر کہ یہ شان خداوندی کے لحاظ سے بہت کم ہیں استغفار فرماتے تھے۔ اور اس کو ذنب تصور فرماتے تھے۔ تو ذنب واقعی نہیں، مزعوی مراد ہے۔
- (۴) ایک جواب یہ بھی ہے ذنب کی نسبت انبیاء کی طرف علی سبیل الفرض والتسلیم ہے۔

(۵) حسنات الابرار سینات المقربین کے تناظر میں سمجھیں بعض اوقات حضرات انبیاء افضل کو چھوڑ کر محض جواز والے عمل کو اختیار کر لیتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کو وہاں مطلوب افضل پر عمل تھا۔ اس لئے وہ موجب عتاب ہو جاتا ہے۔ اس کی تعبیر یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات نبی کا امتحان لیتے ہیں کہ افضل وغیر افضل بتاتے نہیں۔ نبی اپنے اجتہاد سے یا کسی بشری تقاضے سے اہل کو چھوڑ کر ادنیٰ کو اختیار کرتا ہے تو اس پر ان کی علوشان کی وجہ سے عتاب ہو جاتا ہے۔

(۶) ذنب کی حقیقت میں تین اجزاء ہیں:

(۱) من جانب اللہ نہیں آچکی ہو۔ (۲) ارتکاب کے وقت نہی یاد ہو۔ (۳) فعل کے صدور کی خواہش نفسانی ہو۔ ایک جز بھی مفقود ہو تو ذنب کا اطلاق نہیں ہوگا۔ جیسے آپ ﷺ نے ولا تصل علی احد (نبی) سے قبل جنازہ پڑھایا حالانکہ حضرت عمرؓ منع کر رہے تھے۔ اگرچہ یہ بھی ”خلاف اولیٰ“ تھا اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں صدور گناہ کے وقت نسیان طاری ہو گیا۔ لہذا یہ بھی ذنب نہیں۔ (ماخوذ از الہام الباری)

(۷) حضرات انبیاء علیہم السلام ہمہ وقت دربارِ خداوندی میں موجود جلال و جمال کے مشاہدہ میں ہوتے ہیں صلاحیت کے باوجود ارتکابِ معصیت نہیں کر سکتے۔ (از حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب قاضی)

جواب ۸: حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ فرماتے ہیں غفران کے معنی ستر کے ہیں غفار کے معنی ستار کے ہوتے ہیں تو لیغفر لک اللہ کے معنی ہوں گے اللہ تعالیٰ ساتر یعنی مانع بین الذنب و بین النبی ﷺ ہوں گے۔۔۔ ذنب کو نبی تک پہنچنے نہیں دیں گے۔ اسی لئے، غفر، بمعنی خود کے ہیں، وہ فوجی کے سر کے لئے ساتر ہے سر اور گولی کے درمیان۔ (کشف الباری ج ۲ ص ۱۰۰)

جواب ۹: لیغفر لک اللہ میں خطاب تشریف و تکریم ہے قیامت میں جب تمام امم آخر کار آپ کے پاس شفاعت کبریٰ کے سلسلہ میں آئیں تو آپ انکار نہ فرمائیں۔۔۔ دیگر انبیاء کرام کے طرز پر عذر نہ کریں۔۔۔ آپ کے لیے ماتقدم و ماتاخر کی مغفرت کی دستاویز پہلے ہی دنیا میں دیدی تھی۔ (کشف الباری ج ۲ ص ۱۰۱)

13 باب مَنْ كَرِهَ أَنْ يُعَوِّدَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُلْقَى فِي النَّارِ مِنَ الْإِيمَانِ

جو شخص کفر میں واپس لوٹ جانے کو اس طرح ناپسند کرے

جس طرح آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے یہ ایمان میں سے ہے

حَدَّثَنَا سَلِيمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ مَنْ كَانَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ وَمَا سِوَاهُمَا مِنْ أَحَبَّ عَبْدًا لَا يَحِبُّهُ إِلَّا اللَّهُ وَمَنْ يَكْرَهُ أَنْ يُعَوِّدَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْقَذَهُ اللَّهُ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُلْقَى فِي النَّارِ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا تین باتیں جس کسی میں پائی جائیں گی اس کو

ایمان کی حلاوت نصیب ہوگی: وہ شخص کہ اس کو خدا اور رسول تمام ماسوا سے زیادہ محبوب ہوں اور جس کسی سے دوستی ہو محض اللہ کے لئے اور کفر کی طرف لوٹ جانا ایسے برا لگے جیسے آگ میں گرنا۔

ربط: ماقبل میں صحابہ کرامؓ کا زیادتی عبادت کی اجازت طلب کرنے کا مشاء حلاوت ایمانی کا حاصل ہو جانا ہے۔
... حدیث الباب میں اسباب حلاوة اور حلاوت ایمان کا ذکر ہے۔ (نص الباری ج ۱ ص ۲۵۵)

متعلقات: حدیث تمام گذر چکے ہیں تاہم سند میں فرق ہے اس لئے تکرار بھی نہیں۔ سند کا فرق یہ ہے سوائے حضرت انسؓ کے تمام رواۃ دوسرے حضرات ہیں (۲) اور دوسرا فرق یہ ہے حدیث الباب میں تینوں امور کے شروع میں من کا لفظ ہے اور حدیث سابق میں ان تینوں امور میں لفظ ان ہے۔

(۳) حدیث سابق میں بعد اذ انقذه اللہ کا لفظ نہیں ہے (۴) حدیث الباب میں یلغی کا لفظ ہے اور حدیث سابق میں یلغف کا لفظ ہے۔ (کشف الباری ج ۲ ص ۱۰۶)

14 باب تَفَاضُلِ أَهْلِ الْإِيْمَانِ فِي الْأَعْمَالِ

اہل ایمان کا ایک دوسرے پر افضل ہونا اعمال کی وجہ سے

حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَدْخُلُ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ وَأَهْلُ النَّارِ النَّارَ ثُمَّ يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى أَخْرِجُوا مِنْ هَاهُنَا مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَزْدَلٍ مِنْ إِيْمَانٍ فَيُخْرِجُونَ مِنْهَا قَدْ اسْوَدُّوا فَيُلْقَوْنَ فِي نَهَرٍ الْحَيَاةِ أَوْ الْحَيَاةِ شَكَّ مَالِكٌ فَيَنْبَثُونَ كَمَا تَنْبَثُ الْحَبَّةُ فِي جَانِبِ السَّيْلِ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُ تَخْرُجُ صَفْرَاءَ مَلْتَوِيَةً قَالَ وَهَيْبٌ حَدَّثَنَا عُمَرُ وَالْحَيَاةُ وَقَالَ خَزْدَلٍ مِنْ خَيْرٍ.

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ غُنَيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي هَرَبَةَ عَنْ سَعْدِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ صَالِحٍ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ بْنِ سَهْلٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُ النَّاسَ يَغْرَضُونَ عَلَيَّ وَعَلَيْهِمْ قُمْضٌ مِنْهَا مَا يَبْلُغُ الْفُذِيِّ وَمِنْهَا مَا ذَرُونَ ذَلِكَ وَغَرَضَ عَلَيَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَعَلَيْهِ قَمِيضٌ يَجْرُهُ قَالُوا أَفَمَا أَوَلْتَ ذَلِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ الَّذِينَ.

ترجمہ: ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا جنت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہو جائیں گے۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ فرمائے گا جس کے دل میں رائی کے برابر ایمان ہو اس کو دوزخ سے نکال دو۔ یہ لوگ جب دوزخ سے نکالے جائیں گے اس وقت ان کے بدن سیاہ ہوں گے۔ بعد ازاں ان کو نمر حیات میں ڈالا جائے گا جس سے وہ اس طرح آگیں کے جس طرح سیلان کے کنارے دانہ اگتا ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا سیلاب کا دانہ زرد اور پیچ در پیچ لپٹا ہوا اگتا ہے۔

ترجمہ: ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا: اسی اثناء میں کہ میں سو رہا تھا میں نے دیکھا لوگ میرے سامنے پیش کئے جا رہے ہیں جو کرتے پہنے ہوئے ہیں۔ ان میں سے بعض کے کرتے سینے تک اور بعض کے اس سے بھی کم۔ جب عمر بن خطاب کو پیش کیا گیا تو ان کا کرتہ اتنا لمبا تھا کہ وہ اس کو کھینچتے ہوئے چلتے تھے۔ صحابہؓ نے عرض کیا آپ ﷺ نے اس کی کیا تعمیر دی؟ فرمایا: دینداری۔

غرض ترجمہ الباب: اہل ایمان میں باہمی فضیلت نفس ایمان میں نہیں ہوگی بلکہ اعمال میں ہوگی۔ معلوم ہوا امام بخاریؒ کا مسلک بھی یہی ہے کہ نفس ایمان لازماً بدو لا ینقص ہے البتہ مقصود مرجیہ اور کرامیہ کا رد ہے نہ احناف حضرات کا۔

سوال: امام بخاریؒ نے یہی روایت ص ۱۱ پر باب زیادة الایمان و نقصانہ کے تحت ذکر کی اظہار تکرار ہے۔

جواب: تکرار صوری ہے حقیقی نہیں۔ یہاں اہل ایمان کی فضیلت کا ذکر ہے اور دوسرے ترجمہ میں زیادتی و نقصان ایمان کا ذکر ہے۔

جواب ۲: یہاں اہل الایمان سے موصوفین کا ذکر ہے اور آگے صفت کا ذکر ہے۔

تشریح حدیث

خوردل: رائی کا دانہ۔

سوال: حبتمن خوردل: یہ تو زنی اور کبلی چیز ہے جبکہ ایمان تو ایسا نہیں۔

جواب: تشبیہ المعقول بالمحسوس ہے۔

نہو الحیا: ۱: حیا یہاں شرمندگی کے معنی میں نہیں بلکہ زندگی کے معنی میں ہے۔ مراد وہ فہر ہے جس میں غوطہ دینے سے زندگی آجائے گی۔

۲: یا پھر حیا بمعنی بارش ہے وہ بھی زمین کی حیات کا باعث ہے۔

او الحیاة: او بمعنی شک ہے۔ دوسری روایت میں او کے بغیر الحیاة ہے۔ معلوم ہوا کہ امام مالکؒ کو شک ہوا۔

کما ثبتت الحبة: حبة اس ثور وودا نے کو کہتے ہیں جو حرا میں اکتا ہے۔ اس کی ”حبات“ جمع ہے۔

فائدہ: بعض حضرات کہتے ہیں الحبة پر الف لام عہد خارجی ہے۔ مراد اس سے وہ دانہ ہے جو تالاب اور جوہڑوں کے کنارے پراکتا ہے۔ عربی میں اس کو بقلة الحمقاء، پنجابی میں اس کو پد پیزہ کہتے ہیں۔

صفراء علویہ: یہ دانہ جب اکتا ہے تو شروع میں زرد مٹی ہوتا ہے اور لپٹا ہوا بھی ہوتا ہے۔

قال وہیب

یہ تطبیق کا بیان ہے۔ روایت مالک اور تعلق وہیب میں متعدد فرق ہیں:

۱: مالک عن سے اور وہیب حدیثنا سے روایت کرتے ہیں۔

۲: حضرت مالکؒ کی روایت میں شک ہے اور وہیبؒ کی روایت میں لفظ الحیاة میں شک نہیں ہے۔

۳: پہلی روایت میں خود دل من الایمان ہے اور دوسری روایت میں خود دل من خیر ہے۔ بتلانا یہ چاہتے ہیں پہلی روایت میں جو ایمان کا لفظ ہے اس سے مراد بھی خیر ہی ہے۔ اور خیر سے مراد عمل ہے تاکہ یہ اشکال نہ ہو کہ روایت الباب ترجمۃ الباب کے مطابق نہیں۔

حدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ النَّخَعِيُّ

وَعَلَيْهِمْ قَمَصٌ:

قمیص جیسے انسان کو سردی، گرمی اور عیوب ظاہری سے بچاتی ہے اسی طرح دین، دنیوی و اخروی مشکلات سے بچاتا ہے۔
الفدی: یہ فدی کی جمع ہے۔ الدین۔ مراد عمل ہے یعنی دین کے عمل کے لحاظ سے کم و بیش ہوں گے۔
سوال: اس روایت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے حضرت عمرؓ تمام صحابہؓ سے افضل ہیں کیونکہ قمیص جو اعمال پر دال ہے ان کی سب سے لمبی ہے۔ حالانکہ حضرت ابوبکرؓ بالاجماع افضل ہیں۔
جواب: اشاعت دین کے لحاظ سے فضیلت جزیئی ہے۔

یہ حدیث، حدیث شفاعت کا حصہ ہے۔ اس میں اولین لوگ وہ ہوں گے جو اپنے اعمال ظاہری کے حوالہ سے بہت زیادہ شناخت ہوں گے۔ یہ جلد جنت میں پہنچ جائیں گے۔

دوسرے اعمال باطنی کے لحاظ سے لوگ ہوں گے جن کو صرف آپ ﷺ چاہیں گے یہ آپ ﷺ سفارش سے جنت میں پہنچ جائیں گے۔ اور تیسرے وہ لوگ ہوں گے جن کا ایمان اس درجہ پر ہوگا کہ ان کو صرف اللہ تعالیٰ جانتے ہوں گے پھر انہیں اللہ تعالیٰ جہنم سے نکالیں گے۔ اس سے یہ استدلال تفاضل اہل الایمان دونوں طرف سے ثابت ہوا۔ نکلنے والوں کی طرف سے بھی اور نکالنے والوں کی طرف سے بھی۔

15 باب الْحَيَاءِ مِنَ الْإِيمَانِ۔۔ حياءِ ایمان کا جز ہے

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلَى رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ وَهُوَ يَعْظُمُ أَخَا فِي الْحَيَاءِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا لِإِنِّ الْحَيَاءِ مِنَ الْإِيمَانِ.

ترجمہ: سالم بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ انصار کے ایک آدمی پر گزرے اور وہ اپنے بھائی کو حیا کے بارے میں نصیحت کر رہا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا اس کو چھوڑ دے کیونکہ حياءِ ایمان سے ہے۔
غرض: من الایمان سے ترکیب ایمان اور تردید مرجح ہوگی۔ من تبعیضہ جزئیت ایمان پر دال ہے اور ذو

اجزاء چیر کر کب ہوتی ہے۔

رہط: پہلے باب میں تقاضا الایمان فی الاعمال کا بیان تھا، باب ہدائیں اس چیز کا بیان ہے جس سے ایمان کے اندر زیادتی پیدا ہوتی ہے اور وہ حیا ہے۔ (درس شمارتی 104)

وہو یعظا خواہ: اس جملہ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کا بھائی حیا نہیں کرتے تھے اور وہ اس کو حیا کرنے کی تلقین کر رہے تھے۔ بلکہ وہ اپنے بھائی کو ضرورت سے زیادہ حیا کرنے پر اظہارِ ناراضگی کر رہے تھے اور زیادہ حیا سے منع کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس کو چھوڑ دو۔ کیونکہ حیا ایمان سے ہے۔

فائدہ: حیا کی جامع تعریف: مولا ک لا یراک حیث ینہاک (قال المصنف علی القاری رحمہ اللہ)

فائدہ: حیا کی مخالفت کا حکم: حیا شرعی کا مخالف فاسق حیا عقلی کا مخالف مجنون اور حیا عرفی کا مخالف ابلہ ہے۔

فائدہ: کثرتِ حیا کی وجہ سے حقوقِ دنیوی ضائع ہو جاتے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو اپنے حال پر چھوڑ دو۔ اگرچہ دنیوی حقوق ضائع ہو جائیں گے مگر آخرت تو بن جائے گی۔

16 باب { فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ }

یہ باب ہے اس آیت کی تفسیر میں کہ پھر اگر وہ توبہ کریں

اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْمُسْنَدِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو دُرُوحٍ الْحَرَمِيُّ بْنُ غَمَارَةَ قَالَ حَدَّثَنَا هُغْبَةُ عَنْ
وَإِدْرِ بْنِ مُحَمَّدٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي يُحَدِّثُ عَنْ ابْنِ غَمَرٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أُمِرْتُ أَنْ
أَقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ فَإِذَا
فَعَلُوا ذَلِكَ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّ الْإِسْلَامِ وَحَسَابُهُمْ عَلَى اللَّهِ.

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے مقاتلہ کروں تاکہ وہ اس امر کے قائل ہو جائیں کہ سوائے خدا کے اور کوئی لائقِ عبادت نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں نماز ٹھیک ٹھیک پڑھیں، زکوٰۃ ادا کریں۔ اگر وہ ایسا کر لیں تو مجھ سے سوائے حقِ اسلام کے اپنی جانوں اور اموال کو محفوظ کر لیں گے۔ اور پھر ان کا حساب خدا تعالیٰ پر ہے۔

تشریح حدیث۔۔۔ ترجمہ الباب کی غرض کے بارے میں ۲ تقاریر ہیں

۱۔ مرجعہ اور کرامیہ کا رد ہے۔ جو عمل کو غیر ضروری قرار دیتے ہیں۔

طرز استدلال: یہ ہے کہ توبہ قبول کرنے کے بعد صلوٰۃ اور زکوٰۃ کا ذکر ہے۔ تو مجموعہ ایمان ہے۔

۲... امام بخاریؒ کی غرض ترکیب ایمان کو ثابت کرنا ہے۔ طرز استدلال یہ ہے کہ مرتکب کفر کو مارا جائے وہ معصوم الدم قرار نہیں دیا جاتا لیکن معصوم الدم ہونے کی تین شرائط ہیں: ۱: اقرار شہادتین - ۲: اقامہ صلوٰۃ - ۳: ایتائے زکوٰۃ۔ معلوم ہوا ایمان ان تینوں چیزوں سے مرکب ہے۔ احناف کہتے ہیں: کمال عصمت دم کیلئے کمال ایمان ضروری ہے۔

دلائل احناف (۱) ابو داؤد شریف میں ہے: اگر کوئی شخص نماز قائم نہیں کرتا اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے خواہ معاف کریں یا عذاب دیں۔ تارک صلوٰۃ کو مشیت ایزدی پر موقوف کرنا دلیل ہے کہ وہ کافر نہیں ہوتا۔ کیونکہ کافر کی بخشش مشیت پر موقوف نہیں ہے۔ (۲) تارک صلوٰۃ کو جمہور ائمہ نے کافر نہیں کہا۔ معلوم ہوا نماز نفس ایمان کا جز نہیں۔ کمال ایمان کا جز ہے۔

تارک صلوٰۃ کا حکم

تین مذاہب ہیں: (۱) امام شافعیؒ و امام مالکؒ کے نزدیک حد اٹھل کیا جائے۔

(۲) امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک قید کیا جائے حتیٰ بموت او یتوب۔

(۳) امام احمدؒ کے نزدیک تارک صلوٰۃ مرتد ہو جاتا ہے۔ لہذا ارتداد اٹھل کیا جائے۔ الحاصل تارک صلوٰۃ کو ایک امام کافر قرار دیتے ہیں تین قرار نہیں دیتے۔

امام شافعیؒ اور امام مالکؒ حد اٹھل کے قاتل ہیں اور امام احمد ردۃ۔ اور امام اعظمؒ بھی تعزیر اٹھل کے قاتل ہیں۔ تعزیر اور حد میں یہ فرق ہے کہ تعزیر معاف ہو سکتی ہے۔ مگر حد معاف نہیں ہو سکتی۔

لطیفہ: امام احمدؒ امام شافعیؒ رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں۔ انہوں نے امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا تارک صلوٰۃ کا کیا حکم ہے؟ عرض کیا مرتد ہے۔ امام شافعیؒ نے فرمایا: تو یہ کی کیا صورت ہے؟ کہا: نماز پڑھ لے۔ امام شافعیؒ نے فرمایا: کافر کی نماز کا اعتبار نہیں۔ کہا: کلمہ پڑھ لے۔ امام شافعیؒ نے فرمایا: کلمہ تو وہ پہلے ہی پڑھتا ہے فسکت احمد۔ (الخیر الساری 1/252)

ویقیمو الصلوٰۃ یہ روایت جمہور ائمہ کی دلیل ہے۔ کہ شہادتین، اقامہ صلوٰۃ و ایتائے زکوٰۃ اس مجموعہ سے معصوم الدم ہوتا ہے ورنہ حد اٹھل کیا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے جیسے شہادتین کے چھوڑنے والے کو قتل کیا جاتا ہے ایسے ہی تارک صلوٰۃ کو بھی قتل کیا جائے گا۔

جواب اول: احناف کہتے ہیں کہ یہاں قتال کا لفظ ہے۔ قتل کا نہیں ہے۔ قتال مطلق لڑائی کو کہتے ہیں۔ قتل کو نہیں کہتے۔ قتال کا لفظ ما بین یدی المصلی کے بارے میں بھی آیا ہے۔ لفظی اشتراک کے باوجود اس پر اجماع ہے کہ اس کا قتل جائز نہیں ہے۔ اسی لئے قتال کا لفظ المنع بشدۃ کے معنی میں ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ سے منقول ہے جو سستی تارک اذان ہو جائے تو امام اس سے قتال کرے گانیز: جقیلہ تارک ختنہ ہو جائے اس سے بھی قتال کیا جائے گا۔

جواب ثانی: حدیث الباب میں جیسے تارک صلوٰۃ کیلئے قتال کا حکم ہے۔ اسی طرح تارک ایتائے زکوٰۃ کیلئے بھی قتال کا حکم ہے۔ مگر کسی امام سے اس بارے میں کوئی تصریح نہیں ہے۔

جواب ۳: ابتدائے اسلام میں اقامہ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کو بھی ایک علامت کے درجہ میں قرار دیا جاتا تھا۔

تاہم امام صاحبؒ نے مجموعہ دلائل سے استدلال کیا ہے کہ تارک نماز کا فرہم نہیں ہے۔

سوال: حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مانعین زکوٰۃ سے قتال فرمایا۔ جبکہ ابتداء حضرت عمرؓ قتال سے روک رہے تھے۔ اگر مانعین زکوٰۃ مرتد تھے تو حضرت عمرؓ کیوں روک رہے تھے؟ اور اگر مرتد نہیں تھے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے قتال کا حکم کیوں دیا؟

جواب: حضرت ابوبکرؓ ارتداد کی وجہ سے نہیں بلکہ خلافت علیؓ منہاج النبوة قائم کرنے کیلئے قتال کر رہے تھے۔ کیونکہ وہ مانعین زکوٰۃ تھے۔ منکرین زکوٰۃ نہ تھے۔ خلیفہ رسول ﷺ مقصد یہ تھا جیسے آپ ﷺ کے دور میں اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ بیت المال میں جمع کرائی جاتی تھی اب بھی اسی طرح کیا جائے۔ تاکہ دین میں نقص لازم نہ آئے۔ ورنہ اندیشہ تھا کہ اس چھوٹے سے راستہ کے کھل جانے سے پھر مزید راستے نہ کھلنے لگ جائیں۔

فائدہ: دور صدیقی کے آغاز ہی میں ایک گروہ مرتد ہو گیا۔ دوسرا گروہ منکرین زکوٰۃ کا تھا۔ پھر ان کے دو طبقے تھے ایک کلیئہ منکر تھا اور ایک موہل۔ آیت مبارکہ خذ من اموالہم صدقۃً سے استدلال کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زکوٰۃ لینے کا حامل قرار دیتا تھا دوسرے کسی کو نہیں۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ان دونوں گروہوں کے ساتھ قتال کا ارادہ فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مرتدین کے بارے میں تو اتفاق تھا۔ تاہم منکرین زکوٰۃ کے حوالہ سے حدیث الباب اموات ان اقاتل الناس الخ کے پیش نظر تردد تھا۔ اس پر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: واللہ لا قاتلن من فوق بین الصلوٰۃ والزکوٰۃ۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی اس پر شرح صدر ہو گیا۔ کیونکہ دور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جو طریق کار صلوٰۃ و زکوٰۃ کے نظام کا تھا اس ترتیب نبوی کو دور صدیقی میں تبدیل نہیں کیا جاسکے گا۔ چنانچہ ارشاد صدیقی ہے: اینقص الدین وانا حیی۔

سوال: کفار کے ساتھ معاملات میں تین درجات ہیں۔ ۱: قبول اسلام، ۲: جزیہ، ۳: پھر قتال۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے دو درجے ہیں۔ یا اسلام یا پھر قتال۔ جزیہ کا ذکر نہیں ہے۔

جواب: ۱: ان اقاتل الناس: الناس میں الف لام عہد خارجی ہے۔ صرف مشرکین عرب مراد ہیں۔ اس لئے کہ جزیہ العرب اسلام کا ہیڈ کوارٹر ہے تو یہاں جزیہ قابل قبول نہیں۔ ”یا مشرک یا مسلم“ ثنائی تقسیم ہے۔

جواب: ۲: حتیٰ يشهدوا کلام صدق حام ہے یا تو کلمہ اسلام پڑھے یا کلمہ کی حاکمیت تسلیم کر کے جزیہ دینا شروع کر دے۔

جواب: ۳: یہ حدیث مخصوص عنہ البعض ہے۔ دوسرے دلائل کی بنا پر اپنے عموم پر باقی نہیں۔ دوسرے دلائل سے جزیہ دینا ثابت ہے۔ اس میں جزیہ کی نفی نہیں ہے۔

الابحق الاسلام

حق اسلام میں تین آدمیوں کے قتل کا جواز ہے۔ ۱: مرتد، ۲: جو قاتل عدا کسی کو ناحق قتل کر دے۔ ۳: زانی محسن۔

و حسابہم علی اللہ:

ظاہر کلمہ کی بنا پر ایسے شخص کو اسلامی ملک میں برابر کے حقوق حاصل ہو جائیں گے۔ باطن کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔

17 باب من قال ان الایمان هو العمل الخ

باب مَنْ قَالَ إِنَّ الْإِيمَانَ هُوَ الْعَمَلُ لَقَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى {وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ} وَقَالَ عِدَّةٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى {فَوَرَّكَ لَتَشَأَنَّ لَهُمْ أَجْمَعِينَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ} عَنْ قَوْلِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ {لِيُجِبَلَ هَذَا أَفَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُونَ}

یہ باب ہے اس شخص کے قول کے بارے میں جو کہتا ہے ایمان ایک عمل ہے

اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے اور یہ جنت وہ ہے جس کے تم وارث بنائے گئے ہو ان کاموں کی وجہ سے جو تم کرتے تھے۔ اور متعدد اہل علم نے کہا: اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں تیسرے رب کی قسم! ہم ضرور ان سب سے سوال کریں گے اس چیز کے متعلق جو وہ کرتے تھے، یعنی لا الہ الا اللہ کہنے کے متعلق۔ اور اللہ نے فرمایا اس جیسی چیز کی وجہ سے ہی عمل کریں عمل کرنے والے۔

26 - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ وَمُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَا حَدَّثَنَا ابْنُ إِسْحَاقَ بْنِ سَعْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ

شِهَابٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ أَيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ فَقَالَ إِيْمَانٌ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ قِيلَ فَمَاذَا قَالَ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قِيلَ فَمَاذَا قَالَ خُجَّ مَبْرُورٌ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ نے دریافت کیا گیا کہ کونسا عمل سب سے بہتر ہے؟ فرمایا خدا اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔ عرض کیا گیا اس کے بعد کونسا عمل افضل ہے؟ فرمایا راہ خدا میں جہاد کرنا، پھر کونسا؟ حج مبرور

تشریح حدیث ---

سوال: ارث تو آباؤ اجداد سے ملتی ہے جنت ارث کیسے بنی؟

لفظ وراثت کی تشبیہ سے یہ بات واضح کی گئی ہے جس طرح وراثت کسی سے واپس نہیں لی جاسکتی ہے اور وراثت تصرف میں مکمل طور پر مختار ہوتا ہے اہل جنت کو یہ آزادی حاصل ہوگی۔ (فضل الباری 393/1)

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں ”المورث ہنا الکافر“ — کیونکہ جنت و جہنم میں دو ٹھکانے ہیں۔ جنت والے کافر کے ٹھکانہ کا وارث مؤمن ہوگا۔ ایضاً

تیسرا جواب المورث ہو اللہ تعالیٰ۔ وراثت کو مجاز کے طور پر عطا کے معنی میں لیا جائے۔ ایضاً

قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں۔ یہاں عمل کی جزا کو میراث سے تشبیہ دی ہے۔ وجہ تشبیہ یہ ہے جس طرح میراث مورث کے بعد رہ جاتی ہے اس طرح عامل کے عمل کی جزاء پیچھے رہ جاتی ہے۔ ایضاً

ایک لطافت یہ بھی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی میراث ہے۔ شاید لفظ میراث اس لئے استعمال فرمایا۔ اقسام تملیک

میں یہ سب سے زیادہ اتم اور احکم قسم ہے جس میں فسخ و ابطال اور اقالہ کا بھی احتمال نہیں ہے۔ (فضل الباری 394/1)

نیز وراثت غیر اختیاری قلمبک ہوتی ہے کسب عہد کو اس میں دخل نہیں ہوتا گویا جنت محض تفضیل ہے کسب عہد کی وجہ سے نہیں۔ واللہ اعلم

غرض ترجمہ بعد بعض مرحلہ کرامیکہ کا رہے جو عمل کو اہمیت نہیں دیتے۔

رہط: امام بخاریؒ نے یہاں لفظ عمل اختیار کیا؛ مقصود یہ کہ ایمان ایک اختیاری فعل قلب کا نام ہے۔ اور وہ تصدیق ہے۔ جہمہ کا مذہب یہ ہے کہ نفس معرفت ہی کا نام ایمان ہے۔ اور اس میں کسب قلب کا دخل ہونا ضروری نہیں۔ (یعنی غیر اختیاری طور پر اگر معرفت حاصل ہو جائے تو یہ بھی ایمان ہے۔) ان کا رد ہے۔

طرز رد: بطور حصر ارشاد فرمایا: ان الایمان هو العمل۔ امام بخاریؒ فرماتا چاہتے ہیں کہ ایمان چونکہ عمل ہی کا نام ہے اور یہ اختیاری اور کسب کو چاہتا ہے۔

اس لئے ایسی معرفت جس میں کسب اور اختیار کو دخل نہ ہو محض غیر اختیاری (منطقی تصدیق) اس کو ایمان نہیں کہیں گے۔ آیات قرآنیہ جتنی حضرت امام بخاریؒ نے اہل فرمائی ہیں ان میں جہاں عمل کا لفظ آیا یا اختلاف صیغہ ہاں بھی مراد ”عمل“ سے ”ایمان“ ہے تلازم جائز نہیں ہے۔ طریق استدلال یہ ہے کہ جہاں دخول جنت کا مدار مثلاً معمولون کو شہر یا جا رہا ہے تو اس کے اندر باطنی طور پر تو منون داخل ہے۔ ورنہ محض معمولون خواہ کتنی ہی بڑی مقدار میں ہو دخول جنت اس سے نہیں ہو سکے گا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ہما کنتم معمولون میں ہما کنتم تو منون لازمی طور پر داخل ہے گویا الاعمال الایمان ہی ہوا۔ اس سے مرحلہ کرامیکہ کا بھی رد ہو گیا۔ کیونکہ ہما میں بسمیت ہو یا عوض کی ہما غیر عمل کی طرف مشعر ہے۔

فائدہ: لمثل هذا فليعمل العاملون: ہذا سے اشارہ فوز عظیم کی طرف ہے اور فوز عظیم صرف عمل مجرد عن الایمان سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ عمل مع الایمان سے ملتی ہے لہذا معنی ہوگا: فليؤمن من المومنون۔۔۔ احناف کے ہاں بھی یہی قول ہے۔ لیکن فرق صرف اتنا ہے کہ یہاں امام بخاریؒ کے ہاں اطلاق الجزء علی الكل ہے اور احناف کے ہاں اطلاق الفرع علی الاصل ہے۔ (درس شامی 115)

س: حدیث میں دخول جنت کے لئے نفعی عمل کی صراحت ہے بلکہ آپ ﷺ نے اپنے عمل کو غیر معتبر قرار دیتے ہوئے رحمت خداوندی کا سہارا لیا۔

ج: سبب حقیقی دخول جنت کا ایمان ہے مگر عمل علامت ایمان ہے جیسے ریل گاڑی انجن کی طاقت سے چلتی ہے مگر گاڑی کی سبب چھٹی چلنے کی اور سرخ چھٹی رکنے کی علامت ہے۔ الغرض ایمان بفضل خداوندی ملتا ہے اور عمل فضل خداوندی کے متوجہ ہونے کی علامت ہے۔ (دلیل بخاری)

جج ممبرور: اس کی کئی تفاسیر منقول ہیں:

(۱) وہ حج جس میں ریا کاری اور طلب شہرت نہ ہو۔ مفہوم حدیث: ایک وقت آنے کا امراء سیر کیلئے۔ غرباء مانگنے کیلئے، متوسط طبقہ کاروبار کیلئے اور علماء و صلحاء شہرت کیلئے سفر حج کریں گے۔

(۲) حج لا اثم فیہ حج مبرور ہے۔ (تفسیر عثمانی)

(۳) حج مبرور جو زندگی میں تبدیلی لائے۔ آدمی بعد از حج شریعت کا پابند ہو جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان تین تفسیروں میں تین حالتوں کی طرف اشارہ ہے:

۱: چلتے وقت نیت صحیح ہو۔ ۲: درمیان میں گناہ نہ ہو۔ ۳: واپس آ کر ترک احکام نہ ہو۔

18 بَابُ إِذَا لَمْ يَكُنْ الْإِسْلَامُ عَلَى الْحَقِيقَةِ

وَ كَانَ عَلَى الْإِسْلَامِ أَوْ الْخَوْفِ مِنَ الْقَتْلِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى {قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِنْ

قُولُوا أَسْلَمْنَا} فَإِذَا كَانَ عَلَى الْحَقِيقَةِ فَهُوَ عَلَى قَوْلِهِ جَلَّ ذِكْرُهُ {إِنَّ الَّذِينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ}

حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنْ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عَامِرُ بْنُ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ عَنْ سَعْدِ بْنِ رَضِيٍّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَى زُهْطًا وَسَعْدًا جَالِسَ فَتَرَكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَلَّاهُ أَعْجَبَهُمْ إِلَيَّ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا لَكَ عَنْ فَلَانٍ قَوْلَ اللَّهِ إِنِّي لَأَرَاهُ مُؤْمِنًا فَقَالَ أَوْ مُسْلِمًا فَسَكَتُ قَلِيلًا ثُمَّ غَلَبَنِي مَا أَعْلَمُ مِنْهُ فَعُدْتُ لِمَقَالَتِي فَقُلْتُ مَا لَكَ عَنْ فَلَانٍ قَوْلَ اللَّهِ إِنِّي لَأَرَاهُ مُؤْمِنًا فَقَالَ أَوْ مُسْلِمًا ثُمَّ غَلَبَنِي مَا أَعْلَمُ مِنْهُ فَعُدْتُ لِمَقَالَتِي وَعَادَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ يَا سَعْدُ إِنِّي لَأُعْطِي الزُّجْلَ وَغَيْرَهُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْهُ خَشْيَةً أَنْ يَكْتَبَهُ اللَّهُ فِي النَّارِ وَرَوَاهُ يُونُسُ وَصَالِحٌ وَمُعَمَّرٌ وَابْنُ أَبِي الزُّهْرِيِّ عَنْ الزُّهْرِيِّ.

ترجمہ: جب اسلام حقیقی معنی پر نہ بولا جائے اور ظاہری تابعداری پر بولا جائے لا الٰہ الا جہان کے ڈر سے (تو وہ مجاز کے طور پر ہوگا) اللہ تعالیٰ کے قول کی وجہ سے کہ گنوار لوگ کہتے ہیں ہم ایمان لائے۔ اے پیغمبر! ان سے فرما دیجئے تم ایمان نہیں لائے تم کہو کہ ہم اسلام لے آئے لیکن جب اسلام اپنے حقیقی معنی میں ہوگا تو وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول پر ہوگا کہ اللہ کے نزدیک سچا دین اسلام ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے چند لوگوں کو کچھ مال دیا اور سعدؓ بیٹھے ہوئے تھے (یعنی میں بیٹھا ہوا تھا) پس آپ ﷺ نے ایک شخص (جعیل بن سراقہؓ) کو چھوڑ دیا (یعنی اس کو نہ دیا) اور وہ سب لوگوں میں مجھے پسندیدہ تھا۔

میں نے کہا اے اللہ کے رسول! آپ کو فلاں سے کیا ہے؟ اللہ کی قسم میں تو اس کو مؤمن سمجھتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا مسلم؟ پھر تھوڑی دیر میں خاموش رہا۔ پھر غالب آئی مجھ پر وہ بات جو میں اس سے جانتا تھا۔ پس میں اپنی بات کی طرف لوٹا اور میں نے کہا: آپ کو فلاں سے کیا ہے؟ اللہ کی قسم میں اس کو مؤمن خیال کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا مسلم؟ پھر تھوڑی دیر میں خاموش رہا پھر غالب آیا مجھ پر اس کا وہ حال جو میں جانتا تھا۔ پس میں نے تیسری بار وہی عرض کیا۔ اور حضور ﷺ نے بھی وہی فرمایا۔ پھر آپ نے فرمایا: اے سعد! میں ایک آدمی کو دیتا ہوں اور اس کا غیر مجھے زیادہ محبوب ہوتا ہے۔ اس بات سے خوف کرتے ہوئے کہ کہیں اللہ اس کو اوندھا جہنم میں نہ ڈال دے۔

حدیث کا پس منظر

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے حالت مرض میں اندیشہ موت سے اپنے مال کے سلسلہ میں مشورہ چاہا آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ابھی آپ کی زندگی باقی ہے۔ آپ کی زندگی سے مسلمانوں کو فائدہ اور کفار کو نقصان ہوگا چنانچہ جنگ قادسیہ میں ایسے ہی ہوا، جنگ قادسیہ میں جو انہوں نے فوج کی ترتیب دی اسے آج بھی یورپ یاد کرتا ہے اس سے فارس میں اسلام کی اشاعت ہوئی۔ (درس بخاری: 324)

رابطہ ماقبل میں ایمان و اسلام کے بارے میں امام بخاریؒ نے اتحاد کا دعویٰ فرمایا۔ لیکن قل لم تؤمنوا کی آیت سے اشکال ہوتا تھا۔ اس کے جواب کے لئے یہ باب قائم فرمایا۔

تعارف و اذعان

اس حدیث میں پانچویں راوی حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ہیں۔ یہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ مستجاب الدعوات ہیں۔ کل مرویات ۲۷۰ ہیں۔ م: ۵۵۔ ۷۰ سے کچھ اوپر عمر پائی۔ مقام عقیق جو مدینہ طیبہ سے دس میل کے فاصلہ پر تھا۔ وہاں وصال ہوا۔ بعد از وفات لوگ ان کو اپنے کندھوں پر اٹھا کر مدینہ لائے۔ مروان بن حکم والی مدینہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور بقیع میں مدفون ہوئے۔ عشرہ مبشرہ میں سے آخر میں فوت ہوئے۔

مصدق ترجمہ:

الاستسلام: اس کے معنی صلح کرنا یا انقیاد و ظاہری کے ہیں۔

اذالم یکن: اس کی جزا محذوف ہے۔ بمعنی لا ینفع فی الآخرة۔ یا یوں جزاء ہے: فانہ لیس مراد فاللایمان۔

غرض ترجمۃ الباب: یا تو رفع تعارض ہے۔ یا پھر اسلام کی تفسیر اور اس کی اقسام کا بیان ہے۔

تقریر اول: رفع تعارض کی صورت میں دو احتمال ہیں:

(۱) یا تو امام بخاریؒ کے اپنے دعویٰ میں جو تعارض ہے اس کو رفع کرنا مقصود ہے۔ ان کا دعویٰ یہ تھا کہ اسلام، ایمان، دین،

وغیرہ میں ترادف ہے۔ اس پر سوال ہوتا ہے یہ تو خلاف قرآن کریم ہے۔ جیسے سورۃ الحجرات میں قالت الاعراب امنا، قل لم تؤمنوا و لکن قولوا اسلمنا۔

فائدہ: قالت الاعراب کے مصداق بنو اسد کے لوگ تھے۔ (درس شامی: 117)

(۲) دوسرا احتمال یہ ہے کہ آیات قرآنیہ کا باہمی تعارض دور کرنا مقصود ہے۔ اور تعارض سورۃ الحجرات اور سورۃ الذاریات

میں ہے کہ حجرات میں ایمان اور اسلام کو الگ حقیقت کے طور پر ارشاد فرمایا۔ جبکہ ذاریات میں ایک ہی چیز قرار دیا گیا ہے۔

امام بخاریؒ نے رفع تعارض اس طور پر فرمایا: اسلام حقیقی ایمان کے مرادف ہے۔ غیر حقیقی نہیں۔ چنانچہ سورۃ الحجرات میں

انقیاد ظاہری یعنی اسلام کو بغرض غلہ وغیرہ تسلیم کیا گیا ہے۔ جو غیر حقیقی وغیرہ شرعی ہے۔ البتہ ذاریات میں ایمان، اسلام مراد ہیں اس لئے کہ اسلام شرعی و حقیقی مراد ہے جو کسی غرض سے وابستہ نہیں جیسے قتل وغیرہ کا خوف۔

تقریر ثانی:

غرض الباب میں تقریر ثانی یہ ہے کہ امام بخاریؒ اسلام کی اقسام بیان فرما رہے ہیں:

۱: اسلام معتبر، ۲: اسلام غیر معتبر۔ یا اسلام منجی اور غیر منجی۔ یہ آخرت کے لحاظ سے ہے۔ اس لئے کہ دنیا میں ہر اسلام معتبر سمجھا جائے گا حقیقی یا غیر حقیقی۔ دنیوی فوائد اس پر مرتب ہو جائیں گے۔ مال، غنیمت، صدقات وغیرہ سب لے سکے گا۔ تو اسلام کی گویا اقسام بیان کرنا ترجمہ سے مقصود تھا۔

لَا رَاهُ مُؤْمِنًا: معروف و مجہول دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ اگر معروف ہو تو یقین کے معنی میں ہوگا۔ مجہول ہو تو ظن کے معنی میں ہوگا۔ عند الحافظ مجہول رائج ہے نہ مرد و انتخاری۔ نیز یاد قرای کا اختیار کیا ہے۔ (امام 443/1)

فَقَالَ مُؤْمِنًا، أَوْ مُسْلِمًا: ”او“ واؤ کے سکون کے ساتھ پھر معنی ہوگا شک کے ساتھ کہ صرف اکیلا مؤمن جزئی طور پر نہ کہو۔ یا حرف واؤ، بل اضربہ کے معنی میں ہے۔ یعنی پچھلی کلام سے اعراض اور اگلی بات کا اثبات ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہوگی: مؤمن اہل مسلماً۔

وسعد جالس

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کہنے والے نے تو یہی کہا تھا انا جالس لیکن راوی اس کو تبدیل کر دیتا ہے وسعد جالس، اس کو اصطلاح میں تحریر کہتے ہیں۔ (امام الباری 441/1)

حضرت سعدؓ نے حکم ایمان لگایا تو آپ ﷺ نے اومسلمانما کر تعین ایمان سے منع فرمایا۔ پھر حضرت سعدؓ نے دوسری اور تیسری مرتبہ اسی پر جرات کیوں فرمائی؟

حضرت سعدؓ اپنے خیال کے استیلاء کی وجہ سے ایک طرح معذور تھے۔ ارشاد نبویؐ کی طرف پوری توجہ نہ کر سکے۔ مگر آپ ﷺ یہ منازعت و صوری ناگوار معلوم ہوئی اور فرمایا۔

”اقتلا یا سعد“ سعد سفارش کرتے ہو یا لڑتے ہو؟ (مسلم شریف، فضل الباری ج 1 ص 405)

یہ غلبہ حال ہے جس میں انسان معذور ہوتا ہے۔ اس میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مفقود ہوتی ہے ایسے میں یہ بات نہ تو قابل ملامت ہوتی ہے اور نہ قابل تقلید۔ (امام 445 ج 1)

علامہ تقی عثمانی مدظلہ کی رائے

حضرت شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ فرماتے ہیں:

میری ذاتی رائے (واللہ اعلم) یہ ہے کہ حضرت سعدؓ کو آپ ﷺ نے کسی ایمان سے یہ خیال گذرا کہ شاید کسی نے حضرت جعبلؓ

کے بارے میں غلط اطلاعات دی ہیں۔ اور آپ ﷺ کے دل میں ان کے بارے میں گرائی ہے۔ اور نبی کے دل میں گرائی کا پیدا ہو جانا اتنی کیلئے باعثِ شہادت ہے۔ اس لئے حضرت سعدؓ نے اس گرائی کو دور کرنا ضروری خیال کیا۔ (انعام باری 12/446)

قائدہ: دوسری روایت میں ہے حضرت سعدؓ نے طلحہ کی میں رازداری کے انداز میں سوال کیا تھا۔ معلوم ہوا اجتماعی عمل میں بڑوں سے مجمع میں سوال کرنا بے ادبی ہے۔ (انعام 442/1)

او مسلماً یہ عطف تلقینی ہے۔۔۔ عطف تلقینی میں معطوف علیہ کا محکم کوئی اور ہوتا ہے ور معطوف کا محکم کوئی دوسرا ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ معطوف علیہ کے حکم میں معطوف کو بھی شامل کر لیا جائے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول: انی جاعلک للناس اماما تو حضرت ابراہیمؑ نے کہا: ومن ذریعتی۔ حضرت سعدؓ نے انی لاراه مومنأ کہا تو آپ ﷺ نے تلقین کرتے ہوئے فرمایا: او مسلماً (درس بخاری حضرت سدی 231)

بفتح الواو بھی ہے پھر ہمزہ استفہام ہوگا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے گویا استفہام ہوگا: اَوَلَمْ تَقُلْ اَنْكَ تَظُنُّهُ مُسْلِمًا۔ اکثر حضرات کے ہاں واؤ کے سکون کے ساتھ ہے۔ (443/1) دونوں کا مطلب ایک ہی ہے۔

بعض روایات میں اقبالا یا سعد! ہے اس صورت یہ یا تو باب افعال کا مصدر ہے اور مفعول مطلق ہے تقدیر عبارت ہے: اقبل علی اقبالا۔۔۔ یعنی اے سعد! میری طرف اچھی طرح متوجہ ہو جاؤ۔۔۔ اور بعض میں ہے اقبالا یا سعد آیا ہے۔ یعنی ہمزہ استفہام ہے اور قبلا یا باب مفاعلہ کا مصدر ہے مطلب یہ ہے کہ اقبالی قبلا لا بہذہ المعارضۃ یعنی کیا اس مقابلہ سے تم میرا معارضہ کرنا چاہتے ہو۔ (درس شمارنی 120)

روایت الباب سے انطباق ترجمۃ الباب:

پہلا انطباق: پہلی تقریر کے مطابق یہ ہے کہ اس روایت سے ثابت ہوا اسلام جب حقیقی ہو تو اسلام و ایمان مترادف ہیں اور جب غیر حقیقی ہو تو مترادف نہیں۔ اس لئے کہ یہاں مومنأ کے مقابلہ میں مسلماً کلمہ ہے۔ جیسا نبی لاراه مومنأ فقال او مسلماً دوسرا انطباق: دوسری تقریر کے مطابق اس طور پر انطباق ہے کہ حضرت سعدؓ نے کہا: مومنأ۔ آپ ﷺ نے اشارہ فرمایا کہ دنیوی منافع دلو نے کیلئے تمہیں مسلماً کہنا چاہیے۔ کیونکہ موقع دنیوی منافع کا ہے تو گویا اقسام ثابت ہو گئیں۔ ایک وہ جو دنیا کیلئے نفع مند ہے دوسرا وہ جو دنیا و آخرت کیلئے نافع ہے۔ گویا معتبر غیر معتبر یا منجی غیر منجی اقسام ہو گئیں۔

فترک رسول اللہ ﷺ ر جلاہوا عجبہم الی:

یہ شخص کون تھے؟

یہ بحث ہے کہ اس کا مومن ہونا معلوم ہوتا ہے یا منافق ہونا؟

۱۔۔۔ عند بعض اس کا نام مجتہل اور یہ شخص منافق تھا۔ یعنی اسلام غیر حقیقی رکھتا تھا۔

۲۔: جمہور شرع مجتہدین اس مسئلے کو پسند نہیں کرتے۔ تاہم بن سیرین نے کہا۔ لیکن مخلص مقبل صحابی ہیں۔ اس کی دو دلیلیں ہیں۔ (۱) مشہور حدیث ہے کہ ایک صاحب آپ ﷺ کے سامنے سے گزرے دریافت کرنے پر بتلایا گیا کہ یہ عام ہاجرین کی طرح ایک فقیر آدمی ہے۔ یہ حضرت جعیلؓ تھے۔ تھوڑی دیر بعد ایک شخص اور گزرے۔ پوچھنے پر حضرات صحابہؓ نے عرض کیا: سید من السادات۔ آپ ﷺ نے فرمایا ایسے نبوی لوگوں سے اگر آسمان زمین بھر جائیں پہلا فقیر اللہ کے ہاں زیادہ قیمتی ہے۔ (۲) دوسری دلیل: حدیث الباب کا آخری جملہ اس پر دلالت کرتا ہے: انی لا عطي الرجل وغیرہ احب الی منه الخ، (وغیرہ) کا مصداق حضرت جعیلؓ ہیں۔

سوال: جبکہ حضرت جعیل مخلص صحابی اور پختہ مومن ہیں تو آپ ﷺ بار کیوں فرما رہے ہیں او مسلمان؟
ج: یہ احتیاط فی الکلام کے قیبل سے ہے۔ اے سعد! تمہیں تو مسلمان کہنا چاہیے۔ کیونکہ ایمان امر باطنی ہے۔ نیمغیبات کے سلسلہ میں آپ ﷺ کے سامنے حکم قطعی لگانا خلاف ادب ہے۔ جیسے حضرت عائشہؓ نے ایک انصاری بچہ کی موت پر کہا: عصفورة من عصافیر الجنة آپ ﷺ نے انکار فرمایا، حالانکہ بالجماع امت "اولاد المسلمین" جنتی ہیں۔ (ذیل 204) فائدہ نمبر ۱: لالچ سے ایمان کی طرف نہ بلائیں۔ (۲) مسلمان ہو جائیں۔ غریب ہو تو امداد بہتر ہے۔ (۳) اگر چہ فی زمانہ مؤلفۃ القلوب کی مد نہیں۔ لیکن مصلحت امام پر موقوف ہے وہ چاہے تو خدمت کر سکتا ہے۔ (۴) تکرار سفارش کا جواز معلوم ہوتا ہے بشرطیکہ کوئی مفسد نہ ہو۔ (۵) قطعی طور پر کوئی بات معلوم ہو تو قطعی رائے دوور نہ نہیں۔ (۶) امام کو اخراجات کے سلسلہ میں الاہم فالاہم کے اصول کو مد نظر رکھنا چاہیے۔ (۷) خلاف مصلحت کو رد کیا جائے تو قابل عتاب یا ملامت نہیں۔ [فضل الباری 1/406] (۸) وجہ سفارش اور رد وجہ سفارش بھی ذکر کی جاسکتی ہے۔ (۹) آپ ﷺ طرف سے زیادہ مال دیا جانا زیادہ تعلق کی دلیل نہیں۔ [کشف 2/182]

19 بَابُ إِفْشَاءِ السَّلَامِ مِنَ الْإِسْلَامِ

وَقَالَ عَمَّا ز ثَلَاثَ مَنْ جَمَعَهُنَّ فَقَدْ جَمَعَ الْإِيمَانَ الْإِنصَافَ مِنْ نَفْسِكَ وَبَذَلَ السَّلَامَ لِلْعَالَمِ وَالْإِنْفَاقَ مِنَ الْإِقْتَارِ.

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ أَبِي الْخَيْرِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْإِسْلَامِ خَيْرٌ قَالَ تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَتَقْرَأُ السَّلَامَ عَلَى مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ.
ترجمہ: سلام کا پھیلانا اسلام میں داخل ہے حضرت عمارؓ نے کہا: جس نے تین باتیں اکٹھی کر لیں اس نے ایمان کو جوڑ لیا، اپنا انصاف اپنے جی میں کرنا، عالم یعنی سب کو سلام کرنا، نیکی کی حالت میں خرچ کرنا۔
عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے ایک آدمی نے آپ ﷺ سے سوال کیا: کونسا اسلام بہتر ہے؟ فرمایا: تو کھانا کھلائے اور سلام کہے ہر اس کو جس کو تو جانتا ہے اور جس کو تو نہیں جانتا۔

تشریح حدیث۔۔۔۔۔ غرض ترجمہ:

اس باب کا مقصد مرجیہ اور کرامیہ کا رد ہے جو اعمال کو غیر ضروری قرار دیتے ہیں۔
ابواب سابقہ میں فرض و وجہات کا اجزاء ایمان ہونا ثابت کیا اور اس باب میں مندوبات کا بھی اجزاء ایمان ہونا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔
قال عمار: بظاہر حدیث منقوف ہے۔ لیکن حدیث مرفوع کے حکم میں ہے اس لئے ترجمہ میں ذکر کر رہے ہیں۔
الانصاف من نفسک: اپنی ذات سے انصاف کرنا۔ جو انسان اپنی ذات سے انصاف کرے گا تو وہ جو حقوق اس کے اور اللہ کے درمیان میں ہیں اس کو بھی ضائع نہیں کرے گا۔ انصاف کسی خوف، دباؤ، سفارش یا تعلق و محبت کی وجہ سے نہ ہو بلکہ رضائے نفس سے انصاف کرے۔ (دلیل)

اس جملہ کی مختلف تفسیریں ہیں۔

۱: پہلی تفسیر جو ظاہر و متبادر آتی ہے وہ یہ کہ اپنے نفس کے حقوق ادا کرے۔ کما قال ﷺ ان لنفسک علیک حقاً۔ ۲: من نفسک میں ”من“ ابتدائیہ ہو۔ معنی یہ ہوگا کہ ایسا انصاف کرو جو تمہارے نفس سے ناشی ہو۔ کہ تم نے اپنی طرف سے دوسروں کے ساتھ انصاف کرنے کا فیصلہ کیا ہوا ہے۔
۳: من بمعنی فی ہو یعنی اپنی ذات کے بارے میں بات پیش آئے اس میں انصاف کرو۔ خواہ اپنی ذات کے بارے میں گواہی دینی پڑے۔ اپنی غلطیوں کی تاویلات نہ کرو۔ تسلیم کر کے تلافی کرو۔ ولو علی انفسکم۔
۴: الانصاف من نفسک باعتبار العمل۔ یعنی اپنے نفس سے وہ کام لو جو دنیا و آخرت میں آرام پہنچائے۔ جیسے بدگامی کی تو انصاف نہیں کیا آخرت میں آرام کی بجائے لوہے کی سلاخیاں ڈالی جائیں گی۔ خلاصہ یہ کہ اپنی ذات سے انصاف یہ ہے کہ معصیت نہ کرے۔

انصاف حکومت کے خوف اور بے انصاف مشہور ہونے کے ڈر اور ریاضہ سے بالاتر ہو کر کرے۔ عموماً انصاف دو ہی وجہ سے ہوتی ہے: غایت حب، یا شدۃ بغض۔ انصاف میں یہ رکاوٹ نہ ہونی چاہئیں۔ (فضل 408 ج 1)
وبذل السلام للعالم: ہر ایک کو سلام کرنا۔ کچھ لوگ سلام سے مستثنیٰ ہیں۔ جن میں وہ لوگ شامل ہیں جو طبعی، شرعی حاجات میں ہوں۔ اسی طرح غیر مسلم کو جلب منفعت کی وجہ سے نہیں صرف دفع مضرت کیلئے سلام کرنے کی گنجائش ہے۔
س: بذل السلام للعالم میں غیر مسلم یہود وغیرہ بھی آگئے۔

ج: ان کی تخصیص لا تبدؤا الیہود ولا النصارى بالسلام سے ہے۔ (ایضاً 1 ص 408)
الانفاق من الاقتار: من الاقتار: من سیئہ ہے۔ مطلب یہ ہے دوسروں کی تنگدستی کی وجہ سے مال خرچ کرنا۔ یا پھر من تجزیہ ہو۔ اب مطلب یہ ہوگا خود تنگدستی کے باوجود خرچ کرنا۔

الفضل الصدقة جهد المقل۔ (مکھڑہ 33) بشرطیکہ اعتماد علی اللہ نہ ہو۔ (دلیل)

حضرت عمارؓ کے کلمات کی جامعیت:

ایمان کے تمام خصال کا احاطہ ہے۔ خصال ایمان مالی ہوں گے یا بدنی۔۔۔ پھر بدنی کی دو صورتیں ہیں، ایک کا تعلق خالق سے ہے اور دوسری کا مخلوق سے ہے۔ انفاق من الافتقار میں اوامر و احکام خداوندی کی تعظیم ہے۔ اور افشاء السلام میں اللہ کی مخلوق کے ساتھ مکالمہ اخلاق سے پیش آنے کا ارشاد ہے۔ (فضل 411، 412)

حضرت شیخ الحدیثؒ فرماتے ہیں: باوجود فقر کے خرچ کرنا اس آدمی کے لئے باعث فضیلت ہے جو ذات باری تعالیٰ پر مکمل اعتماد رکھتا ہو اگر خرچ کرنے کے بعد سوال کے لئے مجبور ہوتا ہے تو اس کو خرچ نہیں کرنا چاہیے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے تو گھر کا سارا مال قبول کر لیا لیکن ایک آدمی سونے کی ایک ڈلی لایا اور اس کے تین مرتبہ پیش کرنے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہیں فرمایا۔ (درس شمارتی 121)

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں اس کی دوسری تعبیر سے خیر کی صورتوں کا مجموعہ ثابت کیا ہے کہ انصاف من انفسک میں حقوق اللہ اور بذل السلام میں حقوق العباد کا بیان اور اسی طرح احکام یا بدنی ہوتے ہیں یا مالی تو پہلے دونوں جملوں میں احکام بدنیہ کا بیان ہے اور تیسرے جملہ میں عبادت مالیہ کا بیان ہے۔ (درس شمارتی 122)

فائدہ:- امام بخاریؒ کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ احادیث سے زمانہ کی معاشرت کا پتہ لگاتے ہیں۔ مفید نتائج نکال کر ہر نتیجہ کو الگ الگ ابواب میں درج کرتے ہیں۔ مثلاً حدیث بریرہؓ سے ایک نتیجہ اخذ کیا جو صدقہ لے سکتا ہو وہ ایسے شخص کو بطور ہدیہ دے سکتا ہے جس کے لئے صدقہ لینا حرام ہے۔ اور ایک جگہ اس سے یہ نتیجہ اخذ فرمایا: جو لوگ صدقہ نہیں لے سکتے ان کے ماتحت غلام، باندی کو صدقہ دے سکتے ہیں۔

— اور خصوصیات بھی ہیں جن کی وجہ سے ان کی تالیف اصح الکتاب بعد کتاب اللہ کے معزز لقب سے سرفراز ہوئی۔ حضرت امامؒ کا مقصود اگرچہ احادیث صحیحہ کی تدوین ہے مگر ان کی خصوصیت یہ کہ ترتیب احادیث میں فقہی فوائد کو ملحوظ رکھا۔ اس لئے صحیح بخاری کی ترتیب فقہی ابواب اور مسائل کے مطابق رکھی گئی ہے اور بعض ایسے ابواب بھی جن کو مسائل قرار دے کر ان کے جواز و عدم جواز میں قرآن حکیم کی آیات پیش فرمائی ہیں اور کہیں تعلقات اور مرفوعات سے حلت و حرمت پر استدلال فرمایا ہے اور ان کے متعلق اگر احادیث ملتی ہیں تو ان کو بھی پیش فرمایا ہے۔

امام بخاریؒ ادبی حیثیت سے بھی ایک امتیاز رکھتے ہیں ان کی طرزِ ادا، شہست الفاظ اور سلاست بیان جس قدر پسندیدہ اور اہل ہے اس کی نظیر دوسری تالیفات میں نہیں ملے گی۔ امام بخاریؒ نے اس زبان کو پیش نظر رکھا جو عہد نبویؐ کا تھا اس سے قریب تر زمانے میں مستعمل تھی۔ یعنی معانی حدیث کے ساتھ الفاظ حدیث کا خیال رکھا۔ (فضل الباری 411/1)



20 باب کُفْرَانِ الْعَشِيرِ وَ كُفْرٍ دُونَ كُفْرٍ

فِيهِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

29 حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُرِيتُ النَّارَ فَإِذَا أَكْثَرُ أَهْلِهَا النِّسَاءُ يَكْفُرْنَ قِيلَ أَيْ كُفْرَنَ بِاللَّهِ قَالَ يَكْفُرْنَ الْعَشِيرَ وَيَكْفُرْنَ الْإِحْسَانَ لَوْ أَحْسَنْتَ إِلَى إِخْدَاهُنَّ اللَّذَّهْنَ لَذَهَبْنَ أَثْمَنَ شَيْءٍ قَالَتْ مَا زَأَيْتُ مِنْكَ خَيْرَ أَقْطُ.

خاوند کی ناشکری بھی کفر ہے اور ایک کفر دوسرے کفر سے کم ہوتا ہے۔

اس بارے میں ابوسعیدؓ نے آنحضرت ﷺ کی روایت کی ہے۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا: مجھے دوزخ دکھائی گئی اس میں زیادہ مقدار عورتوں کی تھی وہ کفر کرتی ہیں۔ عرض کیا گیا اللہ تعالیٰ کا کفر کرتی ہیں؟ فرمایا خاوند کا کفر (نافرمانی) کرتی ہیں اور احسان کا انکار کرتی ہیں۔ (ان کا قاعدہ ہے) اگر تم تمام عمر ان کے ساتھ حسن سلوک کرو اور ایک بات تمہاری طرف سے ان کو ناگوار گزرے تو کہنے لگتی ہیں کہ میں نے تجھ سے کبھی اچھا سلوک پایا ہی نہیں۔

ربط ۱: ابواب سابقہ میں ایمان کے مختلف درجات کا بیان تھا اس باب میں ایمان کی ضد کفر کے درجات بیان کیے جا رہے ہیں۔

ربط ۲: اس باب کی حدیث میں خاوند کی ناشکری کی مذمت ہے اس سے خاوند کے علو مرتبت کا اظہار ہے۔ (الخیار الجاری 61)

العشیر: لغت میں عشیر اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کے ساتھ زندگی گذاری جائے اور میل جول رکھا جائے۔ یہاں مراد زوج ہے وہ زوجہ کے حق میں زیادہ میل جول رکھتا ہے۔ اس کو بھی عشیر کہتے ہیں۔ کفران کے لفظی معنی ناشکری کے ہیں۔ تو کفران العشیر کا مطلب ہے شوہر کی نافرمانی۔ حدیث میں اس کو کفر سے تعبیر کیا۔ اس لئے یکنفر العشیر کا لفظ استعمال فرمایا۔

تشریح ترجمہ

کفر دون کفر: اس کو مجرور بھی پڑھا گیا۔ اور مرفوع کفر دون کفر بھی پڑھا گیا۔ مجرور ہونے کی صورت میں اس کا عطف کفران العشیر پر ہے جو باب کا مضاف الیہ ہے۔ اور مرفوع ہونے کی صورت میں بھی اس کا عطف کفران العشیر پر ہی ہے۔ البتہ اعراب حکائی مراد ہے۔

اعراب حکائی اس کو کہتے ہیں کہ جب کسی شخص کا مقولہ اھل کیا جاتا ہے تو اس نے جو لفظ جس اعراب سے استعمال کیا تھا اس لفظ کو اسی اعراب کے ساتھ اھل کیا جائے۔ اور جس کلام میں اسے اھل کیا جا رہا ہے اس کلام میں اس کا محل اعراب کیا ہے؟ اس کا اعتبار نہیں ہوتا۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: کفر دون کفر یہ حضرت عطاء بن یسارؓ کا مقولہ ہے۔ لیکن علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں مستدرک حاکم میں یہ جملہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی مروی ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ ان مقامات پر جہاں معصیت کے حوالہ سے آپ ﷺ نے کفر کا لفظ اختیار فرمایا وہاں کفر دون کفر کی اصطلاح استعمال فرماتے ہیں۔ بتلانا یہ چاہتے ہیں اس سے مراد وہ کفر حقیقی نہیں ہے جس سے آدمی دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے۔ بلکہ یہ بتلانا مقصود ہے کہ یہ کام فعل کفر جیسا ہے۔

کفر دون کفر کی تشریح حافظ ابن حجرؒ، علامہ خطابیؒ اور علامہ ابن تیمیہؒ حضرات فرماتے ہیں کہ یہاں ”دون“ اقرب اور اقل کے معنی میں ہے۔ مطلب یہ ہے ایسا کفر جو دوسرے کفر کے مقابلہ میں کم درجہ کا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ کفر ایک ایسی حقیقت واحدہ اور نوع واحدہ ہے جس کے افراد باہم متفاوت ہیں۔ اعلیٰ، اوسط اور ادنیٰ وغیرہ۔ ہلہم جو آ۔ اور نوع کے افراد ایک دوسرے کے غیر نہیں ہوتے۔ اسی لحاظ سے کفر دون کفر کا مصداق سمجھا جائے۔

امام بخاریؒ کا مقصود: یہ ہے جب کفر کے درجات ہیں جو ایمان کی ضد ہے۔ تو تقابیل سے سمجھا جاسکتا ہے ایمان کے بھی درجات و مراتب ہیں۔ کفر کا اعلیٰ مرتبہ وہ ہے جو اسلام سے خارج کرتا ہے۔ بعض وہ ہیں جو خارج نہیں کرتے اسی طرح ایمان کے بھی مراتب ہیں۔ ایک ادنیٰ مرتبہ یہ ہے جس کی نفی ہو جائے تو انسان ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔ اور اس سے اعلیٰ درجہ کے مراتب ہیں وہ بھی ایمان کا حصہ ہیں۔ لیکن اگر ان کی نفی ہو جائے تو انسان ایمان سے خارج نہیں ہوتا۔

کفر دون کفر میں علامہ کشمیری رحمہ اللہ کی تحقیق:

فرماتے ہیں ”دون“ اقل کے معنی میں نہیں ہے بلکہ ”غیر“ کے معنی میں ہے۔ بعض حضرات نے اس کی وجوہ ترجیح بھی لکھی ہیں۔

۱۔۔۔۔۔ عام طور پر قرآن کریم میں دون کا لفظ غیر کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے من دون اللہ وغیرہ

۲۔۔۔۔۔ امام بخاریؒ بھی اکثر ابواب میں دون کے لفظ کا استعمال غیر کے معنی میں کرتے ہیں۔

۳۔۔۔۔۔ محاورات میں بھی دون کا لفظ غیر کیلئے استعمال ہوتا ہے۔

اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کفر ایک حقیقت واحدہ نہیں ہے جس کے تحت مختلف مراتب ہوں۔ بلکہ کفر ایک جنس

ہے جس کی مختلف انواع ہیں۔ ایک نوع وہ ہے جو ایمان سے خارج کرتی ہے اور ایک نوع وہ ہے جو ایمان سے خارج نہیں کرتی۔

پہلی صورت میں کفر ہی ایک حقیقت (نوع) تھی جس کے تحت مختلف مراتب تھے۔ اور دوسری صورت میں کفر ایک

جنس ہے جس کے تحت مختلف انواع ہیں۔ چنانچہ ایک کفر کی وہ نوع ہوگی جو ایمان سے خارج کرے گی۔ اور ایک نوع وہ ہوگی جو

ایمان سے خارج نہیں کرے گی۔ اس لئے کہ انواع ایک دوسرے کی غیر ہوتی ہیں۔ تو حضرت کشمیریؒ نے اس دوسرے

معنی کو ترجیح دی ہے کیونکہ اگر یہ کہا جائے کفر ایک حقیقت واحدہ ہے۔ جس کے مختلف مراتب ہیں تو لازم آئے گا کہ کفر کے بھی اجزا

ہیں۔ جیسا کہ ایمان کے اجزا ہیں۔ یہ بات ان حضرات کے قول پر تو درست ہو سکتی ہے جو ایمان کے متجزی ہونے کے قائل

ہیں۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ درست نہیں ہے۔ کیونکہ ہم ایمان کو بسیط اور غیر متجزی مانتے ہیں۔

لفظ دون عند البخاریؒ: حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں امام بخاریؒ کی رائے بھی یہی ہے یہاں دون بمعنی غیر

ہے۔ اسلئے کہ اگر کفر کو حقیقت واحدہ اور ایک نوع سمجھ لیا جائے جس کے مختلف مراتب ہیں۔ تو اس صورت میں کوئی شخص کسی بھی مرتبہ کا مرتکب ہو تو اس پر کافر کا اطلاق ہونا چاہیے۔ کیونکہ حقیقت واحدہ تو ایک ہی ہے۔ حالانکہ امام بخاریؒ اگلے باب میں خود فرماتے ہیں: ولا یکفر صاحبہا الا بالشک: اس سے معلوم ہوا ہے امام بخاریؒ دون کو اقل کے معنی میں نہیں لے رہے بلکہ غیر کے معنی میں لے رہے ہیں۔

خلاصہ: یہ کہ مفہوم کے اعتبار سے دونوں تقریروں میں زیادہ فرق نہیں ہے۔ اسلئے کہ بہر حال کفر کا ایک ہی درجہ ہے جو اسلام و ایمان سے خارج کرتا ہے چاہے کفر کو حقیقت واحدہ اور نوع واحدہ تسلیم کریں چاہے جنس واحد تسلیم کریں۔

تشریح حدیث

حدثنا عبد الله بن مسلمة الخ

قال النبی ﷺ اريت النار۔ اس سے معلوم ہوا آپ ﷺ اللہ تعالیٰ نے نار و جنت کا مشاہدہ کرایا تھا۔ تاکہ آپ ﷺ وجہ البصیرت تبلیغ کافرینہ سرانجام دیں۔ کیونکہ عالم اور عارف کی تبلیغ میں فرق ہوتا ہے۔

فاذا اکثر اهلها النساء:

اس میں دو قول ہیں۔ ۱: یا تو قیامت تک کے زمانے کی عورتیں دکھلائی گئیں۔ ۲: یا صرف اسی زمانہ کی۔ لیکن یہ اس وقت تک معاملہ تھا جب تک عورتوں میں اسلام و دین کی تعلیم عام نہیں تھی۔ سمجھ آنے کے بعد انہوں نے ناشکری چھوڑ دی۔ (حضرت شیخ الحدیث مولانا ندیر احمد صاحبؒ فرماتے تھے۔۔۔ ناشکری زنا نہ مرض ہے۔ جو اس حدیث سے مفہوماً نکلتا ہے، مرد و زمانہ سے اس کا تعلق نہیں۔)

سوال: حدیث الباب سے معلوم ہوتا ہے دوزخ میں عورتوں کی تعداد زیادہ ہوگی۔ اور مردوں کی کم؟ نیز تقابیل سے معلوم ہوتا ہے جنت میں عورتیں کم ہوں گی۔ اور مرد زیادہ۔ جبکہ مسند احمد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے جنت میں ان لکل رجل من اهل الجنة امرأتان۔ کم از کم ایک مرد کیلئے دو عورتیں ہوں گی۔ پھر تعداد عورتوں کی زیادہ ہونی چاہیے۔ جبکہ روایت سے جہنم میں تعداد زیادہ معلوم ہوتی ہے۔

جواب: جنت کی عورتوں کی دو (۲) اقسام ہیں۔ ایک دنیوی اور ایک وہ جو جنت میں پیدا ہوں گی۔ مسند احمد والی روایت میں وہ عورتیں مراد ہیں جو جنت ہی کی مخلوق ہیں۔ جن کے بارے میں قرآن کریم میں لم یطمثہن انس قبلہم ولا جان آیا ہے خلاصہ یہ کہ تقابیل کل عورتوں کے لحاظ سے نہیں۔ بلکہ دنیا کی عورتوں کے لحاظ سے ہے۔

عورتیں فی نفسہ زیادہ ہیں۔ لہذا جنت و جہنم دونوں میں زیادہ ہوں گی۔ (درس شمارنی 126)

ایکفرن بالله قال یکفرون العشیر: اس سے دو قسموں کی طرف اشارہ ہو گیا یعنی کفر دون کفر۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ مؤمن میں کفر کی بعض علامات اور کافر میں ایمان کی بعض علامات ہو سکتی ہیں۔ لیکن ایسے کافر کو مؤمن اور ایسے مؤمن کو کافر نہیں کہیں گے۔ (دلیل)

21 باب الْمَعَاصِي مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ

وَلَا يَكْفُرُ صَاحِبُهَا بِأَرْكَانِهَا إِلَّا بِالشُّرْكِ لِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّكَ أَمْرٌ فِيكَ جَاهِلِيَّةٌ وَقَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى {إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ} [وَأِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا] فَسَمَّاهُمَا الْمُؤْمِنِينَ

— حَدَّثَنَا سَلِيمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ وَاصِلِ الْأَخْذَبِ عَنِ الْمَغْزُورِ قَالَ لَقِيتُ أَبَا ذَرٍّ بِالزَّبَدَةِ وَعَلَيْهِ خَلَّةٌ وَعَلَى غُلَامِهِ خَلَّةٌ فَسَأَلْتُهُ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ إِنِّي سَأَبَيْتُ رَجُلًا فَعَيَّرَنِي بِأَمْرِهِ فَقَالَ لِي النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا ذَرٍّ أَعَيَّرَنِي بِأَمْرِهِ إِنَّكَ أَمْرٌ فِيكَ جَاهِلِيَّةٌ إِخْوَانُكُمْ خَوَلُكُمْ جَعَلَهُمُ اللَّهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ فَمَنْ كَانَ أَخُوهُ تَحْتَ يَدِهِ فَلْيَطْعُمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ وَلْيَلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ وَلَا تَكْلَفُوا لَهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ فَإِنْ كَلَّفْتُمُوهُمْ فَأَعِينُوهُمْ.

— حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ الْمُبَارَكِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ وَيُونُسُ عَنْ الْحَسَنِ عَنِ الْأَخْنَفِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ ذَهَبْتُ لِأَنْصُرَ هَذَا الرَّجُلَ فَلَقَنِي أَبُو بَكْرَةَ فَقَالَ أَيْنَ تُرِيدُ قُلْتُ أَنْصُرُ هَذَا الرَّجُلَ قَالَ ارْجِعْ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا التَّقَى الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفَيْهِمَا فَالْقَاتِلُ وَالْمَقْتُولُ فِي النَّارِ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ هَذَا الْقَاتِلُ فَمَا بَالُ الْمَقْتُولِ قَالَ إِنَّهُ كَانَ حَرِيصًا عَلَى قَتْلِ صَاحِبِهِ.

ترجمہ:- باب: گناہ جاہلیت کے کام ہیں

اور گناہ کرنے والا گناہ سے کافر نہیں ہوتا اور اگر شرک کرے تو کافر ہو جائے گا سرور کائنات ﷺ کے ارشاد کی وجہ سے ”اے ابو ذر تو ایسا آدمی ہے جس میں جاہلیت کی خصلت ہے۔“ اور اللہ نے فرمایا اللہ شرک کو تو نہیں بخشے گا اور اس کے علاوہ جس کے چاہے گناہ بخش دے گا۔ اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرادو۔ پس اللہ تعالیٰ نے دونوں کو مسلمان کہا۔ احنف بن قیسؓ نے کہا: میں چلا اس شخص کی مدد کرنے کو راستہ میں مجھ سے ابو بکرؓ نے پوچھا کہاں جاتے ہو؟ میں نے کہا اس شخص کی مدد کرنے کو۔ کہا اپنے گھروٹ جاؤ میں نے آپ ﷺ سے سنا کہ جب دو مسلمان اپنی اپنی تلواریں لے کر لڑ جائیں تو قاتل و مقتول دونوں دوزخی ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! قاتل تو خیر مقتول کیوں؟ فرمایا اس کی بھی اپنے بھائی کو مار ڈالنے کی خواہش تھی۔

ہم سے بیان کیا سلیمان بن حربؓ نے اس نے کہا: ہم سے بیان کیا شعبہؓ نے انہوں نے واصل اخذبؓ سے انہوں نے

۱- نوٹ: احادیث کی یہ ترتیب مکتبہ شاملہ کے مطابق ہے کیونکہ عنایہ الباری میں بخاری شریف کا متن سارا مکتبہ شاملہ سے لیا گیا ہے۔ تاہم احادیث کی توضیح و تشریح ہمارے دیار میں مشہور و مستداول مکتبہ قدسی کراچی کے شائع کردہ نسخے کے مطابق کی گئی ہے۔

معروڑے انہوں نے کہا: میں نے ربذہ میں ابوذرؓ سے ملاقات کی۔ وہ ایک جوڑا پہنے ہوئے تھے اور ان کا غلام بھی ویسا ہی جوڑا پہنے ہوئے تھا۔ میں نے ان سے اس کی وجہ پوچھی تو حضرت ابوذر غفاریؓ نے فرمایا: میری ایک شخص سے کالم گلوچ ہوئی، میں نے اس کو ماں کی گالی دی۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوذر کیا تو نے اس کو ماں کی گالی دی ہے۔ تو وہ آدمی ہے جس میں جاہلیت کی بو ہے۔ تمہارے خدمت گار تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہارے قبضہ میں کر دیا ہے لہذا جس شخص کا بھائی اس کے قبضہ میں ہو اس کو چاہئے کہ جو کچھ خود کھائے وہ اس کو بھی کھلائے جو خود پہنے وہ اس کو بھی پہنائے اور ایسے کام کی تکلیف ان کو مت دو جو ان کے پس میں نہ ہو اگر ایسا کام کہو تو اس میں ان کی مدد کرو۔

تشریح حدیث ---

ربط: باب سابق میں کفر کے درجات کا بیان تھا اور ان میں سے صرف کفرانِ عشیرہ کا ذکر تھا۔ اس باب میں اس کا بیان ہے کہ جمیع معاصی اجزائے کفر ہیں۔ (دلیل 213)

غرض ترجمہ: اس باب سے معتزلہ، مرجیہ کرامیہ اور خارجیہ ان سب کا رد مقصود ہے۔ اس لئے کہ معاصی من امر الجاہلیۃ کہہ کر مرجیہ اور کرامیہ پر رد کر دیا کہ امر جاہلیت کا ارتکاب معصیت ہے تو عمل معصیت کا ایمان کیلئے نقصان دہ ہونا ثابت ہو گیا۔ اور دوسرے جز لایکفر صاحبہا سے معتزلہ اور خارجیہ کا رد ہو گیا۔ کیونکہ ارتکاب معصیت کے باوجود ان پر مومنین کا اطلاق فرمایا جا رہا ہے۔

قتل معصیت ہے۔ امام بخاریؒ کا مقصود اس آیت کریمہ سے چاروں فرقوں کا رد کرنا ہے۔ المومنون کے لفظ سے معتزلہ و خوارج کا رد ہے کہ ارتکاب معصیت کے باوجود انہیں خارج از اسلام قرار نہیں دیا گیا۔ اور اقتتلوا سے کرامیہ اور مرجیہ کا رد ہے۔ کہ یہ عمل معصیت ایمان کو نقصان پہنچا رہا ہے۔

دلیل: انک امرؤ فیک جاہلیۃ۔

جاہلیت کا مصداق: ایک یہ کہ حضرت عیسیٰؑ کے بعد آپ ﷺ سے پہلے جاہلیت کا دور کہلاتا ہے۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ ہر شخص کی جاہلیت اس کے اپنے دور کے لحاظ سے ہے۔ اس کی زندگی قبل الاسلام جاہلیت اور بعد از اسلام جاہلیت نہ ہوگی۔

پس منظر حدیث: حضرت ابوذر غفاریؓ نے حضرت بلالؓ کو یہ کہہ کر عار دلانی تھی یا ابن السوداء! اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: انک امرؤ فیک جاہلیۃ بعض روایات میں ہے حضرت عمار بن یاسرؓ کو یا ابن الجاریۃ کہا تھا۔

یا ابن السوداء کا ترجمہ تحفۃ القاری میں ہندوستانی ذوق کے مطابق کیا گیا ہے: ”اوکالی کے!“ (تحفۃ 247 ج 1)

ترجمۃ الباب کے دو اجزاء ہیں۔ ایک المعاصی من امر الجاہلیۃ۔ اس کو ثابت فرمایا ہے: انک امرؤ فیک جاہلیۃ سے اور دوسرا جز ہے ولایکفر صاحبہا ارتکابھا الا بالشوک اس کو ثابت فرمایا آیات ان اللہ لا یغفر۔ الخ وان طائفان۔ الخ سے۔ کہ ارتکاب گمیرہ کے باوجود اگر اسلام سے خارج قرار نہیں دیا گیا۔

_____ عند بعض: دونوں اجزا کو ایک ہی قول یعنی انک امرؤ فیک جاہلیہ سے ثابت فرمایا۔ پہلا اس طور پر کہ معاصی امر جاہلیہ میں سے ہیں۔ اور دوسرا جز اس طور پر کہ حضرت ابوذرؓ میں امر جاہلیت کے ثبوت کے باوجود ایمان سے خارج قرار نہیں دیا جا رہا کہ تجدید ایمان کیلئے کہا گیا ہو۔

سوال: بعض لوگ اس آیت کی روشنی میں کہتے ہیں مشرک کی بخشش نہیں۔ البتہ کفر کی معافی ہے۔ کیونکہ وہ مادون ذلک میں داخل ہے۔ حالانکہ عدم مغفرت میں دونوں برابر ہیں۔

جواب ۱: اس آیت کریمہ میں شرک کا بیان ہے اگرچہ کفر کا بیان نہیں ہے۔ تاہم کفر کی وجہ سے عدم مغفرت دیکر آیات و احادیث سے ثابت ہے۔ ضروری نہیں ایک آیت سے سب کچھ ثابت کیا جائے۔

جواب ۲: بعض حضرات فرماتے ہیں اگرچہ شرک اپنی حقیقت کے اعتبار سے خاص اور کفر عام ہے۔ دونوں کے معنی میں بھی فرق ہے۔ لیکن اطلاقات میں کفر کو شرک کے ہم معنی قرار دیکر ایک دوسرے کے معنی میں استعمال کر لیتے ہیں۔ اس لئے آیت کریمہ میں یہاں شرک سے مراد کفر ہے خواہ سبب شرک ہو یا کسی اور سبب سے۔

جواب ۳: کفر شرک کیلئے بطور لازم کے ہے۔ جب شرک ملزم کا ذکر آیا تو لازم کا ذکر بھی خود بخود آ گیا۔ عرم میں اختلاف ہے کہ اس پر گرفت ہے یا نہیں میرے نزدیک یہی حق ہے کہ عرم پر گرفت نہ ہو تاخذ نہیں جب تک اس کے نہیں میری سمجھ میں آتا ہے کہ حرم کا مرتبہ عرم سے بڑھ کر حرم کا مطلب یہ ہے کہ کوشش اور اسباب پیدا کرے (فضل 428)۔

ترجمہ الباب پر احادیث کی ترتیب کے لحاظ سے اشکال

اشکال: امام بخاریؒ کا دعویٰ ہے: المعاصی من امر الجاہلیہ، ولا یکفر صاحبها بارتکابها الا بالشوک۔ اس میں استدلال تین چیزوں سے کیا ہے، ۱: حضرت ابوذر غفاریؓ کو آپ ﷺ فرماتا: انک امرؤ فیک جاہلیہ، ۲: آیت ان الله لا یغفر ان یشرک، الخ۔ اور تیسرے وان طائفان، الخ۔ یہ سارا ترجمہ ہے۔ اس کے تحت دو احادیث لائے ہیں۔ یاد رہے یہ احادیث ترجمہ کی ترتیب ذکر کی کے مطابق نہیں۔ بلکہ حضرت حنف بن قیسؓ کی جو پہلی روایت لائے ہیں اس کا ترجمہ کی دوسری آیت کے ساتھ تعلق ہے۔ اور حضرت ابوذر غفاریؓ والی روایت انک امرؤ فیک جاہلیہ کا تعلق ترجمہ کے پہلے حصہ وانک امرؤ فیک جاہلیہ کے ساتھ ہے۔ گویا دعویٰ اور دلیل میں ترتیب نہیں ہے۔

جواب: یہ اشکال اس نسخے کے مطابق ہے جو ہارسد یار میں متداول ہے۔ لیکن ایک نسخے میں ترجمہ کے مطابق حضرت ابوذرؓ کی حدیث پہلی آئی ہے۔ اس کے مطابق اشکال نہیں کیونکہ حضرت حنف بن قیسؓ کی حدیث بعد میں آئی ہے۔ تو ترتیب صحیح ہو گئی۔

جبکہ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اس نسخہ کو لیا ہے جس میں ایک باب کا اضافہ ہے۔ اور وان طائفان، اس نسخے باب کے تحت لائے ہیں۔ اور آیت ہذا کا اس باب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ گویا پہلے باب کا ترجمہ ان الله لا یغفر ان یشرک والی آیت پر ختم کر کے پھر حضرت ابوذرؓ کی حدیث لائے ہیں۔ پھر ترجمہ قائم کیا: باب وان طائفان من المومنین، پھر حضرت حنف بن

قیسؒ کی روایت ملے ہیں۔۔۔ حتیٰ کہ علامہ عینیؒ کے پاس بھی یہی نسخہ ہے اور یہ نسخہ ترتیب کے مطابق زیادہ واضح ہے۔
جواب ۲: ہمارے موجودہ نسخہ کے مطابق یوں جواب دیا جاسکتا ہے جب دو چیزیں یکے بعد دیگرے ذکر کی جائیں تو پھر کبھی تو دلائل ترتیب سے بیان ہوتے ہیں اور کبھی یوں ہوتا ہے جو چیز آخر میں ذکر کی ہے اس کی دلیل سادھی ذکر کر دی۔ پہلی چیز جو پہلے ذکر کی ہے وہ دور تو ہو ہی چکی تھی، اس کی دلیل بعد میں ذکر کر دی۔ اس نسخے میں ایسا ہی ہے۔

تشریح حدیث

رمذہ: مدینہ طیبہ سے کچھ فاصلہ پر ہے، پرانے راستہ پر ہے۔

یہ فوجی چھاؤنی تھی اور کئی ہزار گھوڑے یہاں پر تھے۔ مدینہ طیبہ سے تین مرحلہ دور ہے۔ (فضل 429 ج 1)

وعلیہ حلۃ: ایک ان پر اور ایک ان کے غلام پر جوڑا تھا۔ یعنی ان میں اور خادم میں یکسانیت تھی جیسے اپنے جسم پر تھا ویسے ہی غلام پر بھی تھا۔ عام معمول میں مولیٰ اور غلام کا جو فرق ہوتا ہے وہ نہیں تھا۔
ایسا نہیں تھا کہ دونوں کے جسم پر ایک قسم کے جوڑے تھے۔ بلکہ وہاں یہ بات تھی کہ حضرت ابوذرؓ اور ان کے غلام نے پورے جسم کو لپیٹا ہوا تھا۔ تو سائل نے کہا کہ اپنا جوڑا اس طرح تقسیم کیا ہوا ہے آدھا اس کو اور آدھا خود پہنا ہوا ہے۔ ایسا کر لیں کہ ایک ہی جوڑا آپ اور ایک ہی وہ پہنیں۔ اوپر والا اچھا کپڑا، نیچے والا گھٹیا۔ تو دونوں ایک طرح کر لیجئے۔ یہ معاشرتی ترتیب کے خلاف کیوں ہے؟ تو اس پر سائل نے پوچھ لیا کیا ہے۔؟

اس پر فرمایا: سابیت رجلاً

یا ابن السوداء بہتان نہیں ہے۔ حقیقت واقعہ ہے لیکن بطور عار ذکر کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: انک امرؤ فیک جاہلیۃ۔ مسلمان کی دل آزاری آپ ﷺ قصداً تو ویسے ہی پسند نہیں تھی۔ جھوٹ بول کر عیب لگانا تو برا ہے ہی۔ لیکن واقعاتی بات کو منہ پر کہہ کر عیب لگانا بھی اچھا نہیں سمجھا گیا۔

وعلیہ حلۃ میں تنوین تعظیم کیلئے ہے۔ (درس بخاری 241)

فائدہ: انک امرؤ فیک جاہلیۃ:

انتابڑا سبق دیا کہ یہ نہیں فرمایا کہ تم سے گناہ ہوا بلکہ فرمایا تمہارے اندر جاہلیت ابھی تک باقی ہے گویا اسلام کی ابھی تک ”مخروبوہ“ نہیں آئی۔ طلبہ کرام سبق حاصل کریں کہ حدیث سے متعلقہ مباحث ایمان و کفر کی حقیقت ان کے مراتب کیا ہیں؟ جزو ایمان ہے یا نہیں؟ زیادہ تفصیل سے یا نہیں؟ یہ مشرور فقرہ میں کوئی نہیں پوچھ سکا۔ اس پر گرفت ہوگی کہ منہ سے کیا نکل رہا ہے۔

روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کے اس فرمان کے بعد حضرت ابوذرؓ غفاریؓ تاویل و توجیہ یا اپنی غلطی کا عذر بیان کرتے، بس فوراً بلا تاخیر زمین پر لیٹ گئے۔ اس طرح کہ اپنے رخسار زمین سے ملا دیے اور کہا اس وقت تک نہیں اٹھوں گا جب تک ہلالؓ آ کر پاؤں میری رخسار پر نہ کھیں۔ حضرت ہلالؓ کو بلوایا گیا آ کر انہوں نے پاؤں رکھا تب وہاں سے اٹھے۔ (انام 462/1)

حدیث ابی ذر غفاریؓ میں نسبِ آباء پر فخر و عزت اور خاندانی علوم و تربیت کی بیخ کنی کر دی گئی اور نسب کے جڑو مہ سے انسانیت کی تقسیم پر کراہت کا برملا اظہار کیا گیا ہے۔۔۔ تاہم انتظامی تقسیم کے حوالہ سے مولیٰ اور غلام کے فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے انسانی ہمدردی کا سبق دیا گیا۔۔۔ نیز مولیٰ و آقا کو اندیغہ آخرت کے پیش نظر جذبہ اخوت غالب رکھنے کا حکم ہے۔۔۔ تکمیل حکم میں غلام کی بے بسی کی صورت میں آقا کو شریکِ عمل ہونے کی تلقین ہے۔۔۔ بصورت دیگر امر جاہلیت کو مسلمانوں میں زندہ کرنا ہے جو آپ ﷺ ناراضگی کا باعث ہے اور مقاصد کی تکمیل کے لحاظ سے دنیا کے اخلاق کے پہیہ کو الٹا چلا کر شرف و عزت کے مقام بلند کی تمنا ایک موهوم امید ہے (ماہ)

اس تعلیم سے غلام کی غلامی ہی نہیں رہی، بلکہ بھائی چارہ بن گیا۔ اسی واسطے تاریخ اسلام میں دنیوی رفعت، جاہ و منصب اور علم کے اعتبار سے بڑے بڑے لوگ غلاموں میں سے ہیں۔ حتیٰ کہ امام بخاریؒ غلاموں کے خاندان ہی سے ہیں جبکہ ”احرار“ اس مقام تک نہ پہنچ سکے۔ (انعام 464/1)

فائدہ: خول: خدام کو کہتے ہیں یہ اسم جمع ہے بعض اوقات اس کا اطلاق مفرد پر بھی ہوتا ہے۔ (انعام الباری ج 1 ص 463)
اخوانکم خولکم: غلام کو ادنیٰ جاننا یہ جاہلی تصور ہے۔

اخوانکم مبتدا اور خول لکن خبر ہے تمہارے بھائی تمہارے خدام ہیں۔ یوں نہیں فرمایا تمہارے خدام تمہارے بھائی ہیں۔ بس اللہ تعالیٰ نے تمہاری خدمت میں انہیں لگا دیا۔ گویا بتلایا گیا ہے اصل اخوت ہے۔ ”خول“ ہونا عارضی ہے۔
فلیطعمہ ممایا کل و لیلبسہ ممایلبسہ

جو کھا رہے ہو اسی میں سے کھلاؤ اور جو پہن رہے ہو اسی میں سے پہناؤ۔ یہ بہت آسان ہے من تبعیضیہ ہے جو عدم مساوات کا مظہر ہے۔۔۔۔۔ یہ نہیں فرمایا: فلیطعمہ ممایا کل یعنی جو کھانا وہ پسند کرے وہ اس کو کھلاؤ۔ ایسی چیز کا مکلف بنانا جس کو انسان نہ کر سکے کیا فائدہ۔۔۔؟

گویا غلامی کو ”اخوت“ میں بدل دیا۔

سوال: حضرت ابو ذر غفاریؓ مساوات للعبد کے قائل ہیں کہ آقا اور غلام میں مساوات ضروری ہے جو جمہور کے خلاف ہے۔
جواب: حدیث الباب میں مواخات (یعنی رحلتی) کا حکم تھا۔ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ نے اس کو مساوات پر معمول کر لیا جو صحیح نہیں۔

جمہور کی دلیل ۱: اس روایت کے آخر میں یہ ہے اگر ان کی طاقت سے کام باہر ہو تو ان کی مدد کرو۔ اگر مساوات مراد ہو تو مل کر کام کرنے کا ارشاد فرماتے اور ممایغلبہم کی قید نہ لگاتے۔

دلیل ۲: حدیث میں آتا ہے اگر کوئی غلام کچھ پکا کر لائے تو اس کو بھی اس میں شریک کر لیا کرو۔ اگر شریک نہ کر سکو تو چند لقمے ہی ان کے ہاتھ پر رکھ دیا کرو۔ اس سے معلوم ہوا مساوات ضروری نہیں۔۔۔ البتہ ان کو محروم نہ رکھا جائے۔ تاکہ جس نے گرمی چکھی ہے تو کھانے کی ٹھنڈک بھی حاصل کرے۔

فائدہ: اسلامی مساوات سے مراد مساوات فی الحقوق اور صلاحیت و استعداد کے لحاظ سے کارکردگی کا معاوضہ دینا ہے نہ کہ ساری قوم کی قوم کو ایک الٹھی سے ہانک دیا جائے۔ اور ان کی صلاحیتوں کا بالکل ہی لحاظ نہ کیا جائے۔ یہ وہ مساوات ہے جو اسلام کے بالمقابل ہے۔ اسلام کا اس سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ آجکل اس کا نام اشتراکیت ہے اور انگریزی میں اسے کمیونزم کہتے ہیں۔

مسئلہ سب و شتم صحابہ رضی اللہ عنہم

سابیت رجلاً۔۔۔ اس کی اولاد دو قسمیں ہیں۔

۱۔ سب صحابیؓ، لصحابیؓ، ۲۔ سب غیر صحابیؓ، لصحابیؓ۔ پھر نمبر ۲ کی دو اقسام ہیں۔ ۱۔ کسی ایک صحابی کو سب کرنا۔ ۲۔ سب کو یا اکثر صحابہ کو برا بھلا کہنا۔ یہ تیسری قسم جو آخری ہے یہ کفر ہے۔ نمبر ۲ غیر صحابی کا کسی ایک کو سب کرنا یہ فسق ہے۔ اور صحابی کا صحابی کو برا بھلا کہنا یہ نہ کفر ہے نہ فسق ہے۔ اس کا منشا کوئی تکلیف ہوتی ہے اس کا منشا تو بین نہیں ہوتی۔ زیادہ سے زیادہ اس کو غیر مناسب سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ معاصرین آپس میں جو کچھ کہہ سکتے ہیں ان کے چھوٹے نہیں کہہ سکتے۔

تعارف و اذات

حماد بن زید: یہ بہت مضبوط سند ہے۔ حماد بن زید بڑے اونچے محدثین میں سے ہیں۔ دو حماد مشہور ہیں۔ حماد بن زید اور حماد بن سلمہ۔ دونوں کا نام ایک، وطن کو فایک، اساتذہ و تلامذہ بھی ایک جیسے۔ اس لئے اہل طعن حماد سے تعین میں اشتباہ ہو جاتا ہے۔
افضلیت: روایت حدیث میں حماد بن زید کا مقام بہت اونچا ہے جبکہ حماد بن سلمہ عبادت و تقویٰ میں بہت بلند ہیں۔ بعض حضرات نے ان کو ابدال میں شمار کیا ہے۔ شام میں ابدال زیادہ ہوتے تھے۔ ابدال کی ایک علامت یہ ہے کہ اس کی اولاد نہیں ہوتی۔ انہوں نے ستر کاح کئے مگر اولاد نہیں ہوئی۔

حماد بن زید بن درہم اور حماد بن سلمہ بن دینار ہے۔ فضیلت کا درجہ بھی حسب درہم و دینار رکھتے ہیں۔ فضل حماد بن سلمہ علی فضل حماد بن زید کفضل الدینار علی الدرہم۔ (تہذیب الکمال) ان کے اساتذہ ابوب سخیانی اور یونس ہیں۔ دونوں امام زہریؒ کے شاگرد ہیں۔ ان کی امامت و جلالت پر اتفاق ہے۔ حضرت حسن بصریؒ سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت حسن بصریؒ کی والدہ کا نام خیرہ تھا۔ وہ حضرت ام سلمہؓ کی کنیز و باندی تھیں۔ ان کی وہ آزاد کردہ تھیں۔ یہ سعادت انکو حاصل ہے ان کی والدہ خیرہ کہیں چلی جاتیں تو حضرت ام سلمہؓ ان کو ان کی عدم موجودگی میں دودھ پلاتیتیں۔ اس طرح یہ حضرت ام سلمہؓ کے رضاعی بیٹے اور رسول اللہ ﷺ کے بھی رضاعی بیٹے ہوئے۔ اس لئے ان کی ذہانت و طہانت میں رضاعت کا اثر ہے۔ اور یہ فضیلت کسی اور تابعی کو حاصل نہیں ہے۔

لا نصر هذا الرجل۔۔۔

یہ جنگ جمل کا موقع ہے۔ حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ بالمقابل ہوئے۔

الرجل سے مراد حضرت علیؓ ہیں۔ حضرت علیؓ سے پانچ سو چھیالیس احادیث مروی ہیں۔ متفق علیہ بیس ہیں نواحدیث میں امام بخاریؒ اور پندرہ احادیث میں امام مسلمؒ متفق ہیں۔ (کشف 154/4)

یہ جنگ جمل کا قصہ ہے۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے حضرت انصف بن قیسؓ اکیلے مدد کیلئے نکلے تھے۔ بعض روایات میں اپنی قوم کے ساتھ نکلنا آیا ہے۔ تاہم کشتگوان سے ہوئی۔ حضرت ابوبکرؓ کی وجہ تسمیہ یہ ہے محاصرہ طائف کے دوران یہ شہر کی فصیل سے چرخی کے ذریعہ لٹک کر نیچے اترے اور آکر اسلام قبول کر لیا چرخی کو عربی میں ”بکرہ“ کہتے ہیں۔ تو ان کا لقب ابی بکرہ ہو گیا۔ معنی ہے چرخی والا تاہم ان کا نام مبارک نفع بن الحارث رضی اللہ عنہ ہے۔

قاتل و مقتول جہنمی کیسے ہوتے؟

القاتل والمقتول فی النار:

حضرت ابوبکرؓ کا استدلال حضرت انصف بن قیسؓ کو روکنے کی حد تک تو جاتا رہا۔ کیونکہ روکنے کے لئے عمومی عنوانات اختیار کر لئے جاتے ہیں۔ جمہور محدثینؒ کے نزدیک یہ حدیث اپنے عموم پر نہیں ہے۔ بلکہ ”قاتل و مقتول“ وہ مراد ہیں جو کسی دنیوی غرض یا حظ نفس کیلئے لڑتے ہیں۔ اس لئے جمہور اہل السنۃ والجماعت کے ہاں جنگ جمل اور صفین میں جان دینے والے صحابہ کرامؓ شہداء کامل ہیں۔

قاتل و مقتول جب تلوار لیکر آمنے سامنے ہو جائیں اور صورت حال یہ ہو جائے کون کس کے وار کی زد میں آجائے تو ایسا مقتول بھی جہنمی ہے۔ اس لئے کہ یہ محض ارادۂ قتل نہیں ہے بلکہ وار کا چوک جانا ہے اور نوبت اقدام تک ہے۔ اور قلبی حرص کا ظہور ہے۔ جس کو آپ ﷺ نے انہ کان حریصاً علی قتل صاحبہ سے تعبیر فرمایا ہے۔ تاہم جہنم میں جانا ایک کلی مشکل ہے سزائیں سب کی مختلف ہوں گی۔ ”ذخول“ میں اگرچہ شرکت ہے۔ تو قاتل کا درجہ عذاب اس سے بڑا ہوگا جو اپنی کوشش قتل میں کامیاب نہ ہو سکا۔

فائدہ: قصد کے پانچ مراتب ہیں۔ ۱: ہاجس۔ ۲: خاطر۔ ۳: حدیث النفس۔ ۴: ہم۔ ۵: عزم

(۱) ہاجس: دل میں چیز آئی اور چلی گئی۔ (۲) خاطر: یہ دوسرا درجہ ہے چیز دل میں آئی ٹھہری لیکن دل نے کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ آیا فعل کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ (۳) حدیث النفس: یہ تیسرا درجہ ہے قصد کا کہ دل میں بات ٹھہری اور دل میں فعل یا ترک فعل میں تردد رہا۔ کسی طرف جھکاؤ نہیں ہوا۔ (۴) ہم: یہ چوتھا درجہ ہے جس میں فعل یا ترک فعل کی طرف جھکاؤ تو ہو جاتا ہے لیکن اس میں ہتکتی نہیں ہوتی۔ (۵) عزم: یہ آخری درجہ ہے اس میں بھرپور ہتکتی ہوتی ہے اس پر مواخذہ ہوگا۔ (درس شامی 129)

فائدہ ۱: حضرت انصف بن قیسؓ کی یہ خصوصیت ہے آپ ﷺ نے قبل از ایمان ان کی بخشش کی دعا کی تھی۔ حضرت انصف بن قیسؓ کہتے ہیں میں طواف میں مشغول تھا۔ بنو لیث کا ایک شخص آکر کہنے لگا۔ کہ میں ملخ بن کر آپ کے قبیلہ میں گیا میں نے آکر آپ ﷺ سے عرض کیا، صرف ایک بچہ نے اتنی بات کہی کہ بات تو ٹھیک کہتا ہے اس کی بات سنی چاہیے۔ اس بچہ کا

احنف بن قیس نام ہے آپ ﷺ نے دعا فرمائی۔ اللہم اغفر للاحنف بن قیس۔

قائدہ 2: حضرت احنف بن قیسؒ اس وقت تو واپس چلے گئے تھے لیکن بعد میں جب انہیں حضرت علیؓ کے برحق ہونے پر شرح صدر ہو گیا تو جنگ صفین میں حضرت علیؓ کے ساتھ شریک ہوئے۔

قائدہ 3: احنف بن قیس لقب ہے، ان کا نام ضحاک اور کنیت ابو بحر بن قیس ہے وقیل اسمہ مخر، تابعی ہیں۔ آپ ﷺ کا زمانہ پایا مگر زیارت نصیب نہ ہوئی۔ عبداللہ بن زبیرؓ کے عہد خلافت میں ۶۷ھ میں کوفہ میں وصال ہوا، (نصر الباری 1 ج 280) تاہم انعام الباری میں آپ کو حجابی شمار کیا گیا ہے۔ (انعام 467/1)

مسئلہ مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم

عظمت صحابہ رضی اللہ عنہم کے پیش نظر اپنے ایمان کے تحفظ کیلئے احتیاط کا تقاضا یہی ہے اس مسئلہ میں گفتگو نہ کی جائے۔ خدا نخواستہ ادنیٰ بے احتیاطی کا نتیجہ بہت سے خطرات کو لئے ہوئے ہے۔ جس میں سراسر ہمارا نقصان ہے۔ جبکہ حضرات صحابہ کرامؓ خلہ نشین ہیں۔ تاہم کسی مسئلہ کو بحیثیت مسئلہ سمجھنے کیلئے یہ ذہن میں رہے اولاً اہل السنۃ والجماعت کے موقف کو سامنے رکھئے۔ اہل علم میں سیدنا علیؓ کے مسلک کی تصویب اور حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ جنگ حمل میں خطا اجتہادی پر ہیں اور حضرت امیر معاویہؓ جنگ صفین میں خطائے اجتہادی پر ہیں۔ اگرچہ ماجور وہ بھی ہیں کیونکہ خطا اجتہادی پر مبنی اختلاف دائرہ حق سے باہر نہیں ہوتا۔ اور کسی صحابیؓ کی طرف خطائے اجتہادی کی نسبت کرنا بے ادبی نہیں ہوتا۔ یہی جمہور علماء کا مشہور صحیح مقبول عام مسلک ہے۔ پھر اس مسئلہ کی نوعیت و حکم کس طور پر ہے وہ بخاری جیسی ماصح الکتب بعد کتاب اللہ کی تدریس و تعلیم کے دوران اس پر علمی حیثیت سے ضرور نظر آئی چاہیے۔ چنانچہ اس کے چند اصول ہیں:

(۱) جس جماعت کو قرآن وحدیث میں معیار حق قرار دیا گیا ہو اور خطا کی معافی کا اعلان، ان کی تقدیس، ترضیہ کا اعلان کیا گیا ہو۔ اور امت نے الصحابة کلہم عدول پر اجماع کر لیا ہو۔ ازاں بعد کسی انسان کے تاریخی حوالہ کی حیثیت نہیں۔ اسے مردود قرار دیا جائے گا۔

(۲) حضرات صحابہ کرامؓ میں باہمی طہر پر اجتہادی خطا کی وجہ سے بالفرض کچھ واقعات ظہور پذیر ہوئے ہیں تو ان میں سے ہر فریق ماجور ہے۔ بخاری کی حدیث کے مطابق اگر ان کا اجتہاد صواب ہے تو دوسرا جرم نلیک اجرتولازی ہے تو اعطاء جرم ذلیل رضہ ہے۔ (۳) مشاجرات باہمی دلیل تھلب دینی ہے۔ سابقہ تعلقات کو امر حق کے سامنے بالائے طاق رکھتے ہوئے اس میں اگر جنگ کی نوبت بھی آگئی ہے تو اس سے گریز نہیں کیا۔

(۴) قرآن وحدیث میں بحیثیت طبقہ تقدیس و توصیف صرف حضرات صحابہ کرامؓ کی ہے۔

(۵) ”محمد رسول اللہ“ آیت قرآنی دعویٰ رسالت ہے اور والذین معہ الخ یہ دلیل رسالت ہے۔ خدا نخواستہ دلیل مجروح ہوتی ہے تو دعویٰ متاثر ہونے کا سوال پیدا ہو جاتا ہے۔

(۶) قرآن کریم کی اول آیت ”ذلک الکتاب“ بھی یہ بتا رہی کہ حضرات صحابہ کرامؓ بحیثیت طبقہ شان عدل و حجیت دیکھتے ہیں۔ دور نبویؐ میں ان کے وجود کتاب بین الدفتین نہیں تھا۔ جس پر اطلاق کتاب ہو سکے۔ متفرق اشیاء پر متفرق طور پر متفرق حضرات کے پاس آیات و سور موجود تھیں۔ مگر اطلاق کتاب کی کوئی متعین صورت نہ تھی۔۔۔ اس کی متعین صورت ”بین الدفتین“ یہ دور صدیقی میں وجود پذیر ہوئی۔ جس سے بآسانی سمجھا جاسکتا ہے کلام اللہ کی موجودگی کے باوجود کتاب اللہ کی شکل و ہیئت کا تعلق دور صحابہؓ سے ہے۔ اگر صحابہ کرامؓ کو ہم حجیت نہ مانیں تو وجود کتاب اللہ قابل اعتبار نہیں۔۔۔ اس لئے کتاب اللہ کی حجیت یہ موقوف ہے حجیت صحابہؓ پر۔۔۔ فردا کسی شخص و فرد سے لغزش ہو جائے تو طبقہ صحابیت کی حجیت کے خلاف نہیں۔۔۔ جبکہ قرآن کریم کی تصریح ہے: ان الذین اتقوا اذا مسهم طائف من الشیطن تذکروا فاذا هم مبصرون۔

المرقوم فی المسجد النبوی الشریف

علی صاحبہا الف الف صلوة و سلام

شب ۵ رمضان مبارک ۱۴۳۶ھ

عند باب ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ

فائدہ:

الصحابہ کلہم عدول یہ معیار نظریہ ہے۔۔۔ تاہم جو بھی اس کے خلاف قلم اٹھاتا ہے۔ وہ امت مسلمہ میں تقریق ڈالنے کی کوشش کرتا ہے اس لئے مودودی نے اس کا مطلب بیان کرتے ہوئے خود رائی کی ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بطور راویان حدیث عادل ہیں۔ معتمد ہیں۔ تاہم ان کی نجی زندگی کے بارے میں ضمانت نہیں دی جاسکتی کہ وہ بھی عدول کی شان رکھتی ہو۔۔۔ لیکن یہ بالکل غلط ہے۔

اس لئے علامہ ابن حجر رحمہ اللہ شرح نخبة الفکر میں عدالت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ عدالت وہ مملکہ راسخہ ہے جو مروت و تقویٰ پر ابھارتا ہے۔ اس لئے وہ حقوق اللہ و حقوق العباد کی تکمیل میں آئیڈیل ہیں۔

فتن میں طرز عمل کیا اختیار کیا جائے؟

اگر مسلمانوں میں باہمی قتال کا سبب عصبیت قومی و لسانی یا حظ نفس یا دنیا پرستی ہو تو اس صورت میں دونوں گروہ سے کنارہ کش رہے کیونکہ دونوں باطل پر ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں فریق بظاہر دین کا دعویٰ کر رہے ہیں پھر دلائل کی روشنی میں ایک فریق کا حق پر ہونا ثابت ہو جائے پھر اس کا ساتھ دینا امر شرعی ہے۔۔۔ بصورت دیگر بموجب حدیث کونوا احلاس بیتیکم پر عمل پیرا ہو۔ اپنے گھر کے فرش سے چپکے ہوئے ٹاٹ کی طرح ہو جائے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا مشاجرات صحابہؓ میں عمل تھا۔۔۔ (انعام الباری 472 تا 473)

22 باب ظلم ذون ظلم۔ ایک گناہ دوسرے گناہ سے کم ہوتا ہے

حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ وَحَدَّثَنِي يَسْرُ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ شُعْبَةَ عَنْ سَلِيمَانَ عَنْ
إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ {الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ} قَالَ أَصْحَابُ
رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا لَمْ يَظْلَمُوا فَانْزَلَ اللَّهُ {إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ}

ترجمہ: حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آیت الذین آمنوا ولم یلبسوا ایمانہم بظلم نازل ہوئی تو صحابہ نے عرض کیا: ہم میں سے کون ہے جس نے ظلم نہیں کیا؟ اس وقت خدا تعالیٰ نے نازل فرمایا شرک یقیناً بڑا ظلم ہے۔
فائدہ: عبد اللہ مطلق بولا جائے تو مراد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہوتے ہیں۔

فائدہ: عن سلیمان عن ابراہیم عن علقمہ عن عبد اللہ۔ بعض حضرات نے اس سند کو اصح الاسانید قرار دیا ہے۔ کیونکہ اس کے تمام روایات مسلسل بالفقہاء ہیں۔

حضرت ابراہیم غنیؓ اوچے درجے کے فقیہ ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کی فقہ کے بیشتر مسائل انہی کی فقہ سے ماخوذ ہیں۔ اور حضرت علقمہ ان سے اوچے درجے کے تابعین میں سے ہیں۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ائمہ الصحابہ ہیں۔ اس لئے اس سند کو اصح الاسانید قرار دیا ہے۔ البتہ عند بعض عن سالم عن ابیہ عن عبد اللہ بن عمرؓ یہ سند اصح الاسانید ہے۔
رہا: ما قبل میں درجات ایمان کا بیان تھا یہاں سے ایمان کی ضد ظلم کے درجات بیان کر کے ایمان کے درجات ثابت کر رہے ہیں۔

تشریح ترجمہ: ”ظلم دون ظلم“ یہ الفاظ حدیث ہیں۔ امام بخاریؒ کی عادت مبارک ہے جو حدیث ان کی شرائط کے موافق نہ ہو غرض باب کے موافق ہو اس کو ترجمہ الباب میں لے آتے ہیں۔
ظلم دون ظلم، کفر دون کفر کے ہی معنی میں ہے۔ البتہ اتنا فرق ہے کفر دراصل اخراج ملت کا سبب ہے لیکن بعض اوقات اپنے مدارج یا انواع کی وجہ سے اخراج ملت کا سبب نہیں ہوتا۔ جبکہ ظلم بمعنی وضع الشی فی غیر محلہ معصیت ہے جو اصلاً خارج ملت ہونے کا سبب نہیں ہے۔ لیکن بعض اوقات یہ اپنے مدارج یا انواع کی وجہ سے اس درجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ اخراج ملت کا سبب ہو جاتا ہے جیسے خدا غواستہ کوئی شرک کر بیٹھے تو یہ ظلم سمجھا جائے گا اور اخراج ملت کا سبب ہوگا۔ تو سابقہ باب ترقی من الالہی لا دنی ہے۔ یہاں ترقی من الالہی لا دنی ہے۔ اور سابقہ باب کے لحاظ سے یہ تصویر کا دوسرا رخ ہے۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سوال کیا تھا: اینا لم یظلم ان کی مراد معاصی تھی۔ جبکہ آیت شریفہ میں ان الشرک لظلم عظیم ہے۔ لفظ عظیم سے اقسام ظلم ثابت ہوئیں۔ ایک وہ قسم جو صحابہ کرامؓ کی مراد ہے۔ اور ایک وہ قسم جو مراد خداوندی ہے۔

تشریح حدیث

سوال: حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے الذین امنوا ولم یلبسوا ایمانہم بظلم الخ سے کونسا ظلم مراد لیا ہے۔ اور آپ ﷺ نے کونسا مراد لیا ہے۔؟
جواب: اس میں حضرات محدثین کرام کی دورائیں ہیں۔

(۱) علامہ خطابی فرماتے ہیں: عرف میں ظلم کا اطلاق معاصی پر ہوتا ہے اس لئے صحابہ کرامؓ نے معاصی پر معمول کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ٹھیک ہے ظلم سے معاصی اور شرک مراد ہو سکتے ہیں۔ لیکن یہاں مراد صرف شرک ہے۔
(۲) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جانتے تھے کہ ظلم کا مصداق معاصی اور شرک بھی ہے اور یہاں مکرہ تحت الئی واقع ہے۔ اس لئے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے چھوٹے گناہ سے لیکر شرک تک سب مراد لئے۔ آپ ﷺ کے ارشاد مبارک کا حاصل یہ ہے کہ یہاں مصداق خاص یعنی شرک مراد ہے۔ عموم نہیں ہے۔

سوال: باب ہذا میں حدیث سے معلوم ہوتا ہے الذین امنوا ولم یلبسوا الخ آیت کریمہ پہلے اور آیت لقمن: ان الشرک لظلم عظیم بعد میں نازل ہوئی۔ جبکہ بخاری شریف میں آگے آنے والی روایت صفحہ ۳۸۷ پر ہے۔ اندازہ ہوتا ہے آیت لقمن پہلے نازل ہو چکی تھی۔ روایت یہ ہے:

عن عبد اللہ ﷺ قال لما نزلت الذین امنوا ولم یلبسوا ایمانہم بظلم شق ذلک علی المسلمین۔ فقالوا یا رسول اللہ! اینا لم یظلم نفسه۔ فقال لیس ذلک انما هو الشرک۔

الم تسمعون اما قال لقمن لا یندو هو یعظم لینی لا تشرک با اللہ ان الشرک لظلم عظیم۔
ممکن ہے اشکال کنندہ حضرات کی توجہ آیت لقمان کی طرف نہ ہوئی ہو، جیسے کہ حضرت عمرؓ کی توجہ وصال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت و ما محمد الا رسول کی طرف نہ ہوئی۔

سوال: الم تسمعون اما قال لقمن سے معلوم ہوا صحابہ کرامؓ کے سوال سے پہلے نازل ہو چکی تھی۔؟
جواب: ا: جس مجلس میں حضرات صحابہ کرامؓ نے اشکال فرمایا اسی مجلس میں بھی دوبارہ اس کا نزول ہوا۔ پہلے بھی نازل ہو چکی تھی تاہم ان الشرک لظلم عظیم مکرر النزول کے قبیل سے ہے۔

جواب ۲: علامہ سیوطیؒ نے فرمایا جب کوئی آیت اپنے شان نزول سے متعلق نازل ہوتی ہے۔ پھر اس سے تلا جلتا کوئی واقعہ بعد میں پیش آجائے تو یوں تعبیر کر دی جاتی ہے نزلت فی ہکذا۔۔۔ یہ مراد ضروری نہیں کہ آیت کا نزول دوبارہ ہوا۔ اس لئے ایک آیت کا شان نزول حقیقتہً ایک ہی ہوتا ہے تاہم اس جیسے واقعات کے پیش نظر مجازاً دیگر شان نزول بھی ہو سکتے ہیں۔

ظلم دون ظلم: یہ حصہ بھی عطابن ابی رباح کے کلام کا ایک جزو ہے۔ (فضل 431 ج 1)
اقسام ظلم: تین قسم ہیں۔ ایک بندہ اور اللہ کے درمیان جیسا کہ افتراء اور کذب علی اللہ یا شرک و کفر یا نقص کی نسبت اللہ

تعالیٰ کی طرف۔ دوسرا: بندوں کا آپس میں ظلم تیسرا خود اپنے نفس اور اپنے ظلم۔ یعنی کوئی ایسا کام کرنا جس کے نتیجے میں اس کا خود کو نقصان ہو جیسے زہر خوری۔

پہلی دو قسمیں تیسری قسم کو مستلزم ہیں۔ اول یا ثانی جہاں متحقق ہوگا وہاں ثالث بھی متحقق ہوگا پہلے دونوں کی وجہ سے سزا بھگتنی پڑتی ہے تو نتیجے میں خود اپنا ہی نقصان ہے۔ اسی اعتبار سے بعض طرق میں ایذا لہم بظلم نفسہ کا لفظ آیا ہے۔ (فضل 432) آپ ﷺ نے خاص ظلم یعنی شرک مراد لیا ہے۔ اس پر اشکال ہے کہ آپ ﷺ کا مطلب بظاہر نکرہ تحت الہی کے اصول کے منافی ہے۔

جواب ۱: ظلم کی تنوین تعیم کیلئے نہیں بلکہ تعظیم کیلئے ہے۔ صحابہؓ نے اس کو تعیم کیلئے سمجھا اس لئے اشکال ہوا۔ اب مطلب یہ ہوا کہ جو ایمان لائے اور کسی قسم کا شرک نہیں کیا۔

جواب ۲: آپ ﷺ نے نکرہ تحت الہی کے اصول کے منافی نہیں فرمایا ظلم تو عام ہی ہے البتہ اس سے شرک مراد ہے اور شرک چاہے جس طرح بھی ہو اس پر قرینہ ”کم یلبسوا“ کے الفاظ ہیں۔ یہ لبس از ضرب ہے اس کا مصدر لبس ہے یعنی اللام اور لبس از سمع کا معنی پہننا ہے اس کا مصدر لبس اللام لبس ہے۔ لبس بمعنی خلط کیلئے وحدۃ محل ضروری ہے جیسے شربت پانی اور چینی الگ ہو شربت نہیں۔ وہ لبس کے ساتھ ہوگا۔

خلط تب ہوگا جب محل ایک ہو۔ ایمان کا محل جب قلب ہے تو ظلم بھی ایسا ہونا چاہیے جس کا محل قلب بن سکے وہ شرک ہے نہ کہ معاصی۔ کیونکہ معاصی کا تعلق جوارح سے ہوتا ہے اس سے صحابہؓ اور آپ ﷺ کے سمجھے ہوئے مفہوم میں موافقت و مطابقت ہو سکتی ہے۔ (دلیل الاری 224)

فائدہ: زل جانا اور چیز ہے مل جانا اور چیز ہے۔ جیسے ایک برتن میں چنے اور گندم ہو تو یہ زل گئے مگر ملے نہیں، البتہ چینی اور پانی شربت کی شکل میں مل گئے۔ یہاں لبس بمعنی خلط مل جانا نہیں۔

نیز لفظ ظلم سے مراد شرک لینے کا بہت بڑا قرینہ یہ ہے رکوع کے شروع میں قل اندعو من دون اللہ ما لا ینفعنا ولا یضرنا ہے پھر واذا قال ابراہیم لابیہ ازر اتخذوا صنما للہنکا واقعہ ہے جو توحید کے اظہار و بیان میں بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اس کے بعد ابراہیمؑ کی قوم ان سے حجت بازی کرتی تھی اس پر ابراہیمؑ کے استفہام اکاری کا ذکر ہے ائحاجوئی فی اللہ وقدھدین، ولا اخاف ماشرکون بہ اس کے بعد ابراہیمؑ کے استغواب کا ذکر ہے وکیف اخاف ما اشرکتکم ولا تخافون انکم اشرکتکم باللہ الخ۔ اس کے بعد بطور حکایت فای الفرقین احق بالامن ان کنتم تعلمون اسی استفہام کے جواب میں الذین امنوا ولم یلبسوا ایمانہم بظلم اولئک لہم الامن وہم معتمدون۔

تمامہ رکوع شرک ہی کے بیان میں ہے یہ واضح قرینہ ہے کہ ظلم سے مراد ”شرک“ ہے۔ (فضل باری 436)

الذین امنوا ولم یلبسوا الخ

انہوں نے ایمان کو ارتکابِ محرمات کے ساتھ نہیں ملایا۔ اگر طاعتِ ایمان میں داخل ہوتی تو ظلمِ ایمان سے علیحدہ چیز ہوتی۔ کیونکہ کسی شیء کی جزو کی حد اس شیء سے علیحدہ ہوتی ہے ورنہ اجتماعِ حدین لازم آئے گا پس اجتناب عن المحرمات کا عطف ایمان پر بے فائدہ ٹکرا رہا ہوگا۔

23 باب عَلَامَةُ الْمُنَافِقِ۔۔۔ منافق کی نشانیوں کا بیان

حَدَّثَنَا سَلِيمَانُ أَبُو الزَّيْبِ قَالَ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ حَدَّثَنَا نَافِعُ بْنُ مَالِكٍ بْنُ أَبِي عَامِرٍ أَبُو سَهْلٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ وَإِذَا أُؤْتِمِنَ خَانَ.

حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ بْنُ عُقْبَةَ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ الْأَعْمَشِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُرَّةَ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

أَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَمَنْ كَانَتْ فِيهِ خِصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خِصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتَّى يَدْعَاهَا وَإِذَا أُؤْتِمِنَ خَانَ وَإِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا عَاهَدَ خَدَرَ وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ فَتَابِعَهُ شُعْبَةُ عَنْ الْأَعْمَشِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا: منافق کی تین علامتیں ہیں: جب وہ وعدہ کرے تو خلاف کرے، بات کرے تو جھوٹ بولے، اس کے پاس امانت رکھی تو خیانت کرے۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا چار باتیں جس میں ہوں گی وہ یکا منافق ہوگا اور جس میں ان چار میں سے کوئی ایک بات ہوگی اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی جب تک اس کو چھوڑ دے: جب امانت رکھی جائے تو خیانت کرے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو دغا کرے اور جھگڑا کرے تو ناحق کی طرف چلا جائے۔ شعبہ نے ان کی آغش سے متابعت کی ہے۔ غرض الباب کی عموماً دو تقاریر کی جاتی ہیں:

۱۔ تقریر اول: یہ بتلانا مقصود ہے ایمان کو معاصی نقصان پہنچاتے ہیں۔ جیسے طامات ایمان کو بڑھاتی ہیں۔

۲۔ یہ مقصود ہے جیسے کفر و ظلم کی انواع ہیں ایسے ہی نفاق کی بھی انواع ہیں۔ اگرچہ نفاق دونوں نفاق کے الفاظ نہیں بولے۔

(۱) عند انوی مقصود ترجمہ یہ ہے معاصی سے ایمان میں کمی آتی ہے جیسے طامات سے ایمان بڑھتا ہے۔ (۲) کفر و ظلم کی طرح نفاق

کے مراتب بھی مختلف ہیں۔ بعض سے دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور بعض سے اوصافِ نفاق آجاتے ہیں۔ (کشف 270/2)

تشریح حدیث

روایت الباب سے ترجمہ الباب واضح ہے۔

آیۃ المنافق: آیۃ مفرد مبتداء اور ثلاث خبر ہے جس میں اتحاد ہے مطابقت نہیں۔ جواب یہ ہے آیت سے مراد جنس ہے۔

نیز ابو عوانہؒ نے علاماتِ المنافق کی روایت اہل کی ہے۔ (کشف 274/2)

فائدہ: دین کا انحصار تین چیزوں پر ہے قول، فعل اور نیت۔ فسادِ قول پر کذب، فسادِ فعل پر خیانت اور فسادِ نیت پر خلاف وعدہ سے متنبہ کر دیا۔ (کشف 275/2)

فائدہ ۲: تین تو نفسِ نفاق کی علامت ہیں اور چوتھی ملکر خلوصِ نفاق کی علامت بن جاتی ہیں۔ (کشف 275/2)

منافق: یہ نافر سے ماخوذ ہے نافر گوہ کے اس سوراخ کو کہتے ہیں جس کو وہ مخفی رکھتی ہے۔ اس کی بل کے دو سوراخ ہوتے ہیں۔ جب کوئی پکڑنے آئے تو دوسرے سوراخ سے نکل جاتی ہے۔ مخفی سوراخ کا نام نافقاء ہے۔ باہر آنے والے سوراخ کا نام قاصعاء ہے۔ منافق چونکہ اپنا عقیدہ چھپا کر رکھتا ہے اس لئے اس کو منافق کہتے ہیں۔ یہ اس کے ماخذ کی تحقیق ہے۔ تاہم اس کا لغوی معنی: مخالفة الباطن للظاهر ہے۔ عام ہے وہ مخالفت قبیح ہو یا حسن۔ البتہ اصطلاح میں یہ مخالفت قبیح کے ساتھ خاص ہوتا ہے۔ وہ اظہارِ الاسلام مع اعتقاد الکفر کا نام ہے۔

نفاق: اسکے دو ماخذ ہیں۔ (۱) نق بمعنی سرنگ سے ماخوذ ہے جیسے آدمی سرنگ میں چھپ کر دوسری طرف سے نکل جاتا ہے اسی طرح منافق بھی ظاہر میں اپنے آپ کو مومن دکھلاتا ہے اور اندر کفر چھپاتا ہے اندر کے راستے سے ایمان سے نکل جاتا ہے۔ (کشف 269/2)

فائدہ: کئی زندگی میں نفاق نہیں تھا مسلمانوں سے کوئی خطرہ نہ تھا۔ مدنی زندگی میں اسلام کی شان و شوکت، رعب و دبدبہ بڑھتا گیا جس کو دیکھ کر منافقین نے یہ طریقہ اختیار کیا۔ (درس بخاری 246)

اقسامِ نفاق اور ان کا حکم

۱: نفاقِ اعتقادی: اعتقادی کفر رکھتے ہوئے اظہارِ اسلام کیا جائے۔

۲: نفاقِ عملی: ایمان کا اعتقاد رکھتے ہوئے ایسے معاصی کا ارتکاب کرے جو منافق کا خاصہ ہیں۔

۳: نفاقِ حالی: ظاہر و باطن کے لحاظ سے حالتوں کا بدل جانا۔

(۱) حکمِ نفاقِ حالی: کمالِ ایمان کے منافی نہیں۔ جیسے نافرِ حنظلہ وغیرہ۔

(حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: (غالباً) تیس بدی صحابہؓ کو ملا ہوں جو اپنے کو منافق گردانتے تھے۔ یہ نفاقِ حالی ہے۔)

(۲) نفاقِ عملی کمال کے منافی ہے۔ اگرچہ ایمان کے منافی نہیں ہے۔

(۳) نفاقِ اعتقادی ایمان کے منافی ہے۔

فائدہ: نفاق کی ایک قسم ”نفاقِ حسن“ بھی ہے جس کا تعلق از دیا و محبت اور حسن و ناز سے ہے۔ جیسے براءؓ کے نزول کے بعد حضرت ام رومانؓ نے سیدہ عائشہؓ سے فرمایا: رسول اللہ ﷺ شکر یہ ادا کرو۔ باوجود از دیا و محبت کے فرمایا: میں صرف اپنے اللہ کا شکر ادا کروں گی۔ حالانکہ ان کے علم میں تھا۔ نزولِ براءؓ آپ ﷺ برکت سے تھا۔

تشریح حدیث

آیت بمعنی نشانی ہے۔ جس سے کوئی چیز پہچانی جائے۔

(۱) اذا حدث کذب:

خلاف واقعہ خبر دینے کو کذب کہتے ہیں۔ کذب صریح حرام ہے۔ تاہم کسی معصوم کی جان بچانے کیلئے کذب صریح جائز بلکہ بعض اوقات واجب ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ جان بچانے کیلئے خنزیر خوردی حلال ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر ایک شخص کسی کے گھر چھپ گیا اور وہ بے گناہ ہے تو اس کو زور یہ یا جھوٹ بولنا دفع شر کی صورت میں جائز ہے۔ اس جالب منفعت کیلئے جائز نہیں۔

کما قال ابو بکر رضی اللہ عنہ۔۔۔ ہو ر جل یهدینی السبیل۔

کما قال شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ: جب انگریز نے انڈیا پر قبضہ کر لیا تو ان کو مجبور کیا گیا کہ گرجا گھر کی تاریخ نکالو اور گرجا کی تعریف کرو۔ انہوں نے تو زور یہ کیا:

اَللّٰہی خائے انگریز گرجا یہ گرجا گھر گرجا

(کما قال شیخ خذیر المرحوم)

ایک نواب کا نام محمد کمال تھا۔ تو اس نے شعراء سے کہا میرے نام کی سچی ہندی کرو۔ مختلف شعراء نے کر سکے۔ حضرت شاہ اسماعیلؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو مدعی عرض کیا۔ حضرتؒ نے فی الہدیہ فرمایا: ہر دم نام محمد کمالے (۲) ذوا وعدا خلف: علامت پائی۔

الفرق بین الوعد والمعاہدة: وعدہ ایک طرف سے ہوتا ہے۔ معاہدہ دونوں طرف سے ہوتا ہے۔ معاہدہ کی خلاف ورزی کو خدر اور وعدہ کی خلاف ورزی کو وعدہ خلافی کہتے ہیں۔ تمام جائز وعدے اور معاہدوں کا پورا کرنا ضروری ہے۔ کما قال تعالیٰ: او فوا بالعهود وغیرہ۔۔۔ لا ین لمن لا عہد لہ۔

خلف وعدہ کی صورتیں

اور ناجائز وعدے جو خلاف شریعت ہوں وہ تو زنا ضروری ہیں۔ ۱۔۔۔ وعدہ کرتے وقت ہی پورا کرنے کی نیت نہ تھی۔ یہ مکروہ تحریمی ہے۔ ۲۔۔۔ وعدہ کرتے وقت ایفائے عہد کی نیت تھی لیکن بلا حذر پورا نہیں کیا۔ یہ بھی گناہ ہے۔ ۳۔۔۔ ایک صورت یہ ہے شرعی طور پر پورا نہ کر سکا۔ اس پر کوئی گناہ نہیں۔ تاہم بہتر یہ ہے قبل از وقت اطلاع کر دے کہ وعدہ پورا نہیں کر سکتا۔

(۳) واذا اتتمن خان:

جب اسے امانت دی جائے تو خیانت کرے۔ خیانت کی دو قسمیں ہیں۔ ۱: خیانت مالی، ۲: خیانت قولی۔ بلا اجازت کسی کا مال استعمال کرنا یا وقف کے مال میں کوتاہی کرنا۔

(۲) کسی کے راز میں خیانت کرنا۔ یا غلط مشورہ دینا۔ جاسوسی کرنا۔ دوسرے کو مغالطہ دینا کہ سو رہا ہوں آپ بات کر لیں۔ وغیرہ ذلک۔

بعض حضرات نے کہا: یہاں پر مراد اعتیاد عادی ہوتا ہے ہمیشہ جھوٹ، خیانت، وعدہ خلافی کرے۔ اذ استمرار و دوام پر دلالت کرتا ہے۔ (درس بخاری 247)

حدیث الباب پر چند سوالات

سوال: اس روایت میں منافق کی تین علامتیں ہیں اور دوسری میں چار بتائی ہیں۔ اور اس میں ایک نئی بھی بتائی ہے۔ بظاہر تعارض ہے۔

جواب ۱: قلیل کثیر کے معنائی نہیں ہے۔

جواب ۲: بیان بخاطمین کے لحاظ سے ہے۔

جواب ۳: از دیا علم کے قبیل سے ہے۔ کیونکہ دین زدنی علماء کی وجہ سے علم میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

جواب ۴: یہ بیان انواع ہے۔ وہ اس طور پر کہ پہلی حدیث میں منافق کی علامات کی تین انواع کا ذکر ہے۔ اور اگلی حدیث میں اس کی ایک جزئی بیان کی ہے۔

نوع ۱: قولی گناہ، اذا حدث کذب میں اسی نوع کی طرف اشارہ ہے۔

۲: نیتی گناہ: اذا وعد اخلف میں گناہ کی اسی نوع کا ذکر ہے۔

۳: تیسری نوع عملی گناہ ہے۔ واذا اتعنم خان کے اندر اسی کا ذکر ہے۔ اور آنے والی حدیث میں واذا اخاصم فجر قولی نوع کے قبیل سے اس کی جزئی ہے۔

فائدہ: غدر فی العہد اور خیانت فی الامانہ ایک ہی چیز ہے لہذا علامات تین ہیں۔ (درس شمارتی 133)

سوال: ان علامات میں سے بہت سی مسلمانوں میں پائی جاتی ہیں تو کیا ان کو بھی منافق شمار کیا جائے گا۔؟

جواب ۱: نفاق عملی مراد ہے۔

جواب ۲: تشبیہ پر محمول ہے کہ منافقین کے مشابہ ہو گیا۔

جواب ۳: یہ احادیث مبارکہ آپ ﷺ کے دور کے ساتھ خاص ہیں۔ اس دور مبارک میں جن میں یہ آیات پائی جاتی تھیں وہ منافق اعتقادی بھی ہوتا تھا۔

جواب ۴: علامات کے پائے جانے سے ذو العلامہ کا پایا جانا کوئی ضروری نہیں۔ جیسے بادل بارش کی علامت ہے لیکن بارش کا پایا جانا ضروری نہیں ہے۔ یہ علامت ہے بعلہ و شرط نہیں۔

جواب ۵: کسی مسلمان میں حرام خصلتیں مجتمعاً نہیں پائی جاتیں۔ اگر ایک آدمی پائی جائے تو یہ کہہ سکتے ہیں ہذہ

خصلة من النفاق۔ لیکن هذا منافق نہیں کہہ سکتے۔ مشتق کا اطلاق کرنے کے لئے قیام مبدا کافی نہیں دوام مبدا اور کثرت ضروری ہے۔ جیسے کسی کو ایک آدھ مسئلہ معلوم ہو جائے اس کو عالم نہیں کہہ سکتے۔ چنانچہ طالب علم کی پہچان بھی یہی ہے دوام سے جسد او و جہا و قلبہ ایک درس ہوتا رہے۔ تب وہ طالب علم سمجھا جائے گا۔

جواب ۶: اس سے مراد ابو ثعلبہ بن حاطب ہے جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کثرت مال کے لئے دعا کرتی تھی۔ لیکن بعد میں زکوٰۃ کا بھی منکر ہو۔ (درس شامی 134)

سوال: حدیث الباب سے بعض لوگوں نے استدلال کیا ہے جب علامات کی وجہ سے ایک آدمی منافق ہو گیا تو وہ اسلام سے خارج ہو گیا تو معتزلہ کا عقیدہ ارتکاب گمیرہ سے خروج عن الایمان ثابت ہو گیا۔ کیونکہ الفاظ کان منافقا خالصاً ہیں۔

جواب: سابقہ جوبلت ہی پہل مرادیں نفاق علی، یا آپ ﷺ کے دور کے ساتھ خاص ہے۔ یا تشبیہ بالنفاقین مراد ہے وغیرہ۔ بہر حال جن چیزوں کو نفاق کی علامت قرار دیا گیا ہے ایک مسلمان کو ان سے احتراز لازم ہے۔

لیکن ان کے وجود سے نفاق کے وجود پر استدلال درست نہیں ہے اسی وجہ سے یہاں حدیث کے الفاظ میں حتیٰ یدعھا فرمایا گیا یعنی صرف ان خرابیوں کو چھوڑ دینا کافی ہے اگر ان علامات کے ارتکاب سے وہ منافق ہو گیا ہوتا تو حتیٰ یدعھا یعنی یجدد ایمانہ ارشاد فرمایا جاتا۔ (فضل الباری 444/1)

24 باب قِيَامُ لَيْلَةِ الْقَدْرِ مِنَ الْإِيمَانِ

لیلہ القدر کا قیام ایمان میں داخل ہے

حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنْ الْأَعْوَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَقُمْ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيْمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لِمَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص کھڑا ہو گیا شب قدر میں ایمان اور ثواب کی نیت کے ساتھ تو اس کے سابقہ گناہ بخش دئے جائیں گے۔

رہب

سوال: اس باب کا ما قبل سے کیا ربط ہے؟

جواب ۱: اصل میں امام بخاری ایمان کا دواجزا ہونا بیان فرما رہے تھے۔ تو درمیان میں ”وَبُضْدَ هَاتَيْنِ الْأَشْيَاءِ“ کے لحاظ سے کفر وغیرہ کے ابواب ذکر فرمادیے۔ اب پھر رجوع الی الاصل ہے۔

جواب ۲: ما قبل میں ایک حدیث میں الایمان بضع وسعون او سبعون شعبۃ کا بیان گذرا۔ اب ایمان کے مختلف شعبوں کا بیان ہے۔ تو یہ باب بھی قائم کیا۔

جواب ۳: پہلے باب افشاء السلام من الایمان گذرا ہے اب باب قیام لیلة القدر من الایمان ہے اس اعتبار سے مناسبت ہے کہ لیلة القدر میں ملائکہ کی طرف سے مومنین کیلئے انشاء سلام ہے۔ سلام ہی حتی مطلع الفجر

جواب ۴: پہلے منافقین کا ذکر ہے جو قیام الی الصلوٰۃ میں کامل ہیں جو علامت نفاق ہے۔ اب علامت ایمان یعنی قیام لیلة القدر کا بیان ہے اور مومنین کی رغبت فی الصلوٰۃ کا ذکر ہے۔ (کشف 292/2)

تشریح حدیث

ایماناً و احتساباً:

ایماناً کی قید احترازی ہے ایمان قیام لیلة القدر کا سبب ہے اور قیام سبب ہے۔ اور احتساباً کی قید بھی ریاکاری سے تحفظ کیلئے احترازی ہے۔ اگر احتساباً پایا جائے لیکن نیت ابتداءً عمل سے درست ہے بشرطیکہ خلاف نیت کوئی عمل نہ پایا گیا ہو تو نفسِ ثواب پھر بھی مل جائے گا تو احتساباً کا احتضار سے زیادتی ثواب مراد ہے۔ کیونکہ احتساباً ایک مستقل عمل ہے جس پر مزید ثواب ملتا ہے۔ آپ ﷺ کا شام مبارک بھی یہاں بھی ہے کہ احتضار فضائل سے عمل کیا جائے۔ نہ یہ کہ عمل کو ایک نئی بینائی پر نئی عادت کی طرح کیا جائے۔

فائدہ: علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: تلاشِ بسیار کے بعد یہ بات ثابت ہو گئی ہے ایمان و احتساب کا لفظ حدیث میں ان اعمال کے ساتھ آتا ہے جہاں بسا اوقات مشقت کی وجہ سے آدمی ہمت ہار بیٹھتا ہے جب ان الفاظ کا احتضار ہو تو ان مشقتوں کو برداشت کرنا آسان ہوگا۔ (درس شامی 136)

سوال: حدیث سے معلوم ہوا ”ایماناً“ پایا جائے تو اعمال کا ثواب ہے لہذا کافر کو ثواب نہیں ملے گا۔ یہ قرین انصاف نہیں ہے۔ کہ عمل کرے اور بدلہ نہ دیا جائے۔

جواب ۱: آخرت میں تخفیفِ عذاب ہوگی۔

جواب ۲: بعض اوقات اعمال ٹھیک ہوتے ہیں مگر کوئی آئینی و قانونی جرم اتنا بڑا ہوتا ہے اس کی سزا بڑھ جاتی ہے جیسے کفر۔

جواب ۳: ثواب اس عمل کا ملتا ہے جو وہ فی اللہ ہوا اگر اخلاص نہ ہو تو مسلمان کو بھی اجر نہیں بلکہ سزا ملتی ہے۔ کافر نے اللہ کی نیت ہی نہیں کی ہوئی تو خدا سے اجر کا سوال ہی غلط ہے۔

من یقم لیلة القدر:

قیام کی دو تفسیریں ہیں۔ ۱: قیام فی الصلوٰۃ۔ ۲: قیام بمقابلہ نوم مقصود احیائے لیل ہو خواہ بصورت تلاوت، و ذکر اللہ وغیرہ۔ تو قیام ملطا عتراً ہے۔ من یقم لیلة القدر

یہاں مضارع کا صیغہ ہے اور آگے من قام رمضان، من صام رمضان ماضی کا صیغہ آئے گا۔ وجہ فرق یہ ہے کہ لیلة القدر کا پانا تفسیری نہیں اس کے مناسب مضارع ہے اور قیام مضارع کا پانا تفسیری ہے اس لئے کہ لئے مناسب ہے ماضی کا صیغہ ہو۔ (لعل لہذا 230)

لیلہ القدر سے کیا مراد ہے؟

پیدائش رمضان شریف کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کی جائے۔

اس کا ترجمہ ”قدر کی رات“ ہے۔

۱: بمعنی تقدیر، حیات و موت، رزق کی کمی بیشی اور سال بھر کے امور مفوضہ منتظمین فرشتوں کو سونپ دیے جاتے ہیں۔

۲: بسبب نزول قرآن کریم شب عظمت ہے لہذا اس میں کی گئی عبادت کی بہت عظمت ہے یا عابدین کی بہت عظمت ہے۔

۳: دیگر راتوں کے مقابلہ میں عبادت شب قدر کی زیادہ فضیلت ہے۔ (نصاری 292/1)

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں: شب قدر دو ہیں۔ ایک وہ رات جس میں احکام خداوندی نازل ہوتے ہیں اسی رات قرآن شریف لوح محفوظ سے اترتا ہے۔ یہ رات رمضان کے ساتھ مخصوص نہیں۔ تمام سال میں داتا ہے۔ لیکن جس سال قرآن نازل ہوا اس سال یہ لیلہ القدر رمضان مبارک میں تھی۔ دوسری شب قدر وہ ہے جس میں روحانیت کا ایک خاص انتشار ہوتا ہے ملائکہ بکثرت زمین پر اترتے ہیں دعائیں اور عبادتیں قبول ہوتی ہیں یہ رمضان ہی میں ہوتی ہے اور آخری عشرہ میں ہوتی ہے اور بدلتی رہتی ہے۔ (درس بخاری 191)

لیلہ القدر میں باری تعالیٰ کی پوری توجہ بندوں کی طرف ہوتی ہے اسی طرح اور تمام عالم ارواح انسانوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ (درس بخاری 290)

غفر لعمادہ من ذنبہ: ذنب کا اطلاق چونکہ صغیرہ پر بھی ہوتا ہے یہاں صغیرہ ہی کی معافی مراد ہے۔ گناہ صغیرہ کی معافی کے تین طریقے ہیں۔ ۱: سچی توبہ، ۲: اعمال صالحہ، ۳: مشیت و فضل ایزدی۔

اشکل: پہلا اس لیے مواقع ہوتے ہیں جن سے معاف و معاف ہوتے رہتے ہیں مثلاً الصلوٰۃ، یمن، الجمعین، ای طرح دیگر حسنات کذریعہ جب اوقات کے لحاظ سے اتنا غفور و مغفرت ہے کہ گناہوں کو لیلہ القدر میں گناہوں کی معافی کا کیا مطلب؟
جواب: یعنی ”ان کان فی ذمہ ذنب“ یعنی بایں ہمہ اگر کچھ باقی ہو تو وہ بھی معاف ہو جائے گا۔ اگر ذمہ میں کوئی صغیرہ نہیں تو پھر کہاں میں تخفیف ہوگی۔ اور اگر دونوں نہیں تو پھر ترقی درجات ہوگی۔ یہیں سے حضرات انبیاء علیہم السلام کیلئے جو لفظ مغفرت استعمال ہوا ہے اس کا مطلب بھی واضح ہو جاتا ہے۔

صغیرہ و گبیرہ کی تعریف

جس پر وعید حد اور تعزیر ہو وہ گبیرہ ہے ورنہ صغیرہ بشرطیکہ اصرار نہ ہو۔ تاہم حضرت شیخ الہند فرماتے ہیں: مقاصد گناہ گبیرہ ہیں ذرائع گناہ صغیرہ ہیں۔ اگر وہ مقاصد تک پہنچ گیا تو گبیرہ اس کے ذمہ ہو گیا۔ گبیرہ کی معافی کی وجہ سے ذرائع بھی معاف ہو جائیں گے۔ اگر مقصد تک نہ پہنچا تو صغیرہ اعمال صالحہ سے معاف ہو جائیں گے۔ (ذیل 231)

تاہم مہرِ خسرانہ اور شاہی احکامات کی اور بات ہے کہ وہ قیام لیلہ القدر کی برکت سے کبائر بھی معاف کر دیں تو پوچھنے والا کون ہے؟ (کشفہ 298/2)

فائدہ: ایماناً و احتساباً کی قید پر ہر جگہ بھی تشریح و تفسیر اور تقریر ملحوظ رہے۔

اس میں یہ نکتہ پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ آدمی عبادت کا آغاز بتقاضائے ایمان کرتا ہے رفتہ رفتہ باعثِ اصلی (طلبِ ثواب) سے غفلت ہو جاتی ہے اس لئے احتساب کے اختصار سے عبادت کی نورانیت اور آثار و برکات میں اضافہ ہوگا۔ اگرچہ فریضہ اس کے بغیر بھی ادا ہو جائے گا۔ (انعام الباری 487)

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: ایماناً و احتساباً عبادت کرنے والے کو دو اجر ملتے ہیں۔ (نصر الباری 291/1)

فائدہ ۲: سوال: جو ائمہ اعمال کی جزئیت ایمان کے قائل ہیں ان میں یہ بحث ہے آیا نوافل بھی ایمان کا جز ہیں یا نہیں؟۔ جواب: امام بخاریؒ نے قیام لیلہ القدر من الایمان کا باب قائم کر کے فیصلہ دیا نوافل بھی جزو ایمان ہیں۔

25 باب الْجِهَادُ مِنَ الْإِيمَانِ۔۔۔ جہاد ایمان میں داخل ہے

حَدَّثَنَا حَزْمَةُ بْنُ حَفْصٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ قَالَ حَدَّثَنَا عُمَارَةُ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو زُرْعَةَ بْنُ عَمْرِو بْنِ جَرِيرٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

الْعَدَبُ اللَّهُ لِمَنْ خَرَجَ فِي سَبِيلِهِ لَا يَخْرُجُ إِلَّا بِإِيمَانٍ بِهِ وَتَصَدِيقٍ بِهِ سَلَى أَنْ أَرْجِعَهُ بِمَانٍ مِنْ آخِرٍ أَوْ غَنِيمَةٍ أَوْ أُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ وَلَوْ لَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي مَا قَعَدْتُ خَلْفَ سَرِيَّةٍ وَلَوْ دِدْتُ أَنِّي أَقْتُلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ أَخِيَانَتُمْ أَقْتُلُ ثُمَّ أَخِيَانَتُمْ أَقْتُلُ۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اللہ کی راہ میں (جہاد) کے لئے نکلے اللہ اس کا ضامن ہو گیا۔ اللہ فرماتے ہیں ہمیں نکالا اس کو اگر میری ذات پر یقین اور میرے پیغمبروں کی تصدیق نے (میں اس بات کا ضامن ہوں کہ) یا تو اس کو واپس کر دوں ثواب اور غنیمت کے ساتھ یا شہید ہونے کے بعد جنت میں داخل کر دوں۔ (رسول اللہ نے فرمایا) اور اگر میں اپنی امت پر (اس کام کو) دشوار نہ سمجھتا تو لشکر کا ساتھ نہ چھوڑتا۔ میری خواہش ہے کہ اللہ کی راہ میں مارا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر مارا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر مارا جاؤں۔

غرض ترجمۃ الباب:

... سوال: باب قیام لیلہ القدر من الایمان۔۔۔ اور باب نطوع قیام رمضان من الایمان کے درمیان باب

الجہاد بظاہر لے کر بطور آتا ہے۔

جواب: قیام لیل بلحاظ جہاد نہیں ہوتا۔ اور مجاہدہ بذاتِ خود ایمان کا حصہ ہے۔ اس لئے درمیان میں باب الجہاد لائے ہیں۔

ممکن ہے امام بخاریؒ نے قیام لیلہ القدر صوم رمضان اور قیام رمضان کے ابواب کے درمیان ”جہاد“ کا باب قائم کر کے جہاد رمضان کے زیادہ موجب اجر ہونے کو بتلانا چاہتے ہوں۔ (کشف 301/2)

غرض ۲: الجہاد من الایمان سے ترکیب ایمان ثابت ہوگئی۔ اور فرق باطلہ کا رد ہو گیا۔ جہاد کی دو قسمیں ہیں۔ جہاد مع النفس۔ جہاد مع الکفار

دوسرے میں مشقت زیادہ ہے اس لئے اس کو لیلہ القدر پر مقدم کرنا چاہیے تھا؟

جواب: جہاد مع النفس کا رد جب بلند ہے وہ ہمہ وقت ہے جبکہ جہاد مع الکفار وقتی۔ جہاد مع النفس میں لذت نہیں جہاد مع النفس موقوف علیہ ہے تاکہ وساوس نفسانی یا غنیمت و لوٹ لٹی کا حصول نیت کو خراب نہ کرے۔ اس لئے جہاد مع النفس کو مقدم کیا۔ (نصابی 293/1)

تشریح حدیث

انتدب اللہ عز و جل: اس کا اصل معنی یہ ہے جب کوئی کسی کو پکارے اور اس پکار کا جو جواب ہے اس پر انتدب کا لفظ بولا جاتا ہے۔ حاصل یہ کہ جو شخص فی سبیل اللہ جہاد کا ارادہ کرتا ہے گویا زبان حال سے اللہ کو مدد اور ثواب کیلئے پکارتا ہے۔ انتدب: بمعنی تکفل بخاری کا دوسرا طریق ہے نیز مسلم شریف میں تضمن کا لفظ ہے۔ نیز انتدب میں مطاعہ کی خاصیت ہے۔ انتدب اللہ کے معنی ہوں گے: اجاب اللہ الی غفرانہ۔ (کشف 305/2)

لا یخرجه الا ایمان بی او تصدیق بز سلی:

سوال: ’او‘ احد الامرین کیلئے ہے۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے ان دو امرین میں سے ایک بھی اللہ تعالیٰ کی ضمانت و انتداب کیلئے کافی ہے۔ حالانکہ یہ باطل ہے۔

جواب ۲: شک راوی ہے۔ دونوں میں سے کسی کا ذکر ہے۔ جبکہ یہ دونوں متلازمین ہیں۔ ایک کے عدم ذکر سے دوسرے کی نفی نہیں ہوتی۔

جواب ۳: او تسویہ کیلئے ہے۔ جیسا کہ جالس الحسن او ابن سیرین۔

جواب ۴: او مانعة الخلو کیلئے ہے۔

اشکال بصورت مانعة الجمع ہے ”او“ کو تھلیک کیلئے بنایا جائے تو اشکال ہے۔ ورنہ نہیں۔

من اجر او غنیمۃ:

سوال: بظاہر معلوم ہوتا ہے دونوں نہیں ملیں گے۔ بلکہ ایک چیز ملے گی کیونکہ اگر دیدیے لائے ہیں۔

جواب ۱: او بمعنی واد جمع ہے۔ اور اس کا قرینہ یہ ہے بعض نسخوں میں لفظ ”و“ ہی ہے۔ نیز مسلم شریف میں اجر و غنیمت

بھی ہے۔ (کشف 308/2)

جواب ۱: یہاں کلام محذوف ہے۔ من اجر او اجر و غنیمۃ۔ لہذا دونوں جمع ہو گئے۔
جواب ۲: او مانعة الخلو کیلئے ہے۔ ایسا نہیں کہ نہ اجر نہ غنیمت۔ ایک یا دونوں مل سکتے ہیں۔
جواب ۳: حضرات علماء کرام نے مجاہد کی چار اقسام بنائی ہیں۔

مجاہد کی اقسام

مجاہد ابتداء و دو حال سے خالی نہیں۔ مخلص ہوگا یا غیر مخلص۔ پھر انتہاء و دو حال سے خالی نہیں۔ فاتح ہوگا یا غیر فاتح۔... جو مخلص اور فاتح ہوگا۔ اس کو اجرا و رغبت دونوں ملیں گے۔

۲...مخلص غیر فاتح کو صرف اجر ملے گا۔

۳۔۔ بغیر مخلص فاتح کو غنیمت ملے گی اجر نہیں ملے گا۔

۴۔۔ غیر مخلص غیر فاتح کو نہ اجر نہ غنیمت۔ حدیث الباب میں دو اقسام کا بیان ہے،

۱: فاتح غیر مخلص، ۲: مخلص غیر فاتح۔ تو پہلے کو غنیمت ملے گی اور دوسرے کو صرف اجر ملے گا۔

او ادخله الجنة۔ یہ مطلب ہے بلا حساب جنت میں داخل کریں گے۔ یہاں میرے ہی جنت میں داخل کریں گے۔

لولا ان اشق على امتی:

سوال: آپ ﷺ کو ہر سریرہ میں تشریف لے جاتے تو امت پر کیا مشقت تھی۔؟

جواب: امت سے مراد امراء و خلفاء ہیں۔ اگر ہر جہاد میں ان کا جانا ضروری ہوتا تو نظم کے حوالہ سے ان کیلئے مشقت ہوتی۔

مشقت کا سبب

اگر آپ **جہاد** کے معاملہ میں ”مواظہ من غیر ترک“ ثابت ہو تو وہ وجوب پر دال ہوگی۔ اس کے پیش نظر جہاد ہر شخص پر فرض ہو گا ظاہر ہے اس میں مشقت ہے۔ (انعام الباری 489/1)

جواب ۲: امت سے مراد مجاہدین ہیں۔ اس لئے کہ آپ ﷺ نے تو پھر سارے صحابہؓ نکلے تو سواری اور اسباب نہ ملے۔ تو مشقت ہوتی۔

جواب ۳: امت سے مراعات خواہ امت ہیں۔ اگر آپ ﷺ جلتے تو وہ روتے۔ آپ ﷺ کلنان کے لئے اسوۂ حسنہ ہے۔
 لوددت ان اقتل فی سبیل اللہ ثم احيی الخ:

لوددت میں لام جواب ہے قسم محذوف کا یعنی واللہ لوددت

سوال: آپ ﷺ نے بار بار تمنا کی باوجود قدرتِ کاملہ کے اللہ تعالیٰ نے پوری نہیں فرمائی۔

جواب: دو چیزیں ہیں جو آپ پر اللہ تعالیٰ کی تمنا پوری ہونے سے مانع تھیں۔

(۱) آپ ﷺ شانِ رحمتہ للعالمین۔ اس لئے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: سب سے سخت ترین عذاب اس شخص کو ہوگا جو کسی نبی کو قتل کرے اور جو سب سے بڑے نبی کو قتل کرے گا اس کے عذاب کا کیا ٹھکان ہوگا۔ تو یہ آپ ﷺ شانِ رحمت کے خلاف تھا۔
(۲) آپ ﷺ عظمت مانع تھی۔ کہ آپ کسی کافر کے ہاتھوں واصل بحق ہوں۔

جواب ۳: آپ ﷺ یہ تمنا نواہی کی شہادت سے بالواسطہ طور پر پوری ہوئی۔ اس لئے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا آدھا جسم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا آدھا جسم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھا۔

جواب ۴: تیسرا جواب یہ ہے آپ ﷺ زہر کے اثر سے واصل بحق ہوئے۔ پھر آپ ﷺ شہید ہوئے۔
جواب ۵: یہ تمنا شہادت بھی شہادت ہے۔ چنانچہ ابوداؤد میں ہے بہت سے لوگ سترہ رجاں دیتے ہیں مگر عند اللہ

شہید ہوتے ہیں۔

جواب ۶: صحیح تر جواب یہ ہے کہ امت کو جہاد پر ابھارنا مقصود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم باوجود نبوت کے شہادۃ کی تمنا کرتے ہیں تو یہ بڑی فضیلت کی چیز ہے۔ (درس شامی ۱۴۰)

سوال: نبی کا مقام تو شہید سے اعلیٰ ہوتا ہے تو مقام نبوت پر فائز ہونے کے باوجود شہادت کی تمنا کی کیا ضرورت تھی۔
جواب: یہ فضول سوال ہے۔ مقام نبوت پر فائز ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ نبوت سے کتر فضائل کی نہ تمنا کرے نہ زیرِ عمل لائے۔ قیام لیل وغیرہ بھی نہ کرے۔

جہاد بھی نہ کرے۔ اس لئے کہ یہ صالحین کا مقام ہے۔ جو شہید سے بھی کتر ہوتا ہے۔ افلا کون عبد اشکور اے یہ نکلتا ہے نبی تمام تر فضائل کے جامع ہوتے ہیں۔ نہ یہ کہ مقام نبوت کی وجہ سے تارک ہو جائیں۔ نیز بعض دفعہ ادائی چیزوں میں کچھ ایسی لذت ہوتی ہے جو اعلیٰ و افضل میں نہیں ہوتی۔ (ذیل ۲۳۴)

اگر شہادت ہی کا مرتبہ حاصل کرنا مقصود ہو تو ایک مرتبہ شہید ہو جانا کافی تھا، تمنا شہادت کے تکرار سے حصول لذت شہادت کا تکرار ہے۔ (کشف ۳۱۳/۲)

س: تمنا شہادت نبوی ﷺ اشکال ہے بار بار زندگی کی تمنا نہ پوری ہونے والی تمنا ہے۔
جواب: یہ یہ اسلوب تمنا شرف جہاد کیلئے ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ہر رجاں بھی مل جائیں تو قربان کر دیں گے۔ (فضل ۴۵۲/۱)
ولو ددت سے شہادت کے باب میں اپنے جذبہ کا اظہار ہے جس سے جہاد کی فضیلت بتانا ہے ورنہ غنیمت کی زندگی دوسروں کی شہادت سے بدرجہا بہتر ہے۔ (درس غاری ۲۵۱)

26 باب تَطَوُّعُ قِيَامِ رَمَضَانَ مِنَ الْإِيمَانِ

رمضان میں راتوں کو نفل نماز پڑھنا ایمان میں داخل ہے۔

حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ حَمِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ نے فرمایا: جو شخص کھڑا ہو گیا رمضان میں ایمان اور ثواب کی نیت کے ساتھ اس کے سابقہ سب گناہ بخش دیے جائیں گے۔

تشریح حدیث۔۔۔ غرض ترجمۃ الباب:

ترجمہ میں دو باتوں کی طرف اشارہ ہے۔ ۱: لیلۃ القدر کا قیام واجب نہیں، نفل ہے۔ ۲: قیام لیلۃ القدر جو نفل ہے یہ بھی ایمان کے اجزاء میں سے ہے۔

مذکورہ بالا اعمال اپنے خاصہ کے اعتبار سے سابقہ تمام گناہوں کی مغفرت کے متقاضی ہیں بشرطیکہ مانع مغفرت کوئی نہ ہو۔ اگر گناہ نہ ہوں پھر رفع درجات ہوں گے۔ اعمال کے خواص کو یوں سمجھئے:

ایک مرض کے ازالہ کیلئے متعدد مفردات جمع کئے جاتے ہیں۔ تو ان کا اپنا مزاج نہیں رہتا بلکہ جزو اعظم کے تابع ہو جاتا ہے۔ اسی طرح انسان کے اعمال کوئی جزا کی طرف اور کوئی سزا کی طرف لے جانے والے ہیں پوری زندگی یہ مرکب تیار ہوتا رہتا ہے موت کے وقت آخری مزاج قائم ہو جاتا ہے۔ معاصی غالب ہوئے تو جہنم کا مزاج عبادات و طاعات غالب ہوئے تو جنت کا مزاج بنتا ہے۔ اعمال زندگی کا نتیجہ ان کے جزو غالب کے تابع ہوگا۔ (فضل الباری 454/1)

قیام سے مراد یہاں تراویح ہیں۔ اور دو تفسیریں قیام کی پہلے بھی گزر چکی ہیں۔

۱: قیام الی الصلوٰۃ، یا پھر قیام من النوم یعنی مطلق طاعت سے کچھ نہ کچھ کرے۔

فائدہ: شبہائے قیام میں عبادات مخصوصہ مسنونہ کو اپنایا جائے۔ سب سے افضل لمبی نماز ہے۔ جلسہ و بیانات؛ یہ محض درجہ علم کی چیزیں ہیں۔ کسی درجہ میں ضروری ہو تو بہت ہی اختصار کے ساتھ ہو۔ ورنہ چپکے چپکے اپنے گناہوں پر تادم ہو کر اللہ تعالیٰ کے سامنے دھوئے۔

معتزل کی ایک جماعت نوافل و مندوبات کو داخل ایمان نہیں مانتی۔ امام بخاریؒ تردید فرما رہے ہیں: طاعات مفروضہ

و مندوبہ سب داخل ایمان ہیں۔ (کشف 1 ص 315)

27 باب صَوْمُ رَمَضَانَ اخْتِسَابًا مِنَ الْإِيمَانِ

رمضان کے روزے رکھنا ثواب کی نیت سے ایمان میں داخل ہے

حَدَّثَنَا ابْنُ سَلَامٍ قَالَ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فَضْلٍ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيْمَانًا وَ اخْتِسَابًا غُفِرَ لِمَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں: سرور کائنات ﷺ نے فرمایا جو کوئی رمضان کا روزہ رکھے ایمان اور ثواب کی وجہ سے تو اس کے اگلے گناہ معاف کر دئے جائیں گے۔

تشریح حدیث: ای ہذا باب، ہذا مبتدا محذوف، باب خبر، صوم رمضان مرکب اضافی مبتدا ہے۔ اور احتسابا بمعنی مستباح مفعول لہ یا تمیز ہے۔ اور من الایمان خبر۔ اس باب میں آپ ﷺ نے صیام و قیام کو ذریعہ مغفرت فرمایا۔ اور حضرت امام بخاریؒ نے ان کو داخل ایمان قرار دیا۔ جو ترکیب ایمان کا باعث بنا۔

گذشتہ ابواب قیام لیلہ القدر اور تطوع قیام رمضان میں ”احتساباً“ کی قید نہیں ہے جیسا کہ صوم رمضان کے ساتھ ترجمہ الباب میں ”احتساباً“ کی قید ہے۔ حالانکہ تینوں احادیث میں ”احتساباً“ کی قید ہے۔

جواب: قیام لیلہ القدر اور تطوع قیام رمضان کی نیت خود مذکور ہے جب آدمی نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو یاد آجاتا ہے کہ ثواب کے لئے کھڑا ہوا ہوں۔ جبکہ صوم میں تو مفطرات ثلاثہ کا ترک ہے جو مذکور نہیں۔ کیونکہ ترک مفطرات کبھی اور وجوہ کی بنا پر ہو سکتا ہے جیسے بیوی سے ناراضگی کے سبب نہ کھانا وغیرہ۔ (در شامی 142)

اشکال: صوم رمضان فرض ہے اور قیام یعنی تراویح سنت ہے تو صوم رمضان کو قیام رمضان پر مقدم کرنا چاہیے تھا یہاں بالعکس ہے۔

ج ۱: شہود شہر کے بعد اہل عمل تراویح ہے اس لئے قیام رمضان کا باب پہلے لائے۔

ج ۲: قیام رمضان صوم رمضان کی تمہید ہے اور تمہید اصل مقصود سے مقدم ہوتی ہے۔

فائدہ: امام بخاریؒ اشارہ فرماتے ہیں کہ فریضہ میں سنت کے راستہ سے داخلہ مقبولیت کا راستہ ہے۔

(نصر الباری 297 ج 1) نیز صیام ترک میں سے ہے اور قیام افعال میں سے ہے۔ تو قیام کو صیام پر مقدم کیا نیز قیام لیل میں ہے اور صیام دن میں ہے تو لیل کو نہار پر مقدم ہے تو عبادت میں لیل کو بھی تقدم ہوگا۔ (شف 300/2)



28 باب الدین یُسز

وَقَوْلُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَبُّ الدِّينِ إِلَى اللَّهِ الْحَبِيبَةُ السَّمْحَةُ
 حَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ مُطَهَّرٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ عَنْ مَعْنِ بْنِ مُحَمَّدٍ الْفَخَّارِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي
 سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الدِّينَ يُسْزَوُ لَنْ يُشَادَّ الدِّينَ أَحَدًا إِلَّا
 غَلَبَهُ فَسَدِّدُوا أَوْ قَارِبُوا أَوْ أَبْشِرُوا أَوْ اسْتَعِينُوا بِالْغَدْوَةِ وَالزُّرْحَةِ وَفِي الدَّلْجَةِ.

ترجمہ:- اس بات کا بیان دین آسان ہے

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ کو سب سے پسندیدہ دین وہ ہے جو سیدھا آسان ہو۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے آپ ﷺ نے فرمایا: دین یقیناً آسان ہے جو شخص دین پر تشدد اختیار کرتا ہے دین اس پر غالب آجاتا ہے لہذا تم درمیانی چال چلو اور اس کے قریب قریب رہو۔ بشارت حاصل کرو اور صبح شام اور کچھ رات کی تاریکی میں (اعانت خدا) طلب کرو۔

تعلیق

احب الدین الى الله السمحة البيضاء۔ اس حدیث کو تعلیقاً لائے ہیں۔ یاد رہے کہ تعلیقات بخاری دو قسم پر ہیں۔
 (۱) حدیث کو ایک جگہ تو تعلیقاً لائے ہیں۔ لیکن اسی کتاب میں دوسرے مقام پر موصولاً بھی لائے ہیں۔ (۲) دوسری کہ اس حدیث کو بخاری میں تعلیقاً لائے ہیں پھر بخاری میں نہیں کسی اور کتاب میں موصول ذکر کرتے ہیں یہ حدیث دوسری قسم سے ہے۔ امام بخاریؒ نے الادب المفرد اور امام احمدؒ نے مسند میں موصولاً ذکر فرمایا ہے۔ (درس شامی 123)
 ۱: یُسز کا حمل دین پر مبالغہ ہے ذیذعدن کی طرح۔ ۲: یُسز بمعنی ذویسر ہے۔

ربط وغرض ترجمہ:

سوال: دین کا آسان ہونا نہ تو جزو ایمان ہے نہ مکملات ایمان میں سے ہے۔ لہذا اس باب کو کتاب الایمان کے آخر میں ذکر کرنا بہتر معلوم ہوتا ہے۔

جواب: اس باب کو کتاب الایمان سے متعدد طریقے سے ربط ہے۔

(۱) جب ایمان کے درجات ذکر کیے تھے اور اس کی کمی بیشی کا ذکر کیا تھا۔ تو یہاں بھی اسی کے دو درجے بتلائے ہیں۔ ایک درجہ یسر، ۲: ایک درجہ عسر۔ (۲) قرآن کریم میں صیام رمضان کے ذکر میں یوید الله بکم الیسر کا ارشاد مبارک بھی ہے۔ تو امام بخاریؒ نے باب صوم رمضان کے ساتھ یسر کا باب قائم فرمادیا۔

ربط ۳: معتزلہ و خوارج کا رد ہے۔ وہ ہر بات پر کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں۔ تو ان کا رد کر دیا دین میں اتنی تنگی نہیں کہ تارک عمل کو کفار قرار دیا جائے بلکہ یسر ہے۔

ربط ۴: پہلے ابواب قیام اللیلہ، القدر، جہاد اور صیام رمضان میں مجاہدہ کا ذکر تھا۔ اس باب سے حدود مجاہدہ بتلائی ہیں کہ وہ اپنی بساط و ہمت کے مطابق ہوز یا وہ نہ کرے۔ دین میں آسانی کے پہلو کو بھی ملحوظ رکھیں۔

تشریح حدیث

الحنيفية: حنیف وہ دین جو تمام باطل دینوں سے ہٹ کر حق کی طرف مائل ہو۔ ۲: یا حمام ماسوی اللہ سے ہٹ کر مائل بخدا ہو۔ یہ حضرت ابراہیم کا لقب ہے۔

حنیف کا لفظ صابی کے مقابلہ میں ہے۔ حنیف معترف نبوت اور صابی منکر نبوت کو کہتے ہیں۔ حضرت ابراہیم کی بعثت صابین کی طرف تھی۔ وہ اعمال کے ذریعہ تسخیر نجوم کا عقیدہ رکھتے تھے۔ انکو معبود مانتے تھے تو صفت حنیفیت میں حضرت ابراہیم اصل ہوئے۔ (نور الباری 1/299)

السمحة: بمعنی آسانی۔ شریعت موسوی میں سختی زیادہ تھی۔ اگرچہ اس کا منشا اپنی اسرائیل کا مزاج تھا تاہم شریعت عیسوی میں آسانی زیادہ تھی۔ جبکہ ان دونوں حدود کے درمیان احتمال پر مبنی شریعت برائی ہے۔ اس کی تعبیر السمحة سے کی گئی۔

الدین یسر:

سوال: الدین یسر کا دیگر نصوص سے تعارض معلوم ہوتا ہے کما قال ﷺ حفت الجنة بالمكاره، ظاہر ہے اس سے اعمال دین مراد ہیں۔ گو وہ خلاف نفس و طبیعت ہوں۔ یا کما قال اللہ تعالیٰ: الم احسب الناس ان یقرؤوا ان ینقولوا امانا و ہم لا یفتنون، اس سے آزمائش کی سخت گھائیاں نظر آتی معلوم ہوتی ہیں۔ تو دین آسان کہاں رہا۔؟

جواب: آسانی کا معنی قوت بشریہ سے خارج نہ ہونا یا اس عمل میں حرج شدید نہ ہونا ہے۔ جہاں حرج شدید ہوا؛ شریعت نے سہولت پیدا فرمادی۔ مثلاً قیام فرض تھا۔ عدم قدرت میں جلسہ کی اجازت فرمادی۔ حالت اکراہ میں کلمہ کفر کی اجازت یا میہ کھانے کی اجازت وغیرہ۔

نیز یسر اضافی چیز ہے۔ ایک کام دوسرے کام کی نسبت آسان ہوتا ہے۔ لیکن دوسرے کے لحاظ سے مشکل ہوتا ہے۔ جیسے نماز آسان ہے، حج مشکل ہے تاہم یسر کے معنی کا تعین بھی شریعت کرتی ہے۔ یہ کسی کو حق حاصل نہیں وہ اپنی دماغی اختراع سے جس کو یسر سمجھے قابل عمل بنالے۔ جیسے بعض لحدین ہر حرام کو حلال کرنے کے درپے ہیں۔ کہ دین آسان ہے، اسی تناظر میں یہ بھی سمجھ لیا جائے بعض اوقات ماحول، روان اور رسوم عمل کو مشکل بنا دیتی ہیں۔ جبکہ فی نفسہ وہ عمل بہت آسان ہوتا ہے۔

عزیمت و رخصت کے مواقع جدا ہیں جس طرح ہر موقع پر رخصت کا متلاشی رہنا بے دینی ہے۔ اسی طرح ہر موقع پر حمنائے عزیمت بھی تجاوز عن الحد ہے۔ صرف رخصت کی تلاش رہے تو بے عملی کے اس رجحان سے دین کی عظمت ہی مفقود ہو جائے گی اور دین خواہشات کا مجموعہ بن جائے گا اور ہر موقع پر صرف عزیمت کا رجحان یہ دین کے ساتھ ایک ایسی زور آزمائی ہے جس میں شکست اپنی ہی ہوگی۔ (فضل الباری 462/1)

مغایب اللہ ایک سلسلہ عبادات ہے اور ایک سلسلہ انعامات ہے۔ عبادات بہت کم ہیں۔ اور انعامات لامحدود ہیں۔ اس تناظر میں سر دین بالکل واضح ہے۔ (فضل باری ج 1 ص 459)

وَلَنْ يُشَادَّ الدِّينَ الْاِغْلِبَهُ:

شافقہ شاد از مقابلہ ہے۔ جس کا معنی باہم مقابلہ کرنے کے ہیں۔ جیسے کشتی میں ہوتا ہے ہر ایک دوسرے کو گرانے کی کوشش کرے۔ اب مطلب یہ ہوگا جو شخص دین سے کشتی لڑنے کی کوشش کرے گا تو دین ہی اس پر غالب آئے گا۔ وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکے گا۔

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں: شریعت نے تقلیل عبادت کا حکم نکش کر دیا ہے۔ یعنی جو قلیل کرے پابندی سے کرے وہ بہت ہو جائے گا۔ ایک دم بہت سے کیا پھر نباہ نہ ہو سکنے سے بالکل چھوڑ دے گا۔ نیز یسر یعنی سہولت و آسانی ادا یاں کے لحاظ سے ہے۔ (فضل باری 459 ص 301)

حدیث کے دو صحیح مطلب ہیں: ۱۔ اللہ تعالیٰ نے جو حکم بھی نازل کیا ہے بندوں کے احوال کا لحاظ رکھا ہے۔ ۲۔ بندے انہی احکام کے مکلف بنائے گئے ہیں جن پر وہ سہولت عمل کر سکتے ہیں۔ (صحیح ج 1 ص 260)

مراد حدیث: اس سے مراد ظو فی الدین ہے۔ جس کو فرمایا گیا: لَا تَغْلُوا فِی دِیْنِکُمْ۔

غلو فی الدین کی مختلف صورتیں ہیں۔

(۱) ایک صورت یہ ہے رات کی عبادت کی فضیلت سن کر رات بھر عبادت نفل میں لگا رہے اور دن کو امور زمینی میں کوتاہی کرے یا اپنے نفس و زوجہ کا حق ادا نہ کرے۔ اس کی اجازت نہیں یہ غلو ہے۔

(۲) ہمیشہ عزیمت پر عمل کرے۔ کبھی بھی رخصت پر عمل ہی نہ کرے۔ جبکہ لگاؤ خداوندی میں رخصت پر عمل بھی مطلوب ہے۔ کما قال ﷺ: اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ اَنْ تُؤْتٰی رِزْخَصَهٗ کَمَا یُحِبُّ اَنْ تُؤْتٰی عِزَّ الْعَمَلِ۔

بہر حال یہ طریق کار نہ صرف اللہ کے سامنے بہادری دکھانا ہے بلکہ عہدیت و بندگی کے بھی خلاف ہے۔ تطبیق یوں دے اے صحت و قوت میں عزیمت اور حالتِ حذر میں رخصت پر عمل کرے۔

(۳) شبہات سے بچنا اگرچہ تقویٰ کا حصہ ہے۔ تاہم شبہ کی حقیقت یہ ہے جہاں دونوں جانب مساوی ہوں (یقین و عدم یقین) اور اگر مساوی سے بچنے کو تقویٰ سمجھ لیا، پھر ساری زندگی پریشانی ہی رہے گی۔ جبکہ دوسرا درجہ غالب گمان کے مقابلہ میں ہے۔ مثلاً غالب گمان یہ ہے وضو ہے جبکہ دوسرا وہم ہے کہ ٹوٹ ہی گیا ہے۔ اب اس پر تقویٰ کے حصول کے لئے عمل کرنا عادت نہ بنائے۔ صرف ایک آدھ مرتبہ کی اجازت ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ وضو ٹوٹ جانے کے سلسلے میں حلف اٹھا سکے۔

(۴) شریعت نے جس چیز کا مکلف نہ بنایا ہو اس کی تحقیق میں لگ جانا یہ بھی غلو فی الدین ہے۔ مثلاً کسی مسلمان کے گھر دعوت میں گوشت رکھا گیا اور یہ تحقیق کہ کس جانور کا ہے۔ ذبیحہ کس کا ہے۔ ذبح صحیح ہوا تھا

یا نہیں۔ چونکہ پیش کرنے والا مسلمان ہے تو اسلامی ملک اور مسلمان کی وجہ سے حسن ظن رکھا جائے۔ اور کھایا جائے۔ ہاں گوشت میں چونکہ اصل حرمت ہے اس لئے اگر غیر مسلم پیش کرے یا غیر مسلم ملک ہو، اس میں تحقیق کرنا درست ہے۔ اسی طرح جن چیزوں میں اصل اباحت ہے، ان کی بھی بلاوجہ تحقیق نہ کرے۔ ہاں اگر دلیل سے پتہ چل جائے اس میں کوئی منجس چیز ہے تو بلاشبہ تحقیق کرے۔ جیسے ایک سفر میں حضرت عمرؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ اکٹھے تھے۔ تو حوض پر وضو کرنے گئے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے فرمایا: یا صاحب الحوض هل ترد حوضک السباع۔

تا کہ پانی کی تحقیق ہو جائے۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یا صاحب الحوض لا تخبرنا۔ مراد یہ تھی آپ ﷺ نے ہمیں اس تحقیق کا مکلف ہی نہیں فرمایا! ہم ظاہر حال پر عمل کر سکتے ہیں۔ اسی طرح حضرت عمرؓ کو کسی نے خبر دی کہ یمنی چادروں کو چمک کیلئے پیشاب میں بھگو تے ہیں۔ آپؓ نے تحقیق کا ارادہ فرمایا۔ پھر فرمایا: نہیناعن التعمق فی الدین۔

تحقیق کے متعلق اصول:

(۱) جن چیزوں میں اصل حرمت ہے جیسے گوشت، ان میں تحقیق واجب ہے۔ جب تک حلت ثابت نہ ہو اس وقت تک استعمال جائز نہیں۔ تاہم اسلامی مملکت اور مسلمان ہونا بھی حلت و استعمال کیلئے کافی ہے۔ یہ باوثوق ذریعہ ہے۔
(۲) جن اشیاء میں اصل اباحت ہے جیسے سبزی، روٹی، آٹا وغیرہ۔ ان میں جب تک کسی حرام عنصر کا شامل ہونا یقینی طور پر معلوم نہ ہو جائے اس کا کھانا جائز ہے۔ اور جب تک کوئی واضح قرینہ نہ ہو تو تحقیق بھی واجب نہیں۔ ورنہ بے جا تحقیق میں پڑنا بالخصوص جب شریعت نے حکم بھی نہ دیا ہو تو زندگی کی گاڑی چلانا مشکل ہو جائے گا۔ یہی مشاد الدین ہے۔ کہ تقویٰ کی باریکیاں تلاش کرتے کرتے عاجز و درماندہ ہو جاؤ گے۔

فائدہ: واضح رہے جو چیزیں منصوص طور پر فرض واجب یا دین میں حرام ہیں۔ ان کا اہتمام کرنا غلو فی الدین نہیں ہے جیسے آجکل روشن خیال کہتے اور کرتے ہیں۔

(۵) وہ یہ ہے کہ مجتہد فیہ مسائل میں اس سطح کی نگیر کی بالکل گنجائش نہیں جو امور مجمع علیہ میں ہوتی ہے۔ بالخصوص جبکہ وہ اپنے مسلک حق کے مطابق عمل کر رہا ہو۔ جیسے کوئی شافعی کیکڑا کھا رہا ہو یا مالکی کچھوا کھا رہا ہو۔ وغیرہ۔

(۶) کس بات پر کس درجہ کی نگیر کرنا؟ یہ ایک ذوقی علم ہے۔ جو صاحب نظر کی صحبت طویلہ اٹھائے بغیر نصیب نہیں ہوتا۔ یہ دو اور دو چار کی طرح عقلی و منطقی چیز نہیں۔ تاہم اتنی بات واضح ہے کہ حرام صریح پر نگیر اور طرح ہے۔ اور مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ؛ ان سب پر درجہ بدرجہ نگیر کی اجازت ہے۔ خلاف اولیٰ پر نگیر حرام کی طرح کرنا یہ بھی غلو فی الدین ہے۔

چنانچہ بنظر غائر دیکھا جائے تو سب بدعات کی بنیاد بھی یہی ہے کہ عمل مستحب کو اس طرح فرض و واجب کا درجہ عقیدہ و عمل کے لحاظ سے دیدینا اور تارک مستحب پر ایسی نگیر کرنا جیسی فرض و واجب پر ہوتی ہے۔ یہ بھی غلو فی الدین کا شعبہ ہے۔ اور اسی کی کوکھ سے بدعات

جنم لیتی ہیں۔ جیسے حی علی الصلوٰۃ وحی علی الفلاح پر کھڑا ہونا۔ فقہاء کرام کی رائے اس بارے میں مستحب سے زیادہ نہیں ہے۔ لیکن جو تارک قیام کو بری ترجیحی نظروں سے دیکھتے ہوئے بدعتیہ بھی سمجھتے ہیں۔ یہ بھی غلو فی الدین ہے۔
فائدہ: مستحب پر عمل میں دوام مطلوب ہے مگر عقیدہ مستحب ہونے کا ہی رکھے۔ اور عام لوگوں کے ترک کرنے پر ان کو ملامت نہ کرے۔ الا یہ کہ جو لوگ زیر تربیت ہوں۔

سوال: حی علی الصلوٰۃ پر قیام کے استحباب ثابت ہونے پر ہم سب کو کھڑا ہونا چاہیے۔
جواب: مستحب لزوم کے حوالہ سے جب متعارف ہو جائے تو اس کا ترک لازم ہے کیونکہ وہ بدعت ہے۔
فائدہ: حکیم الامت حضرت تھانویؒ ارشاد فرماتے ہیں ابتداء میں میری رائے یہ تھی جن مستحبات میں غلو کے ذریعہ بدعات کا ارتکاب ہو رہا ہے اور ان میں رسومات داخل ہو رہی ہیں تو ان خارجی امور کی اصلاح کی جائے، اصل عمل مستحب کو ترک نہ کیا جائے۔ جیسے محفل میلاد وغیرہ۔
تاہم جب حضرت گنگوہیؒ سے اسی سلسلہ میں مکاتبت ہوئی، پھر میں نے اپنی رائے سے رجوع کیا کہ اصل مستحب عمل کا ترک ضروری ہے۔ تاکہ صورتہ بدعت کے رائج ہونے کی کوئی شکل ہی نہ بنے۔

بقیہ تشریح حدیث

فسد دو او قاربوا:

اس جملہ کی بہت سی تفسیریں ہیں:

- (۱) سددوا سداد سے لیا گیا ہے۔ سداد درست عمل کو کہتے ہیں۔ معنی یہ ہوگا درست عمل کرو۔ قاربوا کا معنی یہ ہوگا: اگر پوری طرح درست عمل نہیں کر سکتے تو کم از کم درست کے قریب قریب تو کرو۔
- (۲) سددوا کا معنی ہے: درست کام کرو۔ اور قاربوا کا معنی ہے: ایک دوسرے کے قریب رہو۔ (یعنی نیک عمل کے ساتھ باہم طور پر حسن سلوک بھی رکھو۔ خشک صوفی نہ بنو۔ الحائک اذا صلیٰ رکعتین ینتظر الوحی کا منظر پیش نہ کرے۔)
- (۳) سددوا میانہ روی اختیار کرو۔ وقاربوا: اور میانہ روی کے قریب قریب عمل کرو۔
- (۴) سددوا، یہ سداد سے لیا گیا ہے جس کا معنی ”ڈاٹ“ کے ہیں۔ حاصل یہ کہ مضبوطی سے عمل کرو۔ برائی قریب نہ آئے۔ برائی کو ڈاٹ لگ جائے۔ یعنی سکند عمل کرو۔
- ابشروا: عمل کے ثواب میں خوشی محسوس کرو۔

واستعینوا بالغدو ووالرو حقو شیء من الذلجۃ:

ترجمہ: صبح و شام کے وقت کے ذریعہ مد طلب کرو۔ اور رات کے کچھ اندھیرے سے بھی۔

غدوہ اگر بالضم پڑھیں تو صبح کے وقت کا نام ہے اور بالفتح پڑھیں تو صبح کے وقت نکلنے اور چلنے کا نام ہے۔ اسی طرح روحہ شام کا وقت یا شام کے وقت نکلنے اور چلنے کا نام ہے۔ دونوں معنی اس میں ہیں۔

۱۔ شیء من الدلجۃ اور کچھ اندھیرے کے وقت۔ مراد الفاظ: ۱۔ ایک تفسیر یہ ہے ان الفاظ سے فرائض کی طرف اشارہ ہے۔ غدوہ سے مراد فجر و ظہر کی نماز اور روحہ سے مراد عصر و مغرب اور شیء من الدلجۃ سے عشاء کے فرائض مراد ہیں۔

۲۔ غدوہ سے مراد صلوٰۃ النضحیٰ ہے۔ اور روحہ سے مراد نوافل ہیں جو ما بین الظهر و العصر پڑھی جائیں۔ اور دلجہ سے مراد تہجد کی نماز ہے۔ یہ زیادہ رائج قول ہے۔ اس لئے کہ اسلوب بیان میں شیء من الدلجۃ اس کی طرف مشعر ہے۔ جس سے اختیاری چیز معلوم ہوتی ہے۔ درجہ فرض کی چیز ہوتی تو اس طرح نہ فرماتے: شیء میں تنوین تھخیر ہے۔ جو عشاء کی نماز کیلئے نہ بولنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ان تین اوقات کی تخصیص اس لئے فرمائی یہ اوقات نشاط ہیں۔ چنانچہ حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں: ان اوقات میں دواما کچھ عبادت کا معمول بنالینا چاہیے۔

تفہیم کیلئے مسافر کی مثال ہے۔ منزل کو سامنے رکھتے ہوئے راستہ کو اعتدال سے طے کرے۔ موسم، گرمی سردی راستہ کی صورت حال، سواری کا خیال رکھتے ہوئے کچھ صبح کے وقت پھر زوال کے بعد چلے خود بھی اور سواری دیگر شرکاء بھی منزل پر بسہولت پہنچ جائیں گے، بصورت دیگر طویل سفر کو یکبارگی طے کرنے کے جذبہ سے مسلسل چلتے رہنے سے گر پڑے گا سواری بھی تحمل نہ کر سکے گی تو منزل تک رسائی نہ ہو سکے گی۔ یہی صورت حال فطرۃ انسانی کے لحاظ سے روحانی سفر کی ہے۔ صحت و فرائض مصیبہ کی رعایت ضرور رکھے۔ بشارت و مسرت سے منزل پاسکے گا یہی مقصود حدیث ہے۔ (ذیل التاری 239)

29 باب الصَّلَاةِ مِنَ الْإِيمَانِ

وَقَوْلُ اللَّهِ تَعَالَى {وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضَيِّعَ إِيْمَانَكُمْ} يُغْنِي صَلَاتَكُمْ عِنْدَ النَّبِيِّ

حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ قَالَ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ عَنِ النَّبَرَاءِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ أَوَّلَ مَا قَدِمَ الْمَدِينَةَ نَزَلَ عَلَى أَجْدَادِهِ أَوْ قَالَ أَخَوَاتِهِ مِنَ الْأَنْصَارِ وَأَنَّهُ صَلَّى قَبْلَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ سِتَّةَ عَشَرَ شَهْرًا أَوْ سَبْعَةَ عَشَرَ شَهْرًا وَكَانَ يُعْجِبُهُ أَنْ تَكُونَ قِبْلَتُهُ قَبْلَ النَّبِيِّ وَأَنَّهُ صَلَّى أَوَّلَ صَلَاةٍ صَلَّاهَا صَلَاةُ الْغَضْرِ وَصَلَّى مَعَ قَوْمٍ فَخَرَجَ رَجُلٌ مِمَّنْ صَلَّى مَعَ قَوْمٍ عَلَى أَهْلِ مَسْجِدٍ وَهُمْ زَاكِعُونَ فَقَالَ أَشْهَدُ بِاللَّهِ لَقَدْ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ مَكَّةَ لَقَدْ زَاكِعُوا هُمْ قَبْلَ النَّبِيِّ.

وَكَانَتْ الْيَهُودُ قَدْ أَعْجَبَهُمْ إِذْ كَانَ يُصَلِّي قَبْلَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ وَأَهْلُ الْكِتَابِ فَلَمَّا وَلَّى وَجْهَهُ قَبْلَ النَّبِيِّ أَتَوْا ذَلِكَ قَالَ زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ عَنِ النَّبَرَاءِ فِي حَدِيثِهِ هَذَا أَنَّهُ مَاتَ عَلَى الْقِبْلَةِ قَبْلَ أَنْ تَحُولَ رِجَالُ وَفِيلُوا أَفَلَمْ نَذَرِ مَا نَقُولُ فِيهِمْ فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى {وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضَيِّعَ إِيْمَانَكُمْ}.

ترجمہ: باب: نماز ایمان میں داخل ہے

اور اللہ تعالیٰ نے (سورۃ البقرہ میں) فرمایا اور اللہ ایسا نہیں ہے جو تمہارے ایمان کو ضائع کر دے یعنی بیت اللہ کے پاس جو تم نے نماز پڑھی۔ حضرت براءؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ پہلے مدینہ میں تشریف لائے تو اپنے ننھیال میں اترے جو انصاری لوگوں میں سے تھے اور سولہ یا سترہ مہینے تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ اور آپ یہ پسند کرتے تھے کہ آپ کا قبلہ کعبہ کی طرف ہو جائے اور پہلی نماز جو آپ نے کعبہ کی طرف پڑھی وہ عصر کی نماز تھی اور آپ ﷺ کے ساتھ اور لوگ بھی تھے۔ ان میں سے ایک شخص جو آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ چکا تھا ایک اور مسجد والوں پر سے گزرا وہ رکوع میں تھے (بیت المقدس کی طرف منہ کئے ہوئے)۔ اس شخص نے کہا میں اللہ کا نام لیکر گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے۔ یہ سنتے ہی وہ لوگ نماز میں ہی کعبہ کی طرف پھر گئے۔

جب آپ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے تو یہودی اور دوسرے اہل کتاب خوش تھے۔ جب آپ نے اپنا منہ کعبہ کی طرف پھیر لیا تو انہوں نے برا مانا۔ حضرت براءؓ کہتے ہیں کچھ لوگ قبلہ کے تبدیل ہونے سے پہلے وفات پا چکے تھے اور کچھ شہید ہو گئے تھے۔ ہم نہیں جانتے تھے کہ ان کے بارے میں کیا کہیں؟ (ان کو نمازوں کا ثواب ملا یا نہیں؟) تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اللہ ایسا نہیں ہے جو تمہارا ایمان ضائع کر دے (یعنی تمہاری نمازیں)

رابطہ ۱: پہلے باب کا عنوان الدین بسردعویٰ ہے باب ہذا میں اس کی دلیل ہے۔ دین میں سب سے زیادہ اہمیت نماز کی ہے کفر و اسلام میں حد فاصل نیز عماد الدین ہے۔ جب نماز اہمیت مذکورہ کے باوجود آسان ہے تو دیگر شعبوں میں بطریق اولی آسانیاں ہوں گی۔ (دلیل الناری 242)

رابطہ ۲: نیز ترکیب ایمان اور اعمال کا جزء ایمان ہونا ثابت کرنا ہے۔ کیونکہ باتفاق حضرات محدثین آیت شریفہ میں ایمان کے مراد صلوة ہے شان نزول بھی اسی پر دل ہے۔ نماز پر ایمان کا اطلاق اطلاق الکلی علی الجزی ہے۔ (ایضاً 242)

تعارفِ رواۃ

حدیث الباب کی سند میں جو تھے راوی حضرت براءؓ ہیں۔ یہ براء بن خنیف الراء وبالمدہ ہے۔ ابن عازبؓ۔ ان کی کل مرویات 305 ہیں۔ حضرت مصعب بن زمیرؓ جس دور میں حاکم کوفہ تھے۔ ان کا وہاں وصال ہوا۔

عرضِ ترجمہ

اصل مقصود مرجیہ کی تردید ہے کہ ایمان کے مختلف شعبوں میں سے نماز ایسا اہم ترین شعبہ اور جزء ہے اللہ تعالیٰ نے آیت مبارکہ میں صلوة کو "ایمان" سے تعبیر فرمایا۔ چنانچہ فرمایا: "وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضَيِّعَ إِيمَانَكُمْ۔"

و قول اللہ تعالیٰ: وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضَيِّعَ إِيْمَانَكُمْ يَعْنِي صَلَاتَكُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ:

آیت شریفہ کفر سے مقصود یا تو ترجمہ الباب کا جز بنانا ہے۔ یا ترجمہ الباب کی دلیل کے طور پر اس کا ذکر مقصود ہے۔ پہلی صورت میں جب ترجمہ الباب کا جز بنانا مقصود ہو تو ترجمہ کے دو اجزاء ہو جائیں گے اور دونوں اجزاء کا ثبوت حدیث الباب سے ہوگا۔ وہ اس طرح کہ آیت مبارکہ بالکل آخر میں حدیث کے بعد لائے ہیں۔ گویا اس سے معلوم ہوا آیت میں ”ایمان“ سے مراد ایمان ہے۔ تو الصلوٰۃ من الایمان ثابت ہو گیا۔ نیز دوسرا یہ کہ نماز اتنی اہم چیز ہے اس کو ایمان سے تعبیر کر دیا تو الصلوٰۃ من الایمان بھی ثابت ہو گیا۔

دوسری صورت یہ ہے ترجمہ الباب تو صرف الصلوٰۃ من الایمان ہے اور آیت شریفہ دلیل ترجمہ ہے کیونکہ ایمان انکم سے مراد صلوٰۃ انکم ہے۔

اشکال: امام بخاریؒ نے ترجمہ الباب میں وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضَيِّعَ إِيْمَانَكُمْ کی تفسیر میں صلوٰۃ انکم عند البیت سے جو تفسیر فرمائی اس پر ایک اشکال ہے: جسے سمجھنے کیلئے اس آیت کا شان نزول سمجھنا ضروری ہے۔ چنانچہ شان نزول یہ ہے: ہجرت کے بعد آپ ﷺ نے تقریباً ۷ ماہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی جو یہود کا بھی قبلہ تھا۔ گویا ان سے موافقت بھی تھی۔ آپ ﷺ خواہش تھی بیت اللہ قبلہ بن جائے۔ اس لئے کہ وہ آپ ﷺ مولد بھی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کا قبلہ بھی تھا۔ اور مکہ مکرمہ میں جمع بین الصلوٰۃ تین تھی جو مدینہ طیبہ میں نہ تھی۔ نیز یہود طعن کرتے تھے شریعت میں ہمارے مخالف ہیں جبکہ ہمارے قبلہ کی طرف نماز ادا کرتے ہیں۔۔۔ سیر کی بعض روایات میں یہاں تک ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت جبریلؑ سے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے سفارش کر دیں ہمارا قبلہ تبدیل فرما کر ”کعبۃ اللہ“ کر دیں۔ (فضل باری 471/1)

اس بے قراری کی وجہ سے آپ ﷺ اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھتے تھے کب حکم آجائے۔ اور تھوہل قبلہ ہو جائے۔ چنانچہ حکم الہی ہو گیا: فَوَيْلٌ لِّوَجْهِكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔

سوال: یہ حکم کب نازل ہوا؟

جواب: آپ ﷺ سلمہ کے کسی قضیہ کے فیصلہ کرنے اور حضرت براءؓ کی والدہ کی مزاج پر سی کیلئے تشریف لے گئے تھے۔ ظہر کی نماز پڑھا رہے تھے آپ ﷺ نے صفیں چیر کر پیچھے آ کر بیت اللہ کی طرف منہ کر لیا۔ حضرات صحابہ کرامؓ نے بھی اتباع میں منہ پھیر لیا۔ مسجد بنی سلمہ ذو قبلین کہلائی اور مسجد قبلائیں فجر کی نماز بیت المقدس کی طرف ادا کی جارہی تھی کسی شخص نے جا کر آواز لگائی اِن الْقِبْلَةَ قَدْ حَوَّلْتُ۔ تمام نمازی نمازی میں بیت اللہ کی طرف پھر گئے۔ اس تھوہل قبلہ کی بنیاد پر حضرات صحابہ کرامؓ کے قلوب میں ایک شبہ پیدا ہوا کہ جن حضرات نے پہلے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نمازیں ادا کی ہیں اور اسی حالت میں ان کا انتقال ہو گیا۔ آیا وہ مقبول ہوں گی یا ضائع ہو جائیں گی۔ چونکہ ابھی نسخ کا مسئلہ حضرات صحابہؓ کے علم میں نہیں تھا کہ نسخ سے پہلے کا جو حکم ہے آیا وہ قابل قبول ہوتا ہے یا نہیں۔

اس پر یہ آیت شریفہ نازل ہوئی وما کان اللہ لیضیع ایمانکم اللہ تبارک وتعالیٰ تمہارے ایمان یعنی سابقہ نمازوں کو ضائع نہیں فرمائیں گے۔ کیونکہ وہ بھی تحت الحکم تھیں۔

عند بعض تحویل قبلہ کی دوسری مسجد والوں کو اطلاع کرنے والے عبادین بشیر قیظی تھے عند بعض عبادین فہیک۔ (کشف 391/2)

سابقہ اعمال کے ثواب کے بارے میں بعد از نسخ قبولیت و عدم قبولیت کے سوال کا منشاء

حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں پورے ذخیرہ حدیث میں دو مقام پر اعمال منسوخہ کے ثواب و عتاب کا سوال حضرات صحابہ کرامؓ سے منقول ہے: ایک وہ نمازیں جو بیت المقدس کی طرف پڑھی گئیں، دوسرے حرمت خمر کے بارے میں کہ اس دور میں جو لوگ شراب نوشی کرتے رہے جس میں اس کی قباحت کا بالترتیب نزول ہو رہا تھا۔

گویا ایسے قرائن تھے کہ قبلہ بیت المقدس منسوخ ہو جائے گا یا حرمت شراب کا فوری حکم نازل ہو جائے گا تو ناپسندیدگی سامنے آ رہی تھی تو اول پر ثواب، دوم پر عتاب ہو گا یا نہیں۔ گویا منشاء یہ تھا۔ تو جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا چونکہ حرمت صریحہ نازل نہیں ہوئی تھی لہذا نماز پر پورا ثواب اور شرب خمر پر عتاب نہ ہو گا۔

عود الی الاصل۔۔ اشکال:

حضرت امام بخاریؒ نے ایمانکم کی تفسیر صلوٰتکم عند البیت سے فرمائی ہے اس پر اشکال ہے۔

اشکال کی تقریر یہ ہے جو نمازیں بیت اللہ شریف کی طرف منہ کر کے پڑھی گئی ہیں۔ ان کے صحیح ہونے میں تو کوئی اشکال نہیں۔ نہ ہی ان کے بارے میں کوئی سوال ہے۔ البتہ ان نمازوں کے بارے میں سوال ہے جو نمازیں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھی گئی ہیں۔ وہ قبول ہیں یا نہیں؟ امام بخاریؒ نے عند البیت کا لفظ ذکر فرمایا جس سے متبادر ایہ معلوم ہوتا ہے اشکال بیت اللہ کے پاس نمازوں کے بارے میں ہے؟ اس لئے کہ ”البیت“ معرف باللام ہو تو عرفاً بیت اللہ شریف ہی مراد ہے جیسے الکتاب میں؛ معرف باللام ہو تو کتاب اللہ (قرآن کریم) مراد ہوتا ہے۔

جواب ۱: بعض حضرات کہتے ہیں رواۃ نے عند البیت کا لفظ بڑھایا۔ گویا تصحیف رواۃ ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں۔ تمام نسخ بخاری عند البیت کے لفظ کے ذکر پر متفق ہیں۔

جواب ۲: عند بمعنی ”الی“ اور البیت سے مراد بیت اللہ شریف نہیں بلکہ بیت المقدس ہے۔ لہذا اشکال صحیح ہے اور جواب دیدیا گیا کہ وہ نمازیں ضائع نہیں ہیں۔

سوال: البیت سے مراد بیت المقدس لینا عرف کے خلاف ہے۔

جواب: جب قرینہ سامنے آجائے تو پھر کسی لفظ کو خلاف عرف محمول کر سکتے ہیں۔ یہاں اشکال پیدا ہونے کی وجہ سے قرینہ متعین ہے۔ تو البیت سے بیت المقدس مراد لے سکتے ہیں۔ انہی نمازوں کے درمیان آپ ﷺ کی قبلہ کے منتظر تھے۔

جواب ۳: البیت سے مراد بیت اللہ شریف ہی ہے۔ آپ ﷺ مکرمہ میں اس طور پر نماز ادا فرماتے کہ دونوں قبلوں کی طرف رخ ہو جائے۔ جب یہاں بیت اللہ کے قرب کے باوجود بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھی گئی نمازیں قبول ہیں جبکہ بیت اللہ کے قرب کا تقاضا ہے اسی کی طرف منہ کیا جائے۔ جب یہ قرب نہ ہو پھر تو بیت المقدس کی طرف پڑھی گئی نمازیں بطریق اولیٰ قابل قبول ہوں گی۔ جیسے کہ وہ نمازیں جو مدینہ منورہ میں پڑھی گئیں۔

(۱) بیت المقدس یا مصدر میسی ہے یا ظرف مکان۔ مفعیل کے وزن پر بیت المقدس ہے۔ (۲) باب تفعیل سے اسم مفعول کا صیغہ بیت المقدس ہے۔ (۳) احتمال کے طور پر تفعیل سے فاعل کے وزن پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔ بیت المقدس۔ (درس شامی ۱۴۹)

باب سے متعلقہ چند بحثیں

۱۔۔۔ البحث الاول ببیت المقدس کو کتنے ماہ تک قبلہ بنایا گیا اور پھر تحویل کا حکم آیا۔

جواب: مشہور روایات تین ہیں۔ ۱: ۱۶ ماہ۔ ۲: ۷ ماہ۔ ۳: ۱۳ ماہ۔

مسلم و نسائی میں ۱۶ ماہ کی روایت بغیر شک کے ہے۔ مسند بزار اور طبرانی میں ۷ ماہ کی روایت بلا شک کے ہے۔ اور بخاری شریف میں ۱۶ یا ۷ ماہ بلا شک ہے۔

تطبیق: آپ ﷺ ۱۲ ربیع الاول کو مدینہ میں تشریف لے گئے اور اگلے سال نصف رجب میں تحویل ہوئی۔ جنہوں نے حذف کسر کیا انہوں نے ۱۶ ماہ کہا۔ جنہوں نے کسر کو ملایا انہوں نے ۷ ماہ کہا۔ جبکہ ۱۳ ماہ کی روایت کے بارے میں حضرت شیخ الحدیثؒ فرماتے ہیں یہ بالکل غلط ہے۔ خلاف واقعہ ہے۔ کسی طرح بھی صحیح نہیں۔

۲۔۔۔ البحث الثانی:

آپ ﷺ قبل از ہجرت قبلہ کونسا تھا؟

یہ تحقیق اس پر مبنی ہے کہ آپ ﷺ نے اپنا قبلہ وحی سے متعین کیا یا عرف سے؟ اول تحقیق یہ ہے وحی سے متعین کیا۔ جب مکہ مکرمہ میں تھے تو وحی کی وجہ سے حکم تھا کہ بیت اللہ شریف کی طرف منہ کرو۔ جب مدینہ طیبہ چلے گئے تو وحی سے حکم ہوا بیت المقدس کی طرف رخ کرو۔ ۱۶ یا ۷ ماہ کے بعد پھر تحویل قبلہ کی وحی آئی۔

اشکال: اس پر اشکال یہ لازم آئے گا کہ یہاں تو پھر نسخ مرقین ہو جس کے کچھ حضرات قائل نہیں۔

جواب: مکہ مکرمہ میں بھی بذریعہ وحی بیت المقدس ہی قبلہ متعین تھا لیکن آپ ﷺ کی ادائیگی اس طہر پر فرماتے تھے کہ مسجد حرام کی اس جہت میں کھڑے ہوتے جہاں دونوں قبلہ سامنے ہو جاتے۔ تاہم مدینہ طیبہ گئے پھر یہ صورت ممکن نہ تھی اس لئے کہ بیت المقدس کی طرف ہی رخ کر سکتے تھے تو واضح ہو گیا کہ بیت المقدس ہی قبلہ ہے۔ تو مدینہ طیبہ کے ۷ ماہ کے قیام کے بعد تحویل ہوئی۔ لہذا نسخ مرتین نہ ہوا۔ اور آپ ﷺ بے قراری بھی ختم ہو گئی۔ چونکہ مکہ مکرمہ میں نہ تھی۔ کیونکہ دونوں قبلوں کی طرف رخ ہو جاتا تھا۔

۲... دوسری تحقیق: آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ میں عرفا قبلہ بیت اللہ شریف کو بنایا اس لئے کہ یہ قبلہ ابراہیمی تھا۔ اور اہل مکہ ملت ابراہیمی پر ہونے کا دعویٰ کرتے تھے۔ تو اس کی وہ بھی تعظیم کرتے تھے۔ لیکن جب آپ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو بیت المقدس کو قبلہ بنانے کا حکم تھا۔ بیت المقدس حضرات انبیاء اور اہل کتاب کا قبلہ تھا۔ جب کہ آپ ﷺ کے اندر باطنی طور پر یہ تڑپ تھی کہ بیت اللہ شریف کی طرف تحویل کا حکم آجائے۔ تو ۱۶ یا ۱۷ ماہ بعد حکم آگیا۔ اس صورت میں نسخ مرتب ہے۔

فائدہ: قبل از فرضیت صلوة آپ ﷺ بیت اللہ ہی کو اہل مکہ کا ابراہیمی ہونے کی وجہ سے عرفا قبلہ سمجھتے تھے۔ تاہم فرضیت نماز کے بعد حدیث الملتہ جبریل کی وجہ سے بیت اللہ شریف کا قبلہ سمجھنا اب عرف کی بجائے بنا بروجی ہو گیا۔ کیونکہ یہ امامت باب کعبہ کی طرف رخ کر کے تھی۔ وہاں سے بیت المقدس شمال کی جانب ہے اور دروازہ کی طرف منہ کریں تو منہ مغرب کی طرف اور پشت بیت المقدس کی طرف ہے۔ جیسے ہم نماز پڑھتے ہیں۔ گویا وحی کے ذریعہ ابتداء ہی بیت اللہ قبلہ متعین ہو گیا۔ ازاں بعد علامہ شبیر احمد عثمانی کے حسب فرمان: شروع میں کعبہ ہی قبلہ بنایا گیا تھا۔ لیکن ہجرت سے تین سال پہلے بیت المقدس کی طرف تحویل ہوئی۔ جیسے مجمع طبرانی کی ایک روایت میں اس کی تصریح ہے۔ پھر مدینہ منورہ ہجرت کرنے کے ۱۶ یا ۱۷ ماہ بعد دوبارہ بیت اللہ کعبہ قرار دیا گیا۔

عند البعض: بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کا حکم مدینہ طیبہ جا کر آیا ہے۔
متذکرہ بالا تحقیق کی روشنی میں نسخ مرتب ہے۔ اس سے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اس سے بتلانا یہ مقصود ہے۔ تو بیت المقدس کی عمارت کا کچھ تقدس بذاتہ ہے اور نہ ہی کعبۃ اللہ کا۔ ان کی طرف رخ کا حکم محض نسبت خداوندی کی وجہ سے ہے۔ اس حکمت کے تحت ”نسخ مرتب“ ہی زیادہ مناسب ہے۔

نسخ مرتب کی وجہ ترجیح: ایک تو حدیث امامت جبریل ہے کہ ابتداء قبلہ کعبۃ اللہ ہے۔۔۔ پھر بیت المقدس بنایا گیا۔ پھر بیت اللہ شریف۔ کما مر

دوسرے یہ کہ آیت قرآنی وما جعلنا القبلة التي كنت عليها الا لنعلم الخ اس کا متبادر مفہوم یہ ہے کہ آیت شریفہ میں القبلة سے مراد بیت المقدس ہے جو عارضی طور پر قبلہ بنایا گیا تھا۔ اور مقصود اس سے امتحان تھا کہ کون اس کو قبلہ تسلیم کرتا ہے اور کون نہیں؟ تو امتحان تب ہو سکتا ہے۔ جب بیت المقدس سے قبل بیت اللہ قبلہ ہو اور اس افضل کو چھوڑ کر مفضول کی طرف رخ کرنے کا حکم دیدیا جائے۔ یہ امتحان تھا۔ اور اگر پہلے سے ہی بیت المقدس قبلہ چلا آ رہا ہو اور اس کو یکبارگی منسوخ کر کے بیت اللہ کی طرف حکم دیدیا جائے تو آیت کے مفہوم سے امتحان کی تعبیر واضح طور پر منطبق نہیں ہوتی۔ (انعام 510، 511)



تحويل قبلہ کے بعد سب سے پہلی نماز کونسی ہے؟

۳... البحث الثالث

اس میں دو تحقیقات ہیں:

- (۱) ظہر و عصر کے درمیان مسجد نبوی ﷺ حکم نازل ہوا۔ آپ ﷺ نے مسجد نبوی میں تحويل قبلہ کے بعد پہلی نماز عصر ادا کی۔ ایک آدمی بنو حارثہ میں پہنچا تو وہ اپنی مسجد میں عصر ادا کر رہے تھے اس نے بتلایا تو ان لوگوں نے نمازی میں رخ تبدیل کر لیا۔
- (۲) تحقیق ثانی: آپ ﷺ قضیہ کے فیصلہ کے لئے اور حضرت براء بن مازبؓ کی والدہ کی مزاج پر سی کیلئے بنو سلمہ کے ہاں گئے ہوئے تھے اور ظہر کی نماز کے دوران تحويل قبلہ کا حکم نازل ہوا آپ ﷺ نے نماز میں ہی بیت اللہ شریف کا رخ کر لیا۔ دو دو رکعت دونوں قبلوں کی طرف ادا کیں۔

تاہم بخاری شریف کی روایت میں پہلی تحقیق کے مطابق ہے کہ مسجد نبوی ﷺ صلوٰۃ العصر پڑھی گئی ہے مگر مراد اس سے کامل نماز ہے اس سے قبل جو ظہر کی نماز بنو سلمہ میں پڑھی گئی تھی وہ آدھی تھی جو تحويل کے بعد پڑھی گئی۔ آپ ﷺ اہل بنو عمروؓ کے مکان پر ان کے بیٹے حضرت بشرؓ کے انتقال پر تشریف لے گئے جو مدینہ طیبہ سے تین میل پر واقع تھا۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں اس میں ایک نکتہ معلوم ہوتا ہے۔ حضرت براء بن عمروؓ بیت عقبہ میں سب سے پہلے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے ہیں۔

ہجرت نبوی ﷺ سے ایک ماہ پہلے ان کا وصال ہوا۔ بعد از ہجرت آپ ﷺ نے ان کی قبر پر نماز پڑھی۔ انکو کعبۃ اللہ سے اتنا لگاؤ تھا کہ قبل از ہجرت یہ کعبۃ اللہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے آپ ﷺ کے حکم پر بیت المقدس کی طرف نماز ادا کرنے لگے۔ تاہم وصیت فرمائی کہ میری تدفین میں چہرے کا رخ بیت اللہ کی طرف رکھا جائے۔ شاید اسی بنا پر ”تحويل قبلہ“ کا حکم انہی کے بیٹے حضرت بشرؓ کے انتقال پر آپ ﷺ آمد کے بعد ظہر کی نماز میں انہی کے محلہ میں بنی سلمہ کی مسجد میں آیا۔ (فضل الباری 472/1)

تشریح حدیث

نزل علی اجدادہ او قال اخوالہ:

اجداد اور اخوال کا مصداق ایک ہی ہے یعنی عہدِ مکر بظاہر اشکال یہ ہے کہ اہل مدینہ آپ ﷺ کے عہدِ مکر ہی سے ہوئے۔ حالانکہ حضرت آمنہؓ تو بنو زہرہ میں سے تھیں جو قریش کا قبیلہ ہے۔ اس کا جواب یہ ہے آپ ﷺ کے اجداد میں سے ہاشم نے مدینہ کی ایک عورت ”سلمیٰ“ سے نکاح فرمایا تھا۔ (درس شامی 148)

اس بیوی سے عبد المطلب پیدا ہوئے اسی لئے اہل مدینہ عبد المطلب کی اولاد کو اپنی بہن کی اولاد کہا کرتے تھے۔ جب عبد المطلب کا وہ چھپا ہوا تو اسی خاندانی تناظر میں آپ ﷺ بھی توسعاً و مجازاً چھپا ہوا۔ (اسی حوالہ سے جب حضرت عباسؓ بن عبد المطلب غزوہ بدر کے موقع پر گرفتار ہوئے؛ اہل مدینہ بنو حجار نے آکر عرض کیا تھا؛ یا رسول اللہ! ہم اپنے بھانجے کا فدیہ معاف کر دیں؟ آپ ہمیں اس کی اجازت دیں۔ کیونکہ وہ عبد المطلب اور آگے عبد المطلب کی ساری اولاد کو اپنا بھانجا سمجھتے تھے۔)

فمر علی اہل مسجد۔۔۔ فداروا کما ہم قبل البیت:

اہل مسجد سے مراد بنو حارثہ ہیں۔

دورانِ نماز تحویل قبلہ کے حکم آنے کے بعد صورت یہ ہوئی کہ جہاں پچھلی صف کے لوگ تھے وہاں امام صاحب آگئے۔ اور پچھلی صف کے لوگ تحویل قبلہ سے پہلے جو صف اول تھی وہاں کھڑے ہو گئے۔

سوال: اس پر سوال یہ ہے کہ یہ تو عمل کثیر ہے نماز باقی کیسے رہی؟

جواب: عمل کثیر وہ مفسدِ صلوٰۃ ہوتا ہے جو اصلاح نماز کیلئے نہ ہو۔ اور اگر اصلاحِ صلوٰۃ مقصود ہو تو وہ عمل کثیر مفسدِ صلوٰۃ نہیں ہوتا۔ جیسے کہ بنا کا مسئلہ۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ عمل کثیر کے حرام ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے جیسے نمازیں پہلے گفتگو حرام نہ تھی۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ یہاں یہ بھی احتمال ہے کہ مصلحتاً کورہ کی وجہ سے عمل کثیر معاف کر دیا گیا ہو۔ (فضل ج 1 ص 476)

چوتھا جواب: معشی نوالی قدمین کے ساتھ ہو تو مفسدِ صلوٰۃ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے توقف کے ساتھ معشی فرمائی تھی۔ (درس شامی 152)

فقال اشهد بالله لقد صليت مع رسول الله ﷺ قبل مكة:

سوال: فلقن من الخارج سے لقمہ قبول کر لے، یہ مفسدِ صلوٰۃ ہے۔ تحویل کا فائدہ نہ ہو نمازی باطل ہونی چاہیے۔

جواب: فلقن من الخارج مفسدِ صلوٰۃ تب ہے جب آواز پڑتے ہی بلا سوچے سمجھے اس پر عمل شروع کر دے۔

اگر صورت یہ ہے کہ خارجی آواز کے بعد ذاتی طور پر فکر و تحری کر کے اصل محرک اس کو بنالیتا ہے تو یہ مفسدِ صلوٰۃ نہیں ہے۔ چونکہ تحویل قبلہ کا مسئلہ حل ہی رہا تھا اور اس آدمی نے آکر محض خبر دی، انشاء مقصد نہیں تھا۔ خبر کے بعد تحری کی بنا پر تحویل کا فیصلہ کیا گیا۔ لہذا نماز باطل نہیں ہوئی۔

سوال: بیت المقدس کا قبلہ ہونا جس قطعی کی بنیاد پر تھا۔ خبر واحد سے اسے کیسے منسوخ سمجھ کر اس کے خلاف عمل شروع کر دیا۔

جواب: حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: اگر خبر واحد محض بالقرائن ہو تو وہ یقین کا فائدہ دیتی ہے۔ یہاں تحویل قبلہ کے قرائن فضا کے لحاظ سے سب کے سامنے تھے۔ اور سب ہی منتظر تھے۔ اس لئے یہ خبر واحد محض بالقرائن ہونے کی وجہ

سے یقین کا فائدہ دے رہی ہے۔

نیز آیت قد نری تقلب وجهک فی السماء۔ تحویل قبلہ کا قرآنی قرینہ تھا۔ (درس شمارتی 152)

جواب ۲: جس خبر واحد کو امت کی طرف سے تلقی بالقبول ہو جائے وہ خبر مشہور کے حکم میں ہو جاتی ہے۔ اور اس سے حکم قطعی منسوخ ہو سکتا ہے۔
واہل الکتاب:

اس کا عطف الیہود پر ہے۔ اس سے مراد نصاریٰ ہیں۔

یاعطف الخاص علی العام کہ یہود سے عام یہودی مراد ہوں تو اہل کتاب سے علماء یہود مراد ہوں۔ (درس شمارتی 153)

سوال: اہل الکتاب سے مراد نصاریٰ ہیں۔ ان کا قبلہ بیت اللحم جائے پیدائش حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھا۔ ان کے بارے میں قلنا عجب ہم کیسے فرمایا؟
جواب ۱: دونوں کی جہت ایک ہی تھی۔ بیت اللحم بھی اسی جہت میں ہے۔
جواب ۲: دونوں اہل کتاب تھے۔ باہم خوش ہونا مراد ہے۔ کہ مسلمان بھی ہمارے قبلہ کی تعظیم کرتے ہیں۔
نصاریٰ کی خوشی دو وجہ سے ہے۔ بیت اللحم کی طرف تبارخ ہو جاتا ہے۔ مسلمانوں کا وجہ سکون کعبۃ اللہ تو قبلہ نہ رہا۔ (ذیل 248)

وما کان اللہ لیضیع ایمانکم

سوال: آیت شریفہ میں ایمانکم کا لفظ آیا ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے تمہاری نمازیں ضائع نہ ہوں گی۔ صحابہ کرام کا سوال ان حضرات کے بارے میں تھا جو بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نمازیں پڑھتے رہے اور دنیا سے چلے گئے۔ ان کی نمازوں کا کیا بنے گا۔ جبکہ آیت میں ایمانکم فرمایا جو کہ زندوں کو خطاب ہے کہ تمہاری نمازیں ضائع نہیں ہوں گی؟
جواب: زندہ لوگوں نے بھی ان کے ساتھ ہی نمازیں پڑھی تھیں۔ جب ان زندوں کی صحیح ہو گئی جبکہ وہ لوٹا بھی سکتے ہیں تو ان کی جو فوت ہو گئے ان کی طرف سے قضاء ممکن نہیں بدرجہ اولیٰ صحیح ہو گئیں۔ جیسا کہ جنگل میں پڑھی گئی وہ نمازیں جو بعد از تحزی ہوں۔ لیکن آنے والے نے بعد از نماز خبر دی کہ غلط جہت پر نمازیں پڑھی گئیں۔۔۔ اب ان کا اعادہ نہیں ہوگا۔ جب وہ صحیح ہو گئیں جن میں صرف تحری تھی۔ تو جو تحت الحکم ہوں وہ بطریق اولیٰ صحیح ہو جائیں گی۔

فائدہ: انسان کے اندر دو چیزیں ایک جسم ایک روح

روح کو اللہ کی طرف متوجہ ہونے کے لئے کسی جہت کی ضرورت نہیں۔ لیکن جسم کیلئے اللہ کی طرف متوجہ ہونے کیلئے کسی نہ کسی جہت کی ضرورت ہے۔ اب دو صورتیں ہیں جسمانی عبادت کے واسطے کسی جہت کو متعین نہ کیا جائے اور ہر شخص کو اجازت ہو جدھر اس کا دل چاہے ادھر رخ کر کے نماز پڑھ لیا کرے۔ اس صورت میں باہمی اختلاف و انتشار رونما ہوگا۔ اتفاق خاص طور پر دینی مسائل میں عمدہ چیز ہے۔ تو اتفاق اس صورت میں ہوگا جیسے انسانیت انسان کی صورت میں ہوگی گھوڑے، گدھے کی صورت میں نہ ہوگی۔

الغرض ظاہر کو باطن سے تعلق ہے۔ اس لئے ظاہری اتفاق باطنی اتفاق کا ذریعہ ہوگا۔ اگر عبادت جسمانی کو ختم کر دیا جائے تو عبادت روحانی کا ہونا نہ ہونا برابر ہو جائے گا۔ جیسے ترحم و سخاوت و شجاعت جو دل کی صفات ہیں اگر ان کے آثار ظاہر نہ ہوں تو ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ (درس بخاری 270)

قال زهير حدثنا ابو اسحاق — انه مات على القبلة اس میں دخول ہیں۔ ۱: یہ تعلق ہے۔ ۲: حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں یہ تعلق نہیں ہے۔ بلکہ یہاں واو حرف عطف محذوف ہے اور یہ حدیث اسی سند سابق سے منقول ہے۔ (درس شامی 153)

وَقَتِلُوا:

سوال: کیا تحویل قبلہ سے پہلے بھی کوئی جہاد ہوا تھا جو قتلوا کا لفظ ارشاد فرمایا گیا۔

جواب ۱: حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: قتل کا ذکر صرف زہیر کی روایت میں ہے اور کسی جگہ نہیں، جو ان کا تفرد ہے۔

جواب ۲: قتل کیلئے جہاد ہونا ضروری نہیں۔ ظمًا بھی قتل ہو سکتا ہے۔

جواب ۳: ویمكن ان یروا دہ القتل بمكة لا المدينة كما ذكره الحافظ رحمہ اللہ

ج ۱۲: حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں تحویل سے قبل دس آدمیوں کا انتقال ہوا۔ تین مکہ میں پانچ حبشہ میں اور دو مدینہ طیبہ میں وفات پا چکے تھے۔ یہ دس متفق علیہ ہیں۔ (درس شامی)

۲: حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ مجھے علم نہیں کہ تحویل سے قبل کونسا مومن شہید ہوا ہے۔ ممکن ہے یہ راوی کی غلطی ہو۔

۳: علامہ عینیؒ فرماتے ہیں ”قتلوا“ کا لفظ محفوظ نہیں۔ (درس شامی 154)

30 باب حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ۔۔۔ انسان کے اسلام کی اچھائی کا بیان

قَالَ مَالِكٌ أَخْبَرَنِي زَيْدُ بْنُ أَسْلَمَ أَنَّ عَطَاءَ بْنَ يَسَارٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا أَسْلَمَ الْعَبْدُ فَحَسَنَ إِسْلَامُهُ يَكْفِرُ اللَّهُ عَنْهُ كُلَّ سَيِّئَةٍ كَانَ زَلَفَهَا وَكَانَ بَعْدَ ذَلِكَ الْقِصَاصُ الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِ مِائَةٍ ضَعِيفٍ وَالسَّيِّئَةُ بِمِثْلِهَا إِلَّا أَنْ يَتَجَاوَزَ اللَّهُ عَنْهَا حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَحْسَنَ أَحَدُكُمْ إِسْلَامَهُ فَكُلُّ سَيِّئَةٍ يَعْمَلُهَا تَكْتَبُ لَهُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِ مِائَةٍ ضَعِيفٍ وَكُلُّ سَيِّئَةٍ يَعْمَلُهَا تَكْتَبُ لَهُ بِمِثْلِهَا.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب کوئی بندہ مسلمان ہو جائے اور اچھی طرح مسلمان ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر گناہ کو سٹا دیں گے جو وہ اسلام سے پہلے کرچکا ہو اور اس کے بعد حساب شروع ہوگا ایک نیکی کے بدلے دس نیکیاں سات سنیکیوں تک اور برائی کے بدلے ویسے ہی ایک برائی (کمپی جائے گی) مگر جب اللہ اس کو معاف کر دے۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی اچھی طرح مسلمان

ہو تو اس کے بعد جو نئی وہ کرے گا وہ دس گنا سے سات سو گنا تک لکھی جائے گی۔ اور ہر برائی کے بدلے ایک برائی لکھی جائے گی۔

ربط

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ناقیل میں حسن اسلام کا بیان تھا اس کے حصول کے لئے ظلو فی الاعمال کا اندیشہ تھا جس کا نتیجہ ترک عمل کی صورت میں ہوتا ہے تو بتلایا کہ حسن اسلام حسب ہمت اعمال پر دوام سے آتا ہے۔ علامہ صیغی فرماتے ہیں: حسن فی الاسلام اعمال سے آتا ہے بشرطیکہ اعمال پر دوام ہو۔ (درس شامی 159)

ربط

۱: ناقیل میں یہ ثابت ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دین میں بڑے حریص تھے کہ تحویل قبلہ سے پہلی نماز کے بارے میں پوچھتے ہیں۔۔۔ اس سے امام بخاری کا ذہن تحریم غمر کی طرف چلا گیا اور حرمت غمر کی آیات کے آخر میں واللہ یحب المحسنین تو اس احسان کی وجہ سے حسن اسلام کا باب باندھا۔ (۲) پہلے باب الصلوٰۃ من الایمان اور اب حسن اسلام کا باب ہے۔ اور یہ یقینی بات ہے کہ اسلام میں حسن نماز سے آتا ہے لہذا مناسبت ظاہر ہے۔ (درس شامی 155)

غرض ترجمہ

اس سے بھی مقصود درجہ اسلام کو ثابت کرنا ہے۔: حسن، ۲: غیر حسن۔ تو دور درجے ثابت ہو گئے۔
فحسن اسلامہ: ظاہر و باطن میں اسلام ہو۔ ان معاصی کو ترک کر دے جن کو قلیل از اسلام کرتا تھا۔
الی سبعة مائة وضعف: اس سے درجہ اسلام معلوم ہوئے۔

قال مالک اخبرنی: یہ تطبیق ہے اور ان تعلیقات میں سے ہے جن کو امام بخاری نے دوسری جگہ موصولاً ذکر نہیں کیا۔ ایسی روایات کی تعداد ایک سو اسی ہے۔ یہ تعلیقات امام بخاری اگر بالجزم لائیں تو یہ صحیح ہوں گی۔ جیسے یہاں قال مالک کے ساتھ بالجزم لائے ہیں تو یہ صحیح ہوگی۔ اگر کہیں بالجزم نہ لائیں تو اس کا صحیح ہونا ضروری نہیں۔ (درس شامی 155)

حالت کفر کی نیکیوں کا حکم

الا ان یتجاوز الله عنها:

یہاں سے معتزلہ و خوارج کی تردید ہو گئی اور اہل السنۃ والجماعت کا مذہب ثابت ہوا۔
سوال: امام بخاری نے حضرت ابو سعید خدریؓ کی ایک روایت میں حدیث پاک کے آخر کا کلمہ جس کے الفاظ یہ ہیں: کتب اللہ کل حسنة کان اذ لفقها، کافر جب اچھی طرح مسلمان ہو جائے تو حالت کفر و شرک کی نیکیاں بھی لکھ دی جاتی ہیں۔ اس کو حذف کیوں کر دیا۔ جبکہ یہ الفاظ طحاوی اور نسائی میں موجود ہیں۔

فائدہ: زلفہا: کو قاضی عیاضؒ اور حافظؒ نے تخفیف کے ساتھ درست کیا ہے جبکہ امام نوویؒ نے تشدید کے ساتھ زلفہا درست بنایا اور ابن سید نے ازلف بمعنی قزب کہل ہے۔ (درس شامی 157)

بعض میں الی الفی الف دولاکھ کا ذکر آیا ہے۔ (درس شامی 158)

جواب: امور مسلم فی الدین میں یہ ہے کہ حالت کفر کی نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں۔ اللہ کے ہاں قبول نہیں ہوتیں۔ وقلمنا الی ما عملوا من عمل فجعلناه هباءً منثوراً۔ لیکن یہ جواب درست نہیں۔ اس لئے کہ کسی بھی حدیث کو قواعد عامہ یا کسی اصول کے خلاف ہونے کی وجہ سے حذف نہیں کیا جاتا۔ اس کا محمل بتایا جاتا ہے۔ مصداق کا تعین کیا جاتا ہے۔ یا تو جیسا کہ جاتی ہے۔ علاوہ انہیں یہ بات قابل تسلیم نہیں کہ حالت کفر کی نیکیاں دنیا و آخرت کے لحاظ سے نافع نہیں ہیں۔ اور قواعد عامہ کے خلاف بھی نہیں کہ حالت کفر کی نیکیاں نافع نہیں۔ بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ حالت کفر کی نیکیاں موقوف علی الاسلام رہتی ہیں۔ جوں ہی توفیق اسلام ہوتی ہے سابقہ تمام نیکیوں کا اجر و ثواب ملتا ہے۔ چنانچہ حضرت حکیم بن حزامؒ نے آپ ﷺ سے دریافت کیا: یا رسول اللہ! میں اپنی سابقہ کفر کی زندگی میں رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی اور غلاموں کو آزاد کرتا رہا۔ کیا مجھے اسلام لانے کے بعد اس کا کوئی اجر و ثواب ملے گا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أَسْلَمْتَ عَلَى مَا أَسْلَفْتَ مِنْ خَيْرٍ

یہ واضح دلیل ہے بعد از اسلام حالت کفر کی نیکیاں باعہ اجر ہوں گی اور حدیث پاک کا وہ جملہ جو نسائی اور طحاوی میں موجود ہے یہ بھی دلیل ہے تو پھر یہاں حذف کیوں کیا؟

نیز اگر اس کو توفیق اسلام نہ ہو تب بھی اس کو تخفیف عذاب کے لحاظ سے نافع ہوں گی۔ اس لئے کہ درجات جنت کی طرح درجات جہنم بھی ہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں آپ ﷺ سے مروی ہے سب سے ہلکا عذاب میرے چچا ابوطالب کو ہوگا۔ آگ کے جوتے پہنائے جائیں گے جن سے دماغ کھولے گا۔ اسی طرح بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے ابولہب کو کسی نے خواب میں دیکھا تو اس نے کہا جس روز محمد (ﷺ) پیدا ہوئے تھے میں نے اس روز ثویبہ نامی لونڈی کو آزاد کیا تھا جب وہ دن آتا ہے تو عذاب میں تخفیف ہو جاتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے امام بخاریؒ نے حدیث کا کلیہ کلز اس لئے حذف نہیں کیا کہ یہ امور مسلمہ کے خلاف ہے۔

جواب ۲: حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: مستملین اور شراح مجیبین دونوں کو مغالطہ لگا ہے۔ کیونکہ حسنات کفار و طرح پر ہیں۔ ایک از قبیل عبادت، اس کا کفر اختیار کرنے والے کو کوئی ثواب نہیں ملتا۔ کیونکہ بغیر ایمان اس کی نیت ہی صحیح نہیں۔ اور دوسری از قبیل صلہ رحمی یا صدقہ یا اعتاق وغیرہ ہے اس کا ثواب ملتا ہے۔ علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: امام بخاریؒ نے اس جملہ کو اس لئے یہاں حذف فرمایا کہ اس جملہ کو روایات کے دیگر طرق میں ذکر نہیں کیا گیا۔ صرف حضرت ابوسعید خدریؓ کے بعض طرق میں ہے۔ اور بعض میں نہیں ہے۔ چونکہ یہ شرط بخاری پر نہیں تھا۔ اس لئے اس کو ذکر نہیں فرمایا۔

جواب ۳: نیز یہ بھی جواب ہے کہ امام بخاریؒ نے اس کو اختصاراً حذف فرمایا ہوا اس لئے غرض الباب حسن اسلام بتلانا مقصود ہے تو جس فقرے سے مقصود حاصل ہو رہا تھا اس کو ہی ذکر کیا۔

سوال: قال مالک___ قال کیوں کہا خبر ناو حدثنا کیوں نہیں کہا؟

جواب: یہ تعلیق ہے۔ امام بخاریؒ نے اپنے استاد کا یہاں ذکر نہیں فرمایا۔ یہ حدیث امام مالکؒ کی ہے اور دارقطنی نے اپنی کتاب غرائب مالک میں ۹ طریق سے یہ حدیث نقل فرمائی ہے۔

حالت کفر کے گناہ محض اسلام لانے سے معاف ہو جائیں گے یا نہیں؟

سوال: حالت کفر کی نیکیاں اسلام قبول کرنے سے کارآمد ہو جاتی ہیں۔ آیا حالت کفر کے گناہ محض اسلام لانے سے معاف ہو جائیں گے یا ان پر مواخذہ کا اندیشہ ہے۔

جواب: عند الخمہور اسلام لانے ہی معاف ہو جاتے ہیں۔ البتہ امام احمد بن حنبلؒ، امام بیہقی اور امام حلیؒ اس بات کے قائل ہیں بعد از اسلام توبہ ضروری ہے۔

دلائل (۱) آیت کریمہ___ الا من تاب و عمل عملاً صالحاً۔ آیت شریفہ سے معلوم ہوا کفر کے بعد مجرد ایمان سے توبہ قبول نہیں بلکہ عمل صالح کی قید بھی لگائی گئی ہے۔

(۲) دوسرا استدلال حدیث الباب سے ہے۔ اذا اسلم العبد فحسن اسلامه۔ کفر تو اذا اسلم العبد سے ختم ہو گیا۔ تاہم فحسن اسلام جب ہوگا جب توبہ کے ساتھ اس پر استقامت بھی ہو اور عمل صالح بھی ہو۔

جمہور کی دلیل: وہ حدیث ہے جس میں حضرت عمرو بن عاصؓ کو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا جبکہ انہوں نے عین بیعت کے دوران اپنا ہاتھ کھینچ لیا تھا پہلے یہ اطمینان کر لوں کہ حالت کفر کے گناہوں پر مواخذہ نہیں ہوگا۔ ورنہ میں بیعت نہیں کرتا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اما علمت يا عمرو! ان الاسلام يهدم ما كان قبله۔

یہ بطور قاعدہ کلیہ ہے۔

دیگر ائمہ کو جمہور کی طرف سے جواب:

(۱) آیت کریمہ میں الا من تاب، یہ استثنا منقطع ہے۔ اور 'الا' لکن کے معنی میں ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے اس آیت میں فاو لنک یدل اللہ سیاتہم حسنات آ رہا ہے۔ اور تبدل سیات بال حسنات اس وقت بولا جاتا ہے جب ایمان کے بعد اعمال صالحہ بھی کئے ہوں۔ اگر اسلام لایا مگر اس کے بعد عمل صالح نہیں کئے۔ تو تبدل سیات نہ ہوگا۔ گویا تبدل کیلئے عمل صالح شرط ہے۔ نہ کہ عفو معاصی کیلئے۔ (۲) حدیث الباب سے استدلال کا جواب یہ ہے کہ حسن اسلام کی

قید غنوصہ عاصی کیلئے بطور شرط نہیں ہے بلکہ یہ مزیدیت کے بیان کرنے کیلئے ہے۔ گویا قید اتفاق ہے۔ احترازی نہیں۔
(۳) اعمال خیر جو کفر کے دور کے ہوں ایمان لانے کے بعد ان کے ثواب ملنے پر کوئی اشکال نہیں ہونا چاہیے اہل کتاب کو ایمان لانے پر دوہرا ثواب ملتا ہے حالانکہ منسوخ دین کا ثواب نہیں ملنا چاہیے یہ تفسیر ہے۔ (دلیل 251)

31 باب أَحَبُّ الدِّينِ إِلَى اللَّهِ أَدْوَمُهُ

دین کا وہ کام اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے جو ہمیشہ کیا جائے

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ وَشَّامٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَيْهَا وَعِنْدَهَا امْرَأَةٌ قَالَتْ مَنْ هَذِهِ قَالَتْ فَلَانَةٌ تَذْكُرُ مِنْ صَلَاتِهَا قَالَتْ مَدَّ عَلَيْكُمْ بِمَا تُطِيقُونَ فَوَاللَّهِ لَا يَمَلُّ اللَّهُ حَتَّى تَمَلُّوا وَكَانَ أَحَبُّ الدِّينِ إِلَيْهَا دَاوَمَ عَلَيْهِ صَاحِبُهُ.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے حضور ﷺ کے ہاں تشریف لائے اور ان کے پاس ایک عورت تھی حضور ﷺ نے پوچھا یہ کون ہے؟ حضرت عائشہؓ نے کہا فلاںی ہے (حواہ بنت تویت) اور ان کی نماز کا حال بیان کرنے لگی۔ حضور ﷺ نے فرمایا رک جا۔ لازم ہے تم پر وہ کام جس کی تم کو طاقت ہو کیونکہ اللہ کی قسم انہیں اکتاتا اللہ تعالیٰ ثواب دینے سے یہاں تک کہ تم ہی اکتا جاؤ دین کا وہ کام اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے جس کو آدمی ہمیشہ کرے۔

ربط:

ما قبل میں اسلام کے حسن کا ذکر تھا۔ اب یہاں حدیثی ہے کہ حسن کو ملحوظ رکھ کر غلو اور تجاوز عن الحدود نہ کرے جس کے نتیجے میں پھر بالکل ہی بے عمل ہو جائے۔ (کشف 2/430)

غرض ترجمہ ۱:

دین سے مراد یہاں ”عمل“ ہے۔ امام بخاریؒ کا مقصد یہاں ایمان کی کمی بیشی ثابت کرنا ہے۔ کیونکہ جب ایک درجہ احب ہوگا تو اس سے درجہ غیر احب ہونا ثابت ہوگا۔ جو نقصان ایمان پر دال ہوگا۔
غرض ترجمہ ۲: دین سے مراد عمل ہے۔ اس سے ثابت کیا کہ لفظ دین اعمال پر بولا جاتا ہے لہذا اعمال دین کا جز ہیں۔
جیسے ایک اور حدیث میں ہے خیر الاعمال الی اللہ ما دیم علیہ۔
غرض نمبر ۳: عمل پر مداومت عمل کا وصف ہے جس طرح اعمال ایمان کا جز ہیں اعمال کے اوصاف ایمان کے اجزاء ہیں۔

(توضیح بخاری 1/270)



تشریح حدیث

وَعِنْدَهَا امْرَأَةٌ:

صدقہ عائشہؓ کے پاس بیٹھنے والی عورت جس کی کثرت عبادت کی شہرت تھی (کشف 441/2) یہ عورت بنو اسد کی تھی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے خاندان سے تھی نام حولا بنت تویت بن حبیب بن اسد بن عبد العزیٰ تھا۔ (درس شمارتی 159) ساری رات کھڑے نماز پڑھتی تھی۔

اشکال: حدیث الباب میں دخل علیہا و عندها امرأة ہے جبکہ مسلم میں ہے موت بها امرأة و عندها النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض روایات میں ہے موت به الحولا ہے حدیث کے الفاظ میں اختلاف کیوں ہے؟ بعض شراح نے تعدد واقعات پر محمول کیا ہے۔ عند بعض واقعات متعدد ہے مگر عورت ہر بار حولا ہے۔ لیکن اصح بات یہ ہے کہ تعدد واقعات ہے اور نہ تعدد عورت بلکہ تطبیق یوں کہ حولا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھی ہوئی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم دروازے سے داخل ہوئے تو یہاں تک پہنچ گئی تو مرت بہا ہو گیا اور چلتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب سے گزری تو مرت بہا ہو گیا۔ (درس شمارتی 160)

فقال له

یہ اسم فعل ہے بمعنی اکشف حافظ فرماتے ہیں یہ ماخذ تھا۔ اس زجر کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) خطاب۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہو۔ لیکن اس صورت میں حدیث کا اصل مطلب حاصل نہ ہوگا۔ کیونکہ حدیث میں خلوفی الاعمال سے منع مقصد ہے جو حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا میں نہیں ہے۔ (۲) یہ خطاب اس عورت کو ایسے شاق اعمال مت کرو۔ اس پر اشکال ہے حولا تو چلی گئی ہیں تو بھی خطاب صحیح نہ ہوا۔ اس لئے اسلوب حدیث سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کی عبادت کا تذکرہ تعجب کے انداز میں تفہیم شان سے کیا تو انہی کو خطاب ہے، یہ خلوفی الاعمال قابل عظمت چیز نہیں، بلکہ دائماً عمل بقدر رحمت قابل تفہیم ہے۔ واللہ اعلم (نیز نگاہ نبوت میں ناپسندیدہ امر ظاہر ہونے کے بعد پوری امت کو امر حق کی تلقین و راہنمائی ضروری تھی۔ اس لئے بواسطہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا راہ اعتدال تا قیامت بتلادی۔)

فواللہ: بلا اختلاف حلف اٹھانا جائز ہے خصوصاً جبکہ امور دین میں سے کسی امر کی فحاشی و شان ترغیب یا کسی محذور سے متفر کرنا پیش نظر ہو۔ (کشف 444/2)

لَا يَمْلَأُ اللَّهُ حَتَّى تَمَلُّوْا:

ملال کا معنی رنجیدہ خاطر ہونا ہے۔ ملال اس تھکان کو کہتے ہیں جو بعد از مشقت لاحق ہوتی ہے۔

سوال: اللہ تعالیٰ تو انفعالات و نفسیات سے پاک ہیں۔ تو ملال اور رنجیدہ خاطر ہونا یہ نفسیات کے قبیل سے ہے۔ اللہ تعالیٰ پر اس کا اطلاق صحیح نہیں۔

جواب: کسی مقام پر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف انفعال و نفسیات کی نسبت کی جائے اس سے مراد غایات ہوتی ہیں۔ یہاں ملال سے مراد ثوابِ مقطع کرنا ہے۔ تاہم تعبیر کا یہ انداز مشکاکہ ہوتا ہے جو غیر فصیح بھی نہیں ہے۔ جیسے ان تسخروا منا فاننا نسخر منکم کما تسخرون۔ نیز قاتل اور فاعل کے بدلنے سے فعل کی حقیقت بدل جاتی ہے۔ جیسے نسبتِ رحمت بندے کی طرف رقتِ قلب کے لحاظ سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو تو جو دو احسان کے معنی میں ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے ملال کے چند اور معنی ذکر کئے ہیں۔ ۱: اللہ تعالیٰ کے ہاں ثواب کی کمی نہیں حتیٰ تتر کو العمل۔ ۲: حتی بمعنی اذ یعنی اللہ تعالیٰ اس وقت بھی نہیں ٹھکتے جب تم تھک جاتے ہو۔ (درس شامی 161)

علامہ مازریؒ فرماتے ہیں: حتی یہاں واؤ کے معنی میں ہے۔ لا یمل اللہ و تملون۔ اللہ تعالیٰ سے ملال کی نفی اور لوگوں کیلئے اثبات ہے۔ (۲) عند البعض حتی ”حین“ کے معنی میں ہے۔ لا یمل اللہ حین تملون (کشف 446/2) بجا شروع ترک عمل وصال کے بعد اعراض ہے۔ جو قابلِ مذمت ہے۔ (ایضاً 447)

ما داوم علیہ صاحبہ:

تھوڑا عمل بال دوام اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے۔ بہ نسبت اس زیادہ عمل کے جس میں دوام نہ ہو۔

دوامِ عمل کی وجوہِ احبیت:

- ۱: قلیل عمل دوام کے ساتھ کثیر ہو جاتا ہے بہ نسبت اس کثیر کے جس پر دوام نہ ہو۔
- ۲: امام غزالیؒ فرماتے ہیں: قطرة قطرة اگر پتھر پر گرتا رہے تو سوراخ کر دیتا ہے۔ لیکن ایک مرتبہ اگر سیلاب بھی گزر جائے تو کچھ نہیں ہوتا تاہم دوام و استمرار کی یہ برکت ہے پتھر میں سوراخ ہو کر وہ بھر بھی جاتا ہے پھر اس کا آگے فیضان بھی جاری ہوتا ہے جبکہ پتھر پر قطرات گرنے کی قوت کے لحاظ سے پہلا اور اٹکھواں برابر ہے۔ اس لئے فرمایا ابتدائی ذکر بھی تاثیر کے لحاظ سے منتہی کے برابر ہوتا ہے۔
- ۳: دوامِ عمل استطاعت کے مطابق ہوتا ہے جو نشاط کا باعث ہوتا ہے تو اس پر پھر ثواب بھی ملتا ہے کثرتِ عمل میں نشاط نہ ہوگا تو ثواب خاک ملے گا۔؟

۴: دوامِ عمل کی مثال یومیہ ملاقات کی طرح ہے اور کثرتِ عمل کی مثال ایسے ہے ایک مرتبہ دن رات بیٹھے رہے اور پھر ایک دوسرے سے بیزار ہو گئے۔

۵: دائمی عمل پوری زندگی کی خدمت کی طرح ہے اگرچہ کم ہی ہو۔

۶: عزمِ عمل دوامِ عمل سے ہوتا ہے۔ جو ایک دن بہت زیادہ کر لیتا ہے وہ اگلے دن کا عزم نہیں رکھتا۔ خلاصہ یہ کہ دوامِ عمل سے ازدیادِ محبت ہوتا ہے۔



32 باب زیادۃ الایمان و نقصانہ

وَقَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى {وَزِدْنَاهُمْ هُدًى} {وَزِدْ دَاذَ الَّذِينَ آمَنُوا إِيْمَانًا} وَقَالَ {الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ} فَأَيُّ أَتَرَكَ حَقِيْقًا مِنَ الْكَمَالِ فَهُوَ نَائِضٌ

حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ أَبِرَاهِيمَ قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ قَالَ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَفِي قَلْبِهِ وَزُنْ شَعِيرَةٌ مِنْ خَيْرٍ وَيَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَفِي قَلْبِهِ وَزُنْ شَعِيرَةٌ مِنْ خَيْرٍ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ قَالَ أَبَانُ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ حَدَّثَنَا أَنَسٌ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِيْمَانٍ مَكَانٍ مِنْ خَيْرٍ.

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ الصَّبَّاحِ سَمِعَ جَعْفَرَ بْنَ عَوْنٍ حَدَّثَنَا أَبُو الْغَمَيْسِ أَخْبَرَنَا قَيْسُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْيَهُودِ قَالَ لَهْ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ آيَةٌ فِي كِتَابِكُمْ تَقْرَؤُهَا لَوْ عَلَيْنَا مَغْشَرُ الْيَهُودِ نَزَلَتْ لَا تَخْذَلْنَا ذَلِكَ الْيَوْمَ عِيْدًا قَالَ أَيْ آيَةٌ قَالَ {الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا} قَالَ عُمَرُ قَدْ عَرَفْنَا ذَلِكَ الْيَوْمَ وَالْمَكَانَ الَّذِي نَزَلَتْ فِيهِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ قَائِمٌ بِعَرَفَةَ يَوْمَ جُمُعَةٍ.

ترجمہ: ایمان کے بڑھنے اور کم ہونے کا بیان

اور اللہ تعالیٰ نے (سورۃ کہف میں فرمایا) ہم نے ان کو اور زیادہ ہدایت دی اور (سورۃ مدثر میں ہے) ایمانداروں کا ایمان اور بڑھے اور (سورۃ مائدہ میں ہے) آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین پورا کیا اور (قاعدہ ہے) جب پورے میں سے کوئی کچھ چھوڑ دے تو وہ ادا ہو رہا جاتا ہے۔

حضرت انسؓ حضور اکرم ﷺ سے نقل کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے ”لا الہ الا اللہ“ کہا اور اس کے دل میں جو کے برابر بھی بھلائی (ایمان) ہو تو وہ (ایک نہ ایک دن ضرور) دوزخ سے نکلے گا اور جس نے ”لا الہ الا اللہ“ کہا اور اس کے دل میں گیموں برابر بھلائی ہو تو وہ ایک نہ ایک دن ضرور دوزخ سے نکلے گا اور جس نے ”لا الہ الا اللہ“ کہا اور اس کے دل میں ذرہ برابر بھلائی ہو وہ ایک نہ ایک دن ضرور دوزخ سے نکلے گا۔

امام بخاریؒ کہتے ہیں یہی حدیث دوسری سند سے بھی ہے اور اس میں من خیر کی جگہ من ایمان ہے۔

حضرت طارق بن شہابؒ سے روایت ہے حضرت عمر بن خطابؓ کو ایک یہودی نے کہا: اے امیر المؤمنین تمہاری کتاب میں ایک آیت ہے جو تم پڑھتے رہتے ہو اگر وہ آیت ہم یہود لوگوں پر اترتی تو ہم اس دن کو عید کا دن بنا لیتے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ وہ کونسی آیت ہے؟ یہودی نے کہا یہ آیت ہے ”آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین پورا کر دیا اور اپنا احسان تم پر حرام کر دیا

اور میں نے دین اسلام کو تمہارے لئے پسند کیا۔“ حضرت عمرؓ نے کہا ہم اس دن کو جانتے ہیں اور اس جگہ کو بھی جس میں یہ آیت آنحضرت ﷺ اتری۔ یہ آیت آپ ﷺ جمعہ کے دن اتری جب آپ عرفات میں کھڑے تھے۔

غرض ترجمہ:

غرض باب ترجمہ سے بھی واضح ہے۔

یہی مضمون ماقبل میں مختلف عنوانات سے گزر چکا ہے۔ ازدیاد سے نقصان عمل و ایمان بھی ثابت کیا گیا ہے۔ لیکن بنی الاسلام علی خمس کی روایت میں بالتصریح اسلام کی کمی بیشی کا تذکرہ تھا۔ اب بطور خاص بالتصریح ایمان کی کمی بیشی کا ذکر ہے۔ ان میں سے ایک آیت کا اضافہ ہے وہ یہ ہے:

اليوم اكملت لكم دينكم۔۔۔ گویا دین میں اکمال ثابت کر کے ترجمۃ الباب کو ثابت فرمایا ہے کہ اکمال زیادتی ایمان کی طرف مشعر ہے۔ تو نقصان ایمان ثابت ہو گیا۔

فاذا ترک شیئاً:

سوال: امام بخاریؒ نے جو آیات پیش فرمائیں ان سے زیادتی ایمان ثابت ہوتی ہے مگر نقصان کی کوئی دلیل نہیں ذکر کی۔

جواب: فاذا ترک شیئاً جواب ارشاد فرمایا۔ جو کمال دین کو چھوڑے گا تو نقصان ایمان از خود ثابت ہو جائے گا۔

تشریح حدیث

قوله من ایمان مکان خیر

امام بخاریؒ کا اس باب میں ایمان کی کمی بیشی بیان کرنا مقصود تھا۔ تو متن میں وہ روایت لائے جو خیر کے ساتھ ہے۔ اور بعد میں تعلیق کے ساتھ تعیین فرمادی کہ اس روایت میں خیر سے مراد ”ایمان“ ہے۔ سابقہ مقام پر جہاں باب تفاضل اہل الایمان فی الاعمال لائے تھے اور زیر بحث ”اعمال“ کا تفاضل تھا۔ وہاں وہ روایت لائے جس کے متن میں لفظ ”ایمان“ ہے۔ اور تعلیق کے ساتھ ”خیر“ کی تعیین کی کہ یہاں ایمان بول کر خیر یعنی اعمال مراد ہیں۔

خیر کے مختلف درجات، شعبہ، برۃ اور ذرۃ سے تعبیر کئے گئے ہیں۔ (کشف 461/2)

ذرة۔ ۱: رأس السملة۔ ۲: اخف الموزونات۔ ۳: سورج کی شعاعوں میں جوشیء نظر آتی ہے وہ ذرہ ہے۔ ۴: ہاتھ پر لگی مٹی

جھاڑنے سے جو ریزے چھڑ جاتے ہیں وہ ذرات ہیں۔ (درس شامی 161)

ظاہر نظر میں یہاں برعکس بہتر معلوم ہوتا ہے کہ حدیث انسؓ باب تفاضل اہل الایمان فی الاعمال میں ذکر کی جاتی اور حدیث ابوسعید خدریؓ کا اس باب زیادۃ الایمان و نقصانہ میں نقل کیا جاتا زیادہ بہتر ہے۔

حضرت امام بخاریؒ کا یہ تفسیر ہے جس سے تشبیہ اذہان بھی مقصود ہے۔ نیز یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ خیر بول کر ایمان یا

ایمان بول کر خیر مراد لیا جائے۔ دونوں کی گنجائش ہے۔

امام بخاریؒ نے یہ طرز ترجمہ اس لئے بھی اپنایا کہ سابقہ باب میں جو حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے تو یہی روایت بالتفصیل مسلم شریف میں بھی آتی ہے۔ اس میں قیامت میں مسلمان سفارش کرتے ہوئے کہیں گے ہمارے بھائی ہمارے ساتھ روزہ رکھتے تھے، نمازیں پڑھتے تھے، لہذا ان کو جہنم سے خلاصی دی جائے۔ اس تفصیلی روایت کے اعتبار سے امام بخاریؒ کا فرمانا یہ ہے کہ ایمان سے ”خیر“ یعنی اعمال مراد ہیں۔ جس سے تعلیق کی طرف اشارہ فرمایا۔

حضرت انسؓ کی روایت جو مسلم شریف میں ہے۔ اس کی تفصیل میں نماز، روزے کا کوئی ذکر نہیں۔ صرف ایمان ہی کا ذکر ہے۔ تفصیلی روایت سے گویا بتلانا چاہتے ہیں کہ حدیث انسؓ میں ”خیر“ سے مراد ایمان ہے۔ تو تعلیق میں اسی کی طرف اشارہ فرمایا۔ گویا ان روایات کو نقل فرماتے ہوئے تفصیلی روایت پر بھی نظر رکھے ہوئے ہیں۔

خلاصہ: یہ کہ ایمان کی کی دو اعتبار سے ہوگی۔ ایک نفس ایمان کے اعتبار سے جس کا ذکر اس باب میں ہے۔ اور ایک اعمال کے لحاظ سے جس کا ذکر باب تفاضل اهل الایمان فی الاعمال میں ہے۔ جس سے واضح ہو گیا کہ یہ دونوں باب الگ الگ ہیں۔

من قال لا اله الا الله

سوال: اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ صرف کلمہ توحید منجی ہے۔ کلمہ رسالت کی ضرورت نہیں۔

جواب ۱: یہاں پر ساری امم کی نجات کا ذکر مقصود ہے۔ اور تمام امم کیلئے مشترک کلمہ توحید ہی ہے۔ نیز جزو مشترک کے بیان سے یہ لازم نہیں آتا کہ جزو رسالت کی ضرورت نہیں۔

جواب ۲: بسا اوقات کسی چیز کا ایک عنوان عرفاً و شرعاً مقرر ہوتا ہے تو اسی عنوان کے تحت تمام اجزائے ضروریہ ملحوظ ہوتے ہیں۔ اگرچہ فرد اقر دان کا ذکر کیا جائے۔ جیسے یہ کہا جائے قل هو اللہ پڑھو مراد پوری سورت ہے۔ محض قل هو اللہ نہیں ہے۔

جواب ۳: ایمان خداوندی ایمان رسالت کو مستلزم ہے۔ تو رسالت پر ایمان استلزاماً مقصود ہے۔ اس لئے کہ کلمہ طیبہ کے بتلانے والے رسول اللہ ﷺ۔ ان پر ایمان ہوگا تو لا اله الا الله پر ایمان ہوگا۔

ان رجلاً من اليهود:

کہا گیا ہے اس رجلاً کا مصداق کعب احبار تھے جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔

لا تخذنا ذلک اليوم عیداً:

سوال: یہود کہتے تھے اگر یہ آیت ہمارے ہاں نازل ہوتی ہم اس دن کو عید بنا لیتے۔ سوال یہ ہے حضرت عمرؓ نے اس کو عید تسلیم کیا یا نہیں؟

جواب ۱: عید بنانا تسلیم کیا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ عرفہ اور جمعہ پہلے سے عیدی تھی۔ یعنی آیت کے نزول کا انتخاب عید کے ذریعہ ہے۔

جواب ۲: دوسرا جواب یہ ہے عید بنانے کو تسلیم ہی نہیں کیا۔ مقصود یہ ہے ہماری کیا حیثیت ہے کہ ہم از خود عید بنائیں۔ آپ ﷺ کا یہ روز کو عید فرمائیں گے تو عید ہے۔

و کلاهما بحمد الله لعید:

یہ جملہ تفضیلی حضرت عمرؓ کا مقولہ ہے۔ (کشف 477/2)

اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: آیت کا نزول ایک کی بجائے دو عیدوں میں ہوا۔ محمد اور عرفہ۔

اشکال: حدیث ابان کو اصالۃ نہیں لائے بلکہ تجماع لائے۔ حالانکہ حدیث ابان میں تحدیث کی بھی تصریح ہے اور لفظ

ایمان موجود ہے۔ ج: ہشام اور ابان میں ہشام ثقہ ہے۔ لہذا اس کو اصالۃ لائے اور ابان کو تجماع لائے۔ (درس شامی 165)

قائدہ: بعض شراح نے لکھا ہے: اس دن پانچ وجوہ سے عید تھی، ۱: یوم الجمعہ۔ ۲: یوم العرۃ، ۳: یہود کی بھی عید

تھی۔ ۴: اتفاق سے اس دن نصاریٰ کی عید تھی۔ ۵: مجوسیوں کا نیز وراسی دن تھا۔ (درس شامی 166)

33 باب الزکاة من الاسلام

وَقَوْلُهُ {وَمَا أَمَرُوا إِلَّا ليعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ خُنْفَاءً وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ}

خَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ عَمِّهِ أَبِي سَهْلٍ بَنِي مَالِكٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ سَمِعَ طَلْحَةَ بْنَ

عُبَيْدٍ يَقُولُ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَهْلِ نَجْدٍ لَا يُرَى الرَّأْسُ يَسْمَعُ دَوِيَّ صَوْرِهِ

وَلَا يَفْقَهُ مَا يَقُولُ حَتَّى دَنَا فَإِذَا هُوَ يَسْأَلُ عَنِ الْإِسْلَامِ

فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ فَقَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهَا قَالَ لَا

إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصِيَامَ رَمَضَانَ قَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهُ قَالَ لَا إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ

قَالَ وَذَكَرَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الزَّكَاةَ فَقَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهَا قَالَ لَا إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ

قَالَ فَأَذْهَبَ الرَّجُلُ وَهُوَ يَقُولُ وَاللَّهِ لَا أَرِيدُ عَلَى هَذَا وَلَا أَنْفُسَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

أَفْلَحَ إِنْ صَدَقَ.

ترجمہ:- زکوہ دین اسلام کا ایک شعبہ ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا قول حالانکہ ان کو نہیں حکم دیا گیا تھا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کریں اطاعت کو اس کے لئے خالص کرتے

ہوئے اور نماز قائم کریں، زکوہ ادا کریں اور بھی پکا دین ہے۔

طلحہ بن عبید اللہ کہتے تھے ایک شخص آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اہل نجد میں سے اس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ ہم

اس کی آواز کی پہنچنا ہٹ سنتے تھے اور اس کی بات سمجھتے نہیں تھے حتیٰ کہ وہ قریب ہوا۔ پس اچانک وہ سوال کر رہا تھا اسلام کے

متعلق۔ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دن رات میں پانچ نمازیں پڑھنا ہے۔ اس نے کہا کیا اس کے علاوہ بھی مجھ پر نماز ہے

؟ فرمایا نہیں مگر یہ کہ تو نفل پڑھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اور رمضان کے روزے رکھنا، اس نے کہا اس علاوہ بھی مجھ پر روزہ ہے؟ فرمایا نہیں مگر یہ تو نفل رکھے۔ طلحہؓ کہتے ہیں آپ ﷺ نے اس کے سامنے زکوٰۃ کا تذکرہ کیا اس نے کہا کیا مجھ پر اس کے علاوہ بھی ہے؟ فرمایا نہیں مگر یہ کہ تو نفل صدقہ دے۔ راوی نے کہا وہ شخص واپس ہوا یہ کہتا ہوا کہ اللہ کی قسم میں اس پر نہ زیادتی کروں گا نہ کمی۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر یہ سچا ہے تو کامیاب ہوا۔

تعارفِ دواۃ

حدیث کی سند میں پانچ نمبر راوی حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ ہیں۔ ان کی کل مرویات ۳۸ (اڑتیس) ہیں۔ جنگِ جمل میں شہید ہوئے۔ بصرہ میں مدفون ہیں۔ واقعہ جمل میں دس جمادی الاولیٰ 36ھ میں آپ شہید ہوئے آپ عشرہ مبشرہ میں ہیں۔ دو حدیثیں متفق علیہ دو میں امام بخاریؒ اور تین میں امام مسلمؒ مفرد ہیں۔ (کشف ج 2 ص 482) تدفین کے تیس سال بعد بیٹی کو خواب میں زمین کی رطوبت کی شکایت فرمائی۔ قبر کشائی کے بعد دوسری جگہ دفن کیا گیا۔ سر کے بالوں کا وہ حصہ جس کے ساتھ زمین کی رطوبت تھی تھوڑا سا متاثر تھا پورے جس پر کوئی تغیر نہ تھا۔ (جو قبر میں دلیل حیات ہے۔) [کشف 483/2]

غرض ترجمہ ۱: زکوٰۃ جزو اسلام ہے۔ حضرت امامؒ ثابت فرما رہے ہیں جیسے دیگر ارکان اسلام کا جزو ہیں۔ اسی طرح زکوٰۃ بھی اسلام کا جز ہے۔ حضرات احنافؒ اس کو کمال اسلام و ایمان پر محمول کرتے ہیں۔
غرض ترجمہ ۲: امام بخاریؒ ایمان کے شعبے بیان فرما رہے تھے تو ایک شعبہ زکوٰۃ بھی ہے۔ اس کا بیان فرما رہے ہیں۔ جو ایمان کے اہم ترین شعبوں میں سے ہے۔ نیز مقصود مریجہ کی تردید بھی ہے۔

تشریح حدیث

وذلك دين القيمه: یہ محل استدلال ہے۔ کیونکہ ذلک کا اشارہ اعمال یعنی زکوٰۃ کی طرف ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ دین ہے اور قرآن کریم میں ان الدین عند اللہ الاسلام ہے۔ اس سے معلوم ہوا زکوٰۃ اسلام میں سے ہے۔
جاء رجل من رجل سے مراد حضرت ضمام بن ثعلبہؓ ہیں۔ عند بعض اس روایت میں نجد سے آنے والے حضرات ہیں۔ حضرت ضمام بن ثعلبہؓ کا واقعہ اور ہے۔ لیکن اکثر کے نزدیک ترجیح اسی کو ہے کہ اس سے مراد حضرت ضمام بن ثعلبہؓ ہی ہیں۔
من نجد:

نجد اونچی جگہ کو کہتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں تہام ہے۔ پست جگہ کو تہام کہتے ہیں۔ ان دونوں کے درمیان حجاز کا علاقہ ہے۔

دوئی صوتہ: اس کی آواز کی بھنبھناہٹ۔ شہد کی بھنبھنبھن کی طرح جو آواز ہوتی ہے اس کو دوئی کہتے ہیں۔

سوال: یہ آواز کس چیز کی تھی؟ جواب ۱: سرعت سیر و جل کی تھی۔

جواب ۲: مسافر کی تنہائی میں کچھ گنگناہٹ۔ یہ مسافر بھی گنگنا رہے تھے۔

جواب ۳: جوابات پوچھتی تھی اس کو دہرا رہے تھے۔

ثالث الراس:

بکھرے بال والا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے طالب علم کو سیدھا سادھا رہنا چاہیے۔ سنگھی، ٹنگھی کا اس کو وقت ہی نہ ملے۔

خمس صلوات فی الیوم واللیلة:

سوال ۱: آپ ﷺ نے جواب میں شہادتین کا تو ذکر فرمایا نہیں۔؟

جواب ۱: شہادتین کا جواب دیا تھا۔ لیکن حضرت طلحہؓ نے ان سے سنا نہیں تھا۔

جواب ۲: شہرت کی وجہ سے اہل دیہان کی ضرورت محسوس نہ کی۔ کیونکہ وہ مسلمان تھے۔

سوال ۲: سوال اسلام کے بارے میں ہے۔ جوابات میں شریع اسلام کا ذکر کیا ہے؟

جواب: سوال بھی شریع اسلام کے بارے میں ہے۔ کیونکہ بعض روایات میں بھی اس کی تصریح ہے جیسا کہ اسماعیل بن جعفرؒ

کی روایت میں عام الفاظ میں فاخبرہ بشرائع الاسلام۔ آپ ﷺ نے اسلام کے تمام احکام بتائے۔ (فضل 501/۶)

الا ان تطوع اس جملہ کے تحت دو اختلافی مسائل ہیں۔

(۱) نوافل بالشرع لازم ہوتے یا نہیں؟

عند الاحناف لازم ہو جاتے ہیں۔ جمہور کے ہاں لازم نہیں ہوتے۔

دلائل احناف:

(۱) لا تبطلوا اعمالکم اعمل کو باطل کرنے کے متعلق نبی وارہوئی ہے اور ضابطہ ہے کہ الہی عن الشیء امر بخلافہ

دوسرا ضابطہ ہے لا امر للوجوب بدان دونوں کو ملانے سے نتیجہ حاصل ہوا شروع کرنے کے بعد اعمال کے تمام کلو جوہ ہے۔

(۲) یا ایہا الذین امنوا اوفوا بالعقود۔ عقد و عہد ایک قولی ہوتا ہے اور ایک فعلی۔ قولی جیسے کوئی منت مان لے: علی

رکعتان، یا علی صوم۔ اور فعلی جیسے کسی کام کی نیت کر کے شروع کر دے۔ جس طرح قولی نذر کا پورا کرنا ضروری ہے اسی طرح

فعلی نذر کا پورا کرنا بھی ضروری ہے۔ (۳) روزے اور حج میں جمہور بھی اس بات کے قائل ہیں کہ یہ شروع کرنے سے واجب

ہو جاتے ہیں۔ لہذا باقی اعمال کا بھی وجوب ہونا چاہیے۔

دلیل جمہور: الا ان تطوع میں استثنائی منقطع مان کر دلیل بناتے ہیں۔ گویا تطوع (یعنی نوافل) فرائض و واجبات میں

داخل نہیں۔ تو لزوم بھی نہیں ہو سکتا۔

جواب من الاحناف: استثنائی میں اصل متصل ہوتا ہے اور متصل ماننے کی صورت میں یہ احناف کی دلیل بن جاتی ہے۔ کہ

نوافل جنس صلوات میں داخل ہے۔ تو نفل بھی ما قبل کی جنس صلوات سے ہوئے۔ معنی یہ ہوگا: مگر یہ کہ آپ نفل شروع کر دو۔ وہ بھی

شروع کرنے سے واجب و لازم ہو جائیں گے۔ جیسے فرض نمازیں لازم ہیں۔

مسئلہ ثانیہ وجوب وتر

عند الاحناف وتر واجب ہیں۔ مگر جمہور کے ہاں واجب نہیں۔ البتہ سنن میں سے مؤکد ترین سنت وتر ہیں۔ اور اس درجہ پر ہیں کہ اس کی قضا بھی کی جاتی ہے۔

دلیل جمہور: یہی الا ان تطوع۔ جبکہ استثنیٰ منقطع مانا جائے۔ گویا فرض و واجبات کی جنس میں سے نہیں ہے۔ جنس سنن میں سے ہے۔

جواب ۱: یہ وجوب وتر سے پہلے کا واقعہ ہے۔ اس لئے یہاں صرف فرض کا بیان ہے اور اس کے بعد نوافل ہیں۔ وتر زیر بحث ہی نہیں۔

جواب ۲: احناف وتر کو سادس المكتوبات قرار نہیں دیتے اسے فرض قرار دیں تو خمس صلوات سے اعتراض ہو سکتا ہے۔ (كشف)

جواب ۳: من نسي الوتر او نام عنها فليصلها اذ ذكر، حکم قضا واجبات میں ہے سنن میں نہیں۔ (نصر الباری ۱/۳۱۷)

جواب ۴: تطوع سے مراد عام ہے کہ فرض نہ ہو۔ گویا اصطلاحی تطوع مراد نہیں جو فرض، واجب، سنت کے بعد اور مقابل ہوتا ہے۔ یہاں صرف مراد یہ ہے کہ فرض نہ ہو۔ یعنی فرض کے بعد عام ہے کہ واجب ہو یا سنت ہو یا نفل ہو۔

جواب ۵: یہاں (الا ان تطوع) سے وتر کی نفی ہی نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ عشاء کی نماز کے تابع ہو کر پہلے آچکے ہیں۔ کیونکہ عشاء سے پہلے ادائیگی نہیں کیے جاتے۔

جواب ۶: انوکھا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کے تحت یہ بحث چھیڑنا ہی مناسب نہیں ہے کیونکہ نو مسلم کو احکام بالترتیب بتائے جاتے ہیں۔

جواب ۷: یہ الا ان تطوع کا لفظ زکوٰۃ کے بارے میں بھی آیا ہے مگر صدقہ فطر کا بالا جماع دیگر دلائل سے وجوب ثابت ہوتا ہے۔ تو وتر بھی دیگر دلائل سے واجب ہیں۔ کم از کم ”قضا“ کے ”وجوب“ کے سب ہی قائل ہیں۔

سوال: الا ان تطوع کو احناف استثنیٰ متصل تسلیم کرتے ہیں۔ اس پر اعتراض ہے نفل تو شروع کرنے کے بعد لازم و واجب ہوتے ہیں اور مستثنیٰ منہ کی جنس فرض ہیں تو نفل شروع کرنے کے بعد جب واجب ہیں تو اس کی جنس میں سے تو نہ ہوئے؟

جواب: احناف جنس باعتبار عمل کے ہے۔ کیونکہ عملاً وجوب فرض میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ اگرچہ عقیدۂ فرق ہے۔ فرض کا منکر کافر ہے۔ اور واجب کا منکر کافر نہیں۔ تو نفل کا وجوب بالشرع فرض اعتقادی نہیں ہے۔ لیکن فرض عملی ہے۔ تو مستثنیٰ منہ میں داخل ہے۔

سوال: جب استثنیٰ منقطع بن سکتا ہے سب بناتے ہیں۔ تو احناف بھی اس اتحاد میں شامل ہو جائیں۔ یہ تو تعصب ہے۔

جواب: جب اور دلائل سے وجوب نفل بالشرع ثابت ہے تو تعصب پر نہیں بلکہ تائید پر محمول کرنا چاہیے۔

حافظ ابن حجرؒ نے کتاب الصوم نسائی سے روایت پیش کی ان رسول اللہ ﷺ بنوی صوم التطوع ثم يفطر۔۔۔ نیز حضرت جویریہ بنت حارثؓ کو جمعہ کے روزہ شروع کرنے کے بعد افطار کا حکم فرمایا۔ دونوں روایات میں افطار کا ذکر ہے قضا کا نہیں۔

علامہ عینیؒ نے تعجب فرمایا حافظ ان روایات کو کیسے بھول گئے جن میں قضا کا حکم ہے۔ حضرت حفصہؓ حضرت عائشہؓ کا روزہ تھا بکری کا گوشت ہدیہ آیا دونوں نے اس میں سے کچھ کھالیا آپ ﷺ نے فرمایا: صومایو مامکانہ (مسند احمد) وار قطنی میں روایت ہے حضرت ام سلمہؓ نے نفلی روزہ توڑا فرمایا: ان تقضی یوماً مکانہ۔۔۔ ان روایات سے لزوم قضا معلوم ہوتا ہے اور الا ان نطوع میں مستثنیٰ متصل ہے۔۔۔

حدیث ام ہانی رضی اللہ عنہا الصائم المتطوع امیر نفسہ ان شاء صام وان شاء افطر۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ضرورت کی بناء پر روزہ توڑنا جائز ہے۔۔۔ لیکن اس میں قضا کرنے نہ کرنے کا کوئی ذکر نہیں تو عدم ذکر قضا سے قضا کی نفی نہیں ہوتی۔ (درس شامی 171)

(۲) دوسرا جواب یہ ہے۔ بین الروایات تعارض تسلیم کر لیا جائے تو احادیث احناف مثبت ہیں اور احادیث شوافع ثانی ہیں۔ مثبت کو ثانی پر ترجیح ہوتی ہے۔ نیز مسلک احناف احوط فی العبادۃ ہے چنانچہ کسی طبعی یا شرعی عذر کی بنا پر بھی عمل ناتمام رہ جائے تو قضا لازم ہے۔ (فضل الباری 3/1-502)

هل علی غیرہ:

اشکال:۔۔۔ علی سے مراد وہ اعمال ہیں جو اللہ کی طرف سے بندہ پر لازم بھی ہوں۔ نوافل بندہ کی طرف سے خود پر لازم ہوتے ہیں؟

جواب: آغاز بندے کی طرف سے ہے بعد از شروع اتمام شارع کی طرف سے لازم کیا گیا ہے۔ (ایضاً)

ذکر لہ رسول اللہ ﷺ واللہ وسئلہ:

پیراوی کی احتیاط ہے۔ الفاظ کا سہو ہو گیا۔ تو یہ جملہ ارشاد فرمایا۔

واللہ لا ازید علی ہذا ولا انقص:

سوال: زیادتی کی نفی نہیں سمجھ آتی۔ اس لئے کہ حکم مزید آسکتا ہے یا دیگر نوافل، صدقات وغیرہ زیادہ بالکل ہی نہ کریں۔ اس لئے کہ نفی سمجھ آتی ہے مگر زیادتی کی نفی سمجھ نہیں آتی۔

جواب ۱: من حیث الفرض کی پیشی نہیں کروں گا۔

جواب ۲: یہ شخص مُلغ قوم تھا۔ مطلب یہ ہے تبلیغ احکام میں اپنی طرف سے کوئی کمی پیشی نہیں کروں گا۔

جواب ۳: قاتل کی مراد لغوی معنی نہیں ہے۔ بلکہ عہد اطاعت سے کنایہ ہے۔ جیسے خریداری کے موقع پر کہا جاتا ہے: میں

پورا پورا لوں گا۔ کمی پیشی نہیں کروں گا۔

جواب ۴: ضام بن ثعلبہؓ کی قسم سے مراد یہ ہے کاروباری آدمی ہوں زیادہ عبادت مجھ سے نہ ہوگی۔ (دلیل 263)

جواب ۵: یا یہ ہے کہ کیفیت میں کمی بیشی نہ کروں گا۔ یعنی فرض کو غیر فرض اور غیر فرض کو فرض نہ سمجھوں گا۔
 جواب ۶: قلبی حالت مشکف ہونے کی وجہ سے سنائی... (جبکہ عند بعض عمومی شریعت سے استثناء کی بنیاد پر انہیں فرائض پر ہی بشارت جنت ہے) گویا انہی کی خصوصیت ہے عام دستور نہیں جیسے ایک فرد کی گواہی دو کے قائم مقام یا کفار روزہ کے طور پر فدیہ صیام روزے توڑنے والا خود کھالے۔

جواب ۷: بعض دفعہ حقیقت قسم مراد نہیں ہوتی تزیین کیلئے کلام میں قسم لے آتے ہیں جیسے غالب کا شعر ہے:

اتنا ہوں میں تیری تیغ کا شرمندہ احسان	کہ سر میرا تیرے سر کی قسم اٹھ نہیں سکتا

(ذیل 263)

جواب ۸: مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ فرماتے ہیں: میرے نزدیک لازماً علیٰ ہذا ولا انقص کا مطلب یہ ہے کہ فرض کو فرض اور نفل کو نفل ہی سمجھوں گا۔ یعنی فرض کبھی چھوڑوں گا نہیں اور نفل کبھی پڑھوں گا کبھی چھوڑوں گا۔ طرفین کو ذکر کر کے طرف واحد کی تاکید ہے۔ (انعام 539/1)

افلح ان صدق:

سوال: بعض روایات میں ان صدق کی شرط نہیں ہے۔ بظاہر تعارض ہوا۔

جواب: فلاح کی دو قسمیں ہیں:

فلاح کامل، فلاح مطلق۔ یہ شرط فلاح کامل کے اعتبار سے ہے۔

جواب ۲: دو حالتیں ہوتی ہیں:

۱: حالت موجودہ۔ ۲: حالت مستقبلہ۔ حالت موجودہ کے لحاظ سے بلا شرط ہے۔ اور حالت مستقبلہ کے لحاظ سے بالشرط ہے۔

سوال: اس روایت میں حج کا ذکر نہیں کیا گیا۔

جواب: اس وقت تک فرضیت حج نہیں ہوئی تھی۔

جواب ۲: راوی کا اختصار ہے۔ اس لئے بعض طرق میں ذکر ہے۔

سوال: ایک روایت میں: افلح وابیہ کے لفظ ہیں۔ جبکہ دوسری روایت میں ہے: من حلف بغیر اللہ فقد کفر

واشرک (ترمذی) نیز فرمایا: لا تحلفوا باہائکم۔ (بخاری ۲)۔ یہ تعارض ہوا۔

جواب ۱: حلف بغیر اللہ کی ممنوعیت سے قبل کا واقعہ ہے۔

جواب ۲: یہاں مضاف محذوف ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے: افلح و ابیہ۔ قائل کے

بدلنے سے کلام کی توجیہ بدل جاتی ہے۔

جواب ۳: یمین لغو پر محمول ہے۔ عرف کے لحاظ سے بول دیا جاتا ہے۔

34 باب اتّباع الجنائز من الایمان

جنارے کے ساتھ جانا ایمان میں داخل ہے

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَلِيٍّ الْمَنْجُورِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا رُوَيْحٌ قَالَ حَدَّثَنَا عَوْفٌ عَنْ الْحَسَنِ وَمُحَمَّدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اتَّبَعَ جَنَازَةً مُسْلِمًا وَاعْتِسَابَهَا وَكَانَ مَعَهُ حَتَّى يُصَلَّى عَلَيْهَا وَيُغْرَغَ مِنْ دَفْنِهَا فَإِنَّهُ يَزِيحُ جِيعَ مِنَ الْأَجْرِ بِقِيمِ أَطْنِ كُلِّ قِيمِ أَطْنِ أَخِيذَ مَنْ صَلَّى عَلَيْهَا ثُمَّ رَجَعَ قَبْلَ أَنْ تُدْفَنَ فَإِنَّهُ يَزِيحُ جِيعَ بِقِيمِ أَطْنِ تَابِعَهُ عُثْمَانُ الْمُؤَدِّبُ قَالَ حَدَّثَنَا عَوْفٌ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص ایمان کے ساتھ ثواب کی امید سے کسی مسلمان کے جنازہ کی اتباع کرے اور نماز و دفن سے فارغ ہونے تک اس کے ساتھ رہے تو وہ دو قیراط ثواب لے کر لوٹے گا، ہر قیراط احد پہاڑ کے برابر ہوگا اور جو شخص نماز پڑھ کر دفن سے قبل آجائے تو ایک قیراط لے کر واپس آئے گا۔

تشریح حدیث

رابطہ: ما قبل میں زکوٰۃ کا ذکر تھا زکوٰۃ کا مصرف غریاء و مساکین ہیں جو اعانت غیر کے محتاج ہیں۔ اسی طرح میت اپنی منزل تک پہنچنے میں دوسرے کی اعانت کے محتاج ہے۔ باب سابق میں احتیاج دنیوی کا ذکر ہے اور یہاں بعد از حیات کی احتیاج کا ذکر ہے مسافر آخرت کے سلسلہ میں لا پرواہی نہ کی جائے۔ اہتمام سے الوداع کہا جائے اس لئے چھوٹی حسنت کا اجر غیر معمولی طور پر بڑھا دیا گیا ہے۔ (فضل الباری 1/508)

جنازہ کا اطلاق چار پائی اور میت دونوں پر آتا ہے۔ جنازہ بفتح الجیم لاش اور بکسر الجیم وہ تخت جس پر لاش رکھی جائے اطلاق دونوں طرح ہے۔ (دلیل 264)

غرض ترجمہ: اتباع جنازہ بھی شجرۂ ایمان ہے۔ ایماناً و احتساباً کی تفصیل گزر چکی ہے۔

اشکال: حدیث ابان کو اصالۃ نہیں لائے بلکہ تبعاً لائے۔ حالانکہ حدیث ابان میں تحدیث کی بھی تصریح ہے اور لفظ ایمان موجود ہے۔ ج: ہشام اور ابان میں ہشام ثقہ ہے۔ لہذا اس کو اصالۃ لائے اور ابان کو تبعاً لائے۔ (درس شامی 165)

تابعہ عثمان المؤذن الی نحوہ۔ امام بخاریؒ فرق بتانا چاہتے ہیں میری روایت باللفظ ہے اور عثمان مؤذن کی روایت بالمعنی ہے۔ بجائے مثلہ کے نحوہ سے تعبیر کیا۔ (فضل الباری 1/509)

مسئلہ اختلافیہ: جنازہ سے آگے چلنا چاہیے یا پیچھے؟

احناف کے نزدیک پیچھے چلنا چاہیے۔ اس میں تعظیمِ میت ہے۔ دوسری دلیل یہ کہ حدیث میں ہے: **الجنازة موعودہ عند الشوافع: آگے چلنا چاہیے۔ جنازہ پیچھے ہو۔**
دلیل ۱: حضراتِ شیخینؒ آگے چلتے تھے۔

جواب: یہ ہے وہ دونوں خلفاء و امراء تھے۔ اگر وہ پیچھے چلتے تو لوگ بہت پیچھے ہوتے۔ وہ انتظاماً آگے چلتے تھے۔ میت کو پیچھے کرنا مقصد نہیں ہوتا تھا۔

دلیل ۲: جنازہ کفر کا دفعہ نہیں (گویا میت مجرم ہے) لہذا سفارش آگے چلا کر نہیں۔ (جنا شفعاء لا یخبرلہا ولا رحمہا)

جواب: یہ ہے میت کو مجرم سمجھنے کا نظریہ درست نہیں، ایسا ہوتا تو میت کو خفیہ لے جایا جاتا نہ کہ غسل، سفید کپڑے، خوشبو وغیرہ کے ذریعہ تعظیم کی جاتی۔

جنازہ موعود کو بطور غرر نہ راہ و ہدیہ غسل و خوشبو عمدہ کپڑوں کے بعد مسلمانوں کے کندھوں پر بارگاہِ خداوندی میں پیش کیا جاتا ہے یہ امور ترمیمی ہیں، سفارش کے درجہ میں مفلوک الحال ہونا اور قابلِ ترمیم حالت چاہیے۔ نیز جن روایات سے جنازہ سے آگے چلنا معلوم ہو رہا ہے وہ فعلی ہیں ان کے مقابلہ میں حنفی کی روایت قولی ہے۔ (در بخاری 283)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جب یہ روایت پہلی بار سنی تو بطور حسرت و افسوس ارشاد فرمایا کہ ہم نے تو بہت قیراط ضائع کر دیئے۔ مزاج صحابہؓ میں نوافل و سنن کا بہت اہتمام تھا۔ مگر آج کل علماء و صلحاء میں عمل کی حیثیت معلوم ہونے پر کہ فرض ہے، واجب ہے یا سنت و نفل ہے۔ ترکِ نوافل و مستحبات حرام ہو گیا ہے۔ یہ صورت حال حضرات صحابہ کرامؓ کے مزاج کے خلاف ہے۔ الغرض فضائل اعمال کا اہتمام کرنا چاہئے۔ اصطلاحات و وجوب و سنن کو ترکِ عمل کا ذریعہ نہ بنائے۔ اپنے فرائض مصیہ اور صحت کا خیال کرتے ہوئے فضائل کا خوب اہتمام کیا جائے۔

فائدہ: یہ قیراطین کا حشریہ ہے، نصف دانق کو کہتے ہیں اور عمدۃ القاری میں (۱) دینار کا بیسواں حصہ (۲) چوبیسواں حصہ لکھا ہے۔ لیکن یہاں قیراط سے کل قیراط مثل احد کا معنی ہے اور کل والی روایت میں قیراط کا اصلی معنی مراد ہے۔ کیونکہ ثواب میں زیادہ سے زیادہ مراد ہوتا ہے اور عقاب و عذاب میں کم سے کم مراد ہوتا ہے۔ (در شامری 174)



35 باب خَوْفِ الْمُؤْمِنِ مِنْ أَنْ يَحْبُطَ عَمَلُهُ وَهُوَ لَا يَشْعُرُ

وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ التَّيْمِيُّ مَاعَزَ طُتْ قَوْلِي عَلَى عَمَلِي لَا خَشْيَةَ أَنْ أَكُونَ مُكَذِّبًا وَقَالَ ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ أَذْرَكْتُ ثَلَاثِينَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّهُمْ يَخَافُ التَّفَاقُ عَلَى نَفْسِهِمَا مِنْهُمْ أَحَدٌ يَقُولُ إِنَّهُ عَلَى إِيْمَانٍ جَنِيْدٍ وَبِكَائِلٍ وَيَذْكُرُ عَنِ الْحَسَنِ مَا خَافَهُ إِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا أَوْفَى إِلَّا مُنَافِقٌ وَمَا يَخْلُزُ مِنَ الْإِضْرَارِ عَلَى الْقِتَالِ وَالْأَعْيَانِ مِنْ غَيْرِ قَوْلٍ يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى {وَلَمْ يَصِرُوا عَلَى مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ} حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَزْزَةَ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ زُبَيْدٍ قَالَ سَأَلْتُ أَبَا وَائِلٍ عَنِ الْمُزْنِجَةِ فَقَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ.

حَدَّثَنَا الْقُتَيْبَةُ عَنْ سَعِيدِ بْنِ سَمْعَانَ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ جَعْفَرٍ عَنْ خَمِيْدٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الصَّامِتِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يُخَيِّرُ بَلِيلَةَ الْقَدْرِ فَعَلَاخَى رَجُلَانِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ فَقَالَ إِلَيَّ خَرَجْتَ لِأُخَيِّرَ كُمْ بَلِيلَةَ الْقَدْرِ وَإِنَّ تَلَاخَى فَلَانٌ وَفَلَانٌ فَوُفِعَتْ وَعَسَى أَنْ يَكُونَ خَيْرُ الْكُفْرِ الْقَمْسُوهَا فِي الْمَنَعِ وَالْقَسْعِ وَالْخَمْسِ.

ترجمہ: مومن کو ڈرنا چاہئے کہ کہیں اس کے عمل مٹ جائیں اور اس کو خبر نہ ہو

اور ابراہیم التیمیؒ نے کہا جب میں نے اپنے قول کو اپنے کردار کے ساتھ ملایا تو مجھے ڈر ہوا کہ میں (شریعت کے) جھٹلانے والوں (کافروں) میں سے نہ ہوں۔ اور ابن ابی ملیکہؒ نے کہا میں سرور کائنات ﷺ کے تیس صحابہ سے ملا ان میں سے ہر ایک کو اپنے اوپر نفاق کا خوف تھا۔ ان میں سے کوئی یوں نہیں کہتا تھا میرا ایمان جبرائیل اور میکائیل کے ایمان جیسا ہے۔ اور حسن بصریؒ سے منقول ہے نفاق سے وہی ڈرتا ہے جو ایماندار ہوتا ہے اور اس سے بے خوف وہی ہے جو منافق ہے۔ اس باب میں آپس کی لڑائی اور گناہ پر پکار رہنے اور توبہ نہ کرنے سے بھی ڈرایا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے (سورۃ آل عمران) میں فرمایا ”اور وہ اپنے (برے) کام پر جان بوجھ کر لڑا نہیں کرتے“۔

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: مسلمان کو کالی دینا فسق اور اس کو نکل کرنا کفر ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے لیے اللہ کی خبر دینے کے لئے پس مسلمانوں میں سے دو آدمی جھگڑا کر رہے تھے آپ ﷺ نے فرمایا میں تمہیں لیلۃ اللہ کی خبر دینے کے لئے نکلا تھا اور فلاں فلاں جھگڑا کر رہے تھے پس وہ اٹھالی گئی اور قریب ہے وہ بہتر ہو تمہارے لئے تم اس کو سات دنوں اور پانچ کی رات میں تلاش کرو۔

ربط:

امام بخاریؒ یہاں سے مضراتِ ایمان کو بیان فرما رہے ہیں۔ اس سے پہلے مکملاتِ ایمان بیان فرماتے رہے۔ گویا اس باب کا حلق ”کفر دون کفر“ اور ”ظلم دون ظلم“ کے ساتھ ہے۔

غرض ترجمہ:

امام بخاریؒ کی غرض اس سے مرجعہ کی رد ہے۔ جو اس بات کے قائل ہیں کہ مصیبتِ ایمان کے ساتھ نقصانِ دہ نہیں ہے۔ جیسے کفر کے ساتھ نیکی فائدہ مند نہیں۔ ترجمہ کا مقصد یہ ہے کہ مصیبتِ ایمان کے ساتھ نقصانِ دہ ہے۔

خوف کفر

وہو لا یسعر: اس جملہ کی دو تفسیریں ہیں۔

(۱) اس طرف اشارہ ہو کہ انسان کو ایسا اوقات پتہ بھی نہیں ہوتا کہ مجھ سے گناہ ہوا ہے۔

(۲) گناہ کا تو ظلم ہو کر یہ پتہ نہیں کہ ایمان اس گناہ سے باقی رہے گا یا چلا جائے گا۔

وہو لا یسعر: اس سے حضراتِ علماء کرام نے ظلمِ انکلاہ کا مسئلہ مستنبط کیا ہے۔ کہ بے شعوری میں اگر کوئی کلمہ کفر کہہ لے تو کافر ہو گا یا نہیں؟ علامہ نوویؒ نے لکھا ہے کہ کلماتِ کفر جب بالقصد کہے جائیں تو کفر ہے۔ اگر بلا قصد کہے تو کفر نہیں ہے۔ علامہ کرامیؒ نے اس کا رد کیا ہے کہ کلماتِ کفر کہنے سے خارج از اسلام ہو جاتا ہے۔ خواہ قصد کے ساتھ کہے یا بلا قصد کہے (مزید اصولِ تکفیر میں ہے)۔ یہی جمہور کی رائے ہے۔ امام بخاریؒ نے اسی قول کی تائید فرمائی ہے۔ چنانچہ وہو لا یسعر بڑھا کر اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

وما یحذر من الاصرار علی التقاتل والعصیان

اگر کوئی شخص بغیر توبہ کے گناہ کرتا رہتا ہے اور گناہوں پر مصر ہے تو اس کو ڈرایا جائے گا۔ اس کا عطف خوف المومن ان یحبط پر ہے۔ اور یہ دوسرا ترجمہ ہے پہلے ترجمہ کا حاصل یہ ہے مالمین بے فکر نہ ہو جائیں۔ دعویٰ میں مہتکی نہ ہوں۔ ڈرنا چاہیے کہ جہلِ اعمال نہ ہو جائے۔ دوسرا ترجمہ کا مقصد یہ ہے مالمین یعنی گناہ گاروں کو توبہ کی ترغیب ہے کہ گناہوں پر اصرار نہ کریں۔ خلاصہ دونوں کا ایک ہے کہ مصیبتِ ایمان کیلئے نقصانِ دہ اور مرجعہ کا رد ہے۔

قال ابراہیم التیمی: یہاں سے امام بخاریؒ دلائل شروع فرما رہے ہیں۔ (کہ مصیبتِ مضر ہے۔)

ما عر ضت قولی: قول سے مراد عقیدہ یا وعظ ہے۔

الاخشیت ان اکون مکذباً یا مکذباً

اسم فاعل ہو تو دو تفسیریں ہیں۔ (۱) مجھے ڈر ہے کہ میں وعظ کرتا ہوں اور اس پر عمل نہیں کرتا تو میں نفس کو جھٹلانے والا نہ بن جاؤں۔ (۲) جب میں کہتا ہوں کہ میں مومن ہوں۔ لیکن جب ایمانی تقاضے کے مطابق میرا عمل نہیں ہوتا تو مجھے ڈر ہے میں اپنے عقیدہ ایمان کو جھٹلانے والا نہ بن جاؤں۔ جب اس کو مکذباً اسم مفعول مانیں تو پھر مطلب یہ ہے مجھے خطرہ ہے میں جھٹلاؤں کہ وعظ میں غلاں مسئلہ بیان کیا مگر اس کے مطابق عمل نہ کیا۔ گویا لوگ مجھ کو داعظ بے عمل کہیں۔ تاہم یہ قول حضرت ابراہیم تیمی کی تواسخ پر محمول ہے۔ (ابراہیم دوہیں۔ ابراہیم غمی اور ابراہیم تیمی)

قال ابن ابی ملیکہ

فرماتے ہیں حضرات صحابہ کرامؓ میں سے تیس حضرات کو پایا جن کو اپنے پر نفاق کا ڈر تھا۔ یہ ان کے غایت ورع و تقویٰ کا اثر تھا۔ اس لئے وہ ہمہ وقت اخلاص کے درجہ کمال کی تلاش میں رہتے تھے۔ اور نفاق کا ڈر گھیرے رکھتا تھا۔

خوف نفاق

سوال: کس نفاق کا خوف تھا نفاق واضح چیز ہے۔ جب ان کا عقیدہ درست ہے تو پھر ڈر کیا؟
جواب: نفاق کی چار اقسام ہیں۔ ۱: اعتقادی۔ یہ تو نہیں تھا۔ ۲: عملی۔ اس کا بھی خوف نہیں تھا جو فسق ہوتا ہے۔ ۳: نفاق حالی: یعنی تغیر حالت کا خوف تھا۔ جو نہ کفر ہے نہ فسق۔ جیسا کہ حضرت حنظلہؓ والبوکرؓ کا قصہ: منافق حنظلہؓ تغیر حالت کی وجہ سے نفاق کا شبہ ہو گیا۔ تو یہ قصہ نفاق حالی کی مثال ہے۔ ۴: نفاق دلالی۔ کہ دل میں محبت تھا ٹھٹھیں مار رہی ہو اور اوپر سے اس کے خلاف ظاہر کیا جائے۔ اس کو ہمارے ہاں ”نازوادا“ کہتے ہیں۔ جیسے دلہن کا رونا اور آنسو بہانا۔ لہذا اس کو نفاق کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ روایت سیدہ عائشہؓ: ما اھجر الا اسمک۔

دعویٰ ایمان میں تشبیہ بالملائکہ اور حضرت امام اعظمؒ کا اظہار حقیقت

ما منہم احد یقول علی ایمان جبریل و میکائیل:

حضرت امام بخاریؒ کا اس جملے سے مقصود کیا ہے۔ اس میں تین قول ہیں:-

(۱) بعض حضرات فرماتے ہیں امام بخاریؒ نے مرجیہ کا رد کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں صدیقین اور غیر صدیقین کا ایمان ایک ہے۔ تاہم صحیح نہیں۔ اس لئے کہ آگے بالصراحۃ نام لیکر مرجیہ کی تردید فرمائی ہے۔

(۲) بعض حضرات فرماتے ہیں یہ حضرت امام اعظمؒ پر تعریض ہے۔ ان کا ارشاد ہے: ایمانی کا ایمان جبریل و میکائیل۔ [تاہم صحیح نہیں۔ اس لئے کہ] شراح بخاریؒ بھی یہ ماننے کو تیار نہیں کہ حضرت امام اعظمؒ پر تعریض ہے۔ نیز اگر حضرت امام صاحبؒ کی طرف قول کی نسبت صحیح ہو تو وضاحت سے معلوم ہوگا کہ آپؒ پر تعریض نہیں ہو سکتی۔

حضرت امام اعظمؒ سے تین قسم کی روایات منقول ہیں:-

(۱) اومن کا ایمان جبریلؑ و میکائیلؑ و لا مثل ایمان جبریلؑ و میکائیلؑ۔ ”ک“ کے ذریعہ تشبیہ ذات میں دی جاتی ہے۔ اور ”مثل“ کے ذریعہ صفات میں دی جاتی ہے۔ امن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمومنون۔ گویا امام صاحبؒ ذات ایمان اور نفس ایمان میں اپنے ایمان کو ایمان جبریلؑ و میکائیلؑ سے تشبیہ دے رہے ہیں۔ لیکن صفات میں نہیں۔ بلکہ اس کی نفی فرما رہے ہیں۔

(۲) اکرہ ان قول ایمانی کا ایمان جبریلؑ و میکائیلؑ۔ بل او من کما من جبریلؑ و میکائیلؑ۔ اس قول میں حضرت امام صاحبؒ ”مومن بہ“ کے لحاظ سے تشبیہ دے رہے ہیں نہ کہ ”کیفیت ایمان“ کے لحاظ سے۔ کہ جس قدر ایمانیات جبریلؑ و میکائیلؑ اور تمام مقررین بارگاہ کیلئے ضروری ہیں۔ اتنی ہی میرے لئے بھی ضروری ہیں۔ بلکہ ہر ادنیٰ مسلمان کیلئے وہ حدود متعین ہے۔

لیکن چونکہ یہ کلمہ علماء ہی جانتے ہیں عوام نہیں جانتے لہذا ان کے لئے کاف کا استعمال مکروہ ہے۔ احتراز میں احتیاط ہے۔ (درس شامی ۱۷۸)

(۳) ایمانی کا ایمان جبریلؑ و میکائیلؑ۔

چنانچہ کچھ حضرات کا کہنا ہے کہ امام صاحبؒ کی طرف اس جملہ کی نسبت سرے سے ہی غلط ہے۔ علای شامیؒ نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ اگر اس جملہ کی نسبت کسی درجہ میں صحیح ہو تو یہ جملہ غیر تام ہے۔ مطلب و مقصد کے لحاظ سے جو پہلے دو اقوال ہیں ان کی روشنی میں دیکھا جائے۔ اور مکمل بات کی طرف رجوع کیا جائے اور وہ اوپر والی ہے۔

ایمان بالخلق

(۳) تیسرا قول یہ ہے کہ یہاں ایک اختلافی مسئلہ میں امام بخاریؒ کا جمہور کی طرف سے امام صاحبؒ کا رد کرنا مقصود ہے۔ وہ یہ کہ کوئی شخص ”انا مومن“ بلاخلق (یعنی بغیر ان شاء اللہ) کہہ سکتا ہے یا نہیں؟ تو جمہور کے نزدیک نہیں کہہ سکتا۔ جبکہ امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ بالجزم کہنا چاہئے۔ تو امام بخاریؒ اس طرح رد فرما رہے ہیں کہ تیس صحابہ کرامؓ اپنے کو مومن کہنے کی بجائے نفاق کا غندہ محسوس کر رہے ہیں چہ جائیکہ حتیٰ دعویٰ ایمان کریں۔ جواب: امام صاحبؒ کا قول حالت موجودہ کے لحاظ سے ہے اور حضرات جمہور کا قول مستقبل کی حالت کے لحاظ سے ہے۔ تطبیق کو مستقبل پر معمول کیا جائے۔

الغرض تطبیق نفس ایمان کے لحاظ سے نہیں ہے۔ استحکال ایمان اور مالی ایمان کے لحاظ سے درست ہے البتہ عند الاوزاعی سب صورتوں میں جائز ہے۔

قائدہ: حضرت امام ابو حنیفہؒ نے ایک شخص سے ان شاء اللہ انا مو من کہنے کی دلیل پوچھی تو اس نے کہا: حضرت ابراہیمؑ کی اقتداء کرتا ہوں۔ والذی اطمع ان یغفر لی خطیعتی یوم الدین تو امام صاحب نے کہا: ان کے قول: ”او لم نو من قال بلی“ کا کیوں نہیں اتباع کیا۔ (درس بخاری 289)

وید کر عن الحسن: ما خافه الا مو من۔

وید کر۔ سے مقصود حضرت امام حسن بصریؒ کی طرف اس قول کی نسبت کا کمزور ہونا بتلانا نہیں۔ بلکہ روایت بالمعنی کرتے ہوئے امام بخاریؒ بعض اوقات صیغہ ترمیم لے آتے ہیں۔ (یہ خاص امام بخاریؒ کی اصطلاح ہے۔)

خلافہ کی ضمیر میں داخل ہیں: اللہ تعالیٰ کہ مومن ہی اللہ تعالیٰ سے ملتا ہے: اتفاقاً ب معنی ہکا کہ مومن ہی نفاق سے ملتا ہے۔

ضرورتِ توبہ

وما یحذر الی آخرہ:

گناہوں پر اصرار نہ ہونا چاہیے۔ حضرت سیدنا ابوبکر صدیقؓ کا قول ہے: ما اصبر من استغفر وان عاد فی الیوم سبعین مرۃ۔ توبہ سے اصرار زائل ہو جاتا ہے۔ اصرار سے ایمان کے زائل ہونے کا خوف ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں اس کی صورت یہ ہے: من تهاون بالنوافل تهاون بالسنن ومن تهاون بالسنن تهاون بالفرائض۔ ومن تهاون بالفرائض سلب منه المعروف فوقع فی الکفر۔ (اعاذنا اللہ منہ)

اس لئے توبہ صرف تین حروف کا نام نہیں ہے۔ بلکہ اس کے تین ارکان ہیں۔ (۱) گذشتہ پر عداوت۔ العوبۃ الندم۔ (۲) طلبِ معافی۔ (۳) آئندہ ترک کا عزم۔ (وان عاد فی الیوم سبعین مرۃ) ان ارکان کے بغیر استہزام ہے۔

قال سئل ابوا ائل عن المرحۃ

ابو ائل: شقیق بن سلمہ کوئی کبار تابعین میں سے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں آپ ﷺ کی بعثت کے وقت دس سال کے تھے۔ آپ ﷺ زمانہ پایا۔ زیارت نہ کر سکے۔ اس لئے صحابہؓ میں شمار نہیں ہیں۔ ۸۲ھ میں وصال ہے۔ (نصر الباری 330/1)

نسبتِ ارجاء

یہاں پہلا موقع ہے کہ حضرت امام بخاریؒ نے مرحۃ کا لفظ صراحۃً استعمال فرمایا۔ جس سے اس بات پر تنبیہ کرنا ہے جو بعض لوگ کہتے ہیں کہ مرحۃ عقائد کے بانی مہلبی حسن بن محمد بن حنفیہ بن سیدنا علیؓ ہیں۔ گویا حضرت علیؓ کے پوتے کی طرف نسبت ہے کہ سب سے پہلا اہل سنت والجماعت کے مسلک سے ہٹ کر ارجاء کا عقیدہ انہوں نے اپنایا۔ لیکن یہ نسبت بالکل غلط ہے۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ جس ارجاء کی نسبت حضرت حسن بن محمد کی طرف ہے اس کی معنی یہ ہیں کہ حضرات شیخین المکرینؒ کے دورِ خلافت میں ہر طرف امن رہا۔ اور فتنوں نے سر نہیں اٹھایا۔ تاہم بعد والے دونوں حضرات کے زمانے میں فتنے ہوئے۔ باہم جنگ و جدال کی نوبت پیش آئی۔ ان میں کون افضل و برحق ہے۔ گویا معیارِ فضیلت کو حضرات شیخین سے ارجاء بمعنی موخر کرنا یہ مراد ہے۔ یعنی حضرت عثمانؓ علیؓ میں کون افضل ہے۔ معلوم نہیں۔ اس لئے کہ دونوں کے دور میں فتن تو ہیں۔ جمہور حضرات سے ہٹ کر یہ ”ان کا تقد“ ہے۔ نہ کہ ارجاء کا وہ معنی جو ایک فرقہ کا بطور مسلک ہے۔ کہ ایمان کے ہوتے ہوئے اعمال غیر ضروری ہیں۔ ان کا قاعدہ نہیں۔ امام بخاریؒ نے اسی فرقہ کا صراحتہ رد فرمایا۔ جبکہ قبل ازیں ”مرجئہ“ کا نام لیکر رد نہیں فرمایا تھا۔

مقصود ترجمہ

سباب المسلم فسوق وقتاله کفر

اس سے ثابت ہوا اعمالِ صالحہ ضروری ہیں۔ اور عملِ معصیت سے نقصانِ ایمان ہوتا ہے۔ اس سے بچنا ضروری ہے۔ دین کے دو دائرے ہیں: ایک چھوٹا وہ دینداری کا ہے۔ اس سے نکلنے والا فاسق ہے۔ دوسرا بڑا دائرہ وہ دین کا دائرہ ہے اس سے نکلنے والا کافر ہے۔ (حنفیہ البخاری 284)

سوال: مرجئہ کی تردید تو ہوگئی۔۔۔۔۔ لیکن خارجیہ کا مسلک ثابت ہو گیا۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں ارتکابِ گبیہ سے دخول فی الکفر ہو جاتا ہے جس کا قتالہ کفر سے بالصرحت دخول فی الکفر ظاہر ہو رہا ہے۔ اسی طرح فسوق سے بھی دخول فی الکفر ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مؤمن کے مقابل فاسق کو ذر کر فرمایا ہے۔ افمن کان مونا کمن کان فاسقا، الخ جواب: مختلف توجیہات ہیں:-

۱: تغلیطاً بولاً گیا۔ ۲: چونکہ یہ اعمال بد مفضی الی الکفر ہو سکتے ہیں اس لئے یہ عنوان اختیار کیا گیا ہے۔ ۳: تشبیہ پر محمول ہے۔ ۴: مستقل پر محمول ہے۔ جو مؤمن کا قتل من حیث المؤمن حلال سمجھتا ہو۔ ۵: یہ جملہ بھی کفر دون کفر کی طرح ہے۔ حدیث الباب میں فسق و کفر کا وہ درجہ مراد نہیں ہے جو خارجِ ملت ہونے کا سبب ہو سکتا ہے۔ نمبر ۶: اگر ارتکابِ گبیہ سے خروج عن الایمان لازم ہوتا تو سباب کو بھی فسوق کی بجائے کفر قرار دیا جاتا۔ (درس شامی 180)

یہ قتال کفر دون کفر کے قبیل سے ہے۔ جو انسان کو ملت سے خارج نہیں کرتا۔ سبابِ مسلم کو فسوق اور قتال کو کفر قرار دینا مجھے ذوق سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ آپ ﷺ مشاء یہ ہے کہ مسلمان سے مسلمان کیلئے سباب کا تو امکان ہے اس لئے فسوق سے تعبیر فرمایا۔ مگر مسلمان سے قتال تو ناممکن ہے جیسے کفر ہے۔ اس لئے اس کا امکان نہیں۔ حاصل یہ کہ فتویٰ دینا مقصود نہیں بلکہ عمل کی شاعت کا بیان ہے۔ (انعام 552/1)

سوال: فسوق و کفر سے یہاں وہ اعلیٰ درجہ فسق و کفر مراد نہیں تھا جو خارجِ ملت ہونے کا سبب ہوتا ہے۔ تو پھر سباب کیلئے فسوق اور قتال کیلئے کفر کا لفظ الگ الگ کیوں استعمال کیا۔؟

جواب: سبب کا مسلمان سے وقوع ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ بہت بعید ہے مسلمان سے مسلمان قتل کرے۔ تو تنبیہ کے لئے لفظ سخت کفر کا اختیار کیا گیا۔

تشریح حدیث

حدثنا قتیبہ بن مسلم الخ: حضرت امام بخاریؒ کا اس حدیث کو لانے کا مشایہ ہے کہ ترجمۃ الباب میں یہ فرمایا تھا: وما يحذر من الاصرار على القتال والعصيان اذ اس عنوان کے ذیل میں قتال سے تقابل بکل المعنیٰ مراد نہیں۔ بلکہ باہمی نزاع مراد تھا۔ یعنی جب باہمی نزاع کی وجہ سے لیلۃ القدر کی تعیین اٹھ گئی تو باہمی قتال کی وجہ سے بطریق اولیٰ بے برکتی ہوگی۔ اس کے نتیجہ میں ”خطیو اعمال“ کا بھی اندیشہ ہے۔ یہاں حدیث الباب کو لانے سے یہی مقصود تھا۔

اس حدیث میں مذکور چند چیزیں:

تعیین شب قدر اور اس کی تلاش۔

سوال: شب قدر دو حال سے خالی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کو اس کی تعیین منظور تھی یا نہیں۔ اگر منظور تھی تو ان دو جھگڑا کرنے والوں کی وجہ سے حرام مسلمانوں کو اتنی بڑی خیر سے کیوں محروم کیا گیا۔؟ اور اگر حق تعالیٰ شانہ کو شروع ہی سے با تعیین بتلانا مقصود نہیں تھا۔ پھر ایک مرتبہ بھی اس کی تعیین کا بظاہر کوئی فائدہ نہیں۔؟

جواب: شق ثانی کو اختیار کیا جاتا ہے۔ یعنی حق تعالیٰ شانہ کو شروع سے ہی یہی منظور تھا کہ لیلۃ القدر متعین طور پر معلوم نہ ہو۔ باقی رہی یہ بات اولاً تعیین پھر دو مسلمانوں کو باہمی جھگڑے کی وجہ سے تعیین کا اٹھانا اس میں کیا حکمت ہے؟ اس کی بہت سی حکمتیں ہو سکتی ہیں جو ہم نہیں جان سکتے۔ البتہ ایک واضح حکمت یہ ہے مسلمانوں کو باہمی نزاع کی شامت پر تنبیہ ہے۔

سوال: اشکل یہ ہے باہمی جھگڑے کی وجہ سے تعیین لیلۃ القدر کی برکت سے محروم ہوئی۔ لیکن چونکہ اس کا آخری عشر میں داخل فرمادیا گیا اور آپ ﷺ نے بھی ارشاد فرمایا: عسى ان يكون خيرا لكم۔ تو پھر جھگڑا تو کثرت عبادت کا سبب بن کر تباہ کر رہا ہو گیا۔

جواب: بہت سی چیزیں اگرچہ تشریح اعتبار سے بُری ہوتی ہیں۔ لیکن مالِ کار یعنی تگوبنی اعتبار سے ان میں کوئی خیر کا پہلو ظاہر ہو جاتا ہے۔ جس کا حلق حکمتِ خداوندی سے ہوتا ہے۔ جیسے حضرت عَصْر کا واقعہ حضرت موسیٰ کی معیت میں کشتی کو توڑنا، یا بچہ کو قتل کرنا یہ سب تشریح اعتبار سے ناجائز تھا۔ لیکن تگوبنی لحاظ سے حکمت پر مبنی تھا۔ تو اس میں تگوبنی اعتبار سے یہ بہتری ہوئی کہ دو چیزیں جمع ہو گئیں۔ ۱: جھگڑے کی شامت و برائی کا ظہور۔ ۲: بہت سی راتوں میں اہتمام عبادت نصیب ہو گیا۔ نیز تعیین رات ہوئی اور ارتکابِ معصیت ہوتا تو بہت ہی بڑی جرأت و بے باکی ہوئی اس سے حفاظت ہو گئی۔

۳: جب طالبینِ شب قدر کی وصولی کیلئے خوب محنت کریں گے تو عاشقین کیلئے بیداری اور فاسقین کیلئے ستاری ہے۔ اگر سونا چاہیں یا عبادت کم کریں تو کہا جاسکتا ہے کہ بالیقین تو شب قدر نہیں تھی۔

يُخْبِرُ بِلَيْلَةِ الْقَدَرِ:

لیلہ القدر خاص بالرمضان ہے یا سارے سال میں داتر ہے۔ بعض حضرات کا مذہب یہ ہے پورے سال میں گھومتی ہے لیکن ان کے ہاں بھی اکثر اس کا وقوع رمضان شریف میں ہی ہوتا ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک رمضان شریف کے ساتھ خاص ہے۔ پھر آگے دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے پورے ماہ میں ہو سکتی ہے۔ البتہ عام طور پر آخری عشرہ میں ہوتی ہے۔ دوسرا جمہور کا قول ہے آخری عشرہ ہی میں ہوتی ہے۔ اور پھر ان میں سے بھی طاق راتوں میں ہوتی ہے۔ اور زیادہ احتمال شب ۲۷ میں ہے۔ اگرچہ اس کی تعیین بالخص نہیں ہے۔ بعض اہل الذکر جحان ہی ہے۔

فتلاحي ر جلان

مراد حضرت کعب بن مالک اور حضرت عبد اللہ بن ابی حدرہؓ سلمی تھے۔ جو باہمی قرض کے بارے میں تنازع کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے حضرت کعب بن مالکؓ سے فرمایا آدھا لے لو اور حضرت عبد اللہ بن حدرہؓ سے فرمایا آدھا دیدو۔ اس پر حضرت کعبؓ نے عرض کیا: میں نے آدھا چھوڑ دیا۔ فرفعت: رفعت سے مراد یکسرات کا اٹھایا جانا نہیں ہے۔ کما قال بعض الشيعة بلکہ تعیین اٹھائی گئی ہے۔ اس کا قرینہ التمسوها کا امر ہے۔ اس کی تلاش کا حکم یا جارہا ہے اذات ہے تو امر التماس ہے۔

التمسوها في السبع والتسع والخمس..

سوال: دوسری روایت میں ہے: التمسوها في العشر الاواخر ہے۔ تو یہ تعارض ہے۔

جواب ۱: تعارض نہیں۔ عرف پر محمول ہے۔ مقصد یہ ہے عشرہ اخیرہ میں تلاش کرو۔

جواب ۲: ان سب اعداد کے ساتھ عشرين کا لفظ محذوف ہے۔ اس سے آخر عشرہ کی طاق راتوں کی طرف اشارہ ہے۔

ترجمة الباب سے النطاق:

دوسری حدیث پہلے ترجمہ کے مطابق ہے۔ کہ جس طرح لیلہ القدر کی تعیین ایک گناہ کی وجہ سے اٹھ گئی اسی طرح ایمان بھی اٹھ سکتا ہے۔ اور پہلی حدیث سباب المسلم فسوق و قتاله کفر کا تعلق دوسرے ترجمہ الباب سے ہے اور وہ اس سے ثابت ہوتا ہے جیسے سباب مسلم اور قتال مسلم کفر و فسق کا باعث ہے۔ اسی طرح اصرار علی المعصیہ بھی کفر کا باعث ہو سکتا ہے۔ دوسری حدیث سے دوسرا ترجمہ ثابت کریں یعنی وما یحذر کا جو ترجمہ ہے۔ اس کو لیلہ القدر والی حدیث سے ثابت کریں۔ وہ اس طرح کہ فلاحی کبھی قتال کا سبب بن جاتا ہے۔ تو تنازع سے روک دیتا کہ قتال کی نوبت نہ آئے تو وما یحذر من الاصرار عن القتال سے بھی النطاق ہو گیا۔

اور سباب المسلم فسوق۔ اس سے پہلا ترجمہ ثابت ہو گیا۔ کہ قتال کفر کا سبب بنتا ہے اور کفر سے جہل اعمال ہو جاتا ہے خلاصہ یہ کہ دونوں حدیثوں سے دونوں ترجمے ثابت ہو سکتے ہیں۔

36 باب سُؤَالِ جَبْرِیلَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

عَنْ الْإِيْمَانِ وَالْإِسْلَامِ وَالْإِحْسَانِ وَعِلْمِ السَّاعَةِ وَبَيَانِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهُ ثُمَّ قَالَ جَاءَ جَبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَعْلَمُكُمْ دِينَكُمْ فَبَجَّلَ ذَلِكَ كُلَّهُ دِينًا وَمَا بَيْنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِوَلَدِ عَبْدِ الْقَيْسِ مِنَ الْإِيْمَانِ وَقَوْلِهِ تَعَالَى {وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ}

خَدَّ ثَمَامَةُ قَالَ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ ابْنِ أَبِي هَرِيرَةَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيْفَةَ الْقَيْمِيُّ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِي مَا لِلنَّاسِ فَأَتَاهُ جَبْرِيلُ فَقَالَ مَا الْإِيْمَانُ قَالَ الْإِيْمَانُ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَبِكُتُبِهِ وَبِرُسُلِهِ وَتُؤْمِنَ بِمَا نَزَلَ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ الْمَفْرُوضَةِ وَتُصُومَ رَمَضَانَ قَالَ مَا الْإِحْسَانُ قَالَ أَنْ تُعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تُكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ قَالَ مَعَى السَّاعَةِ قَالَ مَا الْمَشْهُورُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ وَسَأَخْبِرُكَ عَنْ أَشْرَاطِهَا إِذَا وَلَدَتْ الْأَمَّةُ زَهْرًا وَادَّخَلَتْ زَعَاةَ الْأَيْلِ الْيَهُودُ فِي الْبُنْيَانِ فِي خَمْسٍ لَا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا اللَّهُ ثُمَّ تَلَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ {إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ} الْآيَةَ ثُمَّ أَذْبَرَ فَقَالَ زُذْرُوهُ فَلَمْ يَزُوا شَيْئًا فَقَالَ هَذَا جَبْرِيلُ جَاءَ يَعْلَمُ النَّاسَ دِينَهُمْ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ جَعَلَ ذَلِكَ كُلَّهُ مِنَ الْإِيْمَانِ

ترجمہ: حضرت جبریلؑ کا حضور ﷺ سے سوال

ایمان، اسلام، احسان اور قیامت کے علم کے متعلق اور حضور ﷺ ان باتوں کو ان سے بیان کرنا پھر یہ فرمانا کہ یہ جبریلؑ تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے تو آپ ﷺ نے ان باتوں کو ایمان فرمایا۔ اور اس باب میں اس کا بھی بیان ہے جو آپ ﷺ نے وفدِ عبد القیس کو ایمان کے معنی بتائے اور اللہ تعالیٰ نے (سورۃ آل عمران میں) فرمایا ”اور جو کوئی اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین چاہے تو وہ اس کی طرف سے ہرگز قبول نہ ہوگا۔“

حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا ایک دن حضور ﷺ گوں میں سامنے بیٹھے ہوئے تھے اتنے میں جبرائیلؑ آپ کے پاس آئے اور انہوں نے کہا ایمان کسے کہتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تو اللہ اور اس کے فرشتوں کا اور اس سے ملنے کا اور اس کے پیغمبروں کا یقین کرے اور مرد و بارہ اٹھنے پر ایمان رکھے۔ اس نے کہا اسلام کیا ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت کرے اور اس کے ساتھ شُرک نہ کرے اور نماز قائم کرے اور فرض زکوٰۃ ادا کرے اور رمضان کے روزے رکھے۔ اس نے پوچھا احسان کیا ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی ایسے عبادت کرے گویا تو اس کو دیکھ رہا ہے اگر یہ نہ ہو سکے تو اتنا تو خیال کر کہ وہ تجھ کو دیکھ رہا ہے۔ اس نے کہا قیامت کب آئے گی؟

آپ ﷺ نے فرمایا: جس سے پوچھتا ہے وہ پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا اور میں مجھ کو اس کی نشانیاں بتاتا ہوں: جب لوٹڈی اپنے مالک کو چنے اور جب کالے اونٹ چرانے والے لمبی لمبی عمارتیں بنائیں۔ قیامت ان پانچ باتوں میں سے ہے جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ پھر آپ ﷺ نے (سورۃ لقمان کی) یہ آیت پڑھی ”بے شک اللہ ہی جانتا ہے قیامت کب آئے گی (آخر تک)“ پھر وہ شخص پیٹھ موڑ کر چلا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس کو پھر (میرے سامنے) لاؤ (لوگ گئے) تو وہاں کسی کو نہیں دیکھا تو حضور ﷺ نے فرمایا یہ جبرائیلؑ تھے لوگوں کو ان کا دین سکھانے آئے تھے۔ امام بخاریؒ نے کہا حضور ﷺ نے ان سب باتوں کو ایمان میں شریک کر دیا۔

ربط:

باب سابق میں مومن کو جہا اعمال سے خوف دلایا گیا تھا۔ اس باب میں یہ بیان ہے کہ مومن آدمی شریعت کی نظر میں کون

ہوگا۔ (کشف 582/2)

غرض ترجمہ: اس کی دو تفسیریں ہیں

(۱) امام بخاریؒ کا مقصد اس باب سے یہ ہے کہ دین ایمان اسلام شیء واحد ہیں۔ کیونکہ حدیث جبریلؑ کے آخر میں ”یَعْلَمُکُمْ دِیْنُکُمْ“ ہے۔ حالانکہ سوال ایمان و اسلام کے بارے میں تھا۔ اسی طرح آیت میں بھی اسلام کو دین کہا گیا ہے۔ گویا یہی طور پر انہیں مترادف ہے۔ نیز اس سے بھی مترادف معلوم ہوتا ہے کہ حدیث جبریلؑ میں اسلام کے جواب میں جو کچھ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا وہی امور وفد عبدالقیس کیلئے ایمان کی تفصیل میں ارشاد فرمائی۔

(۲) امام بخاریؒ کی غرض رفع تعارض ہے کہ حضرت جبریلؑ نے ایمان، اسلام اور احسان کے بارے میں سوال کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”یَعْلَمُکُمْ دِیْنُکُمْ“ معلوم ہوا ایمان و اسلام دونوں پر ”دین“ کا لفظ بولا گیا اور قرآن کریم کی آیت سے معلوم ہوتا ہے ومن یبعغ غیر الاسلام دینا دین کا لفظ صرف اسلام پر بولا جاتا ہے۔ اس لئے رفع تعارض کے طریقے ہیں:

(۱) لوجہ الاول: ایمان و اسلام میں اتحاد ذاتی اور تغایر اعتباری ہے۔ کیونکہ ایمان تصدیق باطنی مع انقیاد ظاہری کا نام ہے۔ اور اسلام انقیاد ظاہری مع انقیاد باطنی کا نام ہے۔ جب ان میں اتحاد ذاتی ہوا تو کہیں اکٹھے بھی ہو سکتے ہیں۔ اور کہیں تغایر اعتباری ہو تو مقابلے میں بھی آسکتے ہیں۔ علماء کے ہاں اس کی تعبیر اس طرح ہے: (یقول حافظ ابن رجب حنبلی کا مشہور ہے)

اذا جمعا اضرقا و اذا اضرقا جمعا

جب دونوں جمع ہوں باہم تغایر کی نشاندہی ہوتی ہے جب جدا جدا ہوتے ہیں تو اس وقت مترادف معلوم ہوتا ہے۔

(۲) لوجہ الثانی: ایک مقام درس ہے اور ایک مقام وعظ ہے مقام درس میں تغایر اور مقام وعظ میں اتحاد ہوتا ہے۔

حضرت جبریلؑ آپ ﷺ کے پاس آئے یہ مقام درس تھا اس لئے دونوں کو الگ الگ بیان کیا۔ قرآن کریم میں ایک جگہ ہیں تو وہ مقام وعظ ہے۔

(۳) لوجہ الثالث: امام بخاریؒ نے صراحۃً رفع تعارض نہیں فرمایا۔ لیکن اس کا مادہ پیش کر دیا۔ وہ یہ کہ ایمان و اسلام کی حقیقت لغوی میں جیسے فرق ہے۔ اسی طرح حقیقت شرعیہ میں بھی اختلاف ہے۔ جیسا کہ حدیث جبریلؑ سے ظاہر ہے۔ لیکن ایمان و اسلام درجہ کمال میں متحد ہیں۔

ایمان اور اسلام متحد اعمیٰ ہوتے تو جبریلؑ دو علیحدہ علیحدہ سوال نہ کرتے آپ ﷺ نے ما الایمان کے جواب میں حقیقت ایمان ہی کو ذکر فرمایا۔ یہ آپ ﷺ کے علم میں نہیں تھا کہ ازاں بعد اسلام کے بارے میں سوال ہوگا۔ (فضل الباری 252 ج 1)

سیدنا جبریلؑ کی طالب علمانہ حاضری اور معلم امت صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل

یہ کہنا غلط ہے کہ حدیث جبریلؑ میں حضرت جبریلؑ حضرت دحیٰ کلّی کی شکل میں آئے۔ لایعرف معنا احد اسی پر دال ہے۔

(فضل الباری 527/1)

فتاویٰ جل: یہاں پر درج نکرہ ہے بعض طرق میں درج کے ساتھ کچھ صفات کا بھی ذکر ہے جیسے نسائی میں احسن الناس وجہاً اطیب الناس ریحاً اور لایمس ثیابہ دنس السفر اور مسلم میں شدیدہ بیاض الثوب شدیدہ سواد الشعر لایعرفہ احد منایہ رواۃ کا تصرف ہے۔ (درس شامی 183)

سوال: جبریلؑ نے یہ سوال کب کیا؟

جواب: راجح یہ ہے حجۃ الوداع کے بعد وصال مبارک سے چند ماہ قبل کیا تھا۔ چونکہ حجۃ الوداع میں اسلام مکمل ہو چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے جبریلؑ کو بھیجا تا کہ صحابہ کرامؓ کو اسلام کا خلاصہ دھرا دیا جائے۔ چار سوالات کئے۔ ایمان، اسلام، احسان اور سلحت۔

بارز آیو ما للناس:

معنی یہ ہے نمایاں ہو کر بیٹھے۔ اس سے معلوم ہوا نمایاں ہو کر بیٹھنا ثابت ہے۔ شروع میں ایسے بیٹھتے تھے کہ آنے والے کو پتہ ہی نہ چلتا تھا۔ ازاں بعد حضرات صحابہ کرامؓ کی درخواست پر نمایاں ہو کر بیٹھنا شروع فرمایا۔ تا کہ سب کو زیارۃ ہو اور آنے والوں کیلئے سہولت حاصل ہو۔

بعض روایات میں ہے جبریلؑ نے آتے ہی یا محمد کہہ کر پکارا جبکہ اس کی ممانعت ہے۔ نیز سلام بھی عرض نہ کیا۔

جواب: اختصار روایت ہے دوسری روایت میں سلام کی تصریح ہے۔ نیز روایات مختلف ہیں۔ بعض میں یا رسول اللہ بھی ہے، اشکال نہ رہا۔

یا محمد کی روایات کے لحاظ سے جواب ۱: مبالغہ فی الانحاء کیلئے بدوؤں کا طریق اختیار کیا۔ جواب ۲: یہ ہے: ممانعت کے مکلف انسان ہیں فرشتے نہیں۔ ۳: معنی وصفی بمقابلہ مذم مراد میں معنی علمی مراد نہیں۔ (نمر الباری 338/1)

بعض روایات میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام گردنیں نہیں پھلانگ کر آئے۔ اور فاسندر کتبہ الی رکتبہ و وضع یدہ علی فخذہ، فخذہ کی ضمیر یا جبریل علیہ السلام کی طرف راجع ہے تشہد کی طرح بیٹھ گئے۔ یا مراد علی فخذی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے تاکہ توجہ حاصل ہو یا پھر تعمیم مقصود تھا کوئی پہچان نہ سکے۔ نیز بعض روایات میں سلام کا ذکر ہے بعض میں نہیں۔ تاکہ سلام کا عدم وجوب معلوم ہو جائے۔ یا پھر یہاں تعمیم مقصود تھا۔ راجح یہی ہے کہ سلام کیا۔ پھر یا محمد بعض میں یا نبی اللہ یا مطلق سلام کا ذکر ہے بعض روایت میں درجل شاب بھی ہے۔ (درس شامی 184)

حقیقت ایمانیہ کیا ہے؟

ان تو من باللہ:

سوال: سوال میں ایمان کی تعریف پوچھی گئی تو آپ ﷺ نے تعریف نہیں بتلائی اور اگر ہم جواب میں یہ کہیں کہ یہی تعریف ہے ان تو من باللہ وغیرہ تو یہ تعریف الشیء بنفسہ لازم آتی ہے۔

جواب ۱: مخاطب سائل کے منشاء کو سمجھ کر جواب دیتا ہے اور سائل کا منشاء حقیقت ایمان کا سوال نہیں ہے بلکہ مومن بہ کی تفصیل ہے۔ اس لئے آپ ﷺ نے اسی کی تفصیل فرمادی۔

جواب ۲: منشاء ایمان کی تعریف یہی ہے۔ سوال میں ایمان اصطلاحی مراد ہے جواب کی جانب جو ایمان ہے اس کا لغوی معنی مراد ہے بمعنی تصدیق یعنی آپ اللہ کی تصدیق کرو۔

سوال: ایمان باللہ کا کیا مقصد ہے؟

جواب: اس بات کی تصدیق کہ اللہ واجب الوجود ہے تمام صفات کمالیہ کا جامع ہے لم یلد ولم یولد ہے۔

و ملکتہ:

ملکت ملک کی جمع بمعنی فرشتہ ہے۔ ملک اصل میں مثلک تھا۔ اس میں قلب مکانی ہوئی ہے۔ ہمزہ کو لام کی جگہ اور لام کو ہمزہ کی جگہ۔ تو ملکت ہو گیا۔ پھر یو یوا لے قانون کے تحت ہمزہ خود مفتوحہ متحرک ہے اور اس کا ما قبل ساکن منظر ہے تو ہمزہ کی حرکت اہل کر کے ما قبل کو پیدی گئی اور ہمزہ کو حذف کر دیا گیا تو ملکت بن گیا۔ اس کی جمع ملاتک ہے۔

نیز ایک لفظ ملک اس کی جمع ملوک آتی ہے بمعنی بادشاہ اور ایک ملک ہے اس کی جمع املاک ہے۔ اور لفظ ملکت ہے اس کی جمع ممالک ہے۔

سوال: ایمان باللہ کا کیا مطلب ہے؟

جواب: مطلب یہ ہے ہو جسم نوری یتشکل باشکال مختلفہ لا یدکر ولا یونث۔ اس پر ایمان

لانا۔ قرآن کریم میں ان کی صفت لا یعصون اللہ ما امرہم ویفعلون ما یومرون ہے۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں: فرشتوں پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ کی ایسی مخلوق ہے جو اس کے حکم پر کام کرتے ہیں اور مسفوءاء الو حمن اور عباد مکرمون ہیں۔ تعاد اللہ کی کو معلوم ہے۔

بلقائہ:

سوال: جب خاتمہ کا علم نہیں تو لگائے رب کے بارے میں یقین سے کیسے کہا جاسکتا ہے؟ کہ اس سے ملاقات ہوگی۔

جواب: ملاقات سے مراد نفس الامر میں لقاء ہے۔ خواہ خاتمہ اچھا ہو یا برا ہو۔

جواب ۲: انتقال من دار الدنیا الی دار الآخرہ مراد ہے جیسے حدیث شریف میں ہے: من لم یؤمن بملقائی

ولم یقع بعطائی ولم یرض بقضائی فلیطلب رباً سوائی۔

امام اسماعیلؒ نے اپنی مستخرج میں ما الایمان کے جواب میں وتؤمن بالقدر بھی لکھا ہے۔ (ایضاً)

قدر یہ کا وہ فرق جو بندے کے مختار مطلق اور اپنے افعال کے خالق ہونے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے علم کے منکر میں وہ کافر ہیں جو علم خداوندی کے منکر نہیں وہ مبتدع ہیں۔ جبکہ اہل حق کا مذہب یہ ہے نیک بد، ایمان کفر، طاعت معصیت سب خدا کی تقدیر سے ہے وہ اس کا خالق ہے اور اس کی مشیت وارادہ سے ہے۔ (کشف 610/2)

وتؤمن بالبعث:

لفظ تؤمن کے تکرار سے اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ایمان بلقائہ اور ایمان بالبعث مؤمن کے اعتبار سے دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ لفظ لقاء جن چیزوں سے ایمان کا تعلق بتاتا ہے وہ سب اس وقت موجود ہیں۔ مگر بعث اس وقت موجود نہیں بلکہ مستقبل میں آنے والی چیز ہے۔

نیز یہ فرق بھی ہے کہ بعث سے مراد قبروں سے اٹھنا ہے جس کا وقوع پہلے ہوگا۔ اور لقاء سے مراد رقیبت باری تعالیٰ ہے۔ جو بعد میں واقع ہوگی۔ اس لئے ایک ہی چیز کے ذکر کرنا کمال وارڈ نہیں ہو سکتا۔ (فضل باری 530/1)

تؤمن بالبعث:

یعنی وقوع قیامت حساب، کتاب، میزان، جنت اور جہنم کی تصدیق کی جائے۔ ما قبل میں بلقائہ کے ذکر میں ثبوت بعث ہے۔ بارد کرنا کار مشرکین کی وجہ سے ایمان بالبعث لائے۔ (کشف 608/2)

مسئلہ رقیبت باری تعالیٰ

رقیبت باری تعالیٰ ممکن ہے۔ لیکن اس دنیا میں ممکن ہو کر منتفع الوقوع ہے۔ (حضرت موسیٰ کا سوال رب ارنی دلیل امکان ہے۔) اس لئے یہاں لقاء سے مراد ”رقیبت اخروی“ ہے۔

رقیبت باری تعالیٰ کے سلسلہ میں حیز و مکان کی شرط قیاس الغائب علی الشاہد ہے جو بناء القاسد علی القاسد ہے۔ نیز

سائنس کے مشاہدہ نے ثابت کر دیا مخصوص تقابل بھی شرط نہیں۔ اور کچھ نہ ہو تو قرآن، حدیث اور اجماع سے رویت باری تعالیٰ کا ثبوت امکانی کافی ہے۔ یہ عقل و قیاس کا محل ہی نہیں۔ (کشف 606/2)

آپ ﷺ معراج میں رویت نصیب ہوئی یا نہیں؟

اس میں اختلاف ہے۔ جمہور محققین کے نزدیک رویت نصیب ہوئی ہے۔ لیکن اس کی کیفیت لبس کھٹلہ شیء ہے۔ کیونکہ رویت کاملہ کیلئے حدود اور حیز و مکان ضروری ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ لا محدود ہیں۔ حد و مکان سے پاک ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: رویت باری تعالیٰ رویت تجلیات ہیں۔ آپ ﷺ جو رویت حاصل ہوئی وہ عالم بالا میں ہوئی جو محل آخرت ہے۔ اسی طرح مومنین کو بھی حاصل ہوگی۔

معتزلہ اس کے انکاری ہیں۔

دلیل: لا تدركه الا بصار۔

دلائل جمہور: للذین احسنوا الحسنی و زیادۃ حسنی سے مراد جنت اور زیادہ سے مراد پیدار باری تعالیٰ ہے۔
دلیل نمبر ۲: روایات میں مفصل طور پر آتا ہے: هل نرى ربنا کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا جس طرح تم لیلہ البدر میں دیکھتے ہو چاند نظر آتا ہے اور ہجوم دنیا مزام نہیں ہو سکتا۔ یہی کیفیت ہوگی۔
دلیل نمبر ۳: کفار کا خسران بتلاتے ہوئے فرمایا: کلا انهم عن ربهم يومئذ لمحجوبون۔ اگر مومنین کو رویت نہ ہو تو کفار کو ذریعہ حجاب کھنک کیا فائدہ؟ فائدہ تب ہی ہے جب مومن رویت سے فیضیاب ہوں اور کفار محروم ہوں۔

معتزلہ کی دلیل کا جواب:

جواب ۱: الا بصار پر الف لام عہدی ہے۔ اِصْبارِ دنیوی مراد ہے۔ اور ہم اخروی اِصْبار کے قائل ہیں۔
جواب ۲: آیت شریفہ میں مخاطب کے مد رک ہوئی لگی ہے۔ اپنے مد رک ہونے کی نفی نہیں ہے۔
جواب ۳: اِصْبار کا مد رک نہ ہونا کسی مانع کی وجہ سے ہے۔ جب وہ مانع زائل ہو جائے گا تو رویت متحقق ہوگی۔ اس سے معلوم ہوا رویت باری تعالیٰ دنیا کے اندر بھی ممکن الوقوع ہے اگرچہ ممنوع ہے ورنہ انبیاء متبع کا سوال بارگاہ خداوندی میں نہیں کر سکتے۔
جواب ۴: لا تدركه الا بصار۔ یعنی اس کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔ مطلق رویت کی نفی نہیں۔

فائدہ:۔۔ رویت باری تعالیٰ کی درخواست

انسان دو چیزوں سے مرکب ہے جسم اور روح سے، اصل روح ہے جسم نہیں، ایسے ہی لذت میں اصل روحانی ہے۔ بالفاظ دیگر کہا جاسکتا ہے کہ جسمانی لذت کی جہاں انتہاء ہوتی ہے وہاں سے روحانی لذت کی ابتداء ہوتی ہے۔ روحانی لذت کی انتہاء کلام الہی کا سننا اور رویت باری تعالیٰ ہے۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کا کلام سنا تو عشق الہی میں ڈوب کر درخواست کر دی ”رب ارنی“ اے اللہ جلوہ دکھائی دے۔ عظیم و حکیم ذات نے کمال حکمت بالغہ سے اصولی جواب دیدیا ”لن ترانی“ اور اطمینان کیلئے ایک بات بتادی ”ولکن انظر الی الجبل“ اس کے نتیجہ میں وقتی کیفیت اپنے اعتدال پر آگئی اور اب محبت کے بجائے عظمت کا غلبہ ہو گیا اور عرض کیا: سبحنک ثبت الیک وانا اول المؤمنین کہ میں آپ کی جناب میں اس مشاققہ درخواست سے معذرت کرتا ہوں اور جو کچھ آپ نے ارشاد فرمایا ”لن ترانی“ سب سے پہلے اس پر یقین کرتا ہوں۔

ولکن انظر الی الجبل الخ: میں رویت باری تعالیٰ کو استقرار جبل کے ساتھ معلق کیا گیا ہے وہ ممکنات میں سے ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ جو چیز ممکن پر معلق ہوتی ہے وہ خود ممکن ہوتی ہے تو رویت بھی ممکن ہے۔ (کشف 2/605)

حقیقت اسلام

الاسلام ان تعبد الله ولا تشرك به سے مراد نطق بالشہادتین ہے۔ اس روایت میں حضرت عمرؓ سے اس جگہ ان تشہد ان لا اله الا الله وان محمدًا رسول الله آیا ہے۔ (ایضاً 2/611)

ورسلہ: رسل، رسول کی جمع ہے۔ رسول کی تعریف یہ ہے:

انسان بعثہ اللہ تعالیٰ لتبلیغ الاحکام مع کتاب وشریعة۔

تعداد رسل 313 یا 315 باقی ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام ہیں، کسی صحیح روایت سے تعداد کا صحیح ہونا ثابت نہیں ہے البتہ سب پر ہی ایمان ضروری ہے۔ (درس شامی 187)

رسول پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے وہ خود اور ان کی تبلیغ برحق ہے۔

تقیموا الصلوٰۃ: یہ اقام العود اذ اقومہ سے ہے۔ بمعنی سیدھا کرنا گویا نماز کو بھی آداب و سنن کے ساتھ سیدھا کر کے پڑھے۔ اسی کو اقامۃ صلوٰۃ سے تعبیر کیا ہے۔ اور بعض حضرات کہتے ہیں: اقام الحرب سے ماخوذ ہے۔ جبکہ دوام حرب ہو تو اقامۃ صلوٰۃ دوام صلوٰۃ سے ہوگی۔ نہ کہ گاہے گاہے پڑھنے سے۔

اقامۃ صلوٰۃ تین شرائط کے ساتھ ہے۔ (۱) سنن و آداب کو ملحوظ رکھے۔ (۲) دائمی پڑھے۔ (۳) بجماعت ادا کرے۔

سوال: حج کا ذکر اس حدیث میں نہیں آیا۔

جواب: بعض کہتے ہیں۔ فرضیت حج نہ تھی۔ تو ذکر بھی نہیں کیا۔ لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ یہ حجۃ الوداع کے بعد کا قصہ ہے۔ یہ سہو راوی یا اختصار راوی ہے۔ جیسے بعض روایات میں صوم رمضان کا ذکر نہیں جبکہ وہ بہت پہلے فرض ہو چکے تھے۔ نیز بعض طرق میں حج کا ذکر بھی ہے۔ اس لئے اختصاری کو ترجیح دی جائے تو بہتر ہے۔ واللہ اعلم



حقیقت احسان اور اس کے حصول کا طریق

قال ما الا حسان

پھر جبریلؑ نے سوال کیا احسان کیا چیز ہے؟ بالفاظ دیگر ایمان و اسلام کو حسین بنانے کا طریقہ کیا ہے؟ قرآن کریم میں احسان کا ذکر متعدد مقامات پر ہے۔ ان اللہ یحب المحسنین، وان اللہ لمع المحسنین۔ والدین ہم حسنون وغیر ذلک۔ آپ ﷺ نے احسان کی تعریف فرمائی:

ان تعبد الله کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانه یراک۔

قواعد صحیحہ کے مطابق ورزش کرنے اور ہر ہر عضو کو کثرت سے حرکت دینے میں ہر عضو کی طاقت ترقی کرتی جاتی ہے تا آنکہ ”پہلوان“ بن جاتا ہے۔ قوائے جسمانیہ میں یہ مشاہدہ ہے۔۔۔ بعینہ یہی حال قوائے روحانیہ کا ہے۔ ان میں مشق سے جو خصوصی استعداد حاصل ہوتی ہے اسی کا نام احسان ہے۔۔۔ حضرات انبیاءؑ، صحابہؓ اور اولیاء عظام میں اسکے حسب مراتب درجات متفاوت ہیں۔ پھر دنیا میں ثمرات باطنیہ ملتے ہیں انکو معرفت و عرفان کہا جاتا ہے۔ پھر اس راستہ کے سالک مجتہدین یانیب۔ مجتہدین کیلئے جاذبہ الہیہ کے سبب زیادہ مشقت نہیں اور منیب ریاضت و مجاہدہ شاقہ سے سلوک کی راہ طے کرتا ہے۔ حضرات انبیاءؑ مدارج و مراتب متفاوتہ کے باوجود سب ہی مقام اجتناء پر ہیں۔ تاہم اجتناء و انابت کا اصل نقطہ نظر ان تعبد الله کانک تراہ اس لئے ہے۔ (فضل الباری 1/531)

مندرجہ بالا مراقبہ عبادت معروفہ کے ساتھ خاص نہیں۔ بلکہ ہمہ وقت گھر در میں بھی مطلوب ہے۔ درجات احسان: احسان کے دو درجے ہیں: (۱) اس کی تحصیل ہر مسلمان کے ذمہ فرض ہے۔ اور وہ اوامر کی تعمیل اور اجتناب نوائی ہے۔ اس کا نام براءۃ عہدہ ہے۔ یعنی مکلف ہونے کی حیثیت سے فرائض و ارکان کو پورے طور پر ادا کرے، ارتکاب نوائی سے بچے۔ اس میں ذرا بھی کمی آئے گی تو گناہ ہوگا یہ درجہ واجبہ ہے۔ اسی کا نام احسان ظاہری بھی ہے۔ (۲) دوسرا درجہ احسان مستحب ہے۔۔۔ اس کا معمول اگرچہ ہر مسلمان کیلئے مطلوب ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے آسانی فرمادی اس کو فرض و واجب نہیں فرمایا۔۔۔ بلکہ اس کو مستحب قرار دیا جس کے معنی یہ ہیں اگر وہ حاصل نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے عذاب نہ ہوگا۔ لیکن ایک مسلمان پوری کوشش کرے اس درجہ تک پہنچے۔ لہذا احسان کی جو تفسیر یہاں فرمائی جا رہی ہے وہ بالمعنی الثانی ہے اور وہ یہ ہے: ان تعبد الله کانک تراہ۔ اس کا نام احسان معنوی ہے۔ دوسرا مقام پہلے مقام کا زینہ ہے اس مراقبہ عبادت سے ترقی کرتے کرتے پہلے مقام مشاہدہ تک پہنچ جاتا ہے۔

حدیث جبریلؑ میں ان تعبد سے مراد صرف نماز نہیں بلکہ مطلق عبادت ہے۔ چنانچہ ایک روایت میں بخشی اور ایک روایت میں ان تعبد بھی آیا ہے۔ جس سے واضح ہے کہ احسان کا تعلق انسان کی پوری زندگی سے ہے۔ ان اللہ کتب الاحسان علی کل شیء اسی کی طرف مشعر ہے۔ (تحفہ 1/290)

درجات احسان

فان لم تکن تراہ فانہ یراک :

اس کی ترکیب میں دو احتمال ہیں اور دونوں احتمالات میں واضح طور پر مفہوم میں فرق ہوتا ہے۔

(۱) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں پہلی ”ف“ تفصیلیہ ہے اور ان شرطیہ ہے اور دوسری ”ف“ جزائیہ ہے۔۔۔ اس قول کے مطابق مفہوم یہ ہے احسان کے دو مرتبے ہیں ایک اعلیٰ اور ایک ادنیٰ۔۔۔ اعلیٰ مرتبہ یہ ہے جب انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے تو یہ سمجھے میں مقام مشاہدہ میں ہوں۔ اور اس کا مطلب یہ ہے ذاتِ خداوندی کے وجود کا اتنا یقین کامل ہو کہ اسباب کو دیکھ کر مسبب کے وجود کی لمحہ بھر کیلئے نفی کا تصور نہ ہو۔

(۲) اور ادنیٰ مرتبہ جو مقام مراقبہ ہے وہ یہ ہے یہ حقیقت تو اپنی جگہ بہر حال مسلم ہے کہ جب ذرہ ذرہ کائنات کا اس کے سامنے ہے تو آپ کیسے اس سے اوجھل اور مخفی ہو سکتے ہو۔ بہر حال آپ اس کی نگاہ میں ہو۔ دوسری تفسیر علامہ نوویؒ اور حضرت علامہ سندھیؒ نے فرمائی ہے۔

وہ یہ کیف تعلیلیہ ہے ان شرطیہ نہیں بلکہ وصلیہ ہے۔ اور آخر میں آنے والی ”ف“ جزائیہ ہے جو ان وصلیہ کے جواب میں آتی ہے۔ تو علامہ سندھیؒ فرماتے ہیں یہاں دو درجے بیان کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ ”ایک درجہ“ ہے وہ یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طور پر کرو جیسے تم اس کو دیکھ رہے ہو مراد اس سے یہ ہے کہ تم اس کے سامنے موجود ہو اور موجودگی کا مطلب اس کے دربار میں ہونا ہے۔۔۔ ورنہ حقیقتاً دیکھنا گو بذریعہ عبادت ہی ہو؛ دنیا میں بالکل منقطع ہے۔۔۔ تو دربار میں موجودگی کا مطلب یہ ہوا کہ بہر حال وہ تمہیں دیکھ رہا ہے اس سے اوجھل ہونا تمہاری قدرت سے خارج ہے۔

ان حضرات کے قول کا حاصل یہ ہے کہ اول سے ہی اسی درجہ کا مراقبہ کرے کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو دیکھ رہا ہے۔ نیز اصل یہی ہے کہ تم دیکھو یا نہ دیکھو تمہارے دیکھنے سے کیا فرق پڑتا ہے۔

بلاشبہ اس کی مثال یہ ہے ایک شخص بادشاہ کے دربار میں حاضر ہو اس کی ایک حالت یہ ہے میں بادشاہ کو دیکھ رہا ہوں اور ایک یہ کہ بادشاہ مجھ کو دیکھ رہا ہے تو اجتنابِ معاصی میں اصل بادشاہ کا دیکھنا ہی موثر ہے۔ اس لئے بینا و نابینا قریب و بعید آداب و حقوق بحال آتا ہے۔

اللہم اجعلنی اخشاک کانی اراک اہم احتی القاک۔ امید ہے اس دعاء نبوی کے ورد کی برکت سے مقام مشاہدہ و مراقبہ سے کچھ نسبت اور ثمر نصیب ہو جائے گا۔

بعض صوفیاء کرام فان لم تکن تراہ میں کان تلنہ قرار دیتے ہوئے معنی کرتے ہیں:

اگر تم فنا ہو جاؤ گے تو اللہ جل شانہ کو دیکھ لو گے۔ (کشف 618/2)

الاحسان:

کا حاصل یہ ہے۔ تصوف و طریقت بھی اسلام کے مقاصد میں داخل ہے اور قرآن وحدیث سے اس کا ثبوت ہے۔ حضرات صوفیاء کرام کی تعلیمات کا مقصود بھی یہی ہے کہ اللہ مجھ دیکھ رہا ہے اس لئے اس کو بدعت کہنا بالکل صحیح نہیں ہے۔

اس مرتبہ کے حصول کیلئے جو طریقے وضع کئے گئے ہیں جیسے پاس انفاس، سلطان الاذکار یا ذکر بالجہر اور ضرب اور اشغال و اوراد، یہ بمنزلہ علاج کے ہیں۔ اگر کوئی شخص ان کو علاج کے طور پر اختیار کرے تو مباح ہے جیسے علاج جسمانی کیلئے کوئی سیرپ، ادویہ استعمال ہوتی ہیں۔ اور اگر سنت سمجھنے لگے اور بذات خود مقصود بنا کر دائمی معمول بنالے تو یہ بدعت ہے کیونکہ یہ ثابت نہیں ہیں۔

اسی لئے حضرات محققین کرام نے جب یہ دیکھا آج کے دور میں یہ خرابی پھیل رہی ہے کہ وسائل اور درجہ علاج کی چیزوں کو ہی مقاصد اصلیہ سمجھ لیا گیا ہے تو اس کے ترک کو بہتر سمجھا اور ایسی چیزوں کی تعلیمات کو موقوف کر دیا۔ (انعام)

یاد رہے اسی راستے کا ایک حصہ یہ بھی ہے کبھی کچھ نظارے، کشف و کرامات اور کبھی سچے خواب وغیرہ بھی آتے ہیں۔ جو طبیعت کے مجاہدے کے نتیجے میں حاصل ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ مقصود اصلی نہیں۔ شریعت کے مطابق زندگی گزارے اور ساری زندگی خواب نہ آئے یا کشف و کرامت نزدیک سے نہ گذرے مگر مقصود اصلی حاصل ہے اس لئے کہ رضائے خداوندی احکام شریعت کی تکمیل پر موقوف ہے۔ گویا یہ چیزیں زیادہ سے زیادہ محمود و موسقت ہیں مگر مقصود نہیں ہیں۔

احسان کے دو درجات: مقام مشاہدہ اور مقام مراقبہ۔ پہلا رفیع و اعلیٰ ہے اس لئے کہ وہ کمال استغراق، صفت نفس اور درجہ حال میں ہے جبکہ دوسرا مقام صرف درجہ ظلم کی چیز ہے۔ اگرچہ کیفیت ظلم ہی رسوخ کے بعد صفت نفس بن جانے پر حال ہو جاتی ہے۔ (کشف 614/2)

مصدق ساعۃ

متی الساعۃ:

معنی الساعۃ؟

قیامت کو ”ساعۃ“ سے تعبیر کیوں فرمایا جبکہ کالف سنۃ ممتعدون یا مقدارہ خمسمین الف سنۃ فرمایا گیا ہے

___ نیز لفظ ”ساعۃ“ غیر معین زمانہ اور بہت ہی مختصر وقت پر اس کا اطلاق ہے۔

ج۱: لانا تکم الابغۃ کثیش نظر ہے۔ ”اعتبار آبا و لو قعنا“ ساعۃ کہا گیا۔

ج۲: سرعۃ حساب و کتاب کے لحاظ سے ”ساعۃ“ فرمایا اس لئے کہ دنیا کے لحاظ سے حساب کتاب نصف دن میں ہو جائے گا۔

ج۳: کالساعۃ عند اللہ مراد ہے۔

ج ۴: تقاولاً ساعۃ کہا گیا، خدا کرے یہ طویل دن ہمارے لئے ایک ساعۃ کی طرح گزر جائے۔

ج ۵: مومن کیلئے صرف دو رکعت کے برابر ہوگا۔ دو رکعت کا وقت باقی دن کے مقابلہ میں ساعۃ ہی ہے۔ (امداد باری 743/5)

فائدہ: الف سنۃ اور خمسین الف سنۃ کے تعارض کی توجیہ یہ ہے کہ یہ احوال شخصیات اور اعمال کے اعتبار سے فرق ہوگا۔

نیز میدان محشر میں پچاس موقف ہوں گے تو فرداً ہزار برس اور مجتمعاً پچاس ہزار برس ہوں گے۔ (امداد باری 744/5)

معنی الساعۃ سے دراصل ساتھین کی قیامت کے وقت معین کے سوال سے سروکنا مقصود ہے۔

ایمانیات و اعمال کے بعد اس کی عمرگی کے ساتھ ادائیگی سے چونکہ مقصود اصلی آخرت ہے اور ترتیب بھی یہی ہے عمل کے

بعد رد عمل یا اجرت و مزدوری کے ملنے کا وقت وہ کب آئے گا۔۔۔؟

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ما المستول عنها باعلم من السائل: یعنی مستول اس معاملہ میں سائل سے زیادہ جاننے والا نہیں۔

آپ ﷺ بھی فرما سکتے تھے مجھے معلوم نہیں۔۔۔؟ لیکن چونکہ کوئی بھی مستول اس معاملہ قیامت میں سائل سے علم

نہیں ہو سکتا اور اس کی تعیین کا کسی کو بھی علم نہیں۔ اس لئے قاعدۂ کلیہ کے طور پر بیان فرمادیا۔ نیز یہی سوال حضرت جبریلؑ نے

حضرت عیسیٰؑ سے بھی کیا تھا تو انہوں نے بھی جواب فرمایا تھا: ما المستول عنها باعلم من السائل۔ آپ ﷺ نے موافقت

فرماتے ہوئے یہی جملہ ارشاد فرمایا۔ اس میں یہ بھی ثابت ہو گیا کہ دین کے بارے میں سوال ہو تو جواب میں لا ادری کہنا

باعضو عیب نہیں۔۔۔ بلکہ باعث قدر و منزلت ہوگا بشرطیکہ وہ مسئلہ معلوم نہ ہو۔ جیسے حضرت امام مالکؒ سے افریقی سائل نے

اثر الیس (48) مسائل پوچھے۔۔۔ تو چھتیس (36) کے جواب میں لا ادری فرمایا اور معیوب نہ سمجھا۔

حضرت جبریلؑ صحابہؓ کی طرف سے نائب ہو کر سوال کر رہے تھے اس لئے ذاتی حیثیت سے صدقت فرمایا اور وقت

قیامت سے ناواقف ہونے کے بارے میں سب برابر ہیں اس کا علم حضرت جبریلؑ کو بھی نہیں تھا اس لئے انہوں نے صدقت

نہیں فرمایا۔ (درس بخاری 304)

ایمان اسلام اور احسان کا اس سے ربط کیا ہے؟

حضرت امام نانوتویؒ فرماتے ہیں: جملہ عالم کو انسان کیلئے اور حضرت انسان کو عبادت کیلئے پیدا کیا گیا۔۔۔ آپ ﷺ

کی تشریف آوری سے ہمہ جہات عبادت علماء و عملاً مع کیفیت احسان پوری فرمادی گئی تو مقصد عالم پورا ہو گیا۔ تکمیل مقصد کے

بعد اس کی بقاء کا کیا جواب ہے؟

نیز تکمیل مقصد دو طرح سے ہے۔ ایک کیا جو آپ ﷺ کے ذریعہ ہرچہ مکمل کو پہنچ گئی اسی تناظر میں آپ ﷺ نے فرمایا:

بعثت انا والساعۃ کھاتین۔ دوسرے کتا تکمیل حضرت عیسیٰؑ کے نزول کے بعد ہوگی۔ پھر قیامت ہوگا۔ (نور الدہلی 342/1)

بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے حضرت عیسیٰؑ نے یہی سوال حضرت جبریلؑ سے کیا تھا حضرت جبریلؑ نے اپنا پر مارا اور

جواب دیا: ما المستول عنها باعلم من السائل۔ (نور الدہلی 342/1)

آپ ﷺ سے اسی مطابقت سے جواب دلایا گیا کہ جبریلؑ متنبہ ہو جائیں آپ خود بھی یہی جواب دے چکے ہیں۔

(فضل الباری 537/1، درس بخاری حضرت مدنی 304)

علامات قیامت

ما المستول عنها با علم من السائل:

اس جملے میں عدمِ علم میں تساوی یا علم میں تساوی مراد ہے؟

(۱) لغوی لحاظ سے کہا جاسکتا ہے الفاظ اس بات کی طرف مشعر ہیں کہ علم میں تساوی ہے۔ کیونکہ دونوں کو علم ہے قیامت ہے اور اس کی تعیین بھی نہیں ہے۔

(۲) مقصود عدمِ علم میں تساوی ہے کہ تعیین کا علم نہ آپ کو ہے نہ ہمیں۔ چنانچہ شرح محدثین کرام نے بھی اسی پر معمول کیا ہے۔ اور اسلوبِ حدیث کا بھی یہی تقاضا ہے۔ اس لئے کہ جبریلؑ نے عرض کیا:

اخبرنی عن أماراتها: آپ ﷺ نے فرمایا: ساخبرک عن اضرائها۔

أضرألساعة ابتداءً وقسم پر ہیں۔ ابیعیہ ۲: قریب پھر ان میں سے ہر ایک دو قسم پر ہے۔ ۱: خیر۔ ۲: بشر۔ کل چار اقسام ہو گئیں۔

۱: قریبہ خیر: جیسے بعثت نبوی ﷺ ۲: قریبہ شر: جیسے ان تلذذ الامم بقتلہا۔

۳: بعیدہ خیر: جیسے نزول عیسیٰ۔ ۴: بعیدہ شر: جیسے ہدم بیت اللہ۔

تیس سالہ شناخت و تعارف کے باوجود اس دفعہ جبریلؑ مخفی رہے آپ ﷺ نے ہوسکا۔ گویا یہ تمہید ہے کہ آپ ﷺ کو علم الساعۃ نہیں تھا۔ (نصر الباری 338/1) اتنے علوم و حقائق دیئے جانے کے باوجود جس وقت چاہے آپ سے بھی محسوسات و مشاہدات کا علم تک اٹھالے۔ اہل حقائق و معارف کا تو پوچھنا ہی کیا ہے (فضل الباری 528/1)

عن اضرائها:

أضرأ چھوٹی علامات اور آیات بڑی علامات کو کہتے ہیں۔ پہلے چھوٹی بعد میں بڑی علامات پائی جاتی ہیں۔ (حمہ 291/1)

اذا ولدت الامم بقتلہا

اس جملہ کی بہت شروع ہیں :- (۱) لونڈیوں کی اتنی بہتات ہو جائے گی کہ کسی موقع پر لونڈی کا بیٹا ہی اس کا خریدار بن جائے گا۔ مثلاً ایک کنیز نے بچہ جنازاں بعد اس کے مالک نے اس کو فروخت کر دیا۔ بکتے بکاتے مارکیٹ سے اس کے بیٹے ہی نے اس کو خرید لیا۔ گویا علامت قیامت بائیں طور ہے کنیزوں کی خرید و فروخت اتنے وسیع پیمانہ پر ہو جائے گی کہ خریدار کو خریدنے کے بعد پتہ نہ ہو میں اپنی ماں کو ہی لونڈی سمجھ کر خرید کر لایا ہوں۔

(۲) کثرتِ فساد سے کنایہ ہے۔ اتنے فساد ہوں گے کہ لوگ عورتوں کو پکڑ کر بچپن شروع کر دیں گے اور اختلاط ہو جائے گا

تو اس کا روبرو میں کبھی یہ نوبت بھی آجائے گی بیٹا ماں کا خریدار بن جائے گا۔

(۳) سب سے بہتر توجیہ محققین کے نزدیک یہ ہے کہ والدین کی نافرمانی سے کنایہ ہے۔ جنی ہوئی اولاد اس درجہ نالائق ہوگی ماں کے ساتھ سلوک کنیز جیسا کرے گی۔ گویا نظامِ زندگی خلافِ فطرت ہو جائے گا۔ اسعد الناس کعب بن کعب ہوگا۔
(۴) اگر دبعھا کے لفظ کو اپنے معنی پر رکھا جائے تو بھی مستبعد نہیں اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا: لونڈیاں اپنی مالکہ جتنے لگیں گی۔ یعنی لڑکیاں ماں کا بہت زیادہ احترام کرتی ہیں وہ نافرمان ہو جائیں گی۔ لڑکیوں کا اپنی ماں سے یہ سلوک علاماتِ قیامت میں سے ہے۔

(۵) علامہ خطابی فرماتے ہیں: فتوحاتِ اسلامیہ کی کثرت کی طرف اشارہ ہے جس کے نتیجے میں لونڈیوں سے شرحِ اولاد بڑھ جائے گی اور وہ ام ولد بنیں گی تو اذاولدِ الامۃ بہر بھا صادق آجائے گا۔ کیونکہ لونڈی سے سے جو بچہ ہوگا وہ اس کے لئے آقا ہوگا۔ اس کو بی شرافت حاصل ہوگی۔ نیز یہ بچہ اپنی ماں کی آزادی کا سبب بنا لہذا یہ اپنی ماں کا سید و منعم ہوگا۔
(۶) اشارہ ہے کہ لونڈیوں کے بطن سے بادشاہ پیدا ہوں گے۔ سلطنتِ عباسیہ کے دور میں بادشاہوں کے دل و دماغ پر لونڈیوں کی حکومت ہوئی تو ان کے بچے حکومت میں اور ماں رعیت میں شمار ہوئی تو ولدِ الامۃ بہر بھا صادق آگیا۔
(۷) نیز یہ مطلب ہے کہ خرید و فروخت میں حلال و حرام کی تمیز ختم ہو جائے گی، ام ولد کی بیع و شراء ناجائز ہے اور حالتِ حمل میں تو ایماحانا جائز ہے تاہم وہ بکتے بکتے اپنی بی لڑکے کے ہاتھوں میں آجائے گی اور وہ اس سے اختلاط کرے گا تو اذاولدِ الامۃ بہر بھا صادق آجائے گا۔ اگر اس لڑکے نے اس کو آزاد کر دیا یا بغیر خرید اس کے آقا کی اجازت سے نکاح کر لیا تو اذاولدِ الامۃ بہر بھا بھی صادق آجائے گا۔ (امداد الباری 748/5)

قلب موضوع

و اذا تناول رعاۃ الابل البہم فی البیان:

البہم اگر مجرور پڑھیں تو الابل کی صفت بنے گا۔ معنی یہ ہوگا سیاہ اونٹوں کو چرانے والے بھی عمارتوں کو اونچا کریں گے۔ (سرخ اونٹ اہلی درجہ کمال سمجھا جاتا ہے اور کالے اونٹ کھے ہوتے ہیں۔) (حفہ 292/1)
اور اگر عاقل صفت ہو پھر یہ مرفوع ہوگا اور معنی یہ ہوگا سیاہ رنگ کے چرواہے اونچی اونچی بلڈنگیں بنائیں گے۔ گویا قلبِ موضوع ہوگا۔ اور ان فلذالامۃ میں بھی قلبِ موضوع ہے۔ مشرق وسطیٰ کے معاشی انقلاب کی طرف اشارہ ہے۔ مالک نوکر اور ملازم مالک بن جائیں گے اشتراکیت کے انقلاب کے تناظر میں بھی کچھ ہوا۔ یہ علاماتِ قیامت ہیں۔ یعنی معاشرتی لحاظ سے کم درجے کے لوگ اونچی بلڈنگیں بنا کر فخر کریں گے۔ دولت مند یا نااہلیت کی کوکھ سے جنم لینے والے حکام بن کر اظہارِ شان و شوکت بلڈنگوں کے ذریعے کریں گے۔

چنانچہ اس کی تائید کہ یہ چیزیں علاماتِ قیامت میں سے ہیں۔ ایک روایت لسان العرب اور مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

اذا جمعت مكة كظالم۔ الخ یعنی جب مکہ کا بیٹ چیر کر نہریں نکالی جائیں گی اور عمارتیں پہاڑوں کی چوٹیوں کے برابر کو کھینچ جائیں گی تو سمجھو قیامت قریب ہے۔ آج پورا مکہ پہاڑوں کی طرح بلند و بالا بلند ٹکڑوں اور سرنگوں کا شہر ہے۔ (انعام)

ما المستول عنها با علم من السائل :

اس جملے سے ان حضرات کی تصدیق ہے جو آپ ﷺ سے علم غیب یا علم محیط، جمیع ماکان و مایکون کے قائل نہیں ہیں۔ بہت سے اہل بدعت اس بات کے قائل ہیں کہ نبی اکرم ﷺ علم محیط، جمیع ماکان و مایکون حاصل تھا۔ البتہ وہ یہ کہتے ہیں کہ علم اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے۔ یعنی علم ذاتی نہیں تھا۔ بلکہ مخائب اللہ عطا ہی تھا۔ اس لئے شرک نہیں۔

(یہ تقسیم بھی انتہائی خطرہ کا الارم ہے کہ مشرکین مکہ اپنے معبودان باطلہ کے بارے میں یہ کہتے تھے۔ اگر ان کے پاس کچھ اختیارات ہیں تو وہ عطیہ خداوندی ہیں۔ ذاتی طور پر اصل قادر وہی ہے۔ لیکن اس کے باوجود قرآن و سنت کی نظر میں وہ مشرک ہی ہیں۔) مراد اس سے یہ ہے کہ انبیاء الغیب کے قبیل سے اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء علیہم السلام کو علم عطا فرمایا ہے۔ لیکن یہ بالکل نہیں کہ اپنی مخصوص صفت علم غیب میں سے کچھ حصہ عطا فرمایا ہو۔ اور ان پر عالم الغیب کا اطلاق ہو سکے۔ کیونکہ صفت کا شریک کنندہ بھی مشرک ہے۔ یہی مضمون علم الغیب کے متعلق تصریح ہے و عنده مفاتيح الغيب لا يعلمها الا هو۔

تکوینیات کا علم حضرات انبیاء کو نہیں دیا گیا۔ کیونکہ ان کا منصب علم تشریف ہی ہے اور مفاتيح الغيب کے لفظ میں اشارہ علم کلی اور علم محیط کی طرف ہے۔ اس لئے اگر کسی کو جزوی علم دیدیا جائے تو وہ اس کے خلاف نہیں۔ اسی لئے حضرات انبیاء کو اگر تکوینی سلسلہ میں کچھ بتلادیا جائے تو وہ انبیاء الغیب کے قبیل سے ہے۔ اے علم غیب نہیں کہا جاسکتا۔ کیونکہ وہ علم جزئی ہے۔ تکوینیات کا کلی علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے انہی کلیات کو مفاتيح الغيب سے تعبیر فرمایا۔

اہل بدعت کا جو یہ دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو جمیع ماکان و مایکون دیا تھا تو یہ کب دیا تھا۔؟ اس میں خود اہل بدعت کا اختلاف ہے:

پہلا قول: بعض کہتے ہیں: رحم مادر میں دیا گیا تھا۔ ایک ضعیف سی حدیث ہے جو آپ ﷺ نے فرمایا میں رحم مادر میں تھا تو میں لوح محفوظ کی سریر قلم سنا تھا۔۔۔ یہ روایت نہ صرف ضعیف بلکہ بہت سی احادیث صحیحہ کے خلاف ہے۔ عقیدہ تو خبر واحد صحیح سے بھی ثابت نہیں ہوتا۔ اس کیلئے تو دلیل قطعی کی ضرورت ہوتی ہے۔ چہ جائیکہ اس حدیث سے عقیدہ ثابت کریں جو نہ صرف انتہاء درجہ کی ضعیف بھی ہو اور بہت سی احادیث صحیحہ کے خلاف بھی۔

دوسرا قول بمعراج کے موقع پر جمیع ماکان و مایکون کا علم عطا فرمایا گیا۔ واقعہ بمعراج ہجرت سے قبل پیش آیا اور اس کے بعد بہت سے ایسے واقعات پیش آئے کہ آپ ﷺ سے علم غیب کی بھی نفی ہوتی ہے جیسے واقعہ افک آپ ﷺ دو ماہ تک پریشان رہے اور نزول آیات کے بعد اطمینان ہوا۔

اس لئے لاچار ہو کر اہل بدعت کے پیشوا مولانا احمد رضا خان نے یہ موقف اختیار کیا آپ ﷺ کا یہ درجہ مرض الوفا

میں دیا گیا۔ لہذا مرض الوفا کے شروع ہونے سے پہلے جن چیزوں کی لامٹی کا اظہار کیا گیا وہ اعطاء علم غیب سے قبل تھا۔
 آخر عمر میں اعطاء علم غیب باعث اعزاز نہیں بلکہ موجب توہین ہے۔ ایک آدمی دنیا سے رخصت ہو رہا ہے اسے کہا جائے
 تجھے ملک کا صدر بنایا جاتا ہے نیز مرض الوفا میں آپ ﷺ نے حجرہ شریفہ میں پوچھتے تھے اصلی الناس؟ جواب
 میں عرض کیا جاتا کہ نہیں پڑھی۔ پھر غشی کے بعد افاقہ ہوتا آپ ﷺ یافت فرماتے اصلی الناس؟
 نیز آپ ﷺ وز قیامت فرمائیں گے: آنے والے میرے صحابی ہیں۔ ان کو نہ روکا جائے۔ مگر فرشتے کہیں گے:
 انک لا تدری ما احدثوا بعدک۔ تو اس سے غی علم ہے۔ نیز فرمایا وہ محدث جو قیامت میں مجھے الہام کئے جائیں گے جو
 اس وقت میں نہیں جانتا۔ تو قیامت کو ان کا ملنا دلیل ہے مرض الوفا میں ان کا نہ دینا طے ہے۔ اس سے بھی علم الغیب جمیع
 ماکان وما یحکون کی نفی ثابت ہوتی ہے۔
 علم الغیب کی حقیقت بیش نظیر ہوتو اہل بدعت کا سارا محل استدلال منہدم ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ علم الغیب کی تعریف یہ
 ہے وہ کسی واسطہ کے بغیر حاصل ہو گئی ہو اور اس میں کوئی استثناء نہ ہو۔ جبکہ یہ صفت صرف اور صرف اللہ جل جلالہ کی ہے۔
 جو کسی کو بھی عطا نہیں کی گئی۔

انباء الغیب کی حقیقت

لوگ اس معاملہ میں تلبیس سے کام لیتے ہیں جتنی روایات و آیات میں انباء الغیب کا اثبات ہے ان کو علم جمیع ماکان
 وما یحکون کا مسئلہ بناتے ہیں۔ جو صحیح نہیں ہے۔ اور نہ ہی وہ محل نزاع ہیں۔ انباء الغیب کا اثبات اپنی جگہ مسلم ہے۔ یاد
 رہے انباء الغیب آپ ﷺ تمام انبیاء سے زیادہ دی گئی ہیں۔
 سوال: اگر کسی کا عقیدہ یہ ہو کہ نبی اکرم ﷺ علم کلی عطا کیا گیا ہے تو اس کو مشرک کہا جائے گا یا نہیں؟
 جواب: اس پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا جائے گا۔ اس لئے کہ وہ تاویل کا سہارا لیتے ہوئے ایک تو یہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کا علم
 ازلی کبھی بھی اس سے منہی نہیں ہوا۔ جبکہ آپ ﷺ علم ازلی نہیں ہے تو پہلے منہی تھا۔ پھر بقول مولانا احمد رضا خان آخر
 عمر میں عطا کیا گیا تو گویا عطائی بھی ہوا۔ نیز ان کا یہ کہنا ہے کہ آپ ﷺ علم کو اللہ تعالیٰ کے علم کے ساتھ وہ نسبت بھی نہیں جو
 ایک قطرے کو سمندر کے ساتھ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے ان کا مقصود اللہ تعالیٰ اور آپ ﷺ علم کا اشتراک نہیں
 ہے۔ اس لئے شرک و کفر کا فتویٰ نہیں لگایا جائے گا۔ لیکن بہر حال یہ سخت گمراہی اور ایسے عقیدہ کے حامل کے گمراہ ہونے
 میں کوئی تردد نہیں ہے۔ چہ جائیکہ ان کو مقتدانا جائے۔

فی خمس لا یعلمہن الا اللہ۔ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ اور وہ علم الساعة۔ فی خمس خبر ہے۔

سوال: کیا صرف پانچ امور ہیں جن کو اللہ تبارک و تعالیٰ جانتے ہیں؟ جبکہ قرآن کریم میں دوسری جگہ وما یعلم
 جنود ربک الا هو موجود ہے۔

جواب: سائل نے سوال پانچ چیزوں کا کیا تھا۔ تو یہ قید اتفاقی ہے۔ احترازی نہیں ہے۔
ورنہ ان گنت چیزیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور نہیں جانتا۔

فی خمس:

انہی پانچ کا ذکر بطور خاص فرمایا۔؟

یہاں بحث مغیبات کو ان سے ہے۔ یہ غیر متناہی ہو کر پانچ انواع ہیں۔ ۱: مکانی۔ ۲: زمانی۔ پھر زمانی کی تین انواع ہیں: ۱: ماضی سے۔ ۲: حال سے۔ ۳: مستقبل سے تعلق ہو۔

اگرچہ یہ چار انواع ہوئیں۔ وقت ساعت اگرچہ ان چاروں میں مندرج ہے لیکن حادثہ عظیم ہونے کی وجہ سے بطور اہمیت اس کو الگ ذکر فرمایا۔ ان ”اشیاء خمسہ“ میں ہائی ارض تموت مغیبات مکانیہ کی طرف اشارہ ہے۔ یعلم ما فی الارحام میں مغیبات زمانیہ حالیہ کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ آثار حمل فی الحال نمایاں ہیں۔ ماذا انکسب غدا سے مغیبات زمانیہ مستقبلہ کی طرف اشارہ ہے۔

اس ایک ينزل الغیثہ گیا غالباً اس میں مغیبات زمانیہ ماضیہ کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی بارش آئی ہوتی تو معلوم ہوتی لیکن یہ کسی کو نہیں معلوم کہ پہلے سے کیا اسباب فراہم ہو رہے ہیں کہ ٹھیک اسی وقت، اسی جگہ، اتنی مقدار میں بارش ہوگی۔ (شف 2/633)

سوال: آیت مبارکہ کے تناظر میں اشکال ہے کہ بارش کی پیش گوئی محکمہ موسمیات کرتا ہے یا رحم مادر میں بذریعہ آلات و مشین مذکور مونث کا تعین کر دیا جاتا ہے یا کچھ اشیاء کو کشف کے ذریعہ بتایا جاتا ہے۔ جیسے بعض بزرگ بتا دیتے ہیں لڑکا ہوگا یا لڑکی، جیسے حضرت صدیق اکبرؓ نے ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے مرض وصال میں کہا کہ اپنی بہن کیلئے وراثت میں حصہ رکھنا۔ چنانچہ ان کا اندازہ صحیح ثابت ہوا گویا لا یعلمہن الا اللہ کے خلاف ہوا؟

جواب: ۱: وسائل و وسائط کے ذریعہ نیز حسابات کے ذریعہ معلوم ہو جانا یہ علم غیب نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ان وسائل کے بغیر ہی معلوم ہے۔

جواب ۲: ان وسائل کے ذریعہ حاصل شدہ علم ظنی اور امکانی ہوتا ہے۔

جواب ۳: آیت مبارکہ میں ما فی الارحام ہے نہ کہ من فی الارحام۔ کہ یہ تعین مقصود ہو کہ رحم مادر میں مذکور ہے یا مونث۔ بلکہ موجود فی الارحام کن صفات و اخلاق اور شقی و سعید اور اس کا انجام کیا ہوگا۔ ان کا سب علم قطعی ہونا مراد ہے۔ نیز کسی ایک مادہ سے ایک واقعہ کو وسائل سے جان لینا اللہ تعالیٰ کے علم کلی کے منافی ہرگز نہیں۔ اس لئے کہ اللہ یعلم ما حمل کل انثی اس طرف مشعر ہے کہ دنیا بھر کی تمام جنسوں کی تمام ماداؤں کے رحم مادر میں کیا ہے۔ حق تعالیٰ شانہ کو ان کے تشخص کے ساتھ ان کے اوصاف اور انجام کار کا قطعی کلی طور پر علم حاصل ہے۔ اور دیگر کسی مخلوق کیلئے اس کا تصور بھی انسانی عقل سے بعید ہے۔

تخصیص سوالات

سوال: ایمان، اسلام، احسان اور قیامت؛ حضرت جبریلؑ نے ان چار چیزوں کی تخصیص کیوں کی؟

جواب: ترتیب واقعی کا تقاضا ہی تھا۔ اس لئے کہ سب سے اول دل میں ایمان آتا ہے جب دل تائید کرتا ہے تو بدن پر اسلامی اعمال کا ظہور ہوتا ہے پھر اعمال کی روح بذریعہ احسان نصیب ہوتی ہے۔ پھر احسان کا درجہ حاصل ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ درجہ احسان کے بعد رؤیتِ علمی دنیا ہی میں حاصل ہو جاتی ہے۔ اور رؤیتِ حقیقی آخرت میں نصیب ہوگی۔ نیز ایمان جز اسلام اس کی شاخیں ہیں۔ ایمان کی تکمیل و رونق اسلام سے ہوتی ہے آخری مرتبہ احسان بمنزلہ اثمار کے ہے۔

حضرت جبریل علیہ السلام کی تلاش

فَقَالَ هَذَا جِبْرِيلُ جَاءَ يَعْلَمُ النَّاسَ دِينَهُمْ:

حدیث الباب میں ہے کہ یہ جملہ آپ ﷺ نے اسی مجلس میں ارشاد فرمایا جبکہ سیدنا عمرؓ کی ایک روایت میں یہ تصریح ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بات تین روز بعد ارشاد فرمائی۔

جواب: حضرت عمرؓ والی روایت مرجوح ہے۔ راجح یہی ہے یہ جملہ اسی مجلس کا ہے۔ البتہ تطبیق ایک صورت میں ہو سکتی ہے۔ تلاش کے بعد جو لوگ واپس آگئے اور جبریلؑ نہ ملے تو ان کو اسی وقت معلوم ہو گیا کہ یہ جبریلؑ تھے۔ مگر سیدنا عمرؓ ان کو تلاش کرنے کیلئے نکلے تو پھر آگے کسی اور کام سے چلے گئے۔ تین روز بعد ملاقات ہوئی تو پھر پتہ چلا۔

روایتِ تام السنۃ

یہ حدیث جبریلؑ پورے دین کا خلاصہ ہے۔ اس لئے کہ ایمان کے جواب میں جو ارشادات فرمائے ہیں وہ علم الہامی میں آجاتے ہیں اور اسلام کے جواب میں جو کچھ ارشاد فرمایا وہ علم العقہ میں آجاتا ہے۔ اور احسان کے جواب میں جو کچھ ارشاد فرمایا وہ سارے تصوف کا خلاصہ ہے۔ اسلئے یہ روایت ام السنۃ کہلاتی ہے۔ نیز اگلی روایت میں ہر قل کا قول اہل کیا ہے وہ کتب سابقہ کا عالم تھا گویا کتب سابقہ میں ایمان، دین کو ایک ہی چیز قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے کہ وہ کبھی دین کا لفظ اور کبھی ایمان کا لفظ بولتا ہے۔ جس سے مترادف مفہوم ہوتا ہے۔ اس لئے اس کو لفظ ”باب“ سے علیحدہ ذکر کیا۔ کیونکہ یہ استدلال اس درجہ کا نہیں۔ کافر کا قول ہے۔

فائدہ: حدیث جبریلؑ میں ایمان، اسلام احسان کی ترتیب روایات میں مختلف ہے جو رواۃ کا تصرف ہے۔ (کشف 596/2)

طلب علم کے آداب کے دیگر طرق کے پیش نظر

۱: جوانی کے زمانہ میں جب قوتِ مدرکہ مائلہ پوری طرح محفوظ ہو علم حاصل کرے۔

۲: طالب علم کو نظیف ہونا چاہیے لباس بھلے بیش قیمت نہ ہو مگر صاف سحر اہو۔

۳: نشست ایسی ہو کہ بات اچھی طرح سن اور سمجھ سکے۔ (نصف 591/2)

37 باب (بلا ترجمہ)

خَدَّثَنَا الْإِسْرَافِيلُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحٍ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ غَبِيْدِ اللَّهِ بْنِ غَبِيْدِ اللَّهِ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو سَفْيَانَ أَنَّ هِرَقْلَ قَالَ لَمَّا سَأَلْتُكَ هَلْ يَزِيدُونَ أَمْ يَنْقُصُونَ فَرَوَعْتَ أَنَّهُمْ يَزِيدُونَ وَكَذَلِكَ الْإِيمَانُ حَتَّى يَنْعَمَ وَ سَأَلْتُكَ هَلْ يَزِيدُ أَخَذَ مِخْطَاطَةً لِدَيْهِ وَبَغْدَأْنُ يَدْخُلُ فِيهِ فَرَوَعْتَ أَنَّهُ لَا وَكَذَلِكَ الْإِيمَانُ حِينَ تَخَالِطُ بِشَاشَةِ الْقُلُوبِ لَا يَنْسَخُ خَطَّةٌ أَخَذَ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا: مجھے الاسفیان بن حرب نے خبر دی کہ ہرقل نے ان سے کہا میں نے تجھ سے پوچھا کہ اس دشمن کے تابعدار بڑھ رہے ہیں یا گھٹ رہے ہیں؟ تو نے کہا بڑھ رہے ہیں اور ایمان کا بھی حال ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ پورا ہو جائے۔ اور میں نے تجھ سے سوال کیا کہ کیا کوئی شخص اس کو دین میں داخل ہونے کے بعد اس کو برا سمجھتے ہوئے مرتد ہو گیا ہے؟ تو نے کہا نہیں اور ایمان کا بھی حال ہے جب اس کی خوشی دل میں سما جاتی ہے تو پھر کوئی اس کو برا نہیں سمجھتا۔

رہط: حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے نزدیک اس باب کا مقصد ہے مومن کو ہر وقت ضبط اعمال کا خوف رہنا چاہیے، اس باب میں تسلی ہے کہ بشارتِ ایمانی کے حصول کے بعد ضبط اعمال نہیں ہوتا کیونکہ ضبط ارتداد سے ہوتا ہے جو بشارت کے بعد محال ہے لیکن صراحۃً ظہار نہیں فرمایا لہذا یحکم الناس۔ (درس شمارنی 193)

باب ”بلا ترجمہ“ کی وجوہ

(۱) تفحید اذہان کیلئے ترجمہ چھوڑ دیا۔ تاکہ نیا عنوان قائم کیا جاسکے اور عنوان بھی لازم نہ آئے۔

(۲) یہ باب بھی سابقہ باب کے لئے بمنزلہ فصل کے ہے۔ اور اس کے تعلقات میں سے ہے۔

(۳) باب سابق میں ایمان و اسلام میں تراویق ثابت کیا تھا۔ اسی طرح اس باب میں قول ہرقل: ہل یزید احد من خطۃ لدینہ۔ اور آگے اس نے کہا تو کذلک الایمان۔ اس سے دین و ایمان کا اتحاد و تراویق ثابت ہو گیا۔

(۴) ابواب سابقہ میں زیادۃ و نقصان کا اثبات تھا۔ اسی طرح اس باب میں حین یتخالط بشاشۃ القلوب سے اسی کا ثبوت ملتا ہے؛ کیونکہ کسی کی بشارت کم ہوتی ہے کسی کی زیادہ۔

باب ترجمہ حضرتؓ نے اس لئے نہیں رکھا کہ ہرقل کی مراد گھٹنا بڑھنا تھی اسلئے استدلال کمزور تھا صرف باب کہہ دیا۔ (نصف 294/1)

فائدہ ملت بڑھ جائے تو ارتداد کا لفظ نکالا قلعہ پیش آئے ہیں۔ یہ دین کی نہیں ہوتی بلکہ تربیت کی کی ہوتی ہے۔ (نصف 294/1)

سوال: ہر قل کے قول سے استدلال بالخصوص ایمان و دین کے بارے میں کیسے صحیح ثابت ہوا۔ جبکہ وہ کافر تھا۔؟
جواب ۱: یہ جواب کتب سابقہ سے دیا گیا ہے۔ ہر قل محض اس کا ناقل ہے۔

جواب ۲: جب حضرت ابوسفیانؓ نے اس قصہ کو حضور ﷺ کے سامنے پیش کیا۔ اور اس پر آپ ﷺ نے انکار نہیں فرمایا۔ یہ تقریر نبوی ہوگی۔ اور یہ حجت ہے نیز حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت ابوسفیانؓ سے راوی ہیں تو مراسل صحابہ میں جو حجت ہے۔

38 باب فَضْلِ مَنْ اسْتَبْرَأَ الدِّينَ

اس شخص کی فضیلت کے بیان میں جو اپنے دین کو بچائے

حَدَّثَنَا أَبُو نَعِيمٍ حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا عَنْ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ الثَّغْمَانِيَّ بْنَ بَشِيرٍ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْحَلَالُ بَيْنَ وَالْحَرَامِ بَيْنَ وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ فَمَنْ اتَّقَى الْمُشْتَبِهَاتِ اسْتَبْرَأَ الدِّينَ وَعِزُّهُ وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ كَرَّاعٌ يُزْعَى حَوْلَ الْحِمَى يُوشِكُ أَنْ يُوَاقِعَهُ أَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى أَلَا إِنَّ حِمِّيَّ اللَّهِ فِي أَرْضِهِ مَحَارِمُهُ أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ.

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیرؓ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے حلال واضح ہے اور حرام واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان تشابہات ہیں جن کو بہت سارے لوگ نہیں جانتے۔ پھر جو شخص شبہ کی چیزوں سے بچے گا اس نے اپنے دین اور عزت کو بچا لیا۔ اور جو کوئی ان شبہ کی چیزوں میں پڑ گیا اس کی مثال اس چرواہے کی ہے جو شاہی چراگاہ کے قریب اپنے جانوروں کو چرائے وہ قریب ہے چراگاہ میں گھس جائے۔ خبردار ہر بادشاہ کی ایک چراگاہ ہوتی ہے۔ خبردار اللہ کی چراگاہ اس زمین میں حرام چیزیں ہیں۔ خبردار بدن میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جب وہ درست ہوگا تو سارا بدن درست ہوگا اور جب وہ بگڑ گیا تو سارا بدن بگڑ گیا اس کو وہ ٹکڑا دل ہے۔

رہط ۱: حدیث جبریل میں پیچھے ایمان، اسلام، احسان کے سوالات تھے حدیث الباب میں حصول احسان کا طریقہ ہے کہ مشتبہات سے اجتناب کرے۔ (درس شامی ۱۹۳)

نیز احسان میں ترقی حسب درجات استبراء ہوگی نیز اجتناب مشتبہات سے ضبط اعمال نہ ہوگا۔

رہط ۲: اس سے پہلے امام بخاریؒ نے ایک باب باب خوف المؤمن کے عنوان سے قائم کیا تھا۔ اور مؤمن کو ضبط اعمال سے ڈرایا تھا۔ اس باب میں ضبط اعمال سے محفوظ ہونیکا راستہ بتلا رہے ہیں۔ کہ شبہات سے بچیں۔ ضبط اعمال و کفر سے تحفظ ہوگا۔ اس لئے کہ جو مشتبہات سے بچے گا وہ حرام اور کفر سے بچ جاتا ہے۔

رہط ۳: تفاوت ایمان کو تفاوت استبراء سے بیان فرما رہے ہیں۔ کیونکہ وہ مختلف ہوتا ہے۔ تو ورع و تقویٰ کے درجات کی

طرح ایمان کے درجات ثابت ہو گئے۔ متکلمین کے نزدیک نفس ایمان کے نہیں کمال ایمان کے درجات ہوتے ہیں۔
 ربط ۲: حدیث جبریل میں احسان کا بیان تھا۔ باب ہذا میں طریق احسان کی تعلیم ہے۔ جو شبہات سے اجتناب میں
 ہے۔ (کشف 667/2)

تعارف و ادواء

سید حدیث میں چوتھے راوی حضرت نعمان بن بشیرؓ ہیں۔ ہجرت کے بعد انصار میں سب سے پہلے مولود ہیں۔ اکثر
 حضرات فرماتے ہیں حضرت نعمان بن بشیرؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ ہجرت کے دوسرے سال پیدا ہوئے۔ یہ مہاجرین
 میں ”اول مولود فی الاسلام“ ہیں حضرت ابن زبیرؓ فرماتے ہیں: یہ مجھ سے عمر میں بڑے ہیں۔ ایک موجودہ (۱۱۳)
 احادیث ان سے مروی ہیں۔ سفار صحابہؓ میں ان کا شمار ہے وصال نبی ﷺ کے وقت آٹھ برس عمر تھی۔
 ۶۵ھ میں دمشق و حمص کے درمیان شہید کیا گیا۔ حضرت نعمان بن بشیرؓ نام کے ایک صحابی ہیں۔

غرض ترجمہ

اس کا مقصد مرجعہ کی تردید ہے اپنے آپ کو شبہ مصیبت سے بچانا چاہئے۔ چہ جائیکہ حقیقی مصیبت سے اور اس پر مستزاد یہ
 کہ یہ بھی کہا جائے کہ مصیبت سے نقصان ایمان بھی نہیں ہوتا۔ گویا ایمان کیلئے یہ سلی پہلو ہے جیسے ایمان کیلئے نیکی کرنا ایجابی
 پہلو ضروری ہے۔ اسی طرح برائی سے بچنا یعنی سلی پہلو بھی ضروری ہے۔

تشریح حدیث

وبینہما مشتبہات: مشتبہات ہو یا مشتبہات لفظ ہو۔ دونوں کی ایک ہی مراد ہے۔
 حمی: حمی اس مخصوص چراگاہ کو کہا جاتا ہے جو زمانہ جاہلیت میں کوئی سردار اپنے لئے جگہ مخصوص کر لیتا تھا کہ میرے
 جانور یہاں چریں گے اور اس کا طریق کاریہ ہوتا تھا کہ سردار کسی بلند ٹیلے پر کھڑا ہوتا تھا اور ایک کتا اس کے ساتھ ہوتا تھا پھر
 اسی کتے کو بھونکنے پر مجبور کیا جاتا تھا تک آواز جاتی وہ اس کی حمی ہو جاتی۔

آپ ﷺ نے اس رسم جاہلیت کو ختم فرماتے ہوئے اعلان فرمایا: لا حمی الا للہ و لہ رسولہ۔
 لا یعلمہا کبیر من الناس۔ خطابیؒ فرماتے ہیں مشتبہات میں ذاتی ہمیں اضافی ہوتا ہے اس لئے بعض کہتے ہیں (متحدہ ۱۹۵)
 جیسے جاہلیت کے دور میں بادشاہ یا قبائل کی مقرر کردہ حمی میں حاملہ الناس کو جانور چرانے سے منع کر دیا جاتا تھا۔ اسی
 تناظر میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الاوان لكل ملک حمی۔ الا ان حمی اللہ محارمہ۔

یعنی اللہ کی حمی اس کی زمین میں اس کے محرمات ہیں۔ حضرات مؤمنین کو اس میں داخل ہونے سے منع فرما دیا گیا۔

ای طرح پھر محرمات کے ارد گرد مشتبہات ہیں۔ ان میں داخل ہونے سے منع فرمایا گیا۔ کیونکہ ان سے اجتناب نہ کیا گیا تو کسی بھی وقت حرام صریح کا ارتکاب ہو سکتا ہے۔

تخصیص حمی: چراہ گاہ کو عند الاحناف بوقت ضرورت مختص کرنا جائز ہے۔ (درس شامی 196)

فائدہ: تین احادیث کے بارے میں فرمایا گیا وہ محیط دین ہیں۔

(۱) حدیث الباب (۲) النما الاعمال بالنیات

(۳) من حسن اسلام المرء ترک ما لا یعنیہ۔ عند البعض لایو من احد کم حتی یحب لایخیه ما یحب لنفسہ۔

بہر حال حدیث الباب کو سب حضرات نے ثلاث دین کہا ہے۔ اور اس کا ثلاث دین ہونا اس اعتبار سے ہے کہ دین تین

چیزوں کا نام ہے۔ ۱: تقویٰ عن الشرک۔

۲: تقویٰ عن المعصیت۔ ۳: تقویٰ عن الشبہات۔ (نیز مکروہات، اسباب حرام وغفلت سے بھی بچا جائے)

تقویٰ عن الشبہات

اہل علم کیلئے الگ اور عامۃ الناس کیلئے الگ ہوتا ہے۔ اہل علم کیلئے اس طور پر ہے کہ کسی مقام میں حلت و حرمت کے دلائل میں تعارض ہو جائے؛ ایک جانب کو ترجیح ہوگی تو ای پر فتویٰ دیں گے۔ اور ای پر عمل کریں گے۔ لیکن جو مرجوح قول ہے وہ مشتبہ ہے اس سے بچنا اولیٰ ہوگا۔ واجب نہ ہوگا۔ اس کی مثال صُب ہے۔ دونوں قسم کے دلائل ہیں کسی مجتہد نے غور و فکر کے بعد حلت کو ترجیح دی ہے اور حرمت کو مرجوح قرار دیا ہے تو جانب حرمت مشتبہ ہے اس سے بچنا اولیٰ ہوگا۔ اور اگر متعارض دلائل کا جائزہ لینے کے بعد کسی ایک جانب کی ترجیح قائم نہیں ہوتی بلکہ جانین مساوی نظر آتی ہیں کہ ایک جانب حلال اور دوسری جانب حرام کا تقاضا کرتی ہے مگر دلائل میں تساوی ہے۔ تو ایسی صورت میں جو جانب حرمت ہے وہ مشتبہ ہوگی۔ لیکن اس سے بچنا اہل علم و فتویٰ کیلئے واجب ہے۔ اور فتویٰ بھی جانب حرمت کا دیا جائے گا۔ کیونکہ دلائل حلت و حرمت کا تعارض ہو جائے تو جانب حرمت راجح ہوگی۔ اسی لئے حضرات فقہاء فرماتے ہیں اس اصول کی بنیاد یہی حدیث ہے۔ تو یہاں مشتبہات سے اجتناب پر عمل کرتے ہوئے جانب حرمت کو ترجیح دینا واجب ہے۔

اور عامۃ الناس کیلئے مشتبہات سے بچنے کا طریق کاریہ ہے کہ وہ حلت و حرمت کی جانین میں تساوی کی صورت میں علمی محاکمہ نہیں کر سکتے تو جوان کے نزدیک ”اعلم و اتقی“ مفتی ہوا اس کے قول و فتویٰ پر عمل کریں۔ اس میں یہ ملحوظ رہے کہ اس نکتہ کا خیال نہ کرے کہ کون سہولت زیادہ دے رہا ہے۔ یا کس کا قول میری خواہش کے زیادہ قریب ہے۔ چنانچہ ایک آدمی نے اپنے علم کے مطابق ”اتقی و اعلم“ کے قول کو لیا جس سے حلت شیء کا ثبوت ہوتا تھا۔ لیکن اس صورت میں کم درجہ میں جو صاحب علم ہے اس کے قول کے لحاظ سے جانب حرمت اس کیلئے گویا درجہ اشتباہ میں ہے۔ اب اس درجہ اشتباہ کی چیز سے بچنا اس کیلئے اولیٰ ہے۔ واجب نہیں ہے۔

نیز اگر کہیں ایسی صورت پیش آئے کہ حامی آدمی کے سامنے صورت مسئلہ کے لحاظ سے دونوں عالم تقویٰ و علم میں مساوی ہیں تو جس سے وہ عام طور پر اپنے مسائل و معاملات میں رجوع کرتا ہے تو اسی عالم کے قول کو ترجیح دیں گے۔ یہاں یہ نہ دیکھے کہ مجھے سہولت مل رہی ہے یا نہیں۔ مثلاً کسی خفی نے طلاق ثلاثہ کے بعد غیر مقلد سے رجوع کر کے اہلیہ کو حلال جانا تو یہ خاصۃً خواہش پرستی ہے۔ نہ کہ دین و تقویٰ اس کیلئے جانبِ حرمت واضح ہے مشتبہ بھی نہیں ہے۔

تمبا کو کھلانے کا ہو یا حقہ کا ہو۔ سگریٹ، بیڑی زردہ اس کے متعلق بعض علماء کا قول ہے کہ مطلقاً حرام ہے جیسے علماء افریقہ و مراکش و علماء حضر موت اور بعض علماء ہند، و بحر العلوم اور دوسرے علماء جیسے عبد الغنی نابلسی اس کو حلال کہتے ہیں حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی اس کو مکروہ تحریمی قرار دیتے ہیں اور ہمارے اکابر اس کو مکروہ تنزیہی قرار دیتے ہیں۔ بہر حال یہ مشتبہ چیز ہے اس لئے اس کا چھوڑنا اولیٰ ہے۔ مشتبہات پر عمل کرنے سے معاصی کی جرأت پیدا ہوتی ہے۔ (درر بخاری 311)

پھر بالترتیب آگے بڑھنے کا خدشہ ہوتا ہے۔

فائدہ: بعض اوقات مشتبہات سے بچنا واجب ہو جاتا ہے اور بعض دفعہ مستحب ہوتا ہے۔ کما مر

ذوقِ تقہیم

اب رہی یہ بات کہ مشتبہ کو کس حد تک چھوڑے اور اس کی کیا حدود ہیں؟ کیونکہ ایک طرف حدیث میں تقویٰ عن الشبہات کا حکم ہے اور دوسری طرف ابنِ ہشاد الدین کے پیش نظر ظوفی الدین بھی منع ہے۔ اب اس بارے میں حکم یہ ہے کہ مشتبہات سے بچو۔ دوسرے اور وہم یعنی وہ شبہ جو ناشی من غیر دلیل ہے اس سے بچو۔ چنانچہ اس کو حضرات فقہاء کرام یوں بیان فرماتے ہیں کہ شبہ کا اعتبار ہے لیکن شبہ الشبہ کا کوئی اعتبار نہیں۔

یہ ”ملکہ“ کہ کس کو شبہ اور کس کو شبہ اشبہ قرار دیں۔ یہ کوئی ریاضی یا عقلی قانون نہیں ہے کہ اس کی تقہیم کی جاسکے اور دود چار کی طرح انطباق کر سکیں۔ یہ قلی ذوق کی بات ہے اور کسی کامل فقیہ اور عارف باللہ کی دیرینہ محبت کے نتیجے میں حاصل ہو سکتا ہے۔

مراد اشتباہ اور اس کا سبب

اشتباہ کیا مراد ہے؟

(۱) عند خطابی شریعت میں اوامر کا بیان ہے۔ اگر جلی ہے تو ہر آدمی کی فہم اس تک رسائی رکھتی ہے اگر حق ہے تو صرف اہل اجتہاد و اصول جان سکتے ہیں کما روی ”لا یعرفہا کثیر من الناس“ گویا اشتباہ اضافی شیء ہے نہ کہ فی نفسہ۔ لہذا اشتباہ کے دور ہونے تک توقف کرے۔ حصول بصیرت کے بعد عملی اقدام کرے۔

(۲) حلت و حرمت کے متعارض دلائل کی وجہ سے کسی جانب کی ترجیح کے باوجود اسے زیر عمل نہ لائے۔ کیونکہ اجتہاد میں امکانِ خطا موجود ہے۔ ورع کا تقاضا بھی ہے ورنہ از روئے فتویٰ جانبِ ترجیح پر عمل کر سکتا ہے۔ نیز مکروہات پر عمل کرنے سے

گریز کرے تاکہ ارتکابِ حرام نہ ہو جائے۔ یعنی طبعی کثرتِ دل قائم رہے۔ اور مباحات سے بھی کنارہ کش رہے بالخصوص ماحول میں اگر مقتدی بھی ہو۔ (شف 683/2) حاصل یہ کہ

۱... اشتباہ کا سبب کبھی تعارضِ ادلہ ہوتا ہے

۲... کبھی تحقیقِ مناط میں اختلاف ہوتا ہے

۳... کبھی شریعت کی نظر میں ایک چیز من وجہِ حلال اور من وجہِ حرام ہوتی ہے۔

۴... حلال چیزوں میں حرمت کا قرینہ یا حجت ناقصہ موجود ہو تو فعل پر ترک کو ترجیح ہوگی۔

۵... مواقعِ تہمت میں دوسرے کو مغالطہ سے تحفظ کیلئے احتیاط برتی جائے۔ پہلی چار کا تعلق اپنے دین و عرض

کے تحفظ کے لئے ہے جبکہ پانچویں میں دوسرے کو دین و عرض کا بھی تحفظ ہے۔ (ملخصا شف 684/2)

ومن وقع فی الشبهات کرا عیرو عی۔ (۱) اگر ”من“ کو شرطیہ مانیں تو اس کی جزاء محذوف ہوگی۔ یعنی من وقع فی

الشبهات کرا عیرو عی حول الحمی وقع فی الحرام۔ (۲) اگر موصولہ ہے تو محذوف کی ضرورت نہیں۔ مطلب ہوگا: الذی

وقع فی الشبهات مثل را عیرو عی۔ (درس شامی 196)

فائدہ: حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں ترجمہ میں صرف لدینہ اور حدیث میں تعرضہ بھی ہے۔ کیونکہ استبراط لدینہ ہے مستلزم

ہے استبراط تعرضہ کو۔ استبراط دین کا مطلب نقص سے بچانا اور استبراط عرض طعن و تشنیع سے بچانا۔ (درس شامی 197)

تختِ قلب پر ایمان کا بادشاہ

الاولان فی الجسد لمضغۃ الخ

اذا صلحت۔۔۔ اس کی صورت یہ ہے دل میں یہ چیزیں پیدا ہو جائیں:-

۱: محبتِ خداوندی۔ ۲: رضا بر قضا۔ ۳: توکل علی اللہ۔ ۴: صبر۔ ۵: شکر۔

۶: امید۔ ۷: خوف۔ ۸: فکرِ آخرت۔ ۹: قناعت۔ ۱۰: تواضع۔ تلک عشرة کاملہ

یہ چیزیں اصلاحِ قلب کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتیں۔

واذا فسدت: اس کی صورت یہ ہے دل میں درج ذیل رذائل میں سے کوئی بھی موجود ہو:-

۱: تکبر۔ ۲: عجب۔ ۳: حسد۔ ۴: بغض۔ ۵: حب مال۔ ۶: حب جاہ۔ ۷: حرص۔ ۸: بخل۔ ۹: طولِ اہل۔ ۱۰: حب دنیا

الاولیٰ القلب:

سوال: ”ہی“ مبتدا ہے اور القلب خبر ہے۔ تو تذکیر و تانیث کے اعتبار سے مبتدا و خبر میں مطابقت نہیں ہے۔

جواب: جب ضمیر مبتدا میں رہی ہو اس کے مرجع اور خبر میں تذکیر و تانیث کا اختلاف ہو تو مرجع کی رعایت کرنا زیادہ بہتر

ہوتا ہے۔ مفسدہ سر جمع ہے جو منٹ ہے اس لئے ہی ضمیر تانیث لائے۔ ورنہ خبر کا تقاضا ہوا قلب ہے، کہ مبتدا مذکر ہے۔ اصلاح قلب کی قرآنی تعبیر سے مفسدہ اور گوشت مراد نہیں ہے۔ بلکہ اس کو تھڑے کے ساتھ اللہ تبارک و تعالیٰ ایک تھکے کی استعداد پیدا فرماتے ہیں۔ جس کو ”لطیفہ قلب“ کہتے ہیں۔ ورنہ گوشت کے تھڑے کو تھکے سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ تو خون کی پمپنگ کا آلہ ہے۔ اور ہر حیوان ذی روح کے ساتھ ہے۔

اسی لطیفہ قلب سے ہی خیر و شر کا داعیہ حق و باطل میں امتیاز کی فکر و سوچ ابھرتی ہے۔ اور قرآن و سنت اسی سے مخاطب ہے۔ چنانچہ جو اس فہم قرآنی کو قبول کرے تو اس کو صاحب قلب قرار دیتا ہے۔ ورنہ اس کے قلب کی نفی کرتا ہے۔ پورے انسان کی اصلاح کا دار و مدار اسی قلب کے لطیفہ پر رکھا گیا ہے۔ مراد حدیث الباب بھی یہی ہے۔

شرع میں قلب ایک لطیفہ خداوندی ہے جس کا مرکز قلب مادی ہے۔ انسان کا پورا جسم ایک ملک، سینہ دار اسطنت، قلب اس کا تخت ہے جس پر ایمان کا بادشاہ بیٹھا ہوا ہے اگر ایمان کا بادشاہ قوی ہوگا تو سارے جوارح کو تابع بنالیا گا نہ ہاتھ بغاوت کر سکے گا نہ آنکھ، نہ کان، نہ زبان۔ اگر ایمان کا بادشاہ کمزور ہے تو ایک ایک عضو باغی ہو سکتا ہے۔ گویا اصل مشین یا انجن قلب ہے اس کو درست کر لو وہ جہدہر جائے گا اعضا اس کے ڈبے میں اس کے ساتھ ادھر ہی جائیں گے۔ (سراج الباری 1/350)

39 باب أَدَاءُ الْخُمْسِ مِنَ الْإِيمَانِ

مال غنیمت میں سے خمس ادا کرنا بھی ایمان میں داخل ہے۔

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي جَمْرَةَ قَالَ كُنْتُ أَقْعُدُ مَعَ ابْنِ عَبَّاسٍ يُجْلِسُنِي عَلَى سُرِيرِهِ فَقَالَ أَقِمْ عِنْدِي حَتَّى أَجْعَلَ لَكَ سَهْمًا مِنْ مَالِي فَأَقِمْتَ مَعَهُ شَهْرًا ثُمَّ قَالَ إِنَّ وَفْدَ عَبْدِ الْقَيْسِ لَمَّا أَتَوْا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ الْقَوْمُ أَوْ مِنَ الْقَوْمِ أَوْ مَنْ الْوَفْدِ قَالُوا أَرْبِيعَةٌ قَالَ مَرْحَبًا بِالْقَوْمِ أَوْ بِالْوَفْدِ خَيْرٌ خَزَائِمًا وَلَا نَدَامَى فَقَالُوا إِنَّا رَسُولُ اللَّهِ إِنَّا لَا نَسْتَطِيعُ أَنْ نَأْتِيَكَ إِلَّا فِي الشَّهْرِ الْحَرَامِ وَبَيْنَنَا وَبَيْنَكَ هَذَا الْحَيُّ مِنْ كُفَّارٍ مَضَرٍّ فَمَزْنَا بِأَمْرِ فَضْلِ نَحْبِزُ بِهِ مَنْ وَرَاءَنَا وَنَدْخُلُ بِهِ الْجَنَّةَ وَنَسْأَلُكَ عَنْ الْأَشْرِيَّةِ فَأَمَرَ هُمْ بِأَرْبَعٍ وَنَهَاهُمْ عَنْ أَرْبَعٍ فَأَمَرَ هُمْ بِالْإِيمَانِ بِاللَّهِ وَخَذَهُ قَالُوا اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَكْبَرُ قَالَ فَهَذَا أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنْ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآيَاءَ الزَّكَاةِ وَصِيَامَ مَضَانَ وَأَنْ تَغُطُّوا مِنَ الْمَغْنَمِ الْخُمْسَ وَنَهَاهُمْ عَنْ أَرْبَعٍ عَنِ الْخَنَمِ وَالدَّبَاءِ وَالتَّقْوِيرِ وَرَبَّمَا قَالَ الْمُقْفِيرُ وَقَالَ اخْضَعُوا لَنَا وَأَخْبِرُوا بَيْنَ مَنْ وَرَاءَكُمْ.

ترجمہ: حضرت ابو جمرہؓ کہتے ہیں میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ساتھ بیٹھا کرتا تھا وہ مجھ کو اپنے تخت پر بٹھاتے تھے) ایک بار کہنے لگے تو میرے پاس رہ جائیں اپنے مال میں تیرا حصہ کمال تو میں دو مہینے تک ان کے پاس رہا پھر کہنے لگے عبداللہؓ کے

بھیجے ہوئے لوگ جب آپ ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ کون لوگ ہیں یا کن کے بھیجے ہوئے ہیں؟ انہوں نے کہا ربیعہ کے لوگ ہیں آپ ﷺ نے فرمایا مرحبا ان لوگوں کو یا فرمایا ان بھیجے ہوؤں کو نہ ذلیل ہوئے نہ شرمندہ۔ وہ کہنے لگے یا رسول اللہ! ہم آپ کے پاس نہیں آسکتے مگر حرمت ولے مہینے میں کیونکہ ہمارے اور آپ کے درمیان یہ مضر کے کافروں کا قبیلہ ہے۔ تو ہم کو ایک ایسی بات بتا دیجئے جس کی خبر ہم ان لوگوں کو دیں جو ہمارے پیچھے ہیں اور اس پر عمل کر کے ہم جنت میں داخل ہو جائیں۔ اور انہوں نے آپ سے پینے کی چیزوں کے بارے میں پوچھا پس آپ ﷺ نے ان کو چار چیزوں کا حکم دیا اور چار چیزوں سے روکا۔

آپ نے ان کو حکم دیا کیلئے اللہ پر ایمان لانے کا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کیلئے اللہ پر ایمان کا کیا مطلب ہے؟ انہوں نے کہا اللہ اور اس کا رسول خوب جانتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا: اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد ﷺ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا اور رمضان کے روزے رکھنا اور غنیمت کے مال سے پانچواں حصہ دینا اور چار برتنوں سے ان کو منع کیا سبز مرتبان اور کدو کے برتن اور لکڑی کے کریدے ہوئے برتن اور روغنی برتن سے اور فرمایا ان باتوں کو یاد رکھو اور جو لوگ تمہارے پیچھے ہیں ان کو بھی ان باتوں کی خبر دو۔

تعارف حضرت ابو جمرہؓ:

یہ تابعی ہیں۔ ان کا نام نصر بن عمران ہے۔ جو قبیلہ ضبعیہ سے ہیں۔ یہ عبد القیس کی ایک شاخ ہے۔ اسی وجہ سے غالباً حضرت ابن عباسؓ نے ان کی قوم کے متعلق حدیث سنائی۔

ربط

(۱) ماقبل میں حلال بین اور حرام بین کا ذکر تھا اس باب میں گویا اس کی مثال دی گئی ہے۔ اجازت ہو تو حلال بین ہے ممانعت ہو تو حرام بین ہے۔ نیز ماقبل میں مشتبہات سے بچنے کی تاکید تھی حدیث میں مخصوص برتنوں کی ممانعت احتیاط ہی کی وجہ سے ہے۔ (نصر الباری 353/1)

(۲) باب سابق میں دین کو شبہات سے صاف رکھنے کی فضیلت و عظمت تھی۔ باب ہذا میں وفد عبد القیس نے آپ ﷺ سے صاف ٹھہری ہوئی باتیں معلوم کیں۔ (فضل الباری 555/1)

(۳) شعب ایمان میں یہ آخری باب ہے۔ تقسیم غنیمت حرب کے بعد ہے اس میں خمس نکالا جاتا ہے اس لئے آخر میں یہ باب ترتیب کے اعتبار سے بہت مناسب ہے۔ (ذیل القاری 287)

فائدہ: حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ شعب ایمان میں یہ سب سے آخر میں باب ہے۔ کیونکہ مالی غنیمت کی تقسیم اختتام حرب کے بعد ہوتی ہے اسی میں سے پھر خمس نکالا جاتا ہے۔ اس لئے کتاب الایمان کے آخر میں یہ باب ترتیب کے لحاظ سے مناسب ہے۔ غرض بخاری: ایمان کو ذواجز اثبات کرنا ہے۔ من تبعنی یہ ہے۔ اداۓ خمس بھی ایمان میں سے ہے۔

جلوس علی السریر کی وجوہ

فیجلس علی سریرہ: سریر پر اپنے ساتھ بٹھانے کی دو وجہ بتلائی جاتی ہیں۔

(۱) حضرت ابن عباسؓ حضرت علیؓ کی طرف سے بصرہ کے امیر تھے۔ تو ان کے پاس عجمی (ایرانی) سائل آتے تھے۔ تو حضرت ابو حمزہؓ فارسی دانی کی وجہ سے بحیثیت ترجمان حضرت ابن عباسؓ کے ساتھ بیٹھتے تھے۔ جبکہ حافظ ابن حجرؒ تحقیق کے مطابق ہجوم کے وقت معین الصوت تھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی آواز پست تھی یا یہ کہ بیان عالمانہ ہوتا تو یہ آسان فہم کرتے۔ (درس شامی ۱۹۹)

(۲) اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ حج تمتع کرنا چاہیے یا نہیں۔ بعض صحابہ کرامؓ جن میں حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت امیر معاویہؓ وغیرہ ہیں۔ مصلحت حج تمتع و قرآن سے منع کرتے تھے تا کہ اشہر حج کے علاوہ لوگ عمرہ کرنے کیلئے آئیں، حرم آباد ہے اور اس کی عظمت قائم رہے۔ لیکن چونکہ حضرات صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ کے ساتھ قرآن جمع کئے ہیں۔ اور قرآن کریم میں بالتصریح ذکر ہے اس لئے حضرت ابن عباسؓ و حضرت علیؓ کا موقف یہ تھا کہ قرآن جمع سے منع نہ کیا جائے۔ جب حضرت ابو حمزہؓ نے جمع کا احرام باندھا تو کچھ حضرات نے انہیں روکا۔ انہوں نے حضرت ابن عباسؓ سے مسئلہ پوچھا: انہوں نے جواز کا ارشاد فرمایا۔ انہوں نے اس پر عمل کر لیا۔

دوران حج مکہ میں انہوں نے خواب دیکھا کہ آپ ﷺ پھر یف لائے۔ اور مجھے ارشاد فرمایا: حج مبرور و عمرہ مقبولہ۔ تو واپس آ کر انہوں نے حضرت ابن عباسؓ کو خبر دی جس سے ان کو بہت زیادہ مسرت حاصل ہوئی۔ کہ میرا فتویٰ اور موقف صحیح ہے۔ جس کو گویا تائید نبوی ﷺ حاصل ہے۔ اس موقع پر سیدنا ابن عباسؓ نے فرمایا: ابو حمزہ میرے پاس کچھ وقت کیلئے ٹھہر جاؤ۔ گورنمنٹ کی طرف سے جو بی میرا وظیفہ آتا ہے تو میں تمہیں کچھ دوں گا۔ تو میں دو ماہ ان کے پاس ٹھہر رہا۔ اس لئے اعزاز ان کو سریر پر بٹھایا جاتا تھا۔ نیز یہ فرمانا: میرے ساتھ کھانے میں شریک ہوا کرو۔ (معلوم ہوا کہ صالحین کی خدمت کرنی چاہئے۔ اور ترجمان کی ڈیوٹی کی وجہ سے وظیفہ مقرر کرنا بھی صحیح ہے۔) پھر اسی دوران ان کو حضرت ابن عباسؓ نے وفد عبد القیس کی آمد کا قصہ سنایا۔ جو حدیث الباب میں ہے۔

بارگاہ نبوت میں وفد عبد القیس کی حاضری

ثم قال ان وفد عبد القیس الخ

یہ عبد القیس کا قبیلہ بحرین میں آباد تھا۔ ان کے اسلام لانے کا پس منظر یہ ہے کہ اس قبیلہ کے ایک صاحب منہج بن حیان مدینہ منورہ آیا کرتے تھے (کشف الباری میں علامہ کرماتی، امام نوویؒ، علامہ حینیؒ اور علامہ قسطلانیؒ کے حوالہ سے منہج بن حیان

ہے۔ انعام الباری نیز نصر الباری میں مسند بن حیان ہے)۔ نیز یہ بھی اختلاف ہے کہ تحقیق احوال کے سلسلہ میں بحرین سے آنے والے کون تھے۔ عند بعض شیخ نے اپنے بھانجے اور داماد عمرو بن عبد القیس کو نقیش احوال کے لئے تجارتِ ثوب کو بہانہ بنا کر مکہ مکرمہ بھیجا۔ کیونکہ شیخ کی دوستی ایک راہب سے تھی۔ اس نے بتایا تھا مکہ مکرمہ میں نبی کا ظہور ہوگا۔ صدقہ نہیں کھائے گا، ہدیہ قبول کرے گا اور خاتم بھی ہوگی۔ چنانچہ یہ علامات دیکھ کر مسلمان ہو گئے۔ ازاں بعد مسند بن حیان سے ملاقات مدینہ طیبہ میں بعد از ہجرت ہے۔ وہ وہاں مسلمان ہو گئے۔ عمرو بن عبد قیس اور مسند بن حیان دونوں شیخ کے داماد اور بھانجے معلوم ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم بغرض تجارتِ ثوب مدینہ طیبہ آیا کرتے تھے۔ اسی دوران آپ ﷺ سے ان کی ملاقات ہو گئی۔ تو آپ ﷺ نے ان سے دیگر سرداروں کے نام لیکر پوچھا وہ کیسے ہیں؟ وہ کیسے ہیں؟ تو ان کو بہت تعجب ہوا۔ کہ آپ ﷺ کو کیسے جانتے ہیں۔ اس سے ان کو یقین ہو گیا کہ آپ ﷺ کے سچے پیغمبر ہیں۔ تو دولتِ ایمان ان کو حاصل ہو گئی۔ جب مسند وطن واپس لوٹنے لگے تو آپ ﷺ نے سردارانِ بحرین کے نام خطوط لکھوا کر دیئے۔

جب وطن واپس لوٹے تو اپنے اسلام کا کسی سے ذکر نہیں کیا۔ خفیہ طور پر گھر میں ہی نماز ادا کرتے تھے۔ اور اپنی اہلیہ سے بھی اس راز کو نہ کھولا۔ بہر حال ایک روز ان کی اہلیہ کی نظر پڑ گئی تو نماز کی حرکات و سکنات دیکھ کر بہت متعجب ہوئی۔ اس نے اپنے والد منذر بن حانہ جن کا لقب شیخ عبد القیس تھا اور اس قبیلہ کے بڑے سردار تھے۔ ان سے ذکر کیا کہ جب سے یہ مدینہ طیبہ سے آئے ہیں۔ ان میں عجیب تبدیلی ہے۔ منہ ہاتھ دھو تے ہیں اور اٹھنا بیٹھنا، مٹی پر پیشانی رکھنا وغیرہ کرتے ہیں۔ پھر منذر نے مسند بن حیان سے پوچھا تو ان کو سارا قصہ بیان کیا تو اس پر منذر بھی مسلمان ہو گئے۔ پھر ان دونوں حضرات کے ذریعہ اس قبیلہ کے بے شمار افراد اسلام میں داخل ہو گئے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: تم بھی بیعت ہو جاؤ اور اپنی قوم کی طرف سے بیعت کرو تو سب لوگوں نے کہا ٹھیک ہے مگر منذر بن حانہ نے کہا: یا رسول اللہ! آدمی کا اپنے آباء و اجداد کے دین کو چھوڑ کر دوسرے دین کو اختیار کرنا بڑا دشوار کام ہے اس لئے ہم خود آپ کے ہاتھ پر بیعت ہوتے ہیں۔ اور ان لوگوں کو ہم دعوت دیں گے۔ ان میں جو ہماری اتباع کرے گا ہم میں اس کا شمار ہوگا اور جو کوئی انکار کرے گا ہم اس سے قتال و جہاد کریں گے آپ ﷺ نے فرمایا: تم ٹھیک کہتے ہو۔

اسی موقع پر آپ ﷺ نے منذر بن حانہ اللہ شیخ کو فرمایا تمہارے اندر دو خصلتیں بہت اچھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں ایک حلم اور دوسرے اناۃ۔ جلدی نہ کرنا انجام پر نظر رکھنا۔ حلم سمجھ بوجھ کو کہتے ہیں۔

منذر بن حانہ کا لقب اللہ شیخ نبی کریم ﷺ نے ان کے چہرے میں نشان کی وجہ سے دیا۔ (دررہ بخاری 317)

پھر یہ حضرات مدینہ طیبہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

تحقیق کی رائے یہ ہے کہ وفد عبد القیس کی آمد دومرتبہ ہے۔ ۶ھ میں یہ وفد بارہ افراد پر مشتمل تھا۔ اور ۸ھ میں چالیس افراد تھے۔ ان کے سردار کا نام منذر جس کا لقب شیخ تھا۔ جب مدینہ طیبہ پہنچے تو قافلہ کے دیگر لوگ جلدی سے والہانہ انداز میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ لیکن حضرت منذر نے تمام ساز و سامان سنبھالا۔ سوار یوں کو باندھا۔ غسل

کیا۔ کپڑے تبدیل کئے۔ اطمینان کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے۔ جس پر آپ ﷺ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا: آپ میں دو محصلتیں بڑی عمدہ ہیں۔ ۱: الحلم ۲: والائتاف۔ بروباری و انائی۔ یہ واقعہ کس موقع کی آمد کا ہے؟ زیادہ تر حمان اس طرف ہے کہ یہ واقعہ ۶ھ کا ہے۔

تشریح حدیث

قال: مَنْ الْقَوْمِ أَوْ مِنَ الْوَفْدِ:

اُو جہاں تک لیک کے ہو وہاں ”قال“ محذوف ہوتا ہے۔ اس لئے اُو قال من الوفد پڑھا جائیگا۔ یہ فلسفہ ادبی ہے۔
قالو نز بیعة:

یہ ربیعہ خبر ہے اس کا ابتدا ہی محذوف ہے۔ اور یہ قال کا مقولہ ہے۔ جو حملہ ہوتا ہے۔
ابتداءً عرب کے دو بڑے قبائل ہیں۔ ۱: ربیعہ۔ ۲: مضر۔ یہ دونوں خزائن عدنان کے بیٹے تھے۔ اس کے دو بیٹوں سے قبیلے چلے۔ ایک ربیعہ اور دوسرے مضر؛ یہ دونوں بنی نزار کی بڑی شاخیں ہیں۔ آپ ﷺ کا تعلق قبیلہ مضر سے تھا۔ یہ آنے والے وفد کے حضرات کا تعلق ربیعہ سے تھا۔
مرحبا: یہ فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے۔ نُو خب مرحباً۔
غیر خزیایا۔ یہ خزیان کی جمع ہے جس کا معنی ”ذلیل کئے ہوئے“ ہے۔ کیونکہ یہ لوگ خوشی سے مسلمان ہوئے تھے۔
اس لئے ”غیر خزیایا“ فرمایا گیا۔

ندامی: ندامی! یہ ندمان کی جمع ہے بمعنی شراب نوشی کا ساتھی۔ لیکن یہاں یہ معنی صحیح نہیں بنتا۔ اگر اس کو ”نادم“ بمعنی پشیمان ہونا کی جمع مانیں تو پھر معنی تو صحیح ہوگا۔ لیکن اس کی جمع حسب قاعدہ ”ندای“ نہیں آتی۔ لیکن خزیایا کے ساتھ ”مشاکلہ“ ندای کے وزن پر لے آئے۔ اس کو جمع ازدواجی کہتے ہیں۔ جیسے لا ملجأ ولا منجأ من اللہ الخ یہ منجی! یعنی جگہ نجات ہے لیکن ان خاتم پڑھتے ہیں مشاکلہ کیونکہ ہمزہ ازدواجی ہے۔ رسوائی اس وجہ سے نہیں کہ قید کر کے لانے کی بجائے آپ خود آگئے اور ندامت اس وجہ سے نہیں کہ باہمی لڑائی نہیں ہوئی جس میں تمہارے، ہمارے آدمی قتل ہوئے ہوں جو شرمندگی کا باعث ہو۔

هذا الحي:

مراد قاف مضر کا قبیلہ ہے۔ شہر حرم: ذو القعدة مزی الحجہ حرم اور جب ہے۔ اور شہر حرج شول: ذو القعدة مادی الحجہ کے کس ایام ہیں۔
وانا لانا نستطيع ان ناتيک:

عرب کا مشرقی کنارہ خلیج فارس ہے۔ مغربی جانب بحر احمر ہے۔ درمیان میں جو خشکی کا علاقہ ہے وہی ”عرب“ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

عرب کے تین حصے ہیں۔ ایک نشیبی حصہ جو بحر قلزم کے کنارے پر واقع ہے۔ اس کو تہامہ کہتے ہیں۔ اونچی نیچی زمین جو درمیان میں واقع ہے اس کو نجد کہتے ہیں۔ نجد اور تہامہ کے درمیان ایک پہاڑی علاقہ ہے اس کا نام ”حجاز“ ہے یہ بحرین سے تعلق رکھتے تھے تو کفارِ مضر کا قبیلہ ان کے درمیان مائل تھا۔ اس لئے یہ حضرات صرف اشہر حرام میں مدینہ طیبہ آسکتے تھے۔ تو ان کا کہنا تھا کہ ہم بار بار آپ ﷺ کے پاس نہیں آسکتے تھے۔ اس لئے ہمیں کچھ اصولی باتیں بتلا دیجئے۔

سوال: وفدِ عبدالقیس نے عرض کیا ہم صرف اشہر حرام میں ہی آسکتے ہیں۔ حالانکہ فتح مکہ (۸ھ) کے بعد آئے۔ جب کہ اسلام غالب ہو چکا تھا۔ اب کون روک سکتا تھا تو انالا نستطيع کیسے کہا؟

جواب: انالا نستطيع کا واقعہ ۶ھ کا ہے۔ اس وقت غلبہ اسلام نہیں ہوا تھا۔ ۸ھ میں دوسری مرتبہ آئے۔ ان حضرات نے دو سوال کئے۔ ایک امرِ فصل کا اور دوسرا شریعہ کے بارے میں۔

فصل ہمارا فصل: فصل بمعنی مفصول یا مفصل۔ حضرت شاہ صاحبؒ سے ترجمہ منقول ہے۔ نمٹی ہوئی بات۔ اور عند البعض ”گھری ہوئی بات“۔ (درس شمارنی 200)

فامرہم پاربع

سوال: اجمال و تفصیل میں اس طرح مطابقت نہیں ہے کہ اجمال میں چار چیزیں ہیں اور تفصیل میں بتلائی پانچ ہیں۔
جواب ۱: علامہ بیضاویؒ فرماتے ہیں: تفصیل میں صرف ایک ہی چیز بیان کی ہے۔ ایمان اور اس کی تفصیل۔ باقی تین کھراوی نے سوہو یا اختصار اُحذف کر دیا۔ یا اجمالاً ایک ہی چیز ہے تفصیلاً چار چیزیں ہیں۔ خمس ضرورت کے تحت ہے۔ دو امانہ ہیں۔ قاضی بیضاویؒ کی توجیہ پر اشکال ہے کہ بہت ہی بُعد اور تعجب خیز بات ہے کہ نسیان و اختصار کا ثبوت کلی ہو کوئی راوی بھی امور مذکورہ کے علاوہ دیگر تین امور روایت نہیں کرتے۔ (کشف 2 ص 723)

جواب ۲: شہادتین کا ذکر بطور تکرار و تمہید کے ہے۔ ازاں بعد چار چیزیں بیان کی ہیں۔

جواب ۳: نماز اور زکوٰۃ کو شدۃً اتصال کی وجہ سے ایک ہی شمار کیا۔

جواب ۴: وان تعطوا من المغنم خمساً یعنی چار کا اور خمس کا حکم دیتا ہوں۔ اس کا عطف اربع پر ہے۔ یہ اربع کے تحت داخل نہیں۔ یہ اس عطف کی وجہ سے ان سے الگ ہے۔ تفصیل میں اشیاء اربع کا بیان ہوا۔ پشیء زائد ہے۔ آپ ﷺ نے خبر ما حالات کے تقاضے کے تحت اس کا بیان فرمایا۔ کیونکہ راستے میں کافر پڑتے تھے، اگر ان سے لڑائی ہو جائے سال غنیمت آجائے تو اس میں سے خمس بیت المال کو دیدیں۔ سارا کھانا صحیح نہیں ہے۔

جواب ۵: ایک جواب یہ ہے کہ ادائے خمس زکوٰۃ کے ساتھ ملحق ہے اور اسی کا ایک شعبہ ہے یہ بھی حقوق مالی میں سے ہے۔ نیز اگر خمس امر زائد و حرج بھی کیا ہے۔ چار روپے کا وعدہ کرنے پر پانچ دیدیں تو زیادہ فضل و کرم کا اظہار ہے۔ (فضل الباری 1/554)

سوال: اس میں حج کا ذکر نہیں۔

ج: چونکہ یہ قصہ ۶ھ کا ہے اس میں فرضیت حج ابھی نہیں ہوئی تھی تو ذکر کیسے ہوتا؟ لیکن اگر ۸ھ والی

روایت کو لیں پھر اشکال ہے کدج کی فرضیت ہے اور اس کا ذکر نہیں
جواب: چونکہ شہر حرم کے علاوہ نہیں آسکتے تھے۔ دور رہتے تھے تو ان پر حج فرض نہیں تھا۔ (یوجہ احصار فرضیت حج نہیں تھی)
جواب ۲: اختصار راوی ہے۔ بعض روایات میں حج کا ذکر بھی ہے۔ ۳: جمع افعال و ترک کا استقصاء نہیں فرمایا
حسب حال ممکنہ افعال و ترک کا ذکر فرمایا۔ جو دخول جنت کا باعث ہیں۔

فنهاهم عن اربع

وفد نے الا مشربہ کے متعلق سوال کیا۔ آپ ﷺ نے جواب میں برتن کے احکام ارشاد فرمائے۔
ج ۱: مخاطب سائل کے منشاء کو خوب سمجھتا ہے۔ ان کا سوال برتنوں ہی سے متعلق تھا۔ اس لئے جواب سن کر وہ مطمئن بھی
ہو گئے۔ اور سوال تبدیل نہ کیا۔
جواب ۲: مبالغہ فی الہمی ہے۔ جب برتن ہی رکھنا جائز نہیں تو ان میں ڈالا جانے والا مشروب بھی منع ہوگا۔ فی ذاتہ برتن
میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ (واضح رہے برتن کے استعمال کی ممانعت ابتداء اسلام میں تھی۔ بعد میں یہ ممانعت منسوخ ہو گئی۔)

تشریح الفاظ

الحنتم: جس کو اردو و فارسی میں ”سبو“ کہتے ہیں۔ شراب کا یہ ملکا سبز رنگ کا ہوتا تھا۔ اس لئے اس کی تفسیر الجرة
الحضراء ہے۔

والدباء: کدو کے اندر سے گودا نکال کر اس میں شراب سازی کرتے تھے۔ اس میں جلد شراب تیار ہو جاتی تھی۔
النقیور: اس کے اصل معنی ٹھونک لگانا اور کھودنا ہے۔ کھجور کی جزو کو کھود کر اس سے پیالہ بناتے تھے۔ اس میں نبیذ ڈال
کر شراب تیار کرتے تھے۔

المزفت: وہ ملکا جس کے اوپر زفت ملا گیا ہو۔ اور زفت کی تشریح عند بعض یہ ہے کہ یہ خاص درخت کی رال ہے۔ جب یہ
رال مکے کے اوپر مل دی جاتی تھی اس کے مسام بند ہو جانے کی وجہ سے خارجی اثر کے موقوف ہونے کی بنا پر شراب جلد تیار ہو جاتی تھی۔
_____ عند بعض زفت سے مراد تار کول ہے۔ جوٹی کے تیل وغیرہ سے نیچے تلچھٹ ہوتی ہے۔ یہی وہ تار کول مراد ہے۔ اس
کا اثر بھی مندرجہ بالا ہوتا ہے اور شراب جلد تیار ہو جاتی ہے۔

بعض راویان نے المزفت کی بجائے ورمہ قال المقیور۔ یہ قیور سے مشتق ہے اور قیور کے معنی بھی تار کول کے ہیں تو
معنی و مقاصد دونوں حسب سابق مشترک ہیں۔

مندرجہ بالا برتنوں میں نبیذ بنانے کی ممانعت مقصود تھی کیونکہ ان برتنوں میں سکر جلد آتا تھا۔ پھر قبیلہ عبد القیس نے عبید
کے عدم استعمال سے پیٹ کی خرابی کی شکایت کی تو ان کے استعمال کی اجازت دیدی گئی۔ (کشف 2/729)

40 باب مَا جَاءَ إِنْ الْأَعْمَالِ بِالنِّيَّةِ وَالْحَسْبَةِ

وَلِكُلِّ امْرِي مَا تَوَى فَدَخَلَ فِيهِ الْإِيمَانُ وَالْوُضُوءُ وَالصَّلَاةُ وَالزَّكَاةُ وَالْحَجُّ وَالصَّوْمُ وَالْأَخْكَامُ
وَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى {قُلْ كُلُّ يَعْمَلْ عَلَى شَاكِلِهِ} عَلَى نِيَّتِهِ نَفَقَةُ الرَّجُلِ عَلَى أَهْلِهِ يَحْتَسِبُهَا صَدَقَةً وَقَالَ
وَلَكِنْ جِهًا وَنِيَّةً.

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ قَالَ أَخْبَرَ نَافِلَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُلْقَمَةَ بْنِ
وَقَاصٍ عَنْ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ وَلِكُلِّ امْرِي مَا تَوَى فَمَنْ كَانَتْ
هَجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ فَهَجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَنْ كَانَتْ هَجْرَتُهُ لِلدُّنْيَا يَصِيبُهَا أَوْ امْرَأَةً يَتَزَوَّجُهَا
فَهَجْرَتُهُ إِلَى مَا هَا جَرَ إِلَيْهِ.

حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ أَخْبَرَ نِيَّ عَدِيَّ بْنُ ثَابِتٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ يَزِيدَ عَنْ أَبِي
مَسْعُودٍ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا نَفَقَ الرَّجُلُ عَلَى أَهْلِهِ يَحْتَسِبُهَا فَهُوَ لَهُ صَدَقَةٌ.

حَدَّثَنَا الْحَكَمُ بْنُ نَافِعٍ قَالَ أَخْبَرَ نَافِلَةُ عَنْ شُعَيْبٍ عَنْ الزُّهْرِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي عَامِرُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي
وَقَاصٍ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّكَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً تَبْتَغِي بِهَا وَجْهَ اللَّهِ إِلَّا أَجَزْتَ
عَلَيْهَا حَتَّى مَا تَجْعَلَ فِي فِي امْرَأَتِكَ.

ترجمہ: اس بات کا بیان کہ عمل نیت اور خلوص کے ساتھ صحیح ہوتا ہے۔

ہر آدمی کو وہی ملے گا جو نیت کرے تو عمل میں ایمان، وضوء، نماز، زکوٰۃ، حج، روزہ اور سارے معاملات (جیسے بیع، شراء، نکاح، طلاق وغیرہ سب) آگئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے (سورۃ بنی اسرائیل میں) فرمایا: اے پیغمبر کہہ دے ہر کوئی اپنی طریق یعنی نیت پر عمل کرتا ہے اور (اسی وجہ سے) آدمی کو ثواب ملتا ہے اور (جب مکہ فتح ہو گیا) تو حضور ﷺ نے فرمایا: اب ہجرت نہیں رہی لیکن جہاد اور نیت باقی ہے۔

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا عمل نیت ہی سے صحیح ہوتے ہیں اور ہر آدمی کو وہی ملے گا جو نیت کرے پس جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرے تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہوگی اور جو شخص دنیا کمانے یا عورت سے نکاح کرنے کے لئے ہجرت کرے تو اس کی ہجرت ان ہی کاموں کی طرف ہوگی۔

حضرت ابو مسعودؓ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب کوئی شخص اپنے گھر والوں پر ثواب کی نیت سے خرچ کرے تو صدقہ کا ثواب ملے گا۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تو جو کچھ خرچ کرے اور اس سے تیری نیت اللہ کی رضامندی کی ہو تو تجھ کو اس کا بھی ثواب ملے گا حتیٰ کہ اس پر بھی جو تو اپنی زوجہ کے منہ میں لقمہ ڈالے۔

رَبَط

ماقبل میں مذکورہ تمام اعمال خیر جن میں ایمان بھی داخل ہے ان کی مقبولیت و اعتداد بھی وہی مطلوب ہے جس کا مقصد ارتقاء و جہ اللہ ہو۔ ورنہ مقابل شمار اور نفع بھی نہیں۔ اسی لئے صحیح نیت اور احتساب سب سے اہم ہے۔ (فضل الباری 556/1)

غرض ترجمہ

اس باب سے مقصود کرامیہ کا رد ہے کہ صرف ذہانی اقرار اور ایمان کافی نہیں۔ جبکہ ذل میں تصدیق نہ ہو۔ نیت اچھی کر لو گے تو جو کچھ بھی کرو گے اس میں صدقہ کا ثواب ہے۔ حتیٰ کہ اہلیہ کے منہ لقمہ ڈالنے تک، جبکہ وہ مجبور نہیں اور قائمہ خاوند کو ہے۔ اہلیہ جائز محل شہوت ہے نیت کی وجہ سے یہ بھی صدقہ بننے اور محل ثواب ہونے میں رکاوٹ نہیں۔ (کشف 753/2)

امام بخاریؒ نے صرف قول کو ایمان قرار نہیں دیا اس کے ساتھ عقیدہ قلب ضروری ہے معلوم ہوا اصل تصدیق ہے اگر تصدیق بھی ایمان نہیں تو اس کے لئے باب قائم کرنا چاہیے تھا حالانکہ ایسا کوئی باب قائم نہیں کیا۔ (حفہ 302/1)

درجات ایمان

حضرات محققین فرماتے ہیں درجات ایمان تین ہیں۔

- (۱) وجود قلبی: یہ ایک محسوس چیز ہے۔ کہ قلب میں نور پیدا ہوتا ہے۔ یہ ”یزدید و ینقص“ ہے۔ جب اس کا وجود ہوتا ہے تو سب سے پہلے شرک اور ازاں بعد دیگر کبائر سے بچتا ہے۔ اہل مکافہ کو اس کا احساس ہوتا ہے۔
- (۲) وجود ذہنی: کہ ذہن میں تصدیق و تسلیم کرے۔
- (۳) وجود لفظی: کہ صرف شہادتین کا تلفظ کرے۔ اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس سے صرف لوگوں کو دھوکہ دے سکتا ہے۔
- (۴) ماقبل میں مذکورہ اعمال دخول جنت کا سبب ہیں مگر وہ مشروط بالاخلاص ہیں ورنہ عمل ہی کہلانے کے مستحق نہیں۔
- (۵) حضرت امام بخاریؒ نے نیت کی تعریف ”حسۃ“ سے کی ہے اور حسہ و احتساب طلب ثواب کو کہتے ہیں۔ معلوم ہوا عند البخاری انما الاعمال بالنیات کا مطلب انما ثواب الاعمال بالنیات ہے۔ یہی حنفیہ کہتے ہیں۔ نیز فرق باطلہ کی تردید میں نیت اظہار حق کی تھی۔ (کشف 730/2)

امام بخاریؒ فرما رہے ہیں: الاعمال بالنیۃ اور سابق میں یہ فرما چکے ہیں الایمان هو العمل۔ لہذا نتیجہ یہ ہے کہ الایمان بالنیۃ ہی بالتصدیق القلبی۔ تو کرامیہ پر رد ہو گیا۔



نیت وحسبہ میں فرق:

بعض کے نزدیک مترادف ہیں۔ یعنی ثواب کے حصول کی نیت کرنا۔ جبکہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں حسبہ نیت سے اونچے درجہ کی چیز ہے۔ ایک تو محض نیت کرنا ہے اور ایک ہے عند العمل مکمل احتضار نیت۔ خلاصہ یہ کہ حسبہ و نیت میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے۔ جہاں حسبہ ہوگا وہاں نیت کا پایا جانا ضروری ہے لہذا بالعکس۔

والوضوء: یہاں سے امام بخاریؒ حضرات احناف کا رد فرمانا چاہتے ہیں۔ باقی تو تمام افعال میں نیت کو ضروری قرار دیتے ہیں مگر وضو میں نہیں۔

جواب ۱: حنفیہ وسائل اور مقاصد میں فرق کرتے ہیں۔ وسائل کیلئے نیت ضروری نہیں۔ مقاصد کیلئے نیت ضروری ہے۔ کپڑا، بدن وغیرہ بغیر نیت پاک ہو جاتے ہیں۔ مقاصد میں چونکہ ثواب بھی مقصود ہوتا ہے تو وہ بلا نیت مل ہی نہیں سکتا۔ وضو وسائل کے قبیل سے ہے۔

جواب ۲: وضو میں دو چیزیں ہیں۔ ۱: تطہیر بدن یعنی آگے صلوٰۃ۔ ۲: ثواب۔ ثواب کیلئے نیت ضروری ہے۔ امام بخاریؒ وضو کا ذکر فرما کر رد علی الحنفیہ نہیں فرما رہے بلکہ تائید حنفیہ کر رہے ہیں۔ کیونکہ حضرت امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب میں فرمایا: الحسبۃ ای طلب ثواب۔ تو طلب ثواب کیلئے نیت ضروری ہے۔ نہ کہ تطہیر کیلئے۔

قل کل يعمل علی شاکلہ

شاکلہ کی تفسیر:

(۱) شاکلہ اگرچہ اصلاً طبیعت کو کہتے ہیں۔ مگر یہاں بمعنی نیت ہے۔ اسی طور پر حضرت امام بخاریؒ نے یہاں ذکر فرمایا ہے۔
(۲) شاکلہ کی دوسری تفسیر بواطن سے کی جاتی ہے۔ یعنی جو عامل کے اندر ہوگا۔ اسی کے مطابق عمل کرے گا۔ نیک جذبات ہیں تو نیکی؛ برے جذبات ہیں تو برائی کرے گا۔

(۳) علی دینہ۔ (۴) علی ناحیہ یہ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے۔ (درس شمارنی 206)

فہم امر ائیک۔ یہ فی امر ائیک بھی منقول ہے لیکن یہی اصح ہے کیونکہ اضافت کے وقت ”م“ گر جاتا ہے۔ (درس شمارنی 206)

یحتسبہا صدقۃ فہی لہ صدقۃ:

ثواب کی نیت کرے گا تو ثواب ملے گا۔ ورنہ بلا نیت حقوق ادا ہو جائیں گے۔ یہ بھی حنفیہ کی تائید ہوگی کہ نفس عمل تو درست ہے ورنہ ادا ہوگی حقوق ہی نہ ہو۔

لکن جہاد و نیۃ:

اس کا حاصل یہ ہے جس وقت جو عمل ہو رہا ہے مثلاً جہاد ہو رہا ہے، ہجرت ہو رہی ہے، یا فعل یہ اعمال کرے اور نیت ثواب کرے۔ اگر یہ اعمال موقوف ہو جائیں تو نیت رکھے جب ان اعمال کا وقت آئے تو ضرور کروں گا۔

41 باب قول النبی ﷺ للدين النصيحة

باب قول النبی ﷺ للدين النصيحة ولزموه ولائمة المسلمين وعاديتهم
وقولہ تعالیٰ { اِذَا نَصَحُوا لِقَوْلِ سُلُوكِهِ }

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ إِسْمَاعِيلَ قَالَ حَدَّثَنِي قَنَسُ بْنُ أَبِي حَارِثٍ عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ
قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَلَى إِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ وَالتَّضَحُّجِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ.
حَدَّثَنَا أَبُو الثَّغَمَانِ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَّانَةَ عَنْ زِيَادِ بْنِ عِلَاقَةَ قَالَ سَمِعْتُ جَرِيرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ يَقُولُ يَقُولُ يَوْمَ
مَاتَ الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ قَامَ فَحَمَدَ اللَّهُ وَأَتَى عَلَيْهِ وَقَالَ عَلَيْكُمْ بِإِقْبَاءِ اللَّهِ وَخُدْهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَالْوَقَارِ
وَالشَّكِينَةَ حَتَّى يَأْتِيَكُمْ أَمِيرٌ فَإِنَّمَا يَأْتِيكُمْ الْآنَ قَالُوا اسْتَغْفِرُوا الْأَمِيرَ كُنْمْ فَإِنَّهُ كَانَ يَحِبُّ الْعَفْوَ قَالُوا أَنَا
بَعْدُ فَإِنِّي أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ قُلْتُ أَبَا بَكْرٍ عَلَى الْإِسْلَامِ فَشَرَّطَ عَلَيَّ وَالتَّضَحُّجِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ
فَبَايَعْتُهُ عَلَى هَذَا وَرَبِّ هَذَا الْمَسْجِدِ إِنِّي لَنَاصِحٌ لَكُمْ قَالُوا اسْتَغْفِرُوا وَتَوَلَّى.

ترجمہ: آپ ﷺ فرماں کہ دین سچے دل سے اللہ کی فرمانبرداری

اور اس کے پیغمبر اور مسلمان حاکموں کی اور حرام مسلمانوں کی خیر خواہی کا نام ہے اور اللہ تعالیٰ نے (سورۃ توبہ
میں) فرمایا جب وہ اللہ اور اس کے رسول کی خیر خواہی میں رہیں۔
حضرت جریر بن عبد اللہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: میں نے حضور ﷺ سے بیعت کی حماز کے قائم کرنے، زکوٰۃ
کے ادا کرنے اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنے پر۔

حضرت ابو عوانہ نے زیاد بن حلاقہ سے کہا: میں نے جریر بن عبد اللہ سے سنا جس دن مغیرہ بن شعبہ (حاکم کوفہ) نے
وقات پائی تو وہ خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے اور اللہ کی تعریف کی اور خوبی بیان کی اور کہا کہ تم کو ایک اللہ جس کا کوئی شریک نہیں
ہے سے ڈرنا چاہئے اور عمل و اطمینان سے رہنا چاہئے حتیٰ کہ دوسرا امیر تم پر آجائے وہ اب آتا ہے۔ پھر یہ کہا کہ حاکم کے لئے
مغفرت کی دوا مانگو کیونکہ وہ بھی (مغیرہ) معافی کو پسند کرتے تھے۔ پھر کہا اس کے بعد تم کو معلوم ہو میں حضور ﷺ کے پاس آیا
اور میں نے عرض کیا: میں آپ سے اسلام پر بیعت کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اور ہر مسلمان کی خیر خواہی پر تو میں نے اس شرط پر
آپ سے بیعت کر لی۔ اس مسجد کے مالک کی قسم میں تمہارا خیر خواہ ہوں پھر استغفار کیا اور (منبر سے) اتر گئے۔

اس حدیث کو تعلیق آلائے۔ اس لئے کہ مدار حدیث سہیل بن ابی صالح ہیں وہ شرط بخاری کے مطابق نہیں۔ مگر فی

الجملة قابل استدلال ہے۔ (نکذ 2/758)

غرض ترجمہ

اس باب سے امام بخاریؒ یہ ثابت فرمانا چاہتے ہیں اجزائے دین میں نصیحت بھی ہے۔ بلکہ نصیحت اتنا اہم جز ہے اگر یہ بھی کہا جائے کہ دین نصیحت ہی کا نام ہے تو یہ بھی مناسب ہے۔ درجات نصیحت کی طرح درجات دین و ایمان ثابت ہوئے تو ترکیب ایمان بھی ثابت ہوئی۔

نیز یہ بھی اشارہ ہے جو کچھ بھی میں نے ماسبق میں بیان کیا ہے تو اس کے اندر بھی جذبہ خیر خواہی و نصیحت ہے۔ مختلف فرقوں کے مذاہب کے حوالہ سے اگر رد کیا گیا ہے تو اس میں نفسانی جذبہ شامل نہیں۔ بلکہ دینی خیر خواہی پیش نظر ہے۔

حدیث الباب سے دو طور پر درجات ایمانیہ یعنی یزید و بنقص کا ثبوت ہے (۱) نصیحت سب سے اعلیٰ درجہ اور لو سولہ کا دوسرا درجہ نیز ائمہ و عوام کا درجہ اور بھی کم۔ تو تفاوت نصیحت ثابت ہوا تو دین کا بھی تفاوت ہوا کیونکہ عند البخاری دین و ایمان متحد ہیں تو ایمان یزید و بنقص ہوا۔ (۲) یہی تفاوت ایمان بایں طور پر بھی ثابت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نصیحت سب سے اعلیٰ پھر صحابہ کرامؓ کا پھر عام لوگوں کا درجہ ہے۔ تو اس تفاوت فی النصیحت کی وجہ سے تفاوت ایمان ثابت ہوا۔ (درس شامی 207)

تشریح حدیث

حدیث الباب میں الدین النصیحة، مبتدا اور خبر ہیں۔ نیز دونوں ہی معرفہ ہیں۔ اور دونوں کی تعریف سے فائدہ حصر ہے۔ پھر حصر کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) مبتدا کا حصر خبر پر ہو۔ اس صورت میں معنی ہوگا کہ دین نصیحت ہی ہے۔ اس صورت میں یہ حصر مبالغہ کیلئے ہوگا۔ ورنہ اور بھی بہت سی چیزیں دین ہیں۔ (۲) دوسری صورت یہ ہے خبر کا حصر مبتدا پر ہو۔ اس صورت میں معنی ہوگا کہ نصیحت تو دین ہی ہے۔ منصوص لہ کیلئے تمام حظوظ خیر کو جمع کر دینا نصیحت ہے جو دین کیلئے قوت و ثبات کا باعث ہے۔
النصيحة: یہ فعلیہ کے وزن پر ہے۔ لغت عرب میں اس کے دو معنی ہیں۔

۱: نصحت العسل: میں نے شہد کصاف کیا۔ ۲: نصحت الثوب: میں نے کپڑے کو سیا اور جوڑا۔
لفظ نصیحت دین و دنوں سے لیا گیا ہے۔ نصیحت کا مطلب یہ ہوا ہر وہ عمل جو خلوص اور جھڑپ پیدا کرے۔ اور اگر کوئی ایسا عمل جھوڑ پیدا کرے مگر بلا غلاص ہو تو وہ اچھی نصیحت ہے۔ اسی طرح اگر ایک بابت جھڑپ پیدا کرتی ہے مگر بلا غلاص نہیں تو وہ بھی اچھی نصیحت ہے۔
الدین پر النصیحة کا حمل ہے اور نصیحت عمل ہے معلوم ہوا عمل دین و ایمان میں داخل ہے۔ (کشف 755/2)

النصيحة لله

یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور اس کی عظمت کا قائل ہونا۔ بایں طور جو اللہ تعالیٰ کی عظمت کے خلاف بولے یا شرک کرے تو اس کی تردید کرے۔ نیز ابن حجرؒ نے اہل کیا ہے حضرت عیسیٰؑ نے دورانِ تقریر یہی لفظ النصیحة لله کے ارشاد

فرمائے۔۔۔ تو ایک حواری نے یہ پوچھا اس کا مطلب کیا ہے۔ اس پر ارشاد فرمایا: الذی یقدم حقوق اللہ علی حقوق العباد۔
پھر شارحین نے یہاں النصیحة لکتاب اللہ کا بھی ذکر کیا ہے۔

والنصیحة لرسوله:

یعنی آپ ﷺ کے حقوق کا خیال کرے۔ طاعت، عظمت، محبت کرے، اور جمیع ماجاء بہ النبی ﷺ کی تصدیق کرے۔
آپ کے حق کو تمام مخلوقات پر مقدم کرے۔

النصیحة لائمة المسلمين:

ائمة کا مصداق دو ہیں۔ ۱: حکام وقت، مطلب یہ ہوگا امورِ جواز میں ان کی اطاعت کرے۔ خروج و بغاوت نہ کرے۔ لوگوں کو بھی ان کی طرف راغب کرے۔ ۲: اگر ائمہ مجتہدین مراد ہوں تو پھر مطلب یہ ہے ان پر اعتماد کرے۔ ان کے ارشادات پر عمل کرے۔ خود بھی عزت کرے اور دوسروں کو بھی اسی کی تلقین کرے۔

وعاقبتهم:

عامة الناس میں اختلاف و شقاق نہ ڈالے۔ دینی و دنیوی دونوں طرح سے ان کی خدمت کرے، مخدوم نہ بنے۔
ع طریقہ: بجز خدمت خلق نیست۔

اصل طریقہ یہی ہے۔۔۔

عند الزہری حافظؒ اور عینیؒ یہ ہے کہ یہ حدیث جامع ہے۔ نصیحة اللہ سے احکام قرآنی و لرسولہ سے علوم سنت و لائمة سے امور معاشرتی و قضایا اور عاتہم میں تعلقات عام آگئے۔ (درس شامی 208)
حد ثنامسدد: لطیفہ سند: اس سند میں مسدد اور تکی کے علاوہ تمام رواۃ سبجلی ہیں۔
۲: سب داوی کوئی ہیں۔ ۳: سب کی کنیت ابو عبد اللہ ہے۔ حتیٰ کہ امام بخاریؒ کی کنیت بھی ابو عبد اللہ ہے۔

تعارف یوسف ہذا الامة

جریو بن عبد اللہ ﷺ:

آنحضرت ﷺ وفات سے چھ ماہ قبل شرفِ ایمان سے نوازے گئے۔ انہیں چادر عطا فرمائی نیز ارشاد فرمایا اذ جاءکم کریم قوم فاکرموہ۔ مدینہ منورہ حاضری سے پہلے لباس تبدیل کر کے حاضر دربار ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سید خلی علیکم من هذا الفج من خیر ذی یمن الا وان علی وجہ مسحة ملک۔ (کشف 764/2) بہت حسین و جمیل تھے۔
آپ ﷺ نے انہی کے بارے میں فرمایا: یوسف ہذا الامة۔

اسلام سے قبل ہزاروں آدم کا جوڑا پہنتے تھے۔ بعد از اسلام مونا کپڑا اور بن کی جگہ کاٹا لگاتے تھے۔
ذوالخلصہ کابت توڑنے کیلئے آپ ﷺ نے انہیں یمن بھیجا تھا جسے کعبہ یمانیہ کہا جاتا ہے۔ اور ان کی درخواست پر آپ ﷺ نے ثبات علی الفرس کی دعا فرمائی۔ چنانچہ پھر کبھی نہ کرے۔ (اللهم تبعوا جعله اديا مهديا)
 قبیلہ جس کے لئے پانچ مرتبہ دعا فرمائی ڈیڑھ سو افراد تھے۔

علی اقامۃ الصلوٰۃ: (دوسرے طریق میں شہادتین کا بھی ذکر ہے۔) والنصح لكل مسلم
 اس سے معلوم ہوا عمومی بیعت کے ساتھ خصوصی فعل پر بھی بیعت لی جاسکتی ہے۔
 حدثنا ابو النعمان سمعت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ:

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ طاعون کی وجہ سے ۵۰ھ کوفہ میں فوت ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں بصرہ کے والی تھے۔ بصرہ میں سب سے پہلے انہوں نے انصاف و انتظام فرمایا۔
 پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں ولی کوفہ تھے۔ بہت نرم تھے۔ لوگوں کو جرائم میں معافی دینے کو ترجیح دیتے تھے۔ یہ ان کی خصوصی صفت تھی۔ انہوں نے قبل از وفات حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو وصیت فرمائی جب تک حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے باضابطہ امیر نہ آئے۔ اس وقت تک آپ نائب بن کر نمازیں بھی پڑھائیں اور امور مملکت بھی چلائیں۔ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو وصال کا حکم ہوا، انہوں نے بصرہ میں زیادہ لکھا تم امیر کوفہ ہو۔ وقال البعض: انہوں نے وصیت نہ کی تھی۔ تاہم حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے از خود نظم و نسق سنبھالا اور نئے امیر کی آمد تک ان معاملات کو سنبھال لے رکھا۔ لوگوں کو وقار و سکون کی تلقین فرمائی۔
 حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے سوا حدیث مروی ہیں آٹھ متفق علیہ ایک میں امام بخاری اور چھ میں امام مسلم متفق ہیں۔ (ایضاً 766)

استغفرو الامیر کم:۔

جیسے وہ لوگوں کے ساتھ عفو کا معاملہ کرتے تھے اللہ تعالیٰ بھی ان کے ساتھ عفو کا معاملہ فرمائے۔ لوگو! ان کے لئے دعا کرو۔

ورب هذا المسجد:

خطبہ مسجد کوفہ میں دیا۔۔۔ وی مراد ہوگی۔۔۔ مگر طبرانی میں ”رب الکعبۃ“ کے الفاظ ہیں، ہو سکتا ہے ہذا المسجد سے مراد مسجد حرام معہود فی الذہن ہو۔

انی لناصح لکم:

اس جملہ کا حاصل یہ ہے امیر کے وصال کے بعد میرا از خود امیر بننے کا ارادہ نہیں۔ کوفہ چونکہ سیاسی شورشوں کا گڑھ تھا۔ تو اپنی حیثیت اور عزائم واضح کردئے۔ مرکز کی طرف سے نئے امیر کی آمد تک وقار و اطمینان کے ساتھ رہو۔ کسی احتجاج و تحریک کی ضرورت نہیں۔ اس کے پس منظر میں ایک مشہور مقولہ ہے الکوفی لایوفی: اس لئے یہ اظہار کر دیا۔

استغفر ونزل

امام بخاریؒ کی عادت مبارکہ یہ ہے باب کے آخر میں تو اُٹھ کر استغفار فرماتے ہیں۔ نیز ایسا لفظ لاتے ہیں جس سے ختم و اختتام کی طرف اشارہ ہو۔ یہاں بھی آخر میں نزل ای ختم کا لفظ لائے۔ جیسے حدیث ہر قل کے آخر میں لائے تھے: کان آخر شان ہر قل۔ علاوہ ان کے یوم مات مغیرہ بن شعبہ۔ اختتام پر صراحۃً دال ہے۔ تو حافظؒ اور حضرت شیخ الحدیثؒ دونوں کا مدعی ثابت ہوا۔ (درس شامی 212)

فائدہ ۱: یہ حدیث ان جوامع الکلم میں سے ہے جن میں سارا دین سمٹ کر آ گیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حق، رسول اللہ ﷺ کا حق نیز اولو الامر کا بھی حق ہے اور عوام کا بھی حق ہے۔ علماء نے لکھا ہے اگر ذخیرۃ احادیث میں یہی ایک حدیث ہوتی تو ہدایت کیلئے کافی تھی۔ (فضل الباری 559/1)

فائدہ ۲: حضرت جریرؒ یمین کے گورنر تھے، اس قدر ناصح تھے کہ بیع میں صاحب السلحہ سے فرماتے: آپ کی بیع ہمیں اپنے پیسوں سے زیادہ پسند ہے از روئے خیر خواہی کہتا ہوں اگر سامان روکنا چاہو تو روک لو۔ (درس شامی 210)

طبرانی کی روایت میں ہے غلام ایک گھوڑا تین سو میں لیکر آیا آپؐ نے فرمایا: ان فرسک خیر من ثلاثہ مانہ۔

نصح لكل مسلم کی وجہ سے آٹھ سو میں خریدا۔ (فضل الباری 560/1)

۳۵/۲/۲۹ھ / یکم جنوری 2014ء

فرق باطلہ کے رد میں حضرت امام بخاریؒ کا طرز عمل

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنے موقف ”ترکیب ایمان“ کو ثابت کرنے کے لئے فقہائے احناف اور متکلمین سے بھرپور اختلاف رائے کا اظہار فرمایا۔ مگر حدود و احترام کو ملحوظ رکھا۔ قال بعض الناس کے حوالہ سے مسائل فقہیہ پر خوب بحث و تمحیص فرمائی۔ مگر شخص کے حوالہ سے اپنی صحیح میں کسی کا نام ذکر نہ فرمایا۔ اسی طرز عمل کو خوارج، معتزلہ، کرامیہ اور مرجئہ کے لئے بھی سامنے رکھا۔ آج بھی یہی طرز مفید و مؤثر ہے۔

معتزلہ عقل کے راستہ سے پہلے اور وحی کو محض قانونی حیثیت دی، آج کے عقلی فتنوں کے سد باب کے لئے کتاب الایمان کا مؤثر طریق پیش نظر رہے۔ خوارج نے غلو فی الدین کا راستہ اختیار کیا۔ اس لئے اسوۂ بخاری کو کھٹا کھاجائے۔ کرامیہ اور مرجئہ نے عملی ذمہ داری سے منہ موڑا۔ تو شعب ایمان من الایمان کے طرز سے اس کی اہمیت بتلائی۔

الغرض عقلی فتنے، غلو فی الدین کے فتنے یا بے عملی و بے عملی کے حوالہ سے آزادی روش کے فتنوں کی تمام راہیں مسدود فرمائیں فتنوں کے کسر چشمہ اودہا نہ بتائے۔ آج بھی حرام تر فتنے انہی راستوں سے ظاہر ہوتے ہیں۔ کچھ کا تعلق خواہش بطن و فرج کے بے قابو ہونے کے بعد عمل خوارج کی آزادی مثبت و منفی روش سے ہے۔ گویا قرأت و تصدیق کے عہد و پیمان کی بالکل بیخ کنی ہے۔

صحیح بخاری کے طرز تدوین میں اس کو ملحوظ رکھنے کی ضرورت ہے۔ نیز آشکارا ہو گیا آج کے جدید دور میں اسوۂ سلف میں ہی رعایت حدود ہے۔

كتاب العلم

کِتَابُ الْعِلْمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بعض نسخوں میں بسم اللہ عنوان سے پہلے ہے اور یہاں بعد میں ہے ایسا کیوں ہے؟
جواب: یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ ناقلین کے ذوق کا اختلاف ہے۔ زیادہ رائج یہ ہے بسم اللہ پہلے ہے۔ ”کتاب العلم“ عنوان بعد میں ہے۔

کتاب الایمان سے ربط:

امام بخاریؒ نے کتاب الایمان کے بعد کتاب العلم کو شروع فرمایا۔ اس لئے کہ ایمان کے بعد انسان احکام کا مکلف ہو جاتا ہے اور تکمیل احکام کیلئے علم کی ضرورت ہے۔ اس لئے اعمال و احکام سے پہلے کتاب العلم لائے۔
سوال: دوسرے اعمال کی طرح ایمان کا مدار بھی ”علم“ پر ہے پھر کتاب العلم کو کتاب الایمان پر بھی مقدم کرنا چاہئے تھا۔
جواب ۱: ایمان مبداء کل خیر علماً و عملاً ہے۔ اس لئے مقدم کیا۔
ج ۲: اعتقاد بھی علم ہی کی ایک قسم ہے۔ جس کو ایمان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چونکہ ایمان ایک امتیازی شان رکھتا ہے اس لئے اس کو علم کے تابع نہیں کیا۔ بلکہ علیحدہ عنوان سے ذکر کیا۔
جواب ۳: امام بخاریؒ نے ترتیب میں لطافت کا خصوصی خیال رکھا۔ کہ ایمان و عمل کا مدار وحی ہے اور علم و عمل کا مدار بھی وحی ہے اس لئے پہلے وحی کا ذکر کر کے گویا علم کا اجمالاً ذکر فرمایا۔ پھر چونکہ مقصود بالذات اور مبداء کل خیر ایمان ہے تو وحی کے بعد ایمان کو ذکر فرمایا پھر کتاب العلم کو تفصیل سے ذکر فرمایا۔ اس کے بعد اعمال کا ذکر فرمایا۔

تعریف علم

علم کا لغوی معنی دانستن، جاننا ہے۔ اصطلاحی معنی کیا ہے؟ اس میں مختلف اقوال ہیں۔
(۱) امام الحرمین اور امام غزالیؒ فرماتے ہیں علم ایسی نظری چیز ہے جس کی تعریف نہیں ہو سکتی۔
(۲) امام فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں علم اجلی بدیہیات میں سے ہے۔ اس کی تعریف کی ضرورت نہیں۔ فرماتے ہیں اگر علم کو بدیہی نہ مانا جائے تو پھر ظاہر ہے کہ نظری ہوگا۔ اور نظری ہونے کیلئے دلیل کی ضرورت ہوگی۔ جبکہ جو دلیل آئے گی وہ خود بھی علم کا حصہ ہوگی تو علم کو اپنی تعریف میں دوسرے علم کی حاجت ہوگی۔ لہذا یاد اور لازم آئے گا یا تسلسل لازم آئے گا۔ اس

لئے امام رازیؒ فرماتے ہیں علم کو نظری ماننے کی بنیادی غلطی ہے۔ اس کی نظری یا فکری تعریف کے پیچھے نہ بیٹیں۔

قال ابن عربی: وهو ابن من ان یبین علم کی تعریف کی حاجت نہیں۔ (امداد 9/5)

(۳) عند المجہور ”علم“ نظری ہے۔ اور اس کی تعریف ہو سکتی ہے۔ اس لئے عند البعض تعریف یہ ہے:

انہ ظاہر لنفسہ و مظهر لغيرہ۔

(۴) اور عند البعض: مابہ الانکشاف یا مابہ الانجلاء ہے۔

(۵) بعض حضرات فرماتے ہیں: علم ایسی صفت ہے جس سے عالم کو ایسی وضاحت حاصل ہو جائے کہ جانب مخالف کا

احتمال نہ رہے۔

(۶) عند البعض یہ تعریف بھی کی گئی ہے:

العلم هو صفة من صفات النفس توجب تمييزاً غیر قابل للنقیض فی الامور المعنویة۔

یعنی ایک ایسی صفت ہے جو کسی نفس کو حاصل ہوتی ہے۔ اور اس صفت کے حصول کے بعد انسان کو ایسی تمیز پیدا ہو جاتی ہے جو اس کی نقیض کو امور معنویہ میں قبول نہیں کرتی۔ تمیز کے معنی یہ ہیں کہ واقعہ نفس الامری۔ کو غیر واقعہ نفس الامری سے ممتاز کرنا۔

غیر قابل للنقیض۔ اس سے ظن و شک سے احتراز ہے۔ اس لئے کہ نقیض کو قبول کرے گا تو وہ ظنی ہو جائے گا۔ علم نہیں رہے گا۔ جبکہ علم تو یقینی ہوتا ہے۔

فی الامور المعنویة:

اس قید سے حواس ظاہرہ سے احتراز ہے۔ کیونکہ حواس ظاہرہ کذریعہ محسوسات کا ادراک ہوتا ہے امور معنویہ کا نہیں ہوتا۔ (۷) علم کی تعریف میں احسن الاقوال میر سید شریفؒ کا ہے کہ: علم ایک ایسی صفت ہے جس سے وہ چیز روشن ہو جاتی ہے جس سے (یعنی عالم) اس کا تعلق ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے یہ امر باطنی ہے خارجی چیز نہیں جس کو باہر سے لایا جائے۔ پھر یہ علم و ادراک کس چیز سے ہوتا ہے؟ یہ مسلم ہے کہ حواس ظاہری، امر باطنی کے مدد رک نہیں ہو سکتے۔ تو یہ علم عقل کی صفت یا اس کا فعل ہے اس لیے عقل کو جو مدار علم ہے سمجھا جائے تاکہ علم کی حقیقت سہولت واضح ہو سکے۔

محققین میں تعبیری اختلاف کے باوجود حضرت العلام عثمانیؒ نے اس کو اختیار فرمایا۔ العقل هو غریزہ یتھیباً بھا لقبول العلوم النظریة۔ عقل انسان کے اندر ایک مرکز کیفیت ہے جس سے وہ علوم نظریہ کو قبول کرتا ہے۔ یعنی وہ ایک قلبی نور ہے جس سے معلومات منکشف ہوتی ہیں۔

یاد رہے علم کی نسبت عقل کے ساتھ وہی ہے جنسیت رؤیت کی قوت باصرہ کے ساتھ ہے۔ تو عقل باطن میں مثل آنکھ کے ہے جس طرح آنکھ کے فعل کو رؤیت کہا جاتا ہے۔ جو اسی قوت باصرہ میں ہے اور اسی کا فعل ہے۔ اسی طرح عقل کے فعل کو علم کہا جاتا ہے جو عقل کے اندر ہی ہے۔ صفت علم سے یہی مراد ہے۔

عقل و شریعت میں نسبت

عقل کی علوم اہیہ غیبیہ یعنی شریعت کے ساتھ ہی نسبت ہے، جنور شمس کی آنکھ کے ساتھ۔ جس طرح خارجی نور کے بغیر ہزاروں آنکھیں بکا رہیں۔۔۔ اس طرح علوم مذکورہ عقلیہ میں نور شریعت کے بغیر لاکھوں عقول بے معنی ہیں۔ لہذا نور عقل جو قلب میں ہے اس کے ساتھ جب نور خارجی یعنی شریعت مل جائے تو دونوں انوار کے جمع ہونے سے جو علم پیدا ہوتا ہے وہ بھی علم ہے۔ قرآن وحدیث میں بیان کردہ تمام تر فضائل کا مصداق بھی علم ہے کسی دنیوی علم و فن پر اس کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ یاد رہے کہ حواس ظاہری کی طرح عقل و علم کی ترقی بھی بالترتیب ہوتی ہے جیسے چھوٹا بچہ۔۔۔ وہ خود اور اس کے قوائے ظاہری و باطنی۔۔۔ امور شریعت، عقائد، اعمال، معاملات، معاشرت یہ سب امور غیبیہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو کون سے پسند اور کون سے ناپسند ہیں یہ محض نظر و فکر سے معلوم نہیں ہو سکتے جب تک (آفتاب) شریعت خارج میں نہ ہو (فضل الباری ج ۱ ص ۵۶۲، ۵۶۱)

درجات علم

ایک درجہ علم وہ ہے جو عمل پر مقدم ہے جیسے نماز روزہ کے لیے، ان کے احکام، دوسرا درجہ بعد از عمل اس پر مرتب ہوتا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ ان تتقوا اللہ يجعل لکم فرقانا، واتقوا اللہ وعلّمکم اللہ... حصول تقویٰ پر جو ظاہر ہے تعمیل احکام کے بعد ہی ممکن ہے، فرقان و تعلم اس پر مرتب ہے۔

فائدہ: ساری عبادات بمنزلہ ادویہ کے ہیں۔۔۔ معرفت و عرفان معارف و حقائق اور علوم حقہ روح کے لیے مثل اغذیہ ہیں۔۔۔ یہ اس تناظر میں کہا جا رہا ہے کہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ علم چونکہ ذریعہ ہوتا ہے اور عمل مقصود۔۔۔ تو عمل علم سے افضل ہوا، تو اسی شبہ کا ازالہ مقصود ہے کہ سب علوم، عمل کا ذریعہ نہیں بنتے۔۔۔ بلکہ بعض علوم عمل کا ثمرہ بنتے ہیں۔۔۔ چنانچہ آپ ﷺ اکمل العابدین ہونے کے باوجود جو کمال علم کے بعد ہی ممکن ہے یہ حکم ہے بزبدنی علما۔

اس سے مراد وہ علم مطلوب نہیں جو عمل کا موقوف علیہ بنے بلکہ وہ ہے جو عمل کے بعد بطور ثمرہ مرتب ہوتا ہے۔ (فضل الباری ج ۱ ص ۵۶۳)

سوال: امام بخاریؒ نے علم کی تعریف بیان نہیں کی۔ جبکہ حد الشیء و فضل الشیء پر مقدم ہوتی ہے۔

جواب: امام بخاریؒ کے ہاں امام فخر الدین رازیؒ کا مسلک رائج ہے کہ علم اعلیٰ بدیہیات میں سے ہے۔ اس لئے

تعریف نہیں فرمائی۔ میرا حجان بھی یہی ہے کہ علم بدیہی ہے۔

اور بدیہی کو منطقی تعبیرات سے بتلانا بہت مشکل ہوتا ہے اور نہ وہ واضح ہو سکتے ہیں۔ کوئی نہ کوئی نقص ضرور وارد ہوتا رہے

گا۔ اس کی مثال گلاب کی خوشبو کی طرح ہے۔

اس کی ایسی تعریف کرنا جو تنبیہ کی تعریف سے ممتاز ہو جائے۔ دنیا بھر کے حکماء اور دانش ور اکٹھے ہو جائیں اس کی ایسی

تعریف نہیں کر سکتے۔ (قالہ الشیخ محمد تقی العثمانی مدظلہ)

جواب ۲: تعریف الشیء میں حقائق الشیء کا بیان ہوتا ہے اور امام بخاریؒ کا مقصود حقائق کا بیان نہیں بلکہ ان کے متعلق احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا بیان ہے۔

معقولات کے اندر امتیاز پیدا کرنے والی چیز جس سے آدمی یہ فیصلہ کرے کہ یہ حسن ہے یہ قبیح ہے یہ مطلوب ہے یہ غیر مطلوب ہے اس کو علم کہتے ہیں۔ معقولات کے اندر بہت الجھاؤ ہوتا ہے اس کے اندر اس طرح اس کا امتیاز ہو جائے کہ جانب مخالف کا احتمال باقی نہ رہے۔ اگر جانب مخالف کا احتمال باقی ہے تو وہ علم نہیں ہے۔ اگر جانب مخالف کا احتمال باقی ہے مگر دونوں جانب برابر ہیں تو اس کو شک کہتے ہیں۔ اگر ایک جانب راجح اور دوسری جانب مرجوح ہے تو جانب راجح کو ظن اور جانب مرجوح کو وہم کہتے ہیں۔ اگر جانب مخالف کافی الحال احتمال نہیں ہے مگر کسی اعتراض کرنے والے سے اور تفکیک پیدا کرنے کی وجہ سے اس میں جزم باقی نہ رہے اس کو تقلید کہتے ہیں۔ (درر بخاری 328)

قائدہ: علم کے اندر تقيض کا احتمال نہ حال کے اعتبار سے ہوتا ہے نہ مال کے اعتبار سے

اقسام علم

علم کی دو اقسام ہیں۔ علم دین، علم دنیوی۔
علم دنیوی وہ علم ہے جس میں قریب خداوندی کا کوئی دخل نہ ہو۔ علم دین جس کے حصول سے قریب خداوندی ملے۔

علم دنیوی کی اقسام

(۱) جو مفضی الی الکفر والمعصیۃ ہو جیسے علم نجوم اور علم سحر، علم شراب سازی۔ جو مفضی الی الکفر ہو اس کا حصول کفر ہے۔ اور جو مفضی الی المعصیۃ ہو اس کا حصول معصیت ہے۔

(۲) جو مفضی الی الکفر والمعصیۃ ہو اس کا حکم یہ ہے کہ عام طور پر یہ مباح ہے۔ البتہ ان میں بعض علوم ایسے ہیں جو فرض کفایہ ہیں۔ ان کی تحصیل بھی فرض کفایہ ہے۔ جب کہ علم دین کی تحصیل بھی فرض کفایہ ہے۔ اپنی ضرورت کی حد تک علم دین سیکھنا فرض عین ہے۔۔۔ اور اس حد تک کہ دوسرے کیلئے نافع ہو اور مقدار فرض سے زائد فرض کفایہ ہے۔ البتہ دنیوی علوم فرض کفایہ ہیں۔ ان کی مثال کھانا پکانے کا علم، علاج معالجہ سیکھنا وغیرہ۔

و علم ادم الاسماء کلہا میں راجح قول کے مطابق دوسری قسم کا علم دنیوی تھا۔

البتہ یہ فرق ہے علم دین کا سیکھنا جو فرض کفایہ ہے اس سے مراد فرض کفایہ لعیم ہے۔ علم دنیا کا سیکھنا یہ فرض کفایہ لغیرہ ہے۔ اور اصل فضیلت حسن لعیم کی ہوا کرتی ہے۔ حسن لغیرہ کی حیثیت ثانوی ہوا کرتی ہے۔ چونکہ علم دین ہذا حسن بھی ہے اور مقصود بھی ہے اس لئے اس کے فضائل وارد ہوئے ہیں۔

علم و فن میں فرق

علم جس کے ذریعہ حق تعالیٰ شانہ کی مرضیات و نامرضیات میں امتیاز ہو سکے۔ اور اس کا مدار وحی ہو۔ قرآن و حدیث میں اطلاق علم سے یہی مراد ہے۔۔۔ جن علوم کے ذریعہ دنیوی مقاصد کی تکمیل ہوتی ہے مثلاً زراعت یا علاج معالجہ وغیرہ دراصل یہ فنون ہیں۔ اور ان کا مدار انسانی تجربہ ہے۔ اور ہر تجربہ سے مزید بہتری آجاتی ہے۔ یہ دراصل فنون ہیں۔ اگرچہ تو سعا ان پر علوم کا اطلاق کر لیتے ہیں۔

فائدہ ۱: یاد رہے ”علم“ دراصل باری تعالیٰ کی صفت ہے جس سے مقصود انبیاء علیہم السلام کے توسط سے خالق و مخلوق کے تعلق کو بحال رکھنا اور ٹوٹنے کی صورت میں جوڑنا ہے۔ رب زدنی علما کی آیت شریفہ اسی علم الہی اور علم نبوت کی طرف مشعر ہے۔

فائدہ ۲: مندرجہ بالا علم کے مصداق کی روشنی میں یہ کہنا ایک حقیقت و واقعہ ہے کہ فنون کے نتیجہ میں انسان کی طبعی ضروریات پوری ہوتی ہیں جس کے نتیجہ میں ہیٹ پلٹا ہے جس کے بعد اس کا منتہی ”منجاست“ ہے اس لئے فنون کے اشاعتی ادارے اپنے متعارف کیلئے رب زدنی علما کا جملہ استعمال کر کے آیت مبارکہ کے مصداق کے خلاف کرتے ہیں۔۔۔ ورنہ آپ علیہ السلام کو سب سے زیادہ علوم دنیویہ کا حامل ہونا چاہیے۔۔۔ جبکہ آپ علیہ السلام کا فرمان ہے: انعم اعلم بامور دنیا کم۔۔۔ (او کما قال علیہ السلام)

اقسام علم دین

(۱) احکام ظاہرہ کا علم جیسے صلوٰۃ و وضو وغیرہ۔ (۲) احکام باطنہ کا علم۔ قلب کی امراض و کیفیات کا علم۔

ماہرین علوم دینیہ کی اقسام:

(۱) احکام ظاہرہ کے جاننے والے علماء کو فقہاء کہتے ہیں۔

(۲) احکام باطنہ کے جاننے والے علماء کو صوفیاء کہتے ہیں۔

(۳) دونوں علوم کو جاننے والے کو جامع کہتے ہیں۔

فائدہ: جامعیت کے باوجود بعض حضرات پر کسی خاص علم کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ تو عام طور پر لوگ ان کو اسی حوالہ سے جانتے پہچانتے ہیں۔۔۔ مگر اس کے باوجود ان کو دیگر علوم میں بھی کامل دسترس حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے ان کو حقیقی معنی میں جامع ہی سمجھنا چاہیے۔ جیسے ائمہ اربعہ کرام اگرچہ دنیا ان کو فقہ کے حوالہ سے جانتی ہے مگر یہ حضرات علوم باطنی کے بھی اساطین امت ہیں۔۔۔ ہمارے برصغیر میں حضرت شاہ ولی اللہ کا خاندان بھی جامع ہے۔ پھر ان کے بعد حضرات اکابر علماء دیوبند اور الحمد للہ آج کے دور میں بھی ان کے خلفاء شانی جامعیت رکھتے ہیں۔

علم دین کی تقسیم ثانی:

(۱) علم کسی جس میں کسب و اختیار کو دخل ہو۔

(۲) علم وہی جس میں کسب و اختیار کو دخل نہ ہو، براہ راست مغناہ اللہ عطاء ہو۔

علم وہبی کی تقسیم:

- (۱) بصورتِ وحی، یہ حضرات انبیاء کو دیا جاتا ہے۔ اور جناب رسول اللہ ﷺ ختم ہو گیا۔
 (۲) بصورتِ الہام، یہ انبیاء اور اولیاء کرام کو بھی حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ دل میں کسی آیت کی تفسیر و تطبیق ڈال دیتے ہیں۔
 یا کسی بھی متغذیب معاملہ میں ایک جانب کی ترجیح کو بلا دلیل غالب فرما دیتے ہیں۔
 علم وہبی کے تحت دو مقام ہیں۔ ایک مقام نبوت۔ ایک مقام ولایت۔ مقام نبوت کی تکمیل ہو گئی۔ البتہ مقام ولایت باقی ہے۔ نبوت وہبی ہے۔ اور ولایت وہبی و کسی ہے۔

مقام نبوت افضل ہے یا مقام ولایت؟

اس میں محققین کے دو گروہ ہیں۔

- (۱) مقام نبوت افضل ہے۔ اس لئے کہ مقام نبوت میں نبی کو عامۃ الناس اور خواص کو تبلیغ کرنی پڑتی ہے۔ تو نبی کی عبادت متعدی ہوئی۔ لازمی کے ساتھ متعدی بھی ہو تو یہ افضل ہے۔
 (۲) مقام ولایت افضل ہے۔ کیونکہ مقام نبوت میں توجہ الی الخلق ہوتی ہے۔ جبکہ مقام ولایت میں توجہ الی اللہ ہوتی ہے۔ لہذا مقام ولایت افضل ہے۔

ولکل وجهۃ هو مولیٰہا فاستبقوا الخیرات:

تنبیہ: اس سے یہ کسی کو غلط فہمی نہ ہو جائے کہ ولی نبی سے افضل ہے۔ کیونکہ یہ فرق نبوت کے حامل کے اندر رکا ہے جو بیان کیا جا رہا ہے۔ نہ کہ نبی اور ولی کے تقابل کے لحاظ سے۔ گویا نبی کا ایک وقت احکام تبلیغ کا ہے۔ اور ایک احکام کی سجا آوری کا ہے۔ تو ان دونوں میں سے کونسا افضل ہے۔ یہ نبی ہی کے بارے میں بتلانا مقصود ہے۔

فائدہ: مدارِ خلافت کیا ہے؟

- اس میں تین قول ہیں: ۱۔۔۔ پہلی رائے علماءِ ظاہرہ کی ہے۔ ان کے نزدیک استحقاقِ خلافت علم کی وجہ سے ہے۔ ملائکہ کو وہ اسماء نہیں آئے۔ جو حضرت آدم کو آگئے تھے۔ تو حضرت آدم کو خلیفہ بنا دیا گیا۔
 ۲۔۔۔ دوسری رائے علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی ہے۔ فرماتے ہیں عبودیت کی وجہ سے خلیفہ ہوئے۔ کیونکہ تین گروہ تھے۔
 ۱: ابلیس۔ ۲: ملائکہ۔ ۳: آدم۔ (۱) ابلیس میں تو عبودیت نہیں تھی۔ صرف انانیت تھی۔
 (۲) ملائکہ میں عبودیت تھی۔ مگر شہدِ دعویٰ تھا۔ نحن نسبح بحمدک ونقدس لک۔
 (۳) حضرت آدم میں عبودیت ہی تھی۔ اس لئے مستحقِ خلافت ہوئے۔ یہی رائے صوفیاء کرام کی ہے۔

۳۔ تیسری رائے یہ ہے کہ نہ محض علم استحقاق ہے۔ اور نہ محض عبودیت۔ بلکہ علم، عمل، عبودیت کا مجموعہ مراد ہے۔ یہ رائے حضرات جامعین کی ہے۔

فائدہ ۱: بعض اوقات خلافت ظاہری علم و عبودیت پر دی جاتی ہے۔ مگر یہ سب ظاہر کے تابع ہوتا ہے۔ خطابی ہو سکتی ہے۔ شیخ قصوروار نہیں ہوتا۔ (نیر خلافت، سب طب ہے۔ صحت نہیں۔)

فائدہ ۲: اطلبوا العلم ولو بالصین۔ دور نبوت میں چین میں دینی علم تو تھا ہی نہیں، گویا رسول اللہ ﷺ نے دنیوی علوم سیکھنے کا حکم فرمایا ہے؟ یہ استدلال و مطلب غلط ہے۔... اول تو یہ روایت موضوع ہے، دوسرے عربی قاعدہ کے مطابق دنیوی علوم سیکھنے کی ترغیب دیتے تو وہ لو کہنے کی کیا ضرورت تھی؟ تو یہاں بھی علم شرعی مراد ہے۔ مراد حدیث بعد و شفقت ہے کیونکہ چین عرب سے بہت مسافت پر واقع تھا۔

01 باب فضل العلم

علم کی فضیلت کا بیان

وَقَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى {يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ فَرَجَاتٍ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ} أَوْ قَوْلُهُ عَزَّ وَجَلَّ {رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا}

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے (سورۃ مجادلہ میں) فرمایا ”جو تم میں ایماندار ہیں اور جن کو علم ملا اللہ ان کے درجے بلند کرے گا اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے“ اور (سورۃ طہ میں) فرمایا ”پروردگار مجھے اور زیادہ علم دے۔“

غرض ترجمہ:

اس متن کی کتاب العلم سے مناسبت اس طرح ہے کہ معاملات نا اہل کے سپرد اس وقت ہوں گے جب جہل کا غلبہ اور علم اٹھ جائے گا۔ (فضل الباری ج ۱ ص ۵۶۶)

امام بخاریؒ نے باب قائم کر کے صرف دو آیات قرآنیہ ذکر کی ہیں۔ روایت کوئی ذکر نہیں فرمائی۔

حدیث الباب ذکر نہ کرنے کی چند توجیہات:

- (۱) تراجم کے بیان میں آیا تھا کہ امام بخاریؒ کے بعض تراجم ابواب میں دلیل ہوتی ہے۔ مگر ترجمہ کتب حدیث نہیں ہوتی۔
- (۲) قرآن کریم حجتہ قویہ ہے۔ جو حدیث سے بھی بالا ہے۔ تو اسی پر اکتفا فرمایا۔
- (۳) علامہ کرمانیؒ کا جواب یہ ہے امام بخاریؒ ابواب پہلے باندھتے تھے۔ احادیث بعد میں تدریجاً ذکر فرماتے

تھے۔ تو یہاں حدیث ذکر کرنے سے پہلے ہی وصال فرما گئے۔

(۴) شرائط کے مطابق حدیث نہیں مل سکی۔

(۵) طلبہ کرام بھی ذہن کی صلاحیتیں صرف فرمائیں۔ اس لئے تشہید اذہان ہے۔

(۶) تکثیر فوائد کیلئے فضائل اور دلائل ہیں۔ مختلف احادیث بیان ہوں گی۔ تو فائدہ زیادہ ہوگا۔ اس لئے کہ فوائد علم کی

احادیث صحیحہ تو موجود ہیں اور بکثرت ہیں۔

کتاب العلم میں حدیث نہ لانے کی یہ وجہ یہ ہے کہ امام بخاریؒ کو نقل حدیث یاد نہ رہی اس لیے ۲۳۲ھ میں تکمیل بخاری کے بعد چوبیس سال تک اس کا درس دیا۔ ۹ ہزار طلبہ حدیث نے استفادہ کیا۔ ۲۵۶ھ میں رحلت ہے، اس لیے یاد نہ رہنے کی وجہ یہ درست نہیں۔ (دلیل البخاری ص ۳۰۴)

سوال: ص 18 پر باب فضل العلم قائم فرمایا جبکہ یہاں بھی ہے تو تکرار ہوا۔

جواب: ۱: یہاں فضل العلم کا باب اصحاب نسخ کی وجہ سے لکھا گیا اور نہ صاحب کتاب نے صرف کتاب العلم کا ترجمہ قائم کر کے احادیث ذکر فرمائی ہیں۔

جواب ۲: یہاں فضیلت علماء ہے اور باب آتی میں فضیلت علم ہے۔ تو تکرار حقیقی نہیں۔ اغراض الگ الگ ہیں۔

جواب ۳: فضل بمعنی فضیلت اور بمعنی زیادتی بھی آتا ہے۔ یہاں فضل بمعنی فضیلت ہے۔ اور دوسرے باب میں فضل بمعنی زیادتی ہے۔

حضرت شیخ الحدیثؒ فرماتے ہیں بائین میں اگر مقصد ایک ہوا کر چہ الفاظ الگ الگ ہوں یہ تکرار متصور ہوگا۔ اگر مقصد الگ الگ ہوا کر چہ الفاظ ایک ہوں یہ تکرار نہ ہوگا۔ (درس شامی 214)

قاسم العلوم والخیرات امام نانوتویؒ کی مجلس میں حضرت کے خادم مولانا فاضل نے مطائی تقسیم کی جو آخر میں بیچ گئی تو انہوں نے عرض کیا: حضرت! الفاضل (بچی ہوئی زائد) للفاضل والقاسم محروم (یعنی حضرت والا) جواب میں حضرت نے فرمایا: الفاضل للقاسم (مرا حضرت نانوتوی) والقاسم محروم [یعنی تقسیم کنندہ] (حوالہ روح طلاع) (دلیل البخاری ص ۳۰۱)

یرفع الله الخ

رفع سے مراد کرامت اور ثواب میں اضافہ ہے۔ اور ایک قول یہ ہے رفع سے مراد دنیا میں فضیلت اور مرتبہ میں بڑھانا ہے۔

نیز یہ بھی قول ہے اللہ تعالیٰ علماء کے درجات کو ان مومنین کے مقابلہ میں جو علم سے خالی تھے۔ بڑھائیں گے۔

درجات: یہ درجہ کی جمع ہے۔ اس کے مقابلہ میں ایک لفظ در کہ ہے۔ اوپر جاتے ہوئے منزل کو در کہتے ہیں۔ اور

نیچے کی جانب کو در کہتے ہیں۔ جنت میں درجات اور جہنم میں درکات ہیں۔

والذین اوتوا العلم درجات:

درجات: جمع سالم مکرمہ اور تنوین تعظیم کے لئے ہے۔ یہ علو درجات اہل علم ہے۔

عطف الخاص علی العام ہے۔ ایمان والوں کے بھی درجات بلند ہونگے تاہم خصوصیت سے علم والوں کے بہت بلند ہونگے۔
واللہ بما تعملون خبیر: اس میں اشارہ ہے علم وہی مفید ہے جو مفیض الی العمل ہو۔ حضرات علماء فرماتے ہیں کہ علم بلا عمل عقیم اور عمل بلا علم مستقیم اور علم مع العمل صراط مستقیم ہے۔

حضرات اہل علم کے رفیع درجات کو مقرون بالاعمال فرمایا گیا ہے۔ ورنہ علم محض کا یہود کیلئے اثبات کرتے ہوئے لو کانوا یعلمون کے ساتھ بھی کر دی گئی ہے۔ اس لئے کہ وہ مقرون بالعمل نہیں تھا۔ یا ابلیس جو علم میں اپنا جانی نہیں رکھتا تھا۔ اس لئے یہاں علم لغوی بمعنی دانستن مراد نہیں۔ وہ علم ہے جو عمل و اخلاص سے مقرون ہوتے ہوئے بارگاہِ خداوندی میں مقبول ہو۔ اس لئے کہا جاتا ہے علم دو دھاری تلوار ہے۔ جیسو جنت کے دخول کا سبب عظیم ہے اسی طرح جہنم میں جانے کا بھی ذریعہ ہے۔ اعاذنا اللہ

فائدہ:- فرائض کے بعد بقیہ اوقات کس محل میں صرف کئے جائیں۔

اس میں حضرات اہل علم کے درمیان غور و فکر کیا گیا ہے کہ فرائض یعنی مطلوب من الشارع کے بعد بقیہ اوقات کس محل میں صرف کئے جائیں۔ علم، عمل، ذکر و عبادت وغیرہ میں:

اس میں اختلاف ہے۔

- (۱) امام اعظم و امام مالکؒ فرماتے ہیں: اشتغال بالعلم افضل ہے۔
- (۲) حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے دو روایتیں ہیں شغل بالعلم افضل ہے۔ ۲: جہاد افضل ہے۔
- (۳) حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں: عمل میں یعنی عبادت میں مشغول رہنا زیادہ باعث فضیلت ہے۔
- (۴) حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں: میں بالقسم کہتا ہوں کہ تعلیم و تعلم میں مشغولیت افضلیت ہے۔
- (۵) حضرت علامہ مفتی عبدالقادرؒ (سابق شیخ الحدیث دارالعلوم عید گاہ گبیر والا) فرماتے ہیں: تعلیم و تعلم افضل ہے۔ الا یہ کہ جہاد فرض ہو جائے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں: انسان کی چار حالتیں بیان فرمائی ہیں بعد از فرائض اولاً اشتغال بالعلم ہے۔ ثانیاً تسبیح و تہلیل ہے۔ اگر اس سے قاصر ہو تو پھر خدمتِ علماء و صلحاء ہے۔ رابعاً بعد از فرائض کسبِ معاش ہے۔ حلال کما لے مگر غیر کما مال نہ کھائے۔
رب زدنی علماً:

آپ ﷺ نے زیادتی علم کی دعا مانگی جو حق تعالیٰ شانہ کے حکم کے تحت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اس سے فضیلتِ علم معلوم ہوئی تو بابِ ہذا سے مناسبت بھی ہو گئی۔

یہاں ”امر“ دوام و استمرار کیلئے ہے۔ اس میں بریلوی طبقہ کا اختلاف ہے ان کا مسلک یہ ہے ”جملہ ما کان وما یکون

الیوم القيامة“ کا علم آپ ﷺ یکبارگی دیدیا گیا۔ جبکہ جمہور اہل سنت والجماعت، علماء اہل حق و علمائے دیوبند کے ہاں تینیس سالہ دور نبوت میں تھوڑا تھوڑا علم دیا گیا بعدہ عالم برزخ، جنت وغیرہ میں تسلسل کے ساتھ بڑھتا ہی چلا جائے گا۔ جو لا تقف عند حد ہوگا کما قال تعالیٰ: وَلَا تُخْرِجُوهُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْوَلِيِّ۔

ہر آنے والی علمی حالت سابقہ علمی حالت سے بہتر ہوگی۔ بریلوی طبقہ کے ہاں موجود بالفعل ہے اور بعدہ انقطاع ہے۔ جبکہ حضرات اہل دیوبند کے ہاں حصول علم کیلئے اتصال بالباری داما ہے۔ سو چا جاسکتا ہے کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں کس کا عقیدہ شرف و افضل ہے۔

02 باب مَنْ سَأَلَ عِلْمًا وَهُوَ مُشْتَغَلٌ فِي حَدِيثِهِ

فَأَتَمَّ الْحَدِيثَ ثُمَّ أَجَابَ السَّائِلَ

خَذَنَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ سَيَّانٍ قَالَ خَذَنَاهُ فَلَيْحٌ حَوْ خَذَنَاهُ الْإِزْهِيمِيُّ بْنُ الْمُنْذِرِ قَالَ خَذَنَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ فَلَيْحٍ قَالَ خَذَنَاهُ أَبِي قَالَ خَذَنَاهُ هَلَالُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ عَطَايَيْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ بَيْنَمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَجْلِسٍ يُحَدِّثُ الْقَوْمَ جَاءَهُ فَأَعْرَضَ أَبِي فَقَالَ مَتَى السَّاعَةُ فَمَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحَدِّثُ فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ سَمِعَ مَا قَالَ فَكَّرَ فَمَا قَالَ وَقَالَ بَعْضُهُمْ جُلُّ لَمْ يَسْمَعْ حَتَّى إِذَا قَضَى حَدِيثَهُ قَالَ أَيْنَ أَرَأَاكَ السَّائِلَ عَنْ السَّاعَةِ قَالَ هَا أَنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ فَإِذَا حُضِرَتْ الْأَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ قَالَ كَيْفَ إِصَاحَتُهَا قَالَ إِذَا وَشَدَّ الْأَمْرُ إِلَى غَيْرِ أَهْلٍ فَإِنْتَظِرِ السَّاعَةَ

ترجمہ: جس شخص سے علم کی بات پوچھی جائے اور وہ دوسری بات میں مشغول ہو

تو اپنی بات پوری کر کے پھر سائل کو جواب دے

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے اس اثنا میں کہ نبی کریم ﷺ مجلس میں قوم سے گفتگو فرما رہے تھے آپ ﷺ کے پاس ایک دیہاتی آیا اور اس نے کہا قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ گفتگو فرماتے رہے۔ بعض لوگوں نے کہا آپ نے اس کی بات سنی لیکن ناپسند کیا اور بعض نے کہا آپ نے سنا ہی نہیں۔ حتیٰ کہ جب آپ کی بات پوری ہوئی تو فرمایا: قیامت کے بارے میں سوال کرنے والا کہاں ہے؟ (اس سے معلوم ہوا آپ نے سوال سنا تھا جواب ادب سکھانے کے لئے نہیں دیا)۔ اس نے کہا میں ہوں یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا: جب امانت ضائع کر دی جائے تو قیامت کا انتظار کر۔ اس نے کہا امانت کا ضیاع کیسے ہوگا؟ آپ نے فرمایا: جب معاملتا اہل کے سپرد کر دیا جائے تو قیامت کا انتظار کر۔

ربط باب:

امام بخاریؒ اب یہاں سے علم کے آداب و احکام بیان فرما رہے ہیں۔ جس کیلئے مختلف آدابِ تعلیم و تعلم بیان فرمائے ہیں۔ یہاں یہ ادب بیان فرمایا گیا جب تک مسئول اپنی گفتگو سے فارغ نہ ہو تو سوال سے احتراز کیا جائے۔ اگر کوئی شدتِ ضرورت یا نادانی کی وجہ سے سوال کر لے تو مجیب کو اختیار ہے اپنی بات پوری کر لے یا درمیان میں ہی اس کو جواب دیدے۔ یا اس کا مدار سوال پر ہے۔ اگر سائل کا سوال شدتِ ضرورت پر ہے تو فوری جواب دے۔ اگر کلمہ کی نادانی سبب ہے تو پھر بعد میں بھی دے سکتا ہے۔ اگر سوال نا پسندیدہ ہو تو جواب دینا ضروری بھی نہیں۔

ربط ۲: باب سابق میں آیات قرآنیہ سے فضیلت و زیادۃِ علم کا بیان تھا اب تحصیلِ علم کا طریقہ بتاتے ہیں معلم کو چاہیے درمیان میں بات نہ کرے اگر معلم فوری جواب نہ دے تو یہ کبر نہیں... مصلحت فوری جواب کی مقتضی ہو تو فوری جواب دینا چاہیے... تاہم یہ فیصلہ معلم کی رائے پر ہے لیکن معلم بے جا مداخلت کی غلطی کرے تو معلم محل سے کام لے مستفیدینِ اولین کے حق تقدم کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے بعد میں آنے والے نظم و آداب مجلس کا پاس رکھیں۔ (فضل ج ۱ ص ۵۶۷)

جس سوال کا تعلق عمل سے نہ ہو اس کا جواب دیا جانا ضروری نہیں۔ (درس شامی ۲۱۸)

تشریح حدیث

ادارہ: راوی کو شک ہے کہ اسٹاذ محترم نے صرف ”آمین“ کہا یا این السائل طعن الساعۃ فرمایا۔ دوران گفتگو سائل کے جواب سے اہل مجلس کا نقصان نہ ہو تو فوری جواب دیا جاسکتا ہے... امر موقت کا جواب دیا جائے ورنہ جواب لا حاصل ہے سوال کی نوعیت غیر ضروری ہے تو جواب مؤخر کیا جاسکتا ہے اگر اہم معاملہ یا کسی بنیادی عقیدے کا سوال ہے تو تاخیر کی قطعاً گنجائش نہیں کیونکہ خیالات کے بدل جانے کا اندیشہ ہوتا ہے حضرت ابو ذرؓ کو دوران خطبہ جواب مرحمت فرمایا سوال تھا دین کیا ہے؟ فضول، مٹی، برعنا اور باعث تشویش و انتشار سوال کا جواب نہ دیا جائے (فضل الباری ج ۱ ص ۵۶۶)

نداء بالرسول کی صورتیں:

یارسول اللہ: نداء بالرسول میں چار صورتیں ہیں:-

(۱) حکایۃ کہنا جائز ہے جیسے احادیث میں بکثرت ہے۔ (۲) اس عقیدے سے جائز ہے کہ فرشتے میرا سلام و کلام روضۂ شریف پر پہنچاتے ہیں۔ (۳) آپ ﷺ حضور فی المقصور کے لحاظ سے بھی گنجائش ہے۔ (۴) عقیدۃ حاضر و ناظر کے

اور ان خطبہ سائل حضرت ابو قتادہ مدنیؓ تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر چھوڑ کر کرسی پر تشریف فرما ہوئے جس کے پائے غالباً لوہے کے تھے تاکہ آواز سب تک پہنچ سکے۔ (مسلم شریف)

ساتھ نہ صرف ناجائز بلکہ بے ادبی کی وجہ سے بھی قابل ترک ہے۔

جاء اعرابی: بقول حافظ: اعرابی نامعلوم الاسم ہے۔ تاہم ارشاد الساری میں ”رفع“ ہے۔ واللہ اعلم (درس شمارتی 217)

کیف اضاعتها: سوال: سائل نے قیامت کے بارے میں سوال کیا تھا معنی الساعة؟ آپ ﷺ نے جواب

دیا جب اضاعت امانت شروع ہو جائے تو اس کا انتظار کرو۔

جواب: آپ ﷺ نے جواب علی اسلوب حکمت دیا ہے کہ یہ سوال ہی درست نہیں قیامت کب آئے گی۔ یہ علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے پاس نہیں تو سوال یہ ہونا چاہیے کہ علامات قیامت کیا ہیں تو آپ ﷺ نے اسی تناظر میں ایک علامت بیان فرمادی۔

اذا ضيعت الامانة

۱: امانت سے مراد اناعرضنا الامانة تدبیر زمین کا انتظام ہے۔

۲: امانت صفت القلب مراد ہے جو ایمان سے مقدم ہے پہلے قلب میں امانت جتنا ہے پھر لون الایمان۔ (درس شمارتی 219)

اذا وسد الامر: وسد و ساد سے ماخوذ ہے جس کا معنی نکلیے ہے۔ حاصل یہ ہے جس ذمہ داری کا اہل ذمہ داری اس کو پوری جائے تو قیامت ہی ہے۔ اس سے معلوم ہوا اگر کوئی بے جا فضول سوال کرے تو اس کا جواب علی اسلوب الحکیم دینا چاہیے۔ نیز مفتی کے ذمہ فرض نہیں ہر سوال کا جواب دے۔ ناپسندیدہ سوال پر کوئی حکیمانہ ارشاد فرمادے۔

امانت کے مقابل میں فتنہ کا لفظ استعمال ہوتا ہے فتنہ ایسی حالت و کیفیت کو کہتے ہیں جو فساد اور غلط کو بچ بتلائے۔ (درس بخاری 335) امانت، اکثر علماء نے امانت کو مفعول کے معنی میں لیکر اس سے تکالیف شرعیہ مراد لی ہیں۔ حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد۔ اسی طرح قولی ہوں یا فعلی یا اعتقادی۔ لیکن محققین علماء امانت کو نوعیت اور حالت کے معنی میں لیتے ہیں۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ انسان خلیفۃ اللہ ہے۔ خلافت کیلئے قوہ علمیہ و عملیہ بنیاد و اساس ہیں۔ ان دونوں کے ساتھ انسان میں قوہ ملکیت و بہیمہ بھی ہے جن میں برابر تزام و تخالف رہتا ہے۔ اسی وجہ سے علم کے باوجود ترک امر اور عمل نمی کر گزرتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے قوہ علمیہ و عملیہ کی تقویت کیلئے قوہ ملکیت رکھی تاکہ اپنے ارادہ و قدرت سے قوہ ملکیت کے ذریعہ امور خیر کو اختیار کرے۔ اسی کا نام امانت ہے۔ جس کی دوسری تعبیر ”فطرت“ ہے یہی مدار تکلیف ہے اسی میں ایک نیت نہیں دیگر ملکات کی طرح اس کو اسباب ظاہری کے ذریعہ ترقی دینا اس کو موذی و فاسد چیزوں سے بچانا ضروری ہے اسی استعداد کسی پر ثواب و عذاب موقوف ہے۔ ایمان کیلئے وحی الہی اگر بمنزلہ علت فاعلی ہے تو امانت (فطرت) بمنزلہ علت حادی۔ امانت صحیح علم صحیح کی متابعت کا نام ہے۔ (درس بخاری 333)



03 باب مَتَى رَفَعَ صَوْتَهُ بِالْعِلْمِ

علم کی بات اونچی آواز سے کہنے کا بیان

حَدَّثَنَا أَبُو الثَّغَمَانِ عَارِمُ بْنُ الْفَضْلِ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي بَشِيرٍ عَنْ يُونُسَ بْنِ مَاهَكٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ تَخَلَّفَ عَنَّا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرَةٍ سَافَرْنَا هَا فَهَازَ وَكُنَّا قَدْ أَرْهَقْنَا الصَّلَاةَ

وَنَحْنُ نَقْوَضُ أَفْجَعَلْنَا نَمْسَحُ عَلَى أَرْجُلِنَا فَتَادَى بِأَعْلَى صَوْتٍ يَوْنُلُ لِلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں ایک سفر میں نبی ﷺ سے پیچھے رہ گئے تھے (جو ہم نے مکہ سے مدینہ کی طرف کیا تھا) پھر ہمیں پالیا اور آپ نے نماز کو مؤخر کر دیا تھا۔ (اس لئے) ہم وضو کر رہے تھے اور (جلدی سے) اپنے پاؤں پر ہاتھ پھیر رہے تھے تو آپ نے بلند آواز سے (دو یا تین) دفعہ فرمایا کہ ہا کت ہے ایڑیوں کے لئے آگ سے۔

رہط: باب سابق میں انفرادی سوال کے سلسلے میں حسب مصلحت فوری یا تاخیر سے جواب کا ذکر تھا۔ باب ہذا میں عمل میں اجتماعی نقص دیکھ کر از خود فوری رفع صوت کے ساتھ صحیح عمل کے لیے فرمایا جا رہا ہے تاکہ وعید سے تحفظ ہو۔ رفع صوت سے وعید کا بچنا اور آواز کے لہجہ سے اہمیت بتلانا مقصود تھا (امام الباری ج ۲ ص ۴۳)

غرض ترجمہ: ضرورت کے وقت بلند آواز سے تعلیم جائز ہے۔ اصل میں امام بخاریؒ نے یہ باب رفع تعارض کیلئے قائم فرمایا۔ کیونکہ بعض دلائل سے یہ ماننے آتا ہے کہ بلند آواز پسندیدہ نہیں ہے۔ جب کہ اس حدیث میں بلند آواز سے پکارنے کا تذکرہ ہے۔

تشریح حدیث

رفع صوت کی ناپسندیدگی کے دلائل :-

- (۱) واغضض من صوتک ان انکر الاصوات لصوت الحمیر۔
- (۲) حدیث شریف میں ہے آپ ﷺ کے بارے میں ہے: ”ولا صغاب فی الاسواق۔“ بازاروں میں اونچی آواز سے آپ ﷺ نہیں بولتے تھے۔
- (۳) وقار علمی اور عظمت کا تقاضا بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ تو امام بخاریؒ نے یہ باب قائم فرما کر رفع تعارض یوں فرما رہے ہیں کہ رفع صوت عند الضرورت جائز ہے۔
- حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں: ولا صغاب، صغاب سے مراد ہوا طبع میں رفع صوت ہے۔ لیکن رفع الصوت بالعلم صغاب میں داخل نہیں۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اختیار فرماتے تھے۔ (درس شامی 220)

نیز معلم کی حالت، مخاطب کی دوری مخاطبین کی زیادتی حجیت یا خطیب و معلم کی بات بلا رفع نہ پہنچ سکتی ہو۔۔۔ تو رفع صوت مستحسن ہے۔۔۔ الغرض فرائض یا سنن کی تصبیح یا کوتاہی پر شدہ تنبیہ و رفع صوت درست ہے۔ (فضل الباری ج ۱ ص ۵۶۸)

ویل: دوزخ کا ایک طبقہ ہے۔ ویل اور ویح دونوں ہم معنی ہیں۔ فرق یہ ہے اگر مستحق ہلاکت ہے تو لفظ ویل بولتے ہیں۔ اگر مستحق ہلاکت نہیں تو لفظ ویح بولتے ہیں۔ وَبِخِ لِلْعَمَارِ ثَقُلَةُ الْفِتْنَةِ الْبَاغِيَةِ

للاعقاب من النار: اعقاب عقب کی جمع ہے۔ یہاں مراد صاحب عقب ہے ان ایڑیوں والوں کو جہنم میں ڈالاجائے گا جنہوں نے ایڑیوں تک پانی نہیں پہنچایا۔

ایڑیوں کے خشک رہنے پر وعید دلیل ہے کہ باقی پاؤں دھوتے تھے۔

ویل للاعقاب من النار میں مجاز بالخذف ہے تقدیر عبارت یہ ہے: ویل للمقصرین فی غسل الاعقاب من النار۔ (تخفج ص ۳۱۲)

نادی باعلیٰ صوته: اس سے ترجمہ الباب ثابت ہو گیا۔

یوسف بن ماہک: ماہک، یہ عربی ہے یا عجمی ہے؟ اگر عربی ہو تو پھر یہ ماضی کا صیغہ ہے یا اسم فاعل۔ اگر ماضی ہو تو پھر یہ غیر منصرف ہوگا اور اگر اسم فاعل ہو تو یہ منصرف ہوگا۔

اور اگر یہ عجمی کلمہ ہو تو اس میں ماہ کا لفظ الگ ہے جس کے معنی چاند کے ہیں۔ اور مک تصغیر کیلئے ہے۔ معنی چھوٹا سا چاند۔

أزھقنا للصلوة: نماز کا وقت آچھا تھا تاخیر نماز کا خطر تھا تو سر عتد وضو کا نشا تاخیر صلوة تھا۔

فجعلنا نمسحہ علیٰ ارجلنا: یہاں مسح سے اصطلاحی معنی مراد نہیں بلکہ لغوی مسح مراد ہے یعنی ہاتھ کا

پھیرنا گویا غسل خفیف مراد ہے۔ جلدی میں ہلکا سا دھو دیا اور اسی کو مسح سے تعبیر کر دیا۔ اس لئے کہ مسح میں استیعاب کا کوئی بھی قائل نہیں یہ غسل خفیف کیلئے قرینہ ہے۔

ویل للاعقاب من النار: بعض روایات میں یہاں بطون الاقدام کا لفظ بھی آیا ہے جس کا معنی پاؤں کے تلوے اور

ایڑیاں خشک نہ رہ جائیں۔

اس سے الحسنات والجماعت نے استدلال کیا کہ پاؤں کا وظیفہ جب موزے نہ پہنے ہوئے ہوں غسل ہے اور اس

میں بھی استیعاب ہے۔ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو روایت کر کے فرمایا ہے: ”فقہ الحدیث انہ لا یجوز

المسح علی الترجلین۔“

فائدہ: عند بعض یہ واقعہ مکہ مکرمہ سے واپسی کا ہے مگر یہ تعیین نہیں کہ صلح حدیبیہ سے واپسی میں عمرۃ القضاء یا فتح مکہ سے

واپسی کا ہے۔ (درس شامی ۲۲۱)

04 باب قول المحدث حدثنا وأخبرنا وأنبأنا

محدث کا حدثنا، أخبرنا اور انبأنا کہنے کا بیان

وَقَالَ لَنَا الْحَمِيدِيُّ كَانَ عِنْدَ ابْنِ غُبَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَأَخْبَرَنَا وَأَنْبَأَنَا وَسَمِعْتُ وَاجِدًا وَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ حَدَّثَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوقُ وَقَالَ شَقِيقٌ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلِمَةً وَقَالَ خَدِيفَةُ حَدَّثَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيثَيْنِ وَقَالَ أَبُو الْعَالِيَةِ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيمَا يَرْوَى عَنْ رَبِّهِ وَقَالَ أَنَسٌ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْوَاهُ عَنْ رَبِّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْوَاهُ عَنْ رَبِّكُمْ عَزَّ وَجَلَّ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ ابْنِ غَمَرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً لَا يَسْقُطُ وَرَقُهَا وَإِنَّهَا مِثْلُ الْمُسْلِمِ فَحَدِّثُونِي مَا هِيَ فَوَقَعَ النَّاسُ فِي شَجَرِ الْبَوَادِي قَالَ عَبْدُ اللَّهِ وَقَعَ فِي نَفْسِي أَنَّهَا النَّخْلَةُ فَاسْتَحْيَيْتُ ثُمَّ قَالُوا حَدَّثَنَا مَا هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ هِيَ النَّخْلَةُ

ترجمہ: امام بخاری کہتے ہیں: ہمیں حمیدی نے کہا حضرت سفیان بن عیینہؒ کے نزدیک حدثنا، أخبرنا، انبأنا اور سمعت ان سب کا مطلب ایک ہی تھا۔ حضرت ابن مسعودؓ نے کہا حدثنا یعنی ہمیں بیان کیا رسول اللہ ﷺ نے اور آپ صادق اور مصدوق تھے۔ شقیقؒ نے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے اہل کیا میں نے حضور ﷺ سے فلاں بات سنی۔ حضرت خدیفہؒ نے کہا ہمیں رسول اللہ ﷺ نے دو باتیں بیان کیں۔ ابو العالیہؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے اہل کیا انہوں نے حضور ﷺ سے اہل کیا اس چیز کے بارے میں جو آپ اپنے رب سے اہل کرتے ہیں حضرت انسؓ نے حضور ﷺ سے اہل کیا آپ ﷺ اپنے رب سے اہل کر رہے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے حضور ﷺ سے اہل کیا آپ ﷺ ہمارے رب سے اہل کر رہے تھے۔

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں (ایک دفعہ) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا درختوں میں سے ایک درخت ایسا ہے جس کے پتے نہیں گرتے اور وہ مسلم کی مثال ہے مجھے بیان کرو وہ کون سا درخت ہے؟۔ چنانچہ ہم لوگ جنگلوں اور دیہاتوں کے درختوں میں پڑ گئے (سوچنے لگے)۔ حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں میرے دل میں آیا کہ یہ کھجور کا درخت ہے لیکن میں نے حیا کیا۔ پھر صحابہؓ نے کہا: یا رسول اللہ! آپ ہی بتائیں وہ کون سا درخت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ کھجور کا درخت ہے۔

رابطہ: باب سابق میں علم کے ابلارغ کے لئے دفع صوت کی اجازت کا ذکر تھا اور باب ہذا میں یہ بتلایا جا رہا ہے ابلارغ علم کیلئے صیغہ کون کون سے اور کن کن مواقع پر استعمال کیے جاتے ہیں۔

غرض بخاریؒ

حدثننا، اخبرنا اور انبانا وغیرہ یہ الفاظ مشترک المعانی ہیں۔ راوی کو اختیار ہے کوئی سا بھی لفظ استعمال کرے۔ حضرات متقدمین کے ہاں یہ مروج ہیں، ان میں کوئی باہمی فرق نہیں۔

البتہ متاخرین کے ہاں ان کے محل استعمال کا فرق ہے۔ اور سب سے پہلے اس کو جس نے واضح کیا وہ عبد اللہ بن وہبؒ ہیں۔ جو حضرت عبد اللہ ابن مبارکؒ کے ہم عصر ہیں۔ انہوں نے فرق کیا۔ نیز امام شافعیؒ، امام نسائیؒ، اور امام مسلمؒ بھی فرق کے قائل ہیں۔ اگر استاذ پڑھے شاگرد نے۔ ایک ہی شاگرد ہو تو ”حدثنی“ کہا جائے گا اور اگر بڑی جماعت ہو تو پھر حدثننا کہیں گے۔ اگر ایک شاگرد نے استاذ کے سامنے حدیث پڑھی اور استاذ نے تصدیق کی تو اخبرنی اور بہت ساری جماعت کے اندر شاگرد نے حدیث پڑھی اور استاذ نے تصدیق کی تو پھر اخبرنا کہیں گے۔

اگر شیخ نے ایک فرد کو بالمشافہ اجازت دی تو وہ ”انبنی“ کہے گا اور اگر ایک سے زائد کو بالمشافہ اجازت دی تو پھر انبانا کہیں گے۔ ایک شاگرد نے استاذ کے سامنے پڑھا دیگر لوگ بھی مجلس میں شریک تھے تو سننے والے آگے روایت کرتے ہوئے یوں کہیں: قرئ علینا وانا اسمع اور اگر استاذ نے حدیث لکھوا کر بھیجی تو کتب الی کا لفظ استعمال ہوگا۔ اگر استاذ محترم کی یا کسی محدث کی لکھی ہوئی روایات مل جائیں تو اس کو ”وجاہہ“ کہتے ہیں۔

امام مسلمؒ ان اصطلاحات میں اتنا فرق ملحوظ رکھتے ہیں کہ ان صیغوں کے اختلاف پر سند میں تحویل کر دیتے ہیں۔

قال لنا الحمیدی:

سوال: قال لنا الحمیدی کیوں فرمایا حدثننا یا اخبرنا کیوں نہیں کہا؟ حالانکہ حضرت حمیدیؒ تو امام بخاریؒ کے استاذ ہیں درمیان میں انقطاع بھی نہیں۔

جواب ۱: بلا واسطہ نہیں سنا ہوگا، بالواسطہ سنا ہوگا۔ اسلئے حدثننا و اخبرنا کہیں کہا۔

جواب ۲: مجلس تعلیم میں نہیں سنا ہوگا بلکہ مجلس مذاکرہ میں سنا ہوگا۔

وحی جلی اور حدیث قدسی میں وجوہ فرق

فیما یروی عن ربہ: آپ ﷺ بات اللہ تعالیٰ سے اہل فرماتے ہیں اس کو حدیث قدسی کہتے ہیں۔ جو حدیث پاک کی ایک اہل قسم ہے۔

سوال: جب اس حدیث کے الفاظ من جانب اللہ ہیں تو اس کو قرآن کریم میں کیوں نہ ذکر فرمایا؟

جواب: حدیث قدسی اور قرآن کریم میں تین فرق ہیں:

(۱) قرآن کریم مصاحف میں محفوظ ہے۔ اور حضرات صحابہؓ نے ماہین المدفعین اس کو جمع کیا ہے۔ اس میں حدیث قدسی نہیں لہذا یہ قرآن کا حصہ نہ ہوا۔

جواب ۲: حدیث قدسی روایت عن اللہ ہے۔ اور قرآن کریم روایت کردہ نہیں بلکہ قرآن کریم اہل کلام اللہ ہے۔

جواب ۳: ثبوت قرآن کریم کیلئے اہل متواتر ہونا ضروری ہے جبکہ حدیث قدسی میں اہل متواتر ضروری نہیں۔

قائدہ: فیما یروی عن ربہ: سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ حدیث قدسی کو اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں۔ حالانکہ آپ ﷺ براہ راست ہمکلامی صرف شب معراج میں ثابت ہے۔ تو روایت قدسی میں گویا ارسال فرما رہے ہیں۔ اور وہ واسطہ صرف اور صرف حضرت جبریلؑ ہی ہو سکتے ہیں۔ ان کا ارسال ہے۔ معلوم ہوا ارسال ثقہ حجت ہے۔ اسی سے یہ دلیل اخذ کی جاسکتی ہے ارسال صحابی احکام میں حجت ہے۔ البتہ اخبار و قصص میں حجت نہیں۔ اس لئے کہ امکان ہے وہ کسی تابعی کا منکر قصہ بیان کر رہے ہوں جبکہ احکام تو بذریعہ شارع ﷺ آئیں گے۔

حدثننا قتیبہ بن سعید

روایت الباب کا ترجمہ الباب سے انطباق

انطباق کے بارے میں دو تقریریں ہیں: (۱) تحت الکتاب تقریر (۲) حدیث الباب کے تحت تقریر
تحت الکتاب تقریر یہ ہے امام بخاریؒ نے اس روایت کو اپنی اس کتاب میں بہت جگہ ذکر فرمایا۔ یہاں حدثنونی کے الفاظ دیگر مقامات پر اخبار و نبی کے الفاظ بھی آتے ہیں۔ معلوم ہوا ”حدیث و اخبار“ برابر ہیں۔
حدیث الباب کے تحت تقریر یہ ہے کہ آپ ﷺ نے حضرات صحابہؓ سے فرمایا: حدثنونی۔ جب حضرات صحابہؓ نے آپ ﷺ سے سوال کیا تو حدثننا کہا۔ اس سے معلوم ہوا جو اسٹاذ بولے، گفتگو کرے یا طالب بھی اسٹاذ کے سامنے بولے یا معلوم کرے تو اس وقت بھی حدیث کا لفظ استعمال ہو سکتا ہے۔ تو اخبار نا ضروری نہیں۔ اس لئے ان حضرات کی تردید ہو گئی جو یہ فرماتے ہیں جب شاگرد پڑھتے تو پھر اخبار نا ہی استعمال ہوگا۔

تشریح حدیث

سوال: اس حدیث میں آپ ﷺ نے ایک پہلی پوچھی۔ جبکہ ابو داؤد شریف میں ہے نہی النبی ﷺ عن الاغلو طات (چستان)

جواب ۱: ان اغلو طات سے منع فرمایا جو تفسیر اوقات کا باعث ہوں اور جن سے کوئی علمی قاسمہ متعلق ہو تو وہ منع نہیں۔ کیونکہ وہ تعلیم کی مانند ہیں۔

جواب ۲: ان اغلو طات کو پوچھنے کیلئے منع کیا جن کا کوئی قرینہ نہ ہو۔ جن کا قرینہ ہو تو وہ جائز ہے۔ تفصیلی روایات

میں ہے آپ ﷺ نے جس وقت یہ سوال فرمایا کہ کونسا درخت انسان کے مشابہ ہے تو کھجور کا چار آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا۔ تو عین اسی موقع پر آپ ﷺ نے سوال فرمایا کیونکہ جواب کا قرینہ موجود تھا۔
جواب ۳: وہاں منع ہے جہاں تشبیہ اذہان کا فائدہ نہ ہو۔

انہما مثل المسلم:

آپ ﷺ نے کھجور کو مسلمان کے ساتھ تشبیہ دی۔ تشبیہ کے بارے میں دو قسم کی روایات ہیں۔ (۱) بعض روایات میں تشبیہ بالانسان ہے اور بعض میں تشبیہ بالمسلم ہے۔ اگر تشبیہ بالانسان ہے تو وجہ تشبیہ یہ ہے:
(۱) جیسے انسانی کمالات سارے سر میں ہیں اور سر نہ رہے تو باقی کچھ نہیں۔ اسی طرح کھجور کے فوائد بھی اوپر والے حصہ میں ہیں اگر اوپر سے کاٹ دیا جائے تو تمام ثمرات و فوائد ختم ہو جاتے ہیں۔
(۲) بعض حضرات کہتے ہیں کھجور کا درخت انسان کی پھوپھی ہے کیونکہ بعض روایات میں آتا ہے حضرت آدمؑ سے بچی ہوئی مٹی سے کھجور کو بنایا گیا۔

(۳) بعض حضرات فرماتے ہیں اس میں انسان کی طرح تذکیر و تانیث ہے۔

(۴) بعض فرماتے ہیں جیسے انسان پانی میں ڈوب جائے تو مر جاتا ہے اسی طرح یہ درخت بھی اگر پانی میں ڈوب جائے تو ہلاک ہو جاتا ہے۔
اگر تشبیہ بالمسلم ہو تو پھر وجہ تشبیہ کی دو صورتیں ہیں:

(۱) جیسے کھجور کے تمام اجزاء سر، تن، پتے، گودا، پھل اور ثمرات سب نافع ہیں۔ اسی طرح مسلمان کے تمام افعال جو ایمان کا مل سے ناشی ہوں سب کے سب مفید اور نافع ہیں۔
(۲) جیسے کھجور کے پتے نہیں گرتے۔ اسی طرح مسلمان کی دعا بھی رد نہیں ہوتی۔ البتہ قبولیت کی صورتیں مختلف ہیں۔ کبھی دنیوی چیز بعینہ مل گئی۔ اور کبھی کوئی مصیبت ٹل گئی۔ ورنہ آخرت میں ثواب کا ذخیرہ تو ہے ہی۔
بعض روایات میں تشبیہ کے سوال میں آپ ﷺ آیت شریفہ پڑھنا بطور قرینہ ہے۔ الم تر کیف ضرب الله مثلا كلمة طيبة كشجرة طيبة اصلها ثابت و فرعها في السماء۔
جس طرح نخلہ کی جڑ زمین میں اور فرع آسمان کی طرف ہے اسی طرح ایمان دل میں مضبوط ہے گویا تصدیق ایمان کی جڑ اور اعمال بمنزلہ شاخ کے ہیں۔ (فضل الباری ج ۱ ص ۵۷۲)

فاستحييت:

یعنی میں شرمایا گیا۔ اس کی وجہ ایک اور مقام پر خود ہی بیان فرمائی کہ میں اصغر القوم تھا۔ حضرات شیخین مکرّمینؒ جیسے حضرات تشریف فرما تھے۔ اس لئے بتانے سے شرم آئی۔ لیکن یہ بات حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے والد حضرت عمرؓ کو بتلائی تو اس پر انہوں نے فرمایا: اگر تم بتا دیتے تو میرے لئے سرخ اونٹوں سے زیادہ بہتر ہوتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کی وجہ یہ تھی کہ بتلانے پر یہ توقع تھی کہ آپ ﷺ کیلئے دعا فرما دیتے گویا مقصود حصول دعا نبوی ﷺ تھا۔

فائدہ ۱: امتحان کا سوال معلم کے دائرہ استعداد سے باہر نہ ہو چنانچہ لا یسقط ورقھا و فی روایۃ لا ینقطع نفسہا نیز مجار کا پیش کیا جانا اور آیت کریمہ الم تر کیف ضرب اللہ الخ کی تلاوت یہ حل سوال میں معین قرآن ہیں... تاہم اس قدر آسان سوال نہ ہو کہ نظر و فکر سے کام ہی نہ لینا پڑے، (فضل الباری ج ۱ ص ۵۷۳)

فائدہ ۲: بڑوں کا سوال بھی اعطائے علم ہے۔ اسی لئے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے استفسار پر اللہ و رسولہ اعلم کذریعہ اپنی طلب علم کا اظہار فرماتے۔ (درر شامی)

05 باب طَرَحُ الْإِمَامِ الْمَسْأَلَةَ عَلَى أَصْحَابِهِ

لِيُخْتَبَرَ مَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ

استاد کا شاگردوں سے سوال کرنا ان کا امتحان لینے کے لئے

حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ حَدَّثَنَا سَلِيمَانُ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ دِينَارٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً لَا يَسْقُطُ وَرَقُهَا وَانْهَامُ مَثَلِ الْمُسْلِمِ حَدَّثَنِي مَا هِيَ قَالَ فَوَقَّعَ النَّاسُ فِي شَجَرِ النَّبِيِّ إِذِي قَالَ عَبْدُ اللَّهِ فَوَقَّعَ فِي نَفْسِي أَنَّهَا النَّخْلَةُ ثُمَّ قَالُوا اخْدِثْنَا مَا هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ هِيَ النَّخْلَةُ

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں (ایک دفعہ) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک درخت ایسا ہے جس کے پتے نہیں گرتے اور وہ مسلم کی مثال ہے مجھے بیان کرو وہ کونسا درخت ہے؟۔ چنانچہ سب لوگ جنگلوں کے درختوں میں پڑ گئے (سوچنے لگے) حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں میرے دل میں آیا وہ کھجور کا درخت ہے لیکن میں نے حیا کیا۔ پھر صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ہی بتائیں وہ کون سا درخت ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا وہ کھجور کا درخت ہے۔

ربط:

سابقہ باب میں یہ تھا شاگرد استاد سے سوال کر سکتا ہے۔ اس باب میں یہ ہے استاد بھی امتحان شاگرد سے سوال کر سکتا ہے۔

غرض بخاری:

- (۱) امام بخاریؒ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں شاگردوں سے وقتاً فوقتاً پوچھنا چاہیے اور امتحان لینا آدھا علم ہے۔
- (۲) غرض بخاریؒ اس باب سے مقصود اہتمام شانِ علم کا بیان ہے۔ کہ علم کو یاد رکھنا چاہیے چنانچہ امتحان اس کا ذریعہ ہے۔
- (۳) استاد شاگرد سے تشہید اذہان کیلئے کوئی مسئلہ ان کے سامنے رکھ سکتا ہے۔

تشریح حدیث

قال فوق في نفسي:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا: میرے دل میں آیا تھا کہ وہ ”نخلہ“ ہے اور اس کی وجہ بھی انہوں نے دوسری روایت میں بیان کی ہے۔ وہ یہ کہ سوال کے وقت آپ ﷺ کے پاس ”جمار“ لایا گیا تھا۔۔۔ جمار آپ ﷺ نے تناول کرتے ہوئے سوال کیلئے بھی قرینہ تھا۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت مثلاً کلمۃ طیبۃ ارج طلاوت بھی فرمائی تھی۔ (درس شمارتی 226)

کھجور کے درخت کے تنے کے اوپر والا حصہ کھود کر اس میں جو گودا نکالا جاتا ہے اس کو جمار کہتے ہیں۔ کھجور ایسا مبارک درخت ہے کہ لوگ اس کے ہر جز سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

دیگر حضرات صحابہ کرامؓ کا ذہن نخلہ کی طرف اس لیے منتقل نہ ہوا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس درخت کے پتے نہیں چھڑتے جبکہ کھجور کے پتے ہی نہیں ہوتے تو چھڑنے کا سوال نہیں... بلکہ ٹہنیاں ہوتی ہیں اردو میں بھی اس کو پتے نہیں کہتے... عربی میں اس کو سعف کہتے ہیں ورق نہیں کہتے... جب آپ ﷺ نے جواب ارشاد فرمایا تو پتہ چلا کہ آپ ﷺ نے ورق کا لفظ حجاز استعمال فرمایا۔ (مختصر تفسیر ج ۱ ص ۳۱۶)

ایک طریقہ اس سے فائدہ اٹھانے کا یہ ہے کہ اس سے نیرہ نکالا جاتا ہے یعنی کھجور کے درخت کے اوپر کھود کر ہنڈیا باندھ دیتے ہیں۔ جس کی وجہ سے اس کا رس ہنڈیا میں آتا رہتا ہے۔ اس رس کو نیرہ کہتے ہیں۔ یہ بڑا ہی لذیذ ہوتا ہے۔ اس کو آفتاب ٹکٹنے سے پہلے پی لے تو ٹھیک ورنہ اس میں نشہ آ جاتا ہے۔

اس سے حضرات محدثین اور فقہاء کرامؓ نے استدلال کیا ہے جب استاذ محترم طلباء سے کوئی سوال کرے تو بہتر ہوگا سوال کے اندر جواب کی طرف کوئی لطیف اشارہ موجود ہو اگر آدمی ذرا غور کرے تو آدمی جواب کی طرف پہنچ پائے۔

06 باب الْقِرَاءَةُ وَالْعَزْزُ عَلَى الْمُحَدِّثِ

وَرَأَى الْحَسَنَ وَالْقُرَيْشِيَّ وَمَالِكَ الْقُرَائِيَّ جَائِزَةً وَاحْتَجَّ بَعْضُهُمْ فِي الْقِرَاءَةِ عَلَى الْعَالِمِ بِحَدِيثِ
ضِمَامِ بْنِ قُلَيْبَةَ قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَهْ أَتَمُّكَ أَنْ نَصْلِي الصَّلَاةَ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَهَذِهِ قِرَاءَةُ عَلَى
النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرَ ضِمَامٌ قَوْمَهُ بِذَلِكَ فَأَجَاوَزَهُ وَاحْتَجَّ مَالِكٌ بِالصَّكِّ يَقْرَأُ عَلَى الْقَوْمِ
فَيَقُولُونَ أَشْهَدُ نَا فَلَانٌ وَيَقْرَأُ ذَلِكَ قِرَاءَةً عَلَيْهِمْ وَيَقْرَأُ عَلَى الْمُقْرِئِ فَيَقُولُ الْقَارِئُ أَقْرَأَنِي فَلَانٌ
حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ الْوَاسِطِيُّ عَنْ عَوْفٍ عَنِ الْحَسَنِ قَالَ لَا بَأْسَ
بِالْقِرَاءَةِ عَلَى الْعَالِمِ أَخْبَرَ لَفَّحُمَلْنُ بْنُ سُلَيْمٍ الْقُرَيْشِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَمَاعِيلَ الْبُخَارِيُّ قَالَ

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُوسَى عَنْ سَفِيَّانَ قَالَ إِذَا قُرِئَ عَلَى الْمُحَدِّثِ فَلَا بَأْسَ أَنْ يَقُولَ حَدَّثَنِي قَالَ وَ سَمِعْتُ أَبَا صَحْبٍ يَقُولُ عَنْ مَالِكٍ وَ سَفِيَّانَ لَقُرَاءَةُ قُرْآنٍ عَلَى الْعَالِمِ قِرَاءَةُ ثَلَاثِينَ آيَةً.

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُوسَى قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ سَعِيدٍ هُوَ الْمُقْبِرِيُّ عَنْ شَرِيكَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي نَمِرٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ بَيْنَمَا نَحْنُ جُلُوسٌ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ دَخَلَ رَجُلٌ عَلَى جَمَلٍ فَأَنَاحَهُ فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ عَقَلَهُ ثُمَّ قَالَ لَهُمْ أَتَيْكُمْ مُحَمَّدٌ وَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَكِيًا بَيْنَ ظَهْرَيْنِهِمَا فَقُلْنَا هَذَا الرَّجُلُ الْأَبْيَضُ الْمُتَكِي فَقَالَ لَهُ الرَّجُلُ ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَجَبْتُكَ فَقَالَ الرَّجُلُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي سَأَلْتُكَ فَمَسَدٌ ذَعَلَيْكَ فِي الْمَسْأَلَةِ فَلَا حِجْدَ عَلَيَّ فِي نَفْسِكَ فَقَالَ سَلْ عَمَّا بَدَأَكَ فَقَالَ أَسْأَلُكَ بِرَبِّكَ وَ رَبِّ مَنْ قَبْلَكَ اللَّهُ أَزْ سَلَكَ إِلَى النَّاسِ كُلِّهِمْ فَقَالَ اللَّهُمَّ نَعَمْ قَالَ أَنْشُدْكَ بِاللَّهِ اللَّهُ أَمَرَكَ أَنْ نَصَلِّيَ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ فِي الْيَوْمِ وَ اللَّيْلَةِ قَالَ اللَّهُمَّ نَعَمْ قَالَ أَنْشُدْكَ بِاللَّهِ اللَّهُ أَمَرَكَ أَنْ تَصُومَ هَذَا الشَّهْرَ مِنَ السَّنَةِ قَالَ اللَّهُمَّ نَعَمْ قَالَ أَنْشُدْكَ بِاللَّهِ اللَّهُ أَمَرَكَ أَنْ تَأْخُذَ هَذِهِ الصَّدَقَةَ مِنْ أَغْنِيَانَا فَتَقْسِمَ بِهَا عَلَى فَقَرَانَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّهُمَّ نَعَمْ فَقَالَ الرَّجُلُ آمَنْتُ بِمَا جِئْتُ بِهِ وَ أَنَا رَسُولٌ مِنْ وَرَائِي مِنْ قَوْمِي وَ أَنَا ضِمَامٌ بَيْنَ ثَلَاثَةِ أَخَوَاتِي سَعْدِ بْنِ بَكْرٍ.

رَوَاهُ مُوسَى وَ عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ الْحَمِيدِ عَنْ سَلِيمَانَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَذَا.

حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ ثَنَا سَلِيمَانُ بْنُ الْمُغِيرَةِ قَالَ ثَنَا ثَابِتٌ عَنْ أَنَسٍ قَالَ لُهِينَا فِي الْقُرْآنِ أَنْ نَسْأَلَ النَّبِيَّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - وَ كَانَ يُعْجِبُنَا أَنْ يَجِيءَ الرَّجُلُ مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ الْعَاقِلِ فَيَسْأَلَهُ وَ نَحْنُ نَسْمَعُ، فَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ فَقَالَ أَنَا رَسُولُكَ فَأَخْبِرْنَا أَتُزْعَمُ أَنَّ اللَّهَ عَزَّ وَ جَلَّ أَرْسَلَكَ قَالَ صَدَقَ فَقَالَ: فَمَنْ خَلَقَ السَّمَاءَ؟ قَالَ: اللَّهُ عَزَّ وَ جَلَّ، قَالَ فَمَنْ خَلَقَ الْأَرْضَ وَ الْجِبَالَ؟ قَالَ: اللَّهُ عَزَّ وَ جَلَّ قَالَ فَمَنْ جَعَلَ فِيهَا الْمَنَافِعَ؟ قَالَ: اللَّهُ عَزَّ وَ جَلَّ، قَالَ فَبِالَّذِي خَلَقَ السَّمَاءَ وَ الْأَرْضَ وَ نَصَبَ الْجِبَالَ وَ جَعَلَ فِيهَا الْمَنَافِعَ اللَّهُ أَرْسَلَكَ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: قَالَ: زَعَمَ رَسُولُكَ أَنَّ عَلَيْنَا خَمْسَ صَلَوَاتٍ وَ زَكَاةٍ فِي أَمْوَالِنَا قَالَ: صَدَقَ، قَالَ: بِالَّذِي أَرْسَلَكَ اللَّهُ أَمَرَكَ بِهَذَا؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: زَعَمَ رَسُولُكَ أَنَّ عَلَيْنَا صَوْمَ شَهْرٍ فِي سَنَتِنَا، قَالَ: صَدَقَ، قَالَ: بِالَّذِي أَرْسَلَكَ اللَّهُ أَمَرَكَ بِهَذَا؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: زَعَمَ رَسُولُكَ أَنَّ عَلَيْنَا حَجَّ الْبَيْتِ مَنْ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا، قَالَ: صَدَقَ، قَالَ: فَبِالَّذِي أَرْسَلَكَ اللَّهُ أَمَرَكَ بِهَذَا؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَوَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَا أَرِيدُ عَلَيْهِنَّ شَيْئًا وَ لَا أَنْقُضَ فَقَالَ النَّبِيُّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -: إِنْ صَدَقَ لَيَدْخُلَنَّ الْجَنَّةَ.

ترجمہ: استاد کے سامنے پڑھنے اور سنانے کا بیان

حضرت حسن، ثوری اور امام مالکؒ نے قراءۃ کوجائز قرار دیا ہے اور بعض حضرات نے عالم پر قراءۃ کے بارے میں ضمام بن ثعلبہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ہم نماز پڑھیں؟

آپ نے فرمایاں پھر حرام نے اپنی قوم کو اس بات کی جا کر خیر دی اور انہوں نے اس کو جابر رکھا۔ امام مالکؒ نے کتاب کے ساتھ دلیل پڑی ہے جو قوم پر پڑھی جاتی ہے پھر وہ کہتے ہیں ”اشھدنا فلان“ ہمیں فلاں آدمی نے گواہ بنایا اور مقلد (استاذ) پر پڑھی جاتی ہے پھر پڑھنے والا (طالب) کہتا ہے مجھے فلاں نے پڑھایا اس سے معلوم ہوا یہ طریقہ درست ہے کہ شاگرد پڑھے اور استاد سن کر تصدیق کرے۔ حضرت حسنؒ کہتے ہیں عالم پر قرآن میں کوئی حرج نہیں۔ سفیانؒ کہتے ہیں جب محدث پر پڑھے تو کوئی حرج نہیں کہہ یوں کہہ حدیثی۔ امام مالکؒ اور سفیانؒ فرماتے ہیں عالم پر پڑھنا اور عالم کا پڑھنا دونوں برابر ہیں۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں اس اثنا میں کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے ایک آدمی اونٹ پر سوار داخل ہوا اور اس کو مسجد میں بٹھادیا پھر اس کے گھٹنے باندھ دیے۔ اور اس نے پوچھا تم میں محمد کون ہیں؟ (اس وقت آپ ﷺ ہمارے درمیان تکیہ لگائے بیٹھے تھے) ہم نے کہا یہ سفید آدمی جو تکیہ لگائے ہوئے ہے (یہ محمد ہیں)۔ پس آدمی نے آپ ﷺ سے کہا: اے ابن عبد المطلب! آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے تیری بات سن لی۔ آدمی نے کہا میں آپ ﷺ سے سوال کرتا ہوں اور سوال کرنے میں آپ پر سختی بھی کروں گا اس لئے دل میں مجھ پر غصہ نہ ہوتا۔

آپ ﷺ نے فرمایا: جو پوچھنا چاہتا ہے پوچھو۔ اس نے کہا میں آپ ﷺ کے رب کی اور ان لوگوں کے رب کی جو آپ سے پہلے تھے قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا اللہ نے آپ کو تمام لوگوں کی طرف بھیجا ہے؟ آپ نے فرمایاں۔ اس نے کہا میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ دن رات میں پانچ نمازیں پڑھیں آپ نے فرمایاں۔ اس نے کہا میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ سال کے اس مہینے (رمضان) میں روزے رکھیں آپ نے فرمایاں۔

اس آدمی نے کہا میں ایمان لایا اس چیز پر جس کو آپ لائے اور میں اپنی قوم کا جو میرے ورے ہے قاصد ہوں اور میں ضام بن ٹحلبہ ہوں بنو سعد بن بکر کا آدمی ہوں۔

موسیٰ اور علی بن عبد الحمید نے سلیمان سے انہوں نے ثابت سے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے یہی روایت کیا ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں قرآن کریم میں ہمیں رسول اللہ ﷺ سے سوال کرنے سے روک دیا گیا۔ اور ہمیں یہ بات بہت اچھی لگتی تھی کہ دیہات والوں میں سے کوئی مسجد را آدمی آئے اور آپ سے سوال کرے اور ہم نہیں۔ چنانچہ اہل بادیا میں سے ایک آدمی آیا اور کہا (حضور ﷺ) ہمارے پاس آپ کا قاصد آیا ہے اور اس نے ہمیں بتایا آپ کہتے ہیں اللہ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ آپ نے فرمایا اس نے سچ کہا۔ پھر اس آدمی نے کہا: آسمان کو کس نے پیدا کیا؟ آپ نے فرمایا اللہ نے اس نے کہا زمین اور پہاڑوں کو کس نے پیدا کیا؟ فرمایا اللہ نے اس نے کہا اس (زمین میں) منافع کس نے رکھے؟ فرمایا اللہ نے۔

اس نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آسمان زمین اور پہاڑوں کو پیدا کیا اور جس نے اس میں منافع رکھے کیا اللہ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟ آپ نے فرمایاں۔ پھر اس نے کہا آپ کا قاصد کہتا ہے کہ ہم پر پانچ نمازیں ہیں اور ہمارے مالوں میں زکوٰۃ ہے۔ آپ نے فرمایا اس نے سچ کہا۔ اس نے کہا آپ کی قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو رسول بنایا کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟ فرمایاں۔ اس نے کہا آپ کا قاصد کہتا ہے کہ ہم پر سال میں ایک مہینے کے روزے فرض

ہیں۔ آپ نے فرمایا اس نے سچ کہا۔ اس نے کہا قسم اس ذات کی جس نے آپ کو رسول بنایا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔

اس نے کہا قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا میں ان پر کسی چیز کی نذریاتی کروں گا نہ کی۔ آپ نے (اس کے جانے کے بعد) فرمایا کہ اگر یہ سچا ہے تو ضرور جنت میں داخل ہوگا۔

غرض و ربط

باب سابق میں ضمناً قراعت علی الشیخ کا بیان ہو چکا ہے اب اس باب میں اس کو مستقلاً علیحدہ بیان کیا جا رہا ہے تاکہ ان حضرات کا رد ہو جائے جو اس کو معتبر نہیں مانتے۔ امام بخاریؒ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ قراءۃ علی الشیخ یعنی طالب علم کا پڑھنا جائز ہے اگرچہ محدثین کے نزدیک شاگرد کا سننا اور استاذ محترم کا پڑھنا افضل ہے۔ فقہام کے نزدیک اس کے برعکس ہے۔ پہلے قرأت شیخ اور باب ہلد میں قرأت علی الشیخ ہے جو قلیل اعتماد ہے نیز باب سابق میں اعتبار و امتحان کا ذکر تھا۔ اب بعد از امتحان صلاحیت سامنے کے بعد پڑھنے کی اجازت ہے۔ (نصر الباری) امام بخاریؒ نے اس باب میں دو چیزیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) قراءۃ علی الشیخ یعنی شاگرد پڑھے اور استاذ سنے۔ احادیث باب سے یہی ثابت ہوتا ہے کیونکہ سوال کرنے والا اپنی بات کہتا جا رہا ہے اور آپ ﷺ نے نعم فرما کر تصدیق کر رہے ہیں تو یہ قراءۃ علی الشیخ ہے۔ امام بخاریؒ نے اس کو مستقلاً اس لئے ذکر فرمایا کہ سلف کی ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ قراءت علی الشیخ جائز نہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ احادیث بیان فرماتے تھے۔ حضرات صحابہؓ سنتے تھے لہذا محدث پڑھے اور شاگرد سنیں یہی سنت ہے۔ تو قراءت علی الشیخ اور عرض علی المحدث خلاف سنت ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔ تاہم اس کا جواب یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کے پاس نہ تو کتاب تھی نہ کوئی مجموعہ، ابتداء تعلیم تھی۔ اسلئے یہ لازم تو نہیں کہ طالب علم کا قراءت علی الشیخ یا عرض علی الشیخ ہی ناجائز ہو جائے۔

لیکن حضرت حسن بصریؒ، امام مالکؒ اور امام سفیان ثوریؒ کے نزدیک یہ جائز ہے۔ امام مالکؒ سے اگر کوئی کہتا کہ آپ ذرا سنائیے تو ناراض ہو جاتے کہ قرآن کریم اگر کوئی پڑھ کر سنائے تو تم تصدیق کرتے ہو تو حدیث کی کیوں تصدیق نہیں کرتے؟ تاہم کبھی کبھی خود بھی سناتے تھے۔ چنانچہ امام محمد بن حسن العقیلی طہیز اجل حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کو پندرہ سو احادیث خود پڑھ کر سنائیں۔ یہ ان کی خصوصیت ہے۔

عرض علی المحدث

امام بخاریؒ قراءت علی الشیخ اور عرض علی الشیخ کو مترادف سمجھتے ہیں مگر صحیح بات یہ ہے کہ استاذ اگر بغیر کتاب ضبط سے بیان کرے تو حدیث کو ترجیح دی جائیگی۔ اور اگر سامنے کتاب سے بیان ہو تو پھر عرض اور قراعت رائج ہے۔

حضرت شیخ الحدیثؒ فرماتے ہیں قراءت علی المحدث تو یہ ہے کہ شاگرد پڑھے استاذ نے۔ اور عرض علی المحدث یہ ہے ایک شاگرد پڑھے اور تمام شیخیں توجو شاگرد سن رہے ہیں ان پر عرض علی المحدث کا اطلاق ہوتا ہے۔

عرض اور قراءت میں فرق ہے یا نہیں؟

اس بارے میں آراء مختلف ہیں:- (۱) عند البعض لافرق۔

(۲) عند البعض فرق ہے۔ قراءت عام ہے اور عرض خاص ہے۔ قراءت یہ ہے کہ شاگرد پڑھے خواہ کتاب سے خواہ زبانی۔ خواہ زبانی پہلے سے سنی ہوئی ہو یا نہ۔ اور عرض یہ ہے کہ کتاب پیش کرے اور اجازت چاہے۔ بالصک:

صک سے استدلال اس طور پر ہے کہ معاملات، دینیات کی نسبت اہم ہیں اس لیے گواہی کی ضرورت معاملات میں پیش آتی ہے دینیات میں نہیں، روایت حدیث دینیت کے قبیل سے ہے۔ پس جب معاملات میں قرأت علی الشہود معتبر ہے تو قرأت علی المحدث کیوں معتبر نہیں؟ وہ بدرجہ اولیٰ معتبر ہونی چاہیے۔ (محضہ القاری ج ۱ ص ۳۲۰)

دوسری دلیل: دستاویز جو لکھی ہوتی ہے جس پر مہریں اور دستخط بھی ہوں۔ اگر یہ پڑھ کر شاہدین کو سنائی جائیں تو وہ کہتے ہیں اشهدنا فلان۔ قراءت علی المحدث کا خلاصہ بھی یہی ہے۔

دلیل ۳: ویقرأ علی المقرئ: قاری کو قرآن سنانے والا سنا تا ہے تو وہ نعم کہہ دیتے ہیں۔ یا غلطی کی اصلاح کرتے ہیں تو یہ کہا جاتا ہے کہ مجھے فلاں نے پڑھایا ہے۔ حالانکہ اس نے پڑھایا نہیں صرف اصلاح و تصحیح کی ہے۔ تو اسی طرح قراءت علی الشیخ یا عرض علی الشیخ میں بھی کہا جاسکتا ہے کہ مجھے فلاں نے بیان کیا۔

واحتج بعضهم: بعض کا مصداق عند البعض جمیدی ہیں جو امام بخاریؒ کے استاذ ہیں۔ اور عند البعض ابو سعید حدادی ہیں۔

تشریح حدیث

حدثنا عبد اللہ بن یوسف الخ:

ما کول اللحم کے بول و براز نجس ہیں یا نہیں؟

فاناخه فی المسجد:

بعض مالکیہ حضرات نے اس سے استدلال کیا ہے۔ ما کول اللحم کے بول و براز دونوں پاک ہیں۔ اس لئے کہ مسجد میں ناپاک چیز کا لانا جائز نہیں ہے۔ یہاں آپ ﷺ کے پاس آنے والا آپ کے سامنے مسجد میں اونٹ کو باندھ رہا ہے۔

جواب: استدلال درست نہیں۔ کیونکہ آپ ﷺ معاملہ مسجد کا یہ تھا کہ مسجد میں اگر کوئی تھوک بھی دیتا تو اس کو

حک و صاف فرماتے تھے زعفران ملے تھے۔ اظہار ناراضگی بھی فرماتے۔ جب تھوک جو حنفی علیہ پاک ہے تو بول و براز بالفرض پاک بھی ہوں تو اس کو مسجد کے اندر کیسے پسند فرماتے؟ اس لئے صحیح بات یہ ہے جو مجموعہ روایات سے سامنے آئی ہے وہ یہ کہ مسجد کے اندر (سجدہ گاہ) نہیں بٹھایا تھا۔ بلکہ مسجد کے بالکل متصل بٹھایا تھا۔۔۔ چنانچہ بعض روایات میں عند باب المسجد کا لفظ بھی آیا ہے۔ اور حضرت ابن عباسؓ کی وہ روایت جو مستدرک احمد میں ہے اس کے یہ الفاظ ہیں: **وَأَنَا خَبِيرٌ عَلَى بَابِ الْمَسْجِدِ لَمْ يَدْخُلِ الْمَسْجِدَ** اسی طرح امام بخاریؒ نے بخاری ص 335 میں صراحۃً ایک باب قائم فرمایا: **بَابُ مَنْ عَقَلَ بَعِيرٌ عَلَى الْبَلَاطِ أَوْ بَابِ الْمَسْجِدِ** اس سے معلوم ہوا اونٹ کو مسجد سے باہر بٹھایا گیا تھا۔

ری یہ بات کہ فی المسجد کا لفظ روایت میں کیوں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مسجد کے ساتھ ملحقہ جگہ جو مسجد کے متعلقہ کاموں کیلئے ہوتی ہے مثلاً وضو خانہ یا پارکنگ وغیرہ اس کو حجاز مسجد کہہ دیا جاتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے آپ سے پوچھا جائے کہاں سے آرہے ہو؟ آپ کہیں مسجد سے تو پوچھنے والا پوچھے کیا کرنے گئے تھے۔ آپ کہیں پیشاب کرنے گیا تھا۔ مالکیہ کی دلیل ثانی: آپ ﷺ نے اونٹنی پر طواف فرمایا۔ تو مسجد حرام میں اونٹنی لیکر گئے۔۔۔ جواب: یہ آپ ﷺ کی خصوصیت پر معمول ہے۔ آپ کی اونٹنی مسجد میں بول و براز نہیں کرتی تھی۔ آپ کی صحبت مبارکہ کا اثر تھا۔

سوال: **ایکم محمد:**

اس شخص نے نام لیکر پکارا۔ حالانکہ یا محمد کہنا تو صحیح نہیں۔

جواب ۱: **بدھ (اعرابی) تھا۔ حکم سے واقف نہیں تھا۔**

جواب ۲: **ندبالاسم کی ممانعت ابھی نہیں ہوئی تھی۔**

هَذَا الرَّجُلُ الْاَبْيَضُ الْمَتَكِيُّ:

ابيض سے خالی سفید رنگ نہیں بلکہ ایسی سفیدی جو سرئی کی طرف مائل ہو۔ چونکہ سفید رنگ کا غلبہ تھا اس لئے صرف الابيض کا ذکر فرمایا۔

سوال: آنے والے کو ضرورت سوال کیوں پیش آئی۔ حالانکہ آپ ﷺ کا تازہ باریں معنی تھے کہ صحابہ میں سے ابيض

اور متکی بھی تھے۔

جواب ۱: اگرچہ آپ ﷺ لگائے ہوئے تھے لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ اس طرح کھل مل کر بیٹھے تھے آنے

والا اس امتیاز کو نہیں پہچان سکتا تھا۔

جواب ۲: صحابہ کرامؓ بھی چونکہ بسا اوقات قطع میں آپ ﷺ کی مکمل مشابہت اختیار کرتے تھے اس لئے پہچان نہ سکے۔

جواب ۳: ہو سکتا ہے سائل کو شخص ہو گیا ہو لیکن تثبیت چاہتا ہو۔

جواب ۴: مسجد شریف میں آتے ہی انوارات کی بارش اس قدر ہوتی تھی کہ اس کے آثار صحابہ کرامؓ پر بھی آجاتے تھے تو

آنے والے کی آنکھیں کثرت نورانیت سے چندھیا جاتی تھیں اس لئے پوچھنا پڑتا تھا: **ایکم محمد؟**

بین ظہر انیہم:

ظہران؛ یہ ظہر کا شنیہ ہے۔ پھر ظہران شنیہ کو خلاف قیاس مفرد کے حکم میں قرار دیکر دوبارہ اس کے ساتھ شنیہ کی علامت لگادی تاکہ کثرت پیدا ہو جائے۔ اور یہ لفظ اس وقت استعمال ہوتا ہے جب مجمع کثیر ہو اور ایک دوسرے کو پیٹھ کئے ہوئے ہو۔ (ظہرانین بنا تو اضافت کی وجہ سے علامت شنیہ گرا دی ظہر انیہم ہو گیا)

یا ابن عبد المطلب:

دادا کی طرف نسبت اہل عرب کے ہاں محمود تھی۔ شاید یہ اس طرف اشارہ ہوگا کہ حضرت عبد المطلب نے فرمایا تھا نبی آئیں گے۔ خود آپ ﷺ نے غزوہ حنین کے موقع پر اپنے بارے میں فرمایا:

انا ابن عبد المطلب

انا النبی لا کذب

عند البعض چونکہ حضرت ضمامؓ نے یا رسول اللہ کی بجائے یا ابن عبد المطلب کہا، کافروں کے سوا اور کوئی نام نہیں لیتا تھا۔

قد اجبتک:

سوال: سائل نے ابھی سوال ہی نہیں کیا تو قد اجبتک کا کیا مطلب ہوا۔؟

جواب ۱: اجبتک بمعنی سمعتک یعنی میں نے تیری بات سمجھ، سن لی۔

جواب ۲: یہ مجاز پر محمول ہے۔ مطلب یہ ہے میں جواب دینے کیلئے تیار ہوں تم بات کرو۔

جواب ۳: اس میں کمال بلاغت ہے جواب دینے کیلئے انتہائی طور پر تیار ہوں اتنا تیار ہوں گویا جواب دے چکا ہوں۔

فمشدد علیک:

عام طور پر دیہات کے لوگ اور شہری پڑھ لکھے لوگوں کے کلام میں فرق ہوتا ہے۔ دیہاتی کالب و لہجہ راحت ہوتا ہے اس لئے اس نے پہلے معذرت کر لی۔ یا رسول اللہ! میری کلام میں کچھ سختی ہوگی آپ محسوس نہ فرمائیں گے۔ یا سختی سے مراد یہ ہے کہ سوالات اگر آپ کی شان کے خلاف بھی ہو جائیں۔ تو کمال لطافت کہ پہلے معذرت خواہی اختیار کرتے ہوئے ناگواری کے خوف سے بچنے کیلئے رکاوٹ ڈال دی۔

فلا تجد علی فی نفسک:

یہ لاف جلدما خوز ہے مؤجدہ (مصدر میخی) بمعنی غصہ ہونا۔ وجد یجد باب تو ایک ہے مگر اس کے مصادر بہت آتے ہیں۔ کبھی مصدر "موجود" ہوتا ہے بمعنی موجود ہونا۔ کبھی وجدان آتا ہے جس کے معنی لینے کے ہیں۔ کبھی وجد آتا ہے محبت کرنا۔ اور کبھی موجودہ بمعنی غصہ ہونے کے آتے ہیں۔ ساری بات کا حاصل یہ ہے کہ مصدر کے بدلنے سے معنی بدل جاتے ہیں۔ یہاں پر غصہ کے معنی میں ہے۔

ہمام بن ثعلبہ کا قول اتنا درسلک محل استدلال اس طور پر ہے کہ آپ ﷺ نے وفود صلح حدیبیہ کے بعد روانہ فرمائے... نیز ہمام طور پر وفود کی حاضری صلح حدیبیہ کے بعد ہوئی... اور ان کی قوم بنو سعد شوال المکرم ۸ھ بعد غزوہ حنین مسلمان ہوئی... اس لیے ان کی آمد سنۃ الوفود ۹ھ میں ہوئی۔ (کشف الباری ج ۳ ص ۱۶۲)

حضرت ہمام بن ثعلبہؓ نے اسالک ہربک و رب من قبلک اللہ ارسلک الی الناس کلہم... اس بھاری بھر کم قسم سے حضرت ہمام نفسیاتی طور پر اندازہ کرنا چاہتے تھے کہ اس قدر عظیم منصب کے لحاظ سے جھوٹا آدمی ثبات لسانی سے بات نہیں کر سکتا... لیکن صادق و صدوق ﷺ نے فرمایا اللہم نعم۔ (کشف الباری ج ۳ ص ۱۶۷)

اللہم نعم: اللہم اصل میں یا اللہ تھا۔ اس کا استعمال تین طریقوں سے ہوتا ہے۔

(۱) ندا کیلئے جیسے اللہم مالک الملک۔

(۲) بسا اوقات معنی کے عجیب ہونے کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ جیسے اللہم الا ان یکون۔

(۳) یا مطلب یہ ہوتا ہے اس جواب کو اتنا یقینی سمجھتا ہوں کہ اس جواب پر اللہ کو گواہینا تاہوں۔ یعنی تاکیدی کیلئے ہوتا ہے۔ اس جملہ سے قراءت علی الشیخ ثابت ہو گئی کہ جو وہ بولتا جا رہا ہے آپ ﷺ مدتی فرما رہے ہیں۔ ظاہر ہے آپ ﷺ کی بات کو اپنی طرف نسبت کرتے ہوئے اپنی قوم کو بتلائے گا کہ آپ ﷺ نے یہ کچھ بتلایا اسی کا نام قراءۃ علی الشیخ ہے۔

سوال: حج کا ذکر کیوں نہیں۔

جواب: اس وقت فرضیت حج نہیں ہوئی تھی۔

جواب ۲: اختصار راوی ہے۔ ورنہ بعض روایات میں حج کا ذکر ہے اور یہی صحیح جواب ہے۔

ورواہ موسیٰ و علی بن عبد الحمید الخ

یہ تطبیق ہے اس سے امام بخاریؒ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ حضرت انسؓ کی حدیث ثابت بنانی کے طریق سے بھی ہے۔

نہینا:

یہ وہی ہے جو قرآن کریم میں پ ع ۳ میں یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءٍ الْخ ہے مقصود اصل یہ تھا کہ بلا ضرورت سوال مت کرو۔ حضرات صحابہ کرامؓ غلبہ خوف سے ڈرتے تھے کہیں سوال نہ ہو جائے اس لئے متنی رہتے تھے کہ کوئی بدوائے لیکن ہو ذرا سمجھد کیونکہ بدوی غلطیاں آپ ﷺ داشت کر لیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے نہایت ختمہ پیشانی سے جواب دیئے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا: ایسا کوئی سائل نہیں دیکھا کہ ضروری اور مفید باتیں اتنے مختصر وقت میں دریافت کرے۔

فائدہ: حدیث میں زعم اور تزعم کا متعدد بار ذکر آیا ہے۔ امام سیوطیؒ فرماتے ہیں اس کو بہت سی جگہ قال کے معنی میں لیا گیا ہے۔ اور یہاں پر بھی قال کے معنی میں ہے۔

فمن جعل فيها المنافع:

فیہا کی ضمیر یا زمین کی طرف راجع ہے یا پہاڑوں کی طرف۔ اگر پہاڑوں کی طرف راجع ہے تو مطلب یہ ہے کہ پہاڑوں میں مختلف قسم کے منافع کی مختلف چیزیں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً پھل، بوٹیاں، چراؤ وغیرہ۔ بڑی چیز یہ ہے کہ وہاں پر برف پھل کر دریاؤں کی شکل بنتی ہے۔ تو پہاڑوں میں بھی نفع کی چیزیں ہیں۔

انا ضمّام بن ثعلبہ:

سوال: یہ شخص مومن تھا یا اب ایمان لایا۔

جواب یہ ہے کہ دو روایتیں ہیں۔ ۱: اب ایمان لایا مومن نہ تھا۔ ۲: محققین کے ہاں امنت بما جنت بہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ پہلے مومن تھے۔ یہ الفاظ تجدید ایمان کیلئے ہیں۔ کیونکہ صیغہ ماضی ہے امنت۔

بعد والی روایت میں فوالذی بعثک بالحق سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ پہلے سے یہ ایمان لائے ہوئے تھے اور امنت اخبار و تاکید کیلئے ہے۔ نیز امام بخاری کا عرض علی الحدیث کے مسئلہ کیلئے استدلال کرنا بھی اسی طرف مشعر ہے۔ (درس بخاری 346)

ضمّام بن ثعلبہ کے مومن ہونے کا سب سے بڑا قرینہ یہ ہے کہ انہوں نے توحید کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا اور نہ ہی آپ ﷺ سے طلب معجزہ کیا... بلکہ تمام تر سوالات تعیم الرسالۃ اور ارکان اسلام سے متعلق ہیں... کافر کی قرأت بالاتفاق معتبر نہیں۔ (فضل الباری ج ۱ ص ۵۷۹)

نیز عند البعض ان تاخذ هذه الصدقة من اغنيائنا ان الخ اغنياء مسلمانوں سے زکوٰۃ لے کر فقراء مسلمانوں میں خرچ ہو سکتی ہے۔ جس کا یہ قرینہ ہے کہ مسلمان ہو چکے تھے۔ (انعام الباری ج ۲ ص ۵۹)

دلائل کا جواب:

امنت بما جنت بہ یہ کلمات انشاء ایمان کے لیے نہیں بلکہ اخبار بالایمان کے لیے ہیں کہ میں ایمان لا چکا ہوں... جہاں تک اس کا طرز خطاب ہے تو ابتداء اسلام میں اسلامی اور شہری آداب سے واقف نہیں تھے۔ انعام ج ۲ ص ۶۰

سوال: ضمّام بن ثعلبہ کب آئے؟ جواب: اس میں دو قول ہیں۔

(۱) علامہ واقدی فرماتے ہیں یہ پانچ ہجری کو آئے۔

(۲) ابن اسحاق کہتے ہیں کہ ۹ھ میں آئے۔

علامہ ابن حجرؒ نے ابن اسحاق کی رائے کو ترجیح دی ہے۔ اور وجہ ترجیح بھی بیان کی ہیں۔ ۱: انہی سوال ۷ھ میں ہوئی۔ جس کا حدیث شریف میں ذکر آیا ہے۔ ۲: یہ اس وقت آئے جب حج فرض ہو چکا تھا اور حج سنہ ۹ھ میں فرض ہوا۔ لہذا پانچ ہجری والی رائے مرجوح ہے۔

۳: یہ واقعہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی مروی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں: دخل علينا خمام بن ثعلبة
 الخ جبکہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ ۸ھ کے بعد ہی مسلمان ہوئے ہیں۔ اور مکہ مکرمہ سے اپنے والد کے ساتھ آنے کے بعد کا واقعہ
 ہل فرما رہے ہیں۔ لہذا حافظ ابن حجرؒ نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ خمام بن ثعلبہ کی آمد ۹ھ میں ہے۔

07 باب مَا يَذْكُرُ فِي الْمَنَاوِلَةِ

وَكِتَابِ أَهْلِ الْعِلْمِ بِالْعِلْمِ إِلَى الْبُلْدَانِ

وَقَالَ أَنَسُ نَسَخَ عُثْمَانُ الْمَصَاحِفَ فَهَبَتْ بِهَا إِلَى الْأَفَاقِ وَرَأَى عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ وَيَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ وَمَالِكُ ذَلِكَ
 جَائِزًا وَاحْتَجَّ بَعْضُ أَهْلِ الْحِجَازِ فِي الْمَنَاوِلِ لِلْبَحْدِثِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيْثُ كَتَبَ لِأَمِيرِ الشَّرِيَةِ كِتَابًا وَقَالَ
 لَا تَقْرَأْهُ حَتَّى تَبْلُغَ مَكَانَ كَذَا وَكَذَا فَلَمْ يَبْلُغْ ذَلِكَ الْمَكَانَ قَرَأَهُ عَلَى النَّاسِ وَأَخْبَرَهُمْ بِأَمْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.
 حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو إِدْرِيسٍ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحٍ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ غُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ
 بْنِ عُثْمَةَ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ بِكِتَابِهِ رَجُلًا وَأَمَرَهُ أَنْ
 يَذْفَعَهُ إِلَى عَظِيمِ الْبَحْرَيْنِ فَلَدَفَهُ عَظِيمُ الْبَحْرَيْنِ إِلَى كِسْرَى فَلَمَّا قَرَأَ أَمَرَ قُرَّةً فَحَسِبَتْ أَنَّ ابْنَ الْمَسَيِّبِ قَالَ لَدَعَا
 عَلَيْهِمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَمُزَّ قُوا كُلَّ مَمَزَةٍ.

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَبُو الْحَسَنِ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَتَبَ
 النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كِتَابًا أَوْ أَدَّ أَنْ يَكْتُبَ فَقِيلَ لَهَا إِنَّهُمْ لَا يَقْرَءُونَ كِتَابًا إِلَّا مَخْطُومًا فَقَالَ خَاتَمًا مِنْ لُطْفِهِ
 نَقَشْتُ حَمْدَ رَسُولِ اللَّهِ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى بَيَاضِهِ فِي يَدِهِ فَقُلْتُ لِقَتَادَةَ مَنْ قَالَ نَقَشْتُ حَمْدَ رَسُولِ اللَّهِ قَالَ أَنَسُ.

ترجمہ: یہ باب ہے اس چیز کے بیان میں جو ذکر کی جاتی ہے

لینے دینے میں اور اہل علم کے علم کو لکھنے میں شہروں کی طرف

حضرت انسؓ فرماتے ہیں حضرت عثمانؓ نے مصاحف نقل کئے اور ان کو آفاق کی طرف بھیج دیا۔ اور جائز سمجھا ہے اس کو
 حضرت ابن عمرؓ بھی بن سعید اور امام مالکؒ نے اور بعض اہل حجاز نے مناولہ کے بارے میں حضور ﷺ اس حدیث سے
 استدلال کیا ہے کہ آپ ﷺ نے امیر سریرہ کو ایک خط لکھ کر دیا اور فرمایا اس کو نہ پڑھنا حتیٰ کہ فلاں جگہ تک پہنچ جائے (پھر
 پڑھنا) جب وہ امیر اس جگہ تک پہنچا تو وہ خط لوگوں کے سامنے پڑھا اور ان کو آپ ﷺ کے حکم کی خبر دی۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا خط دے کر ایک آدمی کو بھیجا اور اس کو حکم دیا کہ یہ خط سردار بحرین
 کے حوالے کر دے۔ حاکم بحرین نے وہ خط کسری کو بھیج دیا۔ جب کسریؒ نے اس کو پڑھا تو اس کو کھڑے کھڑے کر دیا۔

(زہریؒ) کہتے ہیں میرا خیال یہ ہے سعید بن مسیبؒ نے یہ بھی کہا تھا کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے ان (اہل کسریٰ) پر بددعا کی کہ ان کو مکمل طور پر کڑے کڑے کر دیا جائے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں حضور ﷺ نے ایک خط لکھا یا لکھنے کا ارادہ فرمایا آپ سے عرض کیا گیا کہ وہ لوگ بغیر مہر کے خط نہیں پڑھتے تو آپ ﷺ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی جس کا نقش تھا محمد رسول اللہ۔ گویا کہ میں اب بھی اس کی سفیدی آپ کے دست مبارک میں دیکھ رہا ہوں۔

(شعبہ کہتے ہیں) میں نے قنادہ سے کہا یہ کس نے کہا تھا نقشبہ محمد رسول اللہ تو قنادہؓ نے کہا کہ حضرت انسؓ نے۔

ربط ۱: گذشتہ باب میں ابلاغ بالقول تھا اس باب میں باختریر ابلاغ کا حکم ہے۔

ربط ۲: آپ ﷺ نے عبد اللہ بن حذافہ السہمیؓ کو مکتوب دے کر ارشاد فرمایا عظیم البحرین کو یہ بتادیں کہ یہ مکتوب رسول اللہ ﷺ ہے... حالانکہ حضرت السہمیؓ نے نہ اس کو پڑھا نہ اس کو سنا بھی مناولہ ہے۔

ربط ۳: مکاتبت کا مرتبہ مشافہت سے کسی صورت بھی کم نہیں ہوتا نہ تو آپ ﷺ کا ثبت نہ فرماتے۔ (فضل بخاری ج ۱ ص ۵۸۳) غرض ترجمہ: اس باب میں امام بخاریؒ نے دو مسائل بیان فرمائے ہیں۔ ۱: مناولہ۔ ۲: مکاتبت۔ عند البخاریؒ دونوں برابر ہیں لا فرق بینہما۔

تاہم معمولی سافرق ہے۔ مناولہ کا اصل معنی آپس میں لینے دینے کا ہے۔ جبکہ اصطلاحی معنی یہ ہے کہ ایک شخص کسی محدث کی خدمت میں جائے وہ اپنی روایات کا مجموعہ اٹھا کر اس کو دیدیتا ہے۔ ۲: مکاتبت کا معنی لکھنے کے ہیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ شیخ کسی کے پاس اپنی مرویات لکھ کر بھیج دے۔۔۔ مناولہ میں شاگرد سامنے ہوتا ہے مکاتبت میں نہیں ہوتا۔۔۔ پھر امام بخاریؒ نے لفظ ”کتاب“ لکھ کر اسمیں عموم پیدا کر دیا۔ اس لئے کہ آپ ﷺ سے جتنا مکاتبت واضح ہے اتنا مناولہ نہیں ہے۔ حضرت شیخ الحدیث نے ابواب البخاری کے سلسلہ میں قیمتی بات ارشاد فرمائی بار بار اس کی ضرورت پیش آئے گی اس کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ امام بخاریؒ بھی ایک باب قائم فرماتے ہیں پھر وہ تنگی محسوس کرتے ہیں پس باب بڑھا دیتے ہیں کیونکہ جو بات بڑھائی ہے اس کے دلائل احادیث میں ہیں اور پہلی بات کے دلائل نہیں ہیں جب دوسرے جز کو دلائل سے ثابت کریں گے تو پہلا جز خود بخود ثابت ہو جائے گا (تحفۃ البخاری ج ۱ ص ۳۲۵)

اقسام مناولہ:

اس کی دو قسمیں ہیں۔

- (۱) مقرون بالا جازۃ: اپنی مرویات کا مجموعہ دینے کے بعد یہ بھی شیخ فرمادے میں اس کی روایت کی اجازت دیتا ہوں۔۔۔ اس صورت میں طالب علم حدیثنا اور اخبرنا کہہ کر روایت کر سکتا ہے۔
- (۲) غیر مقرون بالا جازۃ۔۔۔ اس کی پھر آگے دو صورتیں ہیں۔

۱: اعطائے مرویات کے بعد سکوت اختیار کر لیا۔ ۲: بالفعل روایت سے منع کر دیا ہو۔ بصورت سکوت دورائے ہیں۔
۱: اخیر ناو حدثنا سے روایت جائز ہے۔ ۲: عند بعض جائز نہیں۔ لیکن جمہور جواز کے قائل ہیں۔

مرویات دینے کا مقصد اجازت بالروایت ہے۔ الایہ کہ صراحۃً منع فرمادیں۔ مکاتبہ کے احکام و اقسام مناولہ ہی کی طرح ہیں۔ اس باب میں امام بخاریؒ مناولہ اور مکاتبہ کی قسم اول یعنی مقرون بالاجازۃ کا حکم بیان فرمانا چاہتے ہیں۔ اس بارے میں اختلاف ہے کہ دونوں برابر ہیں یا ان کے حکم میں کوئی فرق ہے۔ نیز ایک راجح دوسرا خیر راجح ہے۔ امام بخاریؒ کے نزدیک دونوں برابر ہیں۔ لیکن عند بعض مناولہ راجح ہے۔

نسخ عثمان رضی اللہ عنہ مصاحف فبعث الی الآفاق:

اس سے معلوم ہوتا ہے مکاتبہ جائز ہے۔ سیدنا عثمانؓ نے پانچ یا سات نسخے بنوا کر مختلف علاقوں میں بھیجے تھے۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ سب نے اسے معتبر قرار دیکر پڑھا پڑھایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مکاتبہ معتبر ہے۔ اسی سے معلوم ہوا کہ مناولہ بطریق اولیٰ معتبر ہے۔ کیونکہ مکاتبہ میں مکتوب الیہ سامنے نہیں پھر بھی معتبر ہے تو مناولہ میں مرویات لینے والا سامنے ہوتا ہے۔ حضرت حفصہؓ کے پاس دور صدیقی کے جمع شدہ نسخ کے مطابق جولفت قریش پر ترتیب نزولی پر تھا رسم الخط کی تعیین کے ساتھ مع اختلاف الاقوال چار پانچ نسخے لکھوائے تھے۔ (فضل لباری ج ۱ ص ۵۸۲)

(ترتیب قرآنی میں اختلاف کا سبب یہ تھا ترتیب نزولی، ترتیب لوح محفوظ یا کچھ حضرات نے حاشیہ میں تفسیری کلمات لکھے ہوئے تھے۔ حنفی ج ۱ ص ۳۲۷)

دلیل ثانی: حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی بن سعیدؒ امام مالکؒ نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔

بعض اہل الحجاز: اس سے مراد اساتذہ امام بخاریؒ حضرت حمیدی ہیں۔

مناولہ کے جواز کی دلیل

کتاب لامیر السریۃ کتاباً:

آپ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن جحشؓ کو بطن مغلہ کی طرف احوال قریش کی تفتیش کیلئے بھیجا تھا اور ان کو ایک خط دیا اور ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جب مدینہ طیبہ سے تم دو منزل دور ہو جاؤ تو یہ خط کھول کر اپنی جماعت کو سنا دینا۔ تاکہ منافقین کو پتہ نہ چلے۔ چنانچہ انہوں نے حسب الحکم خط پڑھ کر سنایا سب صحابہؓ نے اس کو صحیح تسلیم کیا ابھی مناولہ ہے اور جواز بھی معلوم ہوا۔

جماعت کے امیر حضرت عبدالرحمن بن جحشؓ جو حضرت زینب بنت جحشؓ کے چھوٹے بھائی تھے۔ دھڑکی مسافت کے بعد حسب امر پڑھا گیا تو پہلی تہی کہ مقام غلہ پر حوطاف ہلکا ہلکا کر کے میدان واقع ہے قیام کریں قریش کی جاسوسی کر کے مرکز سداط میں رہیں میرا قصد اس سے پہلے جمادی الثانی ۲ھ تک ہے (کہا کہ جنگ بدر کی تیاری میں تھے) ۱۲ شراکھا جبرین تھے۔ (فضل لباری ج ۱ ص ۵۸۳)

حضرت امام بخاری نے اس مناولہ کا اثبات کیا ہے۔۔۔ لیکن یہ صورت اصطلاحی مناولہ کی نہیں۔۔۔ کیونکہ سلسلہ روایت نہیں بلکہ ایک تحریر مبارک کی عنایت تھی نہ پڑھ کر سنائی نہ ہی مضمون بتایا، اس لیے یہ مناولہ مقرون بالاجازۃ کی صورت ہوگی اسی میں مکاتبہ کے معنی بھی پائے جاتے ہیں۔۔۔ (یاد رہے کہ اصطلاحات موجودہ کا تعلق دور نبوت سے نہیں) [خضل الباری ج ۱ ص ۵۸۳]

تشریح حدیث

حدثنا اسمعيل بن عبد الله الخ

عظیم البحرین: اس کا مندرجہ ساوی نام تھلہ کسریٰ کی طرف سے گورنر تھا۔۔۔ اس دور میں بلا واسطہ خط وصول نہیں کیا جاتا تھا۔

مکتوب نبوی ﷺ بنام کسریٰ:

یہ 'ک' کے فتح اور کسرہ دونوں کے ساتھ جائز ہے۔ مگر کسرہ کے ساتھ (کسریٰ) فصیح ہے۔

کسریٰ یہ خسر و کا معرب ہے اس کا نام پرویز بن ہرمز بن نوشیرواں تھا۔ ایران کے ہر بادشاہ کا لقب کسریٰ یا خسر ہوتا تھا۔ خط لے جانے والے حضرت عبداللہ بن حذافہ تھے۔ جب اس کے پاس والا نامہ پہنچا تو دیکھتے ہی اس کو آگ لگ گئی کہ آپ ﷺ نے اپنا نام پہلے کیوں لکھا۔؟ چنانچہ اس نے وہ خط پھاڑ دیا۔۔۔ وہ خط کاغذ پر نہیں تھا۔ اس دور میں چمڑے یا میدے کے اوپر جھلی ہوتی ہے تو اس کو خشک کر کے بطور کاغذ استعمال کرتے تھے۔ اول اول یہ منکر حدیث ہوا۔

بہر حال خط پھاڑنے کے بعد قاصد بھی باہر کال دیا گیا۔ تاہم یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے اور معجزہ نبوت ہے کہ وہ خط پچھلی صدی میں (۱۴۰ھ) میں پروفیسر حمید اللہ صاحب جو فرانس میں رہتے تھے نے حاصل کیا اور ہر طرح کی تحقیق و اعتماد کے بعد شائع کیا۔ اب کسی ملک کے عجائب گھر میں موجود ہے۔ لیکن اس کی نقول علمی کتب اور عام مارکیٹ میں اس کی تصویر دستیاب ہے۔

پروفیسر صاحب نے اس کے ملنے کی پوری تفصیل لکھی ہے کہ ایک عیسائی اپنے آباء و اجداد کی یادداشتیں اپنے گھر میں دیکھ رہا تھا تو اسے یہ خط مل گیا۔ جب اہل علم کو دکھایا تو پتہ چلا یہ آپ ﷺ ہی خط ہے۔ بہر حال آپ ﷺ نبوت کا کرشمہ و معجزہ ہے کہ خط کا پھاڑنے والا نہر البتہ وہ خط پھٹنے کے باوجود محمد اللہ اب بھی موجود ہے۔ اس سے ثابت ہوا مکتبہ حجت ہے۔

فدعا علیہم: آپ ﷺ یہ دعاء بد تھی کہ اس کی مملکت تمزین کا شکار ہوئی یعنی ایسے ٹکڑے ٹکڑے ہوئی کہ آگے اس کی تقسیم بھی نہ ہو سکے۔ یہ دعاء بد کسریٰ کے حق میں قبول ہوئی اور اس کی تکمیل کی صورت یہ بنی کہ اس کا بیٹا شیرواں کسریٰ کی بیوی یعنی باپ کی بیوی شیریں پر عاشق ہو گیا۔ باپ پرویز کو جب اس کی بیگی اور باپ کے ارادۂ قتل کا علم ہوا تو اس نے اس سے انتقام لینے کیلئے اپنے مکر خاص میں ایک شیشی میں زہر بھر کر اس کے اوپر لکھا "مقوی باہ معجون" کہ جب یہ کھائے گا تو مر جائے گا۔ چنانچہ اس نے باپ کو راستہ سے ہٹانے کیلئے قتل کیا اور جب شیریں نے شوہر کا قتل سنا تو اس نے خود کشی کر لی اسے "مقوی باہ" کھایا وہ بھی زہر سے مر گیا تو یہ خاندان راہ عدم کو سدھار گیا۔

پھر اس کے بعد وہاں کے لوگوں نے پرویز کی بیٹی کو اپنا بادشاہ بنا لیا جب آپ ﷺ اس بات کا علم ہوا تو ارشاد فرمایا: وہ قوم کبھی فلاح نہیں پاسکتی جس کی سربراہ عورت ہو۔ بالآخر حضرت عمرؓ کے دور حکومت میں اس سپر پاور کا بالکل ہی نام و نشان ختم ہو گیا۔ اور نمونہ عبرت بن گیا۔

ع اجل نے نہ کسریٰ ہی چھوڑا نہ دارا اذاہلک کسریٰ فلا کسریٰ بعدہ

کسریٰ تین واقعات سے بوکھلایا ہوا تھا والا نامہ سے پہلے ایک ہزار سال جلنے والا آتش کدہ اچانک بجھ گیا جو ان کے اعتبار سے بڑی محنت تھی، دو خواب ایک خواب جو بادشاہ نے دیکھا کہ اس کے محل کی چودہ برجیاں گر پڑیں دوسرا خواب جو باذان نے دیکھا تھا کہ عرب کی طرف سے اونٹ آرہے تھے اور وہ ایران کے گھوڑوں کو روندتے جا رہے ہیں نیز دریائے دجلہ سے پار ہو کر تمام ممالک میں پھیل گئے۔ اس دوران آپ ﷺ والا نامہ پھاڑتے ہی اس کا زوال شروع ہو گیا برجیوں کے گرنے کی تعبیر یہ تھی کہ دوسلوں تک ان کی حکومت رہے گی چنانچہ دور عثمانی میں ایران فتح ہو گیا۔ (حفۃ البخاری ج ۱ ص ۳۲۸)

خسر پرویز کا بیٹا شیرویہ چھ ماہ تک زندہ رہا اس دوران بلا شرکت غیرے حکومت کرنے کے نشے میں خاندان کے سب مرد تہ تیغ کر دیئے اس لیے خاندان کی ایک لڑکی بوران کو تخت پر بٹھایا گیا۔ اس تناظر میں ارشاد نبی ﷺ لن یفلح قوم ولوا امرہم امرأة عند الطبرانی اس کی ایک بہن آزر میدخت نے بھی کچھ عرصہ حکومت کی۔ (کشف الباری ج ۳ ص ۲۰۵)

نقشہ محمد رسول اللہ:

محمد نیچے رسول درمیان میں اور لفظ اللہ اوپر۔ اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت کیلئے چار ماشے سے کچھ اوپر کی چاندی کی انگشتی جائز ہے۔ پھر مہر پر اپنا نام لکھنا بھی ضروری نہیں۔ کوئی بھی علامت مقرر کر سکتا ہے۔ آپ ﷺ نے انگلی ۶ عند البعض اور ابن سید الناس کے نزدیک جزماً میں بنوائی انگلی بنانے والے یعلیٰ بن امیہ ہیں۔

روایت سے مقصود:

اس سے مکاتبت ثابت ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کو خط لکھتے تو وہ اس کے حق میں حجت ہوتا۔ نیز یہ مقصود ہے جو بعض حضرات استدلال کرتے ہیں کہ حدیث میں مکاتبت اس وقت حجت ہوتی ہے جب لکھنے والا اس پر اپنی مہر لگائے۔ اگر مہر ہی نہیں تو کوئی حجت نہیں۔ یقین کا ذریعہ کوئی نہیں۔

امام بخاریؒ اس باب کو کتاب العلم کے باب میں ذکر کر کے فرمانا چاہتے ہیں۔ اس روایت میں حصول اعتماد کے سلسلہ میں اگرچہ مہر کا ذکر ہے لیکن مہر فی نفسہ مقصود نہیں بلکہ ایک ذریعہ توثیق ہے کہ یہ روایات فلاں شیخ کا مجموعہ ہے اگر یہی مقصد کسی بھی اور ذریعہ سے حاصل ہو جائے۔ مکتوب البیہ خط پہچانتا ہے یا قاصد گواہی دیتا ہے کہ اس کے سامنے یہ خط لکھا گیا ہے یا کسی بھی اور ذریعہ سے تو مکتوب البیہ کو اس کا روایت کرنا جائز ہو گیا۔

وجادہ کی تعریف و حکم:

یہاں تک جتنے طرق حدیث آئے ہیں: حدثنا، انبانا، اخبرنا پھر مکاتبت و مناوہ جو طریقے ہیں یہ سب فی الجملہ مقبول ہیں۔ البتہ ایک طریقہ ایسا ہے جس کو تمام محدثین نے رد کیا وہ ”وجادہ“ ہے۔ وجادہ کہتے ہیں کوئی مجموعہ روایات مل جائے لکھنے والے کی طرف سے اجازت نہیں۔ نہ اس نے لکھ کر دیا نہ اجازت دی۔ بس ایک تحریری مجموعہ مل گیا۔ اس کو وجادہ کہتے ہیں۔ تمام محدثین کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ وجادہ کی تمام روایات مردود ہیں۔ اس کی کوئی حیثیت و قیمت نہیں۔

فائدہ: یہی وجہ ہے عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند جو آپ اکثر و بیشتر دیگر کتب میں دیکھتے ہیں وہ بخاری میں نہیں۔ بعض محدثین کرام نے وہ روایات رد کی ہیں۔ کہ درحقیقت شعیب اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے صحیفے سے روایت کرتے تھے اور یہ صحیفہ ان کو بطور وجادہ مل گیا تھا۔ ان کے دادا نے ان کو از خود نہیں دیا تھا۔ اور نہ اجازت دی تھی۔ صحیفہ مل گیا اور عن سے روایت کر دی۔ اس لئے یہ عمرو بن شعیب والا طریق قبول نہیں کرتے۔

البتہ جو حضرات قبول کرتے ہیں وہ کہتے ہیں حضرت شعیب جو اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں وہ دائماً اسی صحیفہ سے نہیں کرتے بلکہ شعیب نے اپنے دادا سے سماع بھی کیا ہے۔ لہذا اس طریق کو بالکل رد نہیں کیا جاسکتا۔ بہر حال اس میں کلام نہیں جب کسی مجموعہ کا وجادہ ہونا ثابت ہو جائے تو وہ قابل حجت نہیں ہے۔

وجادہ کی سطح پر کچھ مخطوطات مستشرقین یا حکومتوں کے پاس ہیں وہ شائع کر دیں تو ان کی توثیق و تائید نہیں کی جاسکتی جب تک ان کی تائید پہلی متداول کتب سے نہ ہو۔ (احامہ ج ۲ ص ۷۲)

08 باب مَنْ قَعَدَ حَيْثُ يَنْتَهِي بِهِ الْمَجْلِسُ

وَمَنْ رَأَى فُرْجَةً فِي الْحَلْقَةِ فَجَلَسَ فِيهَا

حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ أَنَّ أَبَا مَرْزُوقٍ مَوْلَى عَقِيلِ بْنِ أَبِي طَالِبٍ أَخْبَرَهُ عَنْ أَبِي وَاقِدٍ اللَّيْثِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْتَغِي جَالِسَ فِي الْمَسْجِدِ وَالنَّاسُ مَعَهُ إِذْ أَقْبَلَ ثَلَاثَةُ ثَفَرٍ فَأَقْبَلَ الثَّانِي إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذَهَبَ وَاجِدًا قَالَ فَوَقَّعَا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَّا أَحَدُهُمَا فَرَأَى فُرْجَةً فِي الْحَلْقَةِ فَجَلَسَ فِيهَا وَأَمَّا الْآخَرُ فَجَلَسَ خَلْفَهُمْ وَأَمَّا الثَّالِثُ فَادْبَرَ ذَاهِبًا فَلَمَّا فَرَغَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَلَا أَخْبِرُكُمْ عَنْ الثَّفَرِ الثَّلَاثَةِ أَمَّا أَحَدُهُمْ فَأَوَى إِلَى اللَّهِ فَأَوَى اللَّهُ وَأَمَّا الْآخَرُ فَاسْتَحْيَا فَاسْتَحْيَا اللَّهُ وَمَنْزَعُ الْآخَرُ فَأَعْرَضَ فَأَعْرَضَ اللَّهُ عَنْهُ

ترجمہ: اس شخص کا بیان مجلس کے اخیر میں بیٹھے اور حلقہ میں جگہ پا کر اس میں بیٹھ جائے ابو واقد لیشیؓ سے روایت ہے بے شک نبی کریم ﷺ مرتبہ مسجد میں تشریف فرما تھے اور لوگ آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ اتنے میں تین آدمی باہر سے گذرتے ہوئے آئے ان میں سے دو حضور کی طرف آگئے اور ایک چلا گیا۔ وہ دونوں آپ کی مجلس کے پاس کھڑے ہو گئے ان میں سے ایک نے حلقہ میں تھوڑی سی خالی جگہ دیکھی وہ وہاں بیٹھ گیا، دوسرا لوگوں کے پیچھے بیٹھا اور تیسرا پیٹھ مڑ کر چل دیا۔ جب رسول اللہ فارغ ہوئے تو ارشاد فرمایا میں تمہیں تینوں کے حالات کی خبر دوں ایک نے اللہ کی پناہ لی اسے اللہ نے پناہ دی۔ دوسرے کو حیا آئی تو اللہ نے بھی اس سے حیا کی تیسرے نے اعراض کیا تو اللہ نے بھی اس سے اعراض کیا۔

رابطہ: امام بخاریؒ نے پہلے باب میں مناولہ کا ذکر فرمایا ہے جو مجلس علم میں ہوتا ہے اب اس باب میں مجلس علم میں بیٹھنے کا طریق بتا دیا۔ مجلس علم و ذکر خطبہ سب کا ایک ہی حکم ہے۔ جب وہاں پہنچو تو اعراض نہ کرو جہاں جگہ مل جائے بیٹھ جاؤ۔ اگر کہیں خلا ہو تو وہاں جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ گردن کا پھلا اٹکنا نہ ہو۔

تشریح حدیث

حلقہ درس میں آنے والے اصحاب ثلاثہ

اما احدهما فاوى الى الله: ایک اللہ کی طرف جھکا تو اللہ نے بھی اس کو جگہ دیدی ثواب بھی عطا فرمایا۔

واما الآخر فاستحبى: دو مطلب ہیں۔

حیا اختیار کی، کوشش کر کے آگے نہیں بڑھا پیچھے بیٹھ گیا تو اللہ نے بھی حیا کی یعنی اس کو حیا کا بدلہ دے کا یعنی ثواب۔

یابہ مطلب ہے کہ دوسرے نے حیا کی یعنی وہ تیسرے کے ساتھ چلا گیا۔ لیکن جلد ہی واپس آ گیا اس مجلس سے جاتے

ہوئے حیا آئی۔ تو مخائب اللہ اس کا بدلہ ثواب ملے گا۔

واما الآخر فاعرض: تیسرا شخص چلا گیا۔ اعراض کیا تو اللہ نے بذریعہ ثواب اعراض فرمایا۔ گویا عہد کر دیا گیا۔

ترغیب ہے۔ علمی مجالس میں آداب کی رعایت کے ساتھ شمولیت کرو اعراض نہ کرو۔ جو شخص مجلس علم کو برا سمجھتے ہوئے

اعراض کر کے جائے یہ تو گناہ ہے۔ اگر برا نہیں سمجھتا بد شوقی کی وجہ سے اعراض کیا تو اگرچہ گناہ کار نہیں لیکن پھر بھی انوار

وبرکات سے محروم ہے۔ اور اگر وہ حذر کی وجہ سے محروم رہے تو وہ ان شاء اللہ برکات سے محروم نہیں۔ اسی تناظر میں طلباء کرام

اپنی حاضری محل درس، طریق آمد، طبعی لگاؤ، حذر لنگ اور حذر حقیقی کا فرق خود کر سکتے ہیں۔ اسی پر مخائب اللہ تین وعدوں کا

ترتب ہے۔ اسی لئے اگر ایسی مجلس سے کسی دینی ذمہ داری کی وجہ سے جائے تو وہ باعث ثواب بھی ہے۔

حلقہ درس سے معرض عنہ بعض منافق تھا اعراض خداوندی اسکی دلیل ہے۔ لیکن بات دلیل سے ثابت نہیں۔

تاہم یہ سوال ہے کہ ایک شخص چلا جائے ہو سکتا ہے کوئی ضرورت ہو اسے اعراض کرنے والا کیسے کہہ دیں گے؟
آپ ﷺ نے بذریعہ وحی معلوم ہونے کے بعد اسے معرض قرار دیا کہ بلا عذر بطحا حلقہ درس میں شامل نہ ہونے والا مراد
نہیں تھا، (انعام الباری ج ۲ ص ۷۶)

اعراض کی حیثیت

اگر درجہ واجب کے علم سے اعراض ہے تو اعراض عن الواجب کا گناہ ہوگا۔ درجہ فرض کا علم پہلے سے حاصل تھا تو مزید
تحصیل اجر و ثواب کا باعث تھی اس کو برا سمجھتے ہوئے اعراض کرے تو اس کا بھی گناہ ہوگا۔ (انعام الباری ج ۲ ص ۷۶) طلبہ کی بلا عذر
اسباق میں غیر حاضری باعث گناہ ہے داخلہ فارم میں کیے ہوئے عہد کی خلاف ورزی ہے۔ (انعام الباری ج ۲ ص ۷۷)
صنعت مشاکلتہ

حدیث الباب میں ایواء استیاء اور اعراض کا استعمال بطور صنعت مشاکلتہ ہے ایسے الفاظ کا ظاہری معنی مراد لینا
ممکن نہ ہو تو ان کے ثمرات و لوازم مراد لیے جاتے ہیں۔ (نص الباری ج ۱ ص ۳۸۸)
حضرت شیخ الحدیث فرماتے ہیں استیاء کے معنی استیاء من الموحات لیے جاتیں تو دوسرے شخص کا مرتبہ اس پہلے سے بلند ہو
جواگے جا کر بیٹھ گیا اور دوسرے احتمال یعنی استعحاء من المذهب کی صورت میں پہلے شخص سے تو ادنیٰ مرتبہ ہوگا، البتہ تیسرے
شخص سے اعلیٰ ہوگا جو مجلس میں بیٹھا ہی نہیں۔

حضرت شاہ علی اللہؒ فرماتے ہیں یہ جملہ مذموموں کا احتمال رکھتا ہے اس کا معنی استعحاء من تخطی الرقاب و المزاحمة
ہو تو یہ مذموم پر دلالت کرتا ہے اس کے معنی استعحاء من اخذ العلم ہو تو یہ مذمت پر دلالت ہے۔ (کشف الباری ج ۳ ص ۲۱۸)
اس باب سے حلقہ علم و ذکر کے التزام کی فضیلت، عالم و شیخ کے مسجد میں بیٹھنے کا جواز مجلس کے کنارے پر بیٹھنا بھی باعث
خیر و برکت، حیا کرنے والے کی تعریف ہے البتہ جو حیا ترک تعلیم پر آمادہ کرے وہ قابل مذمت ہے، نیز اہل معاصی کے احوال
کی خبر دینے کا جواز تا کہ لوگ معاصی ہی ترک کر دیں۔

نیز معلوم ہوا یہ خبر دینا غیبت میں شامل نہیں۔ (فضل الباری ج ۲ ص ۳۳)

سوال: ترجمۃ الباب اور حدیث الباب میں تو علم کا لفظ تک نہیں تو پھر اس روایت کو کتاب العلم میں کیوں لائے؟
جواب: حدیث الباب میں ”فی الحلقۃ“ سے مراد علمی حلقہ ہے۔ اگرچہ حلقہ ذکر و خطبہ بھی ہو سکتا ہے تاہم مناسبت
من حیث المجلس حکم میں تسویہ ہے۔ چنانچہ فلما فرغ سے عند البخاری وہ تعلیم سے فراغت ہی تھی۔



09 باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم

رُبَّ مُبْلَغٍ أَوْعَى مِنْ سَامِعٍ

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ عُثْمَانَ عَنْ ابْنِ سِيرِينَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ عَنْ أَبِيهِ ذَكَرَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَعَدَ عَلَى بَعِيرٍ وَوَأْمَسَكَ إِنْسَانٌ بِخَطَاوِهِ أَوْ بِزَمَامِهِ قَالَ أَيْ يَوْمَ هَذَا فَسَكَنَّا حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيَسْتَوِي سَوَى اسْمِهِ

قَالَ أَلَيْسَ يَوْمَ النَّحْرِ قُلْنَا بَلَى قَالَ فَأَيُّ شَهْرٍ هَذَا فَسَكَنَّا حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيَسْمِيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ فَقَالَ أَلَيْسَ بِلَيْلِ الْحَجَّةِ قُلْنَا بَلَى قَالَ فَإِنَّ دُمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ بَيْنَكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ مَوْتِكُمْ هَذَا فِي شَهْرِ كُمْ هَذَا فِي بَلَدِكُمْ هَذَا يَبْلُغُ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَإِنَّ الشَّاهِدَ عَسَى أَنْ يَبْلُغَ مَنْ هُوَ أَوْعَى لَعُونَهُ

ترجمہ: حضور ﷺ فرماں بسا اوقات جس کو میرا کلام پہنچایا جائے

وہ سننے والے سے زیادہ یاد رکھنے والا ہوتا ہے

حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ سے روایت ہے حضرت ابوبکرؓ نے آپ ﷺ کو فرمایا کہ آپ اپنے اونٹ پر تشریف فرما تھے اور ایک آدمی اونٹ کی ٹیل تھامے ہوئے تھا۔ آپ ﷺ نے پوچھا یہ کونسا دن ہے؟ ہم خاموش ہو گئے حتیٰ کہ ہم یہ سمجھنے لگے آپ اس کا کوئی اور نام بتائیں گے آپ ﷺ نے فرمایا: کیا یہ یومِ آخر نہیں ہے؟ ہم نے عرض کیا کیوں نہیں؟ آپ ﷺ نے پوچھا یہ کونسا مہینہ ہے؟ ہم خاموش ہو گئے حتیٰ کہ ہم سمجھنے لگے کہ اس مہینہ کا کوئی اور نام بتائیں گے۔ پھر فرمایا کیا یہ ذی الحجہ نہیں ہے؟ ہم نے عرض کیا کیوں نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے خون، مال اور آبرو میں ایک دوسرے پر اس طرح حرام ہیں جس طرح تمہارے اس دن کی حرمت تمہارے اس مہینے میں اور تمہارے اس شہر میں۔ حاضر غائب کو یہ بخا دے اس لئے کہ ممکن ہے حاضر شخص کسی ایسے شخص کو یہ بخا دے جو اس بات کو یہ بخا دے والے سے زیادہ یاد رکھنے والا اور سمجھنے والا ہو۔

ربط ۱: باب گذشتہ میں حلقہ علم میں بیٹھنے والوں کا حال مذکور تھا۔ اس باب میں حالِ مبلغ کا ذکر ہے۔

ربط ۲: باب سابق میں حصولِ علم کی ترغیب تھی۔ اس باب میں اشاعت و تبلیغِ علم کی تاکید ہے۔

ربط ۳: سابقہ باب میں مبلغِ نفعِ اللہ کا بیان کیا گیا ہے، اس باب میں حلقہ مبلغین کا ذکر ہے جو علومِ دین سکھانے اور غیر

موجودہ تک پہنچانے پر مامور تھے۔ (فضل الباری ج ۲ ص ۳۶)

غرض ترجمہ: جو شخص بھی کسی عالم سے کچھ سنے تو اسے چاہیے دوسروں کو پہنچائے۔ ایسا ممکن ہے سننے والا محفوظ نہ رکھ سکے اور جس کو سنائے وہ اس سے زیادہ بہتر طور پر محفوظ کر سکے۔ نیز یہ کہ اگر کوئی شخص معافی نہ سمجھتا ہو تو لفظ محفوظ کر کے دوسروں کو پہنچائے، ہو سکتا ہے وہ زیادہ اذیت دے۔

تحقیق رُب

رب تَقْلِيل کیلئے آتا ہے، حرف جار ہے کبھی کبھی تکثیر کیلئے بھی۔ پ 14 میں بالتخفیف تکثیر کیلئے ہے۔ یہاں حدیث الباب میں رب تَقْلِيل کیلئے ہے۔ گویا دب بتلایا ملی سنی ہوئی بات کو آگے بڑھاؤ ہو سکتا ہے آگے سننے والے افقہ ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض اوقات شاگرد اسٹاذ سے برتر ہو سکتا ہے لیکن یہ فضیلت جزئی ہے کلی فضیلت اسٹاذ ہی کو حاصل ہے چنانچہ جو روایت حضرات صحابہؓ نے تابعین کو سنائی ہو سکتا ہے ان میں کوئی افقہ ہوتا ہم فضیلت کلی صحابی کو حاصل ہے۔ علماء کرام کہتے ہیں کہ تین اشخاص پر حسد نہیں ہوتا۔ اسٹاذ کو شاگرد پر، باپ کو بیٹے پر، پیر کو مرید پر۔ اس طرح یہ تینوں باہم سوال سے حار محسوس نہیں کرتے۔ اسی سے معلوم ہوا تابعی صحابی سے زیادہ فقہیہ ہو سکتا ہے جیسے حضرت علقمہ جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد تھے؛ تابعی تھے۔ لیکن فقہ میں بہت سے صحابہؓ ان سے رجوع کرتے تھے۔ اس لئے امام اعظمؒ کی طرف منسوب یہ بات کہ حضرت علقمہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کم نہیں۔ یہ فقہ کی بات ہے۔ باقی ان کی صحابیت کے شرف کا مقابلہ تو کوئی نہیں کر سکتا۔ ترجمہ میں اوعی ہے اس سے ترجمہ ثابت ہوا۔ اس کے دو معنی ہیں: احفظ و افہم۔

اوعی کی دو صورتیں ہوتیں ایک احفظ ہونا دوسرے افہم ہونا تو تبلیغ علم میں دونوں فائدے ہیں اور عدم تبلیغ میں دونوں نقصان ہوں گے تبلیغ نہ کرنے کا بہت بڑا نقصان یہ ہے کہ علم محدود ہو کر رہ جاتا ہے۔ (فضل الباری ج ۲ ص ۳۶) ان دما لکم ارج... یا اس کی تبلیغ کر رہے ہیں یا تمام احکام شرعیہ مراد ہیں لیسبلغ یہ صیغہ امر ہے جو جو تبلیغ پر دلالت کرتا ہے۔ (فضل الباری ج ۲ ص ۳۵)

مقاصد باب

(۱) محدث اگر غیر حارف اور غیر محقق بھی ہو مگر صحت حفظ ہے تو اس کی حدیث قابل قبول ہے (۲) پیر مقصود ہے کہ اسٹاذ شاگرد سے کم ہی رہتا ہے۔ (۳) اس بات کی ترغیب ہے کہ اپنے سے کم تر سے بھی علم حاصل کرنے کا اہتمام کرنا چاہیے کیونکہ بعض اوقات بلا واسطہ سننے والوں سے بالواسطہ سننے والے احفظ و افہم ہوتے ہیں۔ (کشف الباری ج ۳ ص ۲۲۱) علیٰ یہیوہ: اپنے اونٹ پر یا ابو بکرہ کے اونٹ پر دونوں احتمال ہیں۔

امسک انسان:

مراد بلالؓ یا ابو بکرہؓ ہیں۔ راوی کو شک ہے کہ خطام کا لفظ ہے یا زمام۔ حاصل دونوں کا ایک ہے۔ حافظ ابن حجر فرق کے قائل نہیں۔ تاہم عند بعض خطام چھوٹی رسی کو جو ناک کے پاس ہوتی ہے اور زمام لمبی رسی کو کہتے ہیں۔ ”او“ شک راوی کیلئے ہے۔ اور تنويع کیلئے بھی ہو سکتا ہے۔ تنويع سے مراد یہ ہے کہ دونوں رسیاں تھیں فسکتنا: خاموشی سے حیثیت مقصود تھی۔ یا اسلئے کہ شاید آپ ﷺ تمام تبدیل فرمائیں۔

کحرمۃ یومکم:

چونکہ ان اشہر، ایام مقامات کی حرمت کا بہت زیادہ خیال کرتے تھے تو سمجھنا مقصود ہے کہ اس سے کہیں زیادہ دماء، اموال و اعراض کی دائمی حرمت عند اللہ مطلوب ہے۔ اگر کوئی مسلمان کی آبرو، جان و مال پر حملہ کرتا ہے تو وہ ان تمام محرمات کو پامال کرتا ہے۔ جن کا کفار بھی لحاظ کرتے تھے۔

اشکال: حرمت دماء وغیرہ کو حرمت یوم، حرمت شہر سے تشبیہ دی حالانکہ حدیث ہے مسلمان کے خون کی حرمت بیت اللہ کی حرمت سے زیادہ ہے۔۔۔ تو یہاں پر مشہ بہ سے مشہ حرمت میں اقویٰ ہے۔ جبکہ قاعدہ یہ ہے کہ مشہ بہ، مشہ سے قوی ہوتا ہے، یہاں اس کا عکس ہے؟

ج: یہ تشبیہ بنا بر شہرت ہے ان کے ہاں اس دن اس مہینہ اور بلد کی حرمت مشہور اور مسلم تھی لہذا حرمت خون کو اس سے تشبیہ دی۔ (درس شامی 238)

10 بَابُ الْعِلْمِ قَبْلَ الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ

یہ باب اس بارے میں کہ علم قول اور عمل سے پہلے ہوتا ہے

لَقَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى {فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ} فَبَدَأَ بِالْعِلْمِ وَأَنَّ الْعُلَمَاءَ هُمْ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ وَرَفُو الْعِلْمِ مَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحَظِّهِ وَافِرٌ وَمَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَطْلُبُ بِهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللَّهُ لَهُ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ وَقَالَ جَلَّ ذِكْرُهُ {إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ} وَقَالَ {وَمَا يَغْلِبُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ} {وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ} وَقَالَ {هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ} وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يُرِذَ اللَّهُ بِهِ خَيْرٌ إِنَّمَا الْعُلَمَاءُ بِالْعِلْمِ وَقَالَ أَبُو ذَرٍّ لَوْ وَصَّعْتُمْ الصَّمْصَامَةَ عَلَى هَذِهِ وَأَشَارَ إِلَى قَفَاةٍ ثُمَّ طَنَنْتُ أَنِّي أَنْفَذْتُ كَلِمَةً سَمِعْتُهَا مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ أَنْ تُجِيزُوا عَلَيَّ لَأَنفَذْتُهَا وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ {كُونُوا زَانِتِينَ} حُكَمَاءَ فَفَقَّهَاءَ وَقَالَ الزَّهَّابِيُّ الَّذِي يُزَيُّبِيُّ النَّاسِ بِصِفَارِ الْعِلْمِ قَبْلَ كِبَارِهِ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے کہ توجان نے نہیں ہے معبود مگر اللہ (سورۃ محمد) پس اللہ نے علم کے ساتھ ابتداء کی (معلوم ہوا علم مقدم ہے) (۲) اور یہ کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء وراثت میں علم چھوڑتے ہیں پس جس نے علم حاصل کیا اس نے حظ وافر حاصل کر لیا اور جس نے وہ راستہ اختیار کیا جس سے علم حاصل کرے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کر دیتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سوائے اس کے نہیں اللہ سے اس کے بندوں میں سے علماء ہی ڈرتے ہیں (سورۃ فاطر آیت نمبر ۲۸)

اور فرمایا ان نشانیوں کو نہیں سمجھتے مگر علم والے (سورۃ عنکبوت آیت نمبر ۴۳)

اور فرمایا جنہی کہیں گے اگر ہم کسی کی سن کر مان لیتے یا خود سمجھ لیتے تو ہم اہل جہنم میں سے نہ ہوتے۔ (سورۃ ملک آیت نمبر ۱۰)

اور فرمایا کیا برابر ہیں علم والے اور جو علم نہیں رکھتے (سورۃ زمر آیت نمبر ۹)

اور نبی ﷺ نے فرمایا جس کے ساتھ اللہ خیر کا ارادہ کرتے ہیں اس کو دین کی سمجھ عطا کر دیتے ہیں۔ اور سوائے اس کے ہمیں علم سکھنے سے حاصل ہوتا ہے اور حضرت ابو ذرؓ نے اپنی گردن کی طرف اشارہ کر کے فرمایا اگر تم اس پر تلوار رکھ دو پھر میں گمان کروں کہ میں نافذ کروں گا ایک بات جو میں نے حضور ﷺ سے سنی ہے قبل اس کے کہ تم مجھ پر تلوار پار کرو تو میں نافذ کروں گا۔ اور حضور ﷺ یہ ارشاد چاہئے کہ حاضر غائب کو پہنچا دے۔

اور ابن عباسؓ نے ”سکونوار بانہین“ کی تفسیر میں فرمایا ہو جاؤ تم حکمت والے، علم والے، ثقاہت والے۔ اور ربانی اس کو کہا جاتا ہے جو مشکل مسائل سے پہلے آسان مسائل کے ذریعے لوگوں کی تربیت کرے۔

رابطہ:

باب سابق میں دس مبلغ اوعی من سامع کا تذکرہ تھا۔ اس باب میں فرمان ہے تبلیغ کیلئے علم کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد فضائل علم بیان فرمائے۔ تو علم وہ ہے جس سے تقویٰ و خشیت پیدا ہو جب خشیت ہوگی تو عمل بھی اس کے مطابق ہوگا۔

بہت سے شراح حضرات نے قبلیت زمانی مراد لیا ہے کہ عمل و عظ و نصیحت اور تعلیم سے پہلے علم کا حاصل کرنا ضروری ہے بعض نے تقدم ذاتی مراد لیا ہے کہ قول و عمل کی محنت کے لیے علم شرط ہے بعض نے شرف و مرتبہ کے اعتبار سے قبلیت مراد لی ہے۔

مصنفؒ نے قبلیت کی کوئی تعیین نہیں کی۔ اس لیے بہتر یہ ہے قبلیت کو عام رکھا جائے۔ زمانی ہو یا ذاتی یا درجہ و مرتبہ کے اعتبار سے ہو، چونکہ علم بلا عمل پر بہت سی وعیدیں آئی ہوئی ہیں۔ جس کی وجہ سے شبہ ہو سکتا ہے کہ عمل میں کوتاہی کرنے والا علم ہی حاصل نہ کرے۔ اس شبہ کو دور کرنے کے لیے مصنفؒ نے یہ ترجمہ منعقد کیا ہے جاہل دو فرض ترک کرتا ہے ایک علم کا دوسرا عمل کا جبکہ عالم ایک ہی فرض عمل کو ترک کرتا ہے۔

جاہل، جو لوگوں کی نظر میں معذور سمجھا جاتا ہے یہ صرف اس جگہ ہے جہاں اس علم کا حاصل کرنا ضروری نہ ہو۔ اور اگر اس علم کا حاصل کرنا ضروری ہے تو پھر وہ جاہل زیادہ مطعون ہوتا ہے جیسے کوئی اپنے باپ کو نہ بچانے اس سے نوکر کو کام معاملہ کرے یا ماں کو نہ بچانے اس سے لونڈیوں والا معاملہ کرے۔ عالم کے بارے میں جو زیادہ ملامت کی اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ جاہل کے عذاب میں تخفیف ہوگی۔ جیسے کافر دین کے انکار کی وجہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کے مواخذہ سے چٹکارا پائے مگر اس کے کفر پر عذاب واجبات کے ترک سے ہزار درجہ زیادہ ہوگا اسی پر جاہل و عالم کو قیاس کر لیا جائے۔ (درس بخاری از حضرت شیخ الاسلام ص ۳۵۶)

اقسام تقدم

(۱) تقدم ذاتی میں مقدم مؤخر سے ذاتی پہلے ہوتا ہے اگرچہ دونوں کا زمانہ ایک ہو جیسے کہ تالانجی کی حرکت۔ کہ زمانہ اتحاد ہے لیکن ذاتی تالانجی کی حرکت تالانجی کی حرکت سے مقدم ہے (۲) تقدم زمانی میں مقدم مؤخر ہے۔ زمانہ کے اعتبار سے پہلے ہوتا ہے جیسے باپ کا زمانہ بیٹے کے زمانے سے مقدم ہے (۳) تقدم رتبی میں مقدم مؤخر ہے مقام و مرتبہ میں فائق ہوتا ہے چاہے

زمانے کے اعتبار سے مؤخری کیوں نہ ہو جیسے عمر کے لحاظ سے کبار صحابہ پر آپ ﷺ فوقیت۔ کما قال عباسؓ ہوا کبر منی وانا امن منه۔ (کشف الباری ج ۳ ص ۳۳۲)

ذاتی اعتبار سے علم کو عمل و قول پر شرافت حاصل ہے اس لیے کہ قول و عمل کی محنت نیت پر موقوف ہے اور نیت کی محنت علم پر موقوف ہے اسی طرح علم کو عمل پر زمانا بھی تقدم حاصل ہے۔ نیز علم کو عمل پر شرف اور وجہ تقدم حاصل ہے۔ (کشف الباری ج ۳ ص ۳۳۲)

تشریح حدیث

قول سے مراد تبلیغ اور عمل

غرض ترجمہ... علم کی اتنی اہمیت ہے کہ یہ ہر قول و عمل پر مقدم ہے۔ (ذیل الباری ص ۳۳۸)

عقلی طور پر ہر عمل (لسانی و جسمانی) میں علم ہی محرک ہوا کرتا ہے علم جتنا بھی صحیح و قوی ہوگا تو عمل بھی صحیح و درست ہوگا... امام بخاریؒ نے یہ باب رکھ کر بتا دیا کہ علم عمل سے مقدم ہوتا ہے... ترجمہ میں قبلت سے مراد تقدم زمانی ہے جیسا کہ ظاہر ہے... یا تقدم بالشرف والمرتبة ہے جیسا کہ اکثر نصوص و اقوال مذکورہ فی الباب سے معلوم ہوتا ہے... اچھا یہ ہے کہ قبلت مذکورہ کو دونوں سے عام رکھا جائے۔ (فضل الباری ج ۳ ص ۳۷۷)

فاعلم انه لا اله الا الله... یہاں بھی حصول علم کی تاکید پہلے اور عمل استغفار کا حکم بعد میں ہے خواہ طسانی ہو یا قلبی۔

من سلك طريقاً يطلب به علماً:

فضائل علم کے حصول کیلئے سفر شرط نہیں۔ مراد مطلق جدوجہد ہے۔ جس سے جنت کا راستہ سہل ہوتا ہے۔ اس لئے کہ علم ہی ذریعہ عمل و خلق ہے۔ اور انا بت الى الله ہے۔ یہی امور مفضی الى الجنة ہیں۔

حافظ ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں طالب علم دین ہو اسی میں مر جائے وہ شہید ہے بشرطیکہ نیت صحیح ہو اور علم بھی صحیح و قوی ہو۔ اسی لئے شہید کا خون اور کتابت علم کی سیاقی برابر ہے۔

علم صحیح وہ ہے جو شریعت کے مطابق ہو اور قوی وہ ہے جو اس کے اعضاء و جوارح پر اثر انداز ہو۔ امام غزالیؒ نے ایک مثال سے سمجھایا۔ ایک شخص نے دیکھا کوئی جانور ہے وہ کھوڑا تھا اس نے شیر سمجھ کر بھاگنا شروع کر دیا تو یہ بے فائدہ ہے۔ یہ علم قوی ہے مگر صحیح نہیں۔ اگر پہچان لے کہ شیر ہے مگر بھاگنا نہیں تو یہ شیر اسکو کھا جائے گا یہ علم صحیح ہے مگر قوی نہیں۔

ورثوا العلم:

ورثوا کو باب تفصیل سے لیں تو متعدی ہوگا اور ضمیر راجع الى الانبياء ہوگی۔ مجرد سے ہو تو لازمی ہوگا، ضمیر راجع الى العلماء ہوگی مقام نبوت بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے علم حاصل کر کے آگے پہنچانے تو جو ایسا کرے وہ انبیاء کا وارث ہوگا۔ انبیاء کا علم قوی ہوتا ہے جو طاعت کی طرف مفضی اور اجتناب نوازی کروا تا ہے۔ جو علماء علم قوی رکھتے ہیں وہی وارث انبیاء ہوتے ہیں۔ علم کی دو قسمیں ہیں وہی (فطری) اور کسی... وہی مقدم ہے اسی لیے مخون اور بچہ ایمان کے مکلف نہیں... اکتسابی علم وہ

ہے جو بندہ خود حاصل کرتا ہے یہ ایمان سے مؤخر ہے۔۔۔ باب کا مقصد یہ ہے تبلیغ سے پہلے علم حاصل کرو۔ (تحفۃ النجاری ج ۱ ص ۳۳۳)

وان العلماء ورثة الانبياء:

حدیث مرفوع ہے لیکن امام صاحبؒ کے معیار کی نہیں اس لئے ترجمۃ الباب میں لائے۔۔۔ وراثت میت سے اقرب کیلئے منتقل ہوتی ہے۔ اور علماء شرافت میں انبیاء کی طرف اقرب ہیں۔

ورشہ کے لفظ سے اس طرف بھی اشارہ ہے جیسے میراث مالی میں تفاوت ہوتا ہے اسی طرح وراثت علمی میں بھی تفاوت ہوتا ہے۔ و فوق کل ذی علم علیم۔

علماء اعلیٰ کا انبیاء بنی اسرائیل، ان الفاظ سے روایت ثابت نہیں۔ البتہ یہ روایت ہے کہ انبیاء وراثت میں دراہم و دنانیر کی بجائے علم چھوڑتے ہیں اور اس سے مراد وہی علم ہے جو صحیح اور قوی ہو کر راہ عمل پر ڈال دے۔۔۔ اس لئے کتابیں رٹ لینے کا نام علم نہیں۔ کما قال فی الحدیث القرآن حجة لک او علیک۔

لو کننا نسمع او نعقل:

نسمع سے علم تقلیدی اور نعقل سے علم تحقیقی ثابت ہوتا ہے۔ مولانا امین صفدر اوکاڑویؒ فرماتے ہیں: نسمع تقلید ہے اور نعقل فکر و اجتہاد ہے تیسرا کوئی راستہ نہیں۔ تو نجات کے یہی دوراستے ہیں۔

هل يستوى الذين يعلمون والذين لا يعلمون: مفعول محذوف ہے ای علم الدین۔ کبھی فاعل کو اس کے ماخذ کے ساتھ موصوف کرنا مقصود ہوتا ہے تو مفعول حذف کر دیتے ہیں۔ معنی ہوگا عالم غیر عالم برابر نہیں۔ انما یخشى الله من عباده العلماء۔۔۔ یہاں خشیت کا لفظ ہے خوف عام اور خشیت خاص ہے خشیت اس خوف کو کہتے ہیں جو عظمت سے ناشی ہو۔۔۔ اور عظمت معرفت و علم کا نتیجہ ہوتی ہے اس سے علماء و عارفین کی فضیلت ثابت ہوگی۔۔۔ خوف کا اطلاق عظمت شی اور طبعی ڈر پر بھی ہوتا ہے۔ (ذیل النجاری ص ۳۳۸)

جب علم خشیت کا منشاء ہو تو منشاء ناشی سے مقدم ہوتا ہے جو خشیت بندہ سے مطلوب ہے اس کا تعلق علم سے ہے مدار خشیت علم اس لیے ہے کہ علم کے بعد ہی وہ کیفیت انسان پر طاری ہو سکتی ہے جو عمل کی محرک ہو یہاں بھی مدار خشیت علم کو قرار دیا گیا ہے عمل کا کوئی ذکر نہیں کیونکہ عمل تو خشیت کا نتیجہ ہے پھر خشیت کا موقوف علیہ کیسے ہو سکتا ہے؟ (فضل الباری ج ۲ ص ۳۸)

انما یخشى الله من عباده العلماء

۱۔ وجہ خشیت علم کا اثر ہے۔۔۔ قراءت حفص میں لفظ الله مفعول اور العلماء فاعل ہے۔۔۔ لیکن دوسری قراءت امام ابوحنیفہؒ اور عمر بن عبد العزیزؒ سے ہے کہ لفظ الله مرفوع فاعل اور العلماء مفعول ہے۔ اس صورت میں محضی اللہ رعایت کے معنی میں ہوگا۔ اس سے علماء اور علم کا مقام معلوم ہوتا ہے۔ (درس شامری ۲۴۰)

انما العلم بالتعلم:

جس طرح قول و عمل کا مدار علم ہے اسی طرح علم تعلیم پر موقوف ہے جس میں تکلیف ہے آرام سے گھر بیٹھے نہیں آتا۔ علم معتبر وہ ہے جو ورثہ انبیاء سے حاصل کیا جائے۔ محض لٹریچر و مطالعہ کافی نہیں عند الشائی: اس کا فتویٰ قابل اعتبار نہیں۔

قال ابو ذر رضی اللہ عنہ:

شام کے علاقہ میں حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے اپنے نظریہ کے مطابق مال نہ رکھنے کی تبلیغ شروع کی۔ لوگ پریشان ہوئے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ صورت حال حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو لکھی تو انہوں نے مدینہ طیبہ بلوالیا۔ یہاں بھی انہوں نے فرمایا: زائد از ضرورت مال نکالو اور صدقہ کرو۔ اس پر اہل مدینہ پریشان ہوئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فتویٰ دینے سے روک دیا، مقام ربذہ پر انہیں قیام کا فرمایا اور مال کے بارے میں فتویٰ دینے سے منع فرمادیا۔ تاہم موسم حج کے موقع پر دیگر مسائل کے بارے میں لوگوں کو بتاتے اور اس میں اس قدر حریص تھے فرماتے کہ اگر تلواریں گردن پر ہو اور میں سمجھتا ہوں گردن قلم ہونے سے پہلے میں ایک مسئلہ بتا سکوں گا تو ضرور بتاؤں گا۔ امیر وقت کے حکم کی خلاف ورزی اس لئے نہیں کہ وہ مال کے بارے میں ممانعت ہے مطلقاً نہیں۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے گفتگو کے لیے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب احبار کو تیار کیا چنانچہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے پوچھا دانا میر دورا ہم جمع کرنے کا کیا حکم ہے؟ فرمایا جائز نہیں۔ فرمایا پھر زکوٰۃ کس چیز پر فرض ہوگی؟ اس کے لیے حلالان حول ضروری ہے، حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ ڈنڈا لے کر کھڑے ہو گئے۔ حضرت کعب کو مارنے لگے وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ارد گرد گھوم رہے تھے بالآخر ڈنڈا ماری دیا آدھا حضرت کعب کو لگا اور آدھا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو۔ (حدیث بخاری ج ۱ ص ۳۳۶)

(۱) حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کو کلی الاطلاق فتویٰ سے منع نہیں کیا تھا بلکہ جس سے مسلمانوں میں اختلاف رونما ہو اس سے منع کیا تھا اس لیے حج کے موقع پر مسائل بتاتے رہے

(۲) اطاعت اولی الامر اس وقت واجب ہے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف نہ ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو حکم ہے فلیبلغ الشاہد العائب ان کا خیال یہ تھا کہ اس لیے مجھ پر اطاعت واجب نہیں۔ (انعام ج ۲ ص ۸۴)

فائدہ: بقول حافظ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کے عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ حکومت کی طرف سے فتویٰ پر پابندی کو پورا کرنا اور اس پر عمل ضروری نہیں۔ گویا حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کی رائے میں حکومت کو یہ اختیار حاصل ہی نہیں۔ (درس شامی ۲۴۱)

سوال: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فضیلت علم کا باب باندھا مگر کوئی روایت نہیں لائے۔

جواب ۱: آیات قرآنیہ اور احادیث ترجمہ میں لے آئے۔ فضیلت کیلئے کافی ہیں۔

جواب ۲: ممکن ہے اپنی شرائط کے مطابق روایت منبلی ہو۔

فائدہ: یہ ترجمہ مجرد عن الحدیث ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس کو ثابت کرنے کیلئے سند روایت نہیں لائے۔

کو نو لوہا نہیں... ربانی کسے کہتے ہیں؟ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جس میں تین چیزیں ہوں علم، تفقہ، حکمت... علم

عمیق ہو محض سطحی نہ ہو۔ فقہ فہم خوب ہو حکمت وسیع المعانی ہونے کے باوجود سب سے بہتر اس کا معنی وضع الشیء فی محلہ ہے یعنی بات کی جائے تو ٹھکانے کی اور کام کیا جائے تو برعمل اسکا بہترین مصداق ہیں کہ ہر بات درست اور ہر عمل بر محل بے شکے پن کا امکان ہی نہیں... نیز منصب رسالت کے لحاظ سے امت کو قولا و عملا مناسب حال اور برعمل ہی تفصیل بتائیں گے۔

غرض حکمت ایسا نور بصیرت ہے جس سے موقع شناسی حاصل ہو۔ ح، ک، م کا جو مادہ ہے اس کا معنی ہے کسی کو اصلاح اور صحیح راستہ پر چلانے کے لیے روکنے اور چھاننے کا مضمون اس میں بنیادی طور پر ہو۔ اسی تناظر میں حکمت شرعی کو یا عقل و نفس کو کام دیتی ہے جو صحیح راستہ پر چھا سکتی ہے۔ (فضل الباری ج ۲ ص ۳۰)

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے حکیم کا معیار یہ لکھا ہے کہ صوفی بھی ہو، فقیہ بھی، محدث بھی ہو۔ (انفاس ص 1/359)

ربانی کی دوسری تفسیر ربانی بمعنی مربی ہے یعنی ربانی اس عالم کو کہیں گے جو لوگوں کی تربیت بالترتیب کرے اولاً چھوٹی باتیں دین کی سکھائے

صغار العلم (۱) کلیات سے پہلے جزئیات کا علم (۲) مسائل کا علم و دقائق سے پہلے (۳) مبادی مراد ہیں۔ حدیث سے پہلے اصطلاحات حدیث کا علم... ترتیب یہ ہے علم، عمل، تبلیغ (الخیر الساری ج ۱ ص ۳۸۳)

11 باب مَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَوَّلُهُمْ

بِالْمَوْعِظَةِ وَالْعِلْمِ كَيْ لَا يَنْفَرُوا

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُونُسَ قَالَ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَوَّلُهُمْ بِالْمَوْعِظَةِ فِي الْأَيَّامِ كَرَاهَةً لِمَا مَرَّ عَلَيْنَا

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو التَّيَّاحِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَتَزَوَّوْا وَلَا تَعْتَمِرُوا وَارْتَمِسُوا وَلَا تَنْفَرُوا

ترجمہ: حضور کا صحابہ کو موقع دیکھ کر نصیحت اور علم کی باتیں بتانا تاکہ وہ متنفر نہ ہو جائیں

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں نبی ﷺ کثیر الکلیف دنوں میں نصیحت فرمانے کے لئے ہمارے احوال کی رعایت کرتے تھے اس خیال سے کہ ہمیں ملال نہ ہو۔

حضرت انسؓ سے حضور ﷺ کے آپ ﷺ نے فرمایا آسانی پیدا کرو، تنگی میں نہ لا کرو، بشارتیں دیا کرو، متنفر نہ کیا کرو۔

رابطہ: باب گذشتہ میں فضیلت علم کا بیان تھا۔ فضائل کے پیش نظر ہوتے ہوئے ہر وقت پڑھنے پڑھانے میں لگا رہے۔ امام بخاریؒ یہ باب لا کر فرمانا چاہتے ہیں کہ مزاج شریعت کو سامنے رکھتے ہوئے یہاں بھی اعتدال مطلوب ہے۔ ایسا طریقہ نہ اختیار کیا جائے جو مفضی الی الملل اور موجب نفرت ہو۔ ہر وقت ایک ہی کام کرنے سے دل اکتا جاتا ہے۔

تشریح حدیث

یتخول: یہ بخولا سے ہے اس کا معنی ہے: موقع تلاش کرنا۔ خال نگران کو کہتے ہیں۔ یعنی اصلاح کیلئے نگہداشت و گرائی کرنا۔

کراہیۃ السامة علینا:

السامة مصدر ہے جس کے معنی اکتا جانے کے ہیں۔ آپ ﷺ بات کو ناپسند سمجھتے تھے کہ سامہ لاحق ہو جائے۔ ہر روز ہر وقت نصیحت نہیں فرماتے تھے اس لئے نشاط کے موقع کو پیش نظر رکھتے تھے اس میں واعظ و ناصح کیلئے گویا سواہ حسنہ ہے۔ وعظ و تعلیم میں فرق: تعلیم و تعلم کیلئے چونکہ اوقات فارغ کیے جاتے ہیں اس میں زیادہ سے زیادہ وقت اسی کام کیلئے لگانا طے شدہ و ثابت ہے تو یہ حدیث کی مخالفت نہیں۔ کہ وہ موقع وعظ ہے۔ چنانچہ اصحاب صفہ دوسرا کوئی کام بھی نہیں کرتے تھے آپ ﷺ انہیں بکثرت علم کی باتیں بتاتے تھے۔ اور وہ خود بھی نبی اکرم ﷺ کی طرز عمل از خود مشاہدہ کرتے تھے اس سے علم حاصل کرتے تھے۔ نیز اس میں اوقات مدرسہ کا اجارہ ہوتا ہے۔ طلبہ کرام پابندی وقت کا معاہدہ کر چکے ہوتے ہیں۔ نیز نصاب، کتب کا خاص دورانیہ میں پورا کرنا عرفاً معاہدہ ہوتا ہے لہذا اس کا حکم دیکھو۔

یسروا ولا تنفروا:

داعی کیلئے ہدایت ہے وہ آسان پہلو اختیار کر کے ترغیب کو سامنے رکھے شریعت نے جہاں سختی و سہولت دی ہو وہ استہانہ کو کہا جائے تیسیر تیسیر اور ترغیب کو غالب دیکھا جائے۔ انداز کا غلبہ ہوتا ہم مہم دہمت سے احتراز ضروری ہے۔ جس کا معنی یہ ہے کہ کسی کی رعایت کرتے ہوئے حکم شرعی نہ بتایا جائے بلکہ چھپایا جائے یا مذموم ہے۔ کسی فرد کی تیسیر کیلئے حکم شرعی نہ دیا جائے۔ بالترجیح سمجھانے کا مطلب مدہمت یا کتمان حق نہیں۔ نہ یہ کہ بدعات و رسومات پر نگیر ہی نہ کرے... بلکہ تیسیر کا مطلب یہ ہے دین پیش کرنے میں طرز و طریقہ ایسا اختیار کرے کہ لوگ اسے دائرہ قدرت میں سمجھیں... جیسے آپ ﷺ نے حضرت معاذؓ کو یمن روانہ کرتے ہوئے فرمایا... اول عقائد بعدہ نماز پھر زکوٰۃ کا حکم دینا... یا حضرت ام حنیہؓ نے قبول اسلام کے وقت تمام امور منصوصہ کے ترک پر بیعت کر لی... مگر جب نوحہ کا سلسلہ آیا تو کہا۔

یا رسول اللہ الا ال فلان.. صرف فلان خاندان میں نوحہ کروں گی ان کا بدلہ چکانا ہے... آپ ﷺ نے الال فلان... فرما کر استغنیٰ فرما دیا، آپ ﷺ نے فنی حکمت و مصلحت کے تحت اس رسم جاہلیت کی اجازت دے دی... آپ نے سمجھ لیا کہ اصلاح ہو گئی ہے... لیکن تھوڑی سی ڈھیل کی ضرورت ہے، تو نفع کثیر کے لیے اس ضرر قلیل کا تحمل کر لیا گیا۔ لیکن ہر شخص کا منصب نہیں کہ حدود و قیود کا خیال رکھ سکے دونوں سرحدوں کے درمیان خطا فاصل بہت بار یک ہے۔ فائدہ: اس تناظر میں ملحوظ رہے کہ حفاظت دین پہلے ہے اور اشاعت دین بعد میں ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں یسروا کے بعد لاتفسروا اس کی تصریح ہے۔ فائدہ یہ ہے اگر کسی کے ساتھ صرف ایک مرتبہ یسر کا معاملہ ہوا اور کئی دفعہ عسر کا۔۔ تو اس پر بھی یسروا صادق آئے گا۔۔ اب لاتفسروا فرما کر تفسیر فی جمع الاحوال کی نفی فرمادی یہی بات ہشروا کے بعد لاتفسروا کے اضافہ میں ہے (نصف الباری ج ۳ ص ۲۳۳)

مدامت کا مفہوم یہ ہے کہ شخصی رعایت کے پیش نظر حکم شرعی نہ بتایا جائے اور کتمان حق کیا جائے جبکہ تیسیر و تیشیر محمود ہے۔۔ تطبیق یہ ہے تیسیر کے پیش نظر حلال کو حرام نہیں کر سکتے یا حرام پر غیر مشروع سکوت نہیں کر سکتے۔ تربیت میں پہلے ہی مرحلہ بہت بوجھٹا ل دیا تو تحفیر کا اندیشہ ہے۔ مخاطب کی استطاعت و تحمل کو پیش نظر رکھا جائے۔

(الجامع ج ۲ ص ۸۷)

اشکال: یسر و عسر کا تقابل تو درست ہے مگر یسروا و لاتفسروا کا درست نہیں۔۔ جبکہ امام بخاریؒ کتاب الادب میں لاتفسروا کے مقابلہ میں مسکو الائنے ہیں۔

جواب: حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں ابتداء تعلیم میں عام طور پر انداز سبب نفیر ہو جاتا ہے، سکون کے ذریعہ مانوس کرنے سے خود بخود اس کی طرف بڑھتا ہے اس لیے لاتفسروا فرمایا گیا۔

اشکال: یسر و عسر کے لفظ سے عسر کی نفی خود بخود ہو گئی تو لاتفسروا کی ضرورت نہیں؟

جواب: یسر و اصیغہ امر ہے مامور کا حکم مقتضائے صیغہ نہیں البتہ دوام کے معنی کے لیے خارج سے مدد حاصل کی جاتی ہے یسروا کے بعد لاتفسروا فرمانے سے عسر کی دائمی ممانعت سے یسر دائمی کا مقصد پورا ہو گیا۔

حضرت شیخؒ فرماتے ہیں تیشیر و انداز باہم مقابل نہیں بلکہ انداز بشارت کا آخری فرد ہے، یسروا کے بعد لاتفسروا فرما کر ہشروا کے ساتھ لاتفسروا واضح ہے کہ مقصد یسر و آسانی ہے کیونکہ شدت تنفر کا راستہ ہے۔۔ حسن تدبیر سے کام لیا جائے مشکلات حاصل کرنے سے مقصد فوت ہو جاتا ہے چونکہ طابع مختلف ہیں۔ اس لیے بعض کے لیے مختصر بات بعض کے لیے شاباش بعض کو احسانات خداوندی کی یاد دہانی مقصد پر لے آتی ہے۔۔ جبکہ بعض کو تخویف، انداز اور وعیدات سے مقصد پر لایا جاتا ہے اس تناظر میں جب انداز بھی تیشیر کا کام دیتا ہے تو اس کا مقابل نہ ہوا۔۔ تاہم اس میں تعمیم ہے یہ طریق جیسے دعوت ایمان کے لیے اختیار کیا جائے ایسے ہی تعلیم و تربیت کے لیے بھی۔

حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: یسروا و لاتفسروا کا مفہوم یہ ہے کہ انداز و تیشیر کو ساتھ رکھا جائے صرف بشارت رحمت سے لوگ تعطل اور بے عملی کا شکار ہو جائیں گے اور صرف تخویف و انداز سے مایوس۔۔۔ پھر ایسے بیان میں دونوں ہوں، تبلیغ ہو یا تعلیم درمیانی راہ اختیار کی جائے (فضل الباری ج ۲ ص ۲۶۶)

جب علم حاصل کرے گا خود اور دوسروں کو بھی عمل کرائے گا یہ دونوں باتیں جنت میں جانے کا سبب ہیں اور سبب کا سبب بھی سبب ہوتا ہے پس عمل موقوف ہو علم پر اور علم موقوف تحصیل علم پر اسی طرح تبلیغ موقوف ہے علم پر علم موقوف ہے تحصیل علم پر۔۔ پس جفzul علم کی ہے وہی فضیلت تحصیل علم کی بھی ہے (تحفۃ الباری ج ۱ ص ۳۳۳)

علم کا محل قلب وہ افضل ہے جبکہ عمل کا محل اعضاء جو ارجح ہیں۔ (نصف الباری ج ۱ ص ۳۹۱)

12 باب مَنْ جَعَلَ لِأَهْلِ الْعِلْمِ أَيَّامًا مَعْلُومَةً

علم سیکھنے والوں کے لئے دن مقرر کرنا

حَدَّثَنَا غُفَّانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ كَانَ عَبْدُ اللَّهِ يُذَكِّرُ النَّاسَ فِي كُلِّ خَمِيسٍ فَقَالَ لَهُ زُجَلُ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ لَوْ دُرِثَ أَنَّكَ ذَكَرْتَنَا كُلَّ يَوْمٍ قَالَ أَمَا إِنَّهُ يَمْنَعُنِي مِنْ ذَلِكَ أَنِّي أَكْرَهُ أَنْ أُمْلِكُكُمْ وَإِنِّي أَتَخَوُّ لَكُمْ بِالْمَوْعِظَةِ كَمَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَوُّ لَنَا بِهَا مَخَافَةَ السَّامَةِ عَلَيْنَا

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ ہر جمعرات لوگوں کو نصیحت فرمایا کرتے تھے ان سے ایک آدمی نے کہا: اے ابو عبد الرحمن! میری خواہش ہے آپ ہمیں روزانہ نصیحت فرمایا کریں۔ فرمایا میرے لئے مانع یہ ہے مجھے یہ پسند نہیں کہ میں تمہیں اکٹاہٹ میں مبتلا کر دوں۔ میں نصیحت کرنے میں وقت کی رعایت کرتا ہوں جیسا کہ نبی ﷺ دیکھ کر ہمیں نصیحت فرمایا کرتے تھے اس ڈر سے کہ ہم اکٹاہٹ جائیں۔

ربط: باب گذشتہ میں دخول بالعلم کا ذکر تھا کہ اکٹاہٹ نہ ہو اس باب میں ملال دور کرنے کا طریقہ ہے کہ نشاط کا خیال رکھتے ہوئے اوقات تعلیم و تعلم مقرر کر لیں۔

ما قبل میں حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے صفار علوم سے اولاً تربیت کی جائے باب ہذا میں یہ ہے کہ تربیت میں سہولت کو بنیادی طور پر پیش نظر رکھا جائے یعنی پہلے خوگر کرے پھر بتدریج ترقی کرے (فضل الباری ص ۲۴۱)

ربط: شاید اشارہ ہو کہ تعلیم و تذکیر کے لیے تعین ایام تقصیر فی التبلیغ نہیں۔ (کشف الباری ج ۳ ص ۲۶۶)

اس باب میں اکٹاہٹ کو دور کرنے کا طریقہ ہے کہ نشاط کا خیال رکھتے ہوئے تعلیم و تعلم (وعظ) کا وقت متعین کر لیا جائے۔ یاد رہے امام بخاریؒ ارشاد فرما رہے ہیں کہ علم دین کی عظمت و اہمیت اپنی جگہ ہے مگر دنیوی مشاغل کو بالکل ترک کر کے اسمیں مصروف ہونا آنحضرت ﷺ صحابہ کرامؓ کے عمل سے منافات رکھتا ہے۔ (فضل الباری ص ۳۲)

یہ تعین انتظامی ہے اس لئے جب چاہیں بدلی جاسکتی ہے۔ ایسی تعین جس پر ثواب کا مدار ہو اور اس کے خلاف کرنے پر نگیں کی جائے تو یہ تعین دائرۂ بدعت میں داخل اور واجب التصریح ہے۔ جیسے تیجہ، چلم جیسی رسوم اس لئے قابل مذمت ہیں۔ الغرض تعین انتظامی میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ تعین قانونی و شرعی منع ہے۔ یاد رہے بدعتی درپردہ ”مدعی ثبوت“ ہے کہ ایک واجب کام کو شارع بھول گئے اور یہ بتلا رہا ہے۔ نقص شریعت تھا جس کو یہ پورا کر رہا ہے۔ العیاذ باللہ۔

تمہارا ذوق و شوق حضرات صحابہ کرامؓ سے زیادہ نہیں ہو سکتا جب رسول اللہ ﷺ نے وہاں نشاط کا خیال فرمایا تو میں کیوں نہ کروں جبکہ اتباع کا بھی حکم ہے (کشف الباری ج ۳ ص ۲۷۳)

سلطہ معنی مشقت کو متضمن ہے اس کو علی سے متعدی کیا گیا ہے اور صلہ محذوف ہے۔ علی الموعظة... سلطہ کا معنی یہ بھی ہے کہ موقع تلاش کیا جائے۔ (انعام ص ۸۶ ج ۲)

یہ حکم فصاحت کے لیے ہے تعلیم کے لیے نہیں... حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے فعل نبوی ﷺ سے استدلال کی وجہ سے امام بخاریؒ پر اعتراض نہ ہوگا کہ وہ حدیث موقوف لائے ہیں۔ (انعام الباری ج ۲ ص ۸۶)

عمل صالح میں اگرچہ دوام مطلوب ہے اگر اکتا جانے کا اندیشہ ہو تو ترک دوام کیا جاسکتا ہے... اس کی دو صورتیں (۱) روزانہ بلاناہ جبکہ تکلف نہ ہو... یا ایک دن چھوڑ کر... تو صورت ثانی میں یوم ترک راحت کے لیے ہوگا... گویا عمل اور ترک میں فاصلہ ہو اسی کو تحویل سے تعبیر کیا گیا ہے... اس میں فعل نبوی ﷺ سے استدلال ہے (فضل الباری ج ۲ ص ۴۲)

اس حدیث سے بعض علماء نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ غیر رواتب پر دوام کر کے ان کو رواتب کے مشابہ کرنا مکروہ ہے۔

روی عن مالک طحاذا (فضل الباری ج ۲ ص ۴۲)

فائدہ: مستحب کے بارے میں عقیدہ تو عدم دوام کا ہونا چاہیے مگر عملاً دوام رکھے۔

13 باب مَنْ يُرِذُ اللَّهَ بِهِ خَيْرٌ أَيْفَقَهُ فِي الدِّينِ

حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ غَفِيرٍ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ يُونُسَ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ قَالَ حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ سَمِعْتُ مَعَاوِيَةَ خُطِبًا يَقُولُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ يُرِذُ اللَّهَ بِهِ خَيْرٌ أَيْفَقَهُ فِي الدِّينِ وَإِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَاللَّهُ يُعْطِي وَلَنْ تَزَالَ هَذِهِ الْأُمَّةُ قَائِمَةً عَلَى أَمْرِ اللَّهِ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللَّهِ

ترجمہ: اللہ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتے ہیں اسے دین کی سمجھ عطاء کرتے ہیں

حمید بن عبد الرحمنؒ کہتے ہیں: میں نے حضرت معاویہؓ کو خطبہ دیتے ہوئے سنا وہ فرما رہے تھے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ نے فرمایا جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں اسے دین کی سمجھ عطا فرماتے ہیں۔ اور میں صرف تقسیم کرنے والا ہوں اور دیتا اللہ ہے۔ اور یہ جماعت ہمیشہ اللہ کے حکم پر قائم رہے گی اس کے مخالفین اسے نقصان نہیں پہنچا سکیں گے تا آنکہ اللہ کا حکم آپہنچے۔

رابطہ:

باب سابق میں تعلیم و وعظ کا تذکرہ تھا۔ باب ہذا میں یہ بتلایا جا رہا ہے کہ وعظ و تعلیم ہلاتھقہ سر انجام نہیں دیئے جاسکتے۔ اس لئے فقہ کی اہمیت اور اس کے حصول پر تحریر ہے۔

غرض ترجمہ:

فہم علم دین اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے۔ نیز فضیلت علم بھی واضح ہو رہی ہے۔ بطور خاص فقہ کی اہمیت اور اس کے تعلیم پر تحریر ہے۔ نیز حصول علم کیلئے محض جدوجہد کافی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ خیر کا مورد بننے کیلئے اعمال شرعیہ و مریضہ پر چلنے کی ضرورت ہے۔

تشریح حدیث

مناسب یہ ہے کہ لفظ خیر اکی تنوین کو تعظیم و تفعیم کے لیے لیں یعنی فقہیہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر عظیم کا ارادہ فرماتے ہیں۔۔۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ فقہ فی الدین کا مقام خیر محض سے بہت بلند ہے کیونکہ غیر فقہیہ بھی خیر محض کا مورد ہو سکتا ہے (فضل الباری ج ۲ ص ۲۸)

یہ فقہ فی الدین:

فقہ لغت فہم کے معنی میں ہے۔ اور اصطلاحی طور پر احکام شرعیہ فرعیہ کو دلیل کے ساتھ جاننے کا نام ہے۔ یہاں ”تفقہ فی الدین“ لغوی معنی میں ہے۔ اس لئے اس کا اطلاق علم عقائد، علم تصوف وغیرہ پر ہوگا۔

نیز فقہ کہتے ہیں دوسرے کے کلام کو سمجھ لینا۔ یہ علم سے زائد درجہ ہے کہ منشاء متکلم کیا ہے۔ فقہ، علم، فہم، فکر، تصدیق یہ الفاظ مترادف نہیں بلکہ متقارب ہیں۔ علم کا معنی جاننا، فہم کا سمجھنا، تصدیق کا یقین و اذعان اور فکر کا معنی سوچنا ہے۔

انما انا قاسم واللہ یعطی:

یہ کلام عرف پر محمول ہے۔ مقصد یہ ہے ہر ایک کو سکھا سکتا ہوں جو اس کے لائق ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں اس کے علم میں فہم و فکر اور تفقہ پیدا فرمادیتے ہیں۔ حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں۔۔۔ حدیث الباب سے چند باتیں معلوم ہونئیں

(۱) فقہ فی الدین خیر عظیم ہے (۲) یہ عطیہ خداوندی ہے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کو انما انا قاسم فرما کر اعطائے تفقہ کو مخصوص بالباری فرما رہے ہیں (۳) اس امت میں بعض لوگ ہمیشہ حق پر قائم اور باقی رہیں گے۔ (فضل الباری ج ۲ ص ۲۸)

حدیث الباب میں تین چیزیں جمع ہوئیں علم، عمل اور تعلیم۔۔۔ ایسے شخص کو عالم ملکوت میں گنیر کے لفظ سے مشرف کیا جاتا ہے یعنی بڑا عالم (نصر الباری ج ۱ ص ۲۰۲)

اشکال: اگر ظاہر پر محمول کیا جائے تو معطی آپ ﷺ اور قاسم بھی۔ اگر حقیقت پر محمول کیا جائے تو معطی بھی اللہ تعالیٰ اور قاسم بھی اللہ تعالیٰ۔ تو ان میں تقسیم کیوں کی؟

جواب ۱: کلام عرف پر محمول ہے۔ معطی عرف میں مالک کو کہتے ہیں۔ اور قاسم بانٹنے والے کو۔ لہذا عرف میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کا لحاظ کرتے ہوئے اعطاء کی نسبت اللہ کی طرف کی اور تقسیم کی نسبت آپ ﷺ کی طرف۔

جواب ۲: علم کو عطیہ الہی سمجھا جائے۔ اور اتراے نہیں۔ عجب وغرور سے بچے۔ یہ معطی میں اشارہ ہے۔۔۔ اور قاسم میں اس طرف اشارہ ہے حصول علم کے بعد جو بذریعہ اعطائے الہی ہے پھر پڑھائے اور قاسم بنے۔

حاصل یہ ہے کہ معطی حقیقی علم کے تو اللہ تعالیٰ ہیں۔ تاہم دنیا میں ہم تقسیم کا ذریعہ بنیں۔

آپ ﷺ عطاے علوم الہیہ میں مساوات و انصاف کو ملحوظ فرماتے ہیں حسب مراتب فہم صحابہ کرامؓ میں اس کا ظہور ہوتا جو عطیہ خداوندی ہے جس کے درجات کا فرق قسام ازلی کی حکمت ہے غیر صحابہؓ فہم حدیث میں سبقت لے گئے یہ فضل باری کا مظہر ہے (فضل الباری ج ۲ ص ۲۹)

بعض حضرات کہتے ہیں کہ قاسم سے مراد مال غنیمت کی تقسیم ہے کہ اس کا دینا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ میں تقسیم کنندہ ہوں۔ نیز یہ حصر اضافی ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ میں ہی علوم کا معنی حقیقی ہوں بلکہ قاسم ہوں۔ یہ مطلب نہیں میری اور کوئی حیثیت نہیں۔ میں قاسم ہونے کے علاوہ شارع، داعی اور دیگر بہت سی حیثیتیں بھی رکھتا ہوں۔

کتاب العلم اور علم کے فضائل کے ساتھ انما انا قاسم الخ کو بیان کرنا ماسبق و مابعد کے حوالہ سے تقسیم سے مراد تقسیم علم تشریحی ہے۔ اگر عموم مراد لیکر تکنیکیات کی مراد لیں جس میں رزق و اولاد وغیرہ بھی داخل ہوں گی۔ یہ عموم مراد نہیں۔ رضا خانی لوگوں کو یہی مغالطہ لگا ہے۔ جو صراحۃً خلاف اسلوب بھی اور عقائد حقہ کے خلاف بھی ہے۔ اور امام بخاریؒ کی ذکر کردہ ترتیب کے بھی خلاف ہے وہ بھی کتاب العلم میں ذکر کر رہے ہیں نہ کہ تکنیکیات میں۔

لن تزال هذه الامة:

امة: کا مصداق کیا ہے؟ متعدد اقوال ہیں۔ فقہاء، مجاہدین، صوفیاء، محدثین۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں: اگر محدثین نہیں تو پھر کون ہے۔ میں نہیں جانتا۔ علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: بعض روایات میں یقاتلون کا لفظ آیا ہے اس لئے اولاً اس کا مصداق مجاہدین ہیں۔ ثانیاً تمام طبقات داخل ہو جائیں گے۔ الغرض ظاہری مصداق اور باعتبار عمل فقہ و جہاد یا تصوف و تحدیث ہوا کروہ "ما انا علیہ واصحابی" کو سامنے رکھ کر آداب و شرائط کے ساتھ ہے تو بس وہی حقیقی مصداق ہے۔ طبقاتی اختصا ص ضروری نہیں۔ صحت عقیدہ کے ساتھ صحت عمل بھی ضروری ہے۔

حضرت العلامة کشمیریؒ فرماتے ہیں حدیث میں چونکہ مجاہدین کی تصریح موجود ہے پھر امام احمد اس سے اہل الحدیث یعنی اہل السنۃ کو مراد لیتے ہیں؟ مجھے تعجب تھا۔۔۔ پھر تاریخ سے معلوم ہوا اہل السنۃ اور مجاہدین کے مفہوم تو الگ الگ ہیں مگر مصداق خارجی ایک ہی ہے۔۔۔ دیگر کوئی فرقہ جہاد نہیں کرتا بلکہ افضیٰ تو اسلامی سلطنتوں میں سازشوں میں ہی الجھ رہے۔ (کشف الباری ج ۳ ص ۲۹۳) یاد رہے کہ جہاد بالسیف والسان یا بالقلم واللسان سب ہی مراد ہو سکتے ہیں۔ (کشف الباری ج ۲ ص ۲۹۳)

امر اللہ: اس سے مراد وہ دور ہے جب یمن سے ہوا چلے گی، تمام امت مسلمہ مرجائے گی اور یہ قرب قیامت ہوگا۔ لا یضرہم: اس سے مراد ان کے عقیدہ میں مضرت ہے۔ اور دلائل سے غلبہ مراد ہے۔ جسمانی، دنیوی نقصان و مضرت پہنچا سکتے ہیں۔

14 باب الفہم فی العلم۔۔۔ علم کے لئے فہم کی ضرورت کا بیان

حَدَّثَنَا عَلِيُّ حَدَّثَنَا سَفْيَانُ قَالَ قَالَ لِي ابْنُ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ صَحِبْتُ ابْنَ عَمْرِو إِلَى الْمَدِينَةِ فَلَمْ أَسْمَعْهُ يَخْدُثُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا حَدِيثًا وَاحِدًا قَالَ كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَانِي بِجَمَارٍ فَقَالَ إِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً مِثْلَهَا كَمَثَلِ الْمُسْلِمِ فَأَرَدْتُ أَنْ أَقُولَ هِيَ النَّخْلَةُ فَإِذَا أَنَا أَصْغَرَ الْقَوْمِ فَسَكَتُ

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هِيَ النَّخْلَةُ.

ترجمہ: مجاہد سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں عبد اللہ بن عمرؓ کے ساتھ مدینہ تک رہا۔ میں نے ایک حدیث کے سوالان سے رسول اللہ ﷺ کوئی اور حدیث نہیں سنی۔ وہ کہتے تھے ہم حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے آپ کے پاس کھجور کا مغز لایا گیا۔ آپ نے فرمایا درخیوں میں ایک ایسا درخت ہے جس کی مثال مسلمانوں کی طرح ہے۔ پس میں نے ارادہ کیا عرض کروں کہ کھجور ہے مگر چونکہ میں سب میں چھوٹا تھا اس لئے خاموش رہا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ کھجور کا درخت ہے۔

ربط

باب اول میں تفقہ فی الدین کا ذکر تھا اور تفقہ کا معنی فہم فی العلم ہے۔ اس سے دونوں ابواب میں مناسبت ظاہر ہوگئی۔

غرض ترجمہ

(۱) تھوڑے علم کیلئے کثیر عقل کی ضرورت ہے۔ ورنہ فائدہ نہیں اٹھا سکے گا۔ امام بخاریؒ فرماتا یہ چاہتے ہیں جیسے علم مطلوب ہے۔ اسی طرح فہم بھی مطلوب ہے۔ گویا اس باب کی غرض ”فضل فہم العلم“ ہے۔

فہم و تفقہ میں فرق

فقہ خاص یعنی دین کے اندر سمجھ پیدا کرنے کا نام فقہ ہے۔ جبکہ فہم عام ہے۔ خواہ دین میں ہو یا غیر دین میں۔ عموم خصوص کی نسبت ہے۔

اگر دونوں میں فرق کیا جائے تو یہ عطف الخاص علی العام کے قبیل سے ہوگا لفظ علم کے اضافہ سے یہ ارشاد مقصود ہے کہ حکمت کا حصول علم کے حصول پر موقوف ہے۔ (کشف الباری ج ۳ ص ۳۱۳)

مقصود حدیث

(۱) اس باب کا حاصل یہ ہے حصول علم کی کوشش کرتا رہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو تفقہ فی الدین کا مقام عطا ہوگا۔ یا کم از کم فہم فی العلم تو حاصل ہو ہی جائے گا۔ یہ بھی انعام خداوندی ہے کہ فہم فی العلم حاصل ہو جائے۔

(۲) حضرت شیخ الحدیثؒ فرماتے ہیں آپ ﷺ کا طریقہ بتلا رہے ہیں۔ صحیح فہم پر مطالعہ کرے۔ مناسبات علم پر غور کرے۔ جیسے آپ ﷺ کا رکھا رہے تھے اور سوال فرما رہے تھے کہ وہ کونسا درخت ہے جو انسان یا مسلم کے مشابہ ہے۔ اس میں غور کرنے سے جواب معلوم ہو سکتا ہے۔ اسی کا نام فہم ہے۔ ”یک من علم مرادہ من عقل باید“

امام بخاریؒ کبھی کبھی ایسا کرتے ہیں کہ مجمل اور مختصر حدیث پر مفصل حدیث کا ترجمہ رکھ دیتے ہیں اور اپنی کتاب میں دوسری جگہ اس مفصل حدیث کو ذکر کر دیتے ہیں۔۔۔ جو لوگ امام بخاریؒ کے اس طرز سے واقف نہیں انہیں اشکال پیش آتے ہیں۔۔۔ حدیث میں کوئی لفظ ترجمہ باب الفہم فی العلم کی فضیلت پر دال نہیں۔

لیکن امام بخاری کتاب العلم کے آخر میں تفصیلاً روایت لائے تو اس میں یہ الفاظ حضرت عمرؓ کے لہل فرمائے... لان نکون قلنہا احب الی من ان کون فی کذا و کذا... چنانچہ حضرت عمرؓ کے یہی الفاظ فہم فی العلم کی فضیلت پر دال ہیں کہ آپ ﷺ حضرت ابن عمرؓ کے جواب سے ان کے فہم فی العلم پر خوش ہو کر دعا دیتے۔ (فضل الباری ج ۲ ص ۵۱)

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں ایک تشریح خود آپ ﷺ نے فرمائی ہے۔ لایسقط لہ دعویٰ جس طرح مخلہ کے پتے نہیں کرتے مسلمان کی دعاء بھی بے کار نہیں جاتی۔ (انعام ج ۲ ص ۴۸)

ایک وجہ تشبیہ یہ ہے کہ دنیا کے ہر درخت کا پھل اس کے موسم میں کھایا جاتا ہے... لیکن نخل کا ہر موسم میں کھایا جاتا ہے... اسی طرح اعمال صالحہ کا کوئی موسم مقرر نہیں۔ (انعام ج ۲ ص ۴۹)

کھجور کے اوپر والے سرے کے درمیان گودا نکلتا ہے جیسے گھوئی کے پھول کو چھیل لیا جائے تو گودا نکلتا ہے اسی طرح یہ کھجور کے سرے میں ہوتا ہے بڑا لذیذ شیریں ہوتا ہے... لیکن اس کے نکلنے کے بعد درخت بے کار ہو جاتا ہے اس لیے جب درخت گرجائے اور کسی کام کا نہ رہے تو پھر یہ نکال لیتے ہیں۔ (ذیل القاری ص ۳۵۰)

15 باب الاغْتِبَاطِ فِي الْعِلْمِ وَالْحِكْمَةِ۔ علم اور حکمت کی باتوں میں رشک کرنا

وَقَالَ عُمَرُو تَفَقَّهُوا قَبْلَ أَنْ تَسُوْذُوا اَقَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ وَبَعْدَ أَنْ تَسُوْذُوا وَقَدْ تَعَلَّمَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ كِبَرِ سِنِهِمْ.

حَدَّثَنَا الْخَمِيدِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا سَفِيَّانُ قَالَ حَدَّثَنِي إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي خَالِدٍ عَلَى غَيْرِ مَا حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ قَالَ سَمِعْتُ قَيْسَ بْنَ أَبِي حَازِمٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ رَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ مَا لَا فُسْطُطَ عَلَيْهِ هَلَكِيهِ فِي الْحَقِّ وَرَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ الْحِكْمَةَ فَهُوَ يَقْضِي بِهَا وَيَعْلَمُ بِهَا.

ترجمہ: حضرت عمرؓ نے فرمایا علم دین حاصل کرو بزرگ بننے سے پہلے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں بزرگ بننے کے بعد بھی حاصل کرو۔ سرور کائنات ﷺ کے صحابہ نے بڑھاپے میں علم حاصل کیا۔

حضرت ابن مسعودؓ کا ارشاد ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حسد صرف دو باتوں میں جائز ہے: ایک تو اس شخص کے بارے میں جسے اللہ نے دولت دی ہو اور وہ اس کو راہ حق میں خرچ کرنے کی قدرت رکھتا ہو اور ایک اس شخص کے بارے میں جسے اللہ نے حکمت کی دولت سے نوازا ہو وہ اس کے ذریعے سے فیصلہ کرتا ہے اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

رہ: یہ ہے کہ جس آدمی کے علم و فہم میں جس قدر زیادتی ہوگی اسی قدر غبطہ کے قابل زیادہ ہوگا۔

غرض ترجمہ: امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب میں لفظ اغتباط لا کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ حدیث الباب میں جو ”حسد“ کا لفظ آیا ہے اس سے مراد ”غبطہ“ ہے۔ گویا یہ ترجمہ شارح ہے۔

حاصل یہ کہ اغتباط سے اشارہ ہے کہ وہ سیادت قابل رشک ہے جس میں تفقہ قبل از سیادت ہوتا کہ لوگ رشک کرنے

میں حق بجانب ہوں مطلق سیادت نہیں۔ نتیجہ یہ کہ اصلاح خلق سے پہلے اپنی اصلاح کرے۔ (الحاج ص ۹۲) **فی العلم والحکمة:**

”و“ماطفہ ہے عطف میں دو احتمال ہیں: ۱۔ عطف تفسیری ہے کہ علم سے مراد حکمت ہے۔ ۲۔ عطف غیر تفسیری۔
(۱) حکمت کے مختلف معانی ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں: علم اسرار یعنی احکام کی ہل بیان کرنا اس کو حکمت کہتے ہیں۔
(۲) ہر چیز کو اس کا مقام دینا۔ (۳) حکمت کا مشہور معنی سنت بھی ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے: قرآن و سنت۔ ویسے حضرات علماء کرام نے چوبیس کے قریب معنی بیان فرمائے ہیں۔

یہاں حکمت کا ذکر ہے بعض روایات میں قرآن کا تذکرہ ہے رجل علمہ اللہ القرآن... معلوم ہوا حکمت سے مراد یہاں قرآن ہے۔ سوال: ان دو چیزوں کی تفصیص کیوں ہے؟ (۱) الہیت کی وجہ سے تفصیص ہے کہ قابل غبطہ بھی دو ہیں مبالغہ (۲) انسان میں خوبیاں داخلی ہوں گی یا خارجی... خارجی خوبی مال ہو جو امور خیر میں خرچ کرے... داخلی خوبی اہم ترین یہ ہے کہ علم و حکمت پاس ہو۔ (کشف الباری ج ۳ ص ۳۲۱)

تفقهوا قبل ان تسودوا:

حضرت عمرؓ کے ارشاد مبارک کا حاصل یہ ہے اس مرحلہ کے آنے سے پہلے کہ قوم کی قیادت کی ذمہ داری سر پر آئے۔ اس سے پہلے تفقہ حاصل کرو۔ ظاہر ہے بے علم و بے تفقہ قائد خود قور باد ہے ہی اپنی قوم کو تباہی کے گڑھے میں ڈالے گا۔ نیز قائد بننے کے بعد شاگرد بنتے ہوئے مارا آتی ہے۔ ورنہ کم از کم حصول علم کی راہیں دشوار تو ہونی چاہئیں گی۔
حضرت شیخ الہندؒ کے ہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کا مطلب یہ ہے سیادت سے پہلے علم حاصل کرو۔ ورنہ بعد میں جب اہل علم کی طرف لوگوں کا رجوع دیکھو گے تو حسد پیدا ہوگا۔ اور عین ممکن ہے لوگوں کے سامنے تمہاری خامیاں ظاہر ہو جائیں اور سیادت سے ہاتھ دھونے پڑ جائیں۔ (درس شامی 249)

وبعد ان تسودوا:

امام بخاریؒ کا مقصود حضرت عمرؓ کے ارشاد مبارک کی شرح ہے کہ اس میں قید قبلیت اتفاقی ہے بعد ان تسودوا کی نفی نہیں ہے۔ البتہ حضرت عمرؓ کا قول مبارک اولویت پر معمول ہے کہ قبل از سیادت علم حاصل کرنا اولیٰ ہے۔
شمر لکھوی نے تسودوا کا ترجمہ تزوج و اکلیا ہے لہذا بعد از نکاح اولاد و امور خانہ داری در دوسرین جاتے ہیں... اس لیے قبل از نکاح علم حاصل کرو۔ (کشف الباری ج ۳ ص ۳۱۴) عند بعض ”سواد الحیۃ“ سے ماخوذ ہے کہ دائرہ کی سفیدی سے پہلے ہی علم حاصل کرلو۔ (کشف) مگر حافظ فرماتے ہیں: تزویج سیادت کا جز تو ہو سکتا ہے مگر مکمل سیادت نہیں۔ (درس شامی 249)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد مبارک کا ترجمہ الباب سے بظ:

امام بخاریؒ فرماتے ہیں عامۃ الناس کے ہاں سیادت و قیادت قابل رشک ہوتی ہے اگرچہ وہ کیسی ہی ہو۔

غرض بخاریؒ یہ ہے کہ اگر آپ سیادت سے قبل علم و تقہ حاصل کر چکے ہو اور پھر سیادت مل گئی تو یہ سیادت جامع العلم و التقہ ہوگی جو حقیقۃً قابل رشک ہوگی۔

وقد تعلم اصحاب النبی ﷺ:

اس سے امام بخاریؒ نے اپنے قول ”بعد ان تسودوا“ پر استدلال کیا ہے۔ یعنی حضرات صحابہ کرامؓ کا اسوہ سامنے ہے کہ بڑے بڑے حضرات نے بڑی عمر میں تقہ حاصل کیا۔

غبطہ: اس کا معنی رشک کرنے کے آتے ہیں۔ اصطلاح میں تمنی مثل نعمت الغیر۔ امور دنیا میں غبطہ مبارح ہے اور امور دینی میں مستحسن ہے۔

حسد کی تعریف: تمنی ذوال نعمت الغیر۔ یہ حرام ہے۔ اس سے سمجھا جاسکتا ہے جب اس کی تمنائی حرام ہے تو بالفعل کو شش کرنا کتنا بڑا سنگین جرم ہوگا۔

آسمان پر بھی سب سے پہلی نافرمانی حسد کی شکل میں ہوئی کہ شیطان نے حسد کیا اور زمین پر بھی سب سے پہلی نافرمانی حسد کی شکل میں ہوئی کہ قابیل نے حسد کیا یہ حقیقت میں اللہ کی تقدیر پر اعتراض ہے۔ (ذیل بخاری 352)

لاحسد الا فی الثنین میں حصر اضافی ہے دوسری چیزیں بھی اس میں داخل ہو سکتی ہیں۔ (انعام ۲ ص ۹۴)

علی غیر ما حدثنا الزہری:

حضرت سفیان فرماتے ہیں مجھے مندرجہ بالا روایت زہری کے طریق کے علاوہ اسماعیل بن خالد کے طریق سے بھی پہنچی ہے۔ دونوں میں کچھ الفاظ کا فرق ہے۔ گویا بتلانا یہ مقصود ہے اس روایت میں تعدد طرق ہے۔ اضطراب نہیں ہے۔

لاحسد الا فی الثنین: سوال: الثنین صیغہ تانیث ہے اس کے بعد ر جل اتاہ ہے یہ مذکر ہے تو اجمال و تفصیل میں مطابقت نہ ہوئی۔

جواب: تفصیل کی جانب حذف مضاف ہے تقدیر عبارت ہے: خصلة رجل اتاه ___ حذف مضاف کے بعد مضاف الیہ (رجل) کو اس کے قائم مقام کر دیا۔

س: ۱: روایت الباب کی ترجمہ الباب سے مطابقت نہیں ہے کیونکہ ترجمہ اغبطا فی العلم ہے اور روایت میں حسد کا ذکر ہے۔

جواب: یہ ترجمہ شارح ہے۔ امام بخاریؒ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ یہاں حسد بمعنی غبطہ ہے۔

رجل اخر میں غبطہ کے قابل تین چیزیں ہیں۔

۱: حصول علم۔ ۲: فہو یقضى بها ای لنفسه ولغيره یعنی علم کے مطابق خود بھی عمل کرتا ہے اور لوگوں کو بھی اس پر عمل کرواتا ہے۔ ۳: تیسری چیز وہ علم تھا۔ لوگوں کو علم بھی سکھاتا ہے۔

16 باب مَا ذَكَرَ فِي ذَهَابِ مُوسَى (عِيهِ السَّلَام) فِي الْبَحْرِ إِلَى الْخَضِرِ

باب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جانا سمندر میں خضر علیہ السلام کی طرف

وَقَوْلُهُ تَعَالَى {هَلْ أَتَيْتُكَ عَلَىٰ أَنْ تُغْلَمَنِي مِمَّا غَلَمْتُ زُنْذًا}

اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کا بیان کہ: حضرت موسیٰ نے حضرت خضرؑ سے کہا: کیا میں آپ کے ساتھ اس غرض سے رہ سکتا ہوں کہ آپ کھلائی کا جو لم عطا ہوا ہے اس کا کچھ حصہ مجھے بھی سکھادیں؟

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ غُرَيْرٍ الزُّهْرِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ إِسْرَافِيلَ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ صَالِحِ بْنِ هِشَابٍ حَدَّثَنَا أَنَّ عُبَيْدَ اللَّهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ تَمَارَى هُوَ وَالْخَزْرَاءُ بَيْنَ قَيْسِ بْنِ حِصْنِ الْفَرَارِيِّ فِي صَاحِبِ مُوسَى قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ هُوَ خَضِرٌ فَتَمَرَّ بِهِمَا أَبِي بْنُ كَعْبٍ فَلَدَعَا ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ إِنِّي تَمَارَيْتُ أَتَاوُ صَاحِبِي هَذَا فِي صَاحِبِ مُوسَى الَّذِي سَأَلَ مُوسَى السَّبِيلَ إِلَى لُقْيِهِ هَلْ سَمِعْتَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ شَأْنَهُ قَالَ نَعَمْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ

بَيْنَمَا مُوسَى فِي مَلَأٍ مِنْ بَنِي إِسْرَافِيلَ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ هَلْ تَعْلَمُ أَحَدًا أَغْلَمَ مِنْكَ قَالَ مُوسَى لَا فَأَوْحَى اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَى مُوسَى بَلَى عَبْدُنَا خَضِرٌ فَسَأَلَ مُوسَى السَّبِيلَ إِلَيْهِ فَجَعَلَ اللَّهُ لَهُ الْخُوتَ آيَةً وَقِيلَ لَهُ إِذَا فَتَدَّتْ الْخُوتُ فَارْجِعْ فَإِنَّكَ سَتَلْقَاهُ وَكَانَ يَتَّبِعُ أَكْثَرَ الْخُوتِ فِي الْبَحْرِ فَقَالَ لِمُوسَى فَقَاهُ {أَرَأَيْتَ إِذَا أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْخُوتَ وَمَا أَتَسَاءَلُهُ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ} {قَالَ ذَلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِي} فَارْجِعْ إِلَى الْآثَارِ وَمِمَّا قَصَصْنَا فَأَوْجَدْنَا خَضِرًا فَكُنَّا مِنَ شَأْنِهِمَا الَّذِي فَضَّلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ فِي كِتَابِهِ.

ترجمہ: عبید اللہ بن عبد اللہؒ نے حضرت ابن عباسؓ کے واسطے سے خبر دی وہ اور حریں قیسؒ حضرت موسیٰ کے ساتھی کے بارے میں جو گفتگو ہوئے۔ ابن عباسؓ نے فرمایا حضرت خضرؑ پھر ان کے پاس سے ابی بن کعبؓ گزرے تو ابن عباسؓ نے کہا میں اور میرا ساتھی حضرت موسیٰ کے ساتھی کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں جس سے موسیٰ نے ملاقات کی سبیل چاہی تھی کیا آپ نے حضور ﷺ سے اس بارے میں کچھ سنا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ میں نے آپ ﷺ سے سنا کہ ایک دن حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کی جماعت میں موجود تھے۔ اتنے میں ایک شخص آیا اس نے موسیٰ سے پوچھا کیا آپ جانتے ہیں کہ کوئی آپ سے بھی بڑھ کر عالم ہے؟ موسیٰ نے فرمایا نہیں۔ اس پر اللہ نے موسیٰ کے پاس وحی بھیجی کہ ہمارا بندہ خضرؑ ہے (جس کا علم تم سے زیادہ ہے) تو موسیٰ نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ اس سے ملنے کی کیا صورت ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ایک مچھلی کو ان سے ملاقات کی علامت قرار دیا۔ اور ان سے فرمادیا کہ جب تم اس مچھلی کو کم کر دو تو واپس لوٹ جاؤ تب خضرؑ تمہاری ملاقات ہوگی۔ تب موسیٰ دریا میں مچھلی کی تلاش کرتے رہے اس وقت ان کے ساتھی نے کہا جب ہم پتھر کے ساتھ تھے کیا آپ نے نہیں دیکھا تھا؟ میں اس وقت مچھلی کا کہنا بھول گیا تھا اور شیطان نے مجھے اس کا ذکر بھلادیا تھا۔ موسیٰ نے کہا اسی مقام کی تو ہمیں تلاش تھی جب وہ اپنے نشانات

قدم پر باتیں کرتے ہوئے لوٹے وہاں انہوں نے عنصر کو پایا آگے وہی قصہ ہے جو قرآن کریم نے بیان کیا۔
 ربط انبساط سے معلوم ہوا تھا علم و حکمت میں غلط و رشک کرنا چاہیے۔ اس باب میں یہ بتلایا جا رہا ہے قاتل غلط چیز کیلئے مشقت بھی برداشت کرنی پڑتی ہے۔۔۔ حتیٰ کہ حضرت موسیٰ جیسے اولو المعرفہ و غیر بھی سفر کی صعوبت و مشقت برداشت کر رہے ہیں۔
 ربط ۲: ماقبل میں بعد از سیادت حصول علم کے لیے اسوہ صحابہ کرام کا ذکر کیا تھا مگر یہ دلیل نہیں بن سکتی اس لیے کہ ان کا قبول اسلام ہی بعد از کبر سنی ہے۔۔۔ عالم جوانی میں اسباب علم بھی نہ تھے۔۔۔ اس لیے امام بخاریؒ نے حضرت موسیٰ کے واقعہ سے استدلال کیا۔ نبوت کی سیادت کے باوجود اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ ایک ہمارا بندہ تم سے زیادہ علم رکھتا ہے۔۔۔ فوری ملاقات کا اشتیاق (وداخلہ) کا اظہار کیا اور کڑی شرائط۔۔۔ نیز تشریح سیادت کے باوجود حصول علم کے لیے طویل بری و بحر سفر فرمایا۔
 غرض ترجمہ ۱: امام بخاریؒ یہ بتلانا چاہتے ہیں علم کی عظمت اس درجہ کی چیز ہے اس کے حصول کیلئے اگر سمندر کا بھی سفر کرنا پڑے تو کرنا چاہیے۔

۲: یہ علم اتنی عظمت رکھتا ہے اس کی خاطر مصائب و مشقت برداشت کرنا پڑے تو کرو۔
 ۳: یہ پہلے باب کا تتمہ ہے قیادت و سیادت ملنے کے باوجود حصول علم کرو۔ ایک دلیل تو اسی باب میں اور ایک دلیل یہاں بیان فرمادی۔ چنانچہ حضرت موسیٰ بعد از نبوت بھی علم کے حصول کیلئے سفر فرما رہے ہیں۔ جو بعد ان تسودوا کی دلیل ثانی ہے۔
 ۴: اس باب سے امام بخاریؒ کا مقصود یہ ہے اگر علم چھوٹے سے بھی حاصل کرنا پڑے تو گریز نہ کرے۔
 فائدہ: مدارس میں داخلہ کی شرائط کے واضح اشارات موجود ہیں ”طالب علم“ کو چاہیے خلاف طبیعت ہونے کے باوجود ”ہللی مفاد“ کے لئے قبول کرے تاکہ علم سے محرومی نہ ہو۔ اجمالی طور پر نظم تعلیم کے لئے ”مبارک اسوہ“ ہے۔

فی البحر الی الخضر:

سوال: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سمندر میں تو سفر نہیں کیا تھا۔ ساحل سمندر میں کیا تھا۔ یہاں عنوان میں فی البحر کا لفظ کیسے آیا؟
 جواب: مقصد اس حصہ سفر کو بیان کرنا ہے جو حضرت موسیٰ کا حضرت خضر کے ساتھ ہوا تھا اس صحت میں الی بمعنی مع کے ہلکا۔
 جواب ۲: یہاں پر ساحل کا لفظ محذوف ہے اصل میں اس طرح ہے: ای فی ساحل البحر۔
 جواب ۳: ساحل سمندر کے سفر کو بھی عرف میں سمندری سفر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔
 جواب ۴: مچھلی نے جو راستہ اختیار کیا وہاں سے پانی ہٹ گیا اور ایک کھلی سرنگ کی صورت اختیار کر لی، موسیٰ مچھلی کے پیچھے اس سرنگ میں داخل ہو گئے۔۔۔ جتنی کہ حضرت خضرؑ سے جا ملے، یہ سفر موسیٰ فی البحر ہے (کشف الباری ج ۳ ص ۳۲۸)
 جواب ۵: حدیث میں ہے کہ ملاقات جزیرۃ من الجزائر میں ہوئی۔ ظاہر ہے جزیرہ تک پہنچنے کے لئے بحر میں سفر کرنا پڑے گا۔ (درس شامری 251)

حضرت خضر علیہ السلام کے بارے میں چار ابحاث ہیں

(۱) البحت الاول: خضر، خضر، خضر تین طرح سے پڑھا جاسکتا ہے۔ مشہور خضر ہے۔

ان کا نام ہلوا بن ملک ان ہے۔ خضر ان کا لقب ہے۔

خضر کا معنی سبزہ کے ہیں۔ اس لقب کی کئی وجوہات ہیں۔

۱: جہاں بیٹھتے تھے وہاں سبزہ اگ آتا تھا۔ ۲: کثرت سے سبز لباس میں ملبوس رہتے تھے۔

البحت الثانی: ان کا دور حیات کب ہے؟

۱: بعض حضرات کہتے ہیں ہلا واسطہ حضرت آدمؑ کے بیٹے ہیں۔

۲: عند بعض حضرت نوحؑ کی پانچویں پشت میں سے تھے۔

۳: عند بعض حضرت ابراہیمؑ کی چوتھی پشت میں سے تھے۔

۴: عند بعض ذوالقرنین کے زمانے میں تھے۔

البحث الثالث: یہ نبی تھے یا ولی تھے۔ دونوں قول موجود ہیں۔ دونوں طرف دلائل اور مرجع بھی ہیں۔ لیکن راجح یہ ہے کہ نبی تھے۔ نبی مرسل یعنی تشریح نبی نہیں تھے بلکہ تکوینیات کے نبی تھے۔ بہر حال کوئی نبی غیر نبی سے تعلیم حاصل نہیں کر سکتا۔ حضرت خضر علیہ السلام سے صادر شدہ بعض واقعات خلاف شرع ہیں جو استثنائی احکام کے تحت، صرف وحی سے معلوم ہو سکتے ہیں اور وہ مافعلیہ عن اموی بھی نبوت پر دال ہے۔

البحت الرابع:

حضرت خضر حیات میں یا نہیں؟ اصحاب ظواہر کے نزدیک وصال فرما چکے ہیں۔ جبکہ اصحاب بواطن کہتے ہیں حیات

میں۔ اور معر ہو کر محبوب عن ابصار ناہیں۔

عند بعض خروج دجال کے وقت دجال جس شخص کو قتل کرے گا پھر زندہ کرے گا۔ جب دوبارہ زندہ ہوگا تو دجال اسے کہے

گا کہ اب تو تجھے یقین ہو گیا میں خدا ہوں۔ وہ کہے گا اب تو مجھے اور زیادہ یقین ہو گیا کہ تو مسیح دجال ہے۔ یہ شخص حضرت خضر

ہوں گے۔ دونوں میں اس مناسبت سے ترجیح ہوتی ہے کہ حضرت خضر اور دجال دونوں غی ہیں۔ اور دونوں محبوب عن ابصار ہیں۔

ویسے بھی چونکہ یہ معاملہ تکوینیات کا ہے۔ اس لئے حضرات صوفیاء کرام، اصحاب بواطن کا قول معتبر ہونا چاہیے جیسا کہ امور تشریعیہ

میں فقہاء و محدثین کا قول معتبر قرار دیا جاتا ہے۔

حضرت خضر کے بارے میں یہ بھی اختلاف ہے کہ آپ فرشتہ ہیں یا انسان۔ (فضل الباری ۵۹)

تشریح حدیث

انہ تمارئ ہو و الحربن قیس _____ الخ

سوال: حدیث الباب سے معلوم ہوتا ہے حضرت حو اور حضرت ابن عباسؓ میں یہ بحث ہوئی کہ ”صاحبِ موسیٰ“ کون ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں وہ حضرت ہیں۔ اور حضرت حو اس کا رد فرماتے ہیں۔ تاہم ان کے نزدیک پھر اس کا مصداق کون ہے۔ روایات میں اس کا تذکرہ نہیں۔ پھر حضرت ابن عباسؓ نے حضرت ابی ابن کعبؓ سے فیصلہ کرایا تو ان کی تائید ہوئی۔ فدعاہ ابن عباسؓ: اختلاف کے وقت اہل علم سے معلوم کرے۔ (درس شامی 253)

جبکہ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے تنازع و اختلاف صاحبِ موسیٰ میں نہیں بلکہ بذاتِ خود حضرت موسیٰؑ (صاحبِ خضر) کے بارے میں ہے کہ مراد موسیٰ بن عمران ہیں۔ یا کوئی اور موسیٰؑ مثلاً موسیٰ بن یوسف یا موسیٰ بن میشاہیں۔

جواب: تعارض نہیں بلکہ تعدد واقعہ پر محمول ہے۔ تفصیل یہ ہے صاحبِ موسیٰ میں جو اختلاف ہوا ہے یہ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت حو بن قیسؓ کے درمیان ہوا جیسا کہ حدیث الباب میں ہے: اور بذاتِ خود حضرت موسیٰؑ کے درمیان جو اختلاف ہوا ہے یہ حضرت سعید بن جبیرؓ اور نوف بکالی کے درمیان ہوا۔

حضرت حرب بن قیسؓ حضرت عمرؓ کے مقررین میں سے تھے اور مشیر بھی۔ (کشف الباری ج ۳ ص ۳۲۶)

نوف بن فضالہ بکالی یہ کعب احبار کی بیوی کے لڑکے تھے۔ ان سے نوف نے یہ بات نقل کی حضرت خضرؑ کے رفیق سفر موسیٰ بن عمران نہیں تھے کیونکہ یہود اس واقعہ کو اپنے پیغمبر کیلئے کسر شان سمجھتے تھے۔ اس لئے فرضی طور پر اور موسیٰ کے ساتھ واقعہ کو جوڑ دیا۔ (تحفہ 419/1)

سوال: حدیث الباب سے معلوم ہوا حضرت موسیٰؑ کو حضرت خضرؑ کے پاس بھیجا گیا تو حضرت خضرؑ کی فضیلت معلوم ہوئی ہے۔

جواب ۱: فضیلت جزئی ہے۔

جواب ۲: حضرت موسیٰؑ علمِ تشریحی کے عالم ہیں اور حضرت خضرؑ کے پاس علمِ تکوینی تھا۔ تو حضرت خضرؑ کی فضیلت نہیں۔

سوال: جب حضرت موسیٰؑ ہی افضل ہیں پھر حضرت موسیٰؑ کو حضرت خضرؑ کے پاس کیوں بھیجا گیا؟

جواب: چونکہ دورانِ خطبہ یہ فرمایا میرے سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں۔ اگرچہ یہ بیان حقیقت تھا۔ تاہم سورۃ یہ دعویٰ تھا یہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آیا۔ اس لئے بھیجا گیا۔ چاہیے تھا کہ حضرت موسیٰؑ اللہ اعلم کہتے اس لئے حسنات لاہر و ارسینات المقربین کے تحت حضرت موسیٰؑ سے منجانب اللہ یہ معاملہ کیا گیا۔

حضرت موسیٰؑ واللہ اعلم کہنا بھول گئے تو سفر بحر و بر الی الخضر کرایا گیا اور آپ کے خادم یوشع بن نون نے کہا کہ میں مقام مقصود اور علامت کہ منجھلی زندہ ہو کر سمندر جانے کو یاد دلاؤں گا۔۔۔ یہ بھی ان شاء اللہ کہنا بھول گئے۔ اس لیے مقام مقصود پر پہنچنے کے باوجود مزید مشقت ہوئی۔۔۔

اعلم الناس ہونے کا دعویٰ ہے پوری احتیاط کے باوجود مچھلی چلی گئی اور علم نہ ہو سکا۔ (فضل الباری ص ۲۵۸ ج ۲)
یہ چونکہ مقام شفقت نہ تھا، عتاب کا تھا تو راستہ متعین نہیں فرمایا صرف علامت بتلادی کہ مچھلی ساتھ لے لو۔ (درس شامی 252)

فمر بهما ابی ان کعب رضی اللہ عنہ:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ انکو دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔ بعد از سلام مسئلہ دریافت فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اپنے اساتذہ کرام کا خوب ادب و احترام فرماتے تھے۔ (دلیل القاری 356)
حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے ۱۶۴ احادیث مروی ہیں متفق علیہ تین ہیں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ تین ہیں اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ سات احادیث میں متفق ہیں۔ (كشف الباری ج ۳ ص ۳۴۰)

مجمع البحرین کی تعیین مشکل ہے اگر یہ واقعہ قیام مصر کے زمانہ میں پیش آیا تو سوڈان میں خرطوم شہر کے پاس دریائے نیل کی دوشاخیں ملتی ہیں وہ جگہ مراد ہے... مگر جمہور مفسرین کا خیال ہے کہ یہ واقعہ وادی سینا کی اسارت کے زمانے کا ہے... پس بحر قزوم کی دوشاخیں خلیج عقبہ اور خلیج سویز جہاں ملتی ہیں وہ جگہ مراد ہے۔ (حفظہ القاری ج ۱ ص ۳۴۹)

عبدنا خضر:

یہاں حضرت خضر کی صفت ”عبدیت“ بیان کی گئی ہے۔ گویا اشارہ ہے جس قدر عبدیت و عجز بڑھتا چلا جائے گا اسی قدر علم میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ در نہ تکبر سے برباد ہوتا چلا جائے گا۔ مشاہدہ ہے بعض ذہین طلبہ تکبر کی وجہ سے برباد ہو گئے۔

وما انسانيہ الا الشیطن:

یہاں پر بھولنے کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی ہے۔ اس لئے کہ حضرت یوشع علیہ السلام ان خیالات کی وجہ سے بھولے تھے جو دل میں آرہے تھے۔ اور دل میں خیالات شیطان نے ڈالے۔ تو اس کی طرف نسبت کر دی گئی۔

فائدہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا موتی کو اس وقت مکان محسوس ہوا جب منزل مقصود سے آگے بڑھے... مقصد یہ کہ بامقصد کام سے آدمی نہیں جھکتا بے مقصد محنت تھکا دیتی ہے یعنی نفس الامری بات کا قلب نبوت پر عکس پڑا۔ (حفظہ القاری ج ۱ ص ۳۴۹)

فائدہ: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ باب بطور استدلال قائم فرمایا۔ جب نفل اور دنیوی علم کیلئے مشقت اٹھائی جاسکتی ہے تو فرض اور دینی علم کیلئے کیوں نہیں اٹھائی جاسکتی۔

17 باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہم علّمہ الكتاب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماں اے اللہ اے علم کتاب عطاء فرما

حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ قَالَ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ ضَمَّنِي

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ اللَّهُمَّ عَلِّمْنِي الْكِتَابَ

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے سینے سے لپٹا لیا اور فرمایا اے اللہ اے علم کتاب (قرآن) عطا فرما۔

ربط ۱: باب سابق میں حصول العلم من الصغیر کا ذکر تھا۔ باب ہذا میں حصول العلم من الکبیر کا ذکر ہے۔

ربط ۲: باب سابق میں حضرت ابن عباسؓ کے صحت فہم اور بلند فہم کا ذکر تھا۔ جبکہ باب ہذا میں یہ بتلایا جا رہا ہے کہ یہ فہم کا معیار آپ ﷺ دعا کی برکت تھی۔

ربط ۳: حضرت شیخ الحدیثؒ فرماتے ہیں طلب علم کے لیے اسوہ ابن عباسؓ خدمت و ادب کو ملحوظ رکھا جائے تاہم امام بخاریؒ کا مقصد یہاں یہ ہے کہ علوم قرآن کے لیے خصوصی طور پر اجزاء تضرع و زاری کی بہت ضرورت ہے۔ (فضل الباری ج ۲ ص ۶۲)

غرض بخاریؒ: حصول علم کیلئے صرف سفر اور محنت کافی نہیں۔ بلکہ اکابر کی دعاء بھی ضروری ہے۔۔۔ حضرت ابن عباسؓ کو جو کمال علمی حاصل ہوا وہ دعاء سے ہی ہوا۔ لہذا اساتذہ و مشائخ کی خدمت ایسے طور پر کرنی چاہیے کہ خود بخود ان کے دل سے دعائیں نکلیں۔۔۔ ایسے ہی اساتذہ کرام کو بھی آپ ﷺ اسوہ مبارک سامنے رکھنا چاہیے۔ باصلاحیت و خدام بچوں کیلئے خوب سے خوب دعائیں کریں۔۔۔ بلکہ دیں۔

شان و ورود: آپ ﷺ نے کیلئے تشریف لے گئے۔ حضرت ابن عباسؓ کو خیال ہوا واپسی پر استنجاء کی ضرورت ہوگی۔ چنانچہ اپنے فہم کی بنیاد پر از خود پانی کا لوٹا بھر کر رکھ دیا۔۔۔ واپسی پر آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: یہ کس نے کھلے؟ جس پر آپ ﷺ بتلایا گیا تو آپ ﷺ ہنسی ہوئے اور دعا دی۔

آپ بیت الخلاء تشریف لے گئے تو تین صورتیں حضرت ابن عباسؓ کے سامنے تھیں

(۱) پانی لے کر بیت الخلاء جائیں

(۲) آپ کے طلب فرمانے پر پانی حاضر کریں

(۳) بیت الخلاء کے باہر پانی تیار رکھ دیں۔۔۔ پہلی میں بے پردگی دوسری میں عمل خدمت میں تاخیر تیسری مناسب تھی

جوڈ کاوت ابن عباسؓ پر دال ہے تو جزاء من جنس العمل کے اصول پر دعاء نبوی ﷺ گئی۔ (فضل الباری ص ۶۰ ج ۲)

سیدنا ابن عباسؓ کو سیدنا نبوی ﷺ سے علوم منتقل ہوئے اور سیدنا ابو ہریرہؓ کو سیدنا اقدس سے بواسطہ رداء علوم منتقل ہوئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بواسطہ ید نبوی صلی اللہ علیہ وسلم۔ (فضل الباری ج ۲ ص ۶۱)

سیدنا عبد اللہ ابن عباسؓ کو دعاء نبوی ﷺ کا وہ ادب و احترام بھی سبب ہے جبکہ تہجد میں رسول اللہ ﷺ نے ان کو ساتھ کھڑا فرمایا مگر وہ برابر کھڑے نہیں ہوئے استفسار پر عرض کیا۔ او ینبغی لاحد ان یصلیٰ حذاءک وانت رسول

اللہ...؟ یہ واقعہ احترام اور سابقہ واقعہ خدمت کے قبیل سے ہے۔ (کشف الباری ج ۳ ص ۷۳)

آپ ﷺ کے وصال شریف کے وقت ان کی عمر تیرہ برس تھی۔

اللهم علمه الكتب:

بعض روایات میں الحکمۃ کا لفظ بعض میں الکلب کا لفظ ہے۔ اور بعض میں اللهم فقه فی الدین وعلمۃ التاویل یعنی اے اللہ ان کو دین کی سمجھ اور علم تفسیر عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو قبول فرمائی۔ حضرت ابن عباسؓ بھی اور مفسر بھی ہیں۔ آج جس قدر کتب تفسیر ہیں وہ حضرت ابن عباسؓ کی محتاج ہیں۔ فقہ شافعی کا تو مکمل مداری حضرت ابن عباسؓ کی روایات پر ہے۔ اس لئے ان کو ہمیں المفسرین سمجھا جاتا ہے۔

آجکل مارکیٹ میں جو تفسیر حضرت ابن عباسؓ کے نام سے مشہور ہے اس کی نسبت ان کی طرف صحیح نہیں ہے۔
(از علوم القرآن، حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)

18 بَابُ مَتَى يَصِخُّ سَمَاعُ الصَّغِيرِ۔۔۔ صَغِيرُ كَاسَمَاعٍ كَبْتٌ صَحِيحٌ؟

خَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ قَالَ خَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُثْمَانَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَقْبَلْتُ زَكِيًّا عَلَى جَمَارِ أَثَانٍ وَأَنَا يَوْمَئِذٍ قَدْ نَاهَزْتُ الْإِخْلَامَ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْلِي بِمَنْئَى إِلَى غَيْرِ جَدَارٍ فَمَرَزْتُ بَيْنَ يَدَيْ بَقِصِ الصَّفِّ وَأَزْمَلْتُ الْأَثَانَ تَزَعٍ فَلَدْخَلْتُ فِي الصَّفِّ فَلَمْ يَنْكُزْ ذَلِكَ عَلَيَّ خَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بُوَسَّافٍ قَالَ خَدَّثَنَا أَبُو مُشْهَرٍ قَالَ خَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَزْبٍ خَدَّثَنِي الزُّبَيْدِيُّ عَنْ الزُّهْرِيِّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الرَّبِيعِ قَالَ عَقَلْتُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَجْلَعَةً فِي وَجْهِهِ وَأَنَا ابْنُ خَمْسٍ مِائَةٍ مِنْ ذُلِّهِ

ترجمہ: ابن عباسؓ فرماتے ہیں میں ایک مرتبہ گدھی پر سوار ہو کر چلا اور میں اس زمانے میں بلوغ کے قریب تھا۔ رسول اللہ ﷺ میں نماز پڑھ رہے تھے اور آپ کے سامنے دیوار تھی تو کچھ صفوں کے سامنے سے گزرا اور گدھی کو چھوڑ دیا تو وہ چمرنے لگی۔ میں صف میں داخل ہو گیا مگر کسی نے مجھے اس پر ٹوکا نہیں۔

محمود بن رجیعؒ اُٹھل کرتے ہیں مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ڈول سے منہ میں پانی لے کر میرے چہرے پر کھلی فرمائی اور اس وقت میں پانچ سال کا تھا۔

اس فعل (کلی کرنے سے) خوش طبعی سے بچے کو مانوس کرنے اور اس پر برکت ڈالنے کے علاوہ بچے کو والدین کی تطہیب قلب بھی مقصود تھی اور یہ تعبیر ہے علم سے۔ حضرت علامہ عثمانی فرماتے ہیں: ایک شخص نے خواب دیکھا آپ ﷺ نے اس کے منہ میں لعاب مبارک ڈالا کہ اس نے تھوکتا تو معجزے لے کر ہاتھ لگا کر مخالفت کرو گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ (جلد 361)

ربطہ باب سابق میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے بچپن میں آپ ﷺ سے دعائیں لی تھیں۔ اور بلوغ کے بعد ان کے آثار کو نقل فرمایا۔ اور حضرت ابن عباسؓ کی اس نقل پر اعلیٰ راہ اعتماد کیا گیا۔ باب ہذا میں قبل از بلوغ کی ایک روایت نقل فرمائی ہے جس کا حلق حجۃ الوداع سے ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس وقت میں قریب السلوخ تھا۔ اس سے معلوم ہوتا نابالغ کا تحمل حدیث صحیح ہے۔

غرض بخاری اور سماع صغیر کے بارے میں اقوال:

امام بخاریؒ کا مقصود یہ بتلانا ہے کہ ادائے حدیث کے وقت بلاشبہ راوی کا بالغ ہونا بالاجماع شرط ہے۔ لیکن تحمل حدیث کے وقت بالغ ہونا شرط نہیں۔

امام بخاریؒ نے یہ ترجمہ استفہام کے ساتھ قائم فرمایا۔ کیونکہ سماع صغیر کے بارے میں حضرات محدثین کرام کا اختلاف ہے۔ علامہ حینیؒ فرماتے ہیں بالغ کے سماع کے معتبر ہونے پر تو سب کا اتفاق ہے۔ خواہ عمر کتنی ہی کیوں نہ ہو۔

دلیل: حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی عمر پندرہ سال سے کم تھی تو جہاد میں شامل نہ ہو سکے تو تحمل حدیث ہی نہیں ہو سکتا۔ . . تاہم اس کا جواب یہ ہے پندرہ سال سے کم عمر قوائے جسمانی مضبوط نہیں ہوتے تو جہاد نہیں کر سکتے۔ . . جبکہ تحمل حدیث میں ذہنی صلاحیت کی ضرورت ہے لہذا اقیاس معتبر نہیں۔ . . ورنہ عبداللہ بن عباسؓ، نعمان بن بشیرؓ، سمرہ بن جندبؓ اور براء بن عازبؓ جیسے حضرات اکابر کے بڑے بڑے ذخیرے مروی ہیں جن کا تحمل حدیث پندرہ برس سے کم عمر میں ہے تا قائل اعتبار ہو جائیں گے۔ (انجام ۲ ص ۹۸)

البتہ یحییٰ ابن معینؒ سے مروی ہے ان کے نزدیک پندرہ سال سے کم والے کا سماع معتبر نہیں خواہ وہ بالغ بھی ہو۔ لیکن اس قول کی تردید خود امام احمدؒ نے کی ہے اور فرمایا: بنس القول لهذا۔

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں بلوغ شرط نہیں۔ بلکہ تمیز شرط ہے۔ بعض حضرات چار سال کے قائل ہیں۔ بعض پانچ سال کے بھی قائل ہیں۔ یہ دونوں قول محمود بن الربیع کی عمر میں اختلاف کی وجہ سے ہیں۔

بعض حضرات سات سال کی قید لگاتے ہیں۔ کیونکہ سات سال کا بچہ نماز کا مامور ہے۔ بعض حضرات نے ایک لطیفہ قائم کیا۔ عرب کا چار سال اور عجم کا سات کا۔۔۔ بہر حال راجح یہی ہے کہ عقل و تمیز والا ہو۔

علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں: سال اور حالات کے اعتبار سے کوئی عمر متعین کرنا مشکل ہے۔ اس واسطے کوئی اصول کلی نہیں بنایا جاسکتا۔ ہر حدیث میں یہ دیکھا جائے کہ اس روایت کا تحمل اس خاص واقعہ میں یہ بچہ جو کر رہا ہے آیا اس واقعہ کی روایت کے وقت یہ تحمل حدیث کے قابل تھا یا نہیں۔ جیسے محمود بن الربیعؒ کا واقعہ حدیث الباب میں ہے۔

یہ ایسا واقعہ ہے اگر پانچ سال کے بچہ کو یاد رہ جائے تو بعید نہیں کہ آپ ﷺ نے ذول سے پانی لیکر میرے اوپر کلی فرمائی تھی۔ نہ ایسا کوئی دقیق نکتہ یا مسئلہ کا حکم یا علمی مسئلہ ہے۔ لہذا اس میں تحمل معتبر ہے۔ لیکن اگر پانچ سال کی عمر میں ایک بچہ بیچ سلم کا مسئلہ بیان کرنے لگے تو یہ مسئلہ معتبر نہیں ہوگا۔ کیونکہ پانچ سال کا بچہ بیچ ہی کو نہیں سمجھتا تو سلم کو کہاں سے جانے گا۔

تشریح حدیث

حدثنا اسمعيل

علی حمار اتان: حمار کا لفظ مذکر و مونث دونوں کو عام ہے۔ لیکن اکثر چونکہ مذکر کیلئے استعمال ہوتا ہے یہاں

تذکیر کا شبہ دور کرنے کیلئے اتان کا لفظ بڑھایا۔

یصلیٰ یعنی: منیٰ کا فظی معنی ”بہانا“ ہے جو چیز بہائی جائے اس کو منیٰ کہتے ہیں۔ منیٰ میں چونکہ قربانیاں کر کے خون بہائے جاتے ہیں اس لئے اس کو منیٰ کہتے ہیں۔

الیٰ غیر جدار: اس کی تفسیر میں محدثین کا اختلاف ہوا ہے۔

۱: علامہ بیہقیؒ فرماتے ہیں حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ سترے کے نماز پڑھا رہے تھے۔ حتیٰ کہ بعض ائمہ نے باب صلوٰۃ بغیر مسعرۃ قائم کر کے ائمیں اس حدیث کو اہل کیا۔

۲: دوسری تفسیر: امام بخاریؒ اور علامہ کرمائی کی رائے یہ ہے الیٰ غیر جدار کا مطلب یہ ہے کہ سترہ تو تھا بصورت دیوار نہیں تھا۔ اس لئے امام بخاریؒ نے ص ۱ پر باب باندھا ہے مسعرۃ الامام مسعرۃ من خلفہ اور اس میں پھر بھی روایت نقل کی ہے۔ معلوم ہوا کہ سترہ تھا۔ تو امام کے سترہ ہونے کی وجہ سے بلکہ کف گذرا جاسکتا ہے اور اس پر کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ کیونکہ امام کا سترہ مقتدیوں کا بھی شمار ہوتا ہے۔

فلہم ینکر ذلک علی: ضمیر کا مرجع خواہ آپ ﷺ یا کوئی اور۔ حاصل یہ ہے کسی نے بھی تکلیف نہیں کی۔

شان ورود:

حضرات صحابہ کرام کے دور میں ایک حدیث کے پیش نظر اختلاف ہو گیا۔ حدیث یہ تھی:

تقطع الصلوٰۃ امر آق و حماز و کلب۔

اس پر حضرت عائشہؓ ناراض ہو گئیں کہ ہمیں گدھے اور کتے کے برابر کر دیا۔ ام المومنینؓ کی ناراضگی دور کرنے کیلئے حضرت ابن عباسؓ نے یہ روایت سنائی۔ حدیث ابن عباسؓ سے جمہور کا بھی مسلک ثابت ہوا کہ یہ چیز مفسد نماز نہیں۔ ظاہر یہ اور امام احمد بن حنبلؓ کے مسلک کا رد ہوا جو ان چیزوں کو مفسد صلوٰۃ قرار دیتے ہیں۔ جمہور کے نزدیک قطع صلوٰۃ سے مراد قطع خشوع صلوٰۃ ہے۔

سوال: دونوں روایات میں ”سماع“ کا ذکر تو کہیں بھی نہیں۔ ترجمۃ الباب سے یہ روایات کیسے مربوط ہوں گی۔

جواب: سماع سے مراد حمل حدیث ہے۔ اور حمل حدیث کیلئے قول ضروری نہیں۔ بلکہ حمل حدیث میں اقوال و احوال اور

تقاریر بسبب طریقے ہو سکتے ہیں۔ البتہ خاص سماع کیلئے قول ضروری ہے۔

من دلو: بعض روایات میں فی دار ہے اور بعض میں من بنو ہم ہے۔

تو اس میں کوئی تعارض نہیں۔ مفہوم یہ ہے گھر میں جو کنواں تھا اس کے ساتھ جڑول لٹکا ہوا تھا وہ مراد ہے۔ تو یہ تعارض نہیں ہے۔



19 باب الخروج في طلب العلم۔۔ علم کی طلب میں نکلنے کا بیان

وَرَحَلَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ مَسِيرَ قَشِيرٍ إِلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَنَسٍ فِي حَدِيثٍ وَاحِدٍ

جابر بن عبد اللہؓ نے سفر کیا ایک مہینہ کی مسافت کا عبد اللہ بن انیسؓ کی طرف ایک حدیث کے بارے میں۔

حَدَّثَنَا أَبُو الْقَاسِمِ خَالِدُ بْنُ خَلْفٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَزْبٍ قَالَ قَالَ الْأَوْزَاعِيُّ أَخْبَرَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ عَبْدِ

اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُثْمَانَ بْنِ مِثْقَلٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ تَمَارَى هُوَ وَالْخُوَ بَنُ قَيْسِ بْنِ حِصْنٍ الْفَزَارِيِّ فِي صَاحِبِ

مُوسَى فَمَرَّ بِهِمَا أَبُو بَكْرٍ فَدَعَا ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ

إِنِّي تَمَارَيْتُ أَنَا وَصَاحِبِي هَذَا فِي صَاحِبِ مُوسَى الَّذِي سَأَلَ السَّبِيلَ إِلَى لِقَائِهِ هَلْ سَمِعْتَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى

اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ شَأْنَهُ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ نَعَمْ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ شَأْنَهُ يَقُولُ بَيْنَمَا مُوسَى فِي مَلَأٍ

وَنَبِيٍّ إِسْرَئِيلَ إِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ أَتَعْلَمُ أَخَذَا أَعْلَمَ مِنْكَ قَالَ مُوسَى لَا فَأَوْحَى اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَى مُوسَى بَلَى

عَبْدَنَا خَضِرٌ فَسَأَلَ السَّبِيلَ إِلَى لِقَائِهِ فَجَعَلَ اللَّهُ لَهُ الْخُوتَ آيَةً وَقِيلَ لَهُ إِذَا فَتَقَدَّتْ الْخُوتُ فَارْجِعْ فَإِنَّكَ سَتَلْقَاهُ

فَكَانَ مُوسَى صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْبِضُ أَكْثَرَ الْخُوتِ فِي الْبُخْرِ فَقَالَ فَقَى مُوسَى لِمُوسَى [أَرَأَيْتَ إِذَا أَوْقَيْنَا إِلَى

الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْخُوتَ وَمَا أَنَسَانِيهِ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ] قَالَ مُوسَى [ذَلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِي] فَارْتَدَّا عَلَى

آثَارِهِمَا قَصَصًا [فَوَجَدَا خَضِرًا أَفْكَانًا مِنْ شَأْنِهِمَا قَصَصَ اللَّهُ فِي كِتَابِهِ

ترجمہ: جابر بن عبد اللہؓ نے سفر کیا ایک مہینہ کی مسافت کا عبد اللہ بن انیسؓ کی طرف ایک حدیث کے بارے میں۔

عبد اللہؓ نے حضرت ابن عباسؓ کے واسطے سے خبر دی کہ وہ اور حریس قیسؓ حضرت موسیٰؑ کے ساتھی کے بارے میں جو گفتگو ہوئے تو

ان کے پاس سے ابی بن کعبؓ گزرے تو ابن عباسؓ نے ان کو بلایا اور کہا میں اور میرا ساتھی حضرت موسیٰؑ کے ساتھی کے بارے میں

گفتگو کر رہے ہیں جس سے موسیٰؑ نے ملاقات کی سبیل چاہی تھی۔ کیا آپؑ نے حضور ﷺ سے اس بارے میں کچھ سنا ہے؟

ابیؓ نے کہا ہاں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ ایک دن موسیٰؑ بنی اسرائیل کی جماعت میں موجود تھے۔ اتنے میں

ایک آدمی آیا اور اس نے کہا کیا آپ جانتے ہیں آپ سے بڑھ کر بھی کوئی عالم ہے؟ موسیٰؑ نے کہا نہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ کی

طرف وحی بھیجی کہ ہمارا بندہ خضرؑ ہے۔ تو آپ نے پوچھا کہ اس سے ملاقات کی کیا صورت ہوگی؟۔ اللہ تعالیٰ نے ایک مچھلی کو ان

سے ملاقات کی علامت قرار دیا اور فرمایا جب تم مچھلی کو گم کر دو تو واپس لوٹ جاؤ تو اس سے تمہاری ملاقات ہوگی۔ تب موسیٰؑ دریا

میں مچھلی کی علامت تلاش کرتے رہے۔ اس وقت ان کے ساتھی نے کہا: جب ہم پتھر کے ساتھ تھے کیا آپ نے نہیں دیکھا

تھا؟ میں اس وقت مچھلی کا کہنا بھول گیا تھا اور شیطان نے مجھے بھلا دیا تھا۔ تو موسیٰؑ نے کہا اسی مقام کی تو ہمیں تلاش تھی۔ تب وہ

اپنے نشانہ قدم پر باتیں کرتے ہوئے لوٹے۔ وہاں انہوں نے خضرؑ کو پایا آگے وہی قصہ ہے جو قرآن کریم نے بیان کیا۔

ربط:

باب سابق میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا آپ ﷺ کی خدمت میں حاضری کا ذکر تھا اور مقصد طلب علم تھا۔ باب ہذا میں طلب علم کیلئے سفر کا ذکر ہے۔ خواہ بڑی ہو یا بحری۔

غرض ترجمہ:

علم حدیث کی تحصیل کیلئے سفر

حضرات محدثین کرام میں علم حدیث کی تحصیل کیلئے سفر کا عام رواج تھا۔ جو کہ صحابہؓ و تابعینؓ کے دور میں نہ تھا۔ امام بخاریؒ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ تحصیل علم کیلئے سفر عمل بدعت نہیں بلکہ ایک نبی اور ایک صحابی کا عمل ذکر کیا ہے جو طور و دلیل ہے۔ حضرت جابر بن عبد اللہؓ خود صحابی ہیں۔ انہوں نے ایک حدیث جو عبد اللہ بن انیسؓ کی تھی انہوں نے وہ ایک واسطہ سے سنی تھی تو یہ ایک ماہ کی مسافت طے کر کے شام گئے۔ تاکہ بلا واسطہ ان سے روایت سن کر اپنی سند عالی کریں۔ بعض نے اس کی تعیین کی ہے وہ یہ حدیث ہے: من ستر مونا فی الدنیا علی عورۃ سترہ اللہ یوم القیامۃ۔ جبکہ امام بخاریؒ نے اس طرح تھل کی ہے:

عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ عن عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحشر اللہ العباد فینادیہم

بصوت یسمعه من یغد کما یسمعه من قزب۔

انا الملک انا الدیان: (کما فی حاشیۃ لبخاری ص ۱۷۷)

حضرت جابر بن عبد اللہؓ نے جا کر جب دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر سے آواز آئی۔ من۔ کون ہے؟ انہوں نے کہا: جابر بن عبد اللہ من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اندر سے آواز آئی: نعم۔ اور باہر آ کر جھٹ گئے۔ بڑا خیر مقدم کیا اور بیٹھنے کو کہا۔

حضرت جابرؓ نے فرمایا: صرف حدیث سننے کیلئے آیا ہوں۔ تاکہ مقصد میں فرق نہ آئے۔ اس لئے واپس ہو گئے بیٹھے بھی نہیں۔ اسی سے ملتا جلتا واقعہ حضرت ابویوب انصاریؓ کے بارے میں بھی منقول ہے کہ انہوں نے حضرت عقبہ بن عامرؓ کے پاس مصر کا سفر فرمایا جو محض سماعت حدیث کیلئے تھا۔

حضرت عبید اللہ بن عدیؓ نے حضرت علیؓ سے سماعت حدیث کیلئے عراق کا سفر فرمایا (کشف 402 ص 37)

حضرت ضمام بن ثعلبہ کا بھی قصہ گذر چکا۔

جب علوسند کے لیے سفر جاتے تو اصل علم حاصل کرنا تو اس سے بھی کہیں اہم ہے۔ (فضل الباری ج ۳ ص ۶۵)

20 باب فضل من علم وعلم

اس شخص کی فضیلت کے بیان میں جو علم سیکھے اور سکھائے

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ أَسَامَةَ عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ أَبِي بَزْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَثَلُ مَا بَعَثَنِي اللَّهُ بِهِ مِنَ الْهُدَى وَالْعِلْمِ كَمَثَلِ الْغَيْثِ الْكَبِيرِ أَصَابَ أَرْضًا فَكَانَ مِنْهَا نَفِثَةٌ قَلِيلٌ وَالْمَاءُ فَأَنْبَتَ الْكَلَّاوُ الْغُثْبَ الْكَبِيرَ وَكَانَتْ مِنْهَا أَجَادِبُ أُنْسِكُ الْمَاءِ فَتَفَعَ اللَّهُ بِهَا النَّاسَ فَشَرِبُوا وَسَقَوْا وَرَزَّغُوا وَأَصَابَتْ مِنْهَا طَائِفَةٌ أُخْرَى إِلَّا مَا هِيَ قِيَعَانٌ لِأَنْفُسِكُ مَاءً وَلَا تَنْبُتُ كَمَا لَا تَنْبُتُ لَكَ مَثَلٌ مَنْ فُقِيَ فِي دِينٍ اللَّهُ وَنَفَعَهُ مَا بَعَثَنِي اللَّهُ بِهِ فَعِلْمٌ وَعِلْمٌ وَمَثَلٌ مَنْ لَمْ يَزِفْ بِذَلِكَ رَأْسًا وَلَمْ يَقْبَلْ هُدَى اللَّهِ الَّذِي أَرْسَلْتُ بِهِ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ قَالَ إِسْحَاقُ وَكَانَ مِنْهَا طَائِفَةٌ قَلِيلٌ الْمَاءُ فَأَعْيَلُوا الْمَاءُ وَالصَّفْصَفُ الْمَشْقِيُّ مِنَ الْأَرْضِ

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰؓ حضور ﷺ سے اہل کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: اس چیز کی مثال جس کے ساتھ اللہ نے مجھے بھیجا ہے یعنی ہدایت اور علم اس بہت زیادہ بارش کی طرح ہے جو زمین کو پہنچی پس زمین کے بعض حصے تو صاف تھے انہوں نے پانی کو قبول کیا گھاس اور بہت زیادہ ہرزہ کا یا اور بعض حصے سخت تھے انہوں نے پانی کو روک لیا پس اللہ نے ان کے ذریعے لوگوں کو نفع دیا کہ خود بھی پیا (جانوروں کو) بھی پلایا اور کھیتیاں بھی سیراب کیں اور زمین کے بعض حصے چٹیل میدان ہیں نہ پانی روک سکتے ہیں نہ گھاس اگا سکتے ہیں۔ یہ مثال ہے اس آدمی کی جس نے اللہ کے دین میں سمجھ حاصل کی اور نفع دیا اس کو اس چیز کے ساتھ جس کے ساتھ اللہ نے مجھے بھیجا پس اس نے سیکھا اور (آگے) سکھایا اور مثال ہے اس شخص کی جس نے اس کے ساتھ سر نہیں اٹھایا اور نہیں قبول کیا اللہ کی اس رعنائی کو جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں۔ امام بخاریؒ نے فرمایا کہ اسحاق نے کہا: اور تھا ایک حصہ اس زمین سے، اس نے پانی کو اپنے اندر جذب کیا، قاع بلند ہو جائے اس سے پانی اور صفصف جو برابر زمین سے۔

ربط:

باب سابق میں تحصیل علم کا ذکر تھا۔ باب ہذا میں فضیلت علم کا بیان ہے۔

غرض ترجمہ:

ترغیب علم اور تعلیم و تعلم دونوں کے مجموعے کی فضیلت بیان کرنا مقصود ہے اور اس طرف اشارہ ہے کہ بقاء علم بذریعہ تعلیم و تدریس ہوتا ہے۔ اس لئے عالم معلم کو عالم مجتہد پر فضیلت حاصل ہے۔

تشریح حدیث

کَلَّاوُ: خشک اور تر دونوں گھاس پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

عُثْبُ: صرف تر گھاس کو کہتے ہیں۔

حدیث الباب میں تقسیم شنائی ہے یا ثلاثی۔۔۔؟

مثل ما بعثنی اللہ بہ:

آپ ﷺ نے حدیث الباب میں اپنی تعلیمات مبارکہ کو بارش کے پانی کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ کیونکہ اس میں ہریالی اور انبات کی قوت زیادہ ہوتی ہے۔ اس حدیث میں علم کو بارش اور حاملین علم کفر میں سے تشبیہ دی ہے۔

یہاں پر آپ ﷺ نے دو قسم کے لوگوں کا ذکر کیا ایک وہ جنہوں نے خود بھی علم حاصل کیا اور دوسروں کو بھی پڑھایا اور ایک وہ جنہوں نے کوئی دھیان ہی نہیں دیا۔۔۔ سچ میں تیسری قسم خود بخود نکل آئی کہ جس نے علم حاصل کیا لیکن خود عمل کرنے کی بجائے محفوظ کر لیا اور دوسرے لوگوں تک پہنچا دیا۔۔۔ پھر بھی غنیمت ہے لیکن تیسری قسم بالکل تباہ حال ہے۔ (انعام الباری ج ۲ ص ۱۰۵)

سوال: زمین کی تین اقسام بتلائی ہیں جو کہ مشہ بہ ہے اور مشہ بہ کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔
تفصیل اس کی یہ ہے کہ مشہ بہ کی پہلی قسم نقیہ (زمین کی اعلیٰ قسم) اس کے مقابلے میں مشہ بہ کی قسم مثل من فقہ فی دین اللہ ہے۔ اور مشہ بہ کی جانب تیسری زمین کی قسم ہے انعامی قیعان (یعنی بالکل بیکار زمین) اس کے مقابلے میں مشہ بہ کی جانب مثل من لم یرفع بذلك راسه کی قسم بیان کی ہے۔ لیکن مشہ بہ کی جانب جو دوسری قسم اجداد بوالی ہے (یعنی پانی روکنے والی سخت زمین) اس کے مقابلے میں مشہ بہ کی کوئی قسم بیان نہیں کی۔ حاصل یہ ہے کہ مشہ بہ کی جانب تین صورتیں زمین کی ہیں اور مشہ بہ کی جانب حاملین کی دو صورتیں ہیں درمیانی صورت کا ذکر نہیں۔

جواب: حضرات محدثین شراح کا اس میں اختلاف ہوا ہے کہ اس حدیث میں تقسیم شنائی ہے یا ثلاثی ہے؟
علامہ مثنیٰ کی رائے یہ ہے تقسیم شنائی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ مشہ بہ کی جانب دو ہی چیزیں ہیں کہ زمین نافع ہے یا غیر نافع۔ اسی طرح انسانوں کی بھی (مشہ بہ کی جانب) دو قسمیں ہیں۔ نافع یا غیر نافع۔ پہلی دونوں اقسام نافع ہیں تیسری قسم غیر نافع۔
علامہ کرمائی فرماتے ہیں یہ تقسیم ثلاثی ہے۔ مشہ بہ کی جانب تین چیزیں ہیں۔ ۱: منفع اور نافع۔ ۲: نافع غیر منفع۔ ۳: غیر نافع غیر منفع۔ اسی طرح مشہ بہ کی جانب بھی لوگ تین قسم پر ہیں۔ ۱: وہ جو علم حاصل کر کے عمل بھی کرتے ہیں اور غور و فکر کر کے اخذ مسائل بھی کرتے ہیں۔ اس سے مراد فقہاء کرام ہیں۔ جب علم حاصل کرتے ہیں بعینہ و یسائی آگے نہیں دیتے بلکہ اپنے قلب کے اندر سمو کر ضروریات زندگی کے تمام مسائل کا استنباط کرتے ہیں جس سے علامۃ الناس کو انتہائی آسانی ہوتی ہے اور راہ عمل متعین اور صاف شفاف ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اگر ہر کسی کو صلوٰۃ، وضو، نکاح وغیرہ کے مسائل ان خود اخذ کرنے پڑتے تو حرج شدید لازم آتا۔ خلاصہ یہ ہے مشہ بہ یعنی زمین کے اس بہترین حصہ کی طرح یہ حضرات بھی بہترین ہوئے کہ نافع بھی ہوئے اور منفع بھی ہوئے۔
مشہ بہ کی جانب دوسری قسم وہ ہے جو علم حاصل کر کے عمل کرتے ہیں لیکن غور و فکر کر کے مسائل مستنبط نہیں کرتے۔ اس سے مراد حضرات محدثین کرام ہیں جو صرف یاد کر کے آگے پہنچاتے ہیں۔ اسی طرح حفاظ و قراء ہیں۔ تو یہ علم کو سنبھال لیتے ہیں۔ ضائع نہیں کرتے۔ تاہم جیسا لیتے ہیں ویسا ہی آگے پہنچا دیتے ہیں۔ بہر حال یہ قسم نافع غیر منفع ہوتی یعنی اپنے اندر سمو سکے لیکن دوسرے کو دیدیا۔

_____ مشہ کی جانب تیسری قسم وہ ہے جو علم کی طرف دھیان ہی نہیں دیتی۔ جو مثل من لم یرفع ہذا لکراسہ سے مراد ہے۔ آپ ﷺ نے صرف پہلے اور تیسرے طائفہ کو مشخص کیا بیچ والے طائفہ کو چھوڑ دیا۔ اس لیے کہ جو مؤمن دین پڑھے ہوئے ہیں دوسرے تک پہنچاتے بھی ہیں مگر خود اس عمل نہیں کرتے۔۔۔ اگر ان کا تذکرہ کیا جاتا تو ان کے عمل کا استحسان ثابت ہوتا حالانکہ شریعت کی نظر میں ان کا عمل قابل ستائش نہیں۔ (حنفی القاری ج ۱ ص ۳۶۳)

قال اسحاق:

اسحاق جب مطلق ذکر کریں اور کوئی نسبت نہ ہو اس سے مراد اسحاق بن راہویہ ہوتے ہیں۔ یہ خفی ہیں امام بخاری کے استاذ ہیں۔

قیعان: یہ قاع کی جمع ہے۔ معنی چٹیل اور ہموار میدان جس میں گھاس نہ ہو۔

صفصف: الشی بالشی عید کر کے قبیل سے ہے۔

قام کی مناسبت سے امام بخاری نے صفف کے معنی بھی بیان کر دیے۔ کیونکہ قرآن کریم میں سورۃ ط میں دونوں اکٹھے ہیں۔

قاعاً صففاً: اس کا ترجمہ: وہ زمین جس کی سطح برابر ہو۔

فائدہ: سند میں حضرت حماد بن اسامہ ہیں۔ جبکہ تعلق میں ابواسامہ ہیں۔ دونوں سے مراد ایک ہی شخص ہیں۔ کیونکہ حماد

کے بیٹے کا نام بھی اسامہ اور والد کا نام بھی اسامہ ہے۔ تو ابن اسامہ بھی ہوئے اور ابواسامہ بھی ہوئے۔ کذا قالہ العینی رحمہ اللہ

21 باب رفع العلم وظهور الجہل علم کا اٹھ جانا اور جہل کا پھیل جانا

وَقَالَ رَبِيعَةُ لَا يَنْبَغِي لِأَخِيذٍ عِنْدَ شَيْءٍ مِنَ الْعِلْمِ أَنْ يُضَيِّعَ نَفْسَهُ

حَدَّثَنَا عُمَرَانُ بْنُ مَيْسَرَةَ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يَرْفَعَ الْعِلْمُ وَيُثْبِتَ الْجَهْلُ وَيُشْرَبَ الْخَمْرُ وَيُظْهَرَ الزُّنَا.

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ شُعْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ لَا أَخَذْتُكُمْ حَدِيثًا لَا يَحْدِثُكُمْ أَحَدٌ

بَعْدِي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يَقْلَ الْعِلْمُ وَيُظْهَرَ الْجَهْلُ وَيُظْهَرَ

الزُّنَا وَتُكْفَرَ النِّسَاءُ وَيَقْلَ الزَّجَالُ حَتَّى يَكُونَ لِحُمْسِينَ امْرَأَةً الْقَيْمِ الْوَاحِدُ.

ترجمہ: حضرت ربیعہ کہتے ہیں جس کے پاس علم کا کچھ حصہ ہے اس کے لئے مناسب نہیں وہ اپنے آپ کو ضائع کر دے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا علامات قیامت میں سے یہ ہے کہ علم اٹھ جائے گا اور جہل قائم

ہو جائے گا اور شراب پی جائے گی اور زنا پھیل جائے گا۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ میں تم سے ایک ایسی حدیث بیان کرتا ہوں جو میرے بعد تم سے کوئی نہیں

بیان کرے گا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ فرماتے ہوئے سنا علامات قیامت میں سے یہ ہے کہ علم کم ہو جائے گا، جہل پھیل جائے

گا، زنا بکثرت ہوگا، عورتوں کی تعداد بڑھ جائے گی اور مرد کم ہو جائیں گے حتیٰ کہ پچاس عورتوں کا نگران صرف ایک مرد ہوگا۔

ربط: یہ باب سابق کا مکمل ہے۔ کیونکہ باب گذشتہ میں تعلیم و تعلم کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ اس باب میں یہ بتلایا گیا ہے حصول علم ضروری ہے ورنہ یہ اٹھ جائے گا کیونکہ دونوں آپس میں لازم ملزوم ہیں۔ اس سے شرافت علم ثابت ہوگئی۔ کیونکہ بقائے علم پر بقائے عالم موقوف ہے۔ جبکہ رفع علم فتنائے عالم کو مستلزم ہے۔ کیونکہ حدیث الباب میں رفع علم کو قیامت کی علامات میں سے بتلایا گیا ہے۔ اور قیامت قیامت فتنائے عالم کی علامت ہے۔

فائدہ: رفع العلم میں مصدر کی اضافت مفعول کی طرف ہے۔ اور ظهور الجہل میں مصدر کی اضافت فاعل کی طرف ہے

غرض بخاری:

تحصیل علم و اشاعت علم مقصود ہے اس لئے کہ علم بھی اٹھے گا جب اس کی اشاعت نہ کی جائے۔

سوال: کتاب العلم میں ثبوت العلم کا بیان ہونا چاہیے نہ کہ دفع العلم و ظهور الجہل کا۔

جواب: کبھی کسی شی کے ثبوت کیلئے اس کی ضد کو لاتے ہیں۔ و بضدہ تعین الاشياء

قال ربیعہ: ان کا پورا نام ابو عثمان بن ابی عبدالرحمن فروخ ہے اور لقب الرائی ہے۔ حضرت امام مالکؒ کے استاذ ہیں۔

داعی پہلے دور میں مدح کا لفظ تھا۔ کیونکہ اس دور میں حضرات محدثین کرام روایت کم کرتے تھے اور تحقیق زیادہ کرتے تھے۔

تشریح حدیث

تفسیر ان یضیع نفسه:

اس کی بہت تفاسیر ہیں۔

...۱۔ پڑھ پڑھانے نہیں۔

...۲۔ نا اہلوں کو پڑھانے۔ جسکی استعداد ہی نہیں یا وہ قدر دان نہیں۔

...۳۔ بندہ درہم و دینار نہ بنے کہ تنخواہ کی وجہ سے پھر تار ہے۔

...۴۔ علم پر عمل نہ کرے۔

...۵۔ حضرت شیخ الحدیثؒ فرماتے ہیں اتنی توضیح کرے کہ کوئی استفادہ ہی نہ کر سکے۔

سوال: پہلی حدیث میں ہے علم اٹھالیا جائے گا دوسری میں ہے علم کم ہو جائے گا تو بظاہر تعارض ہے۔!

جواب: ۱۔ علم بالترجیح اٹھالیا جائے گا یکدم نہیں اٹھالیا جائے گا پہلے کم ہوگا پھر اٹھالیا جائے گا۔

جواب: ۲۔ علامہ حلیؒ فرماتے ہیں: دوسری حدیث میں قلت بمعنی عدم ہے جو رفع علم ہی کے مترادف ہے۔

دونوں میں مطابقت ہوگئی۔ باب کی دونوں حدیثوں میں چار علامات قیامت ہیں فقہان علم کے سبب جہالت (۲) علانیہ

زنکاری (۳) عورتوں کی کثرت۔ بعض روایات میں فتنہ کا ذکر بھی ہے۔

جبکہ نظام عالم کا تعلق پانچ چیزوں سے ہے، دین، عقل، نسب، مال اور نفس۔۔۔ ان کا زوال علامت قیامت ہے۔
 دین کی بقا علم اسے ہے اور علم سے نظام دنیا وابستہ ہے شراب نوشی سے زوال عقل ہے نسب سے اقوام و قبائل کا نظام قائم ہے جب
 کہ زمانہ نظام قائم ہی نہیں ہونے دیتا۔۔۔ ان اشیاء کے پیدا ہوجانے پر مال و نفس بھی غیر محفوظ ہوجاتے ہیں۔ (فضل الباری ج ۲ ص ۷۶)

کیفیت رفع علم

سوال: اس باب میں رفع علم کا ذکر ہے۔۔۔ لیکن کیفیت رفع علم کا ذکر نہیں ہے۔

جواب: اس سلسلہ میں امام بخاریؒ نے ص ۲۰ پر ایک باب قائم کیا ہے: باب کیف یقبض العلم، اس میں یہ کیفیت
 مذکور ہے کہ ان الله تعالى لا یقبض العلم انتزاعاً ينتزع منه من العباد لکن یقبض العلم یقبض العلماء۔۔۔ یعنی علماء کرام کی
 رحلت کے بعد ان جیسے علماء کرام پیدا نہیں ہوں گے۔

سوال: ابن ماجہ شریف کی روایت میں ہے: ان الله ينزع العلم من الصدور فی لیلة، یعنی ایک ہی شب میں سینوں
 سے ہی علم اٹھا لیا جائے گا بظاہر ان میں بھی تعارض ہے۔

جواب: تطبیق یہ ہے کہ بخاری شریف ص ۲۰ والی روایت اول دور پر محمول ہے۔۔۔۔ اور ابن ماجہ والی روایت
 بالکل قریب قیامت کے آخری دور پر محمول ہے۔

سوال: حدیث الباب میں یہ ہے قریب قیامت میں علم اٹھ جائے گا جبکہ بعض روایات میں ہے علم ظاہر ہو جائے
 گا تو یہ بھی تعارض ہے۔

جواب ۱: ایک ہے حقیقت علم اور ایک ہے ظاہر علم۔ حقیقت علم یہ ہے کہ علم مع العمل ہو۔ تو مقصود یہ ہے کہ حقیقت علم
 ختم ہو کر صرف ظاہر باقی رہ جائے گا علم بلا تقہ رہ جائے گا تو تعارض نہ رہا۔

جواب ۲: ایک ہے تحریری علم اور ایک ہے علم کا فہم۔ تحریری علم یعنی کتب تو زیادہ ہوجائیں گی۔۔۔ لیکن فہم علم ختم
 ہو جائے گا اس کی تائید ان روایات سے بھی ہوتی ہے جن میں ہے علم ظاہر ہو جائے گا۔

ایک جواب یہ ہے کہ انشاء سوال اور کثرت علم سے مراد یہ ہے کہ ذرائع علم بہت ہوجائیں گے جیسے پریس اور الیکٹرونک میڈیا
 وغیرہ۔ علم کے کم ہونے سے مراد یہ ہے کہ حقیقت علم رخصت ہو جائے گی اس لیے آج کثرت ذرائع کے باوجود حقیقت علم کے
 حامل ماضی قریب کے متاخرین کی طرح بھی نہیں ملتے (انہام ج ۲ ص ۱۰۷)

لا یحدثکم احد بعدی:

مطلب یہ ہے سمعت رسول اللہ ﷺ کا جملہ بول کر کوئی بیان کرنے والا نہ ہوگا۔ کیونکہ حضرت انسؓ نے اس قدر لمبی

کے شاگردان ہیں، رفک آنے پر دریافت کیا یہ کون ہے؟ بتایا گیا ربيعہ میں مسرت کے ساتھ گھبرا کر اہلیہ کے پاس خوشی کا اظہار کیا، اہلیہ نے کہا تیس ہزار دینار بہتر ہیں یا یہ منصب علم؟ کہنے لگے لا واللہ بل ہذا فقالت انفقت المال کلہ علیہ قال فواللہ ماضیعتہ۔ (فضل الباری ج ۲ ص ۷۰)

22 باب فضل العلم۔ علم کی فضیلت کا بیان

حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ غَفِيرٍ قَالَ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ حَمْزَةَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ ابْنَ عَمْرٍو قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ أُتِيتُ بِقَدَحٍ لَبَنٍ فَنَشْرَبُ حَتَّى إِنِّي لَا أَرَى الزَّيَّ يُخْرَجُ فِي أَظْفَارِي ثُمَّ أُعْطِيتُ فَصَلِّيَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ قَالُوا أَوْفَعْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ الْعِلْمُ۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرما رہے تھے میں سو رہا تھا مجھے دودھ کا ایک پیالہ دیا گیا میں نے پی لیا حتیٰ کہ میں نے دیکھا کہ تازگی میرے ناخنوں سے نکل رہی ہے پھر میں اپنا باقی ماندہ عمر بن خطابؓ کو دیدیا۔ صحابہؓ نے عرض کیا آپ ﷺ نے اس کی کیا تعبیر لی؟ فرمایا علم۔

رابطہ: باب سابق کی طرح یہاں بھی فضل علم کا بیان ہے۔

سوال: یہ باب پہلے بھی آیا ہے۔ ص 14 پر تو یہ تکرار ہے۔ حالانکہ امام بخاریؒ کی عادت مبارکہ تکرار کی نہیں ہے۔

جواب: ص ۳۲ پر بیان فضل علم کی جگہ ص ۱۸ پر بیان فضل علم جڑی ہے۔ یعنی یہاں پر خاص طور پر علم نبوت کی فضیلت کا بیان ہے۔

جواب ۲: ماسبق میں فضیلت علماء اور یہاں فضیلت علم کا بیان ہے۔

جواب ۳: ماسبق میں فضل بمعنی فضیلت کے تھا۔ اور یہاں فضل بمعنی زیادتی ہے۔

غرض بخاری:

(۱) اس طرف اشارہ کرنا مقصد ہے کہ جو علم تمہاری ضرورت سے زائد ہو یعنی اس پر عمل نہ ہو مثلاً آپ تاجر نہیں مگر تجارت کے مسائل کا علم حاصل ہے تو دوسرے کو بتا دو اسے فائدہ حاصل ہو جائے۔ جیسے آپ ﷺ نے اپنا بچا ہوا دودھ حضرت عمرؓ کو دیا۔

(۲) اس باب سے غرض یہ ہے ضرورت سے زائد علم حاصل کرنا نہ صرف جائز بلکہ باعث فضیلت بھی ہے۔

دلیل اس کی یہ ہے آپ ﷺ اب میں دیکھ رہے ہیں دودھ لایا گیا اور نوش فرمانے کے بعد ناخن تک جو بدن کا سخت حصہ ہے آثار ظاہر ہو گئے۔ گویا پیالہ کا دودھ آپ کی ضرورت سے زائد تھا تو آپ ﷺ نے اسے حضرت عمرؓ کو دیدیا۔ تو زائد علم کا مصرف بھی بتا دیا کہ دوسروں کو دیدو۔

دودھ اور علم میں مناسبت:

وہ یہ ہے جس طرح دودھ انسان کیلئے غذا کا کام دیکر تقویت بدن کا باعث بنتا ہے اسی طرح علم روح کو غذا اور تقویت

دیتا ہے اور دنیا و آخرت کی بھلائی کا سبب ہے۔

تشریح حدیث

ثم اعطيت فضلي:

اس کے تحت حضرات علماء کرام فرماتے ہیں سیدنا عمرؓ کے علم کو علوم نبوت سے خاص مناسبت ہے اسی لئے ارشاد کرامی ہے: لو کان بعدی نبی لکان عمرؓ۔ بہت سے امور جو بذریعہ وحی بعد میں ظاہر ہوئے حضرت عمرؓ کے قلب پر پہلے وارد ہو گئے۔
فائدہ: خواب کے اندر دودھ علم کی تعبیر ہے۔

مہلبؓ فرماتے ہیں خواب میں دودھ کا دیکھنا سنت، فطرت علم اور قرآن کریم پر دال ہے۔ پیدا ہوتے ہی بچے کا دال زندگی دودھ ہے یہی کیفیت وصف علم میں بھی ہے جس پر حیاتِ قلوب کا دال ہے۔ (کشف 461/3)
علم کی صرف مقدار ضرورت پر اکتفا کرنے کی بجائے زیادہ حاصل کیا جائے جیسے آپ ﷺ مقدار ضرورت علم حاصل تھا پھر بھی ارشاد ہے رب زدنی علماً (انعام ج ۲ ص ۱۰۹)

23 باب الْفُتْيَا وَهُوَ وَاقِفٌ عَلَى الدَّابَّةِ وَغَيْرِهَا

جانور وغیرہ پر سوار ہو کر دین کا مسئلہ بتانا

حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عِمْسَى بْنِ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَفَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ بِمَنْىَ لِلنَّاسِ يَسْأَلُونَهُ فَجَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ لَمْ أَشْعُرْ فَحَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ أَذْبَحَ فَقَالَ أَذْبَحْ وَلَا حَرَجَ فَجَاءَ آخَرُ فَقَالَ لَمْ أَشْعُرْ فَتَحَزْتُ قَبْلَ أَنْ أَزْمِيَ قَالَ أَزْمِ وَلَا حَرَجَ فَمَا سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ شَيْءٍ وَقَدَّمَ وَلَا أَخَّرَ إِلَّا قَالَ أَفْعَلْ وَلَا حَرَجَ.

ترجمہ: 84 عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ سے منقول ہے حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ کے مسائل دریافت کرنے کے لئے منی میں ٹھہر گئے تو ایک شخص آیا اس نے کہا میں نے نادانستگی میں ذبح کرنے سے پہلے سرمٹہ لیا ہے۔ آپ نے فرمایا اب ذبح کر لے کچھ حرج نہیں ہوا۔ پھر دوسرا آدمی آیا اس نے کہا: میں نے نادانستگی میں رمی سے پہلے قربانی کر لی۔ آپ ﷺ نے فرمایا اب رمی کر لے کچھ حرج نہیں ہوا۔ ابن عمروؓ کہتے ہیں اس دن آپ ﷺ جس چیز کا بھی سوال کیا گیا جو کسی نے مقدم و مؤخر کر لی تھی تو آپ ﷺ نے بھی فرمایا اب کر لے اور کچھ حرج نہیں۔

ربط:

مابقی میں فضیلت علم کا بیان تھا اس باب میں فتویٰ کا بیان ہے کہ فتویٰ دینا بھی علم ہی ہے۔

فتیاء: علامہ عینیؒ فرماتے ہیں فتیاء فتویٰ الائمہ کا نام ہے۔ اس کا معنی الفتویٰ جواب الحاد ہے۔ اور عرف شرعی میں بھی یہی مراد دیتا ہے۔

غرض ترجمہ

(۱) ایک حدیث کی توجیہ بتلانا مقصود ہے وہ یہ کہ آپ ﷺ نے فرمایا: لا تلتخذوا ظهور دوابکم مناہر۔ امام بخاریؒ یہ باب قائم کر کے بتلانا چاہتے ہیں کہ طویل خطبات ظہور دواب پر نہیں ہونے چاہیے، البتہ فتویٰ اس سے مستثنیٰ ہے۔ کیونکہ وہ مختصر ہوتا ہے محض حکم بتلانا ہوتا ہے۔

(۲) حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا امام مالکؒ سے حالت رکوب میں فتویٰ دینے یا حدیث سنانے کی کراہت منقول ہے۔ امام بخاریؒ نے مواقع ضرورت کو اس باب سے مستثنیٰ کیا ہے۔

(۳) فتویٰ اور قضائیں فرق کرنا مقصود ہے۔ فتویٰ تو سوار یوں پر جائز ہے مگر قضا نہیں۔

(۴) معلمین کرام کو بتلانا ہے اگر ضرورت مندر است میں مسئلہ پوچھ لیں تو ناراض نہیں ہونا چاہیے۔

(۵) طلباء کرام کو بتلانا ہے کہ عند الضرورت راہ چلتے ہوئے بھی سوال کر لینا چاہیے۔

سوال: روایت الباب سے ترجمہ الباب ثابت نہیں اس لئے کہ روایت میں وقوف کا تو ذکر ہے مگر علی ظہر الداہ کا ذکر نہیں۔

جواب ۱: ترجمہ الباب کے دو جز ہیں۔ ۱: وقوف علی ظہر الداہ۔ ۲: وقوف علی غیرہا۔ حدیث الباب سے مطلق وقوف یعنی جز ثانی ثابت ہو گیا اس پر قیاس کرتے ہوئے وقوف علی دابة کو ثابت کر لیا جائے گا۔

جواب ۲: حدیث میں وقوف عام ہے جو دونوں وقوف کو شامل ہے۔

جواب ۳: تشحید اذہان ہے کہ طلباء کرام تلاش کرتے ہوئے کتاب الحج میں پہنچیں گے تو وقوف علی ناقتہ کے الفاظ مل جائیں گے۔ لہذا اشارہ الی بعض الطرق کے اصول پر عمل کرتے ہوئے ترجمہ قائم فرمایا۔

مسئلہ بتاتے وقت سائل اور مسئول کا ایک لیول پر ہونا ضروری نہیں سائل زمین پر ہو مثنیٰ اونٹ پر اس میں کوئی حرج نہیں۔

(تحفۃ القاری ج ۱ ص ۳۵۸)

تشریح حدیث

لم اشعر فحلقت قبل ان اذبح:

مسئلہ: دس ذی الحج میں ترتیب رمی، قربانی اور حلق؟

ایام منیٰ میں دس ذی الحجہ کو پہلے حجرہ عقبہ کی رمی پھر قربانی پھر حلق ہے۔ احناف و مالکیہ کے نزدیک ان میں ترتیب واجب ہے۔ امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور حضرات صاحبینؒ کے نزدیک سنت ہے۔

فریق مانی کی دلیل حدیث الباب: افعِلْ وَلَا حَرَجَ ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی طرف سے جواب یہ ہے لا حرج میں حرج اخروی کی نفی ہے۔ لہذا دنیوی احکام کے لحاظ سے دم واجب ہوگا۔ ان صحابہؓ پر دم تھا یا نہیں۔ اس سے حدیث مسکوت عندہ ہے۔ کیونکہ پہلا حج تھا لاطمی کی وجہ سے لوگوں سے غلطیاں ہو رہی تھیں۔ آپؐ کے افعال کو دیکھنا سب کیلئے ممکن نہ تھا۔ ایک لاکھ سے زیادہ کا مجمع تھا۔ اس لئے حرج اخروی کی نفی مراد ہے۔ لیکن اب جبکہ علم و قول کے ذریعہ وجوب ترتیب سامنے آچکا ہے آج اسکے خلاف کوئی کرے گا تو دم لازم آئے گا۔ آج لاطمی اور جہالت حجت یا حذر نہ ہوگی۔

احتناف کی دلیل: حضرت ابن عباسؓ سے موقوف روایت ہے:

عن ابن عباسؓ انہ قال من قدم شيئا من حجه او اخره فليهرق لذلك دماً _____ معلوم ہوا تقدیم و تاخیر سے دم ہے حضرت ابن عباسؓ کا فتویٰ بھی ہے۔ حدیث الباب کا مضمون حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ لیکن ان کا اپنا فتویٰ اس کے خلاف ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حرج سے مراد اخروی حرج ہے۔ اور دنیوی طور پر حرج دم ہے حج کیلئے بمنزلہ سجدہ ہو کے ہودہ واجب ہوگا نماز میں سجدہ واجب ہو جائے تو حرج اخروی (گناہ) نہ ہوگا _____ لیکن سجدہ سہو سب کے نزدیک واجب ہوگا۔ اور ترک واجب پر نماز کا اعادہ واجب ہوگا۔ _____ یا پھر یہ روایت منسوخ ہے کیونکہ ادوی کا اپنا فتویٰ اس روایت کے خلاف ہے۔ حدیث بالا میں یہ تاویل ہے کہ یہ تشریع کے وقت کی ترخیص ہے جب کوئی نیا مسئلہ بتایا جاتا ہے تو فوری طور پر جو الجھن پیش آتی ہے اس میں شریعت سہولت دیتی ہے۔ (حفظ الغاری ج ۱ ص ۳۶۳)

24 باب مَنْ أَجَابَ الْفُتْيَا بِإِشَارَةِ الْيَدِ وَالرَّأْسِ

جس نے ہاتھ یا سر کے اشارہ سے مسئلہ کا جواب دیا

حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ حَدَّثَنَا وَهْبٌ قَالَ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ فِي حَجَّهِ فَقَالَ ذَهَبَتْ قَبْلَ أَنْ أَرَى قَاوْمًا يَبْدُو قَالٌ وَلَا حَرَجَ قَالَ خَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ أُلْهِجَ قَاوْمًا يَبْدُو وَلَا حَرَجَ. حَدَّثَنَا الْمَدَنِيُّ بْنُ إِزْهِيمَ قَالَ أَخْبَرَنَا حَنْظَلَةُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ عَنْ سَالِمٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَقْبِضُ الْعِلْمُ وَيُظْهِرُ الْجَهْلُ وَالْفَقْرُ وَالْفَقْرُ يَكْثُرُ الْهَرْجُ قَبْلَ يَأْرَسُ مَوْلَى اللَّهِ وَمَا الْهَرْجُ فَقَالَ هَكَذَا يَبْدُو فَقَرَفَهَا كَأَنَّهَا يَبْذُلُ الْقَتْلَ.

حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ حَدَّثَنَا وَهْبٌ قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ فَاطِمَةَ عَنْ أَسْمَاءَ قَالَتْ أَتَيْتُ عَائِشَةَ وَهِيَ تُصَلِّي فَقُلْتُ مَا هَؤُلَاءِ النَّاسُ فَأَشَارَتْ إِلَيَّ السَّمَاءَ فَإِذَا النَّاسُ قِيَامٌ فَقَالَتْ سُبْحَانَ اللَّهِ قُلْتُ آيَةُ فَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا أَيْ نَعَمْ فَقُمْتُ حَتَّى غَلَا لِي الْغَشْيُ فَجَعَلْتُ أَصْبُ عَلَى رَأْسِي الْمَاءَ

فَحَمْدُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنْتَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ مَا مِنْ شَيْءٍ لَمْ أَكُنْ أَرِيئُهُ إِلَّا رَأَيْتُهُ فِي مَقَامِي حَتَّى الْجَنَّةِ وَالنَّارِ فَأَوْحَى إِلَيَّ أَنْكُمْ تُفْتَنُونَ فِي قُبُورِكُمْ مِثْلَ أَوْ قَرِيبَ لَا أَذْرِي أَيْ ذَلِكَ قَالَتْ أَسْمَاءُ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الذَّجَالِ يُقَالُ مَا عَلِمْتُكَ بِهَذَا الرَّجُلِ فَأَمَّا الْمُؤْمِنُ أَوْ الْمُؤِقِنُ لَا أَذْرِي بَأَيِّهِمَا قَالَتْ أَسْمَاءُ فَيَقُولُ هُوَ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ جَاءَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَى فَأَجَبْنَا وَاتَّبَعْنَاهُ مُحَمَّدٌ فَلَا نَفِي قَالَ ثُمَّ صَلَّاهُ حَافِظٌ عَلِمْنَا إِنْ كُنْتَ لَمَوْقِنًا بِهِ وَأَمَّا الْمُنَافِقُ أَوْ الْمُرْقَابُ لَا أَذْرِي أَيْ ذَلِكَ قَالَتْ أَسْمَاءُ فَيَقُولُ لَا أَذْرِي سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُولُونَ شَيْئًا فَقُلْتُ.

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں نبی ﷺ سے حج میں پوچھا گیا پس سائل نے کہا: میں نے رمی سے پہلے ذبح کر لیا۔ آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کوئی حرج نہیں۔ دوسرے نے کہا: میں نے ذبح سے پہلے حلق کر لیا۔ آپ نے ہاتھ سے اشارہ کیا کوئی حرج نہیں۔

حضور ﷺ نے فرمایا علم قیض کر لیا جائے گا، جہالت اور فتنہ ظاہر ہو جائیں گے، ہرج زیادہ ہو جائے گا۔ کہا گیا یا رسول اللہ ہرج کیا ہے؟ آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا اور اس کو حرکت دی گویا آپ ارادہ کر رہے تھے قتل (کی طرف اشارہ کا) حضرت اسماءؓ سے روایت ہے وہ کہتی ہیں میں حضرت عائشہؓ کے پاس آئی وہ نماز پڑھ رہی تھیں۔ میں نے کہا: لوگوں کو کیا ہوا؟ انہوں نے آسمان کی طرف اشارہ کیا دیکھا تو لوگ کھڑے ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے کہا سبحان اللہ! میں نے کہا کیا کوئی نشانی ہے؟ انہوں نے سر ہلا کر کہا ہاں اب میں بھی (نماز میں) کھڑی ہوئی۔ حتیٰ کہ مجھ کو غشی آنے لگی میں اپنے سر پر پانی ڈالنے لگی۔

حضور ﷺ نے اللہ کی تعریف کی اور خوبی بیان کی پھر فرمایا: جو چیز مجھے نہیں دکھائی جاسکتی تھی ان سب کو میں نے (آج) اس جگہ دیکھ لیا حتیٰ کہ جنت اور جہنم بھی۔ پھر مجھ پر وحی بھیجی گئی کہ تم لوگ اپنی قبروں میں اس طرح یا اس کے قریب آرمائے جاؤ گے (فاطمہ کو یاد نہیں اسماءؓ نے کونسا کلمہ کہا) مسج و جال سے آرمائے جاؤ گے۔ کہا جائے گا اس شخص کے بارے میں کیا اعتقاد رکھتے ہو (حضور ﷺ کے بارے میں) ایماندار یا یقین رکھنے والا (معلوم نہیں اسماءؓ نے مؤمن کہا یا موقن کہا) کہے گا وہ محمد ﷺ، وہ اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں، ہمارے پاس کھلی نشانیاں اور ہدایات لے کر آئے، ہم نے ان کی بات کو تسلیم کیا اور ان کی اتباع کی، وہ محمد ﷺ تین بار ایسا ہی کہے گا۔

پھر اس سے کہا جائے گا تو سکون سے سو جا ہم تو (پہلے ہی) جان چکے تھے کہ تو ان پر یقین رکھتا ہے اور منافق یا شک کرنے والا (معلوم نہیں اسماءؓ نے ان دونوں میں سے کون سا لفظ کہا) یوں کہے گا میں کچھ نہیں جانتا لوگوں کو جو کہتے ہوئے سنا وہی میں بھی کہنے لگا۔

ربط:

باب سابق میں اور باب ہذا میں بھی تذکرۃ الفتویٰ ہے۔

غرض بخاری:

اس باب سے دو غرضیں مقصود ہیں۔

(۱) آپ ﷺ مادت طیبہ تھی آپ دوران گفتگو ایک لفظ کو بسا اوقات تین مرتبہ ادا فرماتے۔ اشارہ بالید تو اس کے خلاف ہے اس لئے امام بخاریؒ باضابطہ باب قائم کر کے اس کا جواز اور ثبوت بیان فرما رہے ہیں۔ جس طرح الفاظ سے فتویٰ دینا جائز ہے اسی طرح اشارہ سے بھی جائز ہے تاہم شرط یہ ہے اشارہ مبہم نہ ہو بلکہ مبہم ہو۔

(۲) امام بخاریؒ فتویٰ اور قضائیں فرق بتلانا چاہتے ہیں کہ ہاتھ دوسرے اشارہ سے فتویٰ دینا ثابت کیا جاتا ہے مگر قضا جائز نہیں ہے۔

(۳) تعلیم اتنی ضروری ہے اگر بیٹھ کر نہیں پڑھا سکتے تو اشارہ ہی سے تعلیم دید و بشرطیکہ اشارہ مبہم ہو۔

نمبر ۴: مقصد باب یہ ہے؛ لکل مقال مقام و لکل مقال مقام، ہر سخن نکتہ و ہر نکتہ مقالے دارد۔ مقام تصریح پر تصریح اور مقام اشارہ پر اشارہ مستحسن ہے۔ (درس شامی ۲۶۴)

قائدہ: امام بخاریؒ نے اشارہ بالید کی دو روایات نقل کی ہیں۔ اور ایک اشارہ بالواس کی۔

تشریح حدیث

سوال: فاشادت الی السماء اشارہ بالواس حضرت عائشہؓ کا ہے تو فعیلا اشارہ بالواس حضرت عائشہؓ کے فعل سے ثابت ہوا جبکہ امام بخاریؒ حدیث موقوف سے استدلال نہیں کرتے کیونکہ وہ ان کی شرط کے خلاف ہے۔ (حدیث مرفوع شرط ہے)۔
جواب: اس میں تقریر نبوی ﷺ ہے صرف حدیث موقوف نہیں ہے۔ اس لئے کہ آپ ﷺ ائمہ میں سیدہ عائشہؓ نماز ادا فرماری ہیں اور آپ ﷺ فرماتے ہیں:

انی اراکم من خلفی۔۔۔ جیسے میں سامنے دیکھتا ہوں اسی طرح پیچھے بھی دیکھتا ہوں تو فعیلا بالواس آپ ﷺ کی تقریر سے ثابت ہوا۔ تو یہ حدیث مرفوع ہوگئی۔

امام بخاریؒ نے او مانا کے لفظ سے استدلال کیا ہے مگر بظاہر یہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ لفظ اشارہ دونوں جمع فرماتے گئے تھے گواختال بھی ہے کہ قال لاحرج یہ بیان اس اشارہ کا اور ترجمہ کے ساتھ بھی انسب والیق ہے۔ (فضل الباری ج ۲ ص ۸۳)

علانی الغشی:

سوال: غشی سے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے پھر نماز میں کیسے ہونیں؟

جواب: غشی دو قسم پر ہے مثل، غیر مثل۔ مثل وہ ہے جس میں ہوش نہ ہو اور طویل بھی ہو اس سے نماز ٹوٹی ہے۔ اور اگر یہ دونوں باتیں نہ پائی جائیں تو غیر مثل ہے اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ غشی کے غیر مثل ہونے پر آگے آنے والے الفاظ قرینہ ہیں وہ یہ: جعلت اصعب علی راسی الماء۔

فائدہ: تنبیہ کے طور پر اگر دوران نماز سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر کہے تو فسادِ نیت پر موقوف ہے سیدہ عائشہؓ نے تنبیہ فرمائی کہ میں نماز میں ہوں اور تم سوال کر رہی ہو نیز حضرت اسماء کے سوال کے جواب میں اشارہ سے جو نعم فرمایا وہ فاسدِ صلوٰۃ نہیں۔

(فضل الباری ج ۲ ص ۸۳)

سوال: اس پر سوال یہ ہے کہ یہ عمل کثیر ہے جو ناقضِ صلوٰۃ ہے۔

جواب: پانی قریب ہو گا دو چار چھینٹیں ڈال لی ہوں گی۔

سوال: نماز کونسی تھی؟

جواب: کسوف کا واقعہ ہے۔ ازواجِ مطہرات اپنے حجرات میں آپ ﷺ اقتدا کر رہی تھیں اور آپ ﷺ مع الجماعة مسجد میں تھے۔

۱۰ھ ربیع الاول میں آپ ﷺ کے صاحبزادہ حضرت ابراہیمؓ کی وفات ہوئی۔ اتفاق سے اسی روز سورج میں گرہن لگا آپ ﷺ نے مسجد نبوی ﷺ نماز کسوف پڑھائی۔ (نصابی 430/1)

ما من شیء علم اکن اریته الا اریته فی مقامی هذا حتی الجنة والنار:

اس روایت کے پیش نظر جنت و جہنم دونوں فی الحال موجود ہیں عند اہل السنۃ والجماعت۔ معتزلہ اور بعض قدریہ قیامت کے روز پیدا ہونے کے قائل ہیں۔ نیز جنت و دوزخ کے اس جہان میں ہونے کا دعویٰ نہیں۔ اگر کسی کو سائنسی ترقی کی بنیاد پر وہ نظریہ آئے تو ان کے عدم وجود کو مستلزم نہیں۔ آئے روز کے جدید انکشافات سے ماضی کی جہالت کھلتی ہے تو احاطہٗ اشیاء کے علم پر دعاوی سے شرم آنی چاہیے۔ (کشف 492/3)

سوال: حدیث الباب سے بظاہر معلوم ہوتا ہے آپ ﷺ نے اس سے پہلے جنت و دوزخ نہیں دیکھی تھی حالانکہ لیلۃ المعراج میں دیکھ چکے تھے۔

جواب ۱: لیلۃ المعراج میں عالم بالا میں دونوں دیکھی تھیں تاہم عالم دنیا میں جنت و دوزخ پہلی مرتبہ دیکھی۔

جواب ۲: لیلۃ المعراج میں جس کیفیت و حالت کے ساتھ دیکھا تھا آج اس کے علاوہ دوسری کیفیت و صفت سے دیکھا۔

اس اعتبار سے فرمایا حتی الجنة والنار۔

جواب ۳: حتی الجنة والنار کو فعل محذوف کی غایت قرار دیا جائے تقدیر عبارت یہ ہے: ورایت الامور العظام فی

هذا المقام حتی الجنة والنار۔

جب جنت سامنے آئی تو میں آگے بڑھا کہ تمہارے لئے انگور کا ایک خوشہ لے لوں اگر میں لے لیتا تو تم رہتی دنیا تک اس کو

کھاتے، پھر جب میرے سامنے جہنم آئی تو مجھے اتنی گرمی محسوس ہوئی کہ میں پیچھے ہٹ آیا۔ (حفصہ الباری 368/1)

فاو حی الی انکم تفتنون فی قبورکم

اہل السنۃ والجماعت کے نزدیک مرتے ہی حیات برزخی شروع ہو جاتی ہے زمینی قبر میں، بصورت دیگر جہاں بھی ہو۔
خوارج و معتزلہ مذاہب قبر کے منکر ہیں۔ (کشف 494/3)

تفتنون فی قبورکم مثل فتنة الدجال؛ فتنة دجال کرشماتی کرتیوں کے لحاظ سے سخت ہوگا کہ ایمان بچانا مشکل ہوگا
_____ اسی طرح فتنة قبور بھی سخت ہوگا تشبیہ محض شدت میں ہے۔ (درس شمارنی 265)

فرقہ رضا خانیہ پر رد

ما من شیء لم اکن اریثہ الاراثہ: فرقہ رضا خانیہ اس سے استدلال کرتا ہے کہ اس سے آپ ﷺ علم کلی ثابت
ہو رہا ہے۔ تقریر اس کی یہ ہے کہ نکرہ تحت النعی واقع ہے جو عموم و استغراق کیلئے ہوتا ہے۔ اور نفی و استثناء جو کہ حصر کیلئے آتے
ہیں انہوں نے تاکید پیدا کر دی۔ گویا علم کلی کا اثبات ہو گیا۔

جواب ۱: من شیء میں شیء مہم مراد ہے یعنی اشیاء مہمہ دکھلائی گئیں۔ نہ کہ مطلق اشیاء۔ اس پر قرینہ حتی الجنة والنار
کے الفاظ میں مطلق اشیاء مراد نہیں ہیں۔

جواب ۲: اس کے بعد آگے فاو حی الی کے الفاظ ہیں۔ اگر دیکھنے سے علم کلی اور غیب ثابت ہو گیا تو پھر وحی
کی کیا ضرورت باقی تھی۔

جواب ۳: روایت سے مراد روایت اجمالی ہے جیسے بجلی کی چمک۔ اس سے تفصیلی روایت لازم نہیں آتی۔
جواب ۴: اس روایت میں بہت سے احتمالات ہیں اور یہ قطعی الثبوت بھی نہیں۔ (کیونکہ خبر واحد ہے۔) اور قطعی الدلالة
بھی نہیں ہے، عقائد کیلئے قطعی الثبوت اور قطعی الدلالة ہونا ضروری ہے۔

جواب ۵: اگر یہ استدلال صحیح ہوتا تو حضرات متقدمین بھی اسی علم کلی کی روشنی میں تشریح و توجیہ فرماتے۔

جواب ۵: علم غیب کلی کی نفی قطعی دلائل سے ثابت ہے اور یہ خبر واحد ظنی اس کے معارض نہیں ہو سکتی۔

ما علمک بہذا الرجل:

جواب سے معلوم ہوتا ہے فرشتہ نام لیکر سوال نہیں کرے گا۔ ورنہ ہو محمد کہنے کی کیا ضرورت ہے؟ (کشف 499)
قبر میں رفع حجاب سے جو مشاہدہ کرا کر پوچھا جائے ما علمک بہذا الرجل۔ حافظ ابن حجر و علامہ قسطلانی محض احتمال
سے ماننے کو تیار نہیں۔ بالخصوص جب کہ یہ مقام امتحان ہے۔ مشاہدہ سے امتحان کی نفی لازم آتی ہے۔ بہر حال عند بعض شبیہ،
عند بعض نام، عند بعض اوصاف مدونہ کے حوالہ سے پوچھا جائے گا۔ (کشف 498/3)

اس سے رضا خانی فرقہ نے آپ ﷺ حاضر ناظر ہونا ثابت کیا ہے۔ ”ہذا“ سے محسوس و مبصر کی طرف اشارہ ہوتا ہے
تو جہاں بھی کوئی دفن ہوتا ہے آپ ﷺ وہاں موجود ہوتے ہیں۔ لہذا آپ ﷺ حاضر ناظر ہوتے ہیں۔

جواب ۱: ہذا کا اشارہ ہمیشہ مبصر محسوس کیلئے نہیں ہوتا بلکہ بعض مرتبہ حاضری الذہن کیلئے بھی ہوتا ہے تنزیل المعقول بمنزلة المحسوس جیسے ہر کتاب کے شروع میں اما بعد فہذا۔ یا ہر قل نے کہا تھا انی سائل عن ہذا۔

جواب ۲: ہذا کا اشارہ اگر محسوس و مبصر کیلئے بھی ہو تو پھر جواب یہ ہے کہ عالم برزخ میں حجابات ہٹا دیئے جائیں گے جو پردے عالم شہود میں ہوتے ہیں وہ دور کر دیئے جائیں گے یا پھر یہ کہ جسم مثالی پیش کیا جائے گا اس کو ٹیلی ویژن نے تفہیم کیلئے آسان کر دیا۔۔۔ ورنہ جوئی دی میں آئے سب کو حاضر ناظر ماننا پڑے گا۔

جواب ۳: متقدمین نے اس سے آخر کیوں نہ استدلال کیا۔ کہ آپ ﷺ حاضر ناظر ہیں۔

جواب ۴: ثبوت عقیدہ کیلئے ظنی روایت (خبر واحد) کافی نہیں۔

يقولون شيئاً فقلته

منافق ظاہر اُمّوں باطناً کافر اور مرتاب جو چند وجوہ سے اسلام پسند کرتا ہو مگر جذر قلب سے مومن نہیں۔ غرض ومفاد کے تحت محمد رسول اللہ تسلیم کر لیا۔ (501)

فائدہ: قبر میں کافر سے بھی سوال ہوگا۔ حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے ذریعہ جو دین بھیجا ہے یہ اگلی دنیا میں داخلہ امتحان ہے کہ آدمی اس دین کو لیکر آیا یا تہی دست آیا ہے۔ پس ہر شخص سے سوال ہوگا۔ واللہ اعلم (حنفی القاری 368/1)

نم: علامہ شبیر احمد عثمانی کا ارشاد ہے یہاں معنی عیند ہے ہی نہیں بلکہ مطلق استراحت و اکرام کے معنی میں ہے۔

قد علمنا ان كنت أموقناً

ممکن ہے فرشتہ حالات سے پہلے ہی باخبر ہوں یا پھر سے سے اندازہ کر رہے ہوں کہ یہ ایمان بالرسول رکھتا ہے۔ (شف 500/3)

25 باب تَحْرِيصِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

وَفَدَّ عَبْدُ الْقَيْسِ عَلَى أَنْ يَحْفَظُوا الْإِيمَانَ وَالْعِلْمَ وَيَنْحِزُوا أَمِنْ وَرَاءَهُمْ وَقَالَ مَالِكُ بْنُ الْخَوَارِثِ قَالَ لَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَزْجَعُوا إِلَى أَهْلِيكُمْ فَعَلِمُوهُمْ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي جَمْرَةَ قَالَ كُنْتُ أَتْرَجِمُ بَيْنَ ابْنِ عَبَّاسٍ وَبَيْنَ النَّاسِ فَقَالَ إِنَّ وَفَدَّ عَبْدُ الْقَيْسِ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ الْوَفْدُ أَوْ مَنْ الْقَوْمُ قَالُوا رِبْعَةٌ فَقَالَ مَرْحَبًا بِالْقَوْمِ أَوْ بِالْوَفْدِ غَيْرَ خَرَّابًا وَلَا نَدَامَى قَالُوا إِنَّا نَأْتِيكَ مِنْ شِقَّةٍ بَعِيدَةٍ وَبَيْنَنَا وَبَيْنَكَ هَذَا الْحَيُّ مِنْ كُفَّارٍ مُضَرٍّ وَلَا نَسْتَطِيعُ أَنْ نَأْتِيكَ إِلَّا فِي شَهْرِ حَرَامٍ فَمُرْنَا بِأَمْرٍ نُحْبِزُ بِهِ مَنْ وَرَاءَنَا نَدْخُلُ بِهِ الْجَنَّةَ فَأَمَرَهُمْ بِأَرْبَعٍ وَنَهَاَهُمْ عَنْ أَرْبَعٍ أَمَرَهُمْ بِالْإِيمَانِ بِاللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَخَدَهُ قَالَ هَلْ تَذَرُونَ مَا الْإِيمَانُ بِاللَّهِ وَخَدَهُ قَالُوا اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَغْلَمُ قَالَ شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَإِقَامُ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءُ الزَّكَاةِ وَصَوْمُ رَمَضَانَ وَتَعْطُوا الْخُمْسَ مِنْ الْمَغْنَمِ وَنَهَاَهُمْ عَنِ الدُّبَاءِ وَالْحَنْتَمِ وَالْمُرْقَاتِ قَالَ شُعْبَةُ

وَمَا قَالَ التَّقِيرُ وَزَيْمًا قَالَ الْمُقْتَبِرُ قَالَ اخْفَظُوا وَأَخْبِرُوا وَمَنْ وَزَاءُكُمْ

ترجمہ: حضور ﷺ وفد عبد اقصیس کو ایمان و علم کی حفاظت پر براہیختہ کرنا اور اس بات کی تاکید کہ اپنے پیچھے والوں کو اس کی خبر دیں۔ اور مالک بن حویرثؓ فرماتے ہیں:

ہمیں حضور ﷺ نے فرمایا اپنے اہل کی طرف لوٹ جاؤ اور ان کو یہ دین سکھاؤ۔

حضرت ابو جمرہؓ کہتے ہیں میں حضرت ابن عباسؓ اور لوگوں کے درمیان مترجم تھا۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے کہا عبد اقصیس کے بھیجے ہوئے لوگ حضور ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کس کے بھیجے ہوئے لوگ ہیں یا (فرمایا) کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا ہم ربیعہ والے ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا مرحبا ان لوگوں کو یا (فرمایا) ان بھیجے ہوئے لوگوں کو نہ ذلیل ہوئے نہ شرمندہ ہوئے۔ انہوں نے کہا ہم آپ کے پاس دور کا سفر کر کے آئے ہیں اور ہمارے اور آپ کے درمیان مضر کے کافروں کا یہ قبیلہ ہے۔ اور ہم احترام والے مہینوں کے علاوہ آپ کے پاس نہیں آسکتے۔ پس آپ ہمیں ایسی بات بتا دیجئے جس کی خبر ہم اپنے پیچھے والوں کو بھی کر دیں اور اس کے ذریعہ ہم جنت میں داخل ہو جائیں۔

آپ ﷺ نے ان کو چار باتوں کا حکم کیا اور چار باتوں سے منع کیا ان کو حکم دیا ایک اللہ پر ایمان لانے کا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم جانتے ہوئے کہ ایک اللہ پر ایمان لانا کیا چیز ہے؟۔ انہوں نے کہا اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا گواہی دینا اس بات کی اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، رمضان کے روزے رکھنا اور مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ ادا کرنا۔ اور ان کو منع کیا کہ دو کے برتن سے اور بزم مرتبان اور روغنی برتن سے۔ شعبہ بسا اوقات اقصیر فرماتے اور بسا اوقات اقصیر فرماتے، آپ ﷺ نے فرمایا اس کو یاد کرو اور اپنے پیچھے والوں کو اس کی خبر دو۔

ربطہ باب سابق میں فتویٰ پوچھنا اور جواب دینا مذکور تھا باب ہذا میں بھی اسی کو بالصراحت بیان کیا ہے۔

حضرت مالک بن الحویرثؓ اور ان کے چچا زاد بھائی نے بیس روز مدینہ طیبہ قیام کیا آپ ﷺ نے فرمایا:

تم نے علم حاصل کیا اب گھر جا کر قبیلہ والوں کو وہ علم سکھاؤ۔ (369/1)

غرض ترجمہ

(۱) باب ہذا سے مقصود یہ ہے مدرس تاکید کرتے رہیں کہ پڑھا ہوا تو یاد کر لیں اور آگے پڑھائیں۔

(۲) طلباء کرام کو پڑھا ہوا یاد کرنا چاہیے مزید تعلیم حاصل کریں۔

(۳) تبلیغ قرآن کریم کی طرح تبلیغ حدیث بھی کرنی چاہیے۔

(۴) باب ہذا سے اہمیت تبلیغ کی طرف اشارہ ہے۔

تشریح حدیث

احفظوا ما خبروہ من ورائکم:

اس سے ترجمہ الباب ثابت ہوا۔

وربما قال النقیور وبما قال المقیر الخ:

اس عبارت کا حل یہ ہے کہ شعبہ کو یہاں دو تردد لاحق ہیں۔ ۱: راوی نے تین چیزوں کا ذکر کیا یا چار کا۔ چنانچہ کبھی تو دہا، حنعم اور مزفت کا ذکر کر دیا اور کبھی ساتھ نقیور کا بھی ذکر کیا۔ تو ربما قال النقیور کا یہی مطلب ہے۔ دوسرا تردد یہ ہے کہ کبھی مزفت کا لفظ بولا ہے جیسے روایت الباب میں ہے۔ اور کبھی اس کی جگہ المقیر ذکر کیا ہے۔ گویا ربما قال المقیر دوسرے جملہ کا تعلق المزفت کے ساتھ ہے۔ یعنی کبھی راوی المزفت اور کبھی المقیر ذکر کرتے ہیں۔ گویا پہلی تعلق میں تعین عدد کا اور دوسری تعین میں لفظ کا تردد ہے۔

فائدہ ۱: حدیث الباب سے معلوم ہوا اگر آدمی پورا عالم بھی ہو تب بھی وہ تبلیغ کر سکتا ہے۔ (شرط یہ ہے کہ چھ نمبر سے باہر نہ نکلے۔)
فائدہ ۲: اہل علم حفظ قرآن کریم کی بھی ترغیب دیں۔

26 باب الرِّخْلَةِ فِي الْمَسْأَلَةِ النَّازِلَةِ وَتَعْلِيمِ أَهْلِهِ

خاص پیش آئے ہوئے مسئلہ کے لئے سفر کرنے کا بیان

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مِقَاتٍ أَبُو الْحَسَنِ قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ قَالَ أَخْبَرَنَا غَمَزُ بْنُ مَسْعُودٍ بْنُ أَبِي حُسَيْنٍ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ أَنَّهُ تَزَوَّجَ ابْنَتَهُ لِأَبِي إِيَّاهُابِ بْنِ عَزِيزٍ فَأَتَتْهُ امْرَأَةٌ فَقَالَتْ إِنِّي قَدْ أَزْضَعْتُ عُقْبَةً وَالَّتِي تَزَوَّجَ فَقَالَ لَهَا عُقْبَةُ مَا أَعْلَمُ أَنَّكَ أَزْضَعْتِي وَلَا أَخْبَرْتَنِي فَرَكِبَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِينَةِ فَسَأَلَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ وَقَدْ قِيلَ فَقَارَ لَهَا عُقْبَةُ نَكَحْتُ زَوْجًا غَيْرَهُ.

ترجمہ: عقبہ بن حارث نے ابواہاب بن عزیز کی بیٹی سے نکاح کیا تو ایک عورت نے آکر کہا میں نے عقبہ اور اس کی بیوی کو دودھ پلایا (لہذا ان کا نکاح درست نہیں) عقبہ نے کہا کہ میں تو نہیں جانتا کہ تو نے مجھے دودھ پلایا ہوا اور نہ ہی تو نے (پہلے کبھی) بتایا۔ پھر سوار ہو کر رسول اللہ کی طرف مدینہ گئے اور آپ ﷺ سے سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیسے (تو اس کو رکھے گا؟) حالانکہ ایک بات کہی جا چکی ہے۔ تو عقبہ نے اس کو علیحدہ کر دیا (طلاق دیدی) اور دوسری عورت سے نکاح کر لیا۔

ربط:

باب سابق میں کلی حصول علم کیلئے ترغیب و تاکید تھی باب ہذا میں ایک جزئی مسئلہ کا ذکر ہے اگر کوئی چھوٹا سا مسئلہ پیش آجائے تو اس کیلئے بھی سفر کرنا چاہیے۔

سوال: بخاری شریف ص ۷۷ پر باب الخروج فی طلب العلم گذرا ہے تو باب ہذا سے اس کا تکرار لازم آتا ہے۔
جواب: عمومی علم حاصل کرنے کیلئے عمومی خروج کی بجائے باب میں اسی کا بیان تھا۔ باب ہذا میں خاص مسئلہ درپیش ہونے کی صورت میں خروج خاص کا بیان ہے۔ لہذا تکرار لازم نہیں۔
حضرت گنگوہیؒ نے اس کو یوں تعبیر فرمایا ہے کہ یہ باب جزئی علم حاصل کرنے کیلئے جبکہ باب سابق کلی کیلئے تھا۔ بہر حال اس سے ضرورت علم حدیث اور عظمت علم حدیث بھی ثابت ہوگئی۔

تشریح حدیث

کیف وقد قیل: ای کیف تنز و جہا و تباشرہا و قد قیل انہا اخعک:

آپ ﷺ نے ایک عورت کی خبر رضاعت پر جدائی کرادی۔
اگر آپ ﷺ نے قضاء فیصلہ فرمایا ہوتا تو حضرت عقبہؓ کے خبر دینے کے بعد اعراض نہ فرماتے بلکہ فوراً فیصلہ فرماتے۔
جبکہ روایات میں ہے آپ ﷺ نے خبر سننے کے بعد اعراض فرمایا جب انہوں نے دوبارہ بلکہ تیسری اور چوتھی مرتبہ باصرار عرض کیا تو آپ نے فرمایا: کیف وقد قیل۔؟ (شف 521/3)

فائدہ: ونکحت ذو جأ غیرہ۔ ان کی بیوی نے کسی اور شخص سے نکاح کر لیا اس شخص کا نام ”ظریب“ بتایا گیا۔ (ایضاً 522)
عقبہ بن الحارث نے مکہ مکرمہ میں ابوہاب بن عبد العزیز کی لڑکی غنیمہ سے نکاح کیا جس کی کنیت ام یحییٰ تھی۔ نکاح کے بعد ایک عورت نے اپنی رضائی ماں ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ یہ مدینہ طیبہ پہنچے۔

حضرات فقہاء کرام کی تصریحات سے یہ معلوم ہوتا ہے ایسی صورت میں دیانۃً بھی تقریق ضروری نہیں البتہ تنزیہ افضل ہے۔
بعض فقہاء نے خبر قبل الحلقہ اور بعد الحلقہ میں فرق کیا ہے۔ بعد الحلقہ تقریق ضروری نہیں، قبل الحلقہ ثقہ کی خبر کی وجہ سے عقد جائز نہیں خواہ رضعہ ہو یا کوئی اور (فضل الباری ج ۲ ص ۸۹)

فارق میں دونوں احتمال ہیں آپ ﷺ حضرت عقبہؓ خود (فضل الباری ج ۲ ص ۸۹)

فقہی مسئلہ:

امام احمدؒ کے نزدیک ایک عورت کی گواہی سے رضاعت ثابت ہو جاتی ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک دو عورتیں گواہی دیں تو رضاعت ثابت ہوتی ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک چار عورتوں کی شہادت پر ثابت ہوگی۔ البتہ امام اعظمؒ کے نزدیک ایک مرد اور

دو عورتوں کی گواہی سے رضاعت ثابت ہو جاتی ہے۔ الحاصل عند المحمور نصاب شہادت ہے۔ صرف ایک عورت کی گواہی کافی نہیں۔

عند المحمور رضاعت مالا معاملہ مالی ہے۔ تو نصاب شہادت ضروری ہے۔ (درس شامی 267)

حدیث الباب امام احمدی دلیل ہے۔

جواب: حدیث الباب میں حکم مفارقت یہ تورع اور دیانت پر معمول ہے۔ حکم بطور قضا نہیں تھا۔ بلکہ بطور دیانت تھا۔ نیز امام بخاری روایت الباب کو تفسیر المشتبهات کے باب میں بھی لائیں گے جس سے یہ تعین ہو جائے گا کہ یہ فتویٰ پر معمول ہے۔
لہذا کیف وقد قبل کے جملہ کا مطلب یا تو یہ ہوگا کہ تو اس سے کیسے جماع اور مباشرت کرے گا جبکہ یہ فضا میں بات گونج رہی ہے کہ تو اس کا بھائی ہے اور وہ تیری بہن۔ یعنی ہر کسی کو مسئلہ معلوم نہیں ہوتا ایک دفعہ بات نکل گئی تو اب کس کس کا منہ بند کرے گا۔ یا مطلب یہ ہے تیرے دل میں شک تو پیدا ہو گیا کہ یہ تیری بہن ہے جب بہن کا تصور آئے گا تو اس کے ساتھ کیسے رہے گا۔

الفرق بین الدیانۃ والقضا

عام طور پر دیانت کی تعریف فیما بیننا و بین اللہ کے حوالہ سے کی جاتی ہے۔ جبکہ قضا کی تعریف فیما بیننا و بین الناس سے کی جاتی ہے۔ یعنی اگر معاملہ کی شہرت نہ ہو تو دیانت ہے ورنہ قضا ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں اگرچہ مشہور یہی ہے۔ صحیح یہ ہے قضا اس وقت ہوگی کہ قاضی کی طرف معاملہ کا مراجعہ ہو مجلس قضا قائم ہو۔ مدعی، مدعی علیہ اور شاہد بھی ہوں تو پھر اس کو قضا کہیں گے۔ مراجعہ الی القاضی سے پہلے اس کو دیانت کہیں گے۔ چاہے ساری دنیا میں بات مشہور ہو جائے۔

الفرق بین القضا والفتویٰ

- (۱) قاضی وہ ہوتا ہے جس کو امیر نے فصل خصومات کیلئے مقرر کر رکھا ہو۔ اور امیر کی طرف سے مقرر نہ ہو تو مفتی ہوتا ہے۔
- (۲) قاضی مقدمہ اتر کرنے پر فیصلہ کرتا ہے مفتی بغیر کسی کے کہے کے فتویٰ دے سکتا ہے۔
- (۳) مفتی کا فتویٰ بر تقدیر صحت واقعہ ہوتا ہے۔ قاضی کا فیصلہ تحقیق واقعہ پر ہوتا ہے۔
- (۴) قضا کیلئے گواہ کا حاضر ہونا ضروری ہوتا ہے۔ جبکہ فتویٰ کیلئے ضروری نہیں۔
- (۵) قاضی کبھی مفتی ہو سکتا ہے۔ جبکہ مفتی کبھی قاضی نہیں ہو سکتا۔
- (۶) مسئلہ قضا پر جو فیصلہ ہوتا ہے وہ تو قضا ہے اور جو اس سے باہر ہے وہ فتویٰ ہے۔ آپ ﷺ دونوں حیثیتیں حاصل تھیں۔ اس لئے آپ ﷺ قضا و فیصلہ فرماتے تھے اور کبھی دیدئے۔ یہاں پر جو فیصلہ فرمایا وہ دیانت پر معمول ہے۔
- اس پر قرینہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ایک عورت کی گواہی بھی طلب نہیں فرمائی۔

فر کب الی رسول اللہ ﷺ

اس سے ترجمہ الباب صراحۃً ثابت ہوا۔

27 باب التَّائِبِ فِي الْعِلْمِ — علم حاصل کرنے کے لئے باری مقرر کرنا

حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنْ الزُّهْرِيِّ قَالَ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ قَالَ ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي ثَوْرٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ عَنْ عُمَرَ قَالَ كُنْتُ أَنَا وَجَارِي مِنْ الْأَنْصَارِ فِي بَنِي أُمَيَّةَ بْنِ زَيْدٍ وَهِيَ مِنْ عَوَالِي الْمَدِينَةِ وَكُنَّا نَتَّكَوِبُ النَّزُولَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْزِلُ يَوْمًا وَأَنْزَلَ يَوْمًا فَإِذَا نَزَلْتُ جِئْتُ بِخَبَرٍ ذَلِكَ الْيَوْمَ مِنَ الْوَحْيِ وَغَيْرِ وَوَ إِذَا نَزَلَ فَعَلَ وَمِثْلَ ذَلِكَ فَتَزَلُ صَاحِبِي الْأَنْصَارِي يَوْمَ تَوْبِهِ فَصَرَبَ بَابِي صَرْبًا شَدِيدًا فَقَالَ أَلَمْ تَكُنْ تَقْرَأُ الْوَحْيَ فَخَرَجْتُ إِلَيْهِ فَقَالَ قَدْ حَدَّثَ أَمْرٌ عَظِيمٌ قَالَ فَدَخَلْتُ عَلَى حَفْصَةَ فَإِذَا هِيَ تَبْكِي فَقُلْتُ طَلَّقَكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ لَا أَذْرِي ثُمَّ دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ وَأَنَا قَائِمٌ أَطَلَّقْتَ نِسَاءَكَ قَالَ لَا فَقُلْتُ اللَّهُ أَكْبَرُ.

ترجمہ: حضرت عمرؓ بیان فرماتے ہیں میں اور میرا ایک انصاری پڑوسی دونوں عوالی مدینہ کے ایک گاؤں بنی امیہ بن زید میں رہتے تھے اور ہم دونوں باری باری رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ ایک دن وہ آتا اور ایک دن میں آتا۔ جس دن میں آتا تو اس دن کی وحی اور دیگر باتوں کی اس کو اطلاع دیتا تھا اور جب وہ آتا تھا تو وہ بھی اسی طرح کرتا تھا۔ ایک دن میرا وہ انصاری رفیق (عتبان بن مالکؓ) اپنی باری کے روزِ حاضر خدمت ہوا۔ (جب واپس آیا) تو میرا دروازہ زور سے کھٹکٹایا اور پوچھا کیا وہ یہاں پر ہے؟ میں گھبرا کر اس کے پاس آیا وہ کہنے لگا کہ ایک بڑا معاملہ پیش آ گیا (یعنی رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی)۔ پھر میں حفصہؓ کے پاس گیا تو وہ رو رہی تھی۔ میں نے پوچھا کیا تمہیں رسول اللہ ﷺ نے طلاق دیدی ہے وہ کہنے لگی میں نہیں جانتی۔ پھر میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے کھڑے کھڑے آپ ﷺ سے دریافت کیا کیا آپ نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا نہیں تب میں نے (تعجب سے) کہا اللہ اکبر۔

غرض و ربط:

امام بخاریؒ فرماتے ہیں اگر فرصت نہ ہو یا عذر مانع ہو تو تحصیل علم میں باری مقرر کر لینی چاہیے پھر ایک دوسرے سے تکرار کریں۔

تشریح حدیث

وہی من عوالی المدینۃ: مدینہ سے مشرق کی طرف جو حصہ ہے اس کو عوالی اور جو مغرب کی طرف حصہ ہے اس کو وافل کہتے ہیں۔ دو ربوی ﷺ سارا مدینہ اب مسجد نبویؐ میں داخل ہو گیا۔

قد حدث امر عظیم:

یہاں پر اختصار ہے۔ تفصیل روایت یہ ہے کہ یہ بات مشہور تھی کہ غسان کا بادشاہ مدینہ طیبہ پر حملہ کی تیاری کر رہا ہے۔ جس سے مدینہ طیبہ میں خوف و ہراس تھا۔ یہ غسانی لوگ لہا عرب اور مذہباً نصرانی تھے۔ ایک دن انصاری زور

سے میرا روزہ پلٹے لگا اور کہنے لگا: افتتاح افتح۔ اور کہا کہ بڑا حادثہ پیش آگیا۔ جس سے میں یہ سمجھا غسانی حملہ آور ہو گئے؟ اس نے کہا ہبل اشد من ذلک۔ اس سے بڑا حادثہ ہو گیا۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کو طلاق دیدی۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب ازواج مطہرات نے منافست میں آپ ﷺ کو کھلی کھلی پہنچائی تھی۔

قریشی لوگوں پر زمانہ جاہلیت میں عورتیں حکم نہیں چلایا کرتی تھیں۔ انصار کے ہاں عورت کی بالادستی کا کچھ تصور تھا۔ مدینہ طیبہ آنے کے بعد قریشی عورتوں نے بھی انصاری عورتوں کا طریقہ سیکھ لیا ایک دن حضرت عمرؓ نے اپنی بیوی کو ڈانٹ دیا تو بیوی نے پلٹ کر جواب دیا کہ ذرا سی بات سے آپ اسقدر ناراض ہو گئے۔ جبکہ آپ کی بیٹی حفصہؓ حضور ﷺ کو ناراض کر دیتی ہے دن بھر گفتگو نہیں ہوتی۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں میں حفصہؓ کے پاس گیا تو کہا میں نے سنا ہے تم رسول اللہ ﷺ ناراض کر دیتی ہو۔ دن بھر گفتگو نہیں کرتیں۔ تم کو اللہ سے ڈرنا چاہیے کہیں رسول اللہ ﷺ ناراض کی وجہ سے تم لوگ ہلاک نہ ہو جاؤ۔ آئندہ آپ ﷺ سے کوئی مطالبہ نہ کرو۔ جو ضرورت کی چیز ہو مجھ سے لے لو۔

جب انصاری نے یہ بات سنائی تو میں نے کہا مجھے پہلے ہی اندیشہ تھا کہیں ایسا ہونہ جائے۔ انصاری نے شام گذشتہ میں یہ بات سنائی۔ میں نے اگلے روز صبح کی نماز آپ ﷺ کے ساتھ پڑھی۔ آپ ﷺ نے بالاخانہ میں تشریف لے گئے۔ میں حفصہؓ کے گھر گیا تو وہ رو رہی تھیں میں نے اس کو ڈانٹا۔ اب رونے کا کیا فائدہ؟ میں نے تو پہلے تجھے سمجھایا تھا۔ حضرت حفصہؓ سے فرمایا تجھے یہ دھوکہ نہ ہو کہ آپ ﷺ طرح عانتہؓ کو محبوب رکھتے ہیں مجھے بھی رکھیں، جو ضرورت ہو مجھ سے لو۔ پھر میں نے پوچھا آپ ﷺ نے طلاق دیدی ہے؟ تو اس نے کہا یہ تو معلوم نہیں البتہ آپ ﷺ بالاخانہ میں ہم لوگوں سے الگ تھلگ ہیں۔

میں مسجد نبوی ﷺ منبر کے پاس آیا۔ وہاں صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت بیٹھی رو رہی تھی۔ وہاں سے اٹھ کر بالاخانہ کے پاس آیا تو دربان سے کہا: میرے لئے اجازت طلب کرو۔ جس کے ذریعہ اجازت طلب کی وہ رباح نامی غلام تھے۔ بار بار اجازت طلبی کے دوران غلام سے یہ بھی کہا میں حفصہؓ کی طرف داری میں نہیں آیا۔ اگر حکم ہوگا اس کا سر پیش کروں گا۔ یہ بات زور سے کہی تاکہ آپ ﷺ لیں چنانچہ اجازت مل گئی۔ (تحفہ 373/1)

تین بار طلب اجازت کے بعد حاضر خدمت ہوا۔ میں نے سلام عرض کیا اور کھڑے کھڑے پوچھا آپ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کو طلاق دیدی ہے؟ آپ ﷺ نے نظر اٹھائی، فرمایا: نہیں۔

بلند آواز سے اللہ اکبر کہا تا کہ مسجد میں جو لوگ رو رہے ہیں ان کو تسلی ہو جائے اور وہ مطمئن ہو کر گھر جائیں۔ (تحفہ 373/1، 374) آپ ﷺ نے ایلاء لغوی کیا تھا۔ جاہلیت میں اسے طلاق شمار کیا جاتا تھا اس لئے حضرت عتبہؓ نے طلاق سے تعبیر کیا۔ (نصر الباری 439/1)

اس قصہ کی روشنی میں امام بخاریؒ یہ ثابت فرمانا چاہتے ہیں کہ تعین ایام للتعلیم بغرض طلب علم درست ہے۔ اس سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ حصول علم میں لا پرواہی درست نہیں ہے۔

یہ ترجمہ الباب خبر واحد کی حجت پر بھی دال ہے۔ ورنہ ایک دوسرے کی خبر و تعلیم قبول نہ کرتے۔

کنا تنواب النزول:

اس جملے سے ترجمہ الباب کا ثبوت ہے۔

غرض بخاری امام بخاری دین سکھنے کیلئے دنیوی مشاغل کے سلسلہ میں تعاون و اشتراک قائم کرنے کی شکل بتا رہے ہیں۔

(فضل باری 90/2)

حضرت عمرؓ جس روز حاضر خدمت نہ ہوتے اس کا سبب ان کا تجارتی عمل تھا۔ آپؐ کے دوسرے رفیق عتبہ بن مالکؓ تھے جو آپ کی مواخات اسلامی کی وجہ سے بھائی تھے۔ (ایضاً 528/3)

عند بعض حضرت عمرؓ کے نزدیک خبر واحد حجت نہیں، استدلال حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی حدیث استیذان سے کرتے

ہیں حدیث الباب ان کے نزدیک بھی خبر واحد کی حجت پر دال ہے۔ حدیث استیذان ان تثبیت پر معمول ہے۔ (فضل باری 91/2)

فائدہ ۱: یزید یوما و انزل یوما، یوما مکرہ ہے اس لئے ثانی غیر اولیٰ ہے۔

فائدہ ۲: آپ ﷺ نے بالا خانہ میں دو مرتبہ قیام فرمایا ایک موقع گذشتہ پر اور ایک مرتبہ آپ ﷺ کے

ٹخنے میں تکلیف ہوئی تھی۔

28 باب الغضب في المؤعدة والتعليم إذا رأى ما يكره

وعظا اور تعلیم کے دوران بری بات دیکھنے پر غصہ کرنا

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ قَالَ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ ابْنِ أَبِي خَالِدٍ عَنْ قَبِيصِ بْنِ أَبِي حَارِمٍ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا أَكَادُ أَذْرِكَ الصَّلَاةَ وَمَا يَطُولُ بِهَا فَلَانِ فَمَا زَالَتْ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَوْجَعَةٍ أَخَذَ

غَضَبًا مِنْ تَوَلَّى فَقَالَ أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّكُمْ مُتَقَرِّبُونَ لِمَنْ صَلَّى بِالنَّاسِ فَلْيَخُوفُ فَإِنَّ فِيهِمُ الْمَرِيضَ وَالضَّعِيفَ وَذَا الْحَاجَةِ.

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ قَالَ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ الْمَدِينِيُّ عَنْ رِبْعَةَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ

الرَّحْمَنِ عَنْ بَرْزَيْدٍ مَوْلَى الْمُتَنَبِّهِ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَأَلَ زَجْلَ عَنْ

الْلُقْطَةِ فَقَالَ اغْرِفْ وَكَاءَهَا أَوْ قَالَ وَغَاءَهَا وَغَفَّاهَا ثُمَّ عَزَّهَا سَنَةً ثُمَّ اسْتَمْعَعَ بِهَا فَإِنْ جَاءَ رُبُّهَا فَأَذْهَبَ إِلَيْهِ

قَالَ فَصَالَةُ الْإِبِلِ فَغَضِبَ حَتَّى احْمَرَّتْ وَجَنَّتْهُ أَوْ قَالَ احْمَرَّتْ وَجْهَهُ فَقَالَ وَمَا لَكَ وَلَهَا مَعَهَا مِقْطَاؤُهَا

وَجِدَاؤُهَا تَرَى الشَّجَرَ فَلَذَّهَا حَتَّى يَلْقَاهَا رُبُّهَا قَالَ فَصَالَةُ الْغَنَمِ قَالَ لَكَ أَوْ لَا حِمْلِكَ أَوْ لِلذَّنْبِ.

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بَرْزَيْدٍ عَنْ أَبِي بَزْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَهْلَاءِ كَرِهَهَا فَلَمَّا أَكْثَرَ عَلَيْهِ غَضِبَ ثُمَّ قَالَ لِلنَّاسِ سَلُونِي عَمَّا شِئْتُمْ قَالَ زَجْلٌ مِنْ أَبِي قَالَ أَبُو كَرِ

خَذَلَهُ فَقَامَ آخِرُ فَقَالَ مَنْ أَبِي يَارَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ أَبُوكَ سَالِمٌ مَوْلَى شَيْبَةَ فَلَمَّا رَأَى عَمْرُو مَا فِي وَجْهِهِ قَالَ يَارَسُولَ اللَّهِ إِنَّا نَكُوبُ إِلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ.

ترجمہ: حضرت ابو مسعود انصاریؓ روایت کرتے ہیں ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! فلاں شخص لمبی نماز پڑھاتا ہے اس لئے میں نماز میں شریک نہیں ہو سکتا۔ ابو مسعودؓ کہتے ہیں اس دن سے زیادہ میں نے کبھی رسول اللہ ﷺ دورانِ نصیحت غضب ناک نہیں دیکھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے لوگو تم (لوگوں کو دین سے) نفرت دلاتے ہو۔ سن لو جو شخص لوگوں کو نماز پڑھانے تو مختصر پڑھائے کیونکہ ان میں بیمار کمزور اور ضرورت مند سب ہی قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔

زید بن خالد جنیؓ فرماتے ہیں نبی ﷺ سے ایک آدمی نے لفظ کے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا تو پہچان لے اس کی ہی اوٹھلی کو پھر اس کی ایک سال تک تشمیر کر پھر اس کے ساتھ قطع اٹھا اگر اس کا لالک آجائے تو اس کو واپس کر دے۔ اس آدمی نے کہا کہ گمشدہ اونٹ کے بارے میں کیا حکم ہے (اس کو بھی پکڑ لیں؟) تو آپ ﷺ نے فرمایا جی ہاں! آپ کے رخسارے یا آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا پھر آپ ﷺ نے فرمایا تیرا اس سے کیا تعلق؟ اس کے ساتھ اس کے پینے کی چیز ہے اور اس کا جوتا ہے، وہ پانی پر وارد ہوتا ہے اور دخت چرتا ہے تو اس کو چھوڑ دے حتیٰ کہ اس کا لالک اس کو پا لے اس آدمی نے کہا گمشدہ بکری کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا وہ تیرے لئے یا تیرے بھائی کے لئے ہے یا پھر بھیڑیے کے لئے ہے۔

حضرت ابو موسیٰؓ فرماتے ہیں نبی ﷺ سے ایسی چیزوں کے بارے میں سوال کیا گیا جن کو آپ نے ناپسند کیا۔ جب آپ ﷺ سے سوال زیادہ کئے گئے تو آپ غصے ہو گئے اور لوگوں سے فرمایا تم مجھ سے جو چاہو پوچھو ایک آدمی نے کہا میرا باپ کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تیرا باپ حذافہ ہے۔ دوسرا کھڑا اور کہا میرا باپ کون ہے فرمایا: تیرا باپ سالم ہے شیبہ کا مولیٰ۔ جب حضرت عمرؓ نے آپ کے چہرے میں غصہ محسوس کیا تو عرض کیا یا رسول اللہ! ہم اللہ کی طرف توبہ کرتے ہیں۔

غرض و ربط:

امام بخاریؒ کے اس عنوان پر بہت سی تقاریر ہیں۔

(۱) عند البعض قضا اور تعلیم کا فرق بیان کرنا مقصود ہے کیونکہ آپ ﷺ سے مروی ہے: لَا يَقْضِي الْقَاضِي وَهُوَ غَضْبَانٌ۔ یہاں تک کہ جس فریق کے خلاف فیصلہ ہوا کہ وہ یہ ثابت کر دے کہ قاضی حالتِ غضبان میں تھا اور اسی دوران اس نے فیصلہ کیا تو فیصلہ ختم ہو سکتا ہے۔ امام بخاریؒ فرق بیان کرنا چاہتے ہیں کہ تعلیم حالتِ غضب میں بھی ہو سکتی ہے۔

(۲) یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ واعظ و معلم اگر ساجین یا طالبانہ کرام میں کوئی ناپسندیدہ حرکت دیکھے تو اس پر اظہارِ ناراضگی کر سکتا ہے۔

(۳) مقصود یہ ہے معلمین اور ساجین کو ایسی چیزوں سے محتاط رہنا چاہیے جس سے استاذ یا واعظ کو خضا آئے۔ آداب کو ملحوظ رکھیں۔

(۴) امام بخاریؒ ایک اصول میں تخصیص کرنا چاہتے ہیں۔ اصول یہ ہے تعلیم اطمینان و وقار اور ریشاشٹ و فرحت کے ساتھ

ہونی چاہیے نہ کہ غصہ کی حالت میں۔

اس باب کو قائم فرما کر یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں اگر ضرورت پیش آجائے تو حالتِ غضب میں وعظ اور تعلیم کر سکتے ہیں۔

تشریح حدیث

قال رجل: يا رسول الله! كم صدق حضرت عمرو بن كعبؓ زميندار آدمی تھے۔ (درس شمارتی 271)

سالہ رجل عن اللقطة

رجل کا مصداق؟ حافظؒ فرماتے ہیں چونکہ حضرت سیدہ جنتیؓ حضرت زید بن خالد جنتیؓ راوی حدیث کے قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں تو غالب گمان یہ ہے کہ حدیث باب میں رجل مہم بھی ہوں۔ (کشف 546/3)

فائدہ: حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں مجھے حضرت ابن عباسؓ باندھ دیا کرتے تھے۔ بوقت ضرورت استاذ محترم کا غصہ طلب علم کے جذبہ کا امتحان ہوتا ہے کہ طلب صادق بھی ہے یا نہیں۔ طلب صادق ہو تو یہ سب کچھ برداشت کرتا ہے۔ برداشت کرنا اور دروازہ پر پڑے رہنا یہ بننے کی علامت ہے اگر عدم برداشت ہے اور چھوڑ کر چلا جاتا ہے یہ اس کے بگڑنے اور آئندہ دینی خدمات سے محروم ہونے کی دلیل ہے۔

بہر حال اس میں یہ ملحوظ رہے یہ تمام تر غصہ تعلیم کی وجہ سے اور خیر خواہی کے ساتھ ہونے والا غصہ ہے خود استاذ کا نقصان ہے۔

لا اکاد ادرک الصلوۃ مما یطول بنا فلان:

سوال: تطویل قراءت کی وجہ سے عدم ادراک صلوۃ سمجھ میں نہ آنے والی بات ہے تخفیف قراءت میں نہ پاسکے تو ٹھیک ہے بظاہر حلت و معلول میں مطابقت نہیں ہے۔

جواب: میں کام کرنے والا ہوں اتنی تطویل قراءت برداشت نہیں کر سکتا۔ اس وجہ سے میں جماعت ترک کر دیتا ہوں۔

فائدہ: تخفیف صلوۃ کا مطلب یہ ہے کہ مسنون سورتیں پڑھی جائیں وہ منیٰ عن تطویل میں داخل نہیں (کشف 541/3)

انہوں نے سورۃ بقرہ شروع کر دی اس زمانہ میں قرآن میں رکوع نہیں تھے اس لئے جب سورۃ ختم ہوگی تھی رکوع کریں گے۔ (تحفہ 375/1)

یطول بنا فلان:

فلان کا مصداق کون ہے؟ عند بعض حضرت معاذ بن جبلؓ ہیں اور بعض حضرت ابی ابن کعبؓ بھی فرماتے ہیں۔ روایات میں دونوں حضرات کا ذکر ہے۔ لیکن یہاں کون مراد ہے۔ اس کیلئے حضرات علماء کرام نے ایک ضابطہ تحریر فرمایا۔ اگر نماز مغرب ہو تو حضرت معاذؓ متعین ہیں اور اگر فجر کی نماز مراد ہو تو حضرت ابی ابن کعبؓ متعین ہیں۔ اور اگر نماز متعین نہیں تو پھر تعین بھی مشکل ہے۔

فلان

فلان کا مصداق صحیح قول کے مطابق حضرت ابی ابن کعبؓ ہیں واقعہ فجر کی نماز کا ہے اور مسجد قبا سے متعلق ہے۔ جبکہ حضرت معاذؓ کا واقعہ عشاء کے وقت اور مسجد نبی سلمہ کا ہے۔ (کشف 539/3)

لیکن صحیح یہ بات ہے یہاں حضرت ابی بن کعبؓ مراد ہیں۔ جو حضرت معاذ کے واقعہ سے الگ واقعہ ہے حضرت معاذؓ کے بارے میں مشہور ہے انہوں نے ایک ہی رکعت میں پوری سورۃ بقرہ پڑھ دی تھی۔ (انعام 124/2)

حرم بن ابی کعبؓ نے آپ ﷺ سے امام کے طول قراوت کی شکایت کی اور شمولیت صلوٰۃ سے حذر پیش کیا۔ (بخاری 93/2)

چونکہ آپ پہلے تطویل صلوٰۃ سے منع کر چکے تھے اور بتا چکے تھے کہ اس سے لوگ تشغیر ہوں گے۔ اس کے باوجود شکایت ہو رہی تھی اس لئے سخت ناراض ہوئے۔ (شف 541/3)

حدثنا عبد الله بن محمد: اللقطه:

لقطه گری پڑی چیز کو کوئی اٹھا۔ تو اس کو لقطہ کہتے ہیں اور اٹھانے سے پہلے سقط کہتے ہیں۔

لقطه: کافظ قرآن پاک میں باب افتعال سے آیا ہے فاللقطه اک فرعون (392)

مسائل لقطہ: بتعریف واستمتاع

دو مسئلے ہیں۔ ۱: بتعریف۔ ۲: استمتاع

تشمیر و اعلان کا مدار اشیاء کی نوعیت پر ہے۔ اور وہ تین قسم ہیں۔ (۱) انتہائی معمولی چیز جیسے ایک آدھ کجور، گندم کا دانہ یا اتنی مالیت کی کوئی چیز۔ اس کے اعلان کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے اعلان پر تعزیر ہے۔ کیونکہ یہ غیر مطلوب اور غلو فی الدین ہے۔

(۲) انتہائی قیمتی چیز: جس کے گم ہونے کا فحش باقی رہے اور جب بھی مل جائے تو اس کو چھوڑنے پر تیار نہ ہو۔ جیسے سونے کی ڈلی یا بھاری رقم جس کا تعین افراد کی حیثیت سے بھی ہو سکتا ہے۔ اس کا حکم یہ ہے ایک سال تک اعلان و تشمیر کی جائے۔ ذرائع ابلاغ جدید و قدیم استعمال میں لائے جائیں۔

حضرت ابی بن کعبؓ کو ایک تھیلی میں سودینار ملے۔ آپ ﷺ نے ان کو تین سال تک تشمیر کا حکم فرمایا۔ (حفہ 377/1)

(۳) متوسط درجہ کی چیز:

اس میں لاقطہ کا اجتہاد ہے کہ ہفتہ، مہینہ یا چند ماہ۔ اندازہ کا معیار یہ ہے فاقہ نے گم شدہ چیز کی تلاش موقوف کر دی ہوگی۔

(۴) اگر ایک ایسی چیز ہے اگرچہ قیمتی ہے مگر اس کے ضیاع کا اندیشہ ہے تو اس کا اعلان اس وقت تک کریں گے جب تک ضیاع کا خطرہ نہ ہو اگر ضائع ہونے کا اندیشہ ہے تو اس کو اس کے مصرف میں لگا دیا جائے گا۔

مسئلہ استمتاع

امام شافعیؒ کے نزدیک لاقطہ یعنی اٹھانے والے کیلئے استمتاع جائز ہے۔ (بعد از تشمیر و اعلان) خواہ فقیر ہو یا غنی۔ امام اعظمؒ فرماتے ہیں خود فقیر ہو تو استعمال کر سکتا ہے۔ غنی ہو تو کسی فقیر کو دیدے۔ لیکن لقطہ دونوں صورتوں میں مضمون ہوگا۔ یعنی مالک کے ظہور پر اگر وہ مطالبہ کرے تو حمان ادا کرنا ہوگا۔ البتہ اگر مالک نہ لینے پر راضی ہو تو فقیر لاقطہ پر تاوان نہیں ہے۔ اگر غنی تھا اور اس نے فقیر کو دیدیا تھا تو صدقہ کا ثواب دونوں کو ملے گا۔ اور اگر راضی نہ ہو تو ثواب صرف لاقطہ کو ملے گا۔ کیونکہ تاوان

لے گا اور لا قط کیلئے صرف ثواب ہوگا۔ لفظ سال کی تفسیر کے بعد غنی بھی باجاذہ حاکم استعمال کر سکتا ہے۔ (فضل الباری 93)

اعرفو کائہا:

وکاء اس دھاگے یاری کو کہتے ہیں جس سے کسی برتن کا منہ باندھا جاتا ہے۔

وعاء: یہ ظرف یعنی برتن کو کہتے ہیں۔

وعقا صہا: اس کے بارے میں دو قول ہیں۔ (۱) اگر تھیلی کپڑے کی ہے تو عقاص کہیں گے اگر دھات کی ہے تو وعاء کہیں گے۔ (وعاء و اخیه) (۲) عند بعض اس سے مراد وہ کپڑا ہے جس کو کسی چیز کے منہ کے اوپر دیکر پھر دھاگلا بندھ دیا جاتا ہے۔

سقاؤ ہلو حذاؤ ہا: سقا یعنی مشک اور حذا اصل معنی موزہ ہے مراد اس سے جوتا ہے۔

قائدہ: حدیث الباب میں گم کردہ راہ اونٹ کو لفظ نہیں شمار کیا۔ لیکن یہ سابق کے دور کے لحاظ سے ہے۔ آجکل اونٹ کو بھی لفظ میں شمار کیا گیا ہے کیونکہ امانت کا نقد ان ہے اور تغیر احوال ہو چکا ہے۔

بکریوں کا ریوڑ بڑا ہوتا ہے اتفاق سے کوئی بکری پیچھے رہ گئی تو پتہ نہیں چلے گا اور اونٹ ایک بھی کم ہوگا تو مالک تلاش کرنے جنگل آجائے گا۔ (حمہ 377)

فلما اکثر علیہ غضب:

یہ سوالات مسائل نہیں تھے اور علم دین سے متعلق نہیں تھے۔ اصل میں کشف کوئی سے متعلق شریعت سے ہٹ کر لوگوں نے سوالات شروع کر دیئے۔ چنانچہ ایک نے سوال کیا: میرے والد کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: خدا۔ اس سے معلوم ہوا غیر متعلقہ سوالات پر معلم کو ناراضگی کا حق ہے۔

کشف کوئی حضرات انبیاء اور اولیاء کرام دونوں کو ہوتا ہے۔ مگر دوا نہیں ہوتا۔ اس لئے علم غیب کا ثبوت نہیں ہو سکتا، جیسے حضرت یعقوب کا قصہ کہ قریبی کنویں میں ڈال دیا گیا تھا تو پتہ نہ چل سکا۔ اور کنعان مصر سے حضرت یوسف کی قمیص کی خوشبو سوگھ لی تھی۔ اس پر حضرت یعقوب نے فرمایا: ہماری مثال تو ایسی ہے بجلی جھکی اجالا ہوا تو پھر ختم ہو گئی۔ یعنی ایک وقتی سی چمک ہوتی ہے۔ وہی جو نظر آجائے۔

نیز کشف کوئی مطلقاً کمالات میں سے نہیں ہے۔ البتہ کشف علمی کمالات میں سے ہے۔ جس کا تعلق حقائق علم کے ادراک سے ہے۔ جو مخانب اللہ قلب پر وارد ہوتے ہیں۔ جیسے الغیۃ اشد من الزلا۔ حضرت حاجی امداد اللہ فرماتے ہیں: اشدیت اس لحاظ سے ہے کہ غیبت جاہی گناہ اور زنا باہی۔ زانی نادم اور غیبت کرنے والا خود کو تپتی سمجھتا ہے وغیرہ۔

لا تستلوا عن اشیاء: اشیاء واقعات و احکام دونوں کو شامل ہے۔ نسوء کم جو برا لگنے کے معنی پر مشتمل ہے اس میں تعمیم بھی جائے۔ حاصل یہ نکلا کہ احکام کے باب میں نہ واقعات کے سلسلہ میں فضول سوال کیا کرو یا نہ ہو کہ جواب ناگوار یا پھر فضیحت کا سامنا ہو۔ ضروری بات یا شبہ ناشی عن دلیل کشف کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں مگر منافقین تعنت و استہزاء سے سہل کرتے تھے۔ (فضل الباری 95/2)

مواقع اظہار غضب:

باب ہذا میں تین روایات ہیں جن میں اظہار غضب کا ذکر آیا ہے۔ اور روایات کے تتبع سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ آپ ﷺ دو مقام پر اظہار غضب فرمایا کرتے تھے۔

- (۱) ایک جب کسی شرعی حکم کی مخالفت کی جائے۔ جس کو ایک روایت میں الانتہک محارمہ سے ظاہر کیا گیا۔
 - (۲) اس مقام پر جہاں امر بدیہی یا فطرت سلیمہ کے خلاف معاملہ ظاہر ہو۔ چنانچہ پہلی روایت میں چونکہ سارے دن کی محنت و مشقت کے بعد ان کی طبعاً طویل عبادت کی تحمل نہیں ہو سکتی تھی تو تطویل صلوٰۃ پر اظہار غضب فرمایا کہ حکم شرعی کو ملحوظ رکھ کر تخفیف صلوٰۃ کی جائے۔ چونکہ یہاں امر شرعی ملحوظ نہیں رکھا گیا تو اظہار ناراضگی فرمایا۔
- اور روایت ثانیہ میں بھی امر بدیہی کے خلاف تھا کہ اس دور میں اونٹ کو کوئی لفظ سمجھنے لگے تو مجموعی ماحول سے صرف نظر کرنے پر غصہ کا اظہار فرمایا۔ کیونکہ امانت و دیانت کا غلبہ تھا۔ نیز تیسری روایت میں بھی چونکہ امر بدیہی کے خلاف سوال تھا کہ میرے والد کون ہیں، اس کا منصب رسالت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اسلئے اظہار ناراضگی فرمایا۔ جس چیز کا وہ صاحب سوال کر رہے تھے صحابہ کرامؓ میں وہ بدیہی تھی۔ اسی حقیقت کا اظہار فرمایا گیا۔ لا تسئلوا عن اشیاء ان تبدلکم تسؤلکم:

سلونی:

یہ لفظ ناراضگی کے لب و لہجہ میں فرمایا تھا لوگ اس کا مطلب نہ سمجھ سکے اور پھر بھی سوال کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا: انا نتوب الی اللہ عز و جل۔ مزاج شناسی بھی ہر آدمی کا کام نہیں۔ اصحاب مجلس میں صرف عمرؓ سمجھ پائے۔

قال رجل من ابی:

ان صاحب کا یہ سوال بلاوجہ نہیں تھا۔ لوگوں میں یہ مشہور تھا ان کے والد حضرت حذافہؓ کے علاوہ کوئی اور ہے اور یہ پریشان رہتے تھے جب آپ ﷺ نے حذافہؓ کے حوالہ سے تعین فرمادی ان کو اطمینان ہو گیا۔

29 باب مَنْ بَرَكَ عَلَى رُكْبَتَيْهِ عِنْدَ الْإِمَامِ أَوْ الْمُحَدِّثِ

امام یا محدث کے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھنا

حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ أَخْبَرَ نَاشِعِينَ عَنْ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَ لِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ فَقَامَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ حَذَافَةَ فَقَالَ مَنْ أَبِي فَقَالَ أَبُوكَ حَذَافَةُ لَمْ أَكْثُرْ أَنْ يَقُولَ سَلُونِي فَبَرَكَ عَمْرٌ عَلَى رُكْبَتَيْهِ فَقَالَ رَضِينَا بِاللَّهِ يَا وَبَالَ سَلَامٍ دِينَاوُ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِينَا فَسَكَتَ.

ترجمہ: حضرت انسؓ فرماتے ہیں ایک دن حضور ﷺ کو عبد اللہ بن حذافہؓ کھڑے ہو گئے اور پوچھنے لگے میرا

باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا حذافہ۔ پھر آپ ﷺ نے بار بار فرمایا مجھ سے پوچھو۔ تو حضرت عمرؓ نے دوزانو ہو کر عرض کیا ہم اللہ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر اور محمد ﷺ کے نبی ہونے پر راضی ہیں۔ یہ جملہ تین مرتبہ فرمایا پھر رسول اللہ ﷺ خاموش ہو گئے۔

رابطہ: باب سابق میں استاذ کے غضب کا ذکر تھا جو طالب علم کی بے ادبی یا بدعنوانی کی وجہ سے ہوتا ہے اس باب میں اس ادب و احترام کو بتایا جا رہا ہے جو معلم استاذ کیلئے اختیار کرے۔
غرض بخاری ۱: باب ہدایہ مقصود معلم کیلئے اسباق میں نشست کا طریقہ اور ادب بتاتا ہے کہ طالب علم استاذ محترم کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھے۔ چارزانو ہو کر بیٹھنا خلاف ادب ہے۔

۲: قیام، رکوع، سجدہ اور قعدہ نماز کی یہ چار حالتیں ہیں۔ رکوع اور سجدہ کی حالت غیر اللہ کیلئے جائز نہیں۔ خیال ہو سکتا تھا کہ قعدہ کی حالت و بیعت بھی جائز نہ ہو۔ بتا دیا اب کھڑے ہونا یا دوزانو بیٹھنا جائز ہے۔ (تحفہ 380)

تشریح حدیث

فَبُذِّكَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: بروک کی دو صورتیں ہیں:

(۱) جسم کا نصف اٹلی قائم ہو اور رکبتیہ کے بل کھڑا ہو جائے۔ بروک جمل کی بھی صورت ہوتی ہے۔ اس صورت میں یہ مطلب ہوگا کہ نشست خلاف ادب ہے۔ البتہ بوقت ضرورت اس کا حوازی بھی ہے۔

(۲) جس طرح قعدہ نماز میں بیٹھا جاتا ہے اس طرح بیٹھے۔ اس وقت مطلب یہ ہوگا کہ یہ نشست طالب علمانہ بیعت پر ہے اور با ادب ہے۔

نمبر ۳: امام ربانی حضرت گنگوہیؒ اور حضرت شیخ الحدیثؒ فرماتے ہیں: بروک علی رکبتیہ سے یہ صورت مراد ہے شہد کی صورت میں بیٹھ کر پچھلا حصہ تھوڑا سا اٹھائے۔ غرض ترجمہ یہ ہے کہ یہ صورت اگرچہ خلاف ادب ہے۔۔۔ لیکن بوقت ضرورت جائز ہے۔ (درس شامی 273)

سوال: روایت الباب سے بروک رکبتین عند الامام ثابت ہو عند المحدث تو ثابت نہ ہوا۔

جواب ۱: جب عند الامام ثابت ہو گیا تو قیاساً عند المحدث بھی ثابت ہو گیا۔

جواب ۲: اسی حدیث سے دونوں اصالیہ ثابت ہیں کیونکہ حضور اقدس ﷺ شان محدث کی بھی ہے اور امام کی بھی۔
فائدہ: عبد اللہ بن حذافہؓ کے گھر پہنچنے پر والدہ ناراض ہوئیں کہ جاہلیت کے دور میں فحور عام تھا آپ ﷺ اور کا نام کہہ دیتے تو پھر۔؟ عرض کیا میں اپنا نسب اسی سے ملا لیتا۔ [بہر حال ان کا یہ سوال نا فہمی کی بنا پر تھا۔] [95/2]

ایک روایت میں ہے کہ ان کا جب بھی کسی سے جھگڑا ہوتا تو ان کو لوگ ان کے باپ کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف منسوب کرتے تھے اس لئے انہوں نے اپنے والد کے بارے میں سوال کیا۔ دوسرے سائل کا نام حضرت سعد بن سالمؓ تھا۔

یہاں غلطی دوسروں سے ہوئی لیکن یہ حضرت عمرؓ کی فہم و فراست اور شفقت علی الاصحاب کی دلیل ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ کی ناراضگی کو اس طرح دور کرنے کی کوشش کی گویا کہ غلطی ان سے ہوئی۔ (شف 568/3)

حضرت عمرؓ کے قول: رضیت باللہ رباً وبالاسلام دیناً وبمحمد رسولاً ونبیاً بعض روایات میں وبالقرآن امامت بھی ہے۔ (فضل باری 96/2)

حاصل یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو کتاب عطا فرمائی اور اپنے نبی کے واسطے سے جو سنت مرحمت فرمائی اس کے ہوتے ہوئے کسی سوال کی ضرورت نہیں۔ فسکت بعض روایات میں ہے فسکن غضبہ یعنی آپ کا غصہ فرو ہو گیا۔ (شف 572/3)

فائدہ: علامہ صفی نے اسی مسئلہ کی روشنی میں فرمایا: اگر استاذ ناراض ہو جائے تو ترضیہ کی مناسب صورت اختیار کرے۔

(درس شامی 273)

30 باب مَنْ أَعَادَ الْحَدِيثَ ثَلَاثًا لَيْفَهُمْ عَنْهُ

سمجھانے کے لئے ایک بات کو تین بار کہنا

فَقَالَ الْوَرْدُ فَمَا زَالَ يَكُوزُهَا وَقَالَ ابْنُ غَمَرٍ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ بَلَغْتَ ثَلَاثًا حَدَّثْنَا عَبْدُ اللَّهِ قَالَ حَدَّثْنَا عَبْدُ الصَّمَدِ قَالَ حَدَّثْنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ حَدَّثْنَا لِمَامَةُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ إِذَا سَلَّمَ سَلَّمَ ثَلَاثًا وَإِذَا كَلَّمَ بِكَلِمَةٍ أَعَادَهَا ثَلَاثًا حَدَّثْنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ حَدَّثْنَا عَبْدُ الصَّمَدِ قَالَ حَدَّثْنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ حَدَّثْنَا لِمَامَةُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ إِذَا كَلَّمَ بِكَلِمَةٍ أَعَادَهَا ثَلَاثًا حَتَّى تُفْهَمَ عَنَلَوْ إِذَا آتَى عَلَى قَوْمٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ سَلَّمَ عَلَيْهِمْ ثَلَاثًا

حَدَّثْنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثْنَا أَبُو عَوَّانَةَ عَنْ أَبِي بَشِيرٍ عَنْ يُونُسَ بْنِ مَاهَكٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ تَخَلَّفَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ سَافِرٌ نَاهٍ فَأَذَرَ كَنَّا وَقَدْ أَزْهَقْنَا الصَّلَاةَ صَلَاةَ الْغَضْرِ وَنَحْنُ نَتَوَضَّأُ فَبَجَلْنَا نَمْسَحُ عَلَى أَرْجُلِنَا فَنَادَى بِأَعْلَى صَوْتِهِ يَلِ الْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا

ترجمہ: آپ نے ارشاد فرمایا: خبردار جھوٹی بات سے بچو پس آپ اس کو دہراتے رہے۔ ابن عمرؓ کہتے ہیں: حضور ﷺ نے تین مرتبہ ارشاد فرمایا: ہل بلغت

حضرت انسؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کوئی کام ارشاد فرماتے تو اسے تین بار لوٹاتے حتیٰ کہ خوب سمجھ لیا جاتا اور جب کچھ لوگوں کے پاس آپ تشریف لاتے اور انہیں سلام کرتے تو تین بار سلام کرتے۔

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ چھپے رہ گئے پھر آپ ہمارے قریب پہنچے تو عصر کی نماز کا وقت

آگیا تھا اور ہم وضو کر رہے تھے تو اپنے پیروں پر (جلدی سے) پانی کا ہاتھ پھیرنے لگے تو آپ ﷺ نے بلند آواز سے کہا کہ آگ کا عذاب ہے ایڑیوں کے لئے یہ دو مرتبہ فرمایا۔

ربط:

باب سابق میں متعلم کیلئے ادب و احترام کی تلقین تھی باب ہذا میں یہ بتایا گیا ہے معلم کو چاہیے کہ متعلم کی رعایت کرتے ہوئے تفہیم میں تکرار سے گریز نہ کرے۔

غرض بخاری

- ۱: ابن المبرورؒ نے لکھا ہے کہ امام بخاریؒ کا مقصود اس فرقہ کی تردید ہے جو عادیۃ حدیث کو مکروہ قرار دیتا ہے۔
- ۲: حضرت امام گنگوہیؒ فرماتے ہیں مقصود بخاریؒ ان روایات کی علت بیان کرنا ہے جن میں تکرار کلام وارد ہوا ہے اور علت ”لیفہم“ ہے
- ۳: ایک حدیث کی توجیہ مقصود ہے۔ حدیث: اِذَا تَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ اَعَادَهَا ثَلَاثًا۔۔۔ امام بخاریؒ یہ سمجھانا چاہتے ہیں یہ ضرورت پر محمول ہے۔ ورنہ تو تکلم ہی ضروری نہیں۔ اشارہ سے بھی تعلیم ہو سکتی ہے۔
- ۴: امام بخاریؒ نے ترجمہ میں لیفہم کی قید لگا کر اسی کو سمجھایا ہے۔ تکرار کبھی تو مشکل امر سمجھانے کیلئے ہوتا ہے اور کبھی نہ سنا ہو تو سنانے کیلئے ہوتا ہے جیسے ویل للاعقاب من النار۔ تین مرتبہ آواز لگوائی۔۔۔ اور کبھی بات کی اہمیت کی وجہ سے تکرار ہوتا ہے جیسے الا قول النور۔ اس کلمہ کو آپ ﷺ نے تین مرتبہ دہرایا۔۔۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ ﷺ نے اتنی بار دہرایا ہم کہنے لگے: لیتمسکت۔
- ۵: امام بخاریؒ اس ترجمہ سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ بلید (غبی) کی وجہ سے زیادہ زیادہ تین بار دہرایا جاسکتا ہے۔ (نص الباری 445/1)

فسلم علیہم سلم علیہم ثلاثاً:

- سوال: آپ ﷺ کے ان کلمات سے تو بظاہر تکرار معلوم ہوتا ہے۔
- جواب ۱: یہاں بیک وقت تین سلام پر محمول نہیں ہیں بلکہ تین سلام تین وقتوں پر محمول ہیں۔ ۱: سلام استیذان، جو وقت دخول ہوتا ہے۔ ۲: اس کے بعد سلام تحیہ ہے۔ ۳: لوٹنے کے وقت۔
- جواب ۲: مجمع کثیر پر محمول ہے جیسے کبھی مجلس میں جاتے تھے تو شروعی سلام درمیان مجلس میں، پھر انتہاء میں کیا کرتے۔
- جواب ۳: تین اطراف پر محمول ہے۔ یہ تین طرف دائیں، بائیں اور سامنے۔
- جواب ۴: یہ تینوں سلام سلام استیذان ان ہوتے تھے آپ ﷺ بار فرماتے: السلام علیکم اَدْخُلْ۔۔۔ اس کے بعد جواب نہ آتا تو لوٹ جاتے۔

جواب ۵: حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں: یہ نکرار اس شخص کیلئے جس نے پہلے سلاموں کو نہیں سنا لہذا اب لیفہم سے اس کی مناسبت واضح ہو جاتی ہے۔

31 باب تَعْلِيمِ الزَّجْلِ أُمَّتَهُ وَأَهْلَهُ۔۔ اپنی لوٹڈی اور گھروالوں کو علم سکھانا

أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ حَدَّثَنَا الْمُحَارِبِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا صَالِحُ بْنُ خَيَّانٍ قَالَ قَالَ عَامِرُ الشَّغْبِيِّ حَدَّثَنِي أَبُو بَرْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ثَلَاثَةٌ لَهُمْ أَجْرَانِ زَجْلٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمَنَ بِحَبِيبِهِ وَآمَنَ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْعَبْدُ الْمَمْلُوكُ إِذَا أَدَّى حَقَّ اللَّهِ وَحَقَّ مَوْلَاهُ وَزَجْلٌ كَانَتْ عِنْدَهُ أُمَةٌ فَأَذَبَهَا فَأَحْسَنَ تَأْدِيبَهَا وَعَلَّمَهَا فَأَحْسَنَ تَعْلِيمَهَا ثُمَّ أَغْتَفَهَا فَتَزَوَّجَهَا فَلِلْأَجْرَانِ ثُمَّ قَالَ عَامِرٌ أَغْطَيْنَا كُتُبَهَا بِغَيْرِ شَيْءٍ وَقَدْ كَانَ يُزَكَّبُ فِيمَا ذُوْنَهَا إِلَى الْمَدِينَةِ۔
ترجمہ: ابو بردہؒ اپنے باپ کے واسطے سے روایت نقل کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تین شخص ایسے ہیں جن کے لئے دو اجر ہیں ایک وہ جو اہل کتاب ہو اور اپنے نبی اور محمد ﷺ ایمان لائے اور دوسرا وہ مملوک جو اپنے آقا اور اللہ دونوں کے حقوق ادا کرے۔ اور تیسرا وہ شخص جس کے پاس لوٹڈی ہو اور وہ اس سے شبہ ہاشی کرتا ہو، اسے تربیت دے تو اچھی دے، تعلیم دے تو عمدہ دے پھر اسے آزاد کر کے اس سے نکاح کر لے۔ تو اس کے لئے دو اجر ہیں۔
پھر حارثی نے کہا کہ یہ حدیث ہم نے تمہیں کسی عوض کے بغیر دی ہے حدیث اس سے کہ حدیث کے لئے مدینہ تک کا سفر کیا جاتا تھا۔

ربط:

باب سابق میں عمومی تعلیم کا ذکر تھا باب ہذا میں خاص افراد کی تعلیم کا بیان ہے۔

غرض بخاری:

مقصد یہ ہے ہر مومن اپنے متعلقین کو علم دین سکھانے کا پابند ہے۔ خاص کر جب متعلقین میں عورتیں اور باندیاں ہوں۔
صعب تازک کی تعلیم اس لئے ضروری ہے معاشرہ میں ابھرنے والے رجال کا رکیلے سب سے پہلی درس گاہ آغوش مادر ہے۔ امام بخاریؒ فرمانا چاہتے ہیں انسان اپنی لوٹڈی اور بیوی کی تعلیم کا امور ہے کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیۃ۔ (نصر الباری 447/1) ہر دیکھے تو فرد میں دین آتا ہے اور عورت دیکھے تو گھر میں دین آتا ہے۔

سوال: روایت الباب میں صرف تعلیم امہ کا ذکر ہے اور ترجمۃ الباب میں ”واہلہ“ بھی ہے۔

جواب ۱: قیاساً علی الامۃ یہ بھی ثابت ہے۔

جواب ۲: امام بخاریؒ نے ترجمہ میں واہلہ کا ذکر کر کے اشارہ فرمادیا کہ اس کا حکم بھی وہی ہے جو امہ کا ہے۔ کیونکہ جب لوٹڈی کی تعلیم ضروری ہے تو حرمہ کی اور گھروالوں کی تعلیم بطریق اولیٰ ضروری ہے۔

فائدہ: قرآن وحدیث میں کبھی اظہارِ اہمیت کیلئے تقدیمِ ماحقہ التاخیر کرتے ہیں۔ بیوی کی طرف تو آدمی شاید توجہ دے مگر باندی کی طرف کون توجہ کرتا ہے وہ گھر کی نوکرائی ہے۔ اس لئے اس کو مقدم کیا تا کہ تعلیم کی اہمیت ظاہر ہو۔ (اسی کی برکت ہے خاندانی غلام امامتِ علم کے مقام پر پہنچے) [حفہ 383/1]

تشریح حدیث

ثلاثة لهم اجران: ثلاثہ سے مراد تعداد نہیں بلکہ نوع ہے یعنی تین طرح کے لوگوں کیلئے دو ہر اجر ہے۔

فاحسن ناديبه: ان الفاظ سے حدیث الباب کو ترجمہ الباب سے مطابقت ہے۔

رجل من اهل الكتاب: (مصدق کون ہے؟)

اہل کتاب سے کیا مراد ہے۔ اس میں دو قول ہیں: (۱) نصاریٰ۔

دلیل ۱: بعض روایات میں امن بعیسی کے الفاظ ہیں۔ لیکن صحیح قول یہی ہے کہ نصاریٰ وہ یہود دونوں مراد ہیں۔ شاہ عبدالعزیزؒ کے نزدیک یہی راجح ہے۔ امن بعیسی میں ذکر بطور مثال ہے۔ احتراز مقصود نہیں۔

دلیل ۲: سوال: دوسرے قول پر سوال ہے اہل کتاب سے مراد یہود نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ان کا حضرت عیسیٰ کے بارے میں امن بنیہ کا مصداق ہونا صحیح نہیں۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ بھی بنی اسرائیل کے نبی ہیں اور ان پر ان کا ایمان نہیں۔

جواب: جب کافر اسلام لے آئے تو اس کے کفر کے زمانہ کی نیکیاں معتبر ہو جاتی ہیں۔ اس لئے ان کا عیسیٰ حائل نہیں رہے گا تو موسیٰ اور محمد ﷺ جو یہود ایمان لے آئے وہ اجر ان کا مصداق ٹھہریں گے۔

تاہم حقیقی جواب یہ ہے اللہ تعالیٰ جب بھی کسی نبی کو مبعوث فرماتے ہیں تو اس کی بعثت من وجہ عامہ ہوتی ہے اور من وجہ خاصہ ہوتی ہے۔ یعنی توحید و رسالت کی وجہ سے بعثت عامہ مگر شرائع کے لحاظ سے خاصہ ہوتی ہے۔ من کل الوجوہ بعثت عامہ آپ ﷺ خصوصیت ہے۔ اس لئے نبی کا شرائع کی دعوت دینا اس قوم کو جس کی طرف اس کی بعثت ہے ان میں سے جن کو پہنچ گئی اگر وہ رد کریں گے تو وہ کافر قرار دیئے جائیں گے۔ لیکن جن کو دعوت نہیں پہنچے گی اگرچہ وہ ان کی طرف بھی مبعوث ہیں۔ لیکن ان کو اس نبی کا منکر نہیں قرار دیا جائیگا۔

اب سمجھئے کہ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے پھر حضرت عیسیٰ ان کی طرف مبعوث ہوئے۔ عیسیٰ کی بعثت سے قبل کچھ بنی اسرائیل نے مدینہ طیبہ کا سفر کیا اور وہیں آباد ہو گئے تھے۔ حضرت عیسیٰ نے ان تک اپنا سفیر واپسی بھیجا تھا لیکن وہ مدینہ طیبہ پہنچے سے قبل راستہ میں انتقال کر گیا لہذا مدینہ طیبہ کے یہودیوں کو دعوت عیسیٰ نہیں پہنچی۔ جب وہ دعوت ہی نہیں پہنچی تو وہ حضرت عیسیٰ پر ایمان لانے کا مصداق بعثتِ عمومی کے حوالہ سے ہو گئے۔ اور شرائع کے تو مکلف ہونے کا وقت نہیں آیا۔ (لیکن وہ یہود جنہوں نے قتل عیسیٰ کا منصوبہ بنایا وہ اس میں داخل نہیں ہوں گے)۔ لہذا امن بنیہ پایا گیا یعنی امن بعیسی۔

الغرض امن بعیسی کے بعد امن بمحمد ﷺ پایا جائے تو اجر ان کے مستحق ہوں گے۔

لہم اجران:

بعض حضرات فرماتے ہیں: چونکہ عمل بھی دو ہیں۔ اس لئے اجر بھی دو ہیں۔ لیکن یہ صحیح نہیں اس لئے اس میں انہی تین لوگوں کی کیا خصوصیت ہے۔ جو شخص کسی نوع کے دو عمل کرے گا تو اس کے لئے بھی اجران مرتب ہوگا۔

علامہ شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں دو گنا اجر کا معیار یہاں دو عمل نہیں بلکہ ایک ایک عمل پر دو گنا اجر ہے۔ اس کی وجہ مشقت نفس ہے کیونکہ ایک خالی الذہن آدمی کیلئے ایک نبی پر ایمان لانا اتنا مشکل نہیں ہوتا جتنا کسی پر ایمان لانے کے بعد دوسرے نبی پر ایمان لانا گراں ہوتا ہے۔ لہذا یہ گرائی اور مشقت اجران کا باعث ہے۔ اسی طرح ایک آزاد آدمی عبادت کرے تو یہ مشقت نہیں۔ لیکن غلام ہو کر اپنے مولیٰ کی بھی پوری خدمت کرے اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی کرے تو یہ ازدیاد مشقت اجران کا باعث ہے۔ اسی طرح تعلیم امہ کی طرف کوئی متوجہ نہیں ہوتا۔ چہ جائیکہ تعلیم دے پھر اس کو آزاد کر کے اس کے ساتھ نکاح کرے جو معاشرے میں انتہائی معیوب سمجھا جاتا ہے۔ اگر بعد از تعلیم اس کے ساتھ اس کا آقا نکاح کرے تو یہ عار کو برداشت کرنا یہ مشقت اجران کا باعث ہے۔ اس حدیث کے تناظر میں اس کو سمجھنا اور آسان ہو سکتا ہے جس میں فرمایا گیا ایک شخص تلاوت کرتے ہوئے اگلنے کی مشقت اٹھاتا ہے تو اس روایت میں بالصریح آیا ہے اس کی تلاوت کے ساتھ مشقت کا ثواب دیا جائے گا تو ایک ہی عمل میں بوجہ مشقت اجران کا مستحق ہوا۔

ان تینوں کو صرف ایک عمل پر دو ہر ثواب ملے گا یعنی اہل کتاب کو نبی ﷺ پر ایمان لانے کا کیونکہ یہ کام ان کیلئے بھاری ہے۔ اسی طرح غلام کو حق اللہ ادا کرنے پر اور باندی کے مالک کو باندی سے نکاح کرنے پر دو ہر اجر ملے گا۔ (بخاری 384/1)

حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے آباء و اجداد اصل میں شام کے باشندے تھے۔ حضرت یوسفؑ کی اولاد میں سے ہیں۔ بخت نصر کے حملہ کے بعد یہ مدینہ طیبہ آ گئے۔ ازاں بعد حضرت عیسیٰؑ کی بنی اسرائیل کی طرف بعثت ہو گئی ان کے کچھ حواری تبلیغ کے حوالہ سے روم، ترک اور اطالیہ تک پہنچے۔ نیز مدینہ طیبہ کے گرد و نواح میں پہنچنا بھی ثابت ہوتا ہے مگر عبداللہ بن سلامؓ کی تلمذ عیسیٰ علیہ السلام ثابت نہیں۔ امکان تصدیق ہے مگر التزام اطاعت نہ کیا ہو جو ان کے مذمہ ضروری نہ تھا۔ (نہار ج 1 ص 450)

ورجل کانت عنده امة الخ:

سوال: حدیث الباب میں چار اعمال کا ذکر ہے تادیب، تعلیم، اعتناق، و تزویج۔ اس کا تقاضا یہ ہے اس کو چار ثواب ملیں جبکہ حدیث پاک میں ”اجران“ کا ذکر ہے۔

جواب: ۱: تعلیم و تادیب دونوں سے مقصود تکمیل ذات ہے اس لئے یہ دونوں بمنزلہ امر واحد کے ہیں۔ اور اعتناق و تزویج آپس کی مناسبت کی وجہ سے امر واحد ہے۔ فلا اشکال

جواب: ۲: عند بعض یہاں تعلیم و تادیب بطور تہید کے ہے۔ مقصود اصل اعتناق و تزویج ہے اسی پر اجران مرتب ہے۔ جب باندیوں کا دور تھا تو آقا ہر باندی سے صحبت نہیں کرتا تھا بلکہ کسی ایک کو صحبت کیلئے خاص کرتا تھا ایسی باندی کو منبرۃ کہتے تھے مذکورہ حدیث میں ایسی سر یہ باندی کا ذکر ہے۔ (بخاری 385/1)

ثم قال عامر:

عامر سے مراد حضرت شعبیؒ ہیں۔ بقول حضرت علامہ کربائی کے۔ یہ خطاب انہوں نے ایک خراسانی شخص سے کیا۔ جس نے ان سے کہا ہمارے علاقے کے لوگوں میں یہ مشہور ہے جو شخص اپنی لونڈی کو آزاد کر کے اس سے نکاح کرے وہ ایسے ہے جیسے ہدی یا قربانی کے جانور پر سوار ہو جائے جبکہ منع ہے۔ (بوقت اضطراب گنجائش ہے۔) اس لئے کہ یہ ایک طرح سے اپنا صدقہ واپس کرتے ہیں۔ یہ متع صحیح نہیں تھا۔ جواباً حضرت عامر شعبیؒ نے یہ حدیث سنا کر اس حدیث کی قدر کرنے کی تعلیم فرمائی۔ اور فرمایا: لوگ غلط کہتے ہیں کیونکہ آپ ﷺ فرماتے ہیں ایسے شخص کو دو اجر ملیں گے۔ اس لئے ان کی بات کی حیثیت ہی کیلئے ہے۔ اور تمہیں اس لئے قدر نہیں کہ یہ حدیث مبارک مفت میں مل گئی ہے۔

32 باب عِظَةُ الْإِمَامِ النِّسَاءِ وَتَعْلِيمِهَا

امام کا عورتوں کو نصیحت کرنا اور ان کو دین کی باتیں سکھانا

حَدَّثَنَا سَلِيمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَيُّوبَ قَالَ سَمِعْتُ عَطَاءَ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ أَشْهَدُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ قَالَ عَطَاءُ أَشْهَدُ عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ وَمَعَهُ بِلَالٌ فَقُلْنَا لَمْ يَسْمَعْ قَوْلَهُمْ وَأَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ فَجَعَلَتْ الْمَرْأَةُ تُلْقِي الْقُرْطُوفَ وَالْحَاتِمَ وَبِلَالٌ يَأْخُذُ فِي طَرَفِ ثَوْبِهِ وَقَالَ إِسْمَاعِيلُ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ عَطَاءٍ أَوْ قَالَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَشْهَدُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ نے کہا میں رسول اللہ ﷺ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں یا عطاء نے کہا میں ابن عباسؓ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں نبی کریم ﷺ مرتبہ عید کے موقع پر لوگوں کی صفوں میں نکلے اور آپ کے ساتھ بلالؓ تھے تو آپ کو خیال ہوا کہ عورتوں کو (خطبہ) سنائی نہیں دیا تو آپ نے انہیں نصیحت فرمائی۔ اور صدقے کا حکم دیا تو (یہ وعظ سن کر) کوئی عورت بالی اور (کوئی) انگلی ڈالنے لگی اور یہ چیزیں بلالؓ اپنے کپڑے کے دامن میں لینے لگے۔

اسماعیل نے کہا عن ایوب عن عطاء سے یا فرمایا عن ابن عباسؓ، میں قسم کھاتا ہوں نبی کریم ﷺ۔

مقصد ترجمہ: عِظَةُ النِّسَاءِ و تَعْلِيمِهَا سے مقصد تعلیم نسواں کی ترغیب نہیں بلکہ تعلیم ہے۔ ہر عام و خاص، معذور و غیر معذور سب کی تعلیم کا انتظام ہونا چاہیے۔ ترجمہ میں للنساء کی قید احترازی نہیں بلکہ اس کا ذکر بطور مثال ہے۔ (درس بخاری 410)

ربط و غرض بخاری: امام بخاریؒ کا مقصود ازالہ شبہ ہے۔۔۔ وہ یہ کہ باب گذشتہ میں اہل و عیال کی تعلیم کا ذکر تھا۔ اس سے شبہ ہوتا تھا کہ صرف اہل و عیال کو تعلیم دینا جائز ہے غیر کو نہیں۔ یہاں سے اس کا ازالہ فرمایا۔ امام اور امیر پر یہ لازم ہے عورتوں کیلئے تعلیم و تعلم کا بند و بست کرے۔ نیز غیر محرم عورتوں کو تعلیم دینا جائز ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا خالص مجالس اصلاح للنساء اور جلسہ للبنات بھی جائز ہے۔ اور عورتوں کے جلسہ میں تقریر کرنا بھی درست ہے۔

او قال عطاء: نو فکبر اوی کیلئے ہے۔ کیونکہ راوی کو شک ہے کہ یہ شہادت و قسم حضرت عطاءؓ نے حضرت ابن عباسؓ پر کھائی ہے یا حضرت ابن عباسؓ نے رسول اللہ ﷺ پر کھائی ہے۔ پہلی صورت میں یہ عطاءؓ کا مقولہ ہے اور دوسری صورت میں یہ حضرت ابن عباسؓ کا مقولہ ہوا۔ لیکن تعلیق میں امام بخاریؒ نے نئی سلا کر تعین فرمادی ہے حضرت ابن عباسؓ کا مقولہ ہے۔

تشریح حدیث

ولم یسمع النساء: اگر یہ لفظ لم یسمع ہو یعنی فعل لازم ہو تو پھر اس لئے یہ مذکر ہے کہ فاعل جمع مکسر ہے۔ جب فاعل جمع مکسر ہو تو فعل کو مذکر کرنا بھی جائز ہے۔ جیسے وقال نسوة اور اگر یہ لفظ یسمع بتفعیل سے متعدی ہے اس صورت میں اس کا فاعل ضمیر ہے اور اس کا مرجع حضور اقدس ﷺ مطلب یہ ہے آپ نے خیال کیا کہ وہ عورتوں کو نہیں سنا سکے۔ اور آپ ﷺ کے اس گمان کی وجہ یہ تھی عورتیں پیچھے ہوتی ہیں اور آواز پہنچانے کے آلات اس وقت نہ تھے۔ فجعلت المرأة قلقي: عورتوں نے فوراً زبورات پیش کرنے شروع کر دیئے۔ کیونکہ عورتیں نرم دل اور بات کا اثر جلد قبول کرنے والی ہوتی ہیں اور خاص طور پر آپ ﷺ کے وعظ میں مخنجان اللہ ہی بہت تاثیر تھی۔ (تاہم شوہر کے مال سے بغیر اذن کے صدقہ نہیں کر سکتی مگر جو عرف پر معمول ہو)

وبلال یاخذ: حضرت بلالؓ اپنے کپڑے میں یہ سب کچھ جمع فرما رہے تھے۔ یہاں سے اہل مدارس کے چہرے کے جوان کی اصل ثابت ہوتی ہے۔ بلالؓ جمع کر رہے تھے اور فرما رہے تھے اعطین فدا کن بابی وامی۔ (دلیل 402)

باب ہذا سے ثابت ہوتا ہے عورتوں کو وعظ امام یا نائب امام کہہ گا۔ (حدیث البخاری 386/1)

مردوں کے ذریعہ لڑکیوں کو تعلیم دینا صحیح نہیں۔ اسلامی تاریخ میں اس کی مثال نہیں۔

فائدہ: عورتوں نے مردوں کو پڑھایا اور ارجح مطہرات سے حضرات صحابہ کرامؓ استفادہ کرتے تھے۔ مگر مردوں نے عورتوں کو پڑھایا اس کی کوئی مثال نہیں۔ اسی طرح لڑکیوں کا دارالافتاء بھی بے اصل ہے۔ دن میں آئیں شام کو گھر۔ لڑکے آٹھ سال میں کمال حاصل نہیں کر پاتے۔ یہ پانچ سال میں کیا کریں گی۔ پس پردہ تعلیم وہ نصف تعلیم ہے جیسے خط اور فون کی ملاقات نصف ہے۔ پوری تعلیم بالمشافہ ہے اس لئے معلومات خواتین ہوں۔

33 باب الحَرْصِ عَلَى الْحَدِيثِ۔۔ حدیث کے لئے حرص کرنا

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ حَدَّثَنِي سَلَمَةُ بْنُ عَبْدِ عَمْرِو بْنِ أَبِي سَعْدٍ وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ قَالَ قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَنْ أَسْعَدَ النَّاسِ بِشَفَاعَتِكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ ظَنَنْتُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ أَنْ لَا يَسْأَلَنِي عَنْ هَذَا الْحَدِيثِ أَحَدٌ أَوْلَ مِنْكَ لِمَا زَأَيْتُ مِنْ حِزْبِكَ عَلَى الْحَدِيثِ أَسْعَدَ النَّاسِ بِشَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ خَالِصًا مِنْ قَلْبِهِ أَوْ لَفْظِهِ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! قیامت کے دن آپ کی شفاعت سے سب سے زیادہ حصہ کس کو ملے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابوہریرہ! مجھے خیال تھا کہ تم سے پہلے کوئی اس سے بارہ میں مجھ سے دریافت نہیں کرے گا۔ کیونکہ میں نے حدیث کے بارے میں تمہاری حرص دیکھ لی تھی۔ قیامت میں سب سے زیادہ فیضیاب میری شفاعت سے وہ شخص ہوگا جو سچے دل سے ”لا الہ الا اللہ“ کہے گا۔

غرض بخاری وریط اس ترجمہ الباب کی غرض اور ماقبل سے ربط یہ ہے پہلے علم مطلق کی ترغیب تھی اور اب حدیث شریف کی تعلیم و تعلم کی ترغیب ہے یعنی تخصیص بعد العمیم ہے۔۔۔ نیز حدیث پاک کی خصوصی مدح اور اہمیت کو بیان کرنا مقصود ہے۔

تشریح حدیث

قبیل یا رسول اللہ: سوال: سوال کرنے والے بھی حضرت ابوہریرہؓ ہیں تو قبیل کی بجائے قلت ہونا چاہیے تھا۔

جواب ۱: بعض نسخوں میں قلت ہے۔ راوی کو احتضار نہ ہوا تو قبیل کہہ دیا۔

جواب ۲: تو اٹھا اپنے آپ کو چھپا رہے ہیں۔۔۔ لیکن کہاں چھپے رہتے ہیں۔

قبیل: سائل اگر ابوہریرہؓ نہیں ہیں تو مفہوم یہ ہوگا: ابوہریرہؓ تمہارے اشتیاق حدیث کی بناء پر مجھے امید تو یہ تھی یہ بات تم ہی مجھ سے پوچھو گے مگر تم نے ایسا نہ کیا۔ یا پھر قرینہ سے جیسے معلوم ہوتا۔ سائل حضرت ابوہریرہؓ ہی ہیں۔ پہلے مفہوم پر تنبیہ اور دوسرے پر تعریف ہے۔ (فضل الباری 112/2)

ظننت یا اباہریرہ:

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے اندازہ تھا سب سے پہلے مجھ سے ایسا سوال اور کوئی نہیں کرے گا۔ اس سے معلوم ہوا استاذ محترم کو ایسے سوالات سے جو ظلمی اور نافع ہوں سکر خوش ہونا چاہیے اور حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔

یہاں رسول اللہ نے حضرت ابوہریرہؓ کو تحریص علی الحدیث قرار دیا اور اس پر تنقید نہیں فرمائی بلکہ معرض مدح میں ذکر فرمایا۔ (انعام الباری 138/2)

اول منک:

یہ احد سے بدل یا صفت ہے۔ ان دونوں صورتوں میں مرفوع ہوگا۔ یا پھر احد سے حال ہے۔ اس صورت میں منصوب ہوگا۔ احد مکرر تحت الٹی ہوئی کی وجہ سے ذوالحال بن سکتا ہے۔ یا اول اس وجہ سے منصوب ہے کہ ظننت کا مفعول ثانی ہے۔

خالصاً من قلبہ:

یعنی جس میں نفاق و شرک اور گناہوں کی آمیزش نہ ہو۔

من اسعد الناس :

سوال: اسعد اسم تفضیل ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کچھ تھوڑا بہت فائدہ شفاعت نبوی ﷺ سے وہ لوگ بھی اٹھائیں گے جنہوں نے کلمہ نہیں پڑھا۔ یعنی کافر۔

جواب ۱: شفاعت کی دو قسمیں ہیں شفاعت کبریٰ اور شفاعت صغریٰ۔ شفاعت کبریٰ حساب و کتاب شروع کروانے کیلئے ہے اس کا فائدہ مسلم و غیر مسلم سب کیلئے۔ شفاعت صغریٰ: اس کا فائدہ صرف مسلم کو پہنچے گا۔

جواب ۲: شفاعت دو قسم پر ہے۔ (۱) شفاعت منجیہ من النار۔ (۲) شفاعت مخففہ للعذاب۔ پہلی مسلمانوں کیلئے اور دوسری غیر مسلم لوگوں کیلئے ہے۔

جواب ۳: اسعد اور سعید کا فرق درجات خلوص کے فرق کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ اس کے درجات بہت زیادہ ہیں۔ جتنا زیادہ خلوص ہوگا اسی درجہ کا اسعد بھی ہوگا۔ تو یہ اسعد اور سعید ہونا یہ مومن اور کافر ہونے کے لحاظ سے نہیں۔

جواب ۴: اگر اسعد کو تفضیلی معنی میں لیا جائے تو جواب نبوی ﷺ اسلوب احکیم ہوگا اور سائل کو تنبیہ۔ کہ تمہارا سب سے زیادہ شفاعت کے حقدار کے بارے میں سوال کرنا مناسب نہیں۔ مطلق سوال کرو کہ شفاعت کس کو نصیب ہوگی۔ پس ہر کلمہ گو مسلمان میری شفاعت سے محروم نہیں رہے گا۔ (حفصہ الغاری 388/1)

فائدہ: یہ ساری تقریر اس وقت تک ہے کہ اسعد میں تفضیل کے معنی باقی رکھے جائیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے اسم تفضیل کو اس کے معنی سے خالی کر لیا جاتا ہے تو اسعد بمعنی سعید ہو جائے گا۔ اس صورت میں سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔

سوال: اسعد بمعنی سعید: اس پر اعتراض یہ ہے ایک روایت میں تو ہے: شفاعتی لاهل الکبائر من امتی۔ (ترمذی) معلوم ہوا شفاعت مخصوص لاهل الکبائر ہے۔ جبکہ حدیث الباب سے معلوم ہوتا ہے ہر کلمہ گو کیلئے شفاعت ہے۔ حدیث الباب میں تقیم ہے جبکہ اہل الکبائر میں تخصیص ہے۔

جواب: نوعیت شفاعت مختلف ہے جہنم سے نکالنے کیلئے اہل کبائر کی شفاعت ہے اور باندی درجات کیلئے بھی شفاعت ہوگی۔ حدیث الباب میں اسی دوسری شفاعت کا بیان ہے۔ خواہ وہ اہل کبائر میں سے ہو یا نہ ہو۔ گویا ہر کلمہ گو فائدہ اٹھائے گا۔

سوال: حدیث پاک میں ہے: کچھ لوگ قبضہ رحمن سے جہنم سے نکالے جائیں گے تو حدیث الباب کی روشنی میں جو ہر کلمہ گو کو سفارش کا پہنچنا چاہا وہ نہ پایا گیا۔

علامہ عینیؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے اس کو ترجیح دی ہے یہاں اسعد بمعنی سعید ہے۔ یہاں درجات مقصود نہیں۔ جو شخص بھی خلوص دل سے لا الہ الا اللہ کہے مستحق شفاعت ہوگا۔ لیکن علامہ ابن النعیر اور علامہ سندھیؒ کا فرمانا یہ ہے کہ یہاں صیغہ اسم تفضیل ہی مراد ہے اور درجات میں خلوص کے تفاوت کے لحاظ سے تفاوت ہے۔ چونکہ خالصان قلبہ فرمایا تو خلوص میں تفاوت ہو سکتا ہے ایک وہ ہے جو فیصد اخلاص کے ساتھ کہہ رہا ہے یہ اسعد الناس ہے اور اس سے کم درجہ وہ ہے جس میں اتنے درجہ کا اخلاص نہیں لیکن فی نفسہ اخلاص ہے اور آپ ﷺ نے یہ اسلئے فرمایا کہ آپ ﷺ شفاعت مختلف لوگوں کو مختلف جہتوں

سے حاصل ہوگی۔ بعض کو شفاعت بلا حساب جنت میں دخول کیلئے بعض کو جو جہنم کے بعد چھٹکارے کیلئے اور بعض کو دخول جہنم کے بعد رہائی کیلئے۔ اس لئے کچھ اسعد ہیں اور کچھ سعید ہیں۔ (العام الباری 139/2)

انواع شفاعت

جواب: علامہ کرمائی فرماتے ہیں: شفاعت کی بہت انواع ہیں۔ وہ سب ثابت ہیں:-

- (۱) شفاعت منفردہ: یہ شفاعت آپ ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے۔
 - (۲) شفاعت بالشرکت: یہ سارے انبیاء اور صلحاء جو باہم ملکر سفارش کریں گے۔ وہ بھی آپ ﷺ کے ساتھ حاصل ہوگی۔
 - (۳) شفاعت اجمالی: جس نے بھی کلمہ پڑھ لیا ہے اس کی سفارش ہو یہ بھی آپ ﷺ کے ساتھ حاصل ہوگی۔
 - (۴) شفاعت تفصیلی: بخود تشریف لے جائیں گے اور نکالیں گے۔ غرض کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو آپ ﷺ کی شفاعت سے مستفیع نہ ہو۔ جو تھنہ رحمن سے نکالے جائیں گے اور آپ ﷺ کی اجمالی شفاعت سے وہ مستفیع ہیں۔ اگرچہ وہ آپ ﷺ کے علم میں نہ آسکے۔ اس لئے کہ ان کا ایمان اس درجہ ضعیف ہوگا اس کا اور اک نہ ہو سکے گا۔ تو فی اور اک سے نفی شفاعت لازم نہیں آتی۔
- ۱: شفاعت کبریٰ کے ضمن میں مسلمان اسعد اور کافر سعید ہوگا۔ (درس بخاری 406)

۲: خالصاً من قلبہ۔ ایک اخلاص وہ ہے جو نفس ایمان میں ضروری ہے اور ایک وہ جو ایمان کامل میں ہوتا ہے۔ اسی تناظر میں ایک اسعد و سراسعید ہے۔ (درس بخاری 406)

”خالصاً من قلبہ“ کے حوالہ سے علامہ زبیدی فرماتے ہیں جس عضو سے جو فعل صادر ہوتا ہے اگر فعل کی نسبت اس کی طرف کردی جائے تو یہ مفید مبالغہ ہوتا ہے۔ یہاں خلوص کی نسبت قلب کی طرف کرنے میں مبالغہ ہوگا جو زیادتِ فعل کو مستلزم ہوگا۔ (کشف 61/4)

علاوہ ایمان ”عمل“ نہ ہونے کی وجہ سے سفارش نبوی ﷺ بنا پر ہی قائلین لا الہ الا اللہ کو بھی نار سے نکالا جائے گا اگرچہ وہ بدستِ قدرتِ ربی ہو۔ (فضل 112/2)

فائدہ ۱: اس سے آپ ﷺ کے علم غیب کلی کی بھی نفی ہوئی۔ اس لئے کہ خروج کیلئے آپ تشریف لے گئے۔ مگر معلوم نہ ہو سکے۔ ان کو جہنم سے نہ نکال سکے۔

فائدہ ۲: شفاعت کی تین اقسام اور بھی ہیں۔ (۱) شفاعت بالجاہ۔ یعنی اپنے علوم و تہ یا رعب و دہدہ کی وجہ سے کسی سے کوئی چیز منوالینا۔ (۲) شفاعت بالقرابت و رشتہ داری کی بنا پر۔ (۳) شفاعت بالاذن۔ اجازت سے شفاعت۔ ان تینوں میں سے پہلی دونوں دربارِ خداوندی میں منہی ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ پر یہ تو کسی کا رعب چلتا ہے اور نہ ہی رشتہ داری کا شاکہ ہے۔ البتہ شفاعت بالاذن ثابت ہے۔ کما قال تعالیٰ: من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنه۔

اقسام شفاعت: ۱: شفاعت عظمیٰ، ۲: بلا حساب دخول جنت۔ ۳: تحقیق نار کے بعد بلا عذاب دخول جنت۔ ۴: بعد از

دخول نارحجات۔ ۵: درجات فی الجنة کیلئے۔ ۶: نیکی اور برائی کے برابر ہونے پر دخول جنت کیلئے۔ ۷: اپنی امت کیلئے دیگر ام سے پہلے دخول جنت۔ (کشف 58/4)

خوارج اور بعض معتزلہ منکر شفاعت ہیں فماتنفعهم شفاعۃ الشافعیین، ولا شفیع یطاع۔ ایسی آیات سے استدلال کرتے ہیں۔ تاہم یہ آیات نفی شفاعت کفار کیلئے ہیں۔ السنۃ والجماعت مذہبین کے لئے شفاعت کے قائل ہیں نیز احادیث شفاعت صریح اور متواتر ہیں۔ (کشف 57/4)

تنبیہ: لا الہ الا اللہ کے الفاظ درجہ عنوان میں ہیں مراد پورا کلمہ ہے۔ البتہ لا الہ الا اللہ کی قید سے مشرک اور خالصاً من قلبہ کی قید سے منافق سے احتراز ہو گیا۔ (ایضاً 61)

34 باب کَیْفَ یُقْبَضُ الْعِلْمُ۔۔۔ علم کیسے اٹھایا جائے گا

و کَتَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ إِلَى أَبِي بَكْرٍ بْنِ حَزْمٍ أَنْظِرْ مَا كَانَ مِنْ حَدِيثِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاتَّخِذْهُ فَإِنِّي خِفْتُ دُرُوسَ الْعِلْمِ وَذَهَابَ الْعُلَمَاءُ وَلَا تَقْبَلُ إِلَّا حَدِيثَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلْتَفْتَشُوا الْعِلْمَ وَلْتَجْلِسُوا حَتَّى يَعْلَمَ مَنْ لَا يَعْلَمُ فَإِنَّ الْعِلْمَ لَا يَهْلِكُ حَتَّى يَكُونَ مِزْأَخُ قَدِّمْنَا الْعُلَمَاءُ عَنْ عَبْدِ الْجَبَّارِ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ بِذَلِكَ يَعْنِي حَدِيثَ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ إِلَى قَوْلِهِ ذَهَابَ الْعُلَمَاءُ.

حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ غَزْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ وَابْنِ الْعَاصِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ اللَّهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ وَلَكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتَّى إِذَا لَمْ يَبْقَ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ زُغُورًا جَهْلًا فَاسْتَوُوا أَفَاقُوا وَابْتَغَرِ عِلْمُ فَضَلُوا وَأَضَلُّوا أَقَالَ الْفَرَزِيدِيُّ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ قَالَ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ غَزْوَةَ.

ترجمہ: عمر بن عبد العزیزؓ نے ابوبکر بن حزمؒ کی طرف لکھا دیکھو جو رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہو وہ لکھ لو۔ کیونکہ مجھے علم کے مٹ جانے کا اور علماء کے ختم ہو جانے کا ڈر ہے۔ اور قبول نہ کی جائے مگر نبی ﷺ کی حدیث۔ اور چاہئے کہ علم کو پھیلانیں اور مجالس قائم کریں تاکہ اس آدمی کو علم سکھائیں جو نہیں جانتا کیونکہ علم جب تک چھپ نہ جائے ہلاک نہیں ہوتا۔

عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ سے منقول ہے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرما رہے تھے اللہ علم کو اس طرح نہیں اٹھائے گا کہ اس کو بندوں سے چھین لے لیکن اللہ تعالیٰ علماء کو موت دے کر علم اٹھا لے گا حتیٰ کہ جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے ان سے سوالات کئے جائیں گے اور وہ علم کے بغیر جواب دیں گے تو خود بھی گمراہ ہوں گے اور ان کو بھی گمراہ کریں گے۔

ربط ۱: باب سابق میں حرص حدیث کا اور باب ہذا میں نفع علم کا ذکر ہے دونوں میں حدیث کی نسبت ہے۔ (کشف 62/4)

ربط ۲: باب سابق میں ضرورت علم اور بطور خاص علم حدیث پر زور دیا گیا تھا۔ باب ہذا میں امام بخاریؒ علم کی بقا کی صورتیں بتلا رہے ہیں۔

فائدہ: امام بخاریؒ نے کیف کے لفظ سے تیس باب شروع فرمائے ہیں۔ بیس جلد اول میں ہیں۔ دس جلد ثانی میں ہیں۔ جلد اول کے لحاظ سے یہ باب دوسرا ہے۔

غرض بخاریؒ: (۱) علم کی نشرو اشاعت کی ترغیب مقصود ہے کوشش کرو کہ علماء اہل کمال پیدا ہوں تو علم باقی رہے گا ورنہ ختم ہو جائے گا۔
(۲) علم کے ختم ہونے کے تین اسباب ہیں: ۱۔ عدم تدریس۔

۲۔ قبض العلماء۔ ۳۔ سینوں سے محو ہو جائے اور کتب سے نقوش محو ہو جائیں۔

امام بخاریؒ نے اس باب میں ختم علم کے دو طریقے بیان فرمائے ہیں۔ عدم تدریس اور قبض العلماء کرام۔۔۔۔۔ بعض حضرات نے کہا ہے امام بخاریؒ کا مقصد ابن ماجہ کی روایت جس میں تیسرے طریقے کا ذکر ہے اس کو ضعیف قرار دینا ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ ان دو طریقوں کو بیان کرنا مقصود ہے تیسرے کی نفی مراد نہیں ہے۔

الی ایہی بکرمین حزم:

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ۹۹ھ میں ان کو خط لکھ کر مامور فرمایا۔ جس قدر احادیث نبویہ مل جائیں ان کو لکھ کر محفوظ کرلو۔ ان کی وفات ۱۲۰ھ میں ہے۔ یہ مدینہ کے قاضی تھے۔

سوال: پہلے یہ بتلایا گیا تھا کہ ابن شہاب زہریؒ مامور تھے۔ اس تعارض کا کیا حل ہے؟

جواب: دونوں ہی مامور تھے۔ لیکن ابن شہاب زہریؒ کامیاب ہو گئے۔ اس لئے ان کو ”مدون اول“ کہا جاتا ہے۔

فان العلم لا یہلک:

یعنی اگر علم راز بن جائے تو ہلاک ہو جاتا ہے جیسے طب یونانی بہت کامل مفید اور سستی چیز تھی۔ اس کے زوال کی وجہ یہ ہے کہ علماء و اطباء قیمتی نسخے سینے میں رکھ کر مر جاتے تھے مگر کسی کو بتائے نہیں تھے۔

لا یقبل الا حدیث النبی ﷺ:

سوال: شبہ ہوتا ہے آہا روا قول صحابہؓ حجت نہیں ہیں۔

جواب ۱: استیاض مقصود ہے تاکہ آگے جا کر غلط نہ ہو جائے۔ نفی حجت نہیں ہے۔

جواب ۲: بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ ”ولا یقبل“ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا مقولہ ہی نہیں۔

تشریح حدیث

بقبض العلماء:

اس سے حضرات اہل علم کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے حق تعالیٰ شانہ ان کو ذلیل نہ فرمائیں گے۔ بلکہ وہ عزت کے ساتھ اٹھالے جائیں گے۔ پھر بعد میں لوگ ان کو حسرت کے ساتھ یاد کریں گے۔ گویا یہ تکریم علماء ہے۔

اتخذ الناس رؤسا جعالا:

زمانہ حال میں اس کا بہت ظہور ہو رہا ہے اسمبلی میں پہنچ کر ہر کس و نا کس عالم مفتی ہونے کا بھی مدعی ہے۔ اسی طرح میڈیا کے حوالہ سے گمراہ لوگ مزید گمراہی پھیلا رہے ہیں۔

قال الفربری:

فرب بخاری کے مضافات میں ایک لستی کا نام ہے جو حجون کی سمت میں ہے۔ پیام بخاریؒ کے شاگرد یوسف فربری ہیں۔ یوسف فربری فرماتے ہیں یہی روایت جیسے مجھے استاذ مکرم حضرت امام بخاریؒ کے واسطے سے پہنچی ہے اسی طرح حضرت عباس (استاذ) کے بھی واسطے سے پہنچی ہے۔ مقصود امام بخاریؒ کی روایت کی توثیق و تائید ہے۔ اسی کا نام استخراج ہے۔ گویا دو استاذوں سے ایک ہی روایت پہنچی ہے۔

35 باب هل يجعل للنساء يوم على حدة في العلم

کیا امام عورتوں کی تعلیم کے لئے کوئی علیحدہ دن مقرر کر سکتا ہے؟

حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ الْأَظْبَهَانِيِّ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا صَالِحٍ ذَكَرَ أَنَّهُ يَحْدُثُ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَتْ النِّسَاءُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَلَبْنَا عَلَيْكَ الزَّجَالَ فَأَجْعَلْ لَنَا يَوْمًا مِنْ نَفْسِكَ فَوَعَدَهُنَّ يَوْمًا لَقِيَهُنَّ فِيهِ فَوَعَّظَهُنَّ وَأَمَرَهُنَّ فَكَانَ فِيمَا قَالَ لَهُنَّ مَا مَنَعُكُمْ أَمْرًا أَتَقْدِمُ ثَلَاثَةً مِنْ وَلَدِهَا إِلَّا كَانَ لَهَا حِجَابًا مِنَ النَّارِ فَقَالَتْ أَمْرًا أَتَقْدِمُ ثَلَاثَةً فَقَالَ وَالثَّانِيَيْنِ.

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْأَظْبَهَانِيِّ عَنْ ذَكَرَ أَنَّهُ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهِذِهِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْأَظْبَهَانِيِّ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا حَازِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ ثَلَاثَةٌ لَمْ يَنْلُغُوا الْجَنَّةَ.

ترجمہ: ابوسعید خدریؒ سے روایت ہے عورتوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا (آپ سے مستفید ہونے میں) مرد ہم سے بڑھ گئے۔ اس لئے آپ ﷺ اپنی طرف سے ہمارے لئے بھی کوئی دن مقرر فرمادیں۔ تو آپ ﷺ نے ان سے ایک دن کا وعدہ کر لیا۔ اس دن آپ عورتوں سے ملے اور انہیں نصیحت فرمائی اور انہیں مناسب احکام دیئے۔ جو کچھ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا تھا اس میں یہ بھی تھا جو کوئی عورت تم سے تین لڑکے آگے بھیجے گی تو وہ اس کے لئے دوزخ کی آڑ بن جائیں گے۔ اس پر ایک عورت نے کہا اگر دو (لڑکے بھیج دیئے؟) تو آپ نے فرمایا اور دو کا بھی حکم ہے۔

ابوسعید خدریؒ رسول اللہ ﷺ سے یہی روایت کرتے ہیں اور دوسری سند میں عبد الرحمن بن الاصبہانیؒ سے روایت ہے کہ میں نے ابو حازم سے سنا وہ ابو ہریرہؓ سے نقل کرتے ہیں انہوں نے فرمایا ایسے تین لڑکے جو ابھی بلوغ کو نہ پہنچے ہوں۔

ربطہ باب سابق میں علم کی اشاعت کی احادیث بیان کی گئی ہیں۔ منجملہ ایک صورت ان میں سے اس باب میں بایں طور بیان کی جا رہی ہے کہ صنف نازک کیلئے بھی علیحدہ وقت مقرر کر کے ان کو تعلیم دی جائے۔ نیز عورتوں کی تبلیغ کا ذکر صراحۃً قرآن کریم میں بھی موجود ہے۔ کما قال تعالیٰ: والمؤمنون والمؤمنات بعضهم اولیاء بعض۔ یا مرون بالمعروف وینہون عن المنکر۔ اس لئے تبلیغ دین جیسے کہ مردوں کی ذمہ داری ہے اسی طرح عورتوں کی بھی ذمہ داری ہے۔

غرض بخاری: امام بخاریؒ یہاں سے تعلیم النساء کا جواز ثابت فرما رہے ہیں۔ گویا تعلیم کی اتنی اہمیت ہے کہ مردوں کی طرح عورتوں کیلئے بھی تعین اوقات کر کے اہتمام کیا جائے۔ پردہ کے اہتمام سے ایک ہی مقام پر وعظ ہو سکتا ہے لیکن مفاسد سے بچنا ضروری ہے۔ پردہ اور سادگی شرط مجلس ہو۔

۲: جہل کے ساتھ ترجمہ لانے کی غرض یہ ہے واقعہ جزئی سے عمومی قاعدہ اخذ کیا جاسکتا ہے؟ نیز ضرورت دینی اور فتنہ سے تحفظ ہو تو بوقت ضرورت بعد از درخواست تعین یوم ہے یہ دائمی چیز نہیں (کشف الباری ج ۲ ص ۹۱)

بعض روایات میں مکان کی تخصیص کا بھی ذکر ہے، موعد کن بیت فلانہ۔ (در شامی ۲۸۰)

فائدہ: غندر شور مچانے والا: ایک مرتبہ حضرت عبدالملک بن جریج بصرہ آئے انکی مجلس حدیث میں انہوں نے بہت سوالات کئے حضرت ابن جریج نے فرمایا: اسکت یا غندر، ان کا یہ لقب مشہور ہو گیا، یہ شعبہ کے خاص شاگرد ہیں۔

فائدہ: اس حدیث سے جلسہ نساء کا ثبوت ملتا ہے۔۔۔ پہلے ایک حدیث آئی ہے۔ وہ عید گاہ میں جلسہ تھا اور مخلوط تھا۔ یہ خالص نسائی ہے

سوال: حدیث میں عورتوں کیلئے تعین ایام کی تصریح ہے پھر ہل سے کیوں ذکر فرمایا۔

جواب: حضرت شیخ الحدیثؒ فرماتے ہیں اگرچہ حدیث میں عورتوں کیلئے دن مقرر کرنے کی تصریح ہے۔۔۔ اور عورتوں کا گھر سے باہر نکل کر باہر جمع ہونا جائز ہے۔ لیکن بہر حال نازک ہے۔ پردہ کے تقاضے الگ ہیں۔ اس لئے فی نفسہ تعین ایام کے باوجود اگر کہیں شرعی طور پر مفسد پایا جائے تو پھر ترک ضروری ہوگا۔ اس ”ہل“ سے نزاکت کی طرف اشارہ ہے۔ اس لئے پوری طرح شرعی افادیت کو ملحوظ رکھ کر فیصلہ کرے۔

تشریح حدیث

غلب: یعنی آپ ﷺ کے ارد گرد ہر وقت مرد حضرات رہتے ہیں۔ ہمیں دینی بات سننے کا موقع نہیں ملتا۔

”امرأة“ کی تخصیص اس لئے ہے کہ عورت کو صدمہ زیادہ اور قوت برداشت کم ہوتی ہے ان کو تسلی کی زیادہ ضرورت ہے ہر روز فیضیت والد کو بھی حاصل ہے۔ (فضل الباری ۱۱۸/۲)

واثنین: یہ عطف تلقینی ہے (کشف الباری ج ۳ ص ۹۵) اور اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مخاطب کے کلام پر عطف ڈال دیا جائے۔ حافظ ابن حجرؒ نے ”واحدہ“ کی روایت بھی ذکر فرمائی ہے۔

امراء سے مراد ام سلیم ام مبشر انصاریہ ہیں۔ نیز سائل کا نام ام ایمن سیدہ عائشہؓ اور ام ہانیؓ کا آیا ہے (کشف الباری ج ۳ ص ۹۵)
نیز ترمذی شریف میں ایک بچہ کا بھی ذکر آیا ہے۔۔۔ اول تین پھر انعام مزید دو پھر مزید بر مزید ایک بچہ پر بھی یہ تبشیر
مخائب اللہ بالتدریج ہے۔ ایک روایت میں آپ ﷺ سے آگے بڑھ گئے کہ وہ بچہ جو ناقص ہو جسے ”سقط“ کہتے ہیں اس
کا بھی یہی حکم ہے۔ (انعام الباری 124/2)

شروع سے ہی ایک بچہ کا یہ حکم آپ ﷺ نے بیان نہیں کیا اشتیاق پیدا کرنے کیلئے تین بچے، پھر دو بچے پھر ایک کا اظہار
فرمایا، اول اول مشکل کام بتا کر آسان بتایا جائے تو واقع فی القلب اور اس کی قدر و منزلت بھی زیادہ ہوتی ہے۔ (انعام الباری 145/2)
فائدہ: بالغ اولاد کا صدمہ کفارہ سینات کے قبیل سے ہے۔ حدیث الباب بھی از قبیل شفاعت ہے نابالغ ہی سفارش کرے
گناہ طبعاً نابالغ کو ہی والدین کو جنت میں لے جانے کیلئے صدمہ مناسب ہے، بالغ کو نہیں۔ (انعام الباری ج 2 ص 145)

اولاً تین نابالغ بچوں کے مرنے پر امید شفاعت دلائی۔۔۔ تو عورتوں کو سوال کرنے کا موقع ملنے سے ان کی
شرافت کا اظہار ہوا کہ سوال پر وہی اجر بہ دو کو پھر ایک کو پھر سقط پر ملا۔ (فضل الباری 117/2)

لہم يبلغ الحنث: سوال: یہ قید کیوں لگائی حالانکہ بالغ کی موت کا تو صدمہ زیادہ ہوتا ہے۔

جواب: بعض حضرات فرماتے ہیں: نابالغ سے حقوق تصور نہیں ہوتا اس لئے اس کا صدمہ زیادہ ہوتا ہے اس لئے یہ قید لگائی۔

جواب ۲: صحیح جواب یہ ہے کہ دوسرے جدا جدا ہیں۔

ایک معصیت کا کفارہ بننے کا۔ اور دوسرے شفاعت کا۔ ان احادیث میں بچے کی شفاعت کا بیان ہے اس کیلئے عدم بلوغ
کی قید ہے۔ باقی کفارہ سینات کیلئے بلوغ، عدم بلوغ کی قید نہیں۔ جتنا صدمہ زیادہ ہوگا اتنا ہی کفارہ سینات زیادہ ہوگا۔

فائدہ ۱: وعدہ مغفرت والدین دونوں کیلئے ہے۔ صرف والدہ کے ساتھ مخصوص نہیں چنانچہ بخاری کتاب الجنائز میں یہ

الفاظ ہیں: ما من الناس من سليم. گویا لفظ من سے عموم مراد ہے۔ جس سے والدین دونوں مراد ہیں۔ اگرچہ حدیث
الباب میں ما منکم ہے جس کی تخصیص بالوالدہ معلوم ہوتی ہے۔

فائدہ ۲: احتجاب من النار کا تعلق مخصوص مرتبہ صبر سے ہے اس تک رسائی ایک بچے سے ہو جائے، دو سے ہو جائے یا پھر تین
سے۔ یہ طالع کے اختلاف پر ہے۔ چنانچہ آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے اگر سالہا سال کی امیدوں کے بعد ایک بچہ چھا۔۔۔ اور وہ
چلا جائے تو کیا گزرے گی۔؟

شرائط احتجاب:

لہم يبلغوا الحنث، (۱) گناہ (بلوغ) کی عمر کو نہ پہنچا ہوا (۲) قسم توڑنے کی عمر کو نہ پہنچا ہو مراد ایک ہی ہے

ملاطی قاری کا ارشاد ہے یہ قید اکملی ہے کیونکہ بڑے بچے کے مرنے پر بھی صبر کی وجہ سے ثواب ملے گا۔ مگر یہ قید

”احترازی“ ہے بالغ بیٹا تو اپنی فکر میں ہوگا دوسرے کی سفارش کیا کرے گا؟ نیز یہ رضا بالقضا ”رضائے مولیٰ ازہمہ اولیٰ“ احتساباً

کو ملحوظ رکھ کر ہو۔ اس لئے وہ احادیث مقید بالا احتساب ہیں جن میں احتساب کا ذکر نہیں۔ (کشف 97/4)

حدثنی محمد بن بشار:

اس روایت کو لانے کے دو قاصد ہیں۔ (۱) پہلی روایت میں جو ابن الاصبہانی تھے وہ متعین کر دیا گیا کہ ان سے مراد عبد الرحمن بن الاصبہانی ہیں۔ (۲) کم ہی لغو الحث کی قید لگا کر نابالغ کو متعین کر دیا۔

36 باب مَنْ سَمِعَ شَيْئًا فَلَمْ يَفْهَمْهُ فَرَجَعَ فِيهِ حَتَّى يَعْرِفَهُ

حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ قَالَ أَخْبَرَنَا نَافِعُ بْنُ عَمْرٍو قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ لَا تَسْمَعُ شَيْئًا لَا تَعْرِفُهُ لِأَنَّهَا رَجَعَتْ فِيهِ حَتَّى تَعْرِفَهُ وَأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ خَرَسَ عَذَابٌ قَالَتْ عَائِشَةُ فَقُلْتُ أَوْ لَيْسَ يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى {فَسَوْفَ يَحَاسِبُ حِسَابًا يَسِيرًا} قَالَتْ فَقَالَ إِنَّمَا ذَلِكَ الْعَرَضُ وَلَكِنْ مَنْ نَوَقَشَ الْحَسَابَ بِهِ لَكَ

ترجمہ: کوئی شخص ایک بات سنے اور نہ سمجھے تو سمجھنے کے لئے دوبارہ پوچھے

ترجمہ: ابن ابی مریمؒ نے بتایا رسول اللہ ﷺ البیہ حضرت عائشہؓ جب کوئی ایسی بات سنتیں جس کو سمجھ نہ پاتیں تو وہ دوبارہ اس کو معلوم کر لیتیں تاکہ سمجھ لیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ نبی ﷺ نے فرمایا جس سے حساب لیا گیا اسے عذاب دیا جائے گا۔ تو حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں میں نے کہا کیا اللہ نے ہمیں فرمایا کہ عنقریب اس سے حساب لیا جائے گا آسان حساب؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ صرف پیشی ہے لیکن جس کے حساب میں جانچ کی گئی وہ ہلاک ہو گیا۔

رہطا: عورتوں میں قصور فہم کی وجہ سے مراجعت کی ضرورت پیش آسکتی ہے اور باب ہذا میں عدم فہم کی وجہ ضرورت مراجعت ہے۔ ۲: طالب علم کی امادہ کی مواظبت یہ بلا مدت و طاقت نہیں۔ ۳: مراجعت کی فضیلت اور مراجعت عالم کی سوء ادبی اور معلم کی حقیر نہیں۔ نیز اشکال میں الجھ رہنے کی بجائے سوال کرے جیسا کہ حدیث مبارک میں اسوہ مبارکہ سامنے ہے۔ (کشف 104/4)

رہطا ۲: باب سابق میں تعلیم النساء کا بیان تھا چونکہ ان میں عقل کی کمی ہوتی ہے اس لئے باب ہذا اسے متنبہ کیا جا رہا ہے کہ اگر کوئی بات سمجھ نہ آئی ہو تو اچھی طرح سمجھ جائے۔

غرض: امام بخاریؒ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ حصول علم میں حیا کو مانع نہیں ہونا چاہیے۔ جو سمجھ میں نہ آئے اسے پوچھا جائے۔ یہ خیال نہ ہو کہ لوگ کہیں گے اتنی آسان بات اس کو نہیں آتی۔ تاہم استاد محترم کا ادب ملحوظ رکھنا چاہیے۔ بعض اوقات سوال کرنے کا مشاغل ہوتا ہے جس میں استاذ کی بے توقیری ہو تو اس پر پناہ سوال ناجائز ہے۔

فلا مشاء کی صورتیں: (۱) ظہور علم، اپنا عالم ہونا بتلانا مقصود ہو۔ (۲) ملال استاذ۔ (۳) تضییع اوقات۔ (۴) امتحان استاذ۔ کہیں حاشیہ وغیرہ میں کچھ دیکھ لیا اب استاذ سے اس بارے میں سوال کرے۔

سوال: قرآن کریم میں لا تستملوا عن اشیاء ہے تو باب ہذا آیت قرآنی کے خلاف ہے۔

جواب: مخالفت قرآن کا حلقہ ضد کے طور پر پوچھنے سے ہے۔

تشریح حدیث

لا تعرفه الا راجعت فيه:

حضرت عائشہؓ سے کثرتِ محبت کے جہاں اور اسباب ہیں اور آپ ﷺ از دیاد تعلق تھا وہاں اس کی ایک وجہ تحقیق اور تحصیلِ علم کا افرزوق تھا۔ یہی چیز ان کے کمالِ درایت اور تفکد کے بلند مقام پر پہنچنے کا باعث بنی۔

حدیث الباب سے مستنبطہ دو اصول

فقلت او ليس يقول الله عز وجل فسوف يحاسب الخ:

گویا حضرت عائشہؓ نے آیت قرآنیہ کو معارضہ کے طور پر پیش فرمایا کہ یہ تونس قرآنی اور آپ ﷺ کے ارشاد مبارک میں تعارض ہے۔ آپ ﷺ جواب دینے کیلئے متوجہ ہوئے۔ اس سے دو اصول سمجھ میں آتے ہیں:-

(۱) امام اور خاص ردوں قطعی ہوتے ہیں۔ کیونکہ قطعی اور ظنی کا کوئی تعارض نہیں ہوتا۔ لہذا جواب دینے کی طرف متوجہ ہی نہ ہوتے۔ متوجہ ہونا دلیل ہے کہ امام اور خاص ردوں قطعی ہیں۔ البتہ اگر عام سے کوئی فرد خاص کر لیا جائے تو عام بھی ظنی ہو جائے گا۔ دوسرا اصول: قرآن و حدیث میں بظاہر کبھی تعارض ہو جاتا ہے استاذ کی ضرورت پڑتی ہے جو لوگ بغیر استاذ خود مطالعہ کر لیتے ہیں انہوں نے خود معارضات ڈالے ہیں اور گمراہ ہوئے ہیں۔

من خوسب عذوب: اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جس کا حساب ہو گیا وہ عذاب الہی کا شکار ہو جائے گا۔ حضرت عائشہؓ کا اس پر اذکار ہے کہ قرآن کریم میں تو حساب بسیر ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر حساب دینے والا معذب نہیں ہوگا۔ ایک حساب ایسا بھی ہے جو بسیر ہوگا بظاہر قرآن کی آیت اور حدیث میں تعارض ہے۔

جواب: آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا انما ذلك العرض۔ حساب بسیر سے تو مراد ”عرض محض“ ہے اور عرض تفصیل کو نہیں چاہتا۔ اس میں اجمال ہوتا ہے اور حدیث میں تفصیلی حساب مراد ہے۔

دلیل: ملائکہ کو جب علم دیا گیا تو فرمایا: عو ضهم على الملائكة۔ چونکہ علم اجمالی دیا گیا تھا۔ اور جب آدم کو دیا گیا تو فرمایا: و علم آدم الاسماء كلها۔ اسی طرح پھر اور جمعرات کو آپ ﷺ خدمت میں جو اعمال پیش کیے جاتے ہیں اس میں لفظ عرض ہے۔ اس سے تفصیلی احوال کا پیش کیا جانا لازم نہیں آتا۔

نوقش: یہ مناقشہ سلیا گیا ہے جس کا معنی اخراج الشیء من المناقش ہے۔ مناقش بمعنی ”موجنا“ ہے، معنی ہال اور چنا، بمعنی چنے والا ہے تو مناقشہ کہتے ہیں باریک باتوں کو نکالنا اور ذرا سی بات کو پکڑنا۔

نتیجہ حدیث: دانشمندی حضرت سیدہ عائشہؓ رحمہم معانی حدیث اور تعلم و تحقیق پر حرص، استفسار پر آپ ﷺ ناگواری محسوس نہ کرنا۔ وفہ جواز المناظرہ و مقابلة السنن و الکتاب۔ (فضل الباری 2/120)

زیادہ علم رکھتا ہوں مگر گناہگاروں کو خون اور چوری کر کے بھاگنے والوں کو پناہ نہیں دیتا۔
حضرت ابو بکرؓ نے ذکر کیا نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے خون اور تمہارے مال اور محمد (بن سیرین) نے کہا میں سمجھتا ہوں یہ بھی کہا اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر حرام ہیں جیسے اس دن (یوم النحر) کی حرمت اس مہینہ میں۔ سن لو! جو شخص حاضر ہے تم میں سے وہ غائب تک پہنچا دے۔ اور محمد (بن سیرین) نے کہا رسول اللہ کا یہ فرمان سچ ہوا (حاضرین نے غائبین تک یہ حدیث پہنچادی) اور آپ نے فرمایا سنو! کیا میں نے تم تک پہنچا دیا ہے؟ دوبار فرمایا۔

تعارف و اذات

حضرت ابو شریح خزاعی جلیل القدر صحابی ہیں۔ فتح مکہ سے قبل مسلمان ہوئے۔ واقفی کہتے ہیں آپ عقلاء مدینہ میں سے تھے (نور الباری 465/1) آپ سے تقریباً بیس احادیث مروی ہیں دو متفق علیہ ایک میں امام بخاری متفرد ہیں۔ (کشف 117/4)
ربطہ باب سابق میں یہ بتایا کہ دین کی بات کو شش کر کے سمجھنا چاہیے اور اس مقصد کیلئے بار بار سوال کرنے کی بھی اجازت دی تھی۔ اب اس باب میں یہ فرمایا جا رہا ہے کہ علم کو غائب تک پہنچاؤ۔ اس سے بھی دین کی حفاظت ہوتی ہے۔
غرض ترجمہ: مقصد یہ بتانا ہے کہ اہل علم پر حصول علم کے ساتھ ساتھ علم کی اشاعت اور تبلیغ بھی لازم ہے۔
چنانچہ اس انتظار میں نہ رہے کہ میرے سے اگر کوئی خود پوچھے تو پھر دین کی بات بتاؤں۔ بلکہ ایک مسلسل عمل کے طور پر تبلیغ دین جاری رکھے۔

کوئی مستعلم یا سائل دین کی بات سمجھ لے تو تبلیغ و نشر اس پر واجب ہے۔ علامہ حلیؒ فرماتے ہیں: شاید اگر بات نہ سمجھ سکے تو کاغذ اب ہے اس کو مراجعت کا حکم ہے اگر بالکل ہی موجود نہ ہو تو اس تک دین پہنچانا تو موجود دین کیلئے ضروری ہے۔ تبلیغ دین کو سوال یا ضرورت کے اوقات کے ساتھ مخصوص نہیں کیا جاسکتا۔ یہ فریضہ دائمی ہے۔ (فضل الباری 121/2 ج ۱)
نیز تبلیغ آیت قرآنی کے ساتھ خاص نہیں مطلقاً تبلیغ علم مقصود ہے۔ جو سوال کے انتظار کے بغیر ہونی چاہیے جیسا کہ حضرت ابو شریح خزاعی حدوی کا طرز عمل ہے۔ عمرو بن سعید کیلئے اس کے سوال و طلب کے بغیر از خود مسئلہ بتایا۔

تشریح حدیث

ان مکہ حرمہا للہ۔ حقیقی حرمت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف اور مجازی حضرت ابراہیمؑ کی طرف ہے نیز ابراہیمؑ کی تحریم حصول معیشت کیلئے اور اللہ تعالیٰ کی تحریم سبک دما کی ممانعت کے قبیل سے ہے۔ (ذیل الباری 415)
وہ نباتات جس میں انسانی محنت کو دخل ہے ان کا کاٹنا جائز ہے۔ خود وہ نباتات کے بحالت صحیحہ از خر کے علاوہ کٹنے پر جزاء واجب ہوگی۔ الا یہ کہ جھاڑ جھنکار ہو جائیں۔ (کشف 132/4)

قالہ ابن عباس رضی اللہ عنہما: ہذا تعلیق و لکنہ اسندہ فی کتاب الحج فی باب الخطبة یا ام المنی عن علی بن یحییٰ الخ

قال عمرو بن سعید:

عمرو بن سعید کے وطلب تھے ایک اشدق (منہ پھٹ) دوسرا لطیم الشیطان (شیطان کا تھپڑ رسیدہ) ان لقبوں سے اس کی حیثیت کا اندازہ ہو سکتا ہے بعد میں اسی حکومت نے اس کو قتل کیا جس کا وہ آلہ کار تھا۔ (تحفہ 398/1)

طرز استدلال: حضرت ابو شریحؓ نے حدیث کے عموم سے استدلال کیا مگر عمرو بن سعید نے خاص سمجھا کہ مجرم اور عاصی کو حرم میں پناہ نہیں۔ اسی تناظر میں علامہ طیبیؒ کے نزدیک عمرو بن سعید کا کلام ”قول بالموجب“ کے قبیل سے ہے کہ حرم کو عدم پناہ سے متعلق حدیث مجھے تسلیم ہے لیکن میری بات خلاف حدیث نہیں۔ حدیث کا تعلق مکہ پر غزوہ فتح کی نیت سے چڑھائی کرنے سے ہے جبکہ میری لشکر کشی باغی اور خطا کار کے خلاف ہے۔

ظاہر ہے یہ تاویلات باطلہ ہیں۔ سیدنا عبد اللہ بن زبیرؓ نہ باغی نہ عاصی نہ قاتل۔۔۔ نیز یزید اور عبد الملک کے مقابلہ میں خلافت کے حقدار تھے اور صحابیؓ رسول ہیں۔ (کشف 137/4)

فائدہ: اس قصہ سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ امام بخاریؒ عمرو بن سعید کی توثیق کر رہے ہیں۔۔۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں: لیس بصحابی ولا من التابعین باحسان۔۔۔ قرآن کریم میں جن تابعین کی مدح والذین اتبعوہم باحسان کے ساتھ آئی۔ اس کو بہر حال یہ فضیلت حاصل نہیں ہے۔ جیسا کہ یزید تابعی ہے لیکن تابعی باحسان نہیں ہے بلکہ عندا الجہور فاسق و فاجر ہے۔

حدیث الباب کا پس منظر

حضرت معاویہؓ نے ۱۵ رجب ۶۰ھ میں اپنی وفات سے قبل اہل حل و عقد کے کہنے پر یزید کی نامزدگی کر کے بیعت لی تھی آپ کے وصی دو تھے۔ ۱۔ جنحاک بن قیس۔ ۲۔ مسلمہ بن عقبہ۔ یزید شکار پر تھا اس کو اپنے جلیل القدر والد کا جنازہ تک نصیب نہ ہو سکا۔ فرمایا: یزید کو میرا سلام اور یہ پیغام دینا کہ اہل حجاز و شام کا خیال رکھے۔ ابن عمرؓ سے کوئی خوف نہیں البتہ حضرت حسینؓ اور حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کی بیعت کی اہمیت نظر انداز نہ ہو۔

یزید نے پیغام سنتے ہی والی مدینہ ولید بن عقبہ بن ابی سفیان کو خط لکھا۔۔۔ اس نے دونوں کو بلایا حضرت ابن زبیرؓ تو ٹال گئے البتہ حضرت حسینؓ مع حشم و خدم آئے مگر خدام کو باہر بٹھادیا فرمایا: خطرہ ہو تو اندر آ جانا۔ اکیلے ملاقات کی۔ بیعت کے تقاضے پر فرمایا: مجمع عام میں ہوگی۔ مروان نے کہا: جو بھی ہوا بھی ہو۔۔۔ ”بیعت یا قتل“۔ لیکن حضرت حسینؓ واپس گھر آگئے ولید نے حضرت حسینؓ کے خون کے جوابدہی کے احساس سے انتہائی اقدام سے گریز کیا۔ ادھر ابن زبیرؓ حالات پر نگاہ رکھے ہوئے تھے چپکے سے مکہ مکرمہ چلے گئے اور حضرت حسینؓ بھی۔۔۔

یزید نے سچ پا ہو کر ولید کو معزول کر کے عمرو بن سعید کو گورنر مدینہ بنا دیا (اس نے ذی قعدہ ۶۰ھ میں فرائض امارت سنبھالے) حضرت حسینؓ اہل کوفہ کے خطوط پر حضرت ابن عباسؓ کے منع کرنے کے باوجود کوفہ تشریف لے گئے ۱۰ محرم الحرام ۶۱ھ کو

ساتھ کر بلا پیش آگیا۔ اس پس منظر میں حضرت ابن زبیرؓ نے شاہوں کے اس ظلم و ستم پر اہل مکہ سے بیعت لینا شروع کر دی۔
عمر بن سعید نے خلافت ابن زبیرؓ کو چیلنج کیا اور مقابلے کیلئے لشکر تیار کیا مگر مروان نے منع کیا اور وہ رک گیا۔ مگر حضرت
عبداللہ بن زبیرؓ کے باپ شریک بھائی عمرو بن زبیر جو مدینہ پولیس کا سربراہ تھا۔ اپنی ذاتی پرغاش کی بنا پر کہنے لگا:
ہم خوف کعبہ میں بھی لڑنے سے گریز نہیں کریں گے۔ اس لشکر کشی کے موقع پر حضرت ابوہریرہؓ نے حدیث الباب
سنائی مگر یزید کے تاکیدی حکم کی وجہ سے یہ اقدام ناگزیر ہو گیا تھا۔

— اولاً حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے عبداللہ بن صفوان کی سرکردگی میں مقابلہ کرا دیا نتیجہً عمرو بن زبیر شکست کھا کر گرفتار
ہو کر کوڑے کھاتے ہوئے خود بھی اور بیٹا بھی جاں بحق ہو گیا۔

اسی ۶۱ھ میں یزید نے عمرو بن سعید کو معزول کر کے دوبارہ ولید بن عقبہ کو گورنر نامزد کر دیا مگر وہ مکہ کے حالات پر قابو نہ
پاسکا۔ عین اس دوران حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے یزید کو لکھا ولید نااندریش احمق ہے۔ اس کی جگہ کوئی نرم اخلاق ہو تو
بہت سی مشکلات ختم ہو سکتی ہیں۔ یزید نے اس کو معزول کر کے ناخبرہ کارنو جوان عثمان بن محمد بن ابی سفیان کو گورنر بنا دیا
اس نے اشراف مدینہ کا ایک وفد شام بھیجا جس نے واپس آ کر چیخ چوراہے بھاٹا اچھوڑ دیا کہ یزید شرابی کبابی اور تارک
صلوٰۃ ہے۔ لوگوں نے فوج بیعت کر کے شام سے تعلق توڑ لیا عثمان بن محمد کو نکال کر عبداللہ بن حنظلہؓ (طہیل ملائکہ) کے
ہاتھ پر بیعت جدید کر لی جو ۶۲ھ میں ہو گئی۔

یزید نے نئے حالات کی روشنی میں مسلم بن عقبہ کے ذریعہ مدینہ طیبہ پر لشکر کشی کا ارادہ کیا اس کی بیماری اور بڑی عمر کے
باعث یہ بھی حکم جاری کر دیا کہ اسکی حادثاتی موت پر حصین بن نمیر کو امیر بنایا جائے اور یہ کہ
اہل مدینہ کو تین روزہ مہلت کے بعد ان کے خون کو مباح سمجھا جائے۔ اہل مدینہ نے استقامت کے ساتھ مقابلہ کیا،
مگر ”بنو حارثہ“ نے اہل شام کو مدینہ میں داخل ہونے کا موقع دیدیا۔ شامیوں نے سات سو کے قریب مجاہدین و انصار اور
دس ہزار موالی تہ تیغ کر دیے اور ایک ہزار باکرہ عورتیں حاملہ کر دیں۔

ازاں بعد اہل مدینہ نے بصد جبر واکراہ خواہی خواہی بیعت کر لی۔ یہ ۶۳ھ کا واقعہ ہے۔
مسلم بن عقبہ کو مکہ مکرمہ کے راستہ میں موت نے گھیر لیا۔ اس نے فوج کی کمان حصین بن نمیر کو سونپ دی حصین ۶۴ھ میں
عمر کے آخر میں مکہ مکرمہ پہنچا۔ محاصرہ و مقابلہ ہوا۔ لیکن اسی رجب الاول میں ہی یزید راہی عدم ہوا۔ حضرت ابن زبیرؓ کو خبر
پہنچی تو ان شامیوں کو بتایا جس نے تمہیں بھیجا وہ مر گیا۔ خبر پر یقین کے بعد یہ لشکر بھی نامراد، رجب الثانی میں واپس ہو گیا۔
حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو پھلنے پھولنے کا موقع مل گیا جیسا کہ شام میں معاویہ بن یزید کی بیعت ہو گئی مگر وہ چند ماہ
میں مر گیا اس کے بعد مروان بن حکم خلیفہ بنا۔ ازاں بعد عبدالملک خلیفہ بنا اس نے آہستہ آہستہ دارالاسلام کے تمام
علاقوں پر قبضہ کرنے کے بعد ۷۳ھ میں اپنے سپہ سالار حجاج بن یوسف ثقفی کے ذریعہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو قتل
(شہید) کرایا (کشف 122-118)

قائدہ: تاریخی تسلسل کی وجہ سے یہ حرام کڑیاں ملائی گئیں۔۔۔ ورنہ اصل ربط صرف عمرو بن سعید کے مکہ مکرمہ لشکر بھیجنے پر حضرت ابو شریحؓ کی نصیحت ہے۔

حدیث پاک میں اگرچہ صراحۃً سفک دماء کی خبر نہیں دی گئی مگر آپ ﷺ کی تاکیدات وقوع کے اندیشے کا اظہار ہے جو ہو کر رہا۔ (کنز 144/4)

سمعتنا ذنای: حیثیت مقصود ہے ورنہ ہر کوئی کانوں سے ہی سنتا ہے۔

ساعة من نهار: ساعت سے مراد وقت قلیل ہے۔ اور من نهار اس کا بیان ہے۔ صبح سے لیکر عصر تک تقریباً ایک دن ہی ہے۔ مسند احمد کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ فجر سے لیکر عصر تک اجازت تھی۔

انا اعلم منك: اس نے تکبر بطریق اختیار کیا۔۔۔ اسی وجہ سے فرماتے ہیں بخلاف علیہ الکفر۔ کیونکہ حدیث کا عارضہ کیا۔ حضرت ابو شریحؓ صحابی رسول ہیں اور عمرو بن سعید گورنر یزید ہے مکہ مکرمہ پر چڑھائی کا ارادہ کر لیا ہے اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو باغی سمجھ رہا ہے ان کباتر کے باوجود دعوتِ دین کے آداب کو ملحوظ رکھ کر خطاب کیا: اءذن لی ایہا الامیر! کوئی دوسرا ہوتا تو حق گوئی کے جوش میں دو چار گالیاں سناتا لیکن طرزِ عمل میں اس کے منصب اور عزت ملحوظ رکھ کر اور دل شکنی بھی نہ ہوا ایسا اسلوب اختیار کیا۔ (انعام الباری 149/2)

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے مدینہ ترک کر کے حرم مکہ میں پناہ لی۔ ان کا لقب ”عائد البیت“ ہے یزید کے طیش پر حاکم مکہ یحییٰ بن حکیم نے عبداللہ بن زبیرؓ سے بیعت لیکر اسے مطلع کر دیا انکار بیعت نہ تھا۔ مگر متکبر یزید کو ضد تھی کہ انکو ہتھکڑی اور بیڑی کے ساتھ پیش کیا جائے اس پر ابن زبیرؓ نے کہا میں حرم میں پناہ نہیں ہوں میری گرفتاری کیسی؟ (نور الباری 467/1)

مسئلہ قصاص فی الحرم

لا تعید عاصیاً:

امام صاحب اور جمہور کا اختلاف ہے۔ امام صاحبؒ فرماتے ہیں

(۱) اگر کوئی شخص جنایت کر کے حرم میں پناہ لے لے تو حرم میں اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔۔۔ بلکہ باہر نکلنے پر مجبور کیا جائے گا۔ حتیٰ کہ اس کا کھانا بند کر دیا جائے گا۔

لیکن (۲) اگر وہ اتنی طاقت پکڑ جائے کہ مجبور کرنے سے بھی باہر نہ نکلے تو پھر حرم میں ہی قصاص لیا جائے گا۔

(۳) اور اگر قتل حرم میں ہی کیا ہے تو پھر حرم میں قصاص لیا جاسکتا ہے۔

(۴) اور اگر اطرافِ بدن یعنی ہاتھ، کان، ناک وغیرہ ان میں جنایت کر کے حرم میں داخل ہو جائے تو بھی حرم میں قصاص لیا

جاسکتا ہے۔ کیونکہ یہ مالی جنایت کے حکم میں ہے۔

مذہب جمہور: امام صاحبؒ کا جمہور کے ساتھ اختلاف صرف پہلی صورت میں ہے کہ حرم سے باہر جنایت کر کے حرم میں پناہ لے۔ جمہور مطلقاً حرم میں قصاص کے قاتل ہیں۔

دلیل جمہور: عمرو بن سعید کا قول ہے: ان مکة لا تعید عاصیاً ولا فاجراً بدم۔

احناف کی طرف سے جواب: یہ ہے کہ عمرو بن سعید خود عاصی ہے۔ حضرت ابن زبیرؓ ہرگز عاصی نہیں ہو سکتے۔ نیز یہ حدیث نہیں عمرو بن سعید کا قول ہے جو صحابی بھی نہیں اور تابعی بصفہ احسان بھی نہیں۔ بخاری شریف میں ضمناً اس کا ذکر ہے بطور راوی حدیث نہیں۔ (نسر الباری 468/1)

امام اعظمؒ کی دلیل: ایک تو حضرت ابو شریح صحابیؓ کی حدیث۔ کیونکہ حضرت ابو شریح اس کو ناجائز سمجھ کر منع کر رہے ہیں۔ دوسری دلیل: ومن دخله کان امناً۔

من دخله کان امناً اگرچہ خبر ہے مکرر ادا مر ہے۔

داخل فی الحرم مامون ہے مگر آیت کے عموم سے بالاجماع دو شخص مخصوص ہیں۔ (۱) مالی جرم کرنے والا (۲) مادون النفس جنایت کرنے والا۔۔۔ اب اگر خارج حرم کے قاتل عمد کی بھی تخصیص کی جائے تو آیت کا مصداق باقی نہ رہے گا۔ احناف کے نزدیک جس نص کا ایک فرد باقی رہ جائے تو تخصیص جائز نہیں نیز ارشاد مبارک ہے: لا یحل لامرأیو من بالله والیوم الآخر ان یسفک بہادماً۔ اس لئے حرم میں قصاص نہیں لیا جائے گا البتہ اس کا ”حقہ پانی بند کر دیا جائے“۔ تاہم ائمہ ثلاثہ نے عمرو بن سعید کے قول: ولا فاجراً بدم سے استدلال کیا ہے۔

عہدیں تفاوت راہ از گجاستا کجا

(تحفۃ البخاری 394/1)

اہل حل کو جس طرح ارتکاب جرم سے روکنے کی ضرورت ہے اسی طرح اہل حرم کو بھی ہے ان پر نفاذ حدود نہ ہوں تو حقوق اللہ معطل ہو جائیں گے۔ حرم میں ارتکاب جنایت سے انتہا کب حرم ہو الہذا حرم کذمہ صیانت نہیں۔ اگر بیرون حرم قتل کیا جائے تو حرم اس کے لئے حائل ہوگا۔ مادون النفس اور اطراف کا معاملہ اموال کی طرح ہے اس کا تصفیہ حرم میں ہو سکتا ہے۔ (کشف 131/4)

ولا فاجراً بدم (۱) خربیت الخاء چوری، (۲) بضم الخاء فساد۔ (درس شامی 286)

حدثنا عبد الله عن محمد بن ابی بکر ۵ ۶ ۷ ۸ ۹ ۱۰ ۱۱ ۱۲ ۱۳ ۱۴ ۱۵ ۱۶ ۱۷ ۱۸ ۱۹ ۲۰ ۲۱ ۲۲ ۲۳ ۲۴ ۲۵ ۲۶ ۲۷ ۲۸ ۲۹ ۳۰ ۳۱ ۳۲ ۳۳ ۳۴ ۳۵ ۳۶ ۳۷ ۳۸ ۳۹ ۴۰ ۴۱ ۴۲ ۴۳ ۴۴ ۴۵ ۴۶ ۴۷ ۴۸ ۴۹ ۵۰ ۵۱ ۵۲ ۵۳ ۵۴ ۵۵ ۵۶ ۵۷ ۵۸ ۵۹ ۶۰ ۶۱ ۶۲ ۶۳ ۶۴ ۶۵ ۶۶ ۶۷ ۶۸ ۶۹ ۷۰ ۷۱ ۷۲ ۷۳ ۷۴ ۷۵ ۷۶ ۷۷ ۷۸ ۷۹ ۸۰ ۸۱ ۸۲ ۸۳ ۸۴ ۸۵ ۸۶ ۸۷ ۸۸ ۸۹ ۹۰ ۹۱ ۹۲ ۹۳ ۹۴ ۹۵ ۹۶ ۹۷ ۹۸ ۹۹ ۱۰۰ ۱۰۱ ۱۰۲ ۱۰۳ ۱۰۴ ۱۰۵ ۱۰۶ ۱۰۷ ۱۰۸ ۱۰۹ ۱۱۰ ۱۱۱ ۱۱۲ ۱۱۳ ۱۱۴ ۱۱۵ ۱۱۶ ۱۱۷ ۱۱۸ ۱۱۹ ۱۲۰ ۱۲۱ ۱۲۲ ۱۲۳ ۱۲۴ ۱۲۵ ۱۲۶ ۱۲۷ ۱۲۸ ۱۲۹ ۱۳۰ ۱۳۱ ۱۳۲ ۱۳۳ ۱۳۴ ۱۳۵ ۱۳۶ ۱۳۷ ۱۳۸ ۱۳۹ ۱۴۰ ۱۴۱ ۱۴۲ ۱۴۳ ۱۴۴ ۱۴۵ ۱۴۶ ۱۴۷ ۱۴۸ ۱۴۹ ۱۵۰ ۱۵۱ ۱۵۲ ۱۵۳ ۱۵۴ ۱۵۵ ۱۵۶ ۱۵۷ ۱۵۸ ۱۵۹ ۱۶۰ ۱۶۱ ۱۶۲ ۱۶۳ ۱۶۴ ۱۶۵ ۱۶۶ ۱۶۷ ۱۶۸ ۱۶۹ ۱۷۰ ۱۷۱ ۱۷۲ ۱۷۳ ۱۷۴ ۱۷۵ ۱۷۶ ۱۷۷ ۱۷۸ ۱۷۹ ۱۸۰ ۱۸۱ ۱۸۲ ۱۸۳ ۱۸۴ ۱۸۵ ۱۸۶ ۱۸۷ ۱۸۸ ۱۸۹ ۱۹۰ ۱۹۱ ۱۹۲ ۱۹۳ ۱۹۴ ۱۹۵ ۱۹۶ ۱۹۷ ۱۹۸ ۱۹۹ ۲۰۰ ۲۰۱ ۲۰۲ ۲۰۳ ۲۰۴ ۲۰۵ ۲۰۶ ۲۰۷ ۲۰۸ ۲۰۹ ۲۱۰ ۲۱۱ ۲۱۲ ۲۱۳ ۲۱۴ ۲۱۵ ۲۱۶ ۲۱۷ ۲۱۸ ۲۱۹ ۲۲۰ ۲۲۱ ۲۲۲ ۲۲۳ ۲۲۴ ۲۲۵ ۲۲۶ ۲۲۷ ۲۲۸ ۲۲۹ ۲۳۰ ۲۳۱ ۲۳۲ ۲۳۳ ۲۳۴ ۲۳۵ ۲۳۶ ۲۳۷ ۲۳۸ ۲۳۹ ۲۴۰ ۲۴۱ ۲۴۲ ۲۴۳ ۲۴۴ ۲۴۵ ۲۴۶ ۲۴۷ ۲۴۸ ۲۴۹ ۲۵۰ ۲۵۱ ۲۵۲ ۲۵۳ ۲۵۴ ۲۵۵ ۲۵۶ ۲۵۷ ۲۵۸ ۲۵۹ ۲۶۰ ۲۶۱ ۲۶۲ ۲۶۳ ۲۶۴ ۲۶۵ ۲۶۶ ۲۶۷ ۲۶۸ ۲۶۹ ۲۷۰ ۲۷۱ ۲۷۲ ۲۷۳ ۲۷۴ ۲۷۵ ۲۷۶ ۲۷۷ ۲۷۸ ۲۷۹ ۲۸۰ ۲۸۱ ۲۸۲ ۲۸۳ ۲۸۴ ۲۸۵ ۲۸۶ ۲۸۷ ۲۸۸ ۲۸۹ ۲۹۰ ۲۹۱ ۲۹۲ ۲۹۳ ۲۹۴ ۲۹۵ ۲۹۶ ۲۹۷ ۲۹۸ ۲۹۹ ۳۰۰ ۳۰۱ ۳۰۲ ۳۰۳ ۳۰۴ ۳۰۵ ۳۰۶ ۳۰۷ ۳۰۸ ۳۰۹ ۳۱۰ ۳۱۱ ۳۱۲ ۳۱۳ ۳۱۴ ۳۱۵ ۳۱۶ ۳۱۷ ۳۱۸ ۳۱۹ ۳۲۰ ۳۲۱ ۳۲۲ ۳۲۳ ۳۲۴ ۳۲۵ ۳۲۶ ۳۲۷ ۳۲۸ ۳۲۹ ۳۳۰ ۳۳۱ ۳۳۲ ۳۳۳ ۳۳۴ ۳۳۵ ۳۳۶ ۳۳۷ ۳۳۸ ۳۳۹ ۳۴۰ ۳۴۱ ۳۴۲ ۳۴۳ ۳۴۴ ۳۴۵ ۳۴۶ ۳۴۷ ۳۴۸ ۳۴۹ ۳۵۰ ۳۵۱ ۳۵۲ ۳۵۳ ۳۵۴ ۳۵۵ ۳۵۶ ۳۵۷ ۳۵۸ ۳۵۹ ۳۶۰ ۳۶۱ ۳۶۲ ۳۶۳ ۳۶۴ ۳۶۵ ۳۶۶ ۳۶۷ ۳۶۸ ۳۶۹ ۳۷۰ ۳۷۱ ۳۷۲ ۳۷۳ ۳۷۴ ۳۷۵ ۳۷۶ ۳۷۷ ۳۷۸ ۳۷۹ ۳۸۰ ۳۸۱ ۳۸۲ ۳۸۳ ۳۸۴ ۳۸۵ ۳۸۶ ۳۸۷ ۳۸۸ ۳۸۹ ۳۹۰ ۳۹۱ ۳۹۲ ۳۹۳ ۳۹۴ ۳۹۵ ۳۹۶ ۳۹۷ ۳۹۸ ۳۹۹ ۴۰۰ ۴۰۱ ۴۰۲ ۴۰۳ ۴۰۴ ۴۰۵ ۴۰۶ ۴۰۷ ۴۰۸ ۴۰۹ ۴۱۰ ۴۱۱ ۴۱۲ ۴۱۳ ۴۱۴ ۴۱۵ ۴۱۶ ۴۱۷ ۴۱۸ ۴۱۹ ۴۲۰ ۴۲۱ ۴۲۲ ۴۲۳ ۴۲۴ ۴۲۵ ۴۲۶ ۴۲۷ ۴۲۸ ۴۲۹ ۴۳۰ ۴۳۱ ۴۳۲ ۴۳۳ ۴۳۴ ۴۳۵ ۴۳۶ ۴۳۷ ۴۳۸ ۴۳۹ ۴۴۰ ۴۴۱ ۴۴۲ ۴۴۳ ۴۴۴ ۴۴۵ ۴۴۶ ۴۴۷ ۴۴۸ ۴۴۹ ۴۵۰ ۴۵۱ ۴۵۲ ۴۵۳ ۴۵۴ ۴۵۵ ۴۵۶ ۴۵۷ ۴۵۸ ۴۵۹ ۴۶۰ ۴۶۱ ۴۶۲ ۴۶۳ ۴۶۴ ۴۶۵ ۴۶۶ ۴۶۷ ۴۶۸ ۴۶۹ ۴۷۰ ۴۷۱ ۴۷۲ ۴۷۳ ۴۷۴ ۴۷۵ ۴۷۶ ۴۷۷ ۴۷۸ ۴۷۹ ۴۸۰ ۴۸۱ ۴۸۲ ۴۸۳ ۴۸۴ ۴۸۵ ۴۸۶ ۴۸۷ ۴۸۸ ۴۸۹ ۴۹۰ ۴۹۱ ۴۹۲ ۴۹۳ ۴۹۴ ۴۹۵ ۴۹۶ ۴۹۷ ۴۹۸ ۴۹۹ ۵۰۰ ۵۰۱ ۵۰۲ ۵۰۳ ۵۰۴ ۵۰۵ ۵۰۶ ۵۰۷ ۵۰۸ ۵۰۹ ۵۱۰ ۵۱۱ ۵۱۲ ۵۱۳ ۵۱۴ ۵۱۵ ۵۱۶ ۵۱۷ ۵۱۸ ۵۱۹ ۵۲۰ ۵۲۱ ۵۲۲ ۵۲۳ ۵۲۴ ۵۲۵ ۵۲۶ ۵۲۷ ۵۲۸ ۵۲۹ ۵۳۰ ۵۳۱ ۵۳۲ ۵۳۳ ۵۳۴ ۵۳۵ ۵۳۶ ۵۳۷ ۵۳۸ ۵۳۹ ۵۴۰ ۵۴۱ ۵۴۲ ۵۴۳ ۵۴۴ ۵۴۵ ۵۴۶ ۵۴۷ ۵۴۸ ۵۴۹ ۵۵۰ ۵۵۱ ۵۵۲ ۵۵۳ ۵۵۴ ۵۵۵ ۵۵۶ ۵۵۷ ۵۵۸ ۵۵۹ ۵۶۰ ۵۶۱ ۵۶۲ ۵۶۳ ۵۶۴ ۵۶۵ ۵۶۶ ۵۶۷ ۵۶۸ ۵۶۹ ۵۷۰ ۵۷۱ ۵۷۲ ۵۷۳ ۵۷۴ ۵۷۵ ۵۷۶ ۵۷۷ ۵۷۸ ۵۷۹ ۵۸۰ ۵۸۱ ۵۸۲ ۵۸۳ ۵۸۴ ۵۸۵ ۵۸۶ ۵۸۷ ۵۸۸ ۵۸۹ ۵۹۰ ۵۹۱ ۵۹۲ ۵۹۳ ۵۹۴ ۵۹۵ ۵۹۶ ۵۹۷ ۵۹۸ ۵۹۹ ۶۰۰ ۶۰۱ ۶۰۲ ۶۰۳ ۶۰۴ ۶۰۵ ۶۰۶ ۶۰۷ ۶۰۸ ۶۰۹ ۶۱۰ ۶۱۱ ۶۱۲ ۶۱۳ ۶۱۴ ۶۱۵ ۶۱۶ ۶۱۷ ۶۱۸ ۶۱۹ ۶۲۰ ۶۲۱ ۶۲۲ ۶۲۳ ۶۲۴ ۶۲۵ ۶۲۶ ۶۲۷ ۶۲۸ ۶۲۹ ۶۳۰ ۶۳۱ ۶۳۲ ۶۳۳ ۶۳۴ ۶۳۵ ۶۳۶ ۶۳۷ ۶۳۸ ۶۳۹ ۶۴۰ ۶۴۱ ۶۴۲ ۶۴۳ ۶۴۴ ۶۴۵ ۶۴۶ ۶۴۷ ۶۴۸ ۶۴۹ ۶۵۰ ۶۵۱ ۶۵۲ ۶۵۳ ۶۵۴ ۶۵۵ ۶۵۶ ۶۵۷ ۶۵۸ ۶۵۹ ۶۶۰ ۶۶۱ ۶۶۲ ۶۶۳ ۶۶۴ ۶۶۵ ۶۶۶ ۶۶۷ ۶۶۸ ۶۶۹ ۶۷۰ ۶۷۱ ۶۷۲ ۶۷۳ ۶۷۴ ۶۷۵ ۶۷۶ ۶۷۷ ۶۷۸ ۶۷۹ ۶۸۰ ۶۸۱ ۶۸۲ ۶۸۳ ۶۸۴ ۶۸۵ ۶۸۶ ۶۸۷ ۶۸۸ ۶۸۹ ۶۹۰ ۶۹۱ ۶۹۲ ۶۹۳ ۶۹۴ ۶۹۵ ۶۹۶ ۶۹۷ ۶۹۸ ۶۹۹ ۷۰۰ ۷۰۱ ۷۰۲ ۷۰۳ ۷۰۴ ۷۰۵ ۷۰۶ ۷۰۷ ۷۰۸ ۷۰۹ ۷۱۰ ۷۱۱ ۷۱۲ ۷۱۳ ۷۱۴ ۷۱۵ ۷۱۶ ۷۱۷ ۷۱۸ ۷۱۹ ۷۲۰ ۷۲۱ ۷۲۲ ۷۲۳ ۷۲۴ ۷۲۵ ۷۲۶ ۷۲۷ ۷۲۸ ۷۲۹ ۷۳۰ ۷۳۱ ۷۳۲ ۷۳۳ ۷۳۴ ۷۳۵ ۷۳۶ ۷۳۷ ۷۳۸ ۷۳۹ ۷۴۰ ۷۴۱ ۷۴۲ ۷۴۳ ۷۴۴ ۷۴۵ ۷۴۶ ۷۴۷ ۷۴۸ ۷۴۹ ۷۵۰ ۷۵۱ ۷۵۲ ۷۵۳ ۷۵۴ ۷۵۵ ۷۵۶ ۷۵۷ ۷۵۸ ۷۵۹ ۷۶۰ ۷۶۱ ۷۶۲ ۷۶۳ ۷۶۴ ۷۶۵ ۷۶۶ ۷۶۷ ۷۶۸ ۷۶۹ ۷۷۰ ۷۷۱ ۷۷۲ ۷۷۳ ۷۷۴ ۷۷۵ ۷۷۶ ۷۷۷ ۷۷۸ ۷۷۹ ۷۸۰ ۷۸۱ ۷۸۲ ۷۸۳ ۷۸۴ ۷۸۵ ۷۸۶ ۷۸۷ ۷۸۸ ۷۸۹ ۷۹۰ ۷۹۱ ۷۹۲ ۷۹۳ ۷۹۴ ۷۹۵ ۷۹۶ ۷۹۷ ۷۹۸ ۷۹۹ ۸۰۰ ۸۰۱ ۸۰۲ ۸۰۳ ۸۰۴ ۸۰۵ ۸۰۶ ۸۰۷ ۸۰۸ ۸۰۹ ۸۱۰ ۸۱۱ ۸۱۲ ۸۱۳ ۸۱۴ ۸۱۵ ۸۱۶ ۸۱۷ ۸۱۸ ۸۱۹ ۸۲۰ ۸۲۱ ۸۲۲ ۸۲۳ ۸۲۴ ۸۲۵ ۸۲۶ ۸۲۷ ۸۲۸ ۸۲۹ ۸۳۰ ۸۳۱ ۸۳۲ ۸۳۳ ۸۳۴ ۸۳۵ ۸۳۶ ۸۳۷ ۸۳۸ ۸۳۹ ۸۴۰ ۸۴۱ ۸۴۲ ۸۴۳ ۸۴۴ ۸۴۵ ۸۴۶ ۸۴۷ ۸۴۸ ۸۴۹ ۸۵۰ ۸۵۱ ۸۵۲ ۸۵۳ ۸۵۴ ۸۵۵ ۸۵۶ ۸۵۷ ۸۵۸ ۸۵۹ ۸۶۰ ۸۶۱ ۸۶۲ ۸۶۳ ۸۶۴ ۸۶۵ ۸۶۶ ۸۶۷ ۸۶۸ ۸۶۹ ۸۷۰ ۸۷۱ ۸۷۲ ۸۷۳ ۸۷۴ ۸۷۵ ۸۷۶ ۸۷۷ ۸۷۸ ۸۷۹ ۸۸۰ ۸۸۱ ۸۸۲ ۸۸۳ ۸۸۴ ۸۸۵ ۸۸۶ ۸۸۷ ۸۸۸ ۸۸۹ ۸۹۰ ۸۹۱ ۸۹۲ ۸۹۳ ۸۹۴ ۸۹۵ ۸۹۶ ۸۹۷ ۸۹۸ ۸۹۹ ۹۰۰ ۹۰۱ ۹۰۲ ۹۰۳ ۹۰۴ ۹۰۵ ۹۰۶ ۹۰۷ ۹۰۸ ۹۰۹ ۹۱۰ ۹۱۱ ۹۱۲ ۹۱۳ ۹۱۴ ۹۱۵ ۹۱۶ ۹۱۷ ۹۱۸ ۹۱۹ ۹۲۰ ۹۲۱ ۹۲۲ ۹۲۳ ۹۲۴ ۹۲۵ ۹۲۶ ۹۲۷ ۹۲۸ ۹۲۹ ۹۳۰ ۹۳۱ ۹۳۲ ۹۳۳ ۹۳۴ ۹۳۵ ۹۳۶ ۹۳۷ ۹۳۸ ۹۳۹ ۹۴۰ ۹۴۱ ۹۴۲ ۹۴۳ ۹۴۴ ۹۴۵ ۹۴۶ ۹۴۷ ۹۴۸ ۹۴۹ ۹۵۰ ۹۵۱ ۹۵۲ ۹۵۳ ۹۵۴ ۹۵۵ ۹۵۶ ۹۵۷ ۹۵۸ ۹۵۹ ۹۶۰ ۹۶۱ ۹۶۲ ۹۶۳ ۹۶۴ ۹۶۵ ۹۶۶ ۹۶۷ ۹۶۸ ۹۶۹ ۹۷۰ ۹۷۱ ۹۷۲ ۹۷۳ ۹۷۴ ۹۷۵ ۹۷۶ ۹۷۷ ۹۷۸ ۹۷۹ ۹۸۰ ۹۸۱ ۹۸۲ ۹۸۳ ۹۸۴ ۹۸۵ ۹۸۶ ۹۸۷ ۹۸۸ ۹۸۹ ۹۹۰ ۹۹۱ ۹۹۲ ۹۹۳ ۹۹۴ ۹۹۵ ۹۹۶ ۹۹۷ ۹۹۸ ۹۹۹ ۱۰۰۰

حصہ حرم ہے۔ گویا اعلان ان کی طرف سے ہے حقیقی حرمت مکہ منجانب اللہ ہے اسے کوئی ختم نہیں کر سکتا۔ (نصابی 467/1)

فكان محمد يقول: صدق رسول الله كان كذا لك:

یہ جملہ محترضہ ہے۔ امام محمد بن سیرینؒ حدیث کے درمیان یہ فرما رہے ہیں کہ آپ ﷺ نے سچ فرمایا۔ ایسے ہی ہو گیا کہ شاہد نے غائب تک پہنچا دیا۔ اپنی طرف اشارہ فرما رہے تھے کہ میں شاہد ہوں میں نے غائب تک پہنچا دیا۔
هل بلغت:

یہ بل استفہامیہ ہے۔ یا تقد کے معنی میں ہے۔ یعنی تحقیق میں نے پہنچا دیا۔ لیسبلغ الشاهد الغائب میں ہر فرد صحابی کو غائب تک تبلیغ کا حکم ہے جو خبر واحد کی حجیت پر دال ہے ورنہ حکم دینا صحیح نہیں۔ (کشف 141/4)

38 باب إِمْنَمَنْ كَذَبَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضور ﷺ پر جھوٹ بولنے والے کا گناہ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْفَرِ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ قَالَ أَخْبَرَنِي مَنْصُورٌ قَالَ سَمِعْتُ رِبْعِيَّ بْنَ جَزْأَشٍ يَقُولُ سَمِعْتُ عَلِيًّا يَقُولُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَكْذِبُوا عَلَيَّ فَإِنَّ مَن كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيَلِجِ النَّارَ.

حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ جَامِعِ بْنِ شَدَّادٍ عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قُلْتُ لِلزُّبَيْرِ إِنِّي لَا أَسْمَعُكَ تُحَدِّثُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا يَحْدِثُ فَلَانٌ وَفَلَانٌ قَالَ أَمَا إِنِّي لَمْ أَقَارِ فَنَزَلْ لَكِنْ سَمِعْتُ يَقُولُ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيَلِجْ أَمَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ.

حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ قَالَ أَنَسُ إِنَّهُ لَمَنْعَنِي أَنْ أَخْبِرَ كُفْرًا كَثِيرًا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ كَذَبًا فَلْيَلِجْ أَمَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ.

حَدَّثَنَا مَكِّي بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ أَبِي عُبَيْدٍ عَنْ سَلَمَةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ يَقُولُ عَلَيَّ مَا لَمْ أَقُلْ فَلْيَلِجْ أَمَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ.

حَدَّثَنَا مُوسَى قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي حَصِينٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَسْمَعُوا بِأَسْمِي وَلَا تَكْتُمُوا بِكُنْيَتِي وَمَنْ رَأَى فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَأَى فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَعْمَلُ فِي ضَوْرِي وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَلِجْ أَمَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ.

ترجمہ: حضرت علیؓ فرماتے ہیں نبی ﷺ نے فرمایا: مجھ پر جھوٹ مت بولو کیونکہ جو مجھ پر جھوٹ باندھے گا وہ آگ میں داخل ہوگا۔

عبداللہ بن زبیرؓ کہتے ہیں میں نے اپنے والد زبیرؓ سے کہا میں آپ کو رسول اللہ سے حدیث بیان کرتے ہوئے نہیں سنا جیسا کہ فلاں اور فلاں بیان کرتا ہے۔ انہوں نے فرمایا میں نے آپ ﷺ سے جدائی اختیار نہیں کی لیکن وجہ یہ ہے کہ میں نے آپ ﷺ سے سنا آپ فرما رہے تھے جو مجھ پر جھوٹ بولے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

حضرت انسؓ نے فرمایا کثرت سے حدیث بیان کرنے سے مجھے یہ بات روکتی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جو مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

سلہ بن اکوعؓ فرماتے ہیں میں نے نبی ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرما رہے تھے جس نے مجھ پر ایسی بات کہی جو میں نے نہیں کہی پس چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

حضرت ابو ہریرہؓ حضور ﷺ سے اہل کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا میرے نام کے ساتھ نام رکھو اور میری کنیت کے ساتھ کنیت نہ رکھو۔ اور جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت میں نہیں آسکتا اور جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولا پس چاہئے کہ وہ جہنم میں ٹھکانہ بنالے۔

رابط: ابواب سابقہ میں تبلیغ کی تلقین کا ذکر تھا۔ اس باب میں اس پر تنبیہ کرنا چاہتے ہیں کہ تبلیغ کرتے ہوئے اس بات کا خاص طور پر خیال ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹ منسوب نہ ہو۔ خواہ ترغیب و ترہیب میں ہی کیوں نہ ہو۔ ورنہ اس طرح دین بے سند ہو کر رہ جائے گا۔

غرض بخاریؒ: علم صحیح کی ترغیب کیلئے یہ باب قائم فرمایا۔ گویا تعلیم صحیح دینا چاہیے اس میں کذب نہیں شامل کرنا چاہیے۔

حضرت انسؓ مکتبہ میں فی الحدیث ہیں 226 روایات مروی ہیں جبکہ وہ اپنے بارے میں فرماتے ہیں: میں زیادہ احادیث بیان نہیں کرتا۔ (۱) ابتدائی زمانہ میں کم روایت فرماتے تھے۔ طول عمر ہونے کی وجہ سے امت کیلئے ضرورت ہو گئی تو کتمانِ علم نہیں فرمایا۔ (۲) ذخیرۃ احادیث ہونے کے باوجود کم ہی روایت کی ہیں۔ (تشفہ 180/4)

امام نوویؒ فرماتے ہیں: اہل سنت کے ہاں ہر خلاف واقعہ بات کو ”کذب“ کہتے ہیں تہمید شرط نہیں۔ البتہ مواخذہ صرف تہمید پر ہوگا۔ (درس شامی 287)

تشریح حدیث

حکم کذب علی النبی ﷺ

- (۱) ابن المنیر اور ابو محمد النجاشی۔ ان حضرات کا مسلک یہ ہے کہ یہ کفر ہے۔
- (۲) جمہور فقہاء کے نزدیک کذب علی النبی ﷺ اشد الکبائر میں سے ہے۔ کفر بہر حال نہیں۔ یہی مسلک امام بخاریؒ کا ہے۔ کیونکہ ترجمہ میں اثم کا لفظ ہے۔

بعض جاہل صوفیا اس کے قائل ہیں کہ ترغیب و ترہیب کیلئے وضع احادیث بھی صحیح ہے۔۔۔ کیونکہ یہ کذب علی النبی ﷺ نہیں ہے یہ کذب للنبی ﷺ ہے۔۔۔ تاہم حضرات محققین صوفیا کرام اس کے حرام ہونے کے قائل ہیں۔ اس لئے کہ کذب للنبی ﷺ بھی کذب علی النبی ﷺ ہے۔ کیونکہ اس میں نسبت کذب آپ ﷺ کی طرف ہے۔ جو کسی حال میں درست نہیں ہے۔

علامہ عینی تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ حدیث کی عبارت میں اعراب کی غلطی بھی اس میں شامل ہے۔ کیونکہ اس اعراب کے ساتھ بہر حال آپ ﷺ نے نہیں فرمایا۔ اگرچہ اس کا گناہ وضع حدیث سے کم ہے۔ مگر نسبت اس اعراب کے ساتھ نہ تھی۔
فائدہ ۱: احادیث بیان کرنے میں سب سے پہلا درجہ حضرات محدثین کرام کا ہے۔ (۲) دوسرا درجہ فقہاء کرام کا ہے۔ (۳) تیسرا درجہ اہل لغت کا ہے۔ جن کو غریب الحدیث سے لگاؤ رہا ہے۔ جیسے امام ابو عبیدہ مگر ان کو بے کھٹکے آگے بیان نہیں کر سکتے۔ (۴) چوتھے نمبر پر جا کر صوفیا کا درجہ ہے۔۔۔ کیونکہ ان پر حسن ظن کا غلبہ ہوتا ہے۔
فائدہ ۲: حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث تیس صحابہ کرامؓ سے مروی ہے۔ بعض نے پچاس کا قول کیا ہے۔ بہر حال یہ روایات متواترہ میں سے ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا: یہ حدیث بیس صحابہ کرام عند بعض پچاس اور عند بعض ستر سے مروی ہے اور متواترہ ہے۔

(ذیل القاری 419 تحفۃ القاری 401/1)

کما یحدث فلان وفلان

ابن ماجہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک فلان کا مصداق عبد اللہ بن مسعودؓ ہیں دوسرے کا علم نہیں۔ شاید حضرت ابو ہریرہؓ ہوں۔ (نسر الباری 473/1)
حضرات صحابہؓ تکثیر روایت سے محتاط تھے نہ کہ نفس حدیث کی روایت سے۔ اس لئے کہ وہ تبلیغ حدیث پر مامور بھی تھے۔ (فضل الباری 126/2)

روایت بالمعنی میں صرف مفہوم بعینہ کی نسبت آپ ﷺ کی طرف ہے الفاظ کی نہیں۔۔۔ لیکن روایت باللفظ اہل کرنا ان کے ہاں بھی اولیٰ ہے۔ روایت بالمعنی کے الفاظ کی نسبت آپ ﷺ کی طرف ہو تو وعید کا مصداق ہوگا۔ (فضل الباری 127/2)
من یقل: اگرچہ قول کا ذکر ہے فعل کا ذکر نہیں۔۔۔ لیکن فعل بھی قول میں داخل ہے کیونکہ ممانعت کی علت میں دونوں شریک ہیں۔ (کشف 187/4)

فلیلج النار: یہ صیغہ امر بمعنی خبر کے ہے۔

فلیتجو أمقعد من النار کے معانی:

۱: امر بمعنی خبر جہنم ٹھکانہ ہوگا۔

۲: تہدید: بیان سزا مقصود ہے۔

۳: بالقصد ارتکاب کذب سے بالقصد جہنم تلاش کرے۔

۴: بددعاء نبوی ﷺ پہنچے گی۔ (کشف 178/4)

حضرات صحابہ کرامؓ پر اس وعید کا یہ اثر تھا کہ نقل روایت کے بعد آخر میں مثلہ او قریباً منہ کہہ دیتے تھے۔ (ہمارے ہاں او کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام متداول ہے۔) [فضل الباری 128/2]

تعارف و اذات

حدثنا المکی بن ابراهیم:

یہ حدیث امام بخاریؒ کی ثلاثیات میں سے ہے۔ صحیح بخاری میں ۲۲ روایات ثلاثی ہیں۔ جس میں سے ۲۰ روایان حنفی ہیں۔ حضرت مکی مذکور سے گیارہ روایات ثلاثی ہیں۔ اس سے امام اعظمؒ کی فقہ کا علوم مرتب ہونا ظاہر ہو گیا ہے کیونکہ امام اعظمؒ کی احادیث تو ثلاثیات ہیں۔ امام صاحبؒ روایت و روایت تابعی ہیں۔

22 ثلاثیات بخاری میں سے 20 کے مشائخ حنفی ہیں گویا صحیح بخاری شریف کی سند میں علو شان امام اعظمؒ کے شاگردوں کے شاگردوں سے پیدا ہوئی تعجب بالائے تعجب ہے کہ اساتذہ بخاری تو امام اعظمؒ تسلیم کریں دوسرے نہ مانیں۔ (نہ الباری 474/1)

حضرت ابوسلمہ، مسلم بن اکوعؒ نے بھیڑیہ کا تعاقب کر کے اس سے ہرن چھڑا لیا اس نے کہا یہ تیرا نہیں تھا تو نے مجھ سے چھین لیا میں نے حسرت سے کہا: لوگو! عجیب بات ہے کہ بھیڑیا بول رہا ہے۔ اس پر وہ بولا: اس سے زیادہ تعجب کی بات ہے کہ کھجوروں کے باغات والے شہر میں رسول اللہؐ تمہیں اللہ کی عبادت کی طرف بلا تے ہیں اور تم بتوں کی عبادت پر مصر ہو۔ میں حاضر خدمت ہو کر مشرف باسلام ہو گیا۔ ۷۴ھ (80) برس میں مدینہ طیبہ میں وصال فرمایا۔

تشریح حدیث

حدثنا موسیٰ قال حدثنا ابو عوانہ الخ:

تسموا باسمی ولا تکتنبوا بکنیتی:

کنیت اب اور ابن کی طرف نسبت کر کے ہوتی ہے۔

شان و ر و حدیث

آپ ﷺ مرتبہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ کسی نے کہا: یا ابا القاسم! آپ ﷺ نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ اس نے کہا میں نے آپ کو نہیں بلایا۔ اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لا تکتنبوا بکنیتی۔

مسئلہ: عند بعض آپ ﷺ کے نام پر نام اور کنیت پر کنیت رکھنا مطلقاً منع ہے۔۔۔ عند بعض آپ ﷺ کے دور میں بوجہ اختلاف منع تھا۔ اکثر محدثین و محققین کا مذہب یہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے محدثین اور صحابہؓ کی اولاد کے نام محمد تھے۔ بعض حضرات فرشتوں کے ناموں کے ساتھ نام رکھنے سے منع کرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ بھی منع فرماتے تھے۔ یہ ادب کے درجہ میں ہے نہ کہ مسئلہ کے درجہ میں۔ اس پر اجماع ہے کہ انبیاء کے نام پر نام رکھنا جائز ہے۔ البتہ بے حرمتی اور بے ادبی سے بچے۔ ابوالقاسم کنیت کی ممانعت لغیر وہ ہے اور جہاں لغیر وہ ممانعت ہوتی ہے فی نفسہ جواز ہوتا ہے اس لئے ابوالقاسم کنیت رکھنا جائز ہے۔ (تحفۃ القاری 402/1)

من رانی فی المنام فقد رانی فان الشیطان لا یتمثل فی صورتی:

یہ جملہ درمیان میں آپ ﷺ کی طور پر تنبیہ فرمانا چاہتے ہیں کہ جھوٹا خواب بھی آپ ﷺ کے بارے میں بیان نہ کیا جائے۔ نیز اگر واقعی کسی نے دیکھا تو اس نے مجھے ہی دیکھا۔

خواب کی حقیقت یہ ہے کہ نفس انسانی جس وقت نیند یا بے ہوشی کے سبب ظاہر بدن کی تدبیر سے فارغ ہو جاتا ہے تو اس کی قوت خیالی کی راہ سے اس کو کچھ صورتیں دکھائی دیتی ہیں اسی کا نام خواب ہے۔ (کشف 195/4)

اقسام خواب: ۱: حالت بیداری کے دیکھے ہوئے احوال نیند میں متشکل ہو جائیں۔ ۲: یا شیطانی تصرف سے کچھ نظر آئے۔ خواب کی یہ دونوں اقسام غیر معتبر ہیں۔ پہلی حدیث انفس دوسری تسویل شیطانی کہلاتی ہے۔ تیسری قسم الہام ربانی ہے جو بندہ کی تنبیہ یا تبشیر کیلئے ہوتی ہے۔ (کشف 194/4)

فائدہ: آپ ﷺ صرف رشد و ہدایت کے مظہر ہیں اور شیطان صرف صفت ضلال کا اس لئے شیطان آپ ﷺ کی صورت میں متحمل نہیں ہو سکتا۔ (نسر الباری 479)

سوال: حدیث کے جملہ میں شرط و جزا متحد ہیں حالانکہ ان میں تغایر ہوتا ہے۔

جواب: اس جملہ کے بارے میں مختلف روایات ہیں: ایک حدیث الباب۔ دوسری فسیروانی فی الیقظۃ۔ اور ایک روایت میں ہے: فکانما رانی فی الیقظۃ۔ اور ایک روایت میں: من رانی فقد رانی الحق۔۔۔ اعتراض صرف روایت الباب پر ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جزا روایت صادقہ یا روایت حقیقہ سے کنایہ ہے۔ جبکہ شرط میں روایت مطلقہ ہے تو مغایرت بھی پائی گئی۔ فلا شکال

من رانی فی المنام۔ اس جملہ میں چند ابحاث ہیں:-

۱۔۔۔ اس جملہ کے معنی ثابت کرنے کیلئے تین تقریریں ہیں:- (۱) روایت سے مراد روایت مستقبلہ ہے۔ یعنی جس نے مجھے خواب میں دیکھا وہ مجھے آخرت میں دیکھ لگا۔ اس پر سوال ہے کہ اس میں خواب دیکھنے والے کی کیا خصوصیت ہے آخرت میں تو سب کو ہی آپ ﷺ کی روایت ہو جائے گی۔

جواب: رویت خصوصی اور محبت خصوصی مراد ہے۔

(۲) رویت مستقبلہ فی الدنیا مراد ہے۔۔۔ اس صورت میں یہ رویت آپ ﷺ کے زمانے کے ساتھ خاص ہوگی۔ مطلب یہ کہ جو خواب میں مجھے دیکھ لے وہ فی الیقظہ بھی دیکھ لے گا۔ یعنی ایمان لے آئے گا۔ زیارت و صحبت نصیب ہوگی۔

(۳) یعنی اس کا خواب سچا ہے کیونکہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کر سکتا۔ یہ کسی زمانے کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

۲۔۔۔ دوسری بحث: جس نے آپ ﷺ خواب میں دیکھا یہ رویت صادقہ تو ہے لیکن یہ رویت کیسی ہے۔؟ اس کے بارے میں تین اقوال ہیں: (۱) عند بعض یہ رویت یحییٰ ہے پردے چھٹ جاتے ہیں۔ (۲) بعض رویت مثالی کے قائل ہیں اور عند بعض رویت خیالی میں آپ ﷺ کے خیال میں تصور ہو کر تشریف لاتے ہیں۔ (۳) حضرات محدثین کرام نے اس میں بحث کی ہے کہ جس طرح آپ ﷺ عالم دنیا میں تھے اسی حلیہ مبارکہ میں دیکھا تو رویت صادقہ ہے یا جس طرح بھی مطلقاً دیکھا رویت صادقہ ہے۔ بعض حضرات پہلی صورت کے قائل ہیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور محمد بن سیرینؒ: ان کے بارے میں آتا ہے کہ ان کو بتلایا جاتا کہ آپ ﷺ خواب میں زیارت ہوئی ہے تو وہ حلیہ کے بارے میں دریافت کرتے۔ اگر مطابق بتاتے تو فرماتے رویت حقہ ہے ورنہ نہیں۔

ہمارے بزرگوں میں سے حضرت شاہ رفیع الدینؒ حضرت محمد بن سیرینؒ کے موافق تھے۔ لیکن شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے تھے کہ کسی بھی حالت میں رویت ہو تو وہ زیارت مبارکہ ہی ہے۔ چاہے حلیہ کے مطابق ہو یا نہ ہو۔ دل میں یہی ہو کہ حضور ﷺ کی زیارت ہو رہی ہے یہی جمہور علماء دیوبند کا مسلک ہے۔ البتہ اگر حالت منکرہ میں دیکھا تو اس میں رائی کی رویت کی کمزوری یا اس رائی کی غلطی کی طرف اشارہ ہے۔

فائدہ: مولانا عبدالحیؒ نے خواب دیکھا کہ آپ ﷺ پتلون میں ملبوس ہیں۔ تو حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا: اس میں تمہاری ذات کا مسئلہ نہیں بلکہ تعبیر یہ ہے کہ آج کل دین پر نصاریٰ کا غلبہ ہے۔ دین کی مغلوبیت کی طرف اشارہ ہے۔

تیسری بحث: اگر آپ ﷺ خواب میں دیکھے اور آپ ﷺ سے کچھ ارشاد فرمائیں وہ حجت ہے یا نہیں۔؟

جواب: جو ارشاد فرمایا کہ وہ شرع کے مطابق ہے تو حجت ہے اور یہ تائید مزید ہے اور اگر کوئی تطبیق ممکن نہ ہو تو خلاف شرع حجت نہیں۔ اس کی عدم حجیت کی چند وجوہ ہیں:-

(۱) محدثین فرماتے ہیں: بغفل کی روایت معتبر نہیں۔ تو ناہم کی کیسے معتبر ہوگی۔

(۲) اس کی ممانعت تو ہے کہ شیطان مثل نبوی کی قدرت نہیں رکھتا مگر اس کی تو کوئی ممانعت نہیں کہ ابلیس تبلیس نہیں کر سکتا۔

(۳) نیز بیداری کی رویت رویت قویہ ہے دیکھنے والا صحابی ہوتا ہے نیند کی رویت اس درجہ کی نہیں ہے تو روایت کا بھی وہ درجہ نہیں ہوگا۔ جو حالت بیداری کا ہے۔

(۴) آپ ﷺ کی رویت فی المنام ایک بشارۃ رحمانی ضرور ہے تاہم بیان شریعت کا مقام نہیں ہے۔

صحیح بات یہ ہے کہ اگر حدیث شدید ضعیف ہو فضائل اعمال میں بھی مقبول نہیں، اگر معمولی ضعیف ہو تو پھر اگر کوئی حکم پہلے

کسی حدیث صحیح سے ثابت ہے تو اس ضعیف حدیث کے ذریعہ مزید تاکید و تقویت ہو سکتی ہے لیکن کوئی نیا حکم مسنون ہونا مستحب ہونا وغیرہ فضائل اعمال میں بھی ثابت نہیں ہوتا۔ (انعام الباری 155/2)

البحث الرابع:

آپ ﷺ بیداری میں زیارت ممکن ہے یا نہیں؟

حضرات محدثین اور علامہ ابن تیمیہؒ اس کے منکر ہیں حضرات صوفیا اور اولیا کرام اس کے قائل ہیں۔

حضرت شاہ علامہ انور کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ حق بات یہ ہے کہ ممکن ہے اور انکار جہل ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں میں نے پانچ مرتبہ حالت بیداری میں آپ ﷺ کی زیارت کی ہے اور فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے میں امراء و سلاطین کے پاس نہیں جاتا تھا۔ شیخ عبد الوہاب شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ سے بیداری میں بخاری شریف پڑھی ہے۔ شیخ میرائیؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور فرمایا: میں نے حالت بیداری میں آپ سے آٹھ فقہاء کرام کے ساتھ بخاری شریف پڑھی ہے۔

حالت بیداری میں زیارت نصیب ہو یہ کشف ہے تاہم حجیت کے لحاظ سے اس کا حکم بھی خواب ہی کی طرح ہے۔

39 باب کتاب العلم۔۔ علم کی باتیں لکھنا

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ قَالَ أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ مُطَرِّفٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ أَبِي جَحْفَةَ قَالَ قُلْتُ لِعَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ هَلْ عِنْدَكُمْ كِتَابٌ قَالَ لَا إِلَّا كِتَابُ اللَّهِ أَوْ فَهْمٌ أُعْطِيَهِ رَجُلٌ مُسْلِمٌ أَوْ مَا فِي هَذِهِ الصَّحِيفَةِ قَالَ قُلْتُ فَمَا فِي هَذِهِ الصَّحِيفَةِ قَالَ الْعَقْلُ وَفَكَانَ الْأَسِيرُ وَلَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ.

حَدَّثَنَا أَبُو نَعِيمٍ الْفَضْلُ بْنُ ذَكْوَانَ قَالَ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيَى عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ خَزَاعَةَ قَتَلُوا رَجُلًا مِنْ بَنِي لَيْثٍ عَامَ فَتْحِ مَكَّةَ بِقَتِيلٍ مِنْهُمْ قَتَلُوهُ فَأَخْبَرَ بِذَلِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَرِبَ رَاحِلَتَهُ فَخَطَبَ فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ حَبَسَ عَنْ مَكَّةَ الْقَتْلَ أَوْ الْفِيلَ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ كَذًا قَالَ أَبُو نَعِيمٍ وَاجْعَلُوهُ عَلَى الشَّكِّ الْفِيلَ أَوْ الْقَتْلَ وَغَيْرَهُ يَقُولُ الْفِيلُ وَسَلَطَ عَلَيْهِمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُؤْمِنِينَ أَلَا وَإِنَّهَا لَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِي وَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ بَعْدِي أَلَا وَإِنَّهَا حَلَّتْ لِي سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ أَلَا وَإِنَّهَا سَاعَتِي هَذِهِ حَرَامٌ لَا يُخْتَلَى شَوْكُهَا وَلَا يَغْصَدُ شَجَرُهَا وَلَا تُلْتَقَطُ سَاقُطَتُهَا إِلَّا لِمَنْشِدٍ فَمَنْ قُتِلَ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ إِمَّا أَنْ يُعْقَلَ وَإِمَّا أَنْ يُقَادَ أَهْلَ الْقَتِيلِ

فَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْيَمَنِ فَقَالَ اكْتُبْ لِي يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ اكْتُبُوا لِيَ أَبِي فَلَانٍ فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ إِلَّا الْإِذْخِرَ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَإِنَّا نَجْعَلُهُ فِي بُيُوتِنَا وَقُبُورِنَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا الْإِذْخِرَ إِلَّا الْإِذْخِرَ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ يَقَالُ يُقَادُ بِالْقَافِ فَقِيلَ لِأَبِي عَبْدِ اللَّهِ أَيُّ شَيْءٍ كُتِبَ لَهُ قَالَ كُتِبَ لَهُ هَذِهِ الْخُطْبَةُ.

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ حَدَّثَنَا عَمْرُو قَالَ أَخْبَرَنِي وَهْبُ بْنُ مُنَبِّهٍ عَنْ أَحِبِّهِ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ مَا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَدٌ أَكْثَرَ حَدِيثًا عَنْهُ مِنِّي إِلَّا مَا كَانَ مِنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو فَإِنَّهُ كَانَ يَكْتُوبُ وَلَا أَكْتُوبُ فَاذْكُرُوا عَمْرُو عَنْ هَمَامٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ.

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي خَتْمَةَ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا اشْتَعَدَّ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَعَهُ قَالَ ائْتُونِي بِكِتَابِ أَكْتُوبُ لَكُمْ كِتَابًا لَا تَضِلُّوا بَعْدَهُ قَالَ عَمْرُو إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَلَّاهُ التَّوَجُّعَ وَعِنْدَنَا كِتَابُ اللَّهِ حَسْبُنَا فَاخْتَلَفُوا وَكَثُرَ اللَّفْظُ قَالَ فَوُضِعَ عَنِّي وَلَا يَنْبَغِي عِنْدِي التَّنَازُعُ فَخَرَجَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَقُولُ إِنَّ الزِّيَادَةَ كُلَّ الزِّيَادَةِ بِمَا خَالَ يَنْبَغُ نَسُوْلِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَيْنَ كِتَابِهِ.

ترجمہ: ابو حمید کہتے ہیں میں نے حضرت طلحہؓ سے پوچھا کیا تمہارے پاس کوئی (خاص) کتاب ہے؟ انہوں نے فرمایا نہیں مگر اللہ کی کتاب یا وہ فہم جو مسلمان آدمی کو دیا جاتا ہے یا وہ جو کچھ اس صحیفے میں ہے۔ میں نے کہا اس صحیفے میں کیا ہے؟ فرمایا دیت کے احکام، عقیدوں کو چھوڑنے کے احکام اور یہ بات کہ نہ قتل کیا جائے مسلمان کافر کے بدلے۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں خراسان نے فتح مکہ والے سال بنی لیث کے ایک آدمی کو قتل کر دیا اپنے ایک مقتول کے بدلے جو بنی لیث نے قتل کیا تھا۔ اس کی خبر حضور کو دی گئی تو آپ ﷺ بنی سواری پر سوار ہوئے اور آپ ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا اللہ نے کب سے روک دیا قتل کو یا فرمایا اھیوں کو (امام بخاریؒ فرماتے ہیں ابو نعیمؒ نے کہا اس کو اسی طرح شک پڑی رکھو باقی حضرات کہتے ہیں آپؐ نے اسی کا لفظ بولا تھا) اور ان پر مسلط کر دیا گیا رسول اور مؤمنین کو۔ خبردار اپنے منہ سے پہلے کسی کے لئے حلال ہووانے میرے بعد کسی کے لئے حلال ہوگا۔ خبردار میرے لئے بھی دن کی صرف ایک گھڑی حلال ہو اٹھا اور اب اس وقت بھی حرام ہے نہ اس کا کاٹنا کاٹا جائے نہ درخت اور نہ اس کی گشدہ چیز کاٹھا یا جائے مگر تعریف کرنے والے (تشریح کرنے والے کے لئے جائز ہے) اور جو قتل کیا گیا اب اس کے بارے میں دو چیزوں میں سے ایک میں اختیار ہے یا اس کی دیت لی جائے یا مقتول کے ورثہ کا قصاص لیں۔ اہل یمن میں سے ایک آدمی آیا اور کہا یا رسول اللہ یہ باتیں مجھ لکھ کر دے دیں آپؐ نے فرمایا کہ ابلی فلاں (ابلی شاہ) کو لکھ کر دے دو۔ قریش میں سے ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ سوائے اذخر کے (اس کو آپ ﷺ نے کر دیں) کیونکہ ہم اس کو اپنے گھروں اور قبور میں ڈالتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا (ٹھیک ہے) سوائے اذخر کے سوائے اذخر کے۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں صحابہ میں سے کوئی بھی مجھ سے زیادہ حدیثیں بیان کرنے والا نہیں ہے سوائے عبد اللہ بن عمروؓ کے کیونکہ وہ لکھا کرتے تھے اور میں لکھتا نہیں تھا۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں جب حضور ﷺ تکلیف بہت زیادہ ہو گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا میرے پاس کوئی لکھنے کی چیز یعنی کاغذ لے آئیں تمہیں ایک چیز لکھ کر دے دوں اس کے بعد تم گمراہ نہیں ہوؤ گے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا حضور ﷺ پر تکلیف کا غلبہ ہے اور ہمارے پاس اللہ کی کتاب ہے جو کافی ہے۔ پس ان کا آپس میں اختلاف ہو گیا اور شور زیادہ ہو گیا۔ آپ

ﷺ نے فرمایا میرے پاس سے کھڑے ہو جاؤ میرے پاس جھگڑا کرنا مناسب نہیں۔ حضرت ابن عباسؓ (اپنی مجلس حدیث سے) نکلے اور فرما رہے تھے بہت بڑی مصیبت ہے جو حاصل ہوگئی رسول اللہ ﷺ کے لکھنے کے درمیان۔

ربطاً: باب سابق میں اشاعتِ علم کا اہتمام اور آپ ﷺ کی طرف غلط نسبت کی نفی تھی۔ تو اس کی حفاظت کا ایک بہترین طریقہ یہ ہے کہ کتابت کر لی جائے۔ یہ بھی حفاظت کا بہترین ذریعہ ہے۔

۲: باب سابق میں احتراز عن الکذب فی النقل کی تعلیم تھی اس باب میں احتراز عن خیاع الکلام کا بیان ہے۔ اس کی ضرورت اس وقت اور بڑھ جاتی ہے جب حفظ و ضبط کیلئے ہمیشہ قاصر ہوں اور نقل میں تقصیر آجائے۔ (فضل الباری 137/2)

۳: حدیث سابق میں حضرت ابن عمروؓ کا آپ ﷺ کے عہد میں کتابتِ حدیث کا ذکر تھا اس روایت میں آپ ﷺ کی طرف سے لکھنے کا حکم ہے۔ (انعام 182/2)

غرض ترجمہ:

امام بخاریؒ اس باب میں علم کی اہمیت بتلاتے ہیں کہ اتنا اہم ہے اگر بھولنے کا خوف ہو تو لکھ لینا چاہیے۔

لان الكتاب وسيلة الحفظ كما قيل العلم صيد و الكتابة قفصه:

اگر علم سے مراد خاص علم حدیث ہے تو غرض الباب ایک اختلافی مسئلہ میں جمہور کی تائید ہے۔ کیونکہ بعض حضرات کتابتِ حدیث کے جواز کے قائل نہیں۔ جبکہ جمہور قائل ہیں۔ تو اس سے جمہور کی تائید ہوگئی ہے۔

غرض بخاریؒ حضرت شیخ الحدیثؒ فرماتے ہیں مقصود بخاری یہ ہے کہ تمام دھندلوں کو چھوڑ کر ہمتنِ علم میں لگ جانے سے ہی علم آتا ہے جیسے حضرت ابوہریرہؓ ﷺ کچھ قربان کر کے پوری طرح علم میں لگ گئے۔ (دلیل 437)

حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں:

علمائے امت نے علوم نبوت سے متعلق علوم کی تبلیغ و اشاعت کیلئے ”کتابۃ العلم“ ہی کے طریق کو اختیار کیا جس کے نتیجے میں آج دنیا میں علمی سرمایہ باعثِ فیضان بنا ہوا ہے۔ (فضل الباری 153/2)

تشریح حدیث

هل عندكم كتاب:

حضرت علیؓ کے متعلق ابن سبائے نے کچھ غلط باتیں پھیلائی تھیں۔ ابن سبائے میں یہودی تھا۔ سازش کے تحت مسلمان ہوا۔ ایران کا باشندہ تھا مزاج کا خاندانی تھا اس نے پروپیگنڈہ شروع کیا کہ خلافت حضرت علیؓ کا حق ہے اس لئے کہ آپ ﷺ کے خاندان میں سے تھے۔ گویا حضرت علیؓ کی عظمت ظاہر کرنے کیلئے بہت سی غلط باتیں حضرت علیؓ کی طرف منسوب کی گئیں۔ اس زمانہ میں ایسے لوگوں کو روانہض (چھوڑنے والے) کہا جانے لگا۔ جو ان غلط باتوں کو منسوب کرتے تھے۔

تو ان لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ قرآن کریم کے چالیس پارے تھے۔ آخری دس پارے میں حضرت علیؓ اور اہل بیت کے فضائل تھے اور حضرات شیخینؓ نے نعوذ باللہ ان دس پاروں کو ختم کر دیا۔ اس لئے لوگوں نے حضرت علیؓ سے سوال کیا کہ آپؓ کو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے خصوصی علم دیا گیا ہے جس کی کتاب آپ کے پاس ہے۔؟
حضرت علیؓ نے فرمایا: یہ خیال باطل ہے۔ کتاب تو کتاب اللہ ہی ہے جو بین المدفنین ہے۔

هل عندكم کے مخاطب حضرت علیؑ ہی ہیں مگر تعظیم کیلئے ہے۔ یا اہل بیت کو خطاب ہے مراد حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؑ، حضرات حسنین کریمینؑ ہیں۔ یہ صحیفہ پہلے حضرت ابو بکر صدیقؓ، پھر حضرت عمرؓ پھر حضرت علیؑ کے پاس آیا۔

الكتاب الله

مستثنیٰ مفرغ ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ یعنی صرف کتاب اللہ ہے اور فہم ہے۔ یہ کوئی لکھنے کی چیز نہیں ہے۔

قلت وما في هذه الصحيفة:

[illegible]

علامہ عینیؒ، حافظ ابن حجرؒ استثناء منقطع مانتے ہیں جبکہ ابن منیر اور علامہ ابوالحسن سندھی فرماتے ہیں یہ استثناء متصل ہے۔ اس لئے کہ لو کان الاستثناء من غیر الجنس لکان منصوباً لگا یا حضرت علیؑ کے ارشاد کا مفہوم یہ ہے کہ ہمارے پاس دو مکتوب چیزیں ہیں ایک کتاب اللہ دوسرے اعطاء فہم خداوندی سے مستعطف مسائل۔۔۔ جب کہ ابو حنیفہؒ کے سوال میں مکتوب کی تصریح ہے تو جواب میں اس کی رعایت ضروری ہے۔ (یعنی جو بھی ہے وہ مکتوب ہے۔) کما قال ابن منیر رحمہ اللہ

نیز استثناء متصل ہونے کی ایک اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ ابو حنیفہؒ کے سوال کی حقیقت پر غور کر کے اس کے الفاظ میں معمولی تبدیلی کرنی ہوگی کہ آپ کے پاس کوئی مخصوص علم ہے مکتوب یا غیر مکتوب۔۔۔ جواب میں فرمایا: ہمارے پاس مکتوب یا غیر مکتوب مخصوص علم نہیں۔۔۔ مگر ہاں ایک فہم اللہ تعالیٰ نے ہمیں دی اور ایک وہ جو اس صحیفہ میں ہے۔۔۔ اس صورت میں استثناء متصل مطلق علم سے ہوگا اور مستثنیٰ وہ تمام چیزیں ہوں گی جن کا ذکر فرمایا۔ ۱: کتاب اللہ۔ ۲: نتیجہ فہم۔ ۳: صحیفہ ان میں بعض مکتوب اور بعض غیر مکتوب ہیں۔

علامہ عینیؒ اور حافظ ابن حجرؒ استثناء منقطع فرماتے ہیں: حافظ ابن حجر کے الفاظ ہیں:

والظاهر ان الاستثناء فيه منقطع۔۔۔ والمراد بذكر الفهم امكان الزيادة على ما في الكتاب، جواستنباط، قياسات اور دوسرے (اجتہادی) طریقوں سے مخفی معانی مستخرج ہوتے ہیں۔۔۔ دو استدلال ہیں۔ ایک اس روایت کے ذریعہ جو امام بخاری کتاب الدیات میں لائے ہیں۔ ما عندنا الا ما في القرآن الافهم اعطى رجل في الكتاب۔۔۔ یہاں پہلا استثنا مفرغ اور دوسرا منقطع ہے۔ مفہوم یہ ہے: لیکن اگر اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اپنی کتاب (قرآن کریم) میں فہم عطاء فرمائے تو

یہ قرآن میں جو اشیاء منصوص ہیں وہ ان کے علاوہ دوسری چیزوں کے استنباط پر قدرت پالیتا ہے۔

دوسرا استدلال اس روایت سے ہے جو امام احمدؒ نے طارق بن شہاب کے طریق سے باسناد حسن نقل کی ہے: شہدت علیاً علی المنبر وهو یقول: والله ما عندنا کتاب نقرؤه علیکم الا کتاب الله وهذه الصحيفة۔ اس سے تائید ہوئی ہے کہ لفظ ہم سے حضرت علیؓ کی مراد کوئی لکھی ہوئی چیز نہیں اگرچہ استنباط کے مسائل حضرت علیؓ نے لکھ لئے تھے تو منبر پر اس اعلان میں ضرور ذکر فرماتے۔ لیکن ان کا ذکر نہیں آیا۔ (نعل الباری 139/2)

لا یقتل مسلم بکافر

مسئلہ اختلافیہ:

ائمہ ثلاثہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ مطلقاً کافر کے بدلہ میں مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ خواہ وہ مقتول ذی ہو یا حربی ہو یا مستعان ہو۔ ان کا مسئلہ یہ حدیث ہے۔

امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ ذی اس سے مستثنیٰ ہے۔ اس کے دیگر دلائل موجود ہیں اور وہ یہ ہیں:

(۱) ذمیوں کے بارے میں آپ ﷺ ارشاد فرمائی ہے: اموالہم کاموالنا ودمائہم کدمائنا واعراضہم کاعراضنا۔ معاہدہ کی وجہ سے ان کی تمام چیزیں محفوظ ہو گئیں۔

(۲) نظر طحاوی یہ ہے: جب مسلم ذمی کی چوری کرتا ہے تو مسلم کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے جب مال میں بدلہ ہے تو جان میں بھی بدلہ ہوگا۔

(۳) عقد میل و جان اور عزت کے تحفظ کیلئے ہوتا ہے جب مسلمان کو اس کے بدلہ میں قتل نہ کیا جائے گا تو عقد میل باطل ہو جائے گا۔

حنفی کی دلیل آیت کریمہ: ان النفس بالنفس اس ہے۔

اس میں ”نفس“ کا مطلق ذکر ہے مسلم و کافر کی کوئی قید نہیں۔ (العام 171/2)

حدیث الباب کا جواب:

یہاں کافر سے مراد کافر حربی ہے۔ متامن کو بعض حضرات ذمی کے ساتھ اور بعض حربی کے ساتھ ملاتے ہیں۔ مذکورہ بالا دلائل کی وجہ سے حدیث الباب کی تخصیص کی گئی ہے۔ اور کافر سے مراد حربی کافر ہے۔

جواب ۲: حدیث الباب کا ایک جواب علامہ ابن ہمامؒ نے فتح القدیر میں فرمایا کہ یہ حدیث زمانہ جاہلیت کے بارے میں ہے۔ یعنی اگر وہ جاہلیت میں کسی کو قتل کیا ہو تو قاتل اسلام لے آیا ہو تب اس مسلمان کو اس کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے: لا یقتل مسلم میں مسلم و من فی حکمہ مراد ہے یعنی لفظ مسلم حقیقی اور حکمی دونوں کو شامل ہے حکمی سے مراد ذمی ہے اس لئے کہ انہوں نے حفاظت مال و دم کیلئے جزیہ قبول کیا۔ (نعل الباری 485/1)

علامہ ظفر احمد عثمانی فرماتے ہیں: قصاص کے باب میں عند ابی حنفیہ قاعدہ کلی یہ ہے جس شخص کا خون عصمت مقومہ کے ساتھ علی التابید معصوم ہو اور اس کو عداً قتل کیا جائے اور قصاص لینا مستحضر نہ ہو تو قصاص واجب ہوگا ان میں سے کوئی قید یا شرط معدوم ہو تو قصاص نہیں ہوگا۔ (کشف 420/1) سی طرح یہ اصل بھی پیش نظر رہے کہ اگر کوئی نص کسی اصل کلی کے معارض ہو جائے اور اس نص میں کوئی تاویل نہ چل سکتی ہو تو اصل کلی میں نص کی وجہ سے تخصیص ہوگی اگر نص میں تاویل کا احتمال ہو تو نص میں تاویل کی جائے گی۔ ان احوال کے پیش نظر ذمی کا قصاص واجب ہے حربی کا نہیں اور لا یقتل مومن بکافر کی نص محتمل التاویل ہے اس لئے اس میں کافر حربی کی تاویل کی جائے گی۔ (کشف 261/4)

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں: دل میں ابھی تک یہ ایک چیز ذرا کھٹکتی ہے کہ لا یقتل مسلم بکافر۔ یہ حدیث جو باعتبار ظاہری مفہوم کے ذمی کو بھی شامل ہے اس کے ہوتے ہوئے اور علتِ اباحتِ دم کی موجودگی میں ایک مسلمان کی جان لے لینا۔۔۔ حالانکہ حدودِ شبہات سے ساقط ہو جاتی ہیں۔۔۔ یہ ایک قابلِ تاویل چیز ہے لہذا قالہ الحافظ ابن حجر رحمہ اللہ۔۔۔ ہاں اتنی بات میں کلام نہیں کہ دنیاوی انتظام کھٹیکہ رکھنے کیلئے مسلکِ حنفیہ نہایت ہی افوقِ نظامِ سیاست ہے۔ اتنی بات اور بھی واضح ہے حنفیہ کا مسلک دلیل کے اعتبار سے بہت ہی قوی ہے۔ خزاہی اور لیش کا واقعہ اس پر اول دلیل ہے جس میں تاویل کی گنجائش ہی نہیں۔۔۔ باقی حدیث لا یقتل مسلم بکافر کے جو جوابات دیئے گئے ہیں خصوصاً امام طحاوی کا جواب بہت ہی معقول ہے اس کے مقابلے میں حافظ ابن حجرؒ نے جو احتمال ذکر کیا ہے کہ ولا ذو عہد فی عہدہ میں واؤ استینافیہ ہے عاطفہ نہیں۔ اس کو قبول کرنا محض تاویل ہے۔۔۔ کیونکہ ہر شخص استعمالاتِ عربیہ کے اعتبار سے وجدان و ذوق کی طرف رجوع کر کے دیکھے کہ لا یقتل مسلم بکافر ولا ذو عہد فی عہدہ میں واؤ عاطفہ ہونا چاہیے یا استینافیہ؟ ظاہر یہی ہے کہ ولا یقتل ذو عہد میں اگر واؤ استینافیہ ہو تو یقتل اس جگہ کہاں سے لایا جائے گا۔؟ یہاں تو فقط ”لا“ ہے استعمالات میں ایسا ہی دیکھا جاتا ہے کہ جہاں فعل کو حذف کر کے محض حرف نفی کی تکرار کی جائے۔ حالانکہ نفی کے ساتھ ساتھ فعل بھی مراد ہے ہو وہاں جو واؤ آتی ہے وہ عاطفہ ہی ہوتی ہے۔۔۔ اگر اس کے خلاف کوئی دعویٰ کرتا ہو تو استعمالات میں اس کی نظیر پیش کرے۔ میں یہ نہیں سمجھتا کہ واؤ کو عاطفہ نہ ماننے سے اس جگہ یقتل فعل کہاں سے لایا جائے گا اور لاکھوں لاکھوں کی ترکیب کس طرح کی جائے گی؟ لہذا حافظ کی تاویل کو میں سمجھا نہیں اور اگر یہاں واؤ عاطفہ ہو کافر سے کافر حربی ہونا متعین ہے تو قتل مسلم بالذمی میں اس حدیث سے کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ زائد از زائد یہ کہہ سکتے ہیں کہ قتل مسلم بالذمی سے یہ حدیث ساکت ہے۔ مخالفین کے پاس تو اس کے علاوہ کوئی دلیل نہیں۔ حنفیہ کے پاس علاوہ عوماتِ قرآنیہ اور حدیث ”لہم مالنا“ کے خاص اس واقعہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اعلان مذکورہ موجود ہے (فضل باری 144/2)

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں حنفیہ یہ کہتے ہیں کافر ذمی کے عوض مسلمان کو قتل کیا جائے گا۔۔۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عہد ذمہ کی وجہ سے قتل کیا جائے گا قصاصاً قتل نہیں کیا جائے گا۔ (مسلمان نے بادشاہ کے عہد ذمہ کو توڑا تو قتل کیا جائے گا۔) [امداد باری 375/5]

تشریح حدیث

حدثننا ابو نعیم الخ

ان خزاعہ: یہ آپ ﷺ کے حلیف تھے۔ حضرت اسماعیلؑ اور حضرت ہاجرہؑ سرزمین مکہ میں مقیم تھے۔ تو قبیلہ بنو جرہم کو بھی وہاں قیام کی اجازت دیدی۔ حضرت اسماعیلؑ کی شادی بنو جرہم میں ہوئی۔ پھر بنو خزاعہ اور بنو جرہم کی لڑائی ہوئی تو بنو خزاعہ غالب آگئے۔ اور بیت اللہ شریف پر بنو خزاعہ نے قبضہ کر لیا۔

پھر بنو خزاعہ اور قریش کی لڑائی ہوئی تو قریش نے بیت اللہ شریف پر قبضہ کر لیا۔ اور بنو خزاعہ کو مکہ سے نکال دیا۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ ﷺ نے بنو خزاعہ کو اختیار دیا کہ جس کے ساتھ مل کر چاہو حلیف بن جاؤ۔ بنو خزاعہ عداوت قریش کی وجہ سے آپ ﷺ کے حلیف بن گئے۔ اور بنو لویہ کفار کے حلیف بن گئے۔ یہ معاہدہ ہوا کہ کوئی کسی پر حملہ نہیں کرے گا اور یہ طے پایا کہ قتل حلیف قتل اصل ہے۔ دو سال بعد بنو لویہ نے بنو خزاعہ کا آدمی قتل کر دیا انہوں نے آپ ﷺ کو اطلاع دی۔ آپ ﷺ نے قریش سے فرمایا: قاتل حوالہ کرو ورنہ معاہدہ ختم۔ انہوں نے قاتل سپرد کرنے سے انکار کر دیا۔ آپ ﷺ نے نقش عہد کا اعلان فرما کر مکہ مکرمہ پر چڑھائی کر دی اور فتح حاصل کر لی بعد ازاں فتح بنو خزاعہ نے بنو لویہ کا آدمی قتل کر دیا۔ آپ ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ قصاص یا دیت دی جائے۔

فتح مکہ کے سال خزاعہ نے بنو لویہ کے کسی آدمی کو قتل کیا تھا بنو لویہ پہلے خزاعہ کا آدمی مار چکے تھے آپ ﷺ کو اطلاع ہوئی تو تقریر فرمائی کہ اس قتل کی دیت میں دیتا ہوں مگر آئندہ قتل ہوگا تو قاتل مقتول کے درخواہ کو سوچ دیا جائے گا پھر ان کو دیت اور قصاص کے درمیان اختیار ہوگا۔ (صحیحہ 405/1)

جاہلیت میں ابن الاکوع نے خزاعہ کے امرو نامی شخص کو قتل کیا تھا فتح مکہ کے موقع پر خراش بن امیہ خزاعی نے اس کا بدلہ لیا اور ابن الاکوع ہڈی کو قتل کر ڈالا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے قتل و قتال سے منع فرمایا اور خون بہا دیا۔ (کشف 270/4)

وَلَا تَلْتَقِطْ مَا قَطَّهَا إِلَّا لِمَنْ شَاءَ:

یعنی حرم میں کوئی گری پڑی چیز نہ اٹھائی جائے سوا اس کے جو تعریف اور اعلان کرنا چاہے۔ علامہ ابن قیمؒ نے بعض حضرات سے نقل کیا کہ مکہ مکرمہ کی تخصیص اس لئے کہ وہی شخص یہاں کے لفظ کو اٹھا سکتا ہے جو لوگوں کے متفرق ہونے اور چلے جانے سے پہلے تعریف کر سکتا ہو یہاں لوگ چلے جاتے ہیں اس لئے بسا اوقات ایک تعریف مفید نہیں ہوگی۔ (کشف 285/4)

نیز ذہن میں رہے فائدہ کم شدہ چیز کو طبعی طور پر گمشدگی کی جگہ پر تلاش کرنے آتا ہے تو یہ تاکید ہے کہ اس کو وہاں سے مت

اٹھاؤ تا کہ فاقد آ کر خود وہاں سے اٹھالے۔۔۔ مگر ایسا متعدد جو یقینی طور پر مالک کو پہنچانے تک حمام مراحل شرعیہ طے کر سکے۔۔۔ (اعامہ باری 174/2)

سوال: اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ غیر حرم کا قتل تعریف نہ کرنے والے کے لئے بھی اٹھانا جائز ہے۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں۔
جواب: حرم میں عام طور پر مشاغل ایسے ہو جاتے ہیں کہ لفظ کی تعریف مشکل ہو جاتی ہے اس لئے خصوصیت سے فرمایا کہ تعریف کرنے والی اٹھائے۔ چونکہ یہاں مواقع تعریف موجود ہیں۔

جواب ۲: حرم میں چونکہ تعریف انتہائی مشکل ہے دراصل یہاں اٹھانے سے ہی منع کرنا ہے نہ کہ استثناء ہے۔
فہو بخیر النظرین: مرجع قتل ہے اور مراد اہل من قتل ہے یعنی ورثاء۔ امام شافعیؒ کے ہاں مرجع قاتل ہے۔
امان یعقل و امان یقاد: مراد یہ ہے کہ دونوں میں ورثاء مختار ہیں خواہ دیت لیں اور چاہے قصاص لیں۔

فہو بخیر النظرین:

فہو یہاں ظاہر میں ضمیر مقتول کی طرف راجع ہے لیکن معنی مقتول کے اولیاء کی طرف ہے کہ اولیاء مقتول کو دو اختیار ہیں۔ ایک ملے گا امان یعقل میں مقتول کی دیت کو امان یقاد یا پھر قاتل کو برائے قصاص اولیاء مقتول کے سپرد کر دیا جائے۔ ترکیب کے اعتبار سے یہ جملہ ذرا مشکل معلوم ہوتا ہے کہ یقاد کا نائب فاعل بظاہر اہل القتل ہے لیکن اس صورت میں معنی بگڑ جاتے ہیں کیونکہ معنی یہ ہوں گے ”اہل القتل“ سے قصاص لیا جائے۔ اس لئے کچھ حضرات نے کہا کہ یہاں یقاد یمكن لنا القود کے معنی میں ہے کہ اہل قتل کو قصاص لینے کی طاقت دی جائے۔

تاہم اس کی دوسری ترکیب جو مجھے زیادہ بہتر لگی ہے وہ یہ ہے کہ آپ شروع میں فرمایا: فہو بخیر النظرین الخ۔ اس میں سوال پیدا ہوا کہ ہو کا مرجع و مصداق کون ہے: تو آپ ﷺ نے امان یعقل و امان یقاد کے بعد اہل القتل فرما کر ہو کا مرجع و مصداق متعین فرمادیا۔ (اعامہ 174/2)

مسئلہ اختلافیہ: اگر کوئی شخص کسی کو قتل کر دے تو اہل قتل کو اختیار ہے کہ خواہ دیت لے یا قصاص۔ یہ اتفاقی مسئلہ ہے۔ قاتل کو عندا مجہو اختیار ہے خواہ دیت دے یا قصاص۔ دونوں میں تساوی ہے۔ امام اعظمؒ تساوی کے قائل نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ قاتل کو اختیار نہیں۔ اصل حکم قصاص ہے۔ تاہم ورثاء کو اختیار ہے کہ وہ قصاص معاف کر کے دیت لے لیں۔

امام صاحبؒ کی دلیل: ولکم فی القصاص حیوة الخ

دوسری دلیل: حدیث میں ہے: کتاب اللہ القصاص۔ ای حکم کتاب اللہ القصاص۔

دلیل شوافع: حدیث الباب میں تقابل ہے۔ امان یعقل و امان یقاد۔ اس لئے قاتل کو اختیار ہے۔ فہو کا مرجع قاتل ہے۔

حدیث الباب کا جواب: دیت کا حکم مصالحت پر مبنی ہے یا تو قصاص دو یا پھر دیت پر مصالحت کرلو۔

حدیث الباب فہو بخیر النظرین حضرات شوافع کا مسئلہ ہے جس سے مراد وہ فہو بخیر النظرین لیتے ہیں۔

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں: بخیر جار مجرور ہے اس کیلئے ایسے متعلق کی ضرورت ہے جسے باء جارہ کے ذریعہ متعدی بنایا گیا ہو۔

جیسے عامل، مرضی یا ماموز۔۔۔ یہاں مخیر کی تقدیر پر متعدی بذریعہ باء نہ ہونے کی وجہ سے مناسب نہیں۔ لیکن مرضی بخیر النظرین کا مصداق یہ ہوگا کہ مقتول کے ولی کو بخیر النظرین پر راضی کیا جائے اور اسے سمجھا جائے کہ حزن و غم عارضی بات ہے اس کی شدت کچھ عرصہ بعد جاتی رہے گی دیت تمہارے اور قاتل دونوں کے حق میں ”بخیر النظرین“ ہے۔ اسی طرح قاتل کو بھی راضی کیا جائے گا۔۔۔ اب جبکہ مخیر کے ساتھی مرضی وغیرہ کی تقدیر کا احتمال ہے تو حضرات شوافع حدیث باب کو اپنے مدعی پر نص نہیں کہہ سکتے۔

اس احتمال کے بعد اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فہو بخیر النظرین کے صحیح معنی کیا ہیں۔۔۔ اصل میں آپ ﷺ کے اس ارشاد کا مقصد شریعت اسلامیہ کی وسعت کو بیان کرنا ہے۔ قتل کی صورت میں قصاص اور دیت دونوں کی آزادی نہ شریعت عیسوی میں تھی نہ موسوی میں۔ عیسوی میں صرف دیت اور موسوی میں صرف قصاص تھا۔ ان کے تقابل سے شریعت اسلامیہ کی وسعت دیکھئے اس میں نہ قصاص پر مجبور کیا جاتا ہے نہ دیت پر۔ قاتل اور اولیاء مقتول کے حق میں جو صورت مناسب ہو اسی کو اختیار کیا جاتا ہے۔ اب رہی یہ بات کہ قصاص اور دیت دونوں میں ہی سے اولیاء مقتول جو چاہیں قاتل کی مرضی کے بغیر اختیار کر سکتے ہیں۔ یہ مقصد امر حدیث سے زائد چیز ہے۔ (والتفصیل فی کتاب الدیات) [فضل الباری 147/2]

اکتبوا الابی فلان: بعض روایات میں تصریح ہے: اکتبوا الابی شاہ۔ اس سے کتابت حدیث کا جواز نکل آیا۔ اور ترجمہ الباب سے مطابقت ہوئی۔ (یہ ابوشاہ نابینا تھے)

حضرت عباسؓ کی درخواست پر الا الاذخر کا استشناء فوری طہر پر منجانب اللہ یا بحیثیت شارع آپ ﷺ نے فرمادیا۔ (انعام 177/2) حد ثنا علی ابن عبد اللہ: اس حدیث میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمروؓ جو کبار صحابہؓ میں سے ہیں وہ آپ ﷺ کے اقوال و افعال لکھا کرتے تھے۔ اس سے بھی کتابت کا جواز معلوم ہوا۔ اگر جائز نہ ہوتا تو وہ نہ لکھتے۔

ترجمہ سے مطابقت

باب کی پہلی حدیث سیدنا علیؓ سے تھی۔ ان کے صحیفہ کے بارے میں امکان تھا کہ انہوں نے وہ آپ ﷺ کے وصال کے بعد از خود لکھا ہو اور روایت ہذا اکتبوا الابی فلان سے جواز کتابت بحکم النبی ﷺ ثابت ہے۔ حضرت ابوشاہ یمنی نابینا اور امی آدمی تھے مگر پھر بھی یہ شبہ امکان تھا یہ حکم کتابت عذر کی وجہ سے ہے کہ وہ نابینا تھے۔ حضرت عبد اللہ بن عمروؓ کی روایت سے اجازۃ نبوی ﷺ سے عمل کتابت کا جواز بلا عذر ہے۔ (فضل الباری 147/2)

سوال: یہاں سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمروؓ کی روایات زیادہ ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی کم ہیں جبکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔

جواب: روایات کے طریق سے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایات زیادہ ہیں۔ البتہ لکھنے کے اعتبار سے حضرت عبد اللہ بن عمروؓ کی زیادہ ہیں۔

(۱) حضرت عبداللہ بن عمروؓ پر ذوق علم کی بجائے شوق عبادت غالب تھا۔ اسلئے کم روایت کی۔

(۲) باقاعدہ حلقہ درس و تلامذہ نہ تھا اس لئے نقل روایت کم ہوئیں۔

(۳) مصر اور طائف میں آمد و رفت رہی وہاں طالبان حدیث کم تھے۔

جبکہ سیدنا ابوہریرہؓ مرکز علم مدینہ طیبہ میں تھے جہاں ہر جہت سے طالبان کشاں کشاں آتے تھے۔ اس لئے حضرت ابوہریرہؓ کی نقل روایات زیادہ ہیں سیدنا ابوہریرہؓ کی مرویات پانچ ہزار تین سو بہتر (5372) اور حضرت ابن عمروؓ کی سات سو سے زیادہ نہیں۔

(۴) سیدنا ابوہریرہؓ نے اپنی مرویات کی کمی جزاً نہیں کی کیونکہ حضرت ابن عمروؓ کے بارے میں ان کا خیال ہے چونکہ وہ لکھتے تھے تو ہوسکتا ہے ان کا مجموعہ احادیث زیادہ ہو۔ اسلئے کہ الاماکان من عبد اللہ بن عمرو کے لفظ ہیں یہ تعمیر عام طور پر اس وقت اختیار کی جاتی ہے جب مستثنیٰ کے بارے میں کامل جزم و بھروسہ نہ ہو۔ اور یہ تعمیر ہے کہ ہوسکتا ہے حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی مرویات زیادہ ہوں۔ (انعام الباری 179/2)

اسباب کثرة روایات ابی ہریرہؓ

اس کے دو سبب ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کو کچھ اسرار امیلیات یاد تھیں اس لئے خلط کے خوف سے وہ خود روایت کرنے اور لوگ ان سے روایت لینے میں احتیاط کرتے تھے۔

حضرت ابوہریرہؓ کو حفظ روایات زیادہ تھا اور حافظ کہیں بھی سنا سکتا ہے کیونکہ اس کو لکھے ہوئے کی احتیاج نہیں ہوتی۔

سوال: حضرت ابوہریرہؓ کو زیادہ کیوں یاد تھیں؟

جواب: اس کے دو سبب ہیں: ۱: کثرت ملازمہ۔ ہر وقت آپ ﷺ کے دربار شریف میں پڑے رہتے تھے۔

۲: دوسرا استاذ یعنی دعاء نبوی ﷺ۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں: میں نے ایک موقع پر عرض کیا کہ مجھے احادیث بھول جاتی ہیں۔ فرمایا: چادر بچھاؤ۔ میں نے چادر پھیلا دی۔ تو آپ ﷺ نے لپ بھر کر اس میں کچھ ڈالا۔ اور فرمایا لپیٹ لو تو میں نے اس کو لپیٹ لیا اس کے بعد میں کبھی نہیں بھولا۔ یہ ایک امتیازی طریق اعطاء علم کا تھا تو اشاعت بھی امت میں امتیازی ہوئی۔

روایات کا تعارض دور کرنے کیلئے یہ توجیہ پیش نظر رہے کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ تو احادیث سنتے ہی فوراً لکھ لیتے لیکن حضرت ابوہریرہؓ بکثرت احادیث جمع ہونے کے بعد لکھتے۔ اسی لئے مستدرک حاکم میں حضرت ابوہریرہؓ کے صحیفہ

کا ان کے پاس ہونے کا ثبوت ہے۔ (انعام الباری 180/2)

امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ سیدنا ابوہریرہؓ سے آٹھ سوتالیعین نے روایت کی ہے۔ (نصر الباری 490/1)

حدیث قرطاس

حدثنا يحيى بن سليمان الخ

حدیث قرطاس کا واقعہ وصال مبارک سے چار روز قبل یوم الخمیس کا ہے۔ آپ ﷺ اس وقت بہت تکلیف تھی۔ اسی حالت میں ارشاد فرمایا: کاغذ قلم دوات لاؤ۔ تاکہ میں تمہیں لکھوا دوں کہ تم میرے بعد بہک نہ جاؤ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ آپ ﷺ اس وقت تکلیف غالب ہے اس لئے ہمیں چاہیے کہ اس وقت آپ ﷺ کو تکلیف نہ دیں۔ جیسے شفیق استاذِ حالتِ مرض میں کہے کہ میں پڑھاتا ہوں مگر شاکر عرض کرے کہ اس وقت رہنے دیجئے۔

ایتونی بکتاب:

آپ ﷺ نے جو کتاب منگوائی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ میں لکھنے کا رواج تھا۔ اس لئے مرضِ الوفات میں کاغذ لانے کا ارشاد فرمایا۔ روافض نے حضرت عمرؓ پر جو مطاعن قائم کئے ہیں ان میں سے ایک بہت بڑا طعن یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے آخر کیوں منع فرمایا؟

جواب ۱: آپ ﷺ صحت و تخفیفِ مرض کا ارادہ فرمایا کہ جوں ہی طبیعت بحال ہوتی ہے لکھوالیں گے۔
جواب ۲: کیا صرف عمرؓ ہی اس امر کتابت کے مخاطب تھے۔ صیغہ جمع دلیل ہے کہ سب موجودین اس کے مخاطب تھے۔ کیا حضرت عمرؓ کا اتنا رعب و دبدبہ تھا کہ کوئی بھی اور کتاب قلم نہ لاسکا۔ پھر جب حضرت عمرؓ نماز وغیرہ کیلئے جاتے تو ان کی عدم موجودگی میں بھی لکھوایا جاسکتا تھا۔ مگر کسی نے بھی نہ لکھوایا۔ یہ سب حضرات کا حضرت عمرؓ سے اتفاق تھا۔
جواب ۳: ان کلمات کے بعد آپ ﷺ رہے مگر کسی نے بھی ہمت نہ کی کہ لکھوالیا ہوتا۔

جواب ۴: جو آپ ﷺ لکھوانا چاہتے تھے وہ درجہ استجاب کی کوئی چیز تھی ورنہ لازم آئے گا کہ آپ ﷺ نے حق تبلیغ نداد کیا۔ اور درجہ واجب کی چیز نہ لکھوا کر تکمیلِ دین کے بغیر دنیا سے تشریف لے گئے۔ نعوذ باللہ من ذلک۔
جواب ۵: آپ ﷺ امتحانِ سوال فرمایا کرتے تھے۔ یہ بھی امتحان تھا۔ صحابہ کرامؓ سمجھ گئے کہ امتحانِ سوال ہے اور آپ ﷺ نے اصحاب کا ثبوت دیکھنا چاہتے تھے کہ کیا ان کو یقین ہے کہ تکمیلِ دین ہو چکی ہے۔ جب حضرت عمرؓ نے کہ دیا کہ کتاب اللہ حسبنہ جو صیغہ جمع کے ساتھ ہے تو آپ ﷺ موش ہو گئے۔

جواب ۵: حضرت عمرؓ کی موافقت رائے والی خصوصیت تھی۔ بہت سی باتیں اللہ تعالیٰ کے نازل کرنے کا ارادہ ہوتا تو وہ پہلے ہی حضرت عمرؓ کی زبان پر آجاتی تھیں۔ اسی طرح حضرت عمرؓ کے مشورہ پر آپ ﷺ نے اپنے مشورہ کو بدل دیا۔ حضور اقدس ﷺ نے حضرت عمرؓ کی رائے سے اتفاق فرمایا۔

جیسے وہ حدیث مشہور ہے کہ آپ ﷺ غ میں تشریف لے گئے تھے۔ اور حضرت ابوہریرہؓ تلاش کرتے وہاں پہنچ گئے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنا جوتا عطا فرمایا اور حضرت ابوہریرہؓ سے فرمایا: تجھے جو ملے اس کو بتا دو۔ جو شخص لا الہ الا اللہ

کہدے وہ جنت میں جائے گا۔ حضرت عمرؓ سے راستہ میں ملاقات ہوئی تو یہ خوشخبری ان کو دی۔ تو انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ کو یہ خوشخبری مزید دینے سے روک دیا۔ جب آپ ﷺ خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا: لوگ تو اس پر بھروسہ کر کے بیٹھ جائیں گے تو آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ کے مشورہ کو قبول فرما کر مزید تبشیر بشریٰ سے روک دیا۔ تو حضرت عمرؓ کی رائے سے موافقت فرمادی۔ جبکہ اس کام پر حضرت ابوہریرہؓ کو مامور فرمادیا تھا اور وہ تکمیل امر شروع کر چکے تھے۔

جواب ۷: فتح الباری میں مسند احمد سے نقل فرمایا کہ حضرت علیؓ کو حکم دیا تھا کہ کاغذ قلم لاؤ اور مناسب حال بھی وہی معلوم ہوتا تھا کیونکہ وہ اہل بیت نبوی ﷺ سے تھے۔

اب سوال یہ ہے کہ حضرت علیؓ جب براہ راست مخاطب تھے اور مناسب حال بھی یہی تھا وہ کیوں رک گئے۔ اس لئے روافض کو کہا جائے گا: فماہو جو ابکم فہو جو ابنا۔

جواب ۸: اگر دین کی کوئی ضروری چیز لکھوانی ہوتی تو خود حضور اقدس ﷺ گزرنہ رکستے۔ بلکہ حضرت عمرؓ کو ڈانٹ کر کاغذ منگوا کر لکھوا دیتے۔ مگر آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا۔ معلوم ہوا آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ کی رائے پسند تھی۔

جواب ۹: کوئی نیا حکم دینا مقصود نہیں تھا بلکہ احکام گزشتہ کی تاکید مقصود تھی۔ اور اس کی دلیل وہ روایت ہے جو حضرت علیؓ سے مروی ہے آپ ﷺ نے مجھے اپنی بیماری میں قلم و دوات لانے کا حکم دیا تو میں نے عرض کیا آپ فرمائیے میں اس کو محفوظ رکھوں گا۔

اس پر آپ ﷺ نے احکام الصدقات، اخراج کفار من جزیرۃ العرب، اجازت وفود اور وصیۃ بالانصار کو ذکر فرمایا۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کوئی حکم جدید مقصود نہیں تھا۔

جواب ۱۰: حضرت عمرؓ کا منع کرنا غلبہ محبت میں تھا اور حقیقتہً تھا کہ اس تکلیف کے عالم میں مزید تکلیف دینا بہتر نہیں ہے۔ اس لئے کہ ان کے علم میں تھا کہ آپ ﷺ زندگی میں بخاری دو گنا ہوتا تھا۔ تو موجودہ تکلیف کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

اگر بالفرض یہ غلبہ محبت میں روکنا بھی مخالفت رسول ہے تو یہی اعتراض حضرت علیؓ پر وارد ہوتا ہے کہ انہوں نے کیوں نہ لکھا۔ اسی طرح صحیح حدیبیہ میں آپ ﷺ نے حکم دیا علی الفظ رسول اللہ مشاؤد جو کفار کا مطالبہ تھا لیکن حضرت علیؓ نے غلبہ محبت میں عرض کیا میں تو نہیں مشاؤں گا۔ چنانچہ نہیں مشایا۔ تو کیا معاذ اللہ یہ مخالفت رسول اللہ ہے؟ فماہو جو ابکم فہو جو ابنا۔

فائدہ: اہل سنت والجماعت کے ہاں حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ دونوں کا طرز عمل محبت نبوی ﷺ میں تھا۔

فخرج ابن عباس رضی اللہ عنہما یقول: ان الرزۃ کل الرزۃ:

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے تحفہ ثنائی عشریہ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ نے بھی لکھا ہے حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول ان الرزۃ محض ایک شبہ کا ظہار تھا۔ کیونکہ اسی مجلس میں کبار صحابہؓ حضرات شیخینؓ تھے جو مزاج نبوت کو حضرت ابن عباسؓ سے بدرجہا بہتر جانتے تھے۔

اس وقت حضرت ابن عباسؓ بالکل نو عمر تھے اور کل عمر ۱۳ برس تھی لہذا اس امر کا جوابی یا انتخابی ہونا حضرات شیخینؓ اچھی طرح سمجھتے تھے۔ علامہ عینیؒ نے لکھا ہے ان الفاظ کے ظاہر سے یہ مفہوم ہوتا ہے حضرت ابن عباسؓ مجلس واقعہ قرطاس سے یہ فرماتے ہوئے

چلے گئے۔ حالانکہ یہ حقیقت کے مطابق بالکل نہیں ہے۔ بلکہ اس خروج کا تعلق مجلس درس ثلاثہ سے ہے۔ نہ کہ اس مجلس

واقعہ قرطاس سے۔ یعنی اس واقعہ کے کافی عرصہ بعد حضرت ابن عباسؓ نے اپنے تلامذہ کو واقعہ قرطاس سنایا اور اس سے فارغ ہو کر مجلس سے اٹھے اس وقت ان الرزۃ کل الرزۃ فرماتے ہوئے نکل گئے۔

امام بخاریؒ نے کتاب الاعتصام میں اس روایت کی تخریج کی ہے۔ اس میں فخر ابن عباسؓ کی جگہ ”وکان ابن عباسؓ یقول“ آتا ہے۔ اور ابو نعیمؒ نے اس روایت کی تخریج کرتے ہوئے فرمایا:

قال عبید اللہ فسمعت ابن عباسؓ یقول ان الرزۃ کل الرزۃ۔

عبید اللہ تابعی ہیں۔ جو بالیقین مجلس قرطاس میں نہیں تھے۔ لہذا الاحمال یہ کہا جائے گا ابن عباسؓ کے قول اور خروج کا تعلق مجلس تلامذہ سے ہے۔

فائدہ: بعض محدثین کرام کے نزدیک آپ ﷺ یسے اصول و ضوابط لکھوانا چاہتے تھے جن سے امت کے اندر اختلاف ختم ہو جائے پھر آپ ﷺ نے اجتہاد کو جاری رکھنے کیلئے یہ ارادہ ترک فرمادیا۔

یہ بات روایات سے ثابت ہے کہ حضرت عمرؓ کا یہ اعتقاد تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک دنیا سے تشریف نہیں لے جائیں گے جب تک سارے منافقین ختم نہیں ہو جاتے۔ (وصال نبوی ﷺ کے وقت اسی کیفیت کا اظہار تھا) اسی لئے مجلس قرطاس میں ہی لکھوانے کی ضرورت نہیں۔ آپ ﷺ کو ہو جائیں گے تو لکھوالیں گے (کیونکہ منافقین کا علم ہلا دینی ممکن نہیں تو صاحب دینی کا بقا ضروری ہے۔) [انعام الباری 186/2]

حضرت عمرؓ کا خیال تھا ایسے موقع پر تحریر لکھوانے سے منافقین سے تلپیس کا اندیشہ تھا کتاب اللہ موجود ہے لہذا فی الحال تحریر کی ضرورت نہیں۔ (کشف 336/4-335)

یہ بھی امکان ہے اس موقع پر آپ ﷺ وصایا لکھوانا چاہتے ہوں جو بعد میں فرمائیں: (۱) خراج مشرکین عن جزيرة العرب۔ (۲) اکرام والعام وفود۔ (۳) عمل بالقرآن (۴) حیش اسامہ کی حتی روانگی۔ (۵) اہتمام صلوٰۃ۔ (۶) غلاموں کے حقوق کی رعایت۔ (۷) قبر مبارک پر شرک نہ ہو۔ (کشف 334/4)

کیا خلافت علیؓ لکھوانا مقصود تھا؟

بعض لوگ یہ کہتے ہیں حضرت علیؓ کی خلافت لکھوانا چاہتے تھے۔۔۔ لیکن حرام احادیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے تو اشارے ملتے ہیں نہ کہ حضرت علیؓ کے۔۔۔ چنانچہ مسلم شریف کی روایت میں ہے رسول اللہ ﷺ نے اوائل مرض میں حضرت عائشہؓ سے فرمایا: ادعی اباک و اخاک۔ حتی اکتب کتابا فانی اخاف ان یعمنی معنی ویقول قائل ویابی اللہ و المؤمنون الا ابابکرؓ تو یہ تصریح ہے چہ جائیکہ اشارہ۔

نیز ایک روایت میں ہے حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ سے کہا بنو ہاشم کے وصال کے وقت جو آثار ان کے چہرے پر

آتے ہیں وہ آثار میں نبی اکرم ﷺ کے چہرے پر دیکھ رہا ہوں آپ ﷺ وفات ہونے والی ہے اور تین دن کے بعد تو ڈنڈے کے نیچے آجائے گا یعنی محکوم بن جائے گا۔ اس لئے میرے ساتھ چل اور ہم جا کر رسول اللہ ﷺ سے بات کریں: یا رسول اللہ! اگر آپ کے بعد حکومت ہمارے حصہ میں آئی ہے تو ابھی لوگوں کو صراحت کر دیں اور اگر ہمارے حصہ میں نہیں ہے تو بعد میں جو حاکم بننے والا ہے اس کو کہیں کہ ہمارا خیال رکھے۔

حضرت علیؓ نے جواب میں کہا۔ میں تو نہیں جانتا۔ کیونکہ اگر حضور اقدس ﷺ نے فرما دیا کہ تمہارا حق نہیں تو پھر ہمیشہ کیلئے حکومت میں آنے کا موقع نہیں مل سکے گا۔ یہ روایت صراحۃً دلالت کرتی ہے حضرت علیؓ کو اپنے متعلق کوئی امید نہیں تھی کہ آپ ﷺ فرمادیں یہ حاکم ہے۔

آپ ﷺ لکھوانا چاہتے تھے؟ اس سلسلہ میں قیاس آرائیوں سے کوئی فائدہ نہیں۔ جب آپ ﷺ نے لکھوایا نہ بتلایا اب کوئی یہ بات کیسے جان سکتا ہے۔؟ ایک ظاہری احتمال حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت کی صراحت ہے وہ بھی اس لئے کہ آپ نے اس خواہش کا اظہار فرمایا۔ (حفۃ الثاری 408/1)

اہل تشیع کے نزدیک مدار خلافت قرابت اور علاقہ مصاہرت ہے اس لئے حضرت علیؓ قریبی رشتہ دار اور داماد تھے تو مستحق خلافت بھی ہوئے۔ اہل سنت کے ہاں مدار تقرب خدا اور رسول ہے۔ خلافت نبوۃ کورشتہ داری سے کیا واسطہ؟ لیکن اگر قرابت نسبی کو مد نظر رکھا جائے تو یا آپ ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ یا آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ خلیفہ ہوتیں۔ حضرت فاطمہؓ کے بعد حضرت حسنؓ خلیفہ دوم اور ان کے بعد حضرت حسینؓ خلیفہ سوم اور ان کے بعد حضرت علیؓ حیات ہوتے تو پھر خلیفہ چہارم ہوتے۔ حاصل یہ کہ اگر خلافت کا مدار قرابت پر ہوتا تو شیعوں کے ہاں اس قاعدہ کی بنیاد پر بھی حضرت علیؓ کو خلیفہ چہارم ہی بنتے تو اہل سنت تو پھر بے قصور ٹھہرے۔؟ نیز حضرات انصار و مہاجرین کی بیعت سے حضرت علیؓ کو خلافت ملی اس میں شیعوں کا دور دور تک کوئی کردار نہیں۔

اگر مدار خلافت مصاہرت کو قرار دیا جائے تب بھی حضرت علیؓ کے مقابل میں حضرت عثمان غنیؓ سب سے زیادہ خلافت بلا فصل کے مستحق تھے اس لئے کہ وہ دوہرے داماد اور ذی النورین تھے۔ اگرچہ دونوں صاحبزادیاں دور نبوت میں ہی انتقال کر گئیں یہ امر خلافت کو اہل نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ شرف کی بنیاد کا ح ہے جیسے سید تقاطمہؓ کے انتقال کے باوجود حضرت علیؓ کا شرف باقی ہے

نوٹ: بنات اربعہ کا ثبوت اصول کافی کلینی (ص 278) میں موجود ہے۔ (کشف 382/4)

40 بابُ الْعِلْمِ وَالْعِظَةِ بِاللَّيْلِ۔۔۔ رات کو علم اور نصیحت کی باتیں کرنا

حَدَّثَنَا صَدَقَةُ أَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ هِنْدٍ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ وَعَمْرِو بْنِ سَعِيدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ هِنْدٍ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ اسْتَيْقِظَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَقَالَ سُبْحَانَ اللَّهِ مَاذَا أُنْزِلَ اللَّيْلَةَ مِنَ الْفَتَنِ وَمَاذَا افْتُحَ مِنَ الْخَزَائِنِ أَنْ يَقْظُوا أَصْوَابَ حَبَابِ الْخَجَرِ قَرَّبَ كَاسِيَةً فِي الدُّنْيَا عَارِيَةً فِي الْآخِرَةِ

ترجمہ: حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے ایک رات نبی ﷺ جاگ اٹھے اور فرمایا سبحان اللہ! اس رات کتنے فتنے اتارے گئے اور کتنے خزانے کھولے گئے، حجرے والیوں کو جگا دیا، پس بہت سی دنیا میں کپڑا پہننے والی آخرت میں ننگی ہوں گی۔

رہطا: باب سابق میں علمی مضامین کی حفاظت و تبلیغ کیلئے بذریعہ تحریر محنت پر دلیل تھی۔ اب رات کے اوقات میں وعظ و تعلیم، حصول تعلیم میں محنت شدید کی دلیل ہے۔ علامہؒ فرماتے ہیں بعض نسخوں میں العظیٰ کی بجائے البقظۃ آیا ہے یہ حدیث الباب کے لفظ ایقظوا سے زیادہ انسب ہے ایقظا زیادتی محنت پر بخوبی دال ہے۔ (فضل باری 154/2)

رہطا ۲: امام بخاریؒ سفینہ کے بعد سینہ میں حفاظت کا طریق بتلا رہے ہیں۔ مشہور ہے: خواندن شب بردل نقش می شدن۔ (نور باری 499/1)

غرض ترجمہ: عِظَہ کا معنی نصیحت ہے اس ترجمہ سے مقصد یہ ہے تذکیر و تعلیم میں سامعین کے نشاط کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے تعلیم و تذکیر میں سروسہولت کا حکم دیا ہے۔ لیکن اس سے یہ اشکال ہو سکتا تھا کہ تعلیم و تذکیر کیلئے رات میں وعظ کی مجلس منعقد کرنا پسندیدہ نہ ہو امام بخاریؒ نے اس شبہ کو دور فرمایا: عند الضرورت ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس لئے کہ آپ ﷺ نے سونے والوں کو بیدار فرما کر تعلیم دی اور وعظ فرمایا۔ نیز بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے عشاء سے پہلے نہیں سونا چاہیے تاکہ عشاء فوت نہ ہو۔ مگر عشاء کے بعد فوراً سوجانا چاہیے۔ باتیں کرنا پسندیدہ نہیں ہے کہیں تہجد یا صبح کی نماز فوت نہ ہو جائے۔

امام بخاریؒ یہ فرمانا چاہتے ہیں علمی گفتگو اور وعظ و نصیحت اس سے مستثنیٰ ہے۔ ممانعت غیر ضروری باتوں کی ہے۔ ایقظوا صواحب الحجر بعض روایات میں صواحبات الحجر ہے یہ کلمات مبارکہ حضرت ام سلمہؓ کی باری میں ارشاد فرمائے۔

ترجمہ: الباب کے دو جز ہیں۔ ۱: علم ۲: نصیحت۔ انزل اللیلۃ سے پہلا جز ثابت ہوا کہ ان چیزوں کا علم آپ کو عطا کیا گیا۔ ایقظوا صواحب الحجر سے دوسرا جز یعنی وعظ و نصیحت کا ثبوت ہوا۔ (نور باری 500/1)

تشریح حدیث

ماذا انزل اللیلۃ:

انزال کے حقیقی معنی اوپر سے نیچے اتارنا ہے بعض لوگوں نے اس کو حقیقی معنوں پر محمول کیا ہے اور اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ عالم الغیب سے اس رات عالم مثال میں فتن و خزاں کا نزول ہوا اور آپ ﷺ اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے ماذا انزل اللیلۃ فرمایا۔

”عالم مثال“ عالم غیب اور عالم شہادۃ کے درمیان ہے اس میں کچھ خصوصیات عالم غیب کی پائی جاتی ہیں جیسے غیر مادی ہونا،

اور کچھ خصوصیات عالم شہادت کی پائی جاتی ہیں جیسے شکل و صورت اور مقدار، جہت و حدود کا ہونا۔۔۔ اور بعض حضرات نے ”انزال“ کے معنی مجازی مراد لئے ہیں۔۔۔ یعنی فرشتوں کو بتلانا۔۔۔ جن خزانِ فتن کا واقع ہونا مقدر کیا گیا ان کو جاری کرنے اور نافذ کرنے کیلئے فرشتوں کو بتلانا مقصود ہے۔

علامہ واقدیؒ فرماتے ہیں ما ذا انزل اللیلة من الفتن اور ما ذا فتن من الخزان و نول ایک ہی ہیں دوسرا جملہ پہلے کی تاکید ہے کیونکہ خزانِ مفتوحہ سبب فتن بن جاتے ہیں۔ (کشف 399/4)

لیکن ظاہر یہی ہے کہ یہ الگ الگ ہیں اولاً خواب دیکھا کہ وقوعِ فتن اور حصولِ خزان ہوں گے۔۔۔ بیداری کے بعد تعبیر یا وحی کے ذریعہ اس کی حقیقت معلوم ہو گئی۔ (کشف 399/4)

فتن سے مراد وہ فتنے جو آپ ﷺ کے بعد مسلمانوں میں ظاہر ہوئے۔۔۔ اور خزان سے مراد یا تو رحمت ہے یا روم و فارس کے خزانے ہیں۔ پہلا معنی ہوتا انزال بالفعل مراد ہوگا۔۔۔ بعض حضرات نے خزانِ فتن کو ایک قراردیتے ہوئے فارس و روم کے خزانوں کو مراد لیا ہے کہ جن لوگوں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور ان کے حقوق ادا کئے ان کیلئے رحمت ثابت ہوئے۔۔۔ اور جنہوں نے ناشکری کی ان کیلئے وہ زحمت اور فتنے بنے۔

فتن و خزان کا ایک ساتھ جمع کرنے کا یہ منشا ہو سکتا ہے اگرچہ ظاہری نظر میں فتوحاتِ خوشی کی چیز ہیں لیکن ان کے نتیجے میں بعض لوگ دنیا طلبی میں پڑ گئے اس واسطے فتنے اور ان کے اسباب کو ایک ساتھ ذکر کیا۔ (انعام الباری 190/2)

یہاں فتن سے مراد عذاب ہے اور خزان سے مراد رحمت ہے۔ عذاب کو فتنہ سے تعبیر کیا گیا کیونکہ فتنے دراصل عذاب تک پہنچانے والے اسباب ہیں۔ (کشف 398/4)

فائدہ: آپ ﷺ کے حسبِ ارشاد دور عثمانی کے آخر میں بکثرت فتنے بھی رونما ہوئے اور روم و فارس کے خزانے بھی ہاتھ لگے۔ معجزہ نبوی کا ظہور کہ حسبِ خبر سب کچھ ظہور پذیر ہوا۔ (نصاب الباری 501/1)

رب کاسیة فی الدنیا عاریة فی الآخرة

اس کی چند تفسیریں ہیں:

- (۱) بہت سی عورتیں اس دنیا میں اعمال کرنے والی ہوں گی لیکن آخرت میں ان سے خالی ہوں گی۔
- (۲) بہت سی عورتیں لباس پہننے والی ہوں گی لیکن لباس چونکہ غیر شرعی ہوگا تو آخرت میں ننگا ہونے کی سزا ہوگی۔ یعنی نکریم لباس سے محروم ہوں گی۔ غیر شرعی ہونے کی تین صورتیں ہیں: ۱۔ ناکمل لباس۔ ۲۔ باریک اسقدر کہ لباس سے نظر گذر جائے۔ جسم یا اس کا رنگ نظر آئے۔ ۳۔ موٹا مگر ٹائٹ اس قدر کہ جسم کے اعضا کی ساخت نمایاں ہو۔ گویا ناپ لینے کی بجائے جسم کے اوپر رکھ کر سیا گیا ہے۔

(۳) بہت سی عورتیں دنیا میں نعمتوں والی ہوں گی لیکن ناشکری کی وجہ سے آخرت میں نعمتوں سے خالی ہوں گی۔

دنیا میں تو عالی اور نفیس لباس پہنتی تھیں مگر حسنت اخروی کے اعتبار سے گناہوں سے پرہیز نہ کرتی تھیں ان کو چاہیے تھا کہ دنیا میں اسراف سے اجتناب کرتے ہوئے کفایت شعاری کر کے صدقہ کریں۔ لباس ظاہری سے تو اپنے کو آراستہ رکھا مگر لباس باطنی (عمل) سے جاری رہیں۔ (فضل باری 156/2)

(۱) کاسیہ فی الدنيا عار ی فی الآخرة کا معنی لباس بہن کرچست اور پتلا ہو کر بے ستر ہو اس عمل مصیبت سے عذاب ہوگا۔ (۲) لباس بیش قیمت ہے مگر اعمال خراب ہیں تو آخرت میں عریاں اٹھائی جائیں گی۔ پہلی صورت میں کاسیہ ہی عاریہ ہونے کا سبب ہے دوسری صورت میں اپنے برے اعمال کی وجہ سے عاریہ ہوں گی۔ یہ فتنہ چونکہ خواتین سے متعلق ہے ان کو بطور خاص بیدار کر کے رجوع الی اللہ کی تلقین کی گئی۔ امہات المؤمنین امت کیلئے اسوہ ہوں گی۔ (انعام 189/1)

حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں اس باب کے بعد باب السمر فی العلم آ رہا ہے یہ دونوں متقارب ہیں لیکن دونوں میں فرق ظاہر کرنے کیلئے یہ دو باب الگ الگ لائے گئے ہیں باب ہذا کی غرض اس پر تنبیہ ہے کہ سو کر اٹھنے کے بعد بات چیت ”سمر“ میں داخل نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاریؒ نے یہاں لفظ سمر ذکر نہیں کیا۔ اگلے ترجمہ الباب کا حاصل یہ ہے عام سمر تو ممنوع ہے البتہ سمر فی العلم منہی عنہ نہیں۔ (کشف 386/4)

مطابقت: ترجمہ الباب میں دو چیز ہیں (۱) پہلا جز ماذا انزل سے ثابت ہوا کہ فتنوں کا علم اتارا کیا معلوم ہوا کہ رات کو تعلیم و تعلم ہو سکتا ہے اور اس سے بڑی دلیل انا انزلناہ فی لیلة القدر ہے۔ (۲) دوسرا جز العظمت باللیل؛ ایقظوا سے ثابت ہے جگانہ کا حکم نصیحت کرنے کیلئے ہے کہ توبہ و استغفار کرو۔

فائدہ: اس میں تنبیہ ہے ازواج مطہرات کو صرف نسبت پر ہی اتکا نہیں بلکہ عمل بھی کرو جیسے اہلیہ حضرت لوطؑ کو نسبت حاصل تھی مگر ان کے کام نہ آئی۔ یہاں سے یہ بھی ثابت ہوا اللہ تعالیٰ نے ایک لباس نسبت عطا کیا ہے اس کی قدر کرو۔
نو ائمہ حدیث:

۱: اوقات شب میں خود اور اہل خانہ کو ذکر اللہ کی تلقین بالخصوص غیر معمولی واقعہ پیش آجائے یا خوفناک خواب دکھائی دے۔ ۲: موقع تعجب میں سبحان اللہ کہنا چاہیے۔ ۳: موقع حوادث سے تحفظ کیلئے طریق کار سے آگاہ کیا جائے۔ ۴: بالباس بے ستر عورتوں کا مصداق آج کے دور میں محتاج دلیل نہیں۔ (کشف 402/4)

41 باب السمر فی العلم۔ رات کو علم کی باتیں کرنا

حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ غَفِيرٍ قَالَ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ خَالِدِ بْنِ مَسْلُوفٍ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ
سَالِمٍ وَابْنِ بُكَيْرٍ عَنْ سَلِيمَانَ بْنِ أَبِي حَفْصَةَ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ صَلَّى بِنَا النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ فِي آخِرِ
حَيَاتِهِ فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ فَقَالَ أَرَأَيْتُمْ لَيْلَتَكُمْ هَذِهِ فَإِنْ رَأَسَ وَاللَّيْلَتُ مَوْنَهَا لَا يَبْقَى وَمَنْ هُوَ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ أَخَذَ.
حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ حَدَّثَنَا الْحَكَمُ قَالَ سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بَشَّ فِي بَيْتِ

عَنَائِدُ مَيْمُونَةَ بِنْتُ الْحَارِثِ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَهَا فِي لَيْلَتِهَا فَصَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ ثُمَّ جَاءَ إِلَى مَنْزِلِهِ فَصَلَّى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ ثُمَّ نَامَ ثُمَّ قَامَ ثُمَّ قَالَ نَامَ الْغُلَامُ أَوْ كَلِمَةً تُشَبِّهُهَا ثُمَّ قَامَ فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ وَفَجَعَلَنِي عَنْ يَمِينِهِ فَصَلَّى خَمْسَ رَكَعَاتٍ ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ نَامَ حَتَّى سَمِعْتُ غُوطِيَّةً أَوْ خُوطِيَّةً ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ.

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں حضور ﷺ نے اپنی اخیر زندگی میں عشاء کی نماز پڑھائی جب سلام پھیرا تو کھڑے ہو گئے اور فرمایا تم مجھے خبر دو اپنی اس رات کی اس رات کے بعد رسول کا آخر میں نہیں باقی رہے گا ان میں سے کوئی جہنم میں نہیں۔
حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں میں نے اپنی خالہ میمونہ بنت حارثؓ زوجہ نبی ﷺ کے گھر ایک رات گزاری۔ اور اس رات نبی کریم ﷺ کے پاس تھے پس آپ نے عشاء کی نماز پڑھی۔ پھر اپنے گھر کی طرف آئے اور چار رکعتیں پڑھیں پھر سو گئے پھر کھڑے ہوئے پھر فرمایا لا کا سو گیا (یا اس قسم کا کوئی لفظ کہا) پھر کھڑے ہوئے پس میں آپ کے بائیں جانب کھڑا ہوا پس آپ نے مجھے دائیں جانب کر دیا پھر پانچ رکعتیں پڑھیں پھر دو رکعتیں پڑھیں پھر سو گئے حتیٰ کہ میں نے آپ ﷺ کے سانس کی آواز (خرالے) سنی پھر آپ نماز کی طرف نکلے۔

رابطہ: ابواب سابقہ میں اشاعتِ علم کی ترغیب تھی اس سلسلہ میں علم کی کتابت کی ترغیب دی پھر رات کے اوقاتِ استراحت میں تعلیم و تعلم کی ترغیب دی اور اس باب میں سونے سے قبل تعلیم و تعلم کو ثابت فرما رہے ہیں۔

غرض بخاری: حدیث میں عشاء کے بعد سمر سے جو نبی وارد ہوئی ہے، علم دین اور اس کی تعلیم و تعلم اس نبی سے مستثنیٰ ہے۔
مَنْحَر: لفظ سمر روایت یہ لفظ بفتح المیم ہے اگرچہ بسکون المیم لفظ بھی ہے۔ اس کے معنی گندی رنگ کے بھی آتے ہیں اور ضوء القمر کے بھی آتے ہیں۔ پھر چاندنی رات میں بیٹھ کر لوگ قصہ گوئی کرتے تھے تو رات کی قصہ گوئی کو ہی سمر کہنے لگے۔ پھر توسع ہوا تو گھر والوں کے ساتھ بات چیت اور رات کے پڑھنے کو بھی سمر کہہ دیتے ہیں۔

نام الغُلَامِ بچہ کو لا سو گیا۔ (فضل 161/2) حضرت میمونہؓ نے فرمایا: جی ہاں سو گیا (ان دنوں نماز نہیں پڑھتی تھیں)۔ (حد 413/1) لیکن حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں: اس جملہ کے فرمانے کا مقصد یہ تھا کہ آپ اپنے گھر والوں کے سامنے کچھ ملاحظت وغیرہ کرنا چاہتے تھے ظاہر ہے کہ اس کے لئے تشریف ضرورت پڑتی ہے۔ اس لئے فرمایا: نام الغُلَامِ۔ (کنز 422/4) پھر آپ ﷺ حضرت میمونہؓ کے تکبیر کی لمبائی میں سر رکھ کر لیٹ گئے اور باتیں کرتے ہوئے سو گئے یہ سمر ہے۔ (حد 413/1)

ابن المیر اور ان کے متبعین کا کہنا ہے کہ ترجمۃ الباب نام الغُلَامِ کے جملہ سے ثابت ہے۔ نیز فرماتے ہیں: سیدنا ابن عباسؓ کا آپ ﷺ کے احوال کا رات بھر مشاہدہ کرنا بھی سمر ہے یہ اور بات ہے کہ یہ سمر قوی نہیں فعلی سمر ہے۔ نیز آپ ﷺ حضرت ابن عباسؓ کو نماز میں بائیں طرف سے دائیں طرف کرنا اگرچہ یہ فعل ہے مگر کہا جاسکتا ہے گویا آپ ﷺ نے فرمایا: قف عن یمنی اور ان کا دائیں طرف ہونا اس کا قائم مقام ہے کہ انہوں نے کہا: وقف۔ دوسری توجہ اجتماعِ اقارب کے ماحول میں مکمل خاموشی قرآن کے بالکل خلاف ہے۔ عشاء کے بعد حضرت ابن عباسؓ کو ساتھ لیکر آپ ﷺ

تشریف علیہ السلام ہو کوئی بات قولاً فعلاً ہو جائے یہ بات علمی فائدہ ہے اس سے ”سمر“ ثابت ہو جاتا ہے۔
حافظ ابن حجر فرماتے ہیں پہلی توجیہ کی بنیاد پر ثبوت سمر اس لئے نہیں کہ کلام معتد بہ نہیں۔ دوسری سے ثبوت سمر اس لئے نہیں کہ حضرت ابن عباسؓ کے رات بھر مشاہدہ کو ”رت جگا“ تو کہیں گے مگر سمر کیلئے قول و گفتگو چاہیے جو نہیں ہے، اسے سہر تو کہہ سکتے ہیں سمر نہیں۔ نیز آپ علیہ السلام بیداری کے بعد کا عمل حضرت ابن عباسؓ کو نماز میں دائیں طرف کھڑا کرنا یہ سمر میں داخل ہی نہیں کیونکہ سمر کا تعلق قبل از نوم سے ہے۔ نیز حضرت ابن عباسؓ کے ساتھ عشاء کے بعد تشریف آوری کے وقت حدیث میں گفتگو کی تصریح نہیں، محض قیاس سے ”ثبوت سمر“ نہیں ہو سکتا۔ تاہم حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے اس روایت کے دیگر طرق میں وارد الفاظ کی طرف اشارہ کیا جس میں واضح طور پر ہے فتحدت رسول اللہ مع اہلہ ساعتی سمر فی العلم ہے۔ حضرت شیخ الہند فرماتے ہیں حافظ ابن حجرؒ کی بات مضبوط اور طرز بخاری کے مناسب بھی ہے۔ (کشف 427/4)

علامہ بدر الدین عینیؒ یہاں بھی حافظ ابن حجرؒ پر ناراض نظر آتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ترجمہ یہاں پر ہے اور اس کے ثبوت کیلئے دوسرے طریق کی ایک اور روایت پیش کر رہے ہیں یہ زالی اور یحید تر بات ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہاں حافظ ابن حجرؒ کی بات میں کوئی تکلف نہیں۔ کیونکہ امام بخاریؒ کی عادت ہے کہ وہ طالب علم کو طرق حدیث پر متنبہ کرنے کیلئے ایسا کرتے ہیں جس سے مقصود تشحید اذہان ہے کہ طالب علم محدث سے دوسرے طریق کی روایت کو دیکھ کر ترجمہ سمجھے۔ (فضل الباری 162/2)

تشریح حدیث

أرأیتم لیتکم ہذہ:

پہلی روایت میں اس جزو سے ترجمہ الباب کی مطابقت ثابت ہوتی ہے۔ یہ بعد از عشاء روایت سامرہ ہے۔
بخاری شریف میں دوسری جگہ صلوة اللیل میں اس روایت میں یہ اضافہ ہے: فصلی اربع رکعات فتحدت مع اہلہ ساعة۔ اور سامرہ کے ثبوت کیلئے طویل گفتگو کی ضرورت نہیں۔ تو اس سے ترجمہ الباب سے مطابقت ہوگئی۔ گویا امام بخاریؒ نے تشحید اذہان فرمائی کہ دوسری جگہ کی روایت کو سامرہ کہ کر ترجمہ قائم فرمایا۔
آپ علیہ السلام نے کیا خواب دیکھا؟ معلوم نہیں۔ ہو سکتا ہے یہی دیکھا ہو خزانوں اور فتنوں کے دروازے کھول دئے گئے۔ مال اور فتنے میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ممکن ہے خواب کچھ اور دیکھا ہو البتہ یہ تعبیر ہو۔
حجرات ازواج مطہرات الگ الگ تھے نیند سے بیدار کر کے بذریعہ رجوع الی اللہ تحفظ فتن کا بتایا۔ اس میں یہ گہرا اشارہ ہے سب سے پہلے مال آنے کے بعد فیشن کے ذریعہ عورتیں فتنے میں مبتلا ہوتی ہیں۔ نیز مال کے ذریعہ عورتوں میں سب سے بڑا فتنہ لباس کے حوالہ سے آتا ہے۔ عورتوں کا مشہور جملہ ہے: کھائے من بھاتے پہنے جگ بھاتی جس کا ترجمہ یہ بھی ہے کھائے اپنی مرضی کا پہنے دوسروں کی مرضی کا۔ اب یہ فتنہ مغربیت کے حوالہ سے آیا ہوا ہے عورت تو عورت مرد بھی بے لباسی کا شکار ہے۔ آخرت میں سزا کے حوالہ سے سابق میں تفصیل آچکی ہے۔ (ماخوذ من حنفی البخاری 411)

فان راس مائتة سنة منها الخ:

راوی حدیث حضرت ابن عمرؓ کے نزدیک مطلب یہ ہے ایک صدی پر ”قرن“ ختم ہوگا۔ یہ نہیں کہ قیامت آجائے گئی۔ اس حدیث کے ذیل میں حیاتِ حبشی، حیاتِ محضر (یادِ جال) یا جنات کے مسائل چھیڑنا درست نہیں یہ منطق کا کلیہ نہیں جس سے کوئی جزئیہ خارج نہ ہو یہ خطابی ارشاد ہے۔ جو اکثری احوال کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ (تحفۃ الغاری 412/1)

سوال: یہ حدیث آپ ﷺ وفات سے ایک ماہ قبل کی ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ ایک سو دس ہجری تک سب کو ختم ہونا چاہیے۔ حالانکہ قرآن و حدیث سے حضرت حبشیؓ کا اب تک زندہ ہونا ثابت ہے اور بہت سے حضرات حیاتِ محضر علیہ السلام کے قائل ہیں۔ اور بعض حضرات سے یہ بھی منقول ہے کہ دجال بھی زندہ ہے تو یہ تعارض ہو گیا۔

جواب ۱: یہ حدیث اکثر افراد کے اعتبار سے ہے۔

جواب ۲: اگر حدیث کو عموم پر محمول کیا جائے تو جواب یہ ہے کہ دوسرے دلائل کے ہونے کی وجہ سے تخصیص ہے۔

جواب ۳: حدیث میں علی ظہر الارض کے لفظ ہیں تو حضرت حبشیؓ کا آسمان پر اور حضرت محضرؓ کا سمندر میں اور دجال کا سمندر میں زندہ ہونا حدیث کے منافی نہیں ہے۔ لہذا امر اوہ مخلوق ہے جو محجوب عن الابصار نہ ہو۔

حضرت جابرؓ کی روایت میں صراحت ہے کہ آپ ﷺ نے وصال سے ایک ماہ قبل یہ حدیث بیان فرمائی آپ ﷺ وفات ۱۰ھ ربیع الاول میں ہوئی۔ مکہ مکرمہ میں ۱۱۰ھ کو عامر بن طفیل اور مدینہ میں حضرت جابرؓ اسی سال اور غالباً حضرت انسؓ بھی اسی کے قریب اس دارِ بقائی سے رحلت فرما گئے۔ الغرض طولِ عمر کے باوجود یہ حضرات بھی سو سال کے اندر ہی وصال فرما گئے۔ مقصود یہ کہ اُمم سابقہ کی طرح تمہاری عمریں زیادہ نہیں بلکہ کم ہیں اور ذمہ داری زیادہ۔ لہذا غفلت و کوتاہی سے بچا جائے۔ (فضل الباری 159/2)

خطیبت: سخت خراٹے اور خطیبت ہلکا خراٹا۔ گھر تشریف لا کر آپ ﷺ نے جو چار رکعت پڑھی ہیں یہ وہ ہیں جو ترے پہلے صلوٰۃ اللیل کے طور پر پڑھا کرتے تھے۔ یہ عشا کے فرض کے بعد روضت اور دو نفل نہیں ہیں۔

نام الغلیم (چھوٹا سو گیا؟) غلام کی تصغیر ہے بمعنی بچہ۔ مشہور قول یہی ہے کہ ہمزہ استفہام محذوف ہے۔ آپ ﷺ نے حضرت میمونؓ سے پوچھا لیکن اخبار کا بھی احتمال ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت میمونؓ کو بتایا کہ ابن عباسؓ سو گیا ہے۔ ابن عباسؓ نے سکوت اس لئے فرمایا کہ آپ ﷺ انکف اپنے معمولات پورے فرمائیں۔ (نصیر الباری 505/1)

فصلی خمس رکعات: یہاں اختصارِ راوی ہے یعنی تین وتر اور بعد والے دو نفل۔ تفصیلی روایات کے مطابق کتابِ انشیر میں ۱۱ (گیارہ) رکعات کا ذکر ہے۔ الفاظ یہ ہیں: تمام فصلی احد عشر رکعات تو آٹھ تہجد اور تین وتر مراد ہیں۔ فائدہ: جنت کی عمر چھ لکھی ہوتی ہے اس لئے اگر کوئی دعویٰ صحابیت کرے تو جائز ممکن ہے۔ لیکن افسانوں کیلئے جائز نہیں۔ ہندوستان کا ایک علاقہ ٹھٹھڑا ہے وہاں ایک تین بابا گذرے ہیں جس نے صحابیت کا دعویٰ کیا۔ مگر علماء کرام نے اس کا رد کیا ہے۔

اقسام قیامت

حدیث الباب سے اقسام قیامت بیان کرنا مقصود ہے۔

۱: قیامت صغریٰ اور وہن مات فقد قامت قیامتہ ہے۔

۲: قیامت وسطیٰ ایک قرن ختم ہو جائے اور ایک نسل اتمام کو پہنچے جیسے پاکستان بننے وقت جو موجود تھے وہ سب ختم ہو جائیں تو کہا جائے گا ایک قرن ختم ہو گیا۔

۳: تیسری قیامت کبریٰ اجتماعی اہل جہان و جہان کی قیامت۔

سراسر وقت منع ہے جب اس کے نتیجے میں صبح کی نماز متاثر ہو اگر نماز متاثر ہو تو پھر اس کی گنجائش ہے۔ یہی قول حدل

ہے۔ (انعام الباری 191/2)

اشکال: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مرفوعاً نقل فرماتے ہیں لا سمر الا لمصلیٰ او مسافر۔ اس طرح سمر کی رخصت اور نہی عن السمر کی احادیث کے درمیان ظاہر آ تعارض ہے: جواب صحت حدیث کے ثبوت کے بعد یہ کہا جاسکتا ہے کہ سمر فی العلم کرنے والا مصلیٰ کے حکم میں ہے جیسے حضرت عمرؓ کو ابو موسیٰ اشعریؓ نے کہا: الصلوٰۃ اب نماز پڑھتا ہوں آپؓ نے فرمایا: بیٹھ جاؤ انا فی الصلوٰۃ پھر ہم فجر کی نماز تک بیٹھے رہے۔ (کنز 430/4)

42 باب حِفْظُ الْعِلْمِ۔۔۔ علم کو یاد رکھنا

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ إِنَّ النَّاسَ يَقُولُونَ أَكْثَرُ أَبُو هُرَيْرَةَ وَلَوْ لَا آيَتَانِ فِي كِتَابِ اللَّهِ مَا حَدَّثْتُ حَدِيثًا ثُمَّ يَقُولُونَ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ إِلَىٰ قَوْلِهِ الرَّحِيمِ إِنَّ إِخْوَانَنَا مِنَ الْمُهَاجِرِينَ كَانُوا يَشْفَعُ لَهُمُ الصَّافِيُّ بِالسَّوَادِ وَإِنْ إِخْوَانَنَا مِنَ الْأَنْصَارِ كَانُوا يَشْفَعُ لَهُمُ الْعَمَلُ فِي أَمْوَالِهِمْ وَإِنْ أَبَا هُرَيْرَةَ كَانَ يَلْزَمُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَيْءٍ يَطْلُبُهُ وَيَحْضُرُ مَا لَا يَحْضُرُونَ وَيَحْفَظُ مَا لَا يَحْفَظُونَ.

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ أَبُو مُصْعَبٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ دِينَارٍ عَنْ ابْنِ أَبِي ذُئْبٍ عَنْ سَعِيدِ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي أَسْمَعُ وَنَكَ حَدِيثًا كَثِيرًا مِنَ النِّسَاءِ قَالَ الْبَسْطُ دَاؤُكَ فَصَطَفْتُهُ قَالَ فَتَرَفَ بَيْنَهُ ثُمَّ قَالَ ضَمُّهُ فَصَمَمْتُهُ فَمَا نَسِيتُ شَيْئًا بَعْدَهُ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي فَدْلِكَ بِهِ هَذَا أَوْ قَالَ غَرَفَ بِهِ وَفِيهِ

حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي أَحْمَدُ عَنْ ابْنِ أَبِي ذُئْبٍ عَنْ سَعِيدِ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ حَفِظْتُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَاظَرْتُهُمَا فَبَيَّنْتُ لَمْ أَمَّا الْآخِرُ فَلَوْ بَنَيْتُهُ لَوَطَعْتُ هَذَا الْبَلْعُومَ

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا لوگ کہتے ہیں ابوہریرہؓ حدیثیں کثرت سے بیان کرتا ہے اگر قرآن کریم کی دو آیتیں نہ ہوتیں تو میں کبھی بھی حدیث بیان نہ کرتا۔ پھر ان آیتوں کی تلاوت کرتے (جن کا ترجمہ یہ ہے) بے شک وہ لوگ جو چھپاتے ہیں اس چیز کو جو ہم نے اتاری یعنی بینات اور ہدایت الرجم تک (اور فرمایا) بے شک ہمارے مہاجر بھائی بازاروں میں تجارت میں مشغول رہتے تھے اور ہمارے انصاری بھائی اپنی زمین اور اموال کے کام میں مشغول رہتے تھے۔ اور ابوہریرہؓ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چٹا رہتا تھا پیٹ سیراب کر کے اور حاضر ہوتا تھا اس وقت جب وہ حاضر نہیں ہوتے تھے اور محفوظ کر لیتا تھا وہ چیزیں جو وہ محفوظ نہیں کرتے تھے۔

حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ سے بہت زیادہ حدیثیں سنتا ہوں پھر بھول جاتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اپنی چادر پھیلا میں نے چادر پھیلائی آپ نے دونوں ہاتھوں کے ساتھ چلو بھرا (اشارہ کیا) پھر فرمایا اس کو الٹے میں نے اس کو سینے سے لگا لیا اس کے بعد میں کوئی چیز نہیں بھولا۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے دو بورے (علم کے) محفوظ کئے ہیں ایک تو میں نے پھیلا دیا دوسرے کو اگر پھیلا دوں تو یہ شرگ میری کٹ جائے۔

ربط ۱: باب سابق میں سمر فی العلم کا ذکر تھا۔ سمر فی العلم: یہ حفاظت کا ذریعہ ہے۔ اس لئے اس کے بعد ”باب حفظ العلم“ قائم کیا تاکہ معلوم ہو جائے سمر کا مقصد حفظ العلم ہے۔

ربط ۲: حضرت ابوہریرہؓ نے آپ ﷺ سے نسیان کی شکایت کی اور نسیان حفظ کی ضد ہے و بصدھا تنبہن الاشیاء تو ترجمہ الباب ثابت ہو گیا۔ (نصر الباری 1/508)

غرض ترجمہ: اس باب کو قائم کر کے عظمتِ علم بیان فرماتے ہیں کہ علم پڑھ کر یاد کرنا چاہیے اور روایت الباب میں علم محفوظ رکھنے کا طریقہ بیان فرمایا۔ تو اس باب سے مقصود بخاریؒ دو باتیں ہیں: ۱۔ علم کو یاد رکھنا چاہیے۔ ۲۔ حفاظت اور یاد کرنے کا طریقہ بیان فرمایا۔ اور اس کے دو طریقے ہیں: ۱۔ کثرتِ ملازمت۔ ۲۔ اور دعاءِ استاد محترم۔ صرف محنت پر ہی بھروسہ نہیں ہونا چاہیے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی کل مرویات ۵۳۷ ہیں۔

باب ہذا میں صرف حضرت ابوہریرہؓ کا ذکر ہے کیونکہ وہ احفظ الصحابة للحدیث ہیں۔ و یحفظ ما لا یحفظون ہیں اور اکثر ابوہریرہؓ کے لفظ سے اس حدیث کی ترجمہ سے مطابقت ثابت ہوگئی۔ کیونکہ حفظ کے بغیر کثرتِ روایت نہیں ہو سکتی۔ معلوم ہوا انسان علم کے ساتھ جس قدر محبت و مشغولیت رکھتا ہے اسی قدر علم میں ترقی ہوتی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی مدتِ مصاحبت قلیل ضرور ہے لیکن کسبِ فیض کیلئے شغف و مشغولیت بہت زیادہ تھی دوسری حدیث میں اعطائے علم کا اعجازی طریق ہے فنانسیت بعدہ دنیا اسی کی تعبیر ہے۔

گویا حضرت ابوہریرہؓ اپنا کمال نہیں بلکہ آپ ﷺ فیض اور آپ کی دعا کی برکت بتا رہے ہیں (نیز آپ ﷺ وفات کے بعد حدیثیں یاد کر کے حضرت عائشہؓ کو سنایا کرتے تھے [حفہ 1/415])

تشریح حدیث

ان الناس يقولون الخ:

یہ لوگوں کا حضرت ابوہریرہؓ پر اعتراض ہے کہ ابوہریرہؓ احادیث بہت کثرت سے بیان کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کو حضور ﷺ کے پاس رہنے کا وقت بہت کم ملا۔ صرف تین سال خدمت میں رہنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ جب کہ دیگر صحابہؓ جو سالہا سال سے خدمت میں تھے ان کی مرویات اتنی نہیں ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ نے اس کا جواب دیا کہ قرآن کریم میں چونکہ کتمانِ علم پر وعید ہے اس لئے میں بیان کرتا ہوں۔ پھر فرمایا لوگ یہ اعتراض کیوں کرتے ہیں۔ اس لئے کہ ہم لوگ علم میں مشغول رہتے تھے۔ جبکہ مہاجرین بازاروں اور حضراتِ انصار کھیتی باڑی میں مصروف رہتے تھے۔ (اور ابوہریرہؓ کو کیا چاہیے تھا؟ دو روٹی اور دو بوٹی جو آپ ﷺ کے دسترخوان پر مل جاتی تھیں۔ [تحفۃ الباری 1/415])

بشبع بطنہ:

۱: یہ قناعت سے کنایہ ہے۔ یعنی کھانے کو تو کچھ نہیں ہوتا تھا۔ لیکن قناعت اور سیرِ چشمی کی وجہ سے ”بشبع بطن“ کی کیفیت میں رہتے تھے۔ اس صورت میں یہ کلام حقیقی معنوں پر محمول ہے۔

۲: دوسرا معنی مجازی ہے کہ شبع بطن سے مراد شبع بطن من العلم ہے۔ اور اس مطلب کی تائید اس خواب سے ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے پیٹ بھر کر دودھ پیا اور علم سے تعبیر دی۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے یہ مطلب بیان فرمایا ہے جو غیر متبادر ہونے کی وجہ سے مرجوح ہے۔ فرماتے ہیں: حضرت ابوہریرہؓ آپ ﷺ کے مجلس میں جھے رہے تھے وہاں اس وقت تک نہیں اٹھتے تھے جب ان کو ان کا پورا حصہ نہیں مل جاتا تھا اور ان کا علم سے پیٹ نہیں بھر جاتا تھا۔ کفو لهم: فلان یحدث شبع بطنہ یسافر شبع بطنہ۔ فلاں پیٹ بھر کر بات چیت کرتا ہے اور فلاں پیٹ بھر کر سفر کرتا ہے۔ (کشف 437/4)

سند آخر (۱) حدیث اول میں ابیدہؓ تھا یہاں ابیدہؓ ہے۔ (۲) وہاں فیہ نہ تھا یہاں فغرف ابیدہؓ فیہ ہے۔ (درس شمارنی 297)

فما نسیت بعد:

اس کے بعد میں کبھی کوئی چیز نہ بھولا۔ اگر کسی جگہ حضرت ابوہریرہؓ کی طرف نسیان کی نسبت آجائے تو اس کو وجواب میں:

۱: ایک آدھ بات بھول جانا، یہ اس کے منافی نہیں آخر انسان ہیں۔

۲: یا حضرت ابوہریرہؓ کی بھول کو لھل کرنے والا بھول گیا۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف کی ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہؓ نے ایک حدیث بیان فرمائی تو شاگرد نے اس پر کہا پہلے تو آپ نے کچھ اور فرمایا تھا اب اس کے علاوہ کچھ اور

فرما رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا مجھے یاد نہیں۔ تو اس کے بارے میں علماء کرام فرماتے ہیں: حضرت ابوہریرہؓ روایت بھولے نہیں تھے۔ بلکہ جب دیکھا شاگرد کم فہم ہے اور روایات میں ٹکراؤ پیدا کرتا ہے تو انکار فرما دیا کہ جاؤ مجھے یاد نہیں۔
فما نسیت شيئاً بعد:

روایت الباب میں مطلقاً نسیان کی نفی ہے جبکہ کتاب المیوع کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے اس وقت کو جو کچھ کہا اس میں سے کچھ نہیں بھولا تعارض ہوا۔

جواب: یہ ہے کہ تعدد واقعہ پر معمول ہے۔ لیکن یہ جواب درست نہیں اس لئے کہ دونوں واقعات کا سیاق ایک ہی ہے اور یہ دلیل ہے واقعہ کا ایک ہونے کی۔

حضرت شیخ الحدیثؒ فرماتے ہیں میری رائے یہ ہے کہ ایک کتاب المیوع والی روایت میں من مقالہ کے الفاظ ہیں، من اجلہ ہے اور اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ اس دعا کی برکت کی وجہ سے اس کے بعد پھر میں کچھ نہیں بھولا۔ (ذیل 438)
نیز من ابتداء غایت کیلئے ہو یعنی میرے سے روایات کو نہ بھولنے کا آغاز ہو گیا جو پہلے نہ تھا۔ (کشف 452/4)
تنبیہ: حضرت ابوہریرہؓ نے اکثر فی الحدیث کے سلسلہ میں اظہار حقیقت فرمایا خدا انہو استہ حضرات مہاجرین و انصار کی ہرگز تحقیق مقصود نہیں تھی۔ (کشف 437/4)

فُطِعَ هَذَا الْبَلْعُومُ:

دوسم کے علوم حاصل کئے۔ ایک کو تو میں نے پھیلا دیا، دوسرے کو اگر میں پھیلاؤں تو میرا خلق کاٹ دیا جائے۔
جس تھیلے میں احکام شریعت تھے اس کے کتمان کے سلسلہ میں آیات بقرہ تلاوت فرمائیں اور وعید کے بخش نظر سے نشر فرمایا
البتہ فتن کی وہ تفصیلی روایات جن میں اسماء منافقین، یزید، حجاج بن یوسف وغیرہ تھے ان کے ذکر سے اندیشہ جان کا اظہار فرمایا اسی لئے
اس دعا کا معمول تھا۔ اعوذ باللہ من رأس السعین وامارة الصبيان میں سن ۶۰ ہا اور بچوں کی حکومت سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ یہ
خلافت یزید کی طرف اشارہ تھا جو ۶۰ھ میں قائم ہوئی اور قویست دعا کی وجہ سے آپ کا وصال پہلے ہی ہو گیا۔ (فضل لداری 165/2)

ایک روایت میں ثلاثہ اجرہ ہے یعنی تین بوسے تو حدیث الباب سے تعارض ہوا۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: یہ حدیث باب کے مخالف نہیں کیونکہ جو احادیث ابوہریرہؓ نے بیان فرمائی ہیں وہ بہت زیادہ تھیں ان سے جنہیں نشر نہیں فرمایا۔ حدیث شہاب میں بیان کردہ ذخیرہ حدیث کے دو چند ہونے کی رعایت نہیں فرمائی اور جہاں اس کی رعایت کی گئی وہاں تین بوجھ فرمایا۔ (فضل لداری 165/2)

سوال: اس علم سے کونسا علم مراد ہے حضرات صوفیاء علم تصوف مراد لیتے ہیں اور عند بعض اسرار و رموز شریعت مراد ہیں۔
جواب: صاحب خدمت لوگ کہتے ہیں احوال نکوینہ مراد ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ فتنوں کا علم مراد ہے کیونکہ حضرت ابوہریرہؓ دعا مانگا کرتے تھے: اعوذ بک من رأس سعین سنہ۔ اور اساطیر ہجری میں خلافت یزید ہوئی، تو اس سے یزید بن معاویہ کی خلافت کی طرف اشارہ تھا۔ معلوم ہوا کہ ہر بات بتانا ضروری نہیں ہوتا۔ نیز وہ باتیں یا علم جن سے فتنہ کا اندیشہ ہو تو ان کو

چھپانا ہی چاہیے۔ لہذا صوفیا کرام کو چاہیے کہ کوئی ایسی بات جس سے لوگوں کے اعتقاد بگڑنے کا اندیشہ ہو تو نہیں بتانی چاہیے۔
حضرات صوفیاء کرام فرماتے ہیں اس سے طریقت کے حقائق و معارف مراد ہیں کیونکہ ان کا ظاہری معنی کچھ ہوتا ہے اور باطنی معنی کچھ اور ہوتے ہیں ظاہری معنی سے بعض اوقات یہ شبہ ہوتا ہے کہ شاید ارتداد یا کفر کی بات کہہ دی حالانکہ کفر کی بات مقصود نہیں ہوتی جیسے منصور نے ”انا الحق“ کہہ دیا اب ظاہر اُپ کفر کی بات تھی اگرچہ مقصود کفر نہیں تھا۔

یہاں تک کہ ”باطنیہ“ اسی کو آگے بڑھا کر یہ استدلال کرتے ہیں کہ قرآن و سنت کے ایک ظاہری معنی ہوتے ہیں اور ایک باطنی ہوتے ہیں پھر انہوں نے اس پر اپنے مذہب کی بنیاد رکھی کہ اصل مقصود ظاہری احکام نہیں بلکہ باطنی تعلیمات ہیں (انعام مباری 1987) اشراط ساعت بہت حضرات صحابہ کرام کو معلوم تھیں لیکن بعض علامات قیامت ایسی ہیں جن کا تحمل ہر کوئی نہیں کر سکتا اس لئے مخصوص حضرات کو بتائی گئیں جن میں حضرت ابوہریرہؓ شامل ہیں اور علامۃ الناس سے اخفاء کیا گیا۔ (کشف 466/4)

فائدہ ۱: گردن میں دو رگیں ہیں ایک سے سانس آتا جاتا ہے وہ حلقوم ہے اور دوسری سے کھانا پانی آتا جاتا ہے وہ بلعوم ہے مگر یہاں گردن مراد ہے۔ (حنفی القاری 417/1)

فائدہ ۲: دونوں تھیلیوں کا برابر ہونا ضروری نہیں ایک میں پانچ ہزار اور ایک میں صرف پانچ احادیث ہی ہوں۔ (حنفی 417/1)

سوال: یہ کتمان علم ہے جو جائز نہیں۔

جواب: چونکہ یہ علم علوم الحلال و الحرام میں سے نہیں تھا۔ جس سے غرض عام اور احکام شرعیہ متعلق ہوتے ہیں، اس لئے یہ کتمان علم کی وعید میں داخل نہیں۔

43 باب الانصاف للعلماء۔۔۔ علماء کی بات سننے کے لیے خاموش رہنا

حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ أَخْبَرَنِي عَلِيُّ بْنُ مُذَرِّكِ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ جَرِيرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَدَفِي حَجَّةَ الْوُدَّاعِ اسْتَنْصِثِ النَّاسَ فَقَالَ لَا تَزْجَعُوا بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ.

ترجمہ: حضرت جریر بن عبد اللہؓ فرماتے ہیں حضور ﷺ نے ان کو حجۃ الوداع میں فرمایا لوگوں کو خاموش کرا پھر آپ نے فرمایا میرے بعد کافر بن کے نہ لوٹنا کہ تمہارا بعض بعض کی گردنیں مارنے لگ جائے۔

ربط: باب سابق میں حفظِ علم کا ذکر تھا۔ اب اس باب میں طریقہ حفظِ علم بتلایا جا رہا ہے کہ علماء کی بات تو جاہل و دھیمان سے سننے غرض ترجمہ: اس کی چار اغراض ہیں:

۱: طلباء کرام کو دورانِ سبق آپس میں باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔

۲: حفاظتِ علم کیلئے ادب سے سنا ضروری ہے۔

۳: ایک غرض یہ ہے کہ ایک حدیث لا تقطع مع الناس کلامہم کی تخصیص مقصود ہے۔ کوئی علم کی بات کرنا چاہے یا وعظ

کرنا چاہیے تو پھر لوگوں کو خاموش کراتے ہوئے ان کی بات کا ناجائز ہے۔ سننا حاق ادا کرنے سے عمل کی توفیق مل جاتی ہے۔

۴: انصات کے معنی مستحکم کی جانب تمام حواس کو معطل کرنے کے آتے ہیں۔ ابن بطالؒ نے فرمایا اس باب سے مقصود بخاریؒ یہ ہے کہ طالب علم کو چاہیے ہر وقت ہمتن استاذ اور شیخ کی گفتگو کی طرف متوجہ رہے۔ اور اس کی مجلس میں شور و شغب نہ کرے۔ کیونکہ علماء کرام حضرات انبیاء کے وارث ہیں۔ حق نبی میں لا ترفعوا اصواتکم کا حکم آیا ہے لہذا یہی حکم علماء کرام کا ہے۔

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں ”للعلماء“ میں ”لام اجلیہ“ ہے۔ اور مقصود یہ ہے اہل علم کے احترام کی وجہ سے ان کے سامنے خاموش رہیں اس میں مجلس درس کی قید نہیں۔ بلکہ عموم احوال مراد ہیں۔

تنبیہ: متعلمین کے لئے یہ ہے کہ اہل علم کے سامنے انصات مع التوقیر ہو رفع صوت نہ ہو قلب و ذہن سے شیخ کی طرف کامل التفات ہو۔

اسی طرح وعظ و نصیحت کے موقع پر خاموش کرانا جائز ہے۔ اگرچہ لوگ ذکر و تلاوت وغیرہ میں ہی کیوں نہ مشغول ہوں اس لئے تعلیم و تبلیغ کی ضرورت سے اوقات خاصہ میں انصات مباح اور مستحسن ہے۔ (کشف 471/4)

تشریح حدیث

استنصت الناس:

آپ ﷺ نے حضرت جریر بن عبد اللہؓ سے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا تھا لوگوں کو چپ کرادو۔

اسی سے ترجمۃ الباب کی مطابقت ثابت ہوئی۔

علماء اہل سنت کے بقول صحیح یہ ہے کہ انصات خاص ہے اور استماع عام ہے استماع مطلق کا ان لگانے کو کہتے ہیں چاہے سکوت ہو یا نہ ہو جبکہ انصات ایسے سکوت کو کہتے ہیں جس میں استماع بھی ہو۔

قال سفیان ثوریؒ والعلما والاسماع ثم الانصات ثم الحفظ ثم العمل ثم النشور۔ (کشف 475/4)

قالہ فی حجة الوداع:

سوال: یہ روایت حضرت جریرؓ سے ہے۔ لہٰذا کی ضمیر بھی حضرت جریرؓ کی طرف لڑتی ہے۔ حضرت جریرؓ حضور پاک ﷺ وفات سے چالیس روز قبل مسلمان ہوئے۔ تو ان کو استنصت الناس کیسے کہہ دیا۔ کیونکہ حجۃ الوداع تو دو ماہ قبل ہوا ہے اس وقت یہ مسلمان نہیں تھے۔

جواب ۱: شراح حدیث یہاں حیران ہو گئے ہیں۔ اکثر شراح کہتے ہیں کہ روایت میں حذف ہو گیا۔ جس کی طرف ضمیر لڑتی ہے وہ محذوف ہے۔ اس لئے ضمیر کا مرجع جریرؓ نہیں ہو سکتے۔

جواب ۲: حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ چالیس روز قبل مسلمان ہونے کی روایت غلط ہے یہ تو رمضان شریف میں مسلمان

ہوئے تھے تو ان کا حج میں شرکت کرنا ثابت ہے۔ لہذا ضمیر کا مرجع یہی ہیں۔

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں یہ بہت خوبصورت تھے، طویل القامت تھے۔ ایک ذراع کا جوتا تھا، اونٹ کی کہان تک ان کا قد تھا۔ حضرت جریرؓ کو جب آپ ﷺ دیکھتے تو اکرام یا انبساط کیلئے مسکراتے جب وہ پہلی مرتبہ حاضر خدمت ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کیلئے چادر بچھائی۔ حدیث الباب کے دو جملوں کے درمیان واؤ عاطفہ نہیں کمال اتصال ہے۔ اس لئے دونوں جملوں کا مفہوم ایک ہے۔ (تحفۃ القاری 418/1)

لا تَرَجِعُوا بَعْدِي كُفْرًا

۱: مستقل پر محمول ہے۔ یہ مشہور توجیہ ضعیف ہے۔ آپ ﷺ نے لفظ ”کفر“ کا اطلاق مخصوص جرائم پر کیا ہے اور استحقاق معصیت میں کسی جرم کی کوئی خصوصیت نہیں جس معصیت کو بھی کوئی شخص حلال سمجھے گا وہ کافر ہو جائے گا۔

۲: ارکان کا قتل سے کافروں کے مشابہ نہ ہو جاؤ۔ ۳: لا تَرَجِعُوا كُفْرًا کے معنی لا تَرَدُّوا ہے یعنی مرتد نہ ہو جانا۔ ۴: کفر بمعنی کفران ہے، میرے بعد نعمت اسلام کی ناشکری کرنے والے نہ ہو۔ ۵: اسلام سلم سے ماخوذ ہے مسامت کی بجائے مقاتلہ کرنے لگو۔ ۶: کافر سے مراد اصطلاحی کافر نہیں بلکہ متفکر بالاسلاح مراد ہے یعنی ہتھیار باندھ کر ایک دوسرے کے مد مقابل نہ آنا۔ دوسری توجیہ متبادر ذہنی کے لحاظ سے راجح ہے۔ (کشف 476/4)

یہاں حقیقی کفر مراد نہیں بلکہ دین کا عملی انکار مراد ہے۔ فتنے جب سراٹھاتے ہیں تو قتل و قتال کی نوبت آتی ہے جو عملی طور پر دین کا انکار ہے۔ (تحفۃ القاری 418/1)

بعض روایات میں بجائے کفار کے ضلال آیا ہے اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ قتل سے اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔

(نصر الباری 512/1)

فائدہ: لا تَرَجِعُوا بَعْدِي كُفْرًا سے ظاہر ہوتا ہے امت معصوم نہیں تو امت کا اجماع بھی حجت نہیں۔

ج: اجماع امت کی حجیت حدیث لا اجتماع امتی علی ضلالۃ سے ثابت ہے۔ حدیث الباب میں امکان کفر کا ذکر ہے جو اجتماعی معصومیت کے خلاف نہیں جیسے آپ ﷺ کے معصوم ہونے کے باوجود نفس امکان پر فرمایا گیا لکن اشرکت، حالانکہ اشراک کا امتناع قطعی الثبوت ہے۔ (کشف 477/4)

44 بَاب مَا يَسْتَحَبُّ لِلْعَالِمِ إِذَا سُئِلَ أَيُّ النَّاسِ أَعْلَمُ فَيَكُلُّ الْعِلْمَ إِلَى اللَّهِ

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنَا سَفِيَّانُ قَالَ حَدَّثَنَا عَمْرُو قَالَ أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ إِنْ تَوَقَّأَ النَّبِيُّ كَالْيَوْمِ نَزَّ غَمٌّ أَنْ مُوسَى لَيْسَ بِمُوسَى بَنِي إِسْرَءِيلَ إِنَّمَا هُوَ مُوسَى آخَرُ فَقَالَ كَذَبَ عَدُوُّ اللَّهِ حَدَّثَنَا أَبُو بَنٍّ كَعْبٌ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ مُوسَى النَّبِيُّ خَطْبَتَا فِي بَنِي إِسْرَءِيلَ فُسِّلَ أَيُّ النَّاسِ أَعْلَمُ فَقَالَ أَنَا أَعْلَمُ فَعَتَبَ اللَّهُ عَلَيْهِ إِذْ لَمْ يَزِدْ الْعِلْمَ إِلَيْهِ فَأَوْحَى اللَّهُ إِلَيْهِ أَنْ عَبْدًا مِنْ عِبَادِي بِمَجْمَعِ الْبَحْرَيْنِ هُوَ

أَعْلَمَ مِنْكَ قَالَ يَارَبِّ وَكَيْفَ بِهِ فَقِيلَ لَٰذَا خَمِلَ خَوْثًا فِي مَكْتَلٍ فَإِذَا فَقَدْزَتْ فَهُوَ نَمٌّ فَأَنْطَلَقَ وَالطَّلَقُ بِفَتْهَاءٍ يَوْشَعَ
بَن لُونٍ وَخَمَلًا خَوْثًا فِي مَكْتَلٍ حَتَّى كَانَا عِنْدَ الصُّخْرَةِ وَضَعَا زَعُوسَهُمَا وَقَامَا فَأَنْسَلَ الْخَوْثُ مِنْ
الْمَكْتَلِ {فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ مَرْبًى}

وَكَانَ لِمُوسَى وَفَتَاهُ عَجَبًا فَأَنْطَلَقَا بِقِيَّةٍ لِيَأْبِيَهُمَا وَيَوْمَهُمَا فَلَمَّا أَصْبَحَ قَالَ مُوسَى لِفَتَاهُ {إِنَّا غَدَاؤُنَا لَقَدْ
لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هَٰذَا نَصَبًا} وَلَمْ يَجِدْ مُوسَى مَسَامِنَ التَّصَبِّ حَتَّى جَاوَزَ الْمَكَانَ الَّذِي أَمَرَ بِهِ فَقَالَ لَهُ فِتَاهُ {أَرَأَيْتَ
إِذَا وَرَيْنَا إِلَى الصُّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْخَوْثَ} قَالَ مُوسَى {ذَلِكُمْ مَا كُنَّا نَبْغِي فَإِن تَدَّ عَلَيَّ آثَارِهِمَا قَصَصْنَا}

فَلَمَّا انْتَهَيَا إِلَى الصُّخْرَةِ إِذَا رَجُلٌ مُسَجَّى بِقَوِّبٍ أَوْ قَالَ تَسَجَّى بِقَوِّبٍ فَسَلَّمَ مُوسَى فَقَالَ الْخَضِرُ وَأَنْتَى
بَارِئُكَ السَّلَامُ فَقَالَ أَنَا مُوسَى فَقَالَ مُوسَى بَنِي إِسْرَءِيلَ قَالَ نَعَمْ قَالَ {هَلْ أَتَيْتُكَ عَلَى أَنْ تُعَلِّمَنِي وَمِمَّا
عَلِمْتَ زَكَاةً} قَالَ {إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا} إِنَّا مُوسَى إِنِّي عَلَى عِلْمٍ مِنْ عِلْمِ اللَّهِ عَلَّمَنِيهِ لَا تَعْلَمُهُ أَنْتَ
وَأَنْتَ عَلَى عِلْمٍ عَلَّمَكُهُ لَا أَعْلَمُهُ {قَالَ سَتَجِدُنِي إِِنْ شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا} فَأَنْطَلَقَا يَمْشِيَانِ
عَلَى سَاحِلِ الْبَحْرِ لَيْسَ لَهُمَا سَفِينَةٌ فَمَرَّتْ بِهِمَا سَفِينَةٌ فَكَلَّمُوهُمْ أَنْ يَحْمِلُوهُمَا فَعَرَفَ الْخَضِرُ
فَحَمَلُوهُمَا بِغَيْرِ تَوَلَّى فَجَاءَ غَضُفُورٌ فَوَقَعَ عَلَى حَزَفِ السَّفِينَةِ فَتَقَرَّرَ تَقَرَّرًا وَتَقَرَّرَتَيْنِ فِي الْبَحْرِ فَقَالَ الْخَضِرُ يَا
مُوسَى مَا نَقَضَ عِلْمِي وَعِلْمُكَ مِنْ عِلْمِ اللَّهِ إِلَّا كَنَفَرَةٍ هَٰذَا الْغَضُفُورُ فِي الْبَحْرِ فَعَمَدَ الْخَضِرُ إِلَى لَوْحٍ مِنْ
الْوَاحِ السَّفِينَةِ فَتَزَعَّاهُ فَقَالَ مُوسَى قَوْمٌ حَمَلُونَا بِغَيْرِ تَوَلَّى عَمَدْتَ إِلَى سَفِينَتِهِمْ فَخَرَقْتَهَا فَتَفَرَّقَ أَهْلُهَا {قَالَ
أَلَمْ أَقُلْ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا} قَالَ لَا تُؤْخِذْنِي بِمَا نَسِيتَ {

فَكَانَتْ الْأَوَّلَى مِنْ مُوسَى يَسْتَأْنَأُ فَأَنْطَلَقَا فَإِذَا غُلَامٌ يَلْعَبُ مَعَ الْوَلَدَيْنِ فَأَخَذَ الْخَضِرُ بِرَأْسِهِ مِنْ أَغْلَاهُ فَأَقْبَضَ
رَأْسَهُ بِيَدِهِ فَقَالَ مُوسَى {أَقْبَضْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ} {قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا} قَالَ ابْنُ
عُيَيْنَةَ وَهَٰذَا أَوْ كَذُ {فَأَنْطَلَقَا حَتَّى إِذَا أَتَيَا أَهْلَ قَرْيَةٍ اسْتَطْعَمَا أَهْلُهَا فَأَبَوْا أَنْ يُضَيِّفُوهُمَا فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدُ أَنْ
يَنْقُضَ فَآكَاةً {قَالَ الْخَضِرُ بِيَدِهِ فَآكَاةً فَقَالَ لَهُ مُوسَى {لَوْ شِئْتُ لَأَتَّخَذْتُ عَلَيْهِ أَجْرًا} قَالَ هَٰذَا فِرَاقِي بَيْنِي
وَبَيْنِكَ} قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْحَمُ اللَّهُ مُوسَى لَوْ دَخَلْنَا لَوْ صَبَرَ حَتَّى يَقْضَى عَلَيْنَا مِنْ أَمْرِ هُمَا

ترجمہ: جب کسی عالم سے سوال کیا جائے کہ سب سے بڑا عالم کون ہے

تو اسے علم کو اللہ کی طرف منسوب کرنا چاہیے

حضرت سعید بن جبیرؓ نے حضرت ابن عباسؓ سے کہا: نوحؑ کی کہانی ہے وہ موسیٰؑ (جو حضرت کے ساتھ گئے تھے) وہ بنی
اسرائیل کے موسیٰ نہیں ہیں بلکہ وہ دوسرے موسیٰ ہیں۔ انہوں نے کہا: جھوٹا ہے اللہ کا دشمن۔ ہمیں ابی بن کعبؓ نے بیان کیا

کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا موسیٰ بنی اسرائیل میں خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے تو لوگوں نے ان سے پوچھا سب سے بڑا عالم کون ہے؟ تو موسیٰ نے فرمایا میں بڑا عالم ہوں۔ تو اللہ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ پر میرا ایک بندہ ہے وہ تجھ سے زیادہ علم رکھتا ہے۔

موسیٰ نے عرض کی اے پروردگار میں اس تک کیسے پہنچوں گا؟ تو حکم ہوا مچھلی زئیل میں رکھ لے جہاں وہ مچھلی کم ہوگی وہاں وہ ملے گا۔ پھر موسیٰ چلے اور ان کے ساتھ ان کے خادم یوشع بن نون تھے۔ اور انہوں نے مچھلی زئیل میں اٹھائی حتیٰ کہ چٹان کے پاس پہنچے اور اپنا سر رکھا اور سو گئے اور مچھلی زئیل سے نکلی اور دریا میں راستہ بنالیا۔ موسیٰ اور ان کے خادم کو تعجب ہوا اور دونوں چلتے رہے ایک رات، دن میں جتنا باقی رہا تھا۔ جب صبح ہوئی تو موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا ہمارا ناشتہ لاؤ ہم تو اس سفر سے تھک گئے۔ اور موسیٰ کو تھکان نے چھو ابھی نہیں مگر جب اس جگہ سے آگے بڑھ گئے جہاں جانے کا حکم ہوا تھا۔ اسی وقت ان کے خادم نے کہا کیا آپ نے ہمیں دیکھا جب ہم صخرہ کے پاس پہنچے تھے تو (مچھلی نکل گئی تھی) میں اس کا ذکر کرنا بھول گیا تھا۔^۱

موسیٰ نے کہا ہم تو اسی کی تلاش میں تھے پھر وہ دونوں کھوج لگاتے ہوئے اپنے نشانات قدم پر لوٹے۔ جب اس صخرہ کے پاس پہنچے تو دیکھا ایک شخص کپڑا لپیٹے ہوئے ہے۔ موسیٰ نے اس کو سلام کیا تو غصہ کرنے لگا: تیرے ملک میں سلام کہاں سے آیا۔ موسیٰ نے کہا میں موسیٰ ہوں۔ غصہ کرنے لگا بنی اسرائیل کے موسیٰ؟ انہوں نے کہا ہاں۔ پھر کہا کیا میں تمہارے ساتھ رہ سکتا ہوں اس شرط پر مجھے بھی وہ علم سکھاؤ جو آپ کے پاس ہے۔

غصہ کرنے لگا: آپ میرے ساتھ صبر نہ کر سکیں گے۔ اے موسیٰ بات یہ ہے اللہ نے مجھے ایک علم دیا ہے جو آپ کے پاس نہیں ہے اور آپ کو اللہ نے ایک علم دیا ہے جو میرے پاس نہیں ہے۔ موسیٰ نے کہا انشاء اللہ آپ ضرور مجھے صبر کرنے والا پائیں گے۔ تمہاری کسی کام میں نافرمانی نہیں کروں گا۔ پھر وہ دونوں سمندر کے کنارے پر روانہ ہوئے اور ان کے پاس کشتی نہ تھی۔ اتنے میں ایک کشتی ادھر سے گزری انہوں نے کشتی والوں سے کہا ہم کو سوار کرو غصہ کرو انہوں نے پہچان لیا اور بغیر کرایہ کے دونوں کو سوار کر لیا۔

اتنے میں ایک چڑیا آئی اور کشتی کے کنارے بیٹھ کر اس نے ایک یادو چوٹیں سمندر میں ماریں۔ غصہ کرنے لگا موسیٰ! میرے اور تیرے علم نے اللہ کے علم میں سے اتنا لیا ہے جتنا اس چڑیا کی چونچ نے سمندر میں سے۔ اس کے بعد غصہ کشتی کے ختنوں میں سے ایک کی طرف چلے اور اس کو اکھیڑ ڈالا۔ موسیٰ نے کہا ان لوگوں نے تو ہم کو بغیر کرایہ کے سوار کیا اور تم ان کی کشتی کو نقصان پہنچا کر ان کو بونا چاہتے ہو۔ غصہ کرنے لگا کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کریں گے۔ موسیٰ نے کہا میری بھول پر میری گرفت نہ کرو اور میرے کام کو مشکل میں نہ پھنساؤ۔

حضور ﷺ نے فرمایا یہ پہلا اعتراض تو موسیٰ کا بھول سے تھا۔ پھر وہ دونوں چلے تو ایک لڑکا دوسرے لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ غصہ کرنے اوپر سے اس کا سر پکڑا اور اپنے ہاتھ سے اس کا سر اکھیڑ لیا۔ موسیٰ نے کہا: تو نے ایک معصوم جان کا ناحق خون کیا۔

۱۔ حضرت یوشع بن نون بتانا اس لئے بھول گئے انہوں نے یہ کہتے ہوئے کہ مچھلی کے بارے میں بتا دوں گا، ان شاء اللہ نہیں کہا تھا۔

حضرت نے کہا کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا آپ میرے ساتھ صبر نہ کر سکیں گے۔ ابن عیینہؒ نے کہا یہ پہلے کام سے زیادہ ہے۔ پھر دونوں چلے اور ایک گاؤں والوں کے پاس پہنچے۔ ان سے کھانا مانگا تو انہوں نے کھانا کھلانے سے انکار کیا۔ پھر انہوں نے دیکھا اس میں ایک دیوار ہے جو گرنے کے قریب ہے۔ تو حضرت نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا اور دیوار کو سیدھا کر دیا تو پھر موتی نے کہا تم چاہتے تو اس کی مزدوری لے سکتے تھے۔ حضرت نے کہا بس اب میرے اور تیرے درمیان جدائی کی گھڑی آن پہنچی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ موتی پر رحم کرے۔ کاش صبر کرتے تو ان کے اور حالات بھی ہم سے بیان کیے جاتے۔

فی کل العلم الی اللہ تعالیٰ:

ربط: باب سابق میں محکم کو حفاظتِ علم کا طریقہ بتلایا تھا کہ استاذ کی بات غور سے سنئے۔ باب ہذا میں عالم کو یہ نصیحت فرما رہے ہیں عالم میں تواضع و انکساری ہونی چاہیے۔ اس کے منہ سے کوئی ایسا کلمہ نہ نکلے جس سے تکبر کی بو آئے۔ غرض بخاری ۱: غرض ربط کی تقریر سے واضح ہے کہ بڑے سے بڑے عالم کو تواضع اختیار کرنی چاہیے اور کمالِ علم کو حق تعالیٰ شانہ کی طرف منسوب کرنا چاہیے۔

۲: یہاں امام بخاریؒ کا مقصد علماء کو یہ بات سکھانا ہے کہ انہیں اپنا جہل بھی پیش نظر رکھنا چاہیے اپنی محدود معلومات کو سامنے رکھ کر غیر محدود جمہولات سے قطع نظر مناسب نہیں۔ (فضل الباری 170/2)

۳: علامہ حنفیؒ فرماتے ہیں: امام بخاریؒ کا مقصد غیر اللہ سے علم غیب کی نفی ہے اور ہر ایسے موقع پر جس کا عالم کو علم نہ ہو اس کو ادب کا تقاضا یہ ہے کہ وہ علم کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرے یہی مطلب فی کل العلم الی اللہ تعالیٰ کا ہے۔

۴: اللہ اعلم کی بجائے انا اعلم کہنے پر موتی علیہ السلام جیسے طلیل القدر و غیر معتوب ہوئے تو حام علماء کسی بھی طرح قابلِ عقوبت نہیں ہو سکتے اس لئے علماء کو پوری احتیاط کرنی چاہیے۔ (فضل الباری 169/2)

تعارف و اذات

محمدا المسندی:

مسند احادیث بہت تلاش کرتے تھے۔ اس لئے ان کا لقب بھی شہرت اختیار کر گیا۔

نوف البکالی:

قبیلہ کل جو مشق میں تھا اس میں پیدا ہوئے۔ یہ کعب احبار کے ابن المراءف (سوتیلے بیٹے) یا ابن الاخت یعنی بھانجے ہیں۔ اولاً یہودی تھے پھر مسلمان ہو گئے۔ یہ توراۃ کے مشہور علماء میں سے تھے۔ ان کو یہ شبہ پیش آیا کہ حضرت حضرتؐ سے سفر میں شریک ہونے والے موسیٰ بن عمران نہیں ہیں۔ جو بنی اسرائیل کی جانب مبعوث ہوئے۔ بلکہ یہ موسیٰ بن جیمیٰ بن یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم ہیں۔ یعنی حضرت یوسفؑ کے پوتے اور یہ بھی نبی تھے۔ تورات میں چونکہ حضرت موسیٰؑ اور

حضرت خضرؑ کے واقعہ کا بالکل ذکر نہیں اس لئے ان کو شبہ ہوائی کا دوسرے کے پاس جا کر علم حاصل کرنا؛ یہ اولوالعزم پیغمبر کے شایان شان نہیں۔۔۔ لیکن حضرت ابن عباسؓ نے ان کو موسیٰ بن عمران ہی قرار دیا ہے اور احادیث صحیحہ سے بھی یہی بات ثابت ہے۔ نیز ایک نبی کا دوسرے نبی کی طرف حصول علم کیلئے جانا منصب نبوت کے خلاف بھی نہیں۔۔۔ بالخصوص جبکہ دونوں کے علوم کی انواع مختلف ہوں کہ حضرت خضرؑ کو علم تکوینی دیا گیا تھا۔ و علم منہ من لدنا علماً سے یہی مراد ہے۔ اور حضرت موسیٰؑ کو علم تشریفی عطا کیا گیا تھا۔ اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا علم تکوینی اور علم تشریفی میں اتحاد ضروری نہیں۔۔۔ بلکہ ان میں تضاد ہو سکتا ہے۔ نیز یہ معلوم ہوا تشریع کو تکوین پر فضیلت حاصل ہے جیسا کہ حضرت موسیٰؑ کو حضرت خضرؑ پر فضیلت حاصل تھی۔

ترشی لہجہ

کذب عدو اللہ:

بعض حضرات فرماتے ہیں یہ نوف البکالی بھی مسلمان نہیں تھے۔ یا حضرت ابن عباسؓ کو ان کے ایمان میں شک تھا۔ اس لئے عدو اللہ کا سخت جملہ ارشاد فرمایا۔

لیکن یہ بات بالکل غلط ہے۔۔۔ صحیح، پختہ ایمان والے اور جلیل القدر مسلمان تابعی ہیں۔

سوال: حضرت ابن عباسؓ نے ”عدو اللہ“ کیوں فرمایا؟

جواب ۱: اہل حق جو قلوب صافیہ رکھتے ہیں، جب غیر حق سنتے ہیں تو ان کے دل میں بہت گھٹن ہوتی ہے۔ اس لئے زجر آئیے سخت الفاظ کا صدور ہو جاتا ہے۔

نمبر ۲ کذب عدو اللہ۔۔۔ اگر اتنا سخت لہجہ استعمال نہ کرتے تو لوگ ابن عباسؓ کے سچائے نوف کی بات پر اعتماد کرتے کیونکہ نوف واعظ تھے اور لوگوں میں واعظ زیادہ مشہور ہوتا ہے بخلاف علماء کے۔ (درس شامی 299)

کذب عدو اللہ۔ ابن عباسؓ نے حر بن قیس کے بارے میں اس قسم کے الفاظ استعمال نہیں فرمائے۔ حالانکہ اختلاف ان سے بھی تھا۔۔۔ لیکن یہ کچھ ضروری نہیں کیونکہ حر بن قیس سے اختلاف دوسری نوعیت کا تھا وہ یہ کہتے تھے کہ جن صاحب کے پاس حضرت موسیٰؑ گئے تھے وہ حضرت خضرؑ نہ تھے چونکہ قرآن کریم میں حضرت خضرؑ کے نام کی صراحت نہیں اس لئے یہ اختلاف اتنا سنگین نہ ہوا۔۔۔ اس کے برخلاف نوف البکالی سے جو اختلاف تھا وہ زیادہ سنگین تھا کیونکہ قرآن کریم میں حضرت موسیٰؑ کے نام کی صراحت ہے۔ (انعام الباری 201/2)

حضرت ابن عباسؓ اور حر بن قیس کے مابین گفتگو کے وقت حضرت ابن عباسؓ کو حدیث ابی بن کعبؓ معلوم نہ تھی۔۔۔ لیکن جب سعید بن جبیرؓ اور نوف البکالی کے درمیان گفتگو ہوئی تو حضرت ابن عباسؓ کو حدیث معلوم تھی اور نوف البکالی کی بات خلاف حدیث تھی تو جوش آیا اور فرمایا: کذب عدو اللہ۔ (کشف 484/4)

احمر آگے جا کر بحر روم میں گر رہا ہے۔ اور اس سے پہلے خلیج عقبہ آتی ہے تو خلیج عقبہ کا وہ حصہ جہاں آگے جا کر خلیج عقبہ بحر احمر کے ساتھ مل رہی ہے اس کو مجمع البحرین سے تعبیر کیا گیا ہے۔ تو فرمایا: مجمع البحرین کی جگہ پر میرا ایک بندہ ہے جو تم سے علم زیادہ رکھتا ہے کذا قالہ الشیخ تقی عثمانی مدظلہ۔

سوال: حضرت خضرؑ نے بچے کو قتل کیوں کیا؟ حالانکہ قتل انسان تو حرام ہے۔

جواب: آپؐ کو یہ معلوم تھا یہ بچہ کافر ہوگا اور کبھی بھی مسلمان نہیں ہوگا بلکہ ابداً کفر پر ہی رہے گا۔ اس قتل غلام کے واقعہ سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ حضرت خضرؑ نبی تھے، کیونکہ اگر ان کی نبوت تسلیم نہ کی جائے تو ان کا یہ فیصلہ ظن پر مبنی ہوگا اور ظن سے حاصل شدہ علم ظنی ہوتا ہے اور اس پر اتنی بڑی بنیاد رکھتے ہوئے قتل جائز نہیں۔ لہذا معلوم ہوا ان کا یہ فیصلہ علم الہامی پر مبنی تھا جو کہ یقینی علم اور قطعیت پر مبنی ہے۔

گاؤں کے قریب چند لڑکے کھیل رہے تھے ان میں سے ایک کو جو زیادہ خوبصورت اور سیانا تھا پکڑ کر مار ڈالا۔ یہاں سوچنے کی بات یہ ہے کہ بچوں نے شور کیوں نہیں مچایا اور ان کا پیچھا کیوں نہیں کیا؟ معلوم ہوا کہ حضرت خضر علیہ السلام کا یہ عمل کسی نے نہیں دیکھا موتی کو دکھانا مقصود تھا انہوں نے دیکھا باقی کسی نے نہیں دیکھا۔ بظاہر ایسا نظر آیا کہ کوئی حادثہ پیش آیا جس سے بچہ کا سر کٹ گیا۔ معلوم ہوا کہ حضرت خضرؑ انسان نہیں تھے۔ (تحفۃ القاری 424/1)

یہاں پھر ایک بار سوال پیدا ہوتا ہے اگر حضرت خضرؑ فرشتے تھے تو ان کو کھانے کی کیا ضرورت تھی۔؟ جواب یہ ہے کہ ساتھی کی موافقت منظور تھی پھر جب کھانا مل جائے گا تو کھانے والا کھالے گا اور دوسرا کوئی عذر کر دے گا۔ غرض آیت پاک سے حضرت خضرؑ کا کھانا ملنا ثابت ہوتا ہے اور اتنی بات ان کے فرشتہ ہونے کے منافی نہیں۔ کھانا کھانا ثابت نہیں ہوتا جو فرشتہ ہونے کے منافی ہو۔ (تحفۃ القاری 426/1)

مقتول حضرت خضر علیہ السلام کا نام عند البعض جیسو رہے۔ (نضال باری 172/2)

حضرت خضر علیہ السلام کے ہاتھوں قتل ہونے والے بچے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کے والدین کو پاکیزہ فطرت بچی دی جو ایک نبی سے منسوب ہوئی اور ایک نبی اس سے پیدا ہوئے جس سے ایک امت چلی۔

لودونا: اس حدیث میں حضرت خضرؑ اور حضرت موسیٰؑ دونوں اس بات کا اقرار کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے علم کے برابر کسی کا علم نہیں اور آپؐ لودونا فرما کر اس شوق کا اظہار فرما رہے ہیں کہ ساتھ چلتے رہتے تو اور باتوں کا بھی انکشاف ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا انبیاء کو علم غیب کلی نہیں ہوتا۔ جیسا کہ ان تینوں حضرات کے احوال اس پر دلالت ہیں۔

مستعبطہ فوائد:

۱: ہر حال میں ادب ملحوظ رکھے، اعتراض کی بجائے سمجھ میں آنے پر تاویل کی جائے۔

۲: دو مفاسد میں سے اخف کو اختیار کیا جائے۔

۳: شرائع و احکام ہر حال میں قابل تسلیم اور عقول پر حجت ہیں۔ (کشف 506/4)

۱... باب سابق میں حضرت موسیٰؑ کا حضرت خضرؑ سے سوال اور علم سیکھنا مذکور ہے۔

45 باب مَنْ سَأَلَ وَهُوَ قَائِمٌ عَالِمًا جَالِسًا

عالم سے جو بیٹھا ہو کھڑے کھڑے سوال کرنا

حَدَّثَنَا غُفَّانُ قَالَ أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا الْقِتَالُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَإِنْ أَحَدَنَا يَقَاتِلُ غَضَبًا وَيُقَاتِلُ خَوْفًا فَرَفَعَ إِلَيْهِ أَسَدًا قَالَ وَمَا رَفَعَ إِلَيْهِ أَسَدًا إِلَّا أَنَّهُ كَانَ قَائِمًا فَقَالَ مَنْ قَاتَلَ لِقَاكَ لَقِيَ كَلِمَةً اللَّهُ فِي الْغَلَا فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ.

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰؓ فرماتے ہیں ایک آدمی نبی ﷺ کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہ قتال فی سبیل اللہ کیا ہے؟ کیونکہ ہم میں سے ایک قتال کرتا ہے غصہ دکھانے کے لئے اور ایک قتال کرتا ہے غیرت کی خاطر۔ تو آپ ﷺ نے اس کی طرف اپنا سر اٹھایا۔ روای کہتے ہیں آپ ﷺ نے اس کی طرف سر نہیں اٹھایا مگر اس وجہ سے کہ وہ کھڑا تھا اور فرمایا جو قتال کرے تاکہ اللہ کا کلمہ بلند ہو وہ قتال فی سبیل اللہ ہے۔

غرض دربطہ قتال میں یہ تھاموں یا تحصیل علم کیلئے اہمیت و وقار کی نشست اختیار کرنی چاہیے، اس سے یہ گمان ہو سکتا تھا شاید کھڑے ہو کر سول درست نہ ہو اس باب میں یہ پلت ذرا کی جارہی ہے عند الضرورت کھڑے کھڑے بھی مسئلہ دریافت کیا جاسکتا ہے۔ بعض حضرات علماء فرماتے ہیں چونکہ روایات میں اس پر وعید ہے کہ کوئی بیٹھا ہو اور لوگ اس کے پاس کھڑے ہوں۔ چنانچہ ارشاد مبارک ہے: لَا تَقُومُوا كَمَا تَقُومُوا الْأَعَاجِمُ بِعَظَمِ بَعْضُهَا بَعْضًا۔ تو امام بخاریؒ نے اس ممانعت سے عند الضرورت قاصداً سوال کو مستثنیٰ فرمادیا۔

تشریح حدیث

الا انما قائماً: اس سے ترجمہ الباب کا ثبوت ہے۔ آپ ﷺ شریف فرماتے تھے اور سائل کھڑے تھے۔ حدیث الباب اور بخاری شریف کی دوسری روایت میں ہے: الرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِلْمَغْنَمِ وَالرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِلدَّكْرِ وَالرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِئَوْلى مَكَانِهِ۔ دونوں روایات کے پیش نظر سبب قتال پانچ چیزیں ہیں: خضب، حمیت، غنیمت، شہرت، ریاکاری۔ حافظ فرماتے ہیں خضب کا مال جلب منفعت اور غیرت و حمیت کا مال دفع مضرت ہے۔ اللہ کے کلمہ کی بلندی کیلئے لڑے تو وہ ”فی سبیل اللہ“ ہے۔

پانچ اسباب میں سے آپ ﷺ نے کسی کا ذکر نہیں فرمایا۔ اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک صورت میں مدح کا پہلو بھی نکلتا ہے اور ذم کا بھی۔ اگر آپ اثبات میں جواب دیتے تو جو ذم کا پہلو تھا وہ ”فی سبیل اللہ“ میں داخل ہو جاتا اور اگر آپ نفی میں جواب دیتے تو مدح کا پہلو بھی منفی ہو جاتا۔ اس لئے آپ ﷺ نے مستقلاً ارشاد فرمایا کہ کسی وجہ کو بھی سامنے رکھ کر قتال کرے۔ ضروری ہے کہ اللہ جل جلالہ کے کلمہ کی سر بلندی مقصود ہو اور نیت خالص ہو۔ حاصل یہ کہ قتال کا سبب کبھی قوت عقلیہ

وظیفہ قطع کر کے منہ سے بتانے بجائے اشارے سے بتاتے ہیں۔ صحیح نہیں۔ مسئلہ بتانے سے وظیفہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔
 فائدہ ۱: اس باب میں فتویٰ کا ذکر کیا ہے قضا کا ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ قضا کیلئے اطمینان شرط ہے۔ دیگر کوئی مشغولیت اس دوران نہیں ہونی چاہیے۔ قاضی کیلئے ضروری ہے ہر تین متوجہ ہو کر مدعی، مدعی علیہ اور گواہوں کا بیان سن کر پھر فیصلہ کرے۔
 (۲) آپ ﷺ کے پاس موجود تھے۔ اب دو صورتیں ہیں اسی کی رمی کر رہے ہوں دوسرے یہ کہ رمی نہ کر رہے ہوں ویسے کھڑے ہوں تو عوم سے دونوں صورتوں کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ (احامہ باری 211/2)
 (۳) حدیث الباب کے پانچ رجال ہیں یہ سب حضرات کوئی ہیں۔ (شف 515/4)

47 باب قول الله تعالى وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا

اللہ تعالیٰ کا فرمان کہ تم کو تھوڑا سا علم دیا گیا ہے

حَدَّثَنَا قُتَيْبُ بْنُ حَفْصٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ قَالَ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ سَلِيمَانُ بْنُ الزَّاهِمِ عَنْ عَلْقَمَةَ
 عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ بَيْنَا أَنَا وَأَمِيصِي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي خَرِبِ الْمَدِينَةِ وَهُوَ يَقْرَأُ عَلَى عَسِيبٍ مَعَهُ
 فَمَرَّ بَنَفَرٍ مِنَ الْيَهُودِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ

سَلَوْهُ عَنِ الرُّوحِ وَقَالَ بَعْضُهُمْ لَا تَسْأَلُوهُ لَا يَجِيءُ فِيهِ بَشَرِي وَتَكَرَّرَ هُوَذَا فَقَالَ بَعْضُهُمْ لَتَسْأَلَنَّهُ فَقَامَ رَجُلٌ
 مِنْهُمْ فَقَالَ يَا أَبَا الْقَاسِمِ مَا الرُّوحُ فَسَكَتَ فَقُلْتُ إِنَّهُ يُوْحِي إِلَيْهِ فَقُمْتُ فَلَمَّا انْجَلَى عَنْهُ قَالَ (وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ
 الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي) أَوْ مَا أُوتُوا مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا قَالَ الْأَعْمَشُ هَكَذَا فِي قَوَائِدِنَا

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں میں نبی ﷺ کے ساتھ مدینہ کے ویران علاقے میں چل رہا تھا۔ آپ
 ﷺ اسی لہجے کے ساتھ سہارا لگائے ہوئے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ کی ایک جماعت کے پاس سے گزرے۔
 پس ان میں سے بعض نے بعض کو کہا تم اس سے روح کے بارے میں سوال کرو۔ بعض نے کہا تم سوال نہ کرو کہیں اس میں ایسی
 چیز نہ ملے جس کو تم نہ پسند کرو۔ بعض نے کہا ہم ضرور سوال کریں گے پس ان میں سے ایک آدمی کھڑا ہوا اور کہا اے ابا القاسم روح
 کیا ہے؟ تو آپ ﷺ ہلکا ہلکا ہنسنے لگے میں نے سوچا آپ ﷺ کی طرف وحی آرہی ہے تو میں ٹھہر گیا جب وحی کا آنا آپ
 سے ہٹا تو آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ لوگ آپ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے روح
 میرے رب کے امر سے ہے۔ اور وہ نہیں دیکھے کہ تم کھڑے ہو۔ اعمش کہتے ہیں ہماری قراوت یہی ہے ”وَمَا أُوتُوا“
 ربط: باب سابق میں تھا دین کی بات معلوم کرنے میں تاخیر نہ کرے اس باب میں بتایا جا رہا ہے دین کی بات
 معلوم کرنے میں حار محسوس نہ کرے۔

فائدہ: عمدۃ القاری میں علامہ حلیؒ فرماتے ہیں:

واراد باہر اذہذا الباب المعترجم بهذه الآية التعبيہ علی ان من العلم اشياء لم یطلع اللہ علیہا نبیلو لا غیرہ۔ اس سے معلوم ہوا علامہ عینی دیوبندی تھے، بریلوی نہ تھے۔

غرض بخاریؒ یہ ہے جب اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ تمہیں قلیل علم دیا گیا لہذا اپنے کو علامہ مت سمجھو۔ بلکہ علم کو اللہ کی طرف سپرد کرو۔

روح اور اس کا مصداق

روایت الباب میں آیت صروح کا شان نزول بیان کیا گیا ہے۔ یہ روایت اس بارے میں نص ہے کہ آیت شریفہ مدنی ہے اگرچہ ابن عباسؓ سے کی ہونا مروی ہے۔ اس میں تعارض نہیں ہے، کیونکہ مکہ میں یہود نے یہ سوال بواسطہ قریش کیا تھا اور مدینہ میں براہ راست سوال کیا تھا۔ یسئلونک عن الروح۔ قرآن کریم میں صروح کا اطلاق بہت سے معانی کے لحاظ سے کیا گیا ہے:

روح سے مراد: (۱) حضرت جبریلؑ ہیں۔ جیسا کہ ارشاد مبارک: نزل به الروح الامین، تنزل الملائكة والروح، وغیرہ۔

(۲) روح کا اطلاق حضرت عیسیٰؑ پر بھی ہوتا ہے جیسے القاہا الی مریم وروح مند۔

اس وجہ سے مفسرین میں اختلاف ہوا

ابن قیمؒ نے لکھا ہے بعض مفسرین کے نزدیک روح سے مراد یہاں فرشتہ ہے۔ قرآن کریم میں روح بمعنی المدبر للبدن کہیں نہیں آیا۔ اس پر قرینہ یہ ہے سیرت ابن اسحاق میں مروی ہے کہ جب یہود نے آپ ﷺ سے روح کے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اتعلمون جبریلؑ؟ لہذا اب مطلب یہ ہوگا یہود نے فرشتوں اور جبریلؑ کا سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے کلمہ سے ایک مخلوق پیدا کی گئی ہے جس کی حقیقت کا تم ادراک نہیں کر سکتے۔

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں بعض مفسرین نے روح سے مراد حضرت عیسیٰؑ کو بھی لیا، اور بعض نے اس سے مراد قرآن کریم بھی لیا ہے۔ البتہ جمہور مفسرین کے نزدیک روح سے مراد روح حیوانی یعنی المدبر للبدن ہی ہے۔ یہی مطلب عرف عام میں شائع اور ذائع ہے۔ نیز توراۃ میں اس روح کے متعلق مذکور ہے کہ انسان اس کی حقیقت نہیں پاسکا۔ علامہ عینیؒ نے حقیقت روح پر کلام کرتے ہوئے بہت سے اقوال نقل کئے ہیں چنانچہ فرمایا: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے: ان الروح من مخلوقات اللہ تعالیٰ ولہ عینان واذنان ویدان ورجلان۔

جبکہ بعض علماء کرام نے جنس ملائکہ سے روح کو ایک مخلوق قرار دیا ہے۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں فلاسفہ اور علماء کا بھی اس مسئلہ میں شدید اختلاف ہے۔ حتیٰ کہ علامہ مناویؒ نے علماء کے ایک ہزار اقوال بیان فرمائے ہیں۔

عند البعض روح بمعنی دم ہے (یعنی فلاسفہ کے نزدیک) یہ گویا روح کے منکر ہیں۔ انہوں نے خون ہی کو روح قرار دیا۔ اور اس سے زندگی ہوتا ہے ہیں۔ الگ سے روح کوئی چیز نہیں۔

حضرت بایزید بسطامیؒ نے کرامت دکھائی اور فرمایا کہ میرا خون نکالو چنانچہ خون نکالا گیا پھر بھی زندہ رہے۔ اکثر حکماء کے نزدیک یہ ایک مستقل بالذات شیء ہے۔ چنانچہ ابو الحسن اشعریؒ نے فرمایا: هو النفس الداخل والخارج۔

(۱) روح جو ہر مجردہ ہے۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں: مادہ سے ماوراء ایک شیء ہے۔ یہی قول امام غزالی اور امام رازی کا بھی ہے۔ امام غزالیؒ نے اس پر بارہ دلائل قائم فرمائے ہیں۔

(۲) دوسرے فریق کفر دیکھ کر حریفیہ ہو جو جسم لطیف سار فی البدن۔ اس کو تکلمین نے اختیار کیا ہے۔ ابن القیم نے اس کے ایک سو سولہ دلائل بیان کئے ہیں۔ کیونکہ نصوص سے ثابت ہوتا ہے کہ روح کو پکڑا بھی جاسکتا ہے اور نکالا بھی جاتا ہے۔ اور ملتا نکلا اس کو دیکھ بھی سکتے ہیں۔

بعض حکماء نے روح کو صورت لطیفہ قرار دیا ہے۔ اس کے اعضاء جسم مادی کے اعضاء کے ساتھ مشترک ہیں۔

روح اور نفس کا فرق

پھر حکماء میں اختلاف ہے کہ روح اور نفس شیء واحد ہیں یا اسمیں فرق ہے۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں: صحیح قول یہی ہے کہ اسمیں فرق ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ نفس بھی روح کی طرح ہو جسم لطیف سار فی البدن ہے۔ فرق اتنا ہے کہ نفس کے اندر سینات اور روح کے اندر حسات کا مادہ ہے۔ یہی وجہ ہے قرآن وحدیث میں سینات کی نسبت نفس کی طرف کی گئی ہے۔ چنانچہ فرمایا: ان النفس لا مارقہ بالسوء الا مارقہ حمی۔

لیکن نفس ایمان، عمل صالح اور ریاضت و مجاہدہ سے روح کا مطیع اور فرمانبردار ہو جاتا ہے۔ اس لئے قرآن کریم نے نفس کی اقسام ثلاثہ بیان فرمائی ہیں:

(۱) نفس امارہ۔ یہ بالکل ابتدائی مرحلہ ہے۔ اس پر روح کی گرفت مضبوط نہیں ہوتی۔

(۲) نفس لوامہ۔ وہ یہ کہ انسان کو ارباب سینات پر ملامت کرے۔ یہ کیفیت نفس پر روح کے تسلط کے بعد ہوتی ہے۔

(۳) نفس مطمئنہ۔ یہ ہر اعتبار سے روح کے تابع ہو کر پاکیزہ اور مطہر ہو جاتا ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پٹیؒ نے حقیقت روح پر بہترین کلام فرمایا اور ہمارے اکثر مشائخ نے اس کو پسند فرمایا ہے۔

وہ فرماتے ہیں روح دو قسم پر ہے۔ ایک علوی، دوسری سفلی۔ روح علوی معجود من المادہ، اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے اور

اس کی حقیقت کا ادراک ممکن نہیں۔ اور اہل کشف کو روح علوی کا مقام عرش کے اوپر نظر آیا ہے۔ کیونکہ الطف من العرش ہے۔

پھر اہل کشف کو روح علوی کے اوپر نیچے پانچ طبقات نظر آئے۔ جن کو وہ لطائف خمسہ کہتے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں: ۱۔ قلب۔

۲۔ روح۔ ۳۔ سر۔ ۴۔ جفی۔ ۵۔ اخی۔

اس کے بعد فرمایا روح علوی روح سفلی کے ساتھ تعلق قائم کرتی ہے۔ اور اپنے آثار و کیفیات کا فیضان روح سفلی پر کرتی ہے۔ جیسے

آفتاب مسافت بعیدہ کے باوجود آئینہ میں اپنے آثار کا فیضان کرتا ہے اور وہ آئینہ اس آفتاب کی روشنی اور حرارت کو جذب کر لیتا ہے۔ اسی

طرح روح سفلی روح علوی کا آئینہ ہے۔ اور روح علوی کا فیضان سب سے پہلے مضغہ قلب پر ہوتا ہے اس فیضان کو مضغہ قلب سے لیکر سترہ کذریعہ پورے جسم میں پھیلا دیتی ہے۔ پھر فرمایا انسان دس اشیاء کا مجموعہ ہے۔ پانچ کا تعلق عالم روح سے ہے۔ جن کو لطائف خمسہ کہا جاتا ہے۔ اور پانچ کا عالم مادہ سے ہے جو عناصر اربعہ اور ان کی ترتیب سے پیدا ہونے والا بخار لطیف (غالب قوتہ غریزیہ) ہے۔

تشریح حدیث

قل الروح من امر ربی:

اس میں اختلاف ہے کہ اس کلمہ سے یہود کے سوال کا جواب دیا گیا ہے یا جواب دینے کی ضرورت سے گریز کیا گیا ہے۔ مفسرین کے دونوں قول ہیں:

امام غزالیؒ نے قول ثانی کو اختیار کیا ہے۔ پھر اس میں اختلاف ہے کہ ”امر ربی“ سے کیا مراد ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں: اس سے عالم خلق اور عالم امر کی طرف اشارہ ہے۔ عالم خلق تکوین کو کہتے ہیں۔ اور عالم امر تشریع کو کہتے ہیں۔ اب مطلب یہ ہوگا کہ روح امر خداوندی میں سے ایک امر ہے۔ جب خدا کا حکم ہوا تو داخل ہوئی اور جب حکم ہوا تو خارج ہو گئی۔

بعض کے نزدیک عالم خلق سے مشابہہ مراد ہے۔ اور عالم امر سے عالم غیب مراد ہے۔ شیخ اکبرؒ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کسی چیز کو براہ راست حکم کن سے پیدا فرمائیں تو وہ عالم امر ہے اور اگر کوئی مادہ اور واسطہ درمیان میں ہو جیسے طین (مٹی) انسان کیلئے تو وہ عالم خلق ہے۔

بعض کے نزدیک تکوین و تخلیق عالم خلق ہے اور اس میں تدبیر و تصرف عالم امر ہے۔ جیسے کوئی کارخانہ بنایا جائے اور اس کے اندر مشین و پرزہ جات درست مقامات پر نصب کر دیئے جائیں جب یہ کارخانہ مکمل ہو جائے تو یہ عالم خلق کی مثال ہے اور اس کو چلانے کیلئے انرجی پاور کی ضرورت ہے۔ جس کے بعد یہ کارخانہ اس مقصد کو پورا کر سکے گا جس کیلئے یہ بنایا گیا۔ اس میں پاور جاری کرنا حکم کن کی طرح ہے اور اس میں مقصد کو پیدا کرنا یہ عالم امر ہے۔

اکثر سلف بلکہ سب کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد وہ ”روح“ یعنی عظیم فرشتہ ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ دیگر فرشتوں کے سامنے قیامت کے روز کھڑا ہوگا۔ بنی آدم کی ارواح مراد نہیں۔

وجہ اس کی یہ کہ یہودیوں نے جو سوال کیا ہے اس کا مٹیٰ یہ ہے کہ وہ ایسی بات پوچھنا چاہتے تھے جس کا علم بدون وحی الہی نہ ہو سکے اور وہ وہی ”روح“ ہے جس سے اللہ تعالیٰ واقف ہے۔ جبکہ بنی آدم کی ارواح کوئی غیب کی چیز نہیں ہیں۔ اور مختلف لوگوں اور مختلف اہل ملل نے ان پر کلام کیا ہے لہذا ارواح بنی آدم کے متعلق جواب دینا کوئی علامات نبوت میں سے نہیں ہے۔ لہذا روح سے مراد وہ فرشتہ ہے جس کا ذکر سورہ شعراء اور آیت یوم یقوم الروح ان ھیں ہے۔

حافظ ابن القیمؒ کی مندرجہ بالا رائے بظاہر بہت قوی ہے تاہم علی الاطلاق روح حیات یا روح انسانی کا انکار بہت مشکل ہے۔ ممکن ہے یہ سوال ہو کہ یہ روح بدنی انسانی میں کس طرح سمائی ہوئی ہے گویا عند بعض امتزاج الروح جالبدن ہی کا سوال تھا؟ عند بعض روح کی حقیقت کا علم آپ ﷺ ہی کا تھا بلکہ اس کا اختصاص بلباری ہونا بتایا گیا ہے۔ عند بعض آپ ﷺ

کا منصب و مقام کا تقاضا ہے کہ حقیقتِ روح سے واقف ہوں و علمک عالم تکن تعلم ہی کی طرف مشعر ہے۔ (کشف 536، 538/4)
 بہت سے سائنسدانوں نے قریب الموت شخص کو اٹھا کر شیشے کے گلوب میں رکھا جو چاروں طرف سے بند تھا تا کہ جب انتقال ہو جائے تو دیکھیں اس میں سے کیا چیز نکلتی ہے۔ لیکن پھر بھی کچھ پتہ نہ لگا تو یہ ایسی چیز ہے جس کے بارے میں پتہ لگانا مشکل ہے اس لئے اس تحقیق میں پڑنا فضول ہے۔ (العام الباری 212/2)
 و ما و تیت من العلم:

سوال: روایت الباب میں و ما و تو امن العلم ہے اور ترجمہ الباب میں و ما و تیت من العلم ہے تو ترجمہ الباب کیسے ثابت ہوا؟ جواب: دونوں قراتیں ہیں۔ امام بخاریؒ نے مشہور قراعت کو لیا۔
 فائدہ: ممکن ہے کہ امام بخاریؒ یہ بتلانا چاہتے ہوں کہ و ما و تو اقراعت شاذہ ہے اور قراعت شاذہ اگرچہ قوی السند ہی کیوں نہ ہو متواتر کے مقابلہ میں حجت نہیں ہے۔ اس لئے ترجمہ الباب میں مشہور قراعت کو لیا۔

48 بَاب مَنْ تَرَكَ بَعْضَ الْاِخْتِيَارِ مَخَافَةَ

أَنْ يَقْضَرَ فَهُمْ بَعْضُ النَّاسِ عَنْهُ فَيَقْعُوا فِي أَشَدِّ مِنْهُ

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُوسَى عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْأَسْوَدِ قَالَ قَالَ لِي ابْنُ الزُّبَيْرِ كَانَتْ عَائِشَةُ تُسِرُّ إِلَيْكَ كَثِيرًا فَمَا حَدَّثْتُكَ فِي الْكُفَّةِ قُلْتُ قَالَتْ لِي قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَائِشَةُ لَوْلَا قَوْلُكَ حَدِيثَ عَنْهُمْ قَالَ ابْنُ الزُّبَيْرِ يَكْفُرُ لَنَقَضْتُ الْكُفَّةَ فَجَعَلْتُ لَهَا بَابَيْنِ بَابٌ يَدْخُلُ النَّاسُ وَبَابٌ يَخْرُجُونَ فَقَعَلَهُ ابْنُ الزُّبَيْرِ.

ترجمہ: یہ باب ہے اس بارے میں کہ بعض پسندیدہ چیزیں چھوڑ دے بعض لوگوں کے فہم کے قاصر ہونے کی وجہ سے کہیں اس سے زیادہ نقصان دہ چیز میں نہ پڑ جائیں
 126 سوڈ کہتے ہیں ابن زبیرؓ نے مجھے کہا حضرت عائشہؓ آپ کے ساتھ راز کی باتیں بہت کرتی ہیں۔ کعبہ کے بارے میں آپ سے کیا بیان کیا ہے؟ میں نے کہا انہوں نے مجھے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! اگر تیری قوم نے نئے زمانے والی نہ ہوتی (ابن زبیرؓ نے فرمایا کفر کے ساتھ نئے زمانے والی نہ ہوتی) تو میں کعبہ کو توڑ کر اس کے دو دروازے بناتا ایک دروازے سے لوگ داخل ہوتے دوسرے سے نکلتے چنانچہ ابن زبیرؓ نے ایسا ہی کیا۔

یگے از عبداللہ اربعہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے تقریباً تینتیس احادیث مروی ہیں متفق علیہ صرف ایک جبکہ امام بخاریؒ چھ اور امام مسلمؒ دو میں متفرد ہیں۔ (کشف 168/4)

ربط:

باب سابق میں یہ بیان کیا گیا کہ انسان کو بہت قلیل علم دیا گیا ہے۔ باب ہذا میں یہ بیان ہے جب علم کم دیا گیا تو بے احتیاطی (کہ ہر بات ہر جگہ بیان کر دی جائے۔) کو دیکھ کر لوگ فتنہ میں مبتلا اور علماء کرام سے بدظن نہ ہو جائیں۔

غرض ترجمہ:

اس کی غرض یہ ہے کہ عالم کو ایسے قول و فعل سے احتراز کرنا چاہیے جس سے لوگ غلط فہمی کا شکار ہو جائیں اور اس سے پھر فتنوں کے دروازے کھل جائیں۔ اس کے بعد جو آگے باب ”باب من خص بالعلم قوماً دون قوم“ اس سے بھی یہی مقصود ہے۔ لیکن علماء کرام نے دونوں کے درمیان فرق کرتے ہوئے فرمایا ہے پہلے باب کا تعلق افعال سے ہے اور دوسرے کا تعلق اقوال سے ہے۔ اس لئے امام بخاریؒ نے یہاں فعلی حدیث (بناءً کعب) اہل کی ہے اور باب اتنی میں قولی حدیث اہل کی ہے۔ بخاری کے بعض نسخوں میں فی اشد منہ اور بعض میں فی شرمہ ہے۔

مطابقت حدیث یہ ہے قریش بیت اللہ کا انتہائی احترام کرتے تھے آپ ﷺ اندیشہ تھا کہ اگر میں نے اپنے اختیارات سے کام لیا تو قریش تو مسلم ہونے کی وجہ سے اس کو قدر باختر اور ناموری پر معمول کر کے ایک بڑے فتنہ میں مبتلا ہو جائیں گے۔ (فصل باری 182/2)

تشریح حدیث

لولا ان قومک:

اے عائشہ! اگر تمہاری قوم تو مسلم نہ ہوتی اور یہ خوف نہ ہوتا کہ وہ کعبہ شریف کے انہدام پر اعتراض کریں گے تو میں اس کو از سر نو تعمیر کرتا اور اس میں دو دروازے، ایک داخلی اور ایک خارجی رکھتا۔ اس سے معلوم ہوا جیسے مصلح کا قول باعث فتنہ ہو سکتا ہے ایسے ہی مصلح کا فعل بھی باعث فتنہ ہو سکتا ہے۔

اصل مقصد یہ ہے قریش کے دور میں جیسے بیت اللہ شریف کی عمارت کمزور ہوئی انہوں نے از سر نو تعمیر کا ارادہ کیا تو مال حلال سے بنانے کا عہد کیا۔ آپ ﷺ اس وقت کم عمر تھے۔ حلال جمع شدہ کم پڑ گیا تعمیر کعبہ کی تکمیل نہ ہو سکی۔ تو چھوٹا کمرہ تعمیر کر دیا اور تین تبدیلیاں کر دیں:

(۱) کعبہ شریف کا گھیراؤ کم کیا۔ حطیم کا حصہ باہر چھوڑ دیا۔

(۲) پہلے بیت اللہ شریف کے دو دروازے تھے ایک مشرق کی طرف اور ایک مغرب کی طرف۔ مغرب والا دروازہ بند کر دیا۔

(۳) دہلیز اونچی کر دی کہ ہماری اجازت کے بغیر کوئی شخص اندر داخل نہ ہو۔ تو آپ ﷺ نے اس خواہش کا اظہار

فرمایا دہلیز نیچی کر دوں اور دروازے بھی دو کر دوں نیچے بھی کر دوں۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ نے آپ ﷺ

کی خواہش کے مطابق تعمیر جدید فرمادی۔

حصین بن نمیر کے محاصرہ کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے کعبہ کی تعمیر جدید کا ارادہ فرمایا۔ حضرت ابن عباسؓ سمیت بہت سے حضرات کی رائے تھی کہ کعبہ کو طی حالہ باقی رکھا جائے آپ ﷺ کی نظریں جہاں پڑی ہوئی تھیں اس میں تغیر کی بجائے اصلاح و ترمیم کی جائے۔

حضرت ابن زبیرؓ اپنے ہاتھ میں کدال لیکر کعبہ پر چڑھ گئے اور اس کے پتھر گرانے شروع کر دئے تو دیگر حضرات بھی شریک ہو گئے حتیٰ کہ حضرت ابراہیمؑ کی بنیادیں مل گئیں اور اسی کے مطابق تعمیر کی۔ تاہم حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنی تائید کے سلسلہ میں حضرت اسود بن یزیدؓ سے پوچھا کہ ام المومنین سیدہ عائشہؓ نے کچھ فرمایا ہے؟ اسی حدیث کی روشنی میں حسب خواہش رسول اللہ تعمیر فرمائی۔ حجاج بن یوسف نے اپنے غلبہ کے بعد دوبارہ سابقہ بنا پر تعمیر کی لیکن عبدالملک بن مروان نے افسوس کیا اور کہا: کاش ہم کعبہ کو ابن زبیرؓ نے جس طرح تعمیر کیا تھا اس حال میں چھوڑ دیتے۔ (کشف 557-558/4)

پھر حجاج بن یوسف کے قبضہ کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیرؓ شہید ہو گئے۔ اس نے جب حملہ کیا تھا تو مخنیق کے بہت سارے گولے بیت اللہ شریف پر لگے تھے۔ جس کی وجہ سے بیت اللہ شریف کی چھت اور دیواروں میں شکاف پڑ گئے تھے۔ لہذا جب حجاج بن یوسف نے اس کو دوبارہ تعمیر کا ارادہ کیا۔ تو اس کو یہ علم نہیں تھا کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے تعمیر کعبہ میں تبدیلی کیوں فرمائی تھی۔ چونکہ وہ ابن زبیرؓ کا مخالف تھا۔ اس نے اس کی تعمیر بدل کر پہلے خطوط کے مطابق دوبارہ بنادی۔

بعد میں جب بنو عباس کا زمانہ آیا تو ان میں سے خلیفہ ہارون رشید نے ارادہ کیا دوبارہ بناء ابراہیمی پر تعمیر کریں جیسے آپ ﷺ کی خواہش تھی۔ اور جیسا کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے کیا تھا۔ لیکن جب امام مالکؒ کو اس کی اطلاع ملی تو انہوں نے ہارون رشید کو اس سے روکا اور فرمایا

خدا کیلئے اب یہ اقدام نہ کرنا۔ ورنہ بادشاہ کعبہ کو کھلوٹا بنا لیں گے۔

ہر ایک اپنا نام پیدا کرنے کیلئے نئی تعمیر کرے گا۔

علم کا عظیم باب

یہ باب علم کا عظیم باب ہے۔ جس کی طرف امام بخاریؒ نے توجہ مبذول کرائی ہے۔ ایک صورت یہ ہوتی ہے ایک طرف حلال، جائز اور دوسری طرف حرام ناجائز ہو تو کلام کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن بعض اوقات صورت حال یہ ہوتی ہے ایک طرف مباح اور دوسری طرف مستحب ہے یا ایک طرف رائج دوسری طرف مرجوح۔ یعنی محصیت کسی جانب میں نہیں ہوتی۔ ایسی صورت میں اگر مستحب پر عمل کرنے سے فتنہ کا اندیشہ ہو کہ لوگ اس کی حکمت سے باخبر نہیں ہو سکیں گے اور اس کے نتیجہ میں بڑی برائی میں مبتلا ہو جائیں گے۔ ایسی صورت میں مستحب اور رائج کام چھوڑ دینا چاہیے۔

مثلاً صبح کی سنت گھر پر پڑھنا اگرچہ مستحب ہے تاہم آج کے دور میں چونکہ علمۃ الناس کو عدد رکعات کا علم نہیں تو کوئی مقتدی

فخص اگر سنت گھری میں پڑھے اور مسجد میں آکر نہ پڑھے تو عام لوگ بھی سمجھیں گے کہ صرف صبح کے دو فرض ہیں۔ لہذا اگر گھر پڑھنے کے احتیاج پر عمل کرتے ہوئے دوسرے لوگ ترک سنت کا ذریعہ بنالیں گے تو مسجد آکر سنت ادا کرنی چاہیے۔

یا عرس کے روز حافظ محمد صالحؒ کو حضرت گنگوہیؒ نے ارشاد فرمایا کہ کسی کو کیا علم کہ آپ مجھے ملنے آئے ہو یا گنگوہ کے عرس میں آئے ہو۔ تو صبح تہجد کے وقت ہی اندھیرے میں واپس فرمایا۔ یا ارشاد فرمایا کہ محرم میں حضرات اہل سنت والجماعت کیلئے ذکر حسین وکر بلا کا محرم کے موقع پر بیان بھی تہذیبی ماتم میں داخل ہے۔ جس وقت شیطان بیان کرتے ہوں اس وقت احتراز ضروری ہے۔ علاوہ ان میں دیگر مواقع پر ان کی عظمت وفضائل بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

تعلیم کبھی قولی ہوتی ہے اور کبھی عملی اگر عملی تعلیم کے اندر کسی خاص مسئلے میں یہ خطرہ ہو کہ لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں گے تو اس کو کرنے کی بجائے چھوڑ دینا چاہیے۔ یہاں ”من ترک بعض الاختیار“ میں اقوال وافعال دونوں داخل ہیں۔ (کشف 545/4)

فعل مستحب کس حالت میں قابل ترک ہے ایسی باتیں فہم سلیم اور تفہیم فی الدین چاہتی ہیں یہ محض کتابوں سے حاصل نہیں ہوتیں اس کیلئے کسی کی صحبت کی ضرورت ہوتی ہے۔ (انعام الباری 214/2)

فوائد

- (۱) جب قوم بے عمل ہو چکی ہو تو صرف درجائی احادیث بیان نہیں کرنی چاہئیں۔
 - (۲) بادشاہ ظالم ہو تو احادیث تحریف نہیں بیان کرنی چاہئیں۔
 - (۳) بادشاہ عادل ہو تو بغاوت کی احادیث نہیں بیان کرنی چاہئیں۔
 - (۴) یہ اشارہ بھی نکلتا ہے کہ کتمان علم کا گناہ کس وقت ہے۔ اس کی تعیین ایک باریک مسئلہ ہے۔ اس کا مصداق و انطباق کہاں ہے۔ یہ ظاہر الفاظ حدیث کو دیکھ کر متعین نہیں ہو سکتا۔ جیسے حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا: جاؤ مجھے نہیں آتا اسلئے کہ طالب علم کفہ تھا۔
- مستحبہ مسائل:

- ۱۔ قوم جس امر سے مانوس نہ ہو اور فتنہ کا اندیشہ ہو تو امر بالمعروف و نہی عنکر کر دیا جائے گا۔
- ۲۔ مصلحت و مفسدہ میں تعارض کے وقت جو زیادہ اہم ہو اس پر پہلے عمل کرے۔ مصلحت کعبہ کی بنا براہمی پر تعمیر تھی مگر بڑا مفسدہ ہو مسلم لوگوں کا اسلام سے برگشتہ ہونے کا اندیشہ تھا آپ ﷺ نے مفسدہ سے بچنے کیلئے مصلحت پر نہیں عمل فرمایا۔
- ۳۔ دہلی ریاست کو اپنی رعایا کی صلاح و فلاح پیش نظر رکھنی چاہیے ان کو حضرت دینی و دنیوی سے بچائے۔ (فضل الہدیٰ 183/2)
- بکفر: یہ ابن زبیرؓ کا قول ہے۔

ففعلا ابن زبیرؓ: یہ بیان حالت ہے۔ حدیث کا جرح نہیں ہے۔

سوال: یہاں صرف ایک ترک فعل (یعنی تعمیر قبلہ براہمی بنیاد پر نہ کرنا) کا ذکر ہے۔ اس کا کتاب العلم سے کیا تعلق ہے؟

جواب: علم جیسے افعال سے ہوتا ہے اسی طرح کبھی ترک فعل سے بھی ہوتا ہے۔ لہذا مفہوم واضح ہے۔

49 باب مَنْ خَصَّ بِالْعِلْمِ قَوْمًا دُونَ قَوْمٍ كَرَاهِيَةً أَنْ لَا يَفْهَمُوا

وَقَالَ عَلِيُّ بْنُ خَزْزَادَةَ عَنْ أَبِي الطُّفَيْلِ عَنْ عَلِيٍّ بِذَلِكَ.
خَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ خَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ قَالَ خَدَّثَنِي أَبِي عَنْ قَتَادَةَ قَالَ خَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ أَنَّ

النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُعَاذُ بْنُ دَيْفَعَةَ عَلَى الرَّخْلِ قَالَ يَامُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ قَالَ لَتَبَيْتُكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَعْدِيكَ قَالَ يَامُعَاذُ
قَالَ لَتَبَيْتُكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَعْدِيكَ ثَلَاثًا قَالَ مَا مِنْ أَحَدٍ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنْ مُحَمَّدًا رَسُولَ اللَّهِ صَدَقَ مِنْ قَلْبِهِ إِلَّا
خَرَّ مَعًا اللَّهُ عَلَى النَّارِ قَالَ يَارَسُولَ اللَّهِ أَفَلَا أُخْبِرُ بِمَا لِلنَّاسِ فَيَسْتَبْشِرُوا وَقَالَ إِذَا تَبَكَّلُوا أَوْ اخْتَبَرُوا بِهَا مُعَاذُ بْنُ دَيْفَعَةَ ثَلَاثًا.
خَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ خَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي قَالَ سَمِعْتُ أَنَسًا قَالَ ذَكَرَ لِي أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
قَالَ لِمُعَاذٍ مَنِ لَقِيَ اللَّهَ لَا يَشْرُكَ بِهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ قَالَ أَلَا أَتُخْبِرُ النَّاسَ قَالَ لَا إِنِّي أَخَافُ أَنْ يَبْكُوا.

ترجمہ: بعض لوگوں کو علم کی باتیں بتانا اور بعض کو اس خیال سے نہ بتانا کہ وہ سمجھ نہ سکیں گے

حضرت علیؑ نے فرمایا لوگوں کو دین کی وہی باتیں بتاؤ جو وہ سمجھ سکیں کیا تم پسند کرتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کو ٹھٹھایا جائے۔
حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے حضور ﷺ نے حضرت معاذؓ کو فرمایا جب آپ ﷺ سوار پر آپ
ﷺ کے رویف تھے اے معاذ! انہوں نے عرض کیا حاضر ہوں یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا: اے معاذ! انہوں
نے عرض کیا حاضر ہوں یا رسول اللہ (تین بار آپ ﷺ نے معاذ کو پکارا) پھر فرمایا جو شخص سچے دل سے یہ گواہی دے کہ اللہ
کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد ﷺ کے رسول ہیں تو اللہ دوزخ اس پر حرام کر دے گا۔
معاذؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا میں لوگوں کو اس کی خبر دوں وہ خوش ہو جائیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تب تو وہ بھروسہ
کر کے بیٹھ جائیں گے۔ اور معاذ نے مرتے وقت گنا گارہوں نے کٹ کر سلوگوں کو اس کی خبر دی (تاکہ کتمانِ علم کا گناہ لازم نہ آئے)۔
حضرت انسؓ سے روایت ہے حضور ﷺ نے حضرت معاذؓ سے فرمایا جو شخص اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے کہ وہ
شرک نہ کرتا ہو تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ معاذؓ نے عرض کیا کیا میں لوگوں کو اس کی خوشخبری نہ دے دوں آپ ﷺ نے
فرمایا نہیں۔ میں خوف کرتا ہوں کہ میں وہ بھروسہ کر کے نہ بیٹھ جائیں۔

ربط ۱: باب سابق میں اقتضائے حکمت سے کسی سوال کے جواب نہ دینے کا ذکر تھا اس باب میں کسی حکمت و مصلحت کی وجہ
سے بعض محتاط روپسندیدہ امور کو ترک کرنے کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ (فضل الباری 181/2)

ربط ۲: باب سابق میں اس حکمت کا ذکر تھا جو ترک فعل سے متعلق تھی یہاں اس حکمت کا ذکر ہے جو ترک اقوال سے وابستہ ہے۔

۳: باب سابق میں تعلیم و تبلیغ میں موقع کی رعایت کا ذکر تھا باب ہذا میں مخاطبین و سامعین کی فہم کی رعایت ضروری قرار

دی ہے۔ (فضل الباری 184/2)

غرض بخاری: باب سابق میں گذر چکا ہے اور مقصود بخاری واضح ہے کہ ذکی وغنی کے درمیان فرق کرنا۔ اگر غنی سے وہ علم پوشیدہ رکھیں جو اس کے فہم سے بالاتر ہے تو یہ کتمانِ علم کے گناہ میں داخل نہیں۔ یہی حضرت علیؓ کے قول مبارک: **حدّثوا الناس بما يعرفون** اِرخ یعنی کلموہم علی قدر عقولہم۔ اور روایت الباب کی مناسبت ترجمۃ الباب سے واضح ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت معاذؓ کو ایک علم کے ساتھ مخصوص فرمایا اور دوسرے لوگوں کو اس کی تبلیغ سے روک دیا۔

سوال: حضرت علیؓ کے اثر کو مقدم کیا اور سند کو مؤخر کیوں کیا؟

جواب ۱: سند میں ضعف کی طرف اشارہ ہے۔

جواب ۲: اثر اور مرفوع روایت کا فرق بیان کرنے کیلئے بعد میں لائے۔

جواب ۳: اثر کو ترجمۃ الباب کا جز بنا نے کیلئے سند کو مؤخر کیا۔

امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب میں حضرت علیؓ کے قول کے بعد پھر اس کی سند پیش فرمائی۔ یہ ان روایات میں سے ہے جن میں امام بخاریؒ کو علوسند حاصل ہے۔ یعنی ثلاثیات بخاری کے ساتھ ملحق ہے۔ ثلاثی وہ ہے کہ تیسرا راوی صحابیؓ ہو جو حضرت ابوطیفیل عامر بن واہلہؓ صحابیؓ ہیں جو غزوہ احد کے سال ۳ھ میں پیدا ہوئے اور وفات صحیح قول کے مطابق ۱۱۰ھ میں ہوئی۔ وفات کے لحاظ سے آخری صحابیؓ ہیں۔ (نصابی ۱/۵۲۸)

آپؓ سے تقریباً بیس احادیث مروی ہیں۔ بخاری شریف میں ایک جبکہ مسلم شریف میں دو روایتیں ہیں۔ (کشف ۵۷۰/۴)

تشریح حدیث

یا معاذ! قال لیبک اِرخ: تین مرتبہ تکرار سے مقصود حقیقہ و بیداری ہے یہ بھی سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔

قال اذا یتکلموا:

حضرت معاذؓ کو نثار ہے میں لیکن دیگر حضرات کو نثار سے روک دے ہیں۔ اس سے ترجمۃ الباب ثابت ہو گیا۔
ومعلیک: پشیم ہے اس کا معنی ہے: **تاسعادات ابعدا سعادک یعنی انا مسعد لطاعتک اسعادات ابعدا سعادک**۔

الاحرمہ علی النار:

سوال: اس سے تو مرچتہ کا مذہب ثابت ہو گیا کیونکہ طاعت کی عدم افادیت اور گناہ کی عدم مضرت ثابت ہوتی ہے۔

جواب ۱: نار کی دو اقسام ہیں: ۱۔ نار مؤبدہ۔ ۲۔ نار غیر مؤبدہ۔ یہاں نار مؤبدہ کا حرام ہونا مراد ہے۔

جواب ۲: نار کی دو قسمیں ہیں: ۱۔ نار معدہ للکافرین۔ ۲۔ نار معدہ للعصاة،

حدیث الباب میں نار معدہ للکافرین مراد ہے۔

جواب ۳: کوئی شیء جب ثابت ہوتی ہے تو اپنے لوازم و قیود اور فوائد کے ساتھ ثابت ہوتی ہے۔ جب سب

احکام بتلائے جا چکے ہیں۔ لہذا صدقِ دل سے کلمہ پڑھنے کا مطلب بھی یہ ہوگا کہ تمام فرائض و احکام سے کلمہ کے تقاضے کو پورا کرے۔ لیکن چونکہ لوگ اتنی گہرائی تک نہیں پہنچ پاتے اور ظاہر الفاظ تک ہی ان کی فہم محدود ہوتی ہے۔ اس لئے اس کو آگے نشر و اشاعت سے منع فرما دیا گیا۔

جواب ۴: کلمہ کی اصل تاثیر کلیان ہے۔ اصل تاثیر تو اس کی یہی ہے کہ اس سے دخول فی النار کی حرمت ہو جائے۔ لیکن جب معاصی ساتھ مل جائیں تو پھر تاثیر کا یہ ظہور نہ ہو تو اس حدیث کے منافی نہیں۔ جیسے پانی اس کا اصل خاصہ تو برودت ہے لیکن جب آگ سے مل جائے حرارت پکڑ لے تو پھر اس کی تاثیر گرم ہو جاتی ہے، گناہ کو زائل کرنے کیلئے یا تو اللہ کا فضل و معافی مل جائے یا سفارش مل جائے یا پھر آگ میں ڈالنا پڑے گا۔

جواب ۵: ایک معنی یہ ہے کہ یہ حکم غالب احوال کے اعتبار سے ہے کیونکہ موحد عموماً اطاعت کرتا اور معصیت سے اجتناب کرتا ہے۔ (کشف 582/4)

جواب ۶: مومن کا دخول فی النار تو ہو سکتا ہے لیکن خلو نہیں ہو سکتا۔ ایمان کا طبعی اثر بالآخر ظاہر ہو کر اس کو جنت میں داخل کر کے رہے گا۔ بخلاف کفار وہ مخلد فی النار دائمًا بدائیں۔ ان کا کفر تجس العین ہے اور وہ ان کی ذات سے مفارق نہیں ہو سکتا۔ اس لئے دائمًا بدائے وہ کبھی پاک ہو سکتے ہیں اور نہ دخول جنت کے قابل ہو سکتے ہیں۔ (فضل باری 187/2)

جواب ۷: ان احادیث میں ان اعمال کے اثرِ اصلی اور طبعی کا بیان ہے جو عوارض و موانع کی وجہ سے محبوب و مستور ہو سکتا ہے مگر معدوم نہیں، یا یوں کہتے یہ سب (اعمال) مغفرت کی تائید ہے جو ترکیب کے وقت علیٰ حالہ باقی نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ مفرد کی تاثیر الگ ہوتی ہے اور مرکب کی تاثیر الگ اور مفرد ادویہ کی تاثیر الگ ہوتی ہے۔ (احادیث مذکورہ میں انفرادی تاثیر کا ذکر ہے مثلاً کلمہ کی تاثیر دخول جنت اور ایداء جاریا چغل خوری کی سزا یہ کہ اس کا مرکب ہرگز جنت میں نہیں جائے گا لیکن مرکب کی تاثیر بدل سکتی ہے۔ ثقلت عواذینہ بھی اسی طرف مشعر ہے۔ (فضل باری 188/2)

جواب ۸: آپ ﷺ ”زبان مبارک“ سے ادا شدہ اقوال صفاتِ خداوندی کا مظہر ہوتے ہیں۔ شانِ رحمت و کرم کا قلب مبارک پر انعکاس ہوتا ہے تو محض لا الہ الا اللہ سے دخول جنت کی بشارت اور جب شانِ انتقام و غضب کا قلب پر انعکاس ہوا تو فرمایا: لا یدخل الجنة قتات ولا نمام۔

اس لئے رحمتِ الہیہ کا مقتضی تو یہی ہے کہ ہر عبد موحد مقرب باللہ والرسالة بلا تاخیر جنت میں داخل ہو جائے اور ان احادیث الباب میں اسی کا ذکر ہے۔ اور اللہ کے غضب و قہر کا مقتضی یہ ہے کہ جو ادنیٰ سے ادنیٰ بھی گناہ و نافرمانی کا مرتکب ہو وہ دوزخ میں اپنا ٹھکانہ بنائے۔ بہر حال ہر دو قسم کی احادیث دونوں قسم کی صفات کے فی نفسہ مقتضی پر محمول ہیں۔ باقی قیامت میں جب دونوں صفات ظاہر ہوں گی تو کسی کا بیڑا مغفرت سے پار ہو جائے گا اور کسی کو آگ کی بھیٹی میں ڈال کر صفائی کی جائے گی۔ (فضل باری 189/2)

بشارت مذکورہ کی بنا پر بعض لوگ عمل میں کوتاہ واقع ہوئے ہیں۔ اور بعض ترقی کر کے آگے بڑھتے ہیں۔ یہ فرق محل استعداد کا ہے جیسے حضرات عشرہ مبشرہ، تبشیر کے بعد مزید مستعد ہو گئے۔ نیز آپ ﷺ ارشاد مبارک: افلا اکون عبداً شکوراً کے تناظر میں تفہیم بشارت مزید آسانی ہو جاتی ہے تاہم یہ کابلوں کیلئے مزید سستی کا باعث ہو جاتی ہے اس لئے اس کی عمومی نشر و اشاعت سے روک دیا گیا۔ جیسے اچھی غذا صحت مند کیلئے مزید تقویت کا باعث اور ہیضہ کے مریض کیلئے مزید مرض کا باعث ہوتی ہے محل استعداد کا فرق ہے، غذا ایک ہے۔ (فضل الباری 191/2)

اخبر بہا معاذ ﷺ عند الموت:

سوال: حضرت معاذؓ نے منع کے باوجود کیوں بتلایا؟

جواب ۱: حضرت معاذؓ سمجھ گئے تھے عام لوگوں کو بتانے سے روکا گیا ہے خواص سے نہیں۔ اس لئے کتمانِ علم کے گناہ سے بچنے کیلئے خواص کو مرنے سے پہلے بتادیا۔

جواب ۲: ابتداء میں اہل کمال کے خوف سے اعمال میں کوتاہی کا اندیشہ تھا اس کے بعد یہ خطرہ جاتا رہا حضرت معاذؓ سمجھ گئے جس علت کی وجہ سے منع کیا گیا تھا وہ علت بتائی نہیں رہی، اب اگر یہ حدیث بیان نہ کی گئی تو کتمانِ علم کے گناہ کا خطرہ ہے۔ (كشف 587/4)

جواب ۳: حدیث الباب حضرت معاذؓ نے زندگی بھر بیان نہ فرمائی اس لئے کہ یہ سمجھتے رہے کہ ممانعت علی العموم ہے۔ پھر قریب المرگ یہ سمجھے کہ ممانعت علی العموم نہیں جو ذی شعور اور فہم و استعداد کے حامل ہوں ان کو سناسکتے ہیں گویا خواص میں عام نصوص کے مطابق اس حدیث کی تبلیغ ضروری ہو گئی اس لئے عند الموت ذی استعداد حضرات کو بلا کر بلغوا عنی ولو آتیکم انتہال کے تحت یہ حدیث سنائی۔ بہر حال حضرت معاذؓ یہ سمجھتے تھے کہ یہ منع تحریم کیلئے نہیں بلکہ مصلحتِ علانہ کے لحاظ سے شفقت ہے فی نفسہ اس حدیث کی تبلیغ ممنوع اور ناجائز نہیں اذ ابنتکلوں کا لفظ اسی پر دال ہے۔ (فضل الباری 193/2)

فائدہ: امام مالکؒ سے منقول ہے کہ صفات الہیہ کی وہ احادیث جن میں تجسم کا ایہام ہو وہ عوام کے سامنے ہرگز نہ بیان کی جائیں ورنہ وہ صفات الہیہ کو اپنے اوپر قیاس کرنے لگیں گے جس سے گمراہی کا اندیشہ ہے۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں جن احادیث کی ظاہری سطح موہم ہو کسی بدعت کی طرف یا موجب ہو جرأت علی المصیۃ پر اور آپ ﷺ وہ مراد نہ ہو ایسی احادیث کم فہم کے سامنے بیان کرنے سے محروم و اجتناب چاہیے۔ (فضل الباری 185/2)

50 باب الْحَيَاءِ فِي الْعِلْمِ۔ علم کی باتوں میں حیا کرنا

وَقَالَ مُجَاهِدٌ لَا يَتَعَلَّمُ الْعِلْمَ مُسْتَحْيٍ وَلَا مُسْتَكْبِرٌ وَقَالَتْ عَائِشَةُ نِعَمَ التَّسَاءُلِ سَاءَ الْأَنْصَارِ لَمْ يَمْنَعْنَهُنَّ الْحَيَاءُ أَنْ يَتَفَقَّهْنَ فِي الدِّينِ.

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ زَيْنَبِ ابْنَةِ أُمِّ سَلَمَةَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ جَاءَتْ أُمُّ سَلَمَةَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ فَهَلْ

عَلَى الْمَرْأَةِ مِنْ غُسْلِ إِذَا اخْتَلَمَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَأَتْ الْمَاءَ فَعَطَّتْ أَمْ سَلَمَةَ تُغْنِي وَجْهَهَا وَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَتَحْتَلِمُ الْمَرْأَةُ قَالَ نَعَمْ تَرَبُّثٌ يَمِينُكَ فِيمَنْ يَشِبُّهَا وَلَدَهَا.

حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً لَا يَسْقُطُ وَرَقُهَا وَهِيَ مَعْلُ الْمُسْلِمِ حَدَّثُونِي مَا هِيَ فَوَقَعَ النَّاسُ فِي شَجَرِ الْبَادِيَةِ وَوَقَعَ فِي نَفْسِي أَنَّهَا التَّخْلَةُ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ فَاسْتَحْيَيْتُ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ أَخْبِرْنَا بِهَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هِيَ التَّخْلَةُ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ فَحَدَّثْتُ أَبِي بِمَا وَقَعَ فِي نَفْسِي فَقَالَ لَأَنْ تَكُونَ قُلْتَهَا أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ يَكُونَ لِي كَذَاوُ كَذَا.

ترجمہ: اور مجاہدؒ نے فرمایا جو شخص شرم کرے یا تکبر کرے وہ علم حاصل نہیں کر سکتا اور حضرت عائشہؓ نے فرمایا انصار کی عورتیں کتنی ہی اچھی تھیں ان کو شرم نے دین کی سمجھ حاصل کرنے سے نہیں روکا۔

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں ام سلیم حضور ﷺ کے پاس آئیں اور کہا یا رسول اللہ! اللہ حق بات سے شرم نہیں کرتا کیا عورت کو اگر احتلام ہو جائے تو اسکو غسل کرنا چاہئے؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا (ہاں) جب وہ تری دیکھے۔ (یہ سن کر) ام سلمہؓ نے اپنا منہ چھپالیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں پھر بچہ ماں کے مشابہ کیسے ہوتا ہے؟۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا درختوں میں ایک درخت ایسا ہے جس کے پتے نہیں جھڑتے اور وہ مسلمان کی مثال ہے مجھے بتاؤ وہ کونسا درخت ہے؟ تو لوگ جنگلوں کے درختوں میں پڑ گئے اور میرے دل میں آیا وہ کھجور کا درخت ہے۔ حضرت عبد اللہؓ نے کہا لیکن مجھے شرم آئی۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ہی بتا دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ کھجور کا درخت ہے۔ حضرت عبد اللہؓ نے کہا میرے دل میں جو خیال آیا تھا وہ میں نے اپنے والد کے سامنے بیان کیا۔ انہوں نے کہا اگر تو اس وقت کہہ دیتا تو مجھے اتنا اور اتنا مال ملنے سے بھی زیادہ خوشی ہوتی۔

رابطہ: باب سابق میں بعض علمی باتوں کو ایک جماعت اہل فہم کیلئے خاص کرنے کا ذکر تھا یہاں پر فرما رہے ہیں کہ علم کو خاص جماعت کے لئے مخصوص سمجھ کر سوال سے حیاء کیا جائے۔ بلکہ علمی ضرورت پیش آئے معاملہ دینی ہو یا دنیوی۔ اس کے دریافت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہیے۔

غرض بخاری: امام بخاریؒ فرما رہے ہیں حیا اگرچہ شعب ایمان میں سے ہے تاہم علم کے حصول میں حیا محمود نہیں ہے جیسا کہ فرمایا: حیا کرنے والا اور متکبر علم حاصل نہیں کر سکتا۔ یہی شرم کی وجہ سے نہیں پوچھتا اور متکبر اس لئے کہ لوگ کہیں گے کہ اس کو ابھی تک یہ مسئلہ بھی نہیں آتا۔ اس لئے دونوں جاہل رہ جاتے ہیں۔

حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں: امام بخاریؒ نے کوئی یقینی اور قطعی بات نہیں فرمائی۔ بلکہ معلم کو اس طرف متوجہ کرنا چاہئے ہیں کہ حیا صفت محمودہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے الحیاء خیر کذلک الحیاء لا یأتی الا بخیر۔۔۔ صفت محمودہ اختیار کرنے کا نتیجہ بھی محمود اور اچھا نکلے گا۔ بعض دفعہ اس صفت کا درست استعمال نہیں ہوتا نتیجہ فساد نکلتا ہے تو آدمی سمجھتا ہے

کہ یہ غلط نتیجہ اس صفت کی وجہ سے نکلا۔ جیسے حیا ہے بعض دفعہ آدمی طلب علم حیا کی وجہ سے سوال نہیں کر سکتا۔۔۔ حالانکہ یہ حیا نہیں بلکہ فطری بزدلی ہے۔ تو جب محروم رہ جاتا ہے تو سمجھتا ہے کہ یہ حیا کی وجہ سے ہوا۔ حالانکہ یہ فطری بزدلی کا نتیجہ ہے۔۔۔ حدیث الباب میں ایسی تمہیدی بات بھی جو حیا کے منافی نہیں تھی۔ (درس شمارنی 309)

امام اعظم ابوحنیفہؒ سے کسی نے پوچھا آپ کو ازاد یا ظلم کیسے حاصل ہوا۔۔۔؟ فرمایا:

مَا بَخِلْتُ عَنْ الْإِفَادَةِ مَا اسْتَحْيَيْتُ عَنْ الْإِسْتِفَادَةِ

قال مجاهد لا يتعلم العلم مستحي ولا متكبر:

حیا سے مراد حیا طبعی ہے۔ حیا طبعی میں جب غلو ہو تو استفادہ سے مانع ہو جاتی ہے۔۔۔ متکبر اپنے کو حاجت مندی نہیں سمجھتا۔ بلکہ مستحق سمجھتا ہے تو محروم رہے گا۔

چنانچہ مقولہ ہے: ذلة السؤال خير من ذلة الجهالة۔

ان الله لا يستحي من الحق: حیا کی نسبت جب حق تعالیٰ شانہ کی طرف ہو تو ترک کے معنی ہوتے ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ کا بوجہ حیا سکوت یہ حیا بھی مستحسن ہے۔ یہ آیت شریفہ ان الله لا يستحي اور لا يتعلم العلم مستحي ولا متكبر کے خلاف نہیں۔ نیز یہ حیا مانع عن سوال میں داخل نہیں بلکہ یہ سکوت عن الجواب میں داخل ہے نیز آپ ﷺ کے جواب سے سب کیلئے حصول علم ہو گیا۔ باقی حضرت عمرؓ کا ارشاد مسرت قلبی کا اظہار ہے اس سے سکوت ابن عمرؓ کی کراہت اور وہ بھی شرعی سمجھنا مستبعد ہے۔ (کشف 602/4)

حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں:

ان الله لا يستحي من الحق سے مؤلف کا مقصود یہ ہے اس کے معنی یہ ہیں بوجہ حیا ظلم اور تفقہ سے محروم نہ رہ جائے۔ یہ مطلب نہیں کہ حیا نہ کرے اور تعلم و تفقہ کے وقت حیا کو پاس نہ آنے دے جو کچھ لینا ہو تو بے تامل کہے۔ حاصل یہ کہ دو امور پیش نظر ہوں۔ ۱: بوجہ حیا ظلم و تعلم سے محروم نہ رہے۔ ۲: تعلیم و تعلم میں بھی حتی الوسع حیا مستحسن ہے۔

اس باب میں دو حدیثیں بیان کیں۔ وہ دونوں اس جز کی دلیل ہیں۔ اول حدیث میں جو حضرت ام سلیمؓ کا قصہ مذکور ہے اس سے تو بالہدایت ثبوت حیا مکرر اور نہ مکرر ہو رہا ہے۔ چنانچہ قبل از سوال انہوں نے عرض کیا:

يا رسول الله! ان الله لا يستحي من الحق یہ تمہیدی کلمات حیا نہیں تو اور کیا ہے؟ حضرت ام سلیمؓ کی نسبت ”فخطت ام سلمہ وجہا“ ہے۔۔۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تربت یمینک فہم یشبہا ولہا ارشاد تربت یمینک سے حیا نبوی کی نہایت لطیف خوشبو دھک رہی ہے۔۔۔ مگر اس حالت حیا میں تعلیم و تعلم کے فرض کو جس طرح ہوسکا ادا فرمایا اور مقصود کفو ت نہ ہونے دیا۔ (کشف 601/4)

فغطت ام سلمہ:

اس کا فاعل تو حضرت ام سلمہؓ ہیں۔ قائل یا تو حضرت زینبؓ ہیں یا خود حضرت ام سلمہؓ ہی ہیں۔ قائل اور فاعل دونوں خود ہیں۔ اور اپنے آپ کو صیغہ غائب سے تعبیر فرماری ہیں۔

اَوْ: یہ ہمزہ استفہامیہ اور واو عاطفہ ہے اور معطوف علیہ محذوف ہے۔ زجر و تنبیہ کے وقت یہ لفظ بولے جاتے ہیں۔ مگر لفظی معنی مراد نہیں ہوتے۔

ابوداؤد شریف میں ہے حضرت ام سلمہؓ نے کہا: فضحت النساء یا ام سلیم۔ ام سلیم تو نے عورتوں کو رسوا کر دیا۔ اس لئے کہ ایسا سوال پوچھا جس سے عورتوں کی کثرت شہوت پر دلالت ہوتی ہے کیونکہ احتلام کی کثرت شہوت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ تو حضرت ام سلمہؓ نے شرم کی وجہ سے منہ چھپا لیا۔ لیکن ساتھ خود ہی آپ ﷺ سے پوچھ بھی لیا کہ یا رسول اللہ! اَوْ فحتلم المرأة؟ (شرم کا تو یہ غلبہ کہ آنکھ نہیں اٹھ رہی چہرہ بھی چھپا رہی ہیں۔ حضرت ام سلیمؓ کو کتنا فکر انگیز جملہ بھی فرما دیا۔ لیکن علمی تحقیق کا یہ پاک جذبہ کہ اسی دوران خود ہی ایسا سوال فرماری ہیں جس کا حیا سے کتنا گہرا تعلق ہے؟ حیا طبعی کی بقا اور مانع افادہ حیا کے ترک کو کیسے جمع فرمایا۔ سبحان اللہ)

(آپ ﷺ نے فرمایا: نعم تربت یمینک کے الفاظ میں کائنات کے سب سے بڑے وصف حیا کے حامل نے کس طرح حیا کی معنویت کو اس عرفی جملہ میں سمو دیا۔ جو حیا کی وجہ سے چہرے کو چھپا رہی ہوں انہیں کس لطیف انداز میں اثبات میں جواب مرحمت فرمایا۔ اور اس حقیقت کو سمجھانے کیلئے ایک الزامی و مشاہداتی جملہ سے ساری بحث کو ہی سمیٹ دیا: فہم يشبهوا ولدھا؟)

مطلب یہ ہے کہ اگر عورت میں مادہ منویہ نہ ہوتا تو بچہ کو والدہ سے مشابہت کیسے حاصل ہوتی۔؟ کیونکہ دوسری حدیث میں آتا ہے کہ ماں باپ میں سے جس کا مادہ سبقت کر جاتا ہے بچہ اس کے مشابہ ہوتا ہے جب مادہ موجود ہے پھر احتلام بھی ہو سکتا ہے اگرچہ طبعی طور پر یہ عورتوں میں کم ہوتا ہے لیکن بڑی عمر کی عورتوں میں احتلام ہونا ثابت بھی ہے۔ (انعام الباری 222/2)

مندرجہ بالا معروضات کی تائید میں ایک قوی قرینہ یہ بھی ہے کہ اس باب کے بعد دوسرا باب من استحیی فامر غیرہ بالسؤال منعقد فرما کر حضرت علیؓ کی روایت کنت رجلاً مذاء بیان کی ہے جس سے معلوم ہو گیا جو حیا ترک سوال میں کچھ حرج نہیں البتہ یہ چاہیے کہ دوسرے کے واسطے سے حکم شرعی سے واقف ہو جائے اور علم سے محروم نہ رہ جائے۔ (کشف 601/4)

زینب بنت ام سلمہؓ

ان کی بحیثیت مجموعی خصوصیت یہ بیان کی گئی ہے جب حضور اقدس ﷺ نے کیلئے تشریف لے جاتے تو حضرت ام سلمہؓ اپنی بیٹی سے کہتیں کہ حضور اکرمؐ کے پاس چلی جاؤ وہاں داخل ہوتیں تو آپ ﷺ کے چہرے پر پانی کے چھینٹے ڈال دیتے اور پھر لوٹا دیتے کہتے ہیں کہ معروضہ ضعیف ہو چکی تھیں۔ لیکن ان کے چہرے کی شادابی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ (کشف 610/4)

فائدہ: اس روایت کی بنیاد پر بعض حضرات نے کہا ہے کہ ازواجِ مطہرات کو بد خوابی و احتلام نہیں ہوتا تھا۔ جبھی تو عجب سے پوچھا۔
حضرات انبیاء کے بارے میں یہ بحث و کلام ہے کہ آیا ان کو خواب کی وجہ سے ضرورت غسل پیش آسکتی ہے یا نہیں۔؟
اس سلسلہ میں فیصلہ کن بات یہ ہے بد خوابی کا سبب کیا ہے؟ غلط قسم کے افکار کا جھوم یا وساوسِ شیطانیہ کے سبب ہے تو ان
انفاسِ قدسیہ کو یہ بد خوابی نہیں ہوتی۔۔۔ البتہ برتنِ نطفہ انسان کے پر ہوجانا سبب ہو جائے تو اس کا امکان ہے اور یہ عظمت
و شرافت کے معنائی بھی نہیں ہے۔۔۔ دوسری حدیث میں حضرت عمرؓ کا یہ ارشاد مبارک۔

لے ابن عمرؓ ا بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہوتے ہوئے غلطہ آپ بتا دیتے اور علم میں حیا نہ کرتے تو میرے ہاں یہ
بہت پسندیدہ چیز ہوتی۔۔۔ باقی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے حیا کا منشا چونکہ ادب تھا اور قرآن یہ بتلا رہے تھے
آپ ﷺ نے یہ بتلادینا تھا تو علم سے محرومی نہیں ہوتی تھی۔ اس لئے حیا ابن عمر رضی اللہ عنہ مذموم نہیں۔ غلبہ حیا سے اگر ترک
سوال کرے تو بالواسطہ پوچھ کر علمی و علمی غلطی کا ازالہ کر لے۔ غافل و جاہل با حیا بھی ہو تو بھی شریعت کی نظر میں قابلِ مذمت ہے۔

51 باب مَنْ امْتَحِنَا فَأَمَرَ غَيْرَهُ بِالسُّوَالِ

جو شخص شرم کی وجہ سے خود نہ پوچھے تو وہ دوسرے شخص کو پوچھنے کے لئے کہے

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ دَاوُدَ عَنْ الْأَعْمَشِ عَنْ مُنْذِرٍ الْفُزَارِيِّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَنَفِيَّةِ عَنْ عَلِيٍّ
قَالَ كُنْتُ رَجُلًا مَذْنًا فَأَمَرْتُ الْبَغْدَادِيَّ الْأَشْجَدَ أَنْ يَسْأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ فَقَالَ فَيَدَاؤُ طُوءًا.
ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا میری مذی بہت نکلا کرتی تھی۔ تو میں نے مقداد رضی اللہ عنہ سے کہا تم رسول
اللہ ﷺ سے پوچھو۔ انہوں نے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا اس میں وضو ہی کافی ہے۔

رابطہ: علامہ جیٹ فرماتے ہیں: دونوں ابواب میں ربط ظاہر ہے۔ دونوں ابواب میں مابہ الاشعر اک حیا ہے باب سابق
سے بظاہر حیا کا حج ثابت ہوتا ہے۔۔۔ لیکن اس باب میں تفصیل کر دی۔
غرض بخاری: یہ ہے جو حیا حصولِ علم سے مانع ہو وہ تو مذموم ہے اگر کسی عارض کی وجہ سے خود پوچھنے میں کوئی مانع ہو
تو ایسی صورت اختیار کرے کہ حیا بھی ملحوظ رہے اور علمی فائدہ سے بھی محرومی نہ ہو۔ بلا ضرورت اس قسم کا تذکرہ نہیں کرنا
چاہیے۔ اور ضرورت کے وقت شرم و حیا بھی مانع نہیں ہونا چاہیے۔

تشریح حدیث

كنت رجلاً مذنًا:

مذی: وہ ایسے دارِ پانی جو اہلیہ کے ساتھ ملا عبت کے وقت منی سے پہلے نکلتا ہے۔۔۔

منی اور ندی دونوں میں فرق یہ ہے ندی کے نکلنے سے شہوت اور جوش میں اضافہ ہوتا ہے جبکہ خروج منی سے ارتعاش ختم ہو جاتا ہے۔ اور ٹھنڈک و سکون ہو جاتا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ امام شافعیؒ اور جمہور علماء کا مذہب یہ ہے خروج ندی کی صورت میں صرف موضع اصابت ندی کو دھویا جائے گا دیگر اعضا کو نہیں۔ جمہور نے اصل موجب خروج خارج کو سمجھا، تو حکم بھی کسی اور محل کی طرف متجاوز نہیں ہوگا۔ تائید مزید اس روایت سے ہوتی ہے جس میں اغسلہ کے الفاظ ہیں جس کی ضمیر ندی کی طرف لڑتی ہے۔

جن روایات میں ذکر و انشین کے دھونے کا ذکر ہے وہ استحباب پر یا علاج پر محمول ہیں (پانی کے چھڑکاؤ سے خروج ندی کا انقطاع ہو جاتا ہے) یا احتیاط پر محمول ہیں کیونکہ لوگ عام طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ ندی کا معاملہ بول سے اخف ہے۔ (کشف 647/4) عند الاحناف تطہیر کیلئے صرف اجار کا استعمال کافی ہے۔

جب آدمی میں قوت و رجولیت زیادہ ہوتی ہے تو ذرا سی حرکت سے ندی خارج ہو جاتی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی قوت و طاقت مشہور ہے۔ جب آپ گھر جاتے تو کوئی صورت ابتدائی طور پر یہی پیش آ جاتی تو خروج ندی ہو جاتا۔ تو ان کے ذہن میں یہ تھایا بھی منی کی طرح موجب غسل ہے حتیٰ کہ بعض روایات میں ہے کہ سردی کی وجہ سے نہاتے نہاتے ان کی کمر پھٹ گئی تھی۔

اسی لئے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے توسط سے اسی کے بارے میں دریافت فرمایا۔ حدیث الباب میں بھی ہے۔
سوال: ندی کے دریافت کے سلسلہ میں تین طرح کے الفاظ ہیں جو موجب تعارض ہیں۔ ۱۔ امرت المقداد۔ ۲۔ امرت عماراً (ابن یاسرؓ) ۳۔ مسئلت (ای بنفسی)

جواب ۱: حافظ ابن حجرؒ نے یہ توجیہ فرمائی ہے کہ مسئلت سے مراد بالواسطہ سوال کرنا ہے۔ باقی دونوں حضرات کے سلسلہ میں یہ توجیہ ہے کہ ایک سے کہا تھا مگر انہوں نے پوچھنے میں تاخیر کی تو دوسرے سے فرما دیا کہ آپ پوچھیں۔

جواب ۲: دوسری توجیہ ہے دونوں حضرات نے مندرجہ سوال پوچھنے میں تاخیر کی تو پھر حضرت علیؓ نے براہ راست آپ ﷺ سے دریافت کر لیا۔

یہ تطبیق مناسب ہے بعض طرق میں چونکہ حضرت علیؓ کا استحياء مذکور ہے اس لئے خود حضرت علیؓ کے پوچھنے کو مجاز پر حمل کیا جائے گا چونکہ امر حضرت علیؓ تھے اس لئے بعض راویوں نے سوال کی نسبت ان کی طرف کر دی۔ (کشف 642/4)

52 باب ذکر العلم والفتیاء فی المسجد مسجد میں علم کی باتیں کرنا اور فتویٰ دینا

حَدَّثَنِي فَتْيَيْتُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ حَدَّثَنَا نَافِعٌ مَوْلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْخَطَّابِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ زُجْلًا قَامَ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ نَارَ سَوَّلَ اللَّهُ مِنْ أَتَيْنَ تَأْمُرُنَا أَنْ نَهْلَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَهْلُ أَهْلُ الْمَدِينَةِ مِنْ ذِي الْخَلِيفَةِ يَهْلُ أَهْلُ الشَّامِ مِنَ الْجَحْفَةِ يَهْلُ أَهْلُ نَجْدٍ مِنْ قُرْنٍ وَقَالَ ابْنُ عَمْرٍو

وَبَزَعُمُونَ أَنْزَلَ نَسْوَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَيَهْلُ أَهْلُ الْيَمَنِ مَنْ يَلْمَهُمْ كَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُولُ لَمْ أَفْقَهُ هَذِهِ
مِنْ ذَنْبِ نَسْوَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ایک شخص نے مسجد میں کھڑے ہو کر کہا: یا رسول اللہ! آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں کہ ہم احرام کہاں سے باندھیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا مدینہ والے ذوالحلیفہ سے احرام باندھیں اور شام والے جحفہ سے احرام باندھیں اور نجد والے قرن سے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا لوگ کہتے ہیں آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا یمن والے یلمم سے اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں یہ بات میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی۔

غرض بخاری: مقصود ایک حدیث میں تخصیص ہے۔ وہ حدیث ہے: ایاکم وہی شاة الاسواق فی المساجد۔ مساجد کو بازار شہر والے سے بچاؤ۔

امام بخاریؒ نے فرمایا: ویسے شور و شغب تو جائز نہیں لیکن تعلیم و تعلم اور کتب کا تکرار وغیرہ یہ مسجد میں ہو سکتا ہے۔
فائدہ: سمندری راستہ سے ہماری (اہل پاکستان) کی میقات یلمم ہے اور فضائی راستہ سے قرن منازل ہے۔

53 باب مَنْ أَجَابَ السَّائِلَ بِأَكْثَرِ مِمَّا سَأَلَهُ

سائل کو اس کے سوال سے زیادہ جواب دینا

حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذَنْبٍ عَنْ نَافِعٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ
الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ مَا يَلْبِسُ الْمُخْرِمُ فَقَالَ
لَا يَلْبِسُ الْقَمِيصَ وَلَا الْعِمَامَةَ وَلَا الشَّرَاوِيلَ وَلَا الْبُرْنُسَ وَلَا ثَوْبًا مَشَّةَ الْوَرُشِ أَوْ الزَّعْفَرَانِ فَإِنْ لَمْ
يَجِدْ لَتَغْلِيْنِ فَلْيَلْبَسِ الْخُفَيْنِ وَلَا يَقْطَعْهُمَا حَتَّى يَكُونَ نَاقِحَتِ الْكَعْبَيْنِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ایک شخص نے حضور ﷺ سے پوچھا محرم احرام کی حالت میں کیا پہنے؟ آپ ﷺ نے فرمایا قمیص، عمامہ، پانجامہ اور ٹوپی نہ پہنے اور نہ وہ کپڑا جس میں درس یا زعفران لگی ہوئی ہو اور اگر جوتے نہ پائے تو موزے پہن لے اور ان کو ٹخنوں کے نیچے تک کاٹ لے۔

غرض بخاری: قاعدہ و ضابطہ تو یہی ہے جواب سوال کے مطابق ہو۔۔۔ لیکن اگر نادان سائل غیر ضروری سوال کرے یا ضرورت سے کم کرے اور صورت مسئلہ صحیح ذکر نہ کر سکے تو دانا عجیب ضروری چیز کا جواب دے گا۔۔۔ یعنی جواب عند الضرورت زیادہ دینا بھی صحیح ہے۔ یا جو ضروری بات ہو وہی بتا دینا کافی ہے۔ جیسے یسئلونک عن الاہلۃ قل ہی موافقت میں منافع اہلال بتا دیے مگر اہلہ کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ اس لئے کہ وہ سوال ہی غیر ضروری ہے۔

تشریح حدیث

لا یلبس القمیص:

پہننے والی چیزیں تو بہت ہیں اس لئے نہ پہننے والی بتادیں اس لئے کہ احرام ممانعت پر دلالت کرتا ہے اور اس میں اشارہ کر دیا ممنوعات کے بارے میں پوچھو۔

تحت الکعبین:

اگر نعلین نہ ہوں تو خفین پہن سکتا ہے۔ مگر کعبین سے کاٹ دے۔ کعب وہ ہڈی ہے جو پاؤں کی پشت پر ابھری ہوتی ہے۔ فان لم یجد النعلین فلیبس الخفین الخ: بایں طور پر ہے کہ سائل نے اس بارے میں سوال نہیں کیا تھا۔ آپ ﷺ نے اسلوب حکیمانہ کے طور پر سائل کو اس مسئلہ کی بھی ضرورت ہوگی از خود بتلا دیا۔ سائل نے آپ ﷺ سے ملبوسات کے بارے میں سوال کیا تھا جو محرم پہن سکتا ہو مگر آپ ﷺ نے غیر ملبوسات کو ذکر فرمایا۔ جن چیزوں کے پہننے کی اجازت ہے ان کے پہننے میں کوئی حرج نہیں اور جن کے پہننے کی اجازت نہیں ان کے پہننے سے ضرر ہوتا ہے بتا دیا کہ جلب منفعت سے دفع مضرت مقدم ہے۔ لہذا غیر ملبوسات کے متعلق سوال کرنا چاہیے۔ دوسرے یہ کہ ملبوسات کی تو کوئی حد نہیں۔ غیر ملبوسات محدود ہیں۔ آپ ﷺ نے محدود کو بیان فرمایا تو جب یہ معلوم ہو گیا کہ فلاں فلاں چیز استعمال کرنا ناجائز ہے تو باقی تمام چیزوں کا استعمال جائز ہے۔

ترجمة الباب سے مطابقت:

سائل نے صرف ملبوسات کا سوال کیا تھا آپ ﷺ نے غیر ملبوسات کو منطوقی حدیث اور ملبوسات کو مفہوم حدیث سے بیان فرما دیا۔ نیز سائل نے حالت اختیار کا سوال کیا تھا آپ ﷺ نے حالت اضطرار کا بھی مسئلہ بیان فرما دیا کہ اگر کسی کو نعلین نہ ملیں تو خفین کاٹ کر پہن لے۔ (کشف 667/4)

فائدہ: حافظ ابن حجرؒ نے ترجمۃ الباب سے مسئلہ نکالا اگر سائل مفتی سے کوئی خاص سوال کرے اور مفتی سمجھتا ہے اگر میں خاص جواب دوں تو اس سے غلط فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے تو اس کے لئے جائز ہے کہ تفصیلی جواب دے اور ناجائز فائدہ کاراستہ بند کر دے۔ (درس شامی 312)



فائدہ: براعتِ اختتام

امام بخاریؒ نے آخر میں یہ باب باندھ کر اشارہ فرمادیا

اے طلباء کرام!

کتابِ العلم میں جتنی باتیں ضروری تھیں میں نے اس سے زیادہ بتا دیں۔

نیز ولیقطع کے لفظ سے اختتام کتاب کی طرف اشارہ فرمایا ایسے ہی اختتامِ حیات کی طرف بھی اشارہ ہے۔

فرق یہ ہے کہ احرامِ خود باندھتا ہے کفن دوسرے پہناتے ہیں۔ اس سے گویا انسان کے اس دنیا سے کوچ کرنے کی طرف اشارہ ہے تو کوچ کے فکر سے علم و عمل سے مزین ہو کر جانا چاہیے۔

فائدہ:

آنے والے ابواب سے پہلے بنیادی ابواب و احادیثِ وحی، ایمان اور علم پڑھنے کے بعد آپ کی قلبی کیفیت

حبِ نبوی ﷺ کے بارے میں کیا ہے تو یہ شعر آپ کے بابِ قلب پر دستک دے رہا ہے۔

بے عشقِ نبی جس نے لیا درسِ بخاری

آتا ہے بخار اسکو بخاری نہیں آتی

★.....★.....★

الحمد لله الذي بنعمته تتم الصالحات

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حقیقتِ ایمان سے متعلق مذاہب کی وجہ حصر

ایمان کا تعلق فقط زبان سے ہوگا یا فقط دل سے۔ اگر زبان سے ہو تو وہ کرامیہ کا مذہب ہے اور اگر دل سے تعلق ہو تو دو حال سے خالی نہیں۔ تصدیقِ اختیاری ہوگی یا غیر اختیاری بھی کافی ہوگی۔ اگر غیر اختیاری ہو تو جہیہ کا مذہب اور اگر اختیاری ہو تو دو حال سے خالی نہیں۔ اعمالِ صالحہ ضروری ہوں گے یا نہ ہوں گے۔ اگر نہ ہوں تو یہ مرجئہ کا مذہب ہے اور اگر اعمالِ صالحہ ضروری ہوں تو پھر دو حال سے خالی نہیں۔ ان کے ترک سے ایمان سے خروج لازم آئے گا یا نہیں۔ اگر لازم آئے تو وہ معتزلہ و خوارج کا مذہب ہے۔ خروج کی صورت میں دو حال سے خالی نہیں کہ ایمان سے خارج ہو کر کفر میں داخل ہوگا یا نہیں ہوگا۔ اگر نہ ہو تو یہ معتزلہ کا مذہب اور اگر داخل ہو تو یہ خوارج کا مذہب ہے اور اگر اعمالِ صالحہ کے ترک سے خروج عن الایمان لازم نہ آئے تو پھر دو حال سے خالی نہیں۔ عبارت و تعبیر میں ان کو جزء قرار دیں گے یا نہیں۔ اگر تعبیر میں جزء و ایمان قرار دیں تو یہ ائمہ ثلاثہ اور محدثین کا مذہب ہے اور اگر تعبیر و بیان میں جزء قرار نہ دیں تو یہ متکلمین اور امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے۔

عنایت الہادی ——— مشائخ حدیث کی نظر میں

”بندہ نے بالاستیعاب شرح کا مطالعہ کیا۔ الحمد للہ ہر لحاظ سے شرح کو کامل و مکمل پایا۔ تمام ضروری مباحث تحت الحدیث ذکر کردی گئیں۔ لغوی تحقیقات، مشکل تراکیب، فنی مباحث، راویوں کے حالات اور مذاہب باطل کا خوب تعاقب فرمایا۔“
(حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمن جامی مدظلہ) [مدیر شیخ الحدیث جامعہ امداد العلوم محمود کوٹ]

”عنایت الہادی کی مہاربات سے باب من اعداد الحديث فلاحاً (کتاب العلم) تک تفصیلی مطالعہ کیا ہے
حشو و زوائد سے میرا تدریسی ضرورت کے ضروری مواد سے مزین ہے۔“

(حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا منیر احمد منور مدظلہ) [شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ باب العلوم کھروڑ پکا]

”طلبہ کو عنایت الہادی کی صورت میں ایسا مجموعہ دیا جو مشہور و معروف محدثین، مدرّسین، محققین کی شبانہ روز گفتگوں، عرق ریزیوں، شب بیداریوں سے ماخوذ ہونے کی وجہ سے ماخوذ عنہ کی مثل محقق، معتمد، مدلل، مستدل اور مربوط ہے۔“
(حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا ارشد احمد مدظلہ) [مدیر شیخ الحدیث دارالعلوم عید گاہ کبیر والا]

”کوئی صاحب ذوق، طالب علم اپنے یومیہ سبق کے حصہ کا اس کتاب سے مطالعہ کرے تو سینکڑوں صفحات کے مطالعہ کا جو ہر اسے مل جائیگا۔“

(شائق ختم نبوت حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب مدظلہ) [مرکزی رہنما عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان]

”دور حاضر کے ممتاز شیوخ حدیث اور مصنف اول کے صاحب بصیرت محدثین کرام کی مساعی مشکورہ میں سے ہر ایک کی خصوصیت کو لے لیا اور یوں یہ عجیب گلدستہ علم و حکمت ”العمود المجموعۃ“ بن گیا۔“
(حضرت اقدس مولانا محمد عابد مدنی مدظلہ) [جامعہ خیر المدارس ملتان]

”عنایت الہادی کا انداز بڑا سلیس، رواں دواں، محکمات اور مدرسانہ ہے بلکہ اپنے اہداف کے حوالہ سے خالص طالب علمانہ ہے۔“
(حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہ) [جامعہ ابو ہریرہ خالق آباد نوشہرہ]

”ان کے قلمی ذوق نے انہیں یہ جملہ بکھڑا کر کے اسرار و رموز کے وہ بکھرے موتے جو مختلف شروح و حواشی میں پھیلے ہوئے ہیں انہیں یکجا جمع کر کے گچ بھاری کی شرح ترتیب دی۔“ (حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا زبیر احمد صدیقی مدظلہ) [مدیر جامعہ فاروقیہ شجاع آباد]

تفہیماتِ مسیلم

تقریراتِ ترمذی

خیر المناجیح

000001 007992
inayatul bari

ادارۃ تالیفات اشرفیہ
پاک فوریسٹ نیشن
{0322-6180738, 061-4519240}

محاسن اسلام